Deobandi wahabi congressi mulla ,mukhalif e pakistan ki hayat

روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی ۔ شیخ الاسلام نمبر

وھابی دیوبندی گرو کی کہانی دیو کی زبانی

ناشر
مکتبہ مدنیہ
باغبانپورہ جدید، گوجرانوالہ
پاکستان

فون: ٧٦٢٢١
٧٦٣٦٣
٧٥٦٥٦

اشاعت خصوصی باہتمام
مولانا محمد یوسف عثمانی
مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم
گوجرانوالہ

Reference book for Ahle sunnah

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

ایڈیٹر
محمد عثمان فارقلیط

روزنامہ الجمعیۃ دہلی

معاون: بہار برنی

خصوصی شمارہ بروز ہفتہ ۲۵ رجب المرجب ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۵۶ء جلد ۴۳

پاکستان میں پہلی بار، ۲۴ جمادی الاوّل ۱۴۰۵ھ بمطابق ۱۵ فروری ۱۹۸۵ء بروز جمعۃ المبارک، قیمت ۲۰ روپے

جانشین شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سیّد اسعد مدنی مدظلہ العالی کا

اظہار مسرّت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و خاتم النبیین

یہ معلوم کرکے بہت مسرت ہوئی کہ الجمعیۃ دہلی کا "شیخ الاسلام نمبر" پاکستان میں بھی شائع کیا جارہا ہے
حافظ محمد یوسف عثمانی صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کی مخلصانہ مساعی سے یہ اشاعت اہل علم
و فضل تک پہنچ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دے اور
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ کی محبت و اطاعت نصیب فرمائے۔ آمین

اسعد غفرلہ

۱۶ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ
۱۰ دسمبر ۱۹۸۴ء

زیر سرپرستی
سیّد نفیس رقم
لاہور
مولانا عبدالقیوم ہزاروی
گوجرانوالہ

معاونین حضرات
حافظ عزیز الرحمٰن ایم اے، مولانا عبدالعزیز، حافظ عبدالقدوس قارن
سیّد عبدالمالک شاہ، طالب اعوان، احسان الواحد

کتابت عنوانات
عظمت فاروق ــــــ محمد امان اللہ قادری

زیر نگرانی
حافظ محمد یوسف عثمانی
گوجرانوالہ
عبدالمتین چوہان
گوجرانوالہ

Nicht zwischen die Zeilen schreiben!

[illegible]

Absender:– Sheikh Husain Ahmed
P. of W. No. 2217
St. Clements [illegible]
Malta
Island

No Stamp Required

Prisoners of War.

[illegible]

Amroha
Dist. Muradabad
India
via Bombay

عکس تحریر

پیکرِ تسلیم و رضا۔ کوہ استقلال و استقامت حضرت شیخ الاسلامؒ کے ایک نادر و نایاب خود نوشتہ مکتوب کا عکس ملاحظہ فرمایئے جو حضرت نے ۱۹۱۹ء میں اپنے ایک مخلص دوست کے نام تحریر فرمایا تھا۔

حضرتؒ نے یہ مکتوب مالٹا جیل سے ارسال فرمایا تھا جبکہ آپ اپنے مرشد استاد حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ آزادیٔ وطن کی خاطر مالٹا میں نظر بند تھے۔

اس مکتوب میں ایک طرف رقت انگیز حادثۂ عظیم کی اطلاع کہ اپنی نظر بندی کے زمانہ میں خاندان کے چھ عزیز افراد راہیٔ ملکِ بقا ہوگئے اور دوسری جانب رضا بالقضا کی وہ شان جو مکتوب گرامی کی ایک ایک سطر میں جھلک رہی ہے خاص طور پر سبق آموز ہے

"انیس الحسن"

آٹوگراف

جو حضرت شیخ قدس سرہ نے شیخ انجینیر صاحب (بمبئی) کی صاحبزادی کو عنایت فرمایا تھا

خوش اخلاقی دنیا اور آخرت کی فلاح کی کنجی ہے
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں
اکرمکم الیٰ یوم القیامۃ احسنکم اخلاقا

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
۵ - صفر ۱۳۷۶ھ

عنوانات

پیش لفظ

نفیس الحسینی

شیخ العرب والعجم حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی نابغۂ روزگار شخصیت برصغیر پاک و ہند کا اعزاز اور عالمِ اسلامی کا سرمایۂ صد فخر و ناز ہے ان کی عظمت کا آفتاب یوم قیامت تک اُفقِ دہر پر جگمگاتا رہے گا، زیرِ نظر رسالہ "الجمیعۃ" کا "شیخ الاسلام نمبر" ہے جس میں حضرت اقدس مدنی قدس سرہٗ کے نقوشِ حیات ثبت ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ؎ ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

"شیخ الاسلام نمبر" آج سے ۲۷ سال پہلے دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اب اس کو دوبارہ منظرِ عام پر لانے کی سعی و کوشش محبِ صادق جناب حافظ محمد یوسف کے مخلص ہاتھوں سے ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزا سے نوازے۔ "الجمیعۃ" کا یہ شمارہ حضرت شیخ الاسلام کی حیات مبارک کے تقریباً بھی پہلوؤں کو محیط ہے۔ ذیل میں حضرت کا سوانحی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ایک نظر میں اس ہمالۂ عظمت کا اندازہ کیا جا سکے۔

سوانحی خاکہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

ولادت باسعادت ۱۹ر شوال ۱۲۹۶ھ

۱۳۰۹ھ اوائل صفر — دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔

۱۳۱۲ھ — مولانا الحافظ احمد صاحب خلف الصدق حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ دار العلوم دیوبند کے مہتمم مقرر ہوئے۔ اور تاحیات یعنی ۱۳۴۷ھ تک عہدۂ اہتمام پر رونق افروز رہے۔

۱۳۱۶ھ — ۱۳۰۹، ۱۳۱۶ھ دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۱۶ھ میں والد ماجد رحمہ اللہ کے ساتھ مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ حضرت اقدس قطب عالم مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا، ۲۴ یا ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ کو مکہ معظمہ پہنچے۔ طواف قدوم سے فارغ ہو کر قطب عالم حضرت مولانا الحاج امداد اللہ تھانوی قدس سرہٗ کی بارگاہِ عالی میں حاضری کا شرف حاصل کیا، ۲۵ تا ۲۶ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ روانگی ہوئی۔

۱۳۱۷ھ — محرم الحرام کی ابتدائی تاریخوں میں مدینہ منورہ میں شرف حضور حاصل ہوا، دیوبند سے رخصت کے وقت حضرت شیخ الہند نے پُرزور طریقہ پر ہدایت فرمائی تھی کہ پڑھانا ہرگز نہ چھوڑنا چاہے ایک دو طالب علم ہی ہوں چنانچہ مدینہ منورہ میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

۱۳۱۸ھ — شوال ۱۳۱۸ھ تک ابتدائی کتابیں مختلف فنون کی دو دو چار چار طالب علموں کو پڑھاتے رہے۔ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ میں حضرت قطبِ عالم مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہٗ کے ارشاد کے مطابق گنگوہ شریف کا سفر کیا۔

۱۳۲۰ھ — میں ہندوستان سے واپس مدینہ منورہ پہنچے۔ اس وقت سے سلسلہ تعلیم بڑے پیمانے پر جاری ہوا۔ توطیہ کے مدرسہ میں ملازمت، خارج از مدرسہ اوقات میں حرم محترم نبوی میں کتابوں کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ صبح کی نماز کے بعد، عصر کے بعد، مغرب کے بعد بلکہ عشاء کے بعد بھی مختلف علوم و فنون کی کتابیں شروع کرا دیں۔

۱۳۲۳ھ — قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی کا وصال

۱۳۲۴ھ — مولوی احمد رضا خان کا فتنہ۔ حسام الحرمین

۱۳۲۶ھ — پہلی اہلیہ کا انتقال

۱۳۲۷ھ — دار العلوم میں باقاعدہ تدریس کا آغاز

۱۳۲۸ھ — دار العلوم کا جلسہ دستار بندی (۱۶، ۱۷، ۱۸ اپریل ۱۹۱۰ء)

〃 — حضرت کی دستار بندی

۱۳۲۹ھ — والدہ ماجدہ کا انتقال

〃 — ہندوستان سے واپسی حجاز

۱۳۳۱ھ — ابتدائے سال میں حجاز سے تیسرا سفر ہندوستان اواخر سال میں واپسی مدینہ منورہ تیسری مرتبہ۔

۱۳۳۳ / ۱۳۳۴ — میں حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد قدس سرہما حجاز شریف لے گئے شریف حسین حاکم مکہ نے ترکی حکومت کے خلاف انگریزوں سے مل کر بغاوت کر دی۔ شیخ الہند رحمہ اللہ کے مدینہ منورہ سے روانگی مکہ مکرمہ کے بعد حضرت مدنی کے والد ماجد اور بھائیوں سید احمد صاحب اور سید محمود صاحب کی گرفتاری۔ ایڈریانوپل میں ان کی انکی نظر بندی۔ والد ماجد ذات الجنب میں مبتلا ہو کر ایک ماہ بعد وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ وہیں مدفون ہوئے۔

غازی انور پاشا اور غازی جمال پاشا۔ کمانڈر انچیف محاذ مصر و حجاز سے حضرت شیخ الہند کی مدینہ منورہ میں ملاقات۔

۱۳۳۵ھ — مکہ مکرمہ میں حضرت شیخ الہند اور انکے رفقاء کی گرفتاری پہلے جدہ اور پھر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو مصر روانہ کیے گئے، حضرت مدنی بھی ساتھ تھے سیاسی قید خانہ

میں رکھے گیے۔ ۲۲ر ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو یہ تمام حضرات شیخ الہند، حضرت مدنیؒ، حضرت مولانا عزیز گلؒ، مولانا حکیم نصرت حسین اور مولانا وحید احمد مدنی مالٹا روانہ کردیے گیے

۲۹ر ربیع الثانی کو جزیرہ مالٹا میں پہنچ گئے۔ تقریباً تین سال وہاں قید رہے۔

۱۳۳۷ھ قطب عالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہ کی وفات

۱۳۳۸ھ ۲۲ر جمادی الثانی کو رہائی ملی جس وقت ہندوستان تشریف لائے اس وقت تحریک خلافت زوروں پر تھی جو مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی و شوکت علی کی قیادت میں تحریک آزادی جاری تھی ——— تحریکِ ترک موالات کا آغاز

شیخ الاسلام جامع مسجد امروہہ کی صدر مدرسی۔ شیخ الہند نے اپنے پاس بلالیا۔ کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے تعلیمی ادارے میں تقرر

۱۳۳۹ھ شیخ الہند کی شدید علالت اور ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دہلی میں ڈاکٹر انصاری صاحب کے مکان پر وفات۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۸ سیاسی اجتماعات میں شرکت۔ مولوی بازار کلکتہ، ضلع رنگپور کے عظیم الشان جلسہ ہائے خلافت وجمعیۃ کی صدارت، سیوہارہ ضلع بجنور میں جمعیۃ وخلافت اور کانگریس کے عظیم جلسے ساتھ ساتھ ہوئے تو خلافت کے جلسے کی صدارت کے لیے آپ ہی کو منتخب کیا گیا، مظاہر العلوم سہارنپور کے جلسے میں شرکت، کراچی کے مشہور جلسے میں شرکت۔

مسلسل اسفار اور سیاسی مصروفیات کے باعث آپ سے کلکتہ کی ملازمت نبھ نہ سکی اور وہاں سے معاملہ ختم ہوگیا۔ ۱-۲-۳ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ/ ۸-۹-۱۰ر جولائی ۱۹۲۱ء کراچی میں خلافت کمیٹی کے عظیم الشان جلسے جن میں مولانا محمد علی و مولانا شوکت علی بھی شریک تھے۔

شیخ الاسلام کی تجویز کہ انگریزوں کی فوج میں ملازم رہنا، بھرتی ہونا یا اس کی دوسروں کو ترغیب دینا حرام ہے۔"

۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء حضرت شیخ الاسلام مدنی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور ڈاکٹر کچلو کے وارنٹ گرفتاری

۱۸ر ستمبر ۱۹۲۱ء، ۱۵ر محرم ۱۳۴۰ھ کو حضرت مدنی کی گرفتاری۔ ۲۶ر ستمبر سے مقدمہ کی کارروائی شروع۔ ۲۸ر ستمبر کو مولانا محمد علی کا بیان۔ مولانا محمد علی کے بیان کے بعد حضرت شیخ الاسلام کا بیان ہوا۔ ۲۹ر ستمبر کو عدالت میں بیان دیتے ہوئے مولانا محمد علی نے بڑھ کر حضرت مدنیؒ کے قدم چوم لیے۔ حضرت شیخ الاسلام مع رفقا ریشن سپرد۔

۲۴ر اکتوبر ۱۹۲۱ء کو مقدمہ جوڈیشل کمشنر سندھ کی عدالت میں شروع ہوا۔ ۲۸ر اکتوبر کو حضرت مدنی کا بیان ہوا۔ کراچی کے زمانۂ اسارت میں مولانا محمد علی جوہر نے حضرت شیخ الاسلام سے ترجمۂ قرآن مجید پڑھا۔ یکم نومبر ۱۹۲۱ء (۲۹ صفر ۱۳۴۰ھ) اس مشہور تاریخی مقدمہ کا فیصلہ۔ شیخ الاسلام اور آپ کے رفقاء کو دو دو سال قید بامشقت حضرت مدنی سابرمتی جیل میں۔

۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء دسمبر ۱۹۲۳ء میں کوکناڈا میں جمعیۃ العلماء ہند کا عظیم الشان پانچواں اجلاس۔ حضرت شیخ الاسلام صدارت کے لیے منتخب ہوئے۔

۲۳تا ۱۹۲۷ء تک سلہٹ کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

۱۳۴۶ھ میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اور اُن کے رفقاء کے استعفیٰ۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے مشورے سے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور دیگر اراکین مجلس شوریٰ نے حضرت شیخ الاسلام کو عہدۂ صدارتِ تدریس پیش کیا۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین بن گئے۔ تحریکات میں شرکت کا سلسلہ جاری رہا۔ جمعیۃ علماء ہند اور کانگرس کی ہر قسم کی جد وجہد میں قائدانہ حصہ۔

۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء میں کانگرس اور جمعیۃ علماء ہند نے حکومت کے خلاف ستیہ گرہ۔ آپ جمعیۃ کے ڈکٹیٹر بنائے گئے۔ آپ کی گرفتاری۔

۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء مسٹر جناح اور دوسرے لیگی لیڈروں نے دہلی میں جمعیۃ علماء کے اکابر سے مل کر لیگ اور جمعیۃ کے اتحاد کے لیے کوشش کی۔

۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء ۸ر جنوری ۱۹۳۸ء کی شب میں حضرت اقدس مدنی نے صدر بازار دہلی متصل پل بنگش ایک جلسے میں تقریر فرمائی۔ جس کا بڑا حصہ ۹ر جنوری کے "تیج" اور "انصاری" دہلی میں شائع ہوا۔ چند روز کے بعد "الامان" اور "وحدت" دہلی نے اس تقریر کو قطع وبرید کے بعد اپنے صفحات میں جگہ دی۔ ان پرچوں سے "زمیندار" اور "انقلاب" لاہور نے اس تقریر کو نقل کیا اور یہ جملے حضرت اقدس مدنی کی طرف منسوب کردیے کہ حسین احمد دیوبندی نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ چونکہ اس زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتی۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بھی اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں او کما قال۔ جب یہ اخباری اطلاع علامہ اقبال کے کان میں پڑی تو انہوں نے حضرت اقدس سے استفسار یا تحقیق کے بغیر چند اشعار سپرد قلم کردیے۔ ان اشعار کی بنا پر ہندوستان کے علمی اور دینی حلقوں میں ایک ہنگامہ ہوگیا جس کی تفصیل اس زمانے کے روزانہ اور ہفتہ وار اخباروں سے معلوم ہوسکتی ہے۔

حقیقت حال معلوم ہونے پر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اپنے ایک اخباری بیان میں اپنے تنقیدی اشعار سے رجوع فرمایا۔ لیکن بجائے "ارمغان حجاز" کے مرتبین نے پھر بھی کن مصلحتوں کے تحت وہ اشعار کتاب میں شامل کرلیے۔ علامہ کے بعض دوستوں اور ماہرین اقبالیات کی یہ رائے ہے کہ اگر یہ مجموعہ علامہ مرحوم کی زندگی میں چھپتا تو یہ اشعار اس میں شامل نہ ہوتے۔ علامہ اقبال مرحوم حضرت اقدس مدنیؒ کے عقیدتمندوں میں سے تھے چنانچہ فرمایا کہ "مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں اُن کے کسی عقیدتمند

سے پیچھے نہیں ہوں۔"

۱۹۴۰ء حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب خرابیٔ صحت کی بنار پر جمعیۃ العلمار کی صدارت کے لیے تیار نہ ہوئے۔ حضرت شیخ الاسلام جمعیۃ العلمائے ہند کے صدر منتخب ہوئے۔

۱۹۴۲ء جون ۱۹۴۲ء میں خلافِ قانون تقریر کے الزام میں گرفتار چھ ماہ قید بامشقت پانچ سو روپے جرمانہ۔ چھ ماہ بعد قید میں توسیع۔ غیر معینہ مدت کے لیے نظر بند۔

۱۹۴۳ء ۲۴ر جنوری ۱۹۴۳ء کو مراد آباد جیل سے نینی جیل الہ آباد کو منتقلی۔ انیس ماہ نظر بند۔

مدت اسیری ۲ سال ۲ ماہ۔ ۲۶ر اگست ۱۹۴۴ء کو رہا ہوئے۔ تحریک آزادی کا شباب۔ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان۔ ہندوستان شدید ترین سیاسی بحران سے دوچار۔

ان نازک حالات میں حضرت شیخ الاسلامؒ اور آپ کی جماعت کا موقف یہ تھا کہ کوئی ایسا فارمولا تسلیم نہ کیا جائے جس سے ہندوستان کے کسی مخصوص علاقہ کے باشندوں کو فائدہ پہنچے اور دیگر حصۂ ملک کے مسلم باشندے تباہی اور بربادی کا شکار ہو جائیں۔ اس لیے مسئلہ کا حل اس طرح ہونا چاہیئے کہ تمام علاقوں کے مسلمان باعزت طریقہ پر رہ سکیں۔ کیونکہ تقسیم ملک کی صورت میں مسلم اقلیت کا مسئلہ بدستور اُلجھا رہے گا جبکہ پاکستان میں غیر مسلم اقلیت اس قدر مؤثر ہوگی کہ وہاں کی مسلم اکثریت ان سے متاثر ہونے پر مجبور ہوگی اور اگر تبادلۂ آبادی کی نوبت آتی ہے تو نہایت تباہی و بربادی کے مناظر سامنے آئیں گے اور چونکہ ہندوستان میں مسلم اقلیت آٹے میں نمک کے برابر ہوگی اس لیے قطعاً غیر مؤثر ہوگی اور یہاں کی اکثریت اپنی من مانی کرنے میں آزاد ہوگی۔ آپ نے ایک جامع سکیم پیش فرمائی جو مدنی فارمولا کے نام سے مشہور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) مسلم اکثریت کے صوبے دو تین امور کے علاوہ اپنے تمام معاملات میں خود مختار ہوں۔ مرکز کی تشکیل میں ہندو اور مسلم ممبران مساوی اور دس سیٹیں پس ماندہ طبقوں کے لیے۔ اس طرح ہندو اور مسلمان ہر ایک کو ۴۵ فیصد سیٹیں ملتیں اسی کے ساتھ یہ شرط بھی تھی کہ کوئی قانون جس کا تعلق مسلمانوں سے ہوگا وہ اس وقت تک پاس نہ ہو سکے جب تک مسلم ممبران کی اکثریت اس کے حق میں نہ ہو۔ اگر یہ فارمولا تسلیم کر لیا جاتا تو آج تمام ہندوستان مسلمانوں کے لیے پاکستان ہوتا۔

۱۹۴۷ء چودہ اور پندرہ اگست کی درمیانی شب کو برصغیر آزاد ہو گیا۔ ہندوستان تقسیم ہو گیا۔ پاکستان وجود میں آ گیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس مدنی سیاسی ہنگامہ آرائی سے کنارہ کش ہو گئے آزادیٔ وطن کے حصول کی راہ میں سب کچھ کرنے اور سب کچھ سہنے کے باوجود جب زمام حکومت اہل وطن کے ہاتھوں میں آ گئی تو کسی مادی منفعت کی طرف نگاہ اٹھائے بغیر خاموشی کے ساتھ میدان سے ہٹ گئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپ نے حکومتِ ہند کے پیش کردہ خطاب و تمغہ کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ ہندوستان کو آزادی ملنے کے بعد آپ ہمہ تن درس و تدریس، ارشاد و ہدایت اور احیار سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں منہمک ہو گئے اور جہادِ اصغر سے فراغت کے بعد لوگوں کو تادمِ حیات جہادِ اکبر کا سبق برابر دیتے رہے آپ نے ملک کے طول و عرض میں پئے درپئے دورے کیے اور اپنی تقریروں میں مسلمانانِ ہند کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر چلنے کی تلقین فرماتے تھے۔ ہر ماہ رمضان المبارک آپ سلہٹ میں گذارتے تھے۔

۱۹۴۸ء فروری میں آپ نے جمعیۃ علمار صوبہ بہار کے سالانہ جلسہ بمقام سمستی پور ضلع دربھنگہ میں شرکت فرمائی۔ گجرات کے بھی آپ نے پے درپے دورے کیے۔

۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء میں آپ نے اپنا آخری سفرِ حج اختیار کیا۔ یہ سفر دو ماہ رہا۔ مدینہ طیبہ میں چالیس روز قیام فرمایا

۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء کے شروع میں جمعیۃ العلمار ہند کانفرنس میں حضرتؒ نے شرکت فرمائی۔

۱۵ر ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۴ر جولائی ۱۹۵۷ء کو مدراس کا سفر اختیار فرمایا۔ طبیعت کی ناسازی کی بنا پر تمام پروگرام ناتمام چھوڑ کر بروز جمعہ ۵ محرم ۱۳۷۷ھ کو واپس دیوبند تشریف لے آئے۔ اس کے بعد مسلسل بیماری چلتی رہی۔ اسی دوران میں خانقاہ عالیہ رائپور میں قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ کی ملاقات کو تشریف لے گئے ایک شب وہاں قیام فرمایا۔ ۲۸ر محرم الحرام ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۵ر اگست ۱۹۵۷ء کو آپ نے اپنی زندگی کا آخری سبق بخاری شریف جلد اوّل سے پڑھایا۔

۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو علم و عمل اور زہد و تقویٰ کا یہ آفتاب عالمتاب غروب ہو گیا۔

۱۹۲۰ء کی ابتدار سے ۱۹۵۷ء تک یعنی کامل سنتیس ۳۷ سال کا ایک ایک لمحہ تقویٰ، طہارت، ذکر و فکر، مراقبہ، اشغال باللہ و فی اللہ، جہاد فی سبیل اللہ، اعلان حق، مجادلہ بالباطل، اعلار کلمۃ اللہ، احیار دین، ترویج شریعت، اتباع سُنّت، تبلیغ، تلقین، ارشاد، درس حدیث و تفہیم قرآن وغیرہ وغیرہ میں صرف ہُوا۔ جس طرح لاکھوں بیمار آپ کے دمِ عیسٰی سے شفایاب ہوئے۔ لاکھوں تشنگانِ علوم ظاہری و باطنی آپ کے دریائے فیض سے سیراب ہوئے وہ آج کی دنیا میں آفتاب کی طرح عیاں ہیں۔

تقسیم برصغیر کے بعد حضرت اقدس مدنی جس طرح مسلمانانِ ہند کے لیے دُعاگو تھے اُسی طرح پاکستان اور اہل پاکستان کے لیے بھی دِل کھول کر دعائیں کرتے رہے۔ ثقہ روایت ہے کہ حضرت اقدس مدنیؒ سے پاکستان کے بارے میں ایک مقام پر سوال کیا گیا تو فرمایا مسجد کی تعمیر سے پہلے اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ چھوٹی بنے یا بڑی۔ یہاں بنے یا وہاں، نقشہ یہ ہو یا وہ لیکن جب وہ بن کر تیار ہو جائے تو کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔

الحمدللہ مدرسہ ھذا عرصہ دراز سے زیرِ سرپرستی حضرۃ مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ العالی علاقہ بھر میں تعلیمِ قرآن کی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ مدرسہ کے جملہ اخراجات مخیر حضرات کے تعاون اور چرمہائے قربانی اور دیگر عطیات سے پورے کیے جاتے ہیں۔ مخیر حضرات تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں — من جانب اراکین مدرسہ ھذا گوجرانوالہ

بیادگار شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ

شیخ الاسلام کے جس نمبر کا آپ کو انتظار تھا وہ اب آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے ۔یہاں نہ تو نمبر کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے کیونکہ وہ آپ کے پیش نظر ہے اور نہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے حالات زندگی کو روشنی میں لانا ہے کیونکہ وہ سب کا سب اس مجموعہ کے اندر موجود ہے صرف یہ التماس ہے کہ جس کے ہاتھ میں یہ نمبر پہنچے وہ اسے عقیدت و محبّت کے ساتھ ہدایت نامہ کے طور پر پڑھے اور اسے اپنی نسلوں کے لیے محفوظ رکھے ۔اس نمبر میں خدا کے فضل و احسان سے اس قدر واقعات آگئے ہیں جن کا پہلے سان و گمان بھی نہ تھا اور جن کو پھیلا کر ضخیم سے ضخیم کتابیں تیار ہو سکتی ہیں پھر مضامین بھی ایسے ہیں جن میں تنوع ہے گہرائی ہے تقدس ہے خلوص ہے ان کے لکھنے کا فخر بھی ان ہی حضرات کو حاصل ہوا ہے جنھوں نے یا تو حضرت کی معیت میں خلوت و جلوت کے نظارے کیے ہیں یا جن کو مسلسل آپ کے فیض کرم سے بہرہ یاب ہونے کا موقع ملا اور اکثر اوقات سفر و حضر میں اور خط و کتابت کے ذریعہ شرفِ نیاز حاصل ہوا اور تعلق خاطر میں گرہ لگی لیکن تمام مضامین میں یہ چیز مشترک ہے کہ ہر مضمون کی ہر سطر خلوص و محبت ،گرویدگی اور شیفتگی کی سیاہی سے لکھی گئی ہے اور وہی انگلیاں حرکت میں آئی ہیں جو کلمۂ شہادت کے لیے بارہا اٹھی ہیں اور جن کو عقیدت کے پانی میں ڈوبنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے بظاہر یہ نمبر اخبار سے متعلق ہے مگر آپ اسے صحیفہ سمجھیے وہ صحیفہ جس میں استاذ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری مقدس زندگی محفوظ کر دی گئی ہے ۔

یہ بات ہمارے لیے حیرت انگیز نہیں کہ حضرت کی بارگاہ میں علماء، مشائخ اور عوام کو جو بے پناہ عقیدت تھی وہ وصال کے بعد سیلاب بن کر امڈی اور ہند، پاک اور مصر سے مراکش تک پھیل گئی۔ یہ ردائے عقیدت ایسی نہیں جس میں مرور زمانہ کے ساتھ شگاف پڑ جائے یا اس کے تناؤ میں فرق آجائے ۔ہم دیکھ رہے ہیں کہ عالم اسلام نے آپ کی جدائی کو اس دور کا سب سے بڑا المیہ سمجھا اور اس کی آنکھیں آپ کی روپوشی پر اشکبار ہوئیں ہم جیسے کوتاہ نظروں نے زندگی ہی کو سب کچھ سمجھا مگر جب اللّٰھم بالرفیق الاعلیٰ کی منزل کے بعد لقاءُ الٰہی کی ساعت آئی تو دریائے محبت کی روانی کے کچھ اور ہی نظارے دیکھنے میں آئے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ عالمِ اسلام کے اس بطلِ جلیل پر ہند سے تا بخاک کاشغر سب ہی سوگوار ہوتے اور سارا عالمِ اسلام ایک اور ہی عالم میں جا پہنچا۔

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ اس دُنیا میں فرد وحید بن کر آئے اور فردِ وحید بن کر گئے آپ کے جانے کے بعد بھی ساری دُنیا آباد ہے اور طلوع و غروب کا سلسلہ جاری ہے کسی کے آنے جانے سے کائنات کے نظام میں کوئی فرق نہیں پڑتا صرف افسوس اس کا ہے کہ جو جاتا ہے وہ اپنا جانشین نہیں چھوڑتا ۔دل چاہتا ہے کہ ہمیں حضرت کا کوئی جانشین ملے اور ہم اس کی بارگاہ سے بدستور فیوض و برکات حاصل کرتے رہیں مگر بظاہر یہ توقع پوری ہوتی نظر نہیں آتی لیکن اس کی تلافی اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہم حضرت کی شاہراہ عمل کو اپنے لیے دستور العمل بنائیں آپ کے مشن کو جاری رکھنے کا عہد کریں ۔آپ کی تصنیفات سے فیض یاب ہوں اور ان مضامین کا مطالعہ کریں جو تذکار اور یادآوری کے لیے تحریر میں لائے گئے ہیں اور آئندہ بھی حسبِ موقع لائے جا سکتے ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا مشن اتباع شریعت تھا ۔ظاہری اور باطنی طور پر مسلمان ہونا ،مسلمان ہو کر جینا اور مسلمان ہو کر مرنا ،آپ کی کتابِ زندگی کا سب سے بڑا مشن تھا جس دل میں اسلام کا عشق نہیں جو دل محبّت الٰہی اور شفقت علی المخلوق سے خالی ہے جو اسلام کے لیے مرنا اور جینا نہیں جانتا اسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے انتساب کا کوئی حق نہیں ۔حضرت اسی معنے میں زندہ جاوید بن سکتے ہیں کہ آپ کے متوسلین اور منتسبین صبغۃ اللہ کا نمونہ بن کر اپنے عمل سے اسلام کی سچائی پر شہادت دیں اور خدا کے ہو کر ساری دنیا کو اپنا بنا لیں ۔

ہم یہاں حضرت کی زندگی پر کچھ لکھنا نہیں چاہتے لکھنے والوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ زیر نظر نمبر میں موجود ہے صرف یہ کہنا ہے کہ حضرت کے مشن اور پیغام کو نہ بھولیں اور ساتھ ہی ان احباب اور دوستوں کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں جن کے قلبی تعاون سے یہ ضخیم نمبر تیار ہوا اور آپ کے ہاتھوں میں پہنچا اگر ہمیں ان بزرگوں کا قلمی تعاون حاصل نہ ہوتا تو ہم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوتے ۔قارئین کرام کو یہ سن کر بھی اطمینان ہوگا کہ حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند نے مضامین کے انتخاب اور ترتیب کی ذمہ داریاں قبول فرمائیں اور انہیں بحسن و خوبی انجام دیا ۔یہ خصوصی نمبر آپ ہی کی کاوشوں کا رہین منت ہے اگر آپ اس کی ذمہ داریاں قبول نہ فرماتے تو عملۂ "الجمعیۃ" کو بہت سی دشواریوں کا سامنا ہوتا اور پھر بھی اسکی جامعیت تشنۂ تکمیل رہ جاتی ۔نمبر کی نگرانی اور کتابت وغیرہ کی دیکھ بھال اور دوسرے متعلقہ امور میں ہمارے رفیقِ ادارہ جناب بہار برنی نے جس ذوق و شوق اور خصوصی توجہ کا ثبوت دیا ہے وہ ہر آئینہ سزاوار تحسین اور قابل داد ہے حقیقت یہ ہے کہ موصوف کی جانکاہی نے راقم الحروف کو بہت سی زحمتوں سے بچایا اور نگرانی کے فرائض بہتر طریق پر انجام دیئے ہم ان سب حضرات کے شکر گزار ہیں جنھوں نے کسی نہ کسی حیثیت سے نمبر کی تیاری میں حصّہ لیا ۔خدا ان کے خلوص اور سعی کو قبول فرمائے اور دین دُنیا میں اس کا بہتر صلہ بخشے ۔

زریں کارنامے

مولانا احمد سعید

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور ان کے زریں کارناموں کے لیے بڑے بڑے دفتر بھی ناکافی ہیں سب سے پہلے میری ملاقات حضرت مدنی مرحوم سے ۱۹۱۴ء میں حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں ہوئی تھی اس وقت مرحوم مدینہ منورہ میں درس دیا کرتے تھے یہ وہی زمانہ ہے جب جرمنی کی پہلی جنگ شروع ہوئی تھی اور ترکی جرمنی کا حلیف تھا میرے دہلی واپس پہنچنے کے کچھ دن بعد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں جاکر جو کچھ ہوا وہ کم و بیش عام حضرات کو معلوم ہے۔ شریف مکہ کی بغاوت، حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا حسین احمدؒ اور دیگر رفقاء کی گرفتاری اور مالٹا میں نظربندی پھر ان بزرگوں کی مالٹا سے ہندوستان واپسی اور تحریک آزادی کی سرپرستی۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی علالت اور ڈاکٹر انصاری رحمۃ اللہ علیہ کی کوٹھی پر رحلت، حضرت شیخ الہندؒ کی رحلت کے بعد مولانا سید حسین احمد صاحب قدس سرہٗ کا تحریک آزادی میں انہماک علی برادران ڈاکٹر کچلو وغیرہم کے ہمراہ کراچی کی عدالت میں مقدمہ اور دو دو سال کی قید کے بعد جیل کی زندگی، جیل سے رہائی کے بعد حضرت شیخ مدنیؒ کی بار بار گرفتاری، لیگیوں کے خطرناک حملے، غرض ان واقعات کی تفصیلات ایسی نہیں جن کو تھوڑے وقت میں منضبط کیا جاسکے۔ تاریخ لکھنے والے جب ان حالات کو مفصل لکھیں گے تو یہ آنے والی نسلوں کے لیے درسِ حیات کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا۔ ان تمام مجاہدات کے بعد ان کی وہ تعلیمی خدمات جو انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں انجام دی ہیں اور اس اندرونی خلفشار کے زمانہ میں جب کہ دارالعلوم کی حیات خطرے میں تھی دارالعلوم کی سرپرستی فرماکر دارالعلوم کو سنبھالا اور بچایا ہے۔ حضرت شیخ کا یہ ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی عظمت و صداقت کا صلہ دربارِ رسالت ﷺ سے تو مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو ملے ہی گا۔ لیکن دارالعلوم کے در و دیوار اور وہاں کی خاک کے پاک ذرّے بھی مولانا مدنیؒ کے خلوص پر قیامت کے دن شہادت دیں گے اس تمام دینی اور وطنی خدمات کے باوجود ان کی ریاضت اور عبادت اور کشف و کرامت کے حالات وہ حضرات بخوبی جانتے ہیں جنھوں نے رمضان شریف کی راتیں حضرتِ اقدس کی خدمت میں رہ کر گزاری ہیں یا جن کو جیل خانے کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں ان کے ہمراہ رات بسر کرنے کا موقع نصیب ہوا ہے میں ایک دور افتادہ اور علم و عمل کی روشنی سے محروم اس پر کیا لب کشائی کرسکتا ہوں صرف اتنا ہی عرض کرسکتا ہوں جو ان کی خبرِ وفات پر میں نے عرض کیا تھا اور جن الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام آزادئ وطن کے جانباز جرنیل تھے اور بین الاقوامی شخصیت اور علم و عمل اور زہد و تقویٰ اور ایثار و قربانی کے مجسم پیکر اور اخلاق و انسانیت کا سب سے بلند و بالا مظہر اور سلف صالحین کی ایک زندہ یادگار تھے جن کا سایہ ہم بدقسمتوں کے سر سے اٹھ گیا اور ہم کو یتیم و لاوارث کر گیا جس کا ہمسر اور مثل و عدیل صدیوں میں بھی میسر آنا مشکل ہے اللہ تعالیٰ ان کو مقامِ صدق میں ملیک مقتدر کے قرب سے نوازے اور ہم کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عن خویدمہم الافقر العبد الضعیف احمد سعید کان اللہ لہٗ

مبارک و باسعادت شخصیت

مولانا حفظ الرحمن

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ العزیز کی ذات ستودہ صفات نہ صرف ہندوستان کے لیے بلکہ پورے عالمِ اسلام کے لیے ایک بے بدل سعادت تھی قدرتِ الٰہی کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ فساد و فتن سے معمور اس دنیا میں انسانی سوسائٹی کی اصلاح و ارشاد، تنبیہہ و رہنمائی کے لیے ہر صدی و قرن میں مصلحین اور ریفارمر پیدا ہوتے ہیں جن کی پوری زندگی، اصلاح و خدمت کے لیے وقف ہوتی ہے اور جو اپنے عمل و کردار کے لحاظ سے عام انسانوں کی سطح سے بہت بلند و برتر ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ العزیز کی شخصیت ان مصلحین و مرشدین کی صف میں بھی بہت بلند مؤقف و امتیاز کی حامل تھی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل، اعلیٰ کردار و اخلاق عزم و استقلال اور ہمدردی خلائق کے وہ تابناک جوہر عطا فرمائے تھے جو صدیوں کے بعد ہی کبھی کسی انسان کو عطا ہوتے ہیں۔

حضرت موصوف کی پاکیزہ زندگی کا پورا مرقع آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہے وطن عزیز پر کس طرح انھوں نے جان چھڑکی اور اس کی خاطر کس طرح جان کی بازی لگا کر جہادِ حریت کی رہنمائی فرمائی پھر نصف صدی سے زیادہ علم و ارشاد کی مسند رفیع پر متمکن رہ کر کس طرح لاکھوں تشنگانِ دین کو فیوض و برکات سے نوازا، اپنی اصلاحِ ظاہری و باطنی کے لیے جن انسانوں نے حضرت شیخ کا دامن تھاما۔ کیا ان کی تعداد کا بھی کوئی اندازہ کرسکتا ہے؟ کتنی مبارک و باسعادت تھی وہ شخصیت جس کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہونے والوں کی تعداد لاکھوں سے گزر کر کروڑوں تک پہنچ چکی ہے جو دُنیا کے گوشہ گوشہ تک پھیلے ہوئے ہیں ایک ایسی جامع صفاتِ مقدس، انوار و برکات کی حامل شخصیت کا ہم سے رخصت ہوجانا۔ اس صدی کا سب سے بڑا سانحہ اور ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

عزیمت و ہمّت کا مقام بلند حضرتؒ کا بے مثال استقلال و استغناء

حضرت کی ذاتِ اقدس نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک میں بھی مشہور و معروف ہے دنیائے اسلام تسلیم کرتی ہے کہ حدیث و تفسیر دینی علوم، زہد و تقویٰ، ارشاد و سلوک اور مکارمِ اخلاق میں آپ کی شخصیت بے نظیر تھی جس ہستی کا علم اتنا وسیع، مرتبہ اتنا بلند اور شخصیت ایسی برگزیدہ تھی لاکھوں انسان اس کے سامنے نذرِ عقیدت پیش کر رہے تھے اس کے سامنے ایسے مسئلے آئے اگر وہ عوام کے رجحانات کی پیروی کرتا تو کروڑوں گردنیں اس کے سامنے جھک سکتی تھیں۔ اگر وہ خاموش رہتا تو اپنے ارادت مندوں کی نظر میں اور اونچا ہوسکتا تھا لیکن اس نے حمایت حق اور اپنے ضمیر کی آواز کو بلند کرنے میں نہ اعزاز و احترام کا خیال کیا اور نہ برگشتگی عوام کا خوف اسکے پائے عزیمت میں کوئی جنبش پیدا کرسکا۔ یہی عزیمت و ہمت اور حمایتِ حق و صداقت کی مردانہ جرأت تھی جس نے کبھی اسکو مالٹا میں نظربند کیا اور کبھی کراچی اور سابرمتی کے جیل خانوں میں محبوس جب دو قومی نظریہ کے شور سے فضائے ہندوستان پرآشوب تھی تو اس نے خود اپنوں کی اکثریت کے خلاف وہ کیا جو اس کے نزدیک حق تھا جو اس کے ضمیر کی آواز تھی۔ اس نے مسلم لیگ کی بھی مخالفت کی اور

جب انڈین نیشنل کانگریس نے مجبور ہو کر ملک کا بٹوارا تسلیم کر لیا تو یہی حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر کی حیثیت سے آپ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے تنبیہ فرما دی کہ وہ ایک منٹ کے لیے بھی ایسے فیصلہ کو منظور کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جو اپنے پہلو میں لاکھوں انسانوں کی ہلاکت و تباہی اور کروڑوں انسانوں کی پریشانیوں کا مستقبل لیے ہوئے ہو۔

آپ نے سامراجی طاقت کو مٹانے کے لیے اس ہمت و جرأت سے جان کی بازی لگائی کہ آپ کے عزم و استقلال کی حرارت نے دوسروں میں بھی گرمی پیدا کی تاکہ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ وہ تمام ممالک جو سامراجی پنجہ میں گرفتار ہیں غلامی سے نجات پائیں اور اس قابل ہوں کہ اپنا مستقبل خود بنا سکیں۔ افسوس میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں نذرِ عقیدت پیش کر سکوں۔

رحمہ اللہ و رضی عنہ و اعلیٰ درجاتہ فی العلمین۔

جہادِ آزادی کے برگزیدہ راہنما

مفتی عتیق الرحمن

بیسویں صدی ملک و ملت کے جن چند ممتاز ترین فرزندوں پر فخر کر سکتی ہے ان میں سے ایک مایۂ ناز فرد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب قدس سرہٗ بھی تھے حضرت شیخ الاسلام نے ملک و قوم پر اتنے احسان کیے ہیں کہ سر زمین وطن ان کی شکر گزاری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔

آپ کا شمار صفِ اوّل کے ان قائدین میں ہوتا تھا جن کے طفیل برطانیہ جیسی جابر و قاہر طاقت کے پنجۂ آہنی کی گرفت سے ملک آزاد ہوا۔ ایک عظیم المرتبت پیشوائے دین کی حیثیت سے آپ نے مسلمانوں میں آزادی کی روح پھونکی، ان کے دل و دماغ تک اسلام کی حقیقی تعلیم کی سپرٹ پہنچانے کی زبردست کوشش کی اور مذہب کی اجتماعی تعلیمات کو مجاہدانہ شان سے اجاگر کیا۔ آپ کے سینہ میں ایک ایسا دل تھا جو خدا کی مخلوق کی خدمت کے لیے تو ریشم سے زیادہ نرم رہتا ہے۔ لیکن حق و باطل کے معرکہ میں فولاد سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم   رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

حضرت مولانا کی شخصیت نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے ایشیا کے لیے موجبِ افتخار تھی آپ کا شمار دنیائے اسلام کے چند گنے چنے رہنماؤں میں ہوتا تھا آپ کی ہستی میں خلوص و شفقت عظمت و وقار، حلم و عفو، عزم و ہمت، عجز و فروتنی، صبر و استقلال غرضیکہ شریعت و طریقت کے تمام جوہر کچھ اس طرح یکجا ہو گئے تھے کہ ایک فرد میں ان خصوصیتوں اور کمالات کا اجتماع مشکل ہی سے ہوتا ہے آپ کو دیکھ کر صحابہ کرام کی زندگی کی خصوصیات کا نقشہ سامنے آجاتا تھا۔

حضرت مرحوم "دارالعلوم دیوبند" اور "جمعیۃ علماء ہند" کے ولولوں اور امیدوں کا آخری سہارا تھے آپ کی رحلت سے یہ دونوں مرکز یتیم ہو گئے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب قدس سرہٗ کے بعد دارالعلوم کی علمی اور مذہبی عظمت و شان آپ ہی کے دم قدم سے قائم تھی۔ کم و بیش ۳۵ سال تک اسلامی دنیا کے اس مرکز کے صدر نشین رہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کے عہد میمنت مہد میں دارالعلوم کی شہرت میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور مسند رشد و ہدایت تو اس شان سے بچھی کہ دیوبند کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ایک ہی وقت میں شیخ وقت بھی تھے اور محدث بے بدل بھی، آپ کی غربا پروری اور مہمان نوازی کی بدولت دیوبند کا چھوٹا سا قصبہ "گلزار ابراہیمؑ" معلوم ہوتا تھا۔

جن حالات میں ملک آزاد ہوا تھا بدقسمتی سے وہ یہاں کے مسلمانوں کے لیے صبر آزما ثابت ہوئے تاریخی حقائق پر تعصب چھا گیا جنگ آزادی کے بڑے بڑے رہنماؤں کو نظر انداز کیا جانے لگا تنگ نظری کی تیز و تند ہوائیں چلنے لگیں۔ اور ملک کی تقسیم کے نتیجہ میں سر زمین ہند کی عام مسلم آبادی جمود ذہنی اور احساس کمتری کا شکار ہو گئی، بدلے ہوئے حالات اور مایوسی و خوف کی ان گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں حضرت شیخ کا وجود خاص طور پر رحمت ثابت ہوا اور انھوں نے اپنے جوشِ عمل اور حسن کردار سے پژمردہ اور پراگندہ مسلمانوں میں صبر و استقامت اور عزم و ہمت کی لہر دوڑا دی، ۱۹۴۷ء کے بعد سے ان کی زندگی کا یہ خاص مقصد اور مشن ہو گیا تھا۔ اس کے لیے پُر صعوبت سفر بھی کرتے تھے جہادِ آزادی کے اس بے باک اور برگزیدہ ترین رہنما نے نہ صرف یہ کہ اپنی جد و جہد اور خدمات کا صلہ نہیں چاہا بلکہ اس کی پرچھائیں سے بھی دور رہے وہ انوری کے اس قطعہ کے حقیقی مصداق تھے ؎

چہار چیز شد آئین مردم ہندی   کہ مردم ہندی زیں چہار نیست بری
یکے سخاوتِ طبعی چو دست گاہ بود   بہ نیک نامی آں را بخشی و بخوری
دو دیگر آنکہ دلِ دوستاں نیازاری   کہ دوست آئینہ باشد چو اندرو نگری
سہ دیگر آنکہ زباں را بگاہ گفتنِ زشت   نگاہ داری تا وقت عذر غم نخوری
چہارم آنکہ کسے کو بجائے تو بد کرد   چو عذر خواہد نام گناہ از و نبری

بے شبہ وہ اوّل درجہ کے سخی تھے کبھی کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے کوئی بُری اور ناز یبا بات کبھی ان کی زبان سے نہیں نکلی انھوں نے بُرا چاہنے والوں کی خطاؤں سے درگزر فرمایا۔ اس کارخانہ رنگ و بو کے کام تو بہر حال چلتے ہی رہیں گے مگر اس مردِ مجاہد اور عابد و زاہد کی جدائی سے اس پر جو ویرانی اور پژمردگی چھائی ہے وہ دور نہ ہو سکے گی۔

عظیم المرتبت شخصیت

سید محمد شاہد فاخری

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی علیہ الرحمۃ کی خدمات جلیلہ تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ چمکیں گی آپ کا حلقۂ درس جس کی ابتدا گنبد خضرا کے زیر سایہ اُس مسجد اقدس سے ہوئی تھی جس کے ذرّوں کو بھی وہ تابانی حاصل ہے کہ آفتاب کی کرنوں کو شرما دے جس درس کے فیض سے پہلے حجاز و یمن، مصر و شام، افغانستان و ترکستان کے تشنہ لبانِ علم سیراب ہوئے پھر اسکے چشمے مشرقی بنگال اور آسام سے جاری ہوئے اور آخر میں ۳۳ سال تک دارالعلوم دیوبند کے بحر محیط سے اس کی موجیں لہراتی رہیں آپ کی وفات سے یہ مسند ایسی خالی ہوئی ہے کہ دوبارہ اس کا مزیّن ہونا دشوار ہے یہ صحیح ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ روحانی سلسلہ جو سیاست کی سنگلاخ وادیوں کو بھی روحانیت کے ترشح سے شاداب کر رہا تھا اس میں بھی ایک ایسا خلاء پیدا ہو گیا ہے جس کا بھرنا مشکل ہے یہ ایسی شخصیت تھی جس کے لیے اگر ایک طرف عربی مدرسے اور ان کے طلبہ رو رہے ہیں تو دوسری طرف خانقاہیں اس موت پر گریہ کناں ہیں۔ میں نے مولانا مرحوم کی بہت قریب سے زیارت کی میں نے حضرت کو انتقال سے چند دن پہلے بھی دیکھا میں جیل میں بھی مہینوں ساتھ رہا۔ اس عظیم المرتبت شخصیت کے متعلق کیا کہوں اللہ اللہ اخلاق میں اگلوں کا نمونہ تھے، سخاوت میں حاتم وقت تھے۔ دستر خوان وسیع کے مالک تھے انکسار تو رگ رگ میں بھر دیا گیا تھا میرے ساتھ کیسی شفقت کرتے تھے کیا کہوں اس محبت کے میدان میں بھی وہ واقعی شیخ الہندؒ کے صحیح جانشین تھے۔ آہ! وہ اُٹھ گئے لیکن اپنی مثال نہ چھوڑی رب اکرم ان کی قبر کو انوار رحمت سے بھر دے۔

محترم شیخ الحدیث مد ظلہ العالی سے مضمون کی درخواست کی گئی تھی آپ نے معذرت فرمائی۔ مگر مکتوب معذرت خود ایک مضمون ھے اور یہ نفی اثبات کی نشان دکھتی ھے لھذا اس موقع پر آپ کا یہ مکتوب بلفظہ پیش کیا جا رھا ھے شیخ الحدیث تحریر فرماتے ھیں۔

جناب کے ابتدائی والا نامہ کے بعد سے برابر تعمیل حکم کی خواھش و ارادہ کرتا رھا مگر اب تک بالکل سمجھ میں نہیں آیا کیا لکھوں ۔

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

کئی دفعہ مستقلاً اسی نیت سے بیٹھا مگر سوچ سوچ کر رہ گیا اصل میں اس قسم کے مضامین لکھنے سے کبھی سابقہ نہیں پڑا اس لئے اسکی عادت نہیں اگر حضرت کے فضائل لکھے جائیں تو "مادح خورشید مداح خود ست" کے سوا کیا ھے آپ بیتی واقعات لکھے جائیں تو حضرت کے علو اور اپنی گستاخیوں سے ہمیشہ متاثر اور مجادلے ھی رھے اس لئے میں نے ناظم صاحب (مولانا اسعد اللہ صاحب) سے عرض کردیا تھا کہ آپ تو جلدی سے لکھ کر ارسال کردیں اور مولانا یوسف صاحب کو بھی تقاضہ کردیا تھا کہ وہ بھی جلدی ارسال خدمت کردیں۔ ۲۴ جمادی ثانیہ سنہ ۱۳۷۷ھ

❀❀❀❀❀❀

شجرۂ نسب حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ

سیدنا و مولانا سید الاولین و الآخرین محبوب رب العالمین محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا الامام حسین رضی اللہ عنہ
سیدنا الامام علی زین العابدین
سید حسین اصغر
سید علی
سید موسیٰ
سید حسین
سید محمد مدنی المعروف بہ سید ناصر ترمذی
سید حسین
سید علی

شاہ محمود
شاہ محب اللہ
شاہ صفۃ اللہ
شاہ خیر اللہ
شاہ محمد ماہ شاہی

تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے مولانا عزیز احمد صاحب کا مضمون جس کا عنوان ہے شیخ الاسلام کے جلیلی اقارب اس مضمون سے مکمل شجرہ نسب کے متعلق اہم انکشافات ہے۔

شجرہ مبارکہ حسینیہ رشیدیہ صابریہ چشتیہ قدس اللہ اسرارہم

حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کو چاروں سلسلوں کے مشائخ سے اجازت بیعت حاصل تھی اور آپ چاروں سلسلوں میں بیعت فرمایا کرتے تھے مگر اذکار و وظائف عموماً طریقہ چشتیہ ہی کے بتایا کرتے تھے اور اکثر یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں جو کچھ ملا اسی سلسلہ سے ملا، جس کا کھائے اسی کا گائے۔ مولانا عبدالجلیل صاحب سلہٹی مقیم خانقاہ حسینیہ دارالعلوم دیوبند نے ان چاروں سلسلوں کے شجرے اس طرح مرتب فرمائے کہ ہر ایک شیخ سلسلہ کے وطن اور سنہ وفات وغیرہ کا ذکر کیا ہے اس نمبر میں صرف مشائخ چشتیہ کا شجرہ شائع کیا جا رہا ہے کیونکہ حضرتؒ اپنے متوسلین کو یہی شجرہ عنایت فرمایا کرتے تھے۔

نمبر شمار	نام	مسقط راس مع سن ولادت	سن وفات	مقام دفن
۱	اللّٰھم بجاہ قطب العالم سیدنا و مرشدنا مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز	بمقام بانگرمئو ضلع اناؤ جہاں آپ کے والد ماجدؒ درس دیا کرتے تھے اور وطن اصلی آپ کا اللہ داد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد۔ ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ، ۶ اکتوبر ۱۸۷۹ء دوشنبہ اور سہ شنبہ کی درمیانی رات بوقت ۱۱ بجے	۱۲ جمادی الاول، ۱۳۷۷ھ، ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء بروز جمعرات بعد دوپہر بعمر ۸۱ سال ۶ ماہ ۲۴ یوم قمری اور ۷۹ سال ۲ ماہ ایک یوم شمسی مع یوم پیدائش و وفات۔	مقبرہ دارالعلوم دیوبند (مقبرہ قاسمی)
۲	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا قطب الزمان مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز	قصبہ گنگوہ ضلع سہارن پور صوبہ یو۔پی ولادت ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ بروز دوشنبہ بوقت شب	بروز جمعہ ۸ یا ۹ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ	قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور صوبہ یو۔پی
۳	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا الحاج الحافظ الشیخ امداد اللہ المہاجر قدس اللہ سرہٗ العزیز	تھانہ بھون ضلع مظفر نگر صوبہ یوپی	۱۲، جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ	مکہ معظمہ
۴	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا نور محمد ن الجھنجھانوی قدس اللہ سرہٗ العزیز	جھنجھانہ ضلع مظفر نگر " " ولادت ۱۲۰۱ھ، مطابق ۱۷۸۶ء	۴، رمضان المبارک ۱۳۰۹ھ	جھنجھانہ ضلع مظفر نگر صوبہ یو۔پی
۵	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا عبدالرحیم الشہید قدس اللہ سرہٗ العزیز	افغانستان	۲۷، ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ	بنچیار ملک ولایت صوبہ سرحد
۶	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا عبدالباری الامروہوی قدس اللہ سرہٗ العزیز	قصبہ امروہہ ضلع مراد آباد صوبہ یو۔پی	۶، محرم ۱۲۲۶ھ	قصبہ امروہہ ضلع مراد آباد صوبہ یو۔پی
۷	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا عبدالہادی الامروہوی قدس اللہ سرہٗ العزیز	" " " "	یوم جمعہ ۴، رمضان المبارک ۱۱۹۰ھ	" " " " " "
۸	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا عضد الدین الامروہوی قدس اللہ سرہٗ العزیز	" " " "	۲۷، رجب المرجب ۱۲۷۲ھ	" " " " " "
۹	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا الشیخ محمدن المکی قدس اللہ سرہٗ العزیز	مکہ معظمہ	۱۱، رجب المرجب ۱۲۷۲ھ	" " " " " "
۱۰	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا الشاہ محمدی قدس اللہ سرہٗ العزیز	قصبہ امروہہ ضلع مراد آباد صوبہ یو۔پی	۳، رجب المرجب ۱۲۷۲ھ	اکبر آباد موتی گڈھ " " "
۱۱	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا محب اللہ الالہ آبادی قدس اللہ سرہٗ العزیز	وطن ولادت صدرپور وطن قیام الہ آباد	۹، رجب ۱۱۸۵ھ	الہ آباد " "
۱۲	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا ابی سعیدن الگنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز	قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور صوبہ یو۔پی	۱۱۴۰ھ	قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور " "
۱۳	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا نظام الدین البلخی قدس اللہ سرہٗ العزیز	تھانیسر ضلع کرنال صوبہ پنجاب	۸، یا ۲۴، رجب ۱۰۳۵ھ	بلخ
۱۴	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا جلال الدین التھانیسری قدس اللہ سرہٗ العزیز	مسکن آپکا تھانیسر " " ولادت ۸۹۴ھ	۱۴، ذی الحجہ ۹۸۹ھ	تھانیسر ضلع کرنال، صوبہ پنجاب
۱۵	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا قطب العالم شیخ عبدالقدوس الگنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز	قصبہ رودلی ضلع بارہ بنکی صوبہ یو پی ولادت ۸۹۱ھ	یوم سہ شنبہ ۲۳، جمادی الثانی ۹۴۰ھ یا ۹۲۵ھ	قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور صوبہ یو پی
۱۶	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا محمدن الرودلی قدس اللہ سرہٗ العزیز	قصبہ رودلی ضلع بارہ بنکی صوبہ یو۔پی	۱۷، صفر ۸۹۸ھ	رودلی ضلع بارہ بنکی صوبہ یو۔پی

١٧	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا احمد العارف الرودلی قدس اللہ سرہٗ العزیز	قصبہ رودلی ضلع بارہ بنکی صوبہ یو پی	١٧ر صفر ٨٧٢ھ	رودلی ضلع بارہ بنکی صوبہ یو پی
١٨	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا شیخ عبد الحق الرودلی قدس اللہ سرہٗ العزیز	" " " " " "	١٥ر جمادی الثانی ٨٣٧ھ	" " " " "
١٩	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا جلال الدین کبیر الاولیاء الفانی فنی قدس اللہ سرہٗ العزیز	پانی پت ضلع کرنال صوبہ پنجاب	٥ر ذی قعدہ یا ١٣ر ربیع الاول ٧٦٥ھ	پانی پت ضلع کرنال ۔ صوبہ پنجاب
٢٠	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا شمس الدین الترک الفانی فنی قدس اللہ سرہٗ العزیز	ترکستان	٩ر شعبان یا ١٠ر جمادی الثانی ٧١٦ھ	" " "
٢١	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا علاؤ الدین علی احمد الصابر قدس اللہ سرہٗ العزیز	اجودھن غالباً ۔ ولادت ١٩ر ربیع الاول ٥٩٤ھ ۔ شب پنجشنبہ	١٣ر ربیع الاول ٦٩٠ھ	پیران کلیر شریف ضلع سہارنپور ۔ یو ۔ پی
٢٢	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا فرید الدین شکر گنج الاجودھنی قدس اللہ سرہٗ العزیز	ملتان ولادت غرہ رمضان المبارک ٥٦٩ھ	٥ر محرم ٦٦٨ھ یا ٦٦٩ھ یا ٦٧٠ھ یا ٦٩٠ھ	پاک پٹن شریف
٢٣	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا قطب الدین بختیار الکاکی قدس اللہ سرہٗ العزیز	اوش توابع فرغانہ ولادت شب دوشنبہ ٥٨٢ھ	٢٤ر یا ١٤ر ربیع اول ٦٦٣ھ	دھلی ۔ مہرولی شریف
٢٤	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا مرکز الطریقہ معین الدین حسن السنجری قدس اللہ سرہٗ العزیز	سنجرستان ۔ یا سیستان	٦ر رجب المرجب ٦٣٢ھ (اسمیں اختلاف بہت ہے)	اجمیر شریف
٢٥	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا الشیخ عثمان الہارونی قدس اللہ سرہٗ العزیز	قصبہ ہارون توابع خراسان	٥ر شوال ٦٣٣ھ یا ٦١٧ھ یا ٥٩٧ھ	مکہ شریف متصل مکان شریف صاحب
٢٦	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا الحاج السید الشریف الزندنی قدس اللہ سرہٗ العزیز	زندانہ توابع بخارا	٣ر رجب ٦٢١ھ	زندانہ بلاد بخارا
٢٧	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا مودود الچشتی قدس اللہ سرہٗ العزیز	چشت ولادت ٤٣٠ھ بعد خلافت القائم باللہ	٥٧٧ھ یا ٥٢٧ھ	چشت
٢٨	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا ابی یوسف الچشتی ، قدس اللہ سرہٗ العزیز	چشت ۔ ولادت ٣٧٥ھ	یکم جمادی الاول ٤٠٠ھ	"
٢٩	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا ابی محمد المحترم الچشتی قدس اللہ سرہٗ العزیز	چشت ولادت محرم شب عاشورہ ٣٣١ھ	٤ر ربیع الاول ٤١١ھ	"
٣٠	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا ابی احمد الابدال الچشتی قدس اللہ سرہٗ العزیز	چشت ولادت ٢٦٠ھ	غرہ جمادی الثانی ٣٥٥ھ بعد خلافت المطیع باللہ	"
٣١	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا ابی اسحٰق الشامی قدس اللہ سرہٗ العزیز	شام	١٤ر جمادی الاول یا آخر ٣٢٩ھ	عکہ از بلاد شام
٣٢	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا ممشاد علو الدینوری قدس اللہ سرہٗ العزیز	قصبہ دینور شہر ہائے جبل سے ہے نزدیک قزلین	١٤ر محرم الحرام ٢٩٩ھ بعد خلافت المقتدر باللہ	قصبہ دینور
٣٣	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا ابی ہبیرۃ البصری قدس اللہ سرہٗ العزیز	بصرہ ، ولادت ١٦٧ھ	٧ر شوال ٢٧٥ھ	بصرہ
٣٤	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا حذیفۃ المرعشی قدس اللہ سرہٗ العزیز	قصبہ مرعش ملک شام نواح دمشق	١٤ر یا ٢٤ر شوال ٢٥٢ھ بعد خلافت المستعین باللہ	بصرہ نزد بعض
٣٥	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا السلطان ابراہیم بن ادہم البلخی قدس اللہ سرہٗ العزیز	اصل آپ کی بلخ سے ہے	یکم شوال ١٨٧ھ یا ١٦٦ھ	ورشام علی الاصح
٣٦	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا فضیل بن عیاض قدس اللہ سرہٗ العزیز	سمرقند	محرم ١٧٧ھ	مکہ معظمہ بگورستان جنت المعلیٰ
٣٧	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا عبد الواحد بن زید قدس اللہ سرہٗ العزیز	مدینہ منورہ	٢٧ر صفر ١٧٦ھ یا ١٧٨ھ	بصرہ
٣٨	وبجاہ شیخ المشائخ سیدنا امام الاولیاء الخواجہ حسن البصری قدس اللہ سرہٗ العزیز	"	یکم رجب یا ٤ر محرم ١١٠ھ اس میں اختلاف بہت ہے۔	"
٣٩	وبجاہ امیر المؤمنین باب مدینۃ العلم سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ	مکہ معظمہ ، ولادت ١٣ر رجب بروز جمعہ واقعہ فیل سے ٣٠ سال بعد	٢١ر رمضان المبارک ٤٠ھ	نجف اشرف غالباً
٤٠	وبجاہ سید الانبیاء والمرسلین سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم طہر قلبی عما سواک ونورہ بانوار معرفتک وعشقک ووفقنی لما تحبہ وترضاہ وارض عنی فی الدنیا والاخرۃ یا کریم ،	مکہ معظمہ بروز دوشنبہ ٩ر ربیع الاول سال فیل موافق حکومت کسریٰ	دوشنبہ ٩ر یا ١٢ر ربیع الاول ١١ھ بوقت دوپہر	مدینہ منورہ زاد اللہ نورہا

وہ خوش نصیب منتسبین جنھیں مرشد عالم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز نے چشتیہ صابریہ امدادیہ، نقشبندیہ مجددیہ، قادریہ، سہروردیہ، چاروں سلسلوں میں بیعت کرنے کی اجازت دی۔ (صوبہ وار فہرست درج ذیل ہے)

صوبہ مشرقی پاکستان

۱۔ مولوی تخلیص حسین صاحب مرحوم — سیدپور — ڈاک خانہ سیدپور — ضلع سلہٹ

۲۔ حاجی عبدالباری صاحب — جھنگابارٹی — ″ چوڑکھائی — ″ ″

۳۔ حاجی ابرو میاں صاحب — تال بارٹی — ″ ″ — ″ ″

۴۔ مولانا بشیر احمد صاحب — باگا — ″ باگا — ″ ″

۵۔ مولوی مقدس علی صاحب — محلہ شیخ — ″ بنیاچنگ — ″ ″

۶۔ مولوی سید عبدالخالق صاحب مرحوم — سیدپور — ″ سیدپور — ″ ″

۷۔ ڈاکٹر علی اصغر نوری صاحب — غفر گاؤں — ″ کمارگاؤں — ″ ″

۸۔ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب — موضع رائے پور — ″ ڈرلب پور — ″ ″

۹۔ سلیمان خاں صاحب مولوی بازاری

۱۰۔ مولوی عبدالرحیم صاحب — چڑی پاڑہ — ڈاک خانہ کنائی گھاٹ — ″ ″

۱۱۔ مولوی مجاہد علی صاحب — گنگاجل — ″ گنگاجل — ″ ″

۱۲۔ مولوی عبدالمتین صاحب چودھری — پھول باڑی مقیم حال ڈھاکہ دکھن — ضلع سلہٹ

۱۳۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب — موضع دھوبیا — ڈاکخانہ فاگاوڑا — ″ ″

۱۴۔ مولانا تجمل علی صاحب — انگورا محمد پور — ″ کوڑار بازار — ″ ″

۱۵۔ مولوی علاؤالدین صاحب — بنیاچنگ — ″ بنیاچنگ — ″ ″

۱۶۔ مولوی عبدالمنان صاحب — موضع اٹھالیا — ″ شیٹاجوڑی — ″ ″

۱۷۔ مولوی عبداللطیف صاحب مولوی بازاری — موضع نالی ہوری — ″ اکھاٹل کوڑا — ″ ″

۱۸۔ مولوی سراج الحق صاحب — موضع پران گاؤں — ڈاک خانہ کلیر بھنگا — ضلع سلہٹ

۱۹۔ مولوی عبدالحق صاحب — موضع غازی نگر — ڈاک خانہ پتھاریا — ضلع سلہٹ

۲۰۔ مولوی عبدالمومن صاحب — موضع پران گاؤں — ″ کلیر بھنگا — ″ ″

۲۱۔ مولوی یونس علی صاحب — موضع رائے گدڑھ — ″ ڈھاکہ دکھن — ″ ″

۲۲۔ مولوی عبدالمنان صاحب — موضع گنوئی — ″ بنیاچنگ — ″ ″

۲۳۔ مولوی عبدالغفار صاحب — موضع ممرو خانی — ڈاک خانہ منشی پاڑہ — ″ ″

۲۴۔ مولوی محمد علی صاحب — موضع بلرام پور — ڈاک خانہ منشی بازار — ″ ″

۲۵۔ مولوی ریاض الرب صاحب — ڈھاکہ دکھن — ڈاک خانہ ڈھاکہ دکھن — ضلع سلہٹ

۲۶۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم — ساکن چوڑکھائی — ″ ″

۲۷۔ مولانا حسن علی صاحب۔ مرحوم — گورٹی گھاٹ — ″ ″

۲۸۔ مولانا لطف الرحمٰن صاحب — حامد نگر — ڈاک خانہ بروئنہ — ″ ″

۲۹۔ مولانا حافظ عبدالکریم صاحب — موضع اسلام آباد — ڈاک خانہ بکھی پاشا — ″ ″

۳۰۔ مولانا بدر عالم صاحب — مغل بازار مدرسہ — ڈاکخانہ مغل بازار — ″ ″

۳۱۔ مولانا مسعود الحق صاحب حال شیخ الحدیث — پٹیا — ڈاک خانہ پٹیا — ضلع چاٹگام
مدرسہ مظاہر العلوم پوسٹ صدر چاٹگام ٹاؤن

۳۲۔ مولانا مفتی احمد الحق صاحب — مدرسہ معین الاسلام — ڈاک خانہ ہاٹ ہزاری — ضلع چاٹگام

۳۳۔ مولوی عبدالستار صاحب — فتح پور — ڈاک خانہ مدن ہاٹ — ″ ″

۳۴۔ مولوی احمد شفیع صاحب — مدرسہ معین الاسلام — ڈاک خانہ ہاٹ ہزاری — ″ ″

۳۵۔ مولوی عبیدالرحمٰن صاحب — موضع امام نگر — ڈاک خانہ نظیر ہاٹ — ″ ″

۳۶۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب — موضع گچی — ڈاک خانہ مہامنی — ″ ″

۳۷۔ مولوی محمد نعمان صاحب — موضع اندھر پاڑہ — ڈاک خانہ بھالی کھن — ″ ″

۳۸۔ مولوی محمد ادریس صاحب معرفت ایمان علی صاحب — موضع سارنگ سنتوش پور — ڈاک خانہ امان اللہ — ″ ″

۳۹۔ مولوی عبدالحلیم صاحب — بیرکھن — ″ ″

۴۰۔ مولوی شمس الدین صاحب معرفت وکیل باڑی کنچن نگر ڈاکخانہ کنچن پور ضلع چاٹگام

۴۱۔ مولوی عبدالغنی صاحب ماول سینئر مدرسہ ڈاکخانہ بارشور ڈانگا ضلع بابنہ

۴۲۔ مولوی ریحان الدین صاحب موضع فریدپور ڈاکخانہ بکھی پور ضلع نوا کھالی

۴۳۔ مولانا دلاور حسین صاحب چاندپوری فینی ڈاکخانہ فینی 〃 〃

۴۴۔ مولوی عزیز الحق صاحب عدیل پور ڈاکخانہ چینگاتلی 〃 〃

۴۵۔ مولوی کلیم اللہ صاحب مدرسہ افسر العلوم ننگل کوٹ ضلع ٹپرہ

۴۶۔ مولوی محب الرحمٰن صاحب فینوا ڈاکخانہ فینوا 〃 〃

۴۷۔ مولوی علی اشرف صاحب سیرام پور ڈاکخانہ منتل بازار 〃 〃

۴۸۔ مولانا امین الحق صاحب مین سنگی جامعہ قرآنیہ محلہ لال باغ ڈھاکہ

۴۹۔ مولوی محمد یونس صاحب باقر گنجی موضع چر خلیفہ ڈاکخانہ رادھا بلب ضلع باقر گنج

۵۰۔ حافظ طیب علی صاحب مرحوم

صوبہ آسام

۵۱۔ مولوی عبدالواحد صاحب موضع ملا گرام ڈاکخانہ موہنیا ضلع کچھاڑ

۵۲۔ مولوی سعید علی صاحب امام مسجد درگاہ بدرشی ڈاکخانہ کریم گنج ضلع کچھاڑ

۵۳۔ مولانا مقدس علی صاحب موضع بوڑی بائل ڈاکخانہ غیر گرام 〃 〃

۵۴۔ مولانا عبدالجلیل صاحب شیخ الحدیث، دارالحدیث بدرپور 〃 〃

۵۵۔ مولانا مصدر علی صاحب دارالعلوم بانس کندی 〃 〃

۵۶۔ مولوی بشارت علی صاحب دارالعلوم بانس کندی 〃 〃

۵۷۔ مولانا احمد علی صاحب بدرپوری شیخ الحدیث دارالعلوم بانسکندی 〃 〃

۵۸۔ مقبول علی صاحب بانس کندی 〃

۵۹۔ ماسٹر غلام احمد صاحب بانس کندی ضلع کچھاڑ

۶۰۔ مولوی معین الدین صاحب مدرس دارالعلوم بانس کندی 〃 〃

۶۱۔ مولوی جواد علی صاحب مدرس دارالعلوم بانس کندی 〃 〃

۶۲۔ ہرمز علی صاحب موضع تاراپور ڈاکخانہ توپخانہ سلچر 〃 〃

۶۳۔ حافظ محمد مستقیم صاحب محلہ بیرنگا سلچر 〃 〃

۶۴۔ حافظ مکرم علی صاحب مرحوم بانس کندی 〃

۶۵۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب موضع جلال پور ڈاکخانہ سری گوری 〃 〃

۶۶۔ حافظ شفیق الرحمٰن صاحب بانس کندی 〃 〃

۶۷۔ مولوی قاری عبدالمطہر صاحب ساکن بھگاڈر ڈاکخانہ بیرنگا سلچر 〃 〃

۶۸۔ مولوی قاری عبدالصمد صاحب موضع بوڑی بائل ڈاکخانہ غیر گرام 〃 〃

۶۹۔ مولوی عبدالمصور صاحب ساکن مہاقل ڈاکخانہ بھنگا بازار ضلع کچھاڑ مقیم حال دارالحدیث بدرپور 〃 〃

۷۰۔ مولوی معتصم علی صاحب موضع محمد پور ڈاکخانہ دکھن رنگ پور۔ ساؤتھ لالہ

۷۱۔ مولوی ظفر علی صاحب مدرسہ اسلامیہ انگا پور ڈاکخانہ انگا پور بازار 〃 〃

۷۲۔ مولوی عبدالحق صاحب موضع محمد پور ڈاکخانہ دکھن رنگ پور۔ ساؤتھ لالہ 〃 〃

۷۳۔ مولوی عبدالحق صاحب عاصم گنجی موضع سات گھری ڈاکخانہ موہنیا 〃

۷۴۔ حافظ عبدالنور صاحب کریم گنجی موضع گندر بجانی ڈاکخانہ باڑی گرام ضلع کچھاڑ

۷۵۔ مولوی جلال الدین صاحب سوناتولی ساکن کھودراکندی ڈاکخانہ کالی گنج بازار 〃 〃
(حال مقیم گفٹ ہائی سکول۔ شیلانگ)

۷۶۔ حافظ عبدالرحیم صاحب ساکن ملا گرام۔ ڈاکخانہ موہنیا 〃 〃

۷۷۔ محمد نجابت علی صاحب ساکن کھڑاکندی ڈاکخانہ کالی گنج بازار 〃 〃

۷۸۔ حاجی عبدالمالک صاحب ساکن بدرشی ڈاکخانہ کریم گنج 〃 〃

۷۹۔ حاجی شمس الحق صاحب ساکن بدرشی ڈاکخانہ کریم گنج 〃 〃

۸۰۔ حاجی محبت علی صاحب ساکن سونا باری گھاٹ 〃 〃

۸۱۔ مولوی رحیم الدین صاحب امام مسجد جامع بانس کندی 〃 〃

۸۲۔ مولوی محسن علی صاحب مدرس دارالعلوم بانس کندی 〃 〃

۸۳۔ فرمان علی صاحب بانس کندی 〃 〃

۸۴۔ مولوی اصدر علی صاحب ساکن روپائی بالی 〃 〃

۸۵۔ مولوی عبدالرزاق صاحب انگا پور 〃 〃

۸۶۔ مولوی منذر علی صاحب تاراپور 〃 〃

۸۷۔ مولوی امان اللہ صاحب مرحوم کریم گنجی ساکن شومرکنڈی ڈاکخانہ واشرابازار 〃 〃

۸۸۔ مولوی کریم الدین صاحب بانس کندی ضلع کچھاڑ

۸۹۔ مولوی سعید احمد صاحب موضع رنگ پور دکھن رنگ پور ساؤتھ لالہ 〃 〃

۹۰۔ مولوی عبدالباری صاحب ساکن نیتائی نگر ڈاکخانہ نیتائی نگر بازار 〃 〃

۹۱۔ مولوی محمد اسحٰق صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ مسجد ڈھاکائی پٹی ساکن گڈی باری ڈاکخانہ دوگاؤں ضلع نوگاؤں

۹۲۔ مولوی ضمیر الدین صاحب گورنمنٹ ہائی سکول ڈھوبری ضلع گوال پاڑہ

صوبہ بہار

۹۳۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ

۹۴۔ اطہر حسین صاحب موضع پورائن ڈاکخانہ بونسی ضلع بھاگل پور

۹۵۔ حاجی محمد ایوب صاحب موضع چیلل ڈاکخانہ بارہ ہاٹ 〃 〃

۹۶۔ خلیل الرحمٰن صاحب 〃 〃 〃 〃 〃

۹۷۔ مولوی محمد یعقوب صاحب موضع بھورا 〃 سنہولا ہاٹ 〃 〃

۹۸۔ اشرف علی صاحب موضع عظمت پور ڈاکخانہ نرائن پور 〃 〃

۹۹۔ عبدالرحمٰن صاحب 〃 〃 〃 〃 〃

۱۰۰۔ حاجی مظہر الحق صاحب سمریا 〃 〃

۱۰۱۔ مولوی محمد انور صاحب ساکن کیتھا ٹیکر ڈاکخانہ کوپلا پرسا 〃 〃

۱۰۲۔ حکیم فدا حسین صاحب موضع سمریا 〃 〃

۱۰۳۔ مولانا عبدالسلام صاحب کورہ ڈیہہ ڈاکخانہ پورینی 〃 〃

۱۰۴۔ حاجی احمد حسن صاحب موضع سنہولی 〃 〃 〃

۱۰۵۔ مولانا قاری فخرالدین صاحب جامعہ قاسمیہ شہر گیا

۱۰۶۔ مولانا نبیہ حسن صاحب موضع کودمرئی ڈاکخانہ پنچرانواں ضلع گیا

۱۰۷۔ حاجی منہاج الدین صاحب تمباکو مرچنٹ دھامی ٹولہ شہر گیا

۱۰۸۔ مولوی عبداللہ صاحب چھپروی موضع و ڈاکخانہ مانجھا سٹیٹ ضلع سارن

۱۰۹۔ حاجی محمد عاقل صاحب حیا گھاٹ بلاسپور ضلع در بھنگہ

۱۱۰۔ مولوی محمد ازہر صاحب موضع و ڈاکخانہ رتھوس براستہ کمتول " "

۱۱۱۔ مولوی عبدالرشید صاحب موضع مبارک پور ڈاکخانہ سلکھوا بازار ضلع مونگیر

۱۱۲۔ قاری مہدی بخاری صاحب مدرسہ تجوید القرآن جامع مسجد شہر مونگیر

۱۱۳۔ مولوی ادریس صاحب موضع ٹوکٹہ ڈاک خانہ اسلام پور ضلع پورینہ

۱۱۴۔ مولوی اظہر صاحب موضع اورنگ آباد ضلع گیا مقیم حال برواڈیہ گریڈیہ ضلع ہزاری باغ

صوبہ یو۔پی

۱۱۵۔ مولانا نعیم اللہ صاحب موضع بھولے پور ڈاکخانہ ہنسور ضلع فیض آباد

۱۱۶۔ مولوی عبدالجبار صاحب ہنسور " " " "

۱۱۷۔ مولوی حافظ محمد طیب صاحب (نابینا) قصبہ بھدرسہ محلہ آمنہ بی بی کا احاطہ " "

۱۱۸۔ مولوی فیض اللہ صاحب گونڈوی مدرسہ احمدیہ منغلپورہ شہر فیض آباد

۱۱۹۔ مولانا ادریس صاحب استاذ ندوۃ العلماء قصبہ نگرام ضلع لکھنؤ

۱۲۰۔ مولانا محمد یونس صاحب مرحوم۔ قصبہ بگھرہ ضلع مظفر نگر

۱۲۱۔ حافظ عبداللطیف صاحب مرحوم امام جامع مسجد گڑھی پختہ " " "

۱۲۲۔ حکیم محمد سلیمان صاحب مرحوم و مغفور موضع و ڈاکخانہ نولی ضلع غازی پور

۱۲۳۔ مولانا قاری اصغر علی صاحب سہنس پوری مدنی منزل دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور

۱۲۴۔ مولانا سید محمود حسن صاحب موضع پٹھیڑ برتھا کائستھ عرف پٹھیڑ کلاں " "

۱۲۵۔ مولوی ہدایت علی صاحب مدرسہ ہدایت المسلمین کرہی ڈاکخانہ دودھارا ضلع بستی

۱۲۶۔ مولوی قطب اللہ صاحب موضع جھکھیا ڈاکخانہ خلز کوٹ سری " "

۱۲۷۔ مولوی سید محمد احمد صاحب مرحوم نگینہ ضلع بجنور

۱۲۸۔ مولوی عزیز الرحمن صاحب مہتمم یتیم خانہ شہر بجنور

۱۲۹۔ مولوی سید احمد شاہ صاحب مرادآبادی انٹر کالج " "

۱۳۰۔ مولوی عبدالحی صاحب موضع انجان شہید ضلع اعظم گڈھ

۱۳۱۔ مولوی صفات اللہ صاحب محلہ بلاقی پورہ مئو ناتھ بھنجن " " "

۱۳۲۔ مولوی مشتاق احمد صاحب مدرسہ دارالعلوم قاضی دامون پورہ مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ

۱۳۳۔ حاجی محمد احمد صاحب قصبہ مہگاؤں ضلع الہ آباد

۱۳۴۔ کریم بخش صاحب آزاد دکان جناب اکبر حسین صاحب چھپائی والی گلی کرنیل گنج شہر کان پور

۱۳۵۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی مدرس مدرسہ چلّہ۔ امروہہ ضلع مرادآباد

۱۳۶۔ مولوی محمود احمد صاحب جامع مسجد حسن پور ضلع مرادآباد

صوبہ مغربی بنگال

۱۳۷۔ مولانا احمد اللہ صاحب برن پور مسلم ہائی سکول ڈاکخانہ برن پور ضلع بردوان

۱۳۸۔ مولوی عبدالخالق صاحب شانتی باغ ڈاکخانہ شیرورائے " "

۱۳۹۔ غلام محی الدین صاحب رحمت نگر ڈاکخانہ برن پور " "

۱۴۰۔ مولوی عبداللہ صاحب کوارٹر ۳ لائن ۷ ۵ برن پور ضلع بردوان

۱۴۱۔ مولانا محمد طاہر صاحب کریم گنجی مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ شہر کلکتہ

صوبہ مدھیہ پردیش

۱۴۲۔ حافظ عبداللطیف صاحب (نابینا) مدرسہ عربیہ اسلامیہ بیجناتھ پارا ضلع رائے پور

صوبہ مدراس

۱۴۳۔ جناب سی بشیر احمد صاحب ۳ محمد رضا سٹریٹ پرنام بٹ ضلع شمالی ارکاٹ

۱۴۴۔ جناب مولانا شیخ حسن صاحب مالا باری شیخ الحدیث مدرسہ باقیات الصالحات ویلور ضلع شمالی ارکاٹ

صوبہ مشرقی پنجاب

۱۴۵۔ مولانا نیاز محمد صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ قصبہ نوح ضلع گوڑگاؤں

۱۴۶۔ مولوی جمیل احمد صاحب معرفت مولانا نیاز محمد صاحب قصبہ نوح " " "

۱۴۷۔ میاں جی محمد رمضان صاحب موضع مالب " " "

دلی

۱۴۸۔ جناب منشی اللہ دتہ صاحب تبلیغی مرکز نظام الدین نئی دہلی

۱۴۹۔ قاری عبدالشکور صاحب سہنس پوری امام حوض والی مسجد نئی سڑک۔ دہلی

مغربی پاکستان

۱۵۰۔ مولوی خورشید احمد صاحب قصبہ عبدالحکیم ضلع ملتان

۱۵۱۔ مولوی حامد میاں صاحب دیوبندی مسلم مسجد چوک انارکلی۔ لاہور

۱۵۲۔ مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب سلیمانی دواخانہ فیض باغ۔ لاہور

۱۵۳۔ مولوی مظہر حسین صاحب بمقام بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم

۱۵۴۔ مولوی رحمت اللہ صاحب مدرسہ عربیہ مؤدب چک ۱۷ D.N.B ڈاکخانہ ہیڈ رازقان ریاست بہاولپور

۱۵۵۔ مولوی عبدالحق صاحب ولمانی موضع شیرو کہنہ ڈاکخانہ کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں

بمبئی

۱۵۶۔ حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب مرحوم سملک ڈاکخانہ ڈابھیل ضلع سورت

۱۵۷۔ مولانا عبدالصمد کاچھوی مرحوم ضلع سورت

۱۵۸۔ مولانا عبدالصمد صاحب موضع وانکانیر ڈاکخانہ بارڈولی " "

۱۵۹۔ مولانا عبدالغفور صاحب قریشی مدرسہ فرقانیہ۔ شہر عثمان آباد

۱۶۰۔ سید سلیمان شاہ صاحب قادری " " "

۱۶۱۔ سید بدیع الدین صاحب ضلع عثمان آباد

۱۶۲۔ مولانا عبدالحکیم صاحب " " "

۱۶۳۔ سید طالب علی صاحب مہتمم مدرسہ مصباح العلوم شاستور تعلقہ لاتور ضلع عثمان آباد

۱۶۴۔ مولوی عبدالصمد صاحب شاستور تعلقہ عمرگہ ضلع عثمان آباد

برما

۱۶۵۔ مولوی منظفر احمد صاحب موضع مینگزی ڈاکخانہ بوسیڈانگ ضلع اکیاب

جنوبی افریقہ

۱۶۶۔ مولانا بایزید صاحب شہید رسٹن برگ۔ ٹرانسوال (جنوبی افریقہ)

۱۶۷۔ صاحبزادہ محترم مولانا اسعد صاحب زید مجدہم (باجازت خلفاء)

تاثراتِ مہدی نالہ ریز

حضرت مولانا سیّد مہدی حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

از رحلت شیخ حسین احمد۔ خداپرست پیش رو مجاہدین۔ فخر الاماثل ارفع المنازل المدنی۔ امام العصر اوحد الدہر صمصام اسلام کمال امداد محمود احمد۔ اعدل امال گاہ کمال اہل عالم الامام الہمام صدر دار العلوم۔ شاہد کشف و کرامت۔ شیخ العرب ہادی العجم عامل دین امداد ہدی رشید و قاسم مولانا حسین احمد مدنی

ہو رہی ہے آج کیوں یہ چشمِ عالم اشک بار
شور برپا ہے یہ کیسا از زمیں تا آسمان
آہ و زاری کی صدا ہر سمت سے آتی ہے کیوں
رنج و اندوہ و الم کے آج کیوں ٹوٹے ہیں پل
آہ ہر لب کس لئے ہے آج صدرِ اہتمام
کیوں پریشان آج اوراقِ کتابِ صبر ہیں
جس کو دیکھو ہوش گم، فریاد برلب اشک ریز
جس کو دیکھو ہے خرد معدوم فہم و عقل و سلب
جس کو دیکھو ہے جگر مجروح دل سوز و گداز
بن گیا ہے آج کیوں ماتم کدہ سارا جہان
اسعد و ارشد، رشید و اسجد و اصغر فرید
اس کی آنکھیں کس کے غم میں آج ہیں یہ خونفشاں
اس سے بھی کیا کھو گیا ہے کوئی صدر رشہ نشیں
ڈھونڈتا ہے کس کو اب دارالحدیثِ دیوبند
ہو نہ ہو۔ شیخ حسین احمدؒ کی ہے ان کو تلاش
کون وہ شیخ الحدیث و صدر جمعیت فقیہ
بوذر و سلماں صفت صدیق و فاروقی خصال
بایزید و شبلی و نعمان و عثمانِ زماں
رہبرِ دیں، مرشدِ کامل، طبیبِ اہلِ دل
نیرِ برجِ سعادت، گوہرِ درجِ ہدای
آفتابِ دین و ملت ماہتابِ رشد و خلق
قدوۂ اصحابِ علم و زبدۂ اربابِ فضل
بحرِ مواجِ معارف پیکرِ علم و عمل
رحمت و رافت مجسّم جرأت و ہمت فقیہ
شیر دل، باطل شکن، حق گو، جری، غازئ دیں
موجِ طوفان خیز دریائے سیاست بے کراں
ماہرِ علمِ شریعت واقفِ اسرارِ دیں
باقرِ علم و عمل شیخ الحدیثِ دارِ علم
شاہراہِ فقہ نعمانی پہ دائم گامزن
در تفقہ فائق از اقران و اربابِ کمال
جانشینِ قاسمؒ و امدادؒ و محمودؒ و رشیدؒ
روحِ شیخ الہند از افعالِ او مسرور بود
احمد آباد و کراچی مالٹا سے پوچھئے
جذبِ عشقِ شیخ محمود الحسن کو دیکھئے
ہو گئے وہ بھی روانہ جانبِ خلدِ بریں
جنت الفردوس میں وہ شیخ سے جا کر ملے
کس سے پوچھیں جاکے اب اسرارِ قرآن و حدیث
کس سے سیکھیں جاکے اسرارِ رموزِ معرفت
واقعہ آزاد یہ ہے میرے امکاں میں نہیں
واکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق

ہر طرف کیوں گر رہی ہے آنسوؤں کی آبشار
غم سراسر کس لئے ہے آج دورِ روزگار
ہر جگہ یہ نالہ و فریاد کیوں ہے بار بار
کیوں یہ بحرِ غم ہے طوفاں خیز و ناپیدا کنار
آج کیوں ارکانِ تعلیمات کو ہے اضطرار
طالبِ علم و عمل میں آج کیوں ہے انتشار
جس کو دیکھو مضطرب بے چین و مضطر بے قرار
جس کو دیکھو یاس کی تصویر حیراں دل فگار
جس کو دیکھو کرب و حرماں یاس و حسرت کا شکار
سارا عالم کس لئے ہے جیب و داماں تار تار
کیوں ہیں مضطر کھو گیا کیا کوئی دُرِّ شہوار
دامنِ جمعیتِ ہند آج کیوں ہے لالہ زار
ہو رہی ہے جستجو میں کس کی یہ آشفتہ کار
اس کے ہر ذرہ سے کس کی جستجو ہے آشکار
ہو رہے ہیں آج محوِ خواب جو زیرِ مزار
واقعی ہے موت جس کی موتِ عالم آشکار
جودِ عثماں، عزمِ حیدر، جرأتِ خالد شعار
پیکرِ صبر و رضا تسلیم حق کوہِ وقار
بیہقئ وقت و جنیدِ عصر عرفاں تاجدار
عابد و زاہد تقی و متقی پرہیزگار
پیکرِ صدق و صفا تصویرِ فیضِ کردگار
پیشوائے مالکاں میدانِ عرفاں کے سوار
کوہِ استقلال و ہمت ذاکرِ لیل و نہار
شہسوارِ جنگِ حریت تبلیغ ذوالفقار
بطلِ حریت، زعیمِ قوم و ملت حق شعار
از مقالاتش ببیں تاریخِ عالم آشکار
وارثِ علمِ نبوت دورِ ماضی یادگار
بہر امداد سلوک ارشاد مرشد درکنار
فقہ الابواب بخاری کے مسلم رازدار
وقتِ تدریسِ بخاری حفظِ مسلم درکنار
فیض او جاری بدہ از ہند تا چین و تتار
پیشِ عزو ہمتشِ افرنگ شاطر رازدار
ان کا ہر ذرہ کرے گا یہ حقیقت آشکار
آخرش بنوا لیا پاس اپنے ان کا بھی مزار
کر رہی تھی روحِ شیخ الہند ان کا انتظار
ہو رہے تھے اس جدائی سے نہایت بے قرار
کون اب باقی ہے ایسا ہو جو عالم اعتبار
کون سمجھائے گا توحیدِ خدائے کردگار
ہو کمالاتِ حسین احمد کا احصٰی و شمار
دونوں دریاؤں کی پنہائی کے تھے وہ رازدار
وہ رہبر، غواصِ بحرِ رحمت پروردگار

"مرض عشق کی ابتداء، سیاسی ذوق کا نشوونما، خارِ وطن از سنبل و ریحان خوش تر، آزادیٔ وطن کی جدوجہد ہمارا پیدائشی حق ہے

انگریزوں کی غلط پالیسیوں سے ملک تباہ اور مختلف فرقوں کا اتحاد و اتفاق برباد ہوا ————"

ذیل میں حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کے قلم مبارک کے لکھے ہوئے ایک مضمون کا اقتباس پیش کیا جارہا ہے۔ جو اب تک شائع نہیں ہوسکا ہے

اگست ۱۹۴۲ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی طرف سے "Quit India" "ہندوستان خالی کرو" والی آخری تحریک چلی تھی۔ مگر حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کی گرفتاری کی خبریں تقریباً ایک سال پہلے سے گرم تھیں یعنی حکومت آپ کی گرفتاری طے کرچکی تھی صرف عمل باقی تھا اور اسکے لیے بہانہ درکار تھا۔ چنانچہ جب عمل کے لیے قدم بڑھایا گیا تو حضرت کی ایک تقریر کو بہانہ بنایا گیا۔ یہ تقریر جمعیۃ علماء ضلع مراد آباد کی ایک کانفرنس میں ہوئی تھی جو ۱۹۴۲ء کی فروری یا مارچ میں بچھرایوں ضلع مراد آباد میں زیرِ صدارت حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند منعقد ہوئی تھی۔ اس وقت تک کانگریس کی پالیسی یہ تھی کہ ستیہ گرہ کے علاوہ اگر کسی اور سیاسی الزام میں گرفتار کیا جائے تو ملزم کی طرف سے صفائی بھی دی جائے اور مقدمہ کی پیروی بھی کی جائے۔ چنانچہ جب اپریل ۱۹۴۲ء میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کیا گیا تو مقدمہ کی باقاعدہ پیروی کی گئی۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب موجودہ وزیرِ حکومت یوپی نے اس زمانہ میں مراد آباد ہی میں وکالت شروع کی تھی۔ ان کی زیرِ ہدایت ابتدائی مقدمہ کی کارروائی ہوئی۔ مراد آباد کے دوسرے وکلاء نے بھی اس میں حصہ لیا اس کے بعد اپیل کے موقع پر مرحوم آصف علی صاحب بیرسٹر نے بحث کی۔ یعنی چار گھنٹہ مسلسل کٹہرہ عدالت میں تقریر کی۔ اس روز مراد آباد کی عدالتوں کی عام بینچیں خالی پڑی رہیں۔ وکلاء اور ڈپٹی صاحبان تقریباً سب ہی مسٹر آصف علی کی بحث سننے کے لیے جج صاحب کی عدالت میں بحیثیت وزیٹر حاضر تھے۔" یہ تو مسٹر آصف علی صاحب کی بحث تھی حضرت نے خود ایک بیان قلمبند فرمایا تھا۔ یہ بیان فل سکیپ کے تقریباً پچیس صفحات پر مشتمل تھا۔ وکلاء صاحبان کے مشورہ کے بموجب اس کا خلاصہ کرکے انگریزی کرایا گیا اس انگریزی بیان کو حضرت کو سنا کر عدالت میں داخل کرایا گیا اور اصل بیان حضرت کے گرانقدر تبرک کے طور پر عزیز محترم حافظ سید سادات حسن صاحب دیوبندی (از احفاد حاجی سید محمد عابد صاحبؒ سابق مہتمم و یکے از بانیان دارالعلوم دیوبند) نے محفوظ کرالیا اور آج تک ایک کتاب مقدس کے طور پر اس کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ اس وقت اس بیان کا وہ حصہ جو حضرت کی سیرت آپ کے سیاسی مذاق کے نشوونما اور آپ کے سیاسی حالات و رجحانات سے متعلق ہے۔ ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے باقی حصہ جس میں زیادہ تر انگریزوں کے اقوال ہیں جن کو حضرت نے بطور شواہد پیش فرمایا تھا وہ سنڈے ایڈیشن میں ترتیب وار شائع کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز

محمد میاں

انسان کی طبعی بات ہے کہ اس کو اپنے وطنِ عزیز سے اس قدر محبت ہوتی ہے جو کہ دوسری جگہوں سے نہیں ہوتی جس سرزمین میں وہ پیدا ہوتا ہے اور پرورش پاتا ہے خواہ کتنا ہی تکلیف دینے والا ہو مگر انسان کو اس کا کانٹا بھی دوسری جگہ کے پھولوں سے اچھا معلوم ہوتا ہے مشہور شعر ہے:

حب الوطن از ملک سلیمان خوش تر ✻ خارِ وطن از سنبل و ریحان خوش تر

مگر میں جب کہ سکول میں پڑھتا تھا تو مجھ کو تاریخ اور جغرافیہ سے خصوصی دلچسپی پیدا ہوئی۔ اور ہندوستان کی پرانی تاریخی عظمتوں اور جغرافیائی قدرتی ہمہ گیر برکتوں نے نہایت گہرا اثر کیا اور پھر اہل ہند کی موجودہ بیکسیوں کا اثر روز افزوں ہوتا رہا۔ طالب علمی کے زمانہ میں اس احساس میں ترقی ہی ہوتی رہی اس زمانہ کے ختم ہونے پر مجھ کو آزاد ممالک عرب مصر، شام وغیرہ کی سیاحت

اور قیام کی نوبت آئی۔ آزاد ملکوں کے باشندوں سے میل جول اور ان کے اوطان کی حالتوں سے آگاہی حاصل ہوئی اس نے مجھ کو اپنے وطن کی محبت میں اور زیادتی پیدا کر دی اور اس احساس کو نہایت قوی کر دیا کہ آزادی کس قدر ضروری چیز ہے اور بغیر آزادی کے کسی ملک کے باشندے کس قدر بے بس اور اپنے وطن کی قدرتی فیاضیوں سے محروم ہوتے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ یورپین ایشیا تک افریقش آزاد اقوام کس طرح اپنی آزادی کے گیت گاتی ہیں اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانیوں کو ضروری سمجھتی ہیں ان امور کے مشاہدہ کی بنا پر مجھ میں وہ قومی جذبات پیدا ہونے ضروری تھے کہ جن کے ہوتے ہوئے میں ہندوستان کی محبت اور اس کی آزادی میں پیش از پیش سعی اور جدوجہد میں کسی کوتاہی کو روا نہ رکھوں اس پہ طرّہ ہوا کہ گورنمنٹ برطانیہ نے مجھ کو میرے آقا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ساتھ جو کہ مسلمانوں میں آزادئ ہند کے سب سے بڑے علمبردار تھے گرفتار کر کے ایک مہینہ ایجیٹ (مصر) میں جنیرہ کے سیاسی قیدخانہ میں رکھا۔ وہاں مصریوں کا آزادی پسند طبقہ مقیّد تھا۔ اس کے بعد مجھ کو ہمراہیوں کے ساتھ مالٹا بھیجا گیا جہاں پر آزاد ممالک یورپیہ اور ایشیاویہ کے چوٹی کے سیاسی اور فوجی لوگ مقید تھے۔ ڈیڑھ ہزار جرمن اور ڈیڑھ ہزار آسٹرین بلگرین، ٹرکش عرب تھے اسی کیمپ میں ہم کو بھی چار برس ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۸ء تک رکھا گیا۔ ہم آپس میں روزانہ ملتے تھے اور دنیا کے تمام حالات اور تمام ملکوں کا مطالعہ اور بحث کرتے تھے ان امور کا قدرتی طور پر جو کچھ نتیجہ ہونا چاہیئے تھا وہ ہوا اور ضروری تھا کہ ہو۔ ۱۹۱۹ء جون میں پھر ہم کو ہندوستان لایا گیا جب ہم یہاں پہنچے تو خلافت کی تحریک زوروں پر تھی۔ جلیانوالہ باغ کے واقعات رولٹ ایکٹ اور مارشل لاء وغیرہ کی مختلف جگہوں کی زیادتیوں نے ہندوستان کے تمام باشندوں میں کھلبلی ڈال رکھی تھی اور باامن جنگ اور نان کوآپریشن کی تحریک زوروں پر تھی میں اس قدر متاثر ہو چکا تھا کہ میرا عقیدہ ہو گیا تھا کہ فرقہ داری کی تنگ دلیوں سے نکل کر تمام ہندوستانی قوم کو اور جملہ باشندگانِ ہند کو آزاد ہونا ازبس ضروری ہے میں نے بیرونی ممالک میں مشاہدہ کیا تھا کہ دوسرے ممالک میں ہندوستانی خواہ مسلمان ہوں یا ہندو، سکھ ہوں یا پارسی وغیرہ وغیرہ ایک ہی نظرِ حقارت سے دیکھے جاتے ہیں اور سب کو نہایت ذلیل غلام کہا جاتا ہے سب کو ایک ہی قوم سمجھا جاتا ہے اور بالخصوص سپید نسل والے تو ان سبھوں کو بہت ذلیل جانتے ہیں اور بات بات پر ایسے طعنے اور ذلت آمیز کلمات کہتے اور معاملات کرتے ہیں کہ جن کا تحمل مشکل ہے۔''

خلاصہ یہ کہ میں خلافت، کانگریس، جمعیۃ علماء میں داخل ہو گیا اور نان وائلینس کو سیاسی عقیدہ بنا کر تحریک ترک موالات (نان کوآپریشن) کو اپنا عملی پروگرام بنا لیا اسی بنا پر میں ۱۹۱۹ء سے آج تک کانگریس اور جمعیۃ علما کا ممبر ہوں اور ان دونوں کے عقیدے میرے سیاسی عقیدے اور ان کے عملی پروگرام میرے دستور العمل ہیں۔ خلافت کی تحریک اگر آج موجود ہوتی تو میں اس کا بھی ممبر ہوتا میرا قوی اور زوردار سیاسی عقیدہ ہے کہ جس طرح ہر انگریز، ہر فرانسیسی، ہر جرمنی، ہر امریکن، ہر جاپانی ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اپنے وطن کو آزاد رکھے اور اپنے آپ کو کبھی کسی دوسری قوم کا غلام نہ ہونے دے اور ہر قسم کی قربانی کو اس راہ میں کم سمجھے اور یہی جدوجہد ہر ایک انگلستان کا اور دوسرے ممالک کا باشندہ اپنا فرض اور اپنے لیے باعثِ فخر و مباہات سمجھتا ہے اور بغیر آزادی کے زندگی کو زندگی نہیں سمجھتا بلکہ موت کو اس پر ترجیح دیتا ہے اور اسی کے لیے مسٹر چرچل اور دیگر ذمہ دارانِ برطانیہ کی تقریریں اور تحریریں اور آئے دن سنتی ہیں یہی فلسفہ ہندوستانی کا بھی ہے اور ہر ہندوستانی کا خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اس کا یہی عقیدہ ہونا چاہیئے میں نے اس تحریک آزادی اور باامن جدوجہد میں نہایت سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا اور پھر کراچی کے مشہور کیس میں دو برس تک سابرمتی جیل کے اندر نہایت شرافت کے ایام گزارے وہاں سے نکلنے کے بعد بھی برابر میں حسب پروگرام کانگریس اور جمعیۃ علماء کی اسی جدوجہد میں مشغول ہوں اور مشغول رہا اور سینکڑوں جلسوں وغیرہ میں تقریریں کیں، متعدد خطبات اور رسائل لکھے مضامین شائع کرتا رہا۔ اس زمانہ میں جب کہ جمعیۃ علماء اور کانگریس نے اس جنگ کو ہندوستان کے دروازوں تک پہنچتے ہوئے دیکھا اور محسوس کیا کہ کہیں ان ایام میں جب کہ گورنمنٹ برطانیہ جنگ میں مشغول ہو گی اور اس کی تمام پاور اس کے دشمنوں کے مقابل میں ہو گی۔ اندرون ملک بدامنی اور لوٹ مار، چوری اور ڈکیتی، فرقہ وارانہ لڑائیاں، پرانی دشمنیوں اور خود غرضیوں کے جذبات ظاہر ہو کر کہیں تمام پبلک اور ملک میں ابتری اور ہلاکت نہ پھیلا دیں۔ ادھر مخالفین برطانیہ اور برطانیہ کی جنگی کارروائیوں کی وجہ سے عام ہندوستانیوں کے لیے جو جو مصائب پیش آئیں گے ان سب کے دور کرنے کے لیے جماعت خدام خلق بنانا ضروری اور سب کو خواہ کسی جماعت کے آدمی ہوں۔ اور کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں منظم ہو جانا ازبس لازمی ہے فرقہ دارانہ جذبات اور پرانی دشمنیوں مختلف عقائد سیاسیہ اور مذہبیہ کو اس وقت بھلا دینا اور سب کو خواہ دیہاتی ہوں، قصبات کے باشندے ہوں شہری ہوں منظم ہو جانا لازم ہے اس پروگرام کو اس وقت چلانا اور اس کی تلقین کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ میں چند مہینوں سے یہی کام کر رہا ہوں اور اسی کی تلقین میں نے بجپراؤں کے اس جلسہ میں کی تھی۔ افسوس یہ ہے کہ اس پروگرام کے متعلق جو کچھ میں نے کہا تھا رپورٹر نے اس کو یک قلم حذف کر دیا ہے میں نے اپنی تقریر میں ان تمام اعتراضات کو ملحوظ رکھتے ہوئے تقریر کی تھی جو کہ فرقہ دارانہ جذبات کے بھڑکانے اور لوگوں کو لڑانے کے لیے ناعاقبت اندیش اور خود غرض لوگ کیا کرتے ہیں اور ان تمام امور کو پیش نظر رکھا تھا جن کی بنا پر باوجود اختلاف عقائد و خیالات متحد اور منظم ہونا ضروری ہو جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں میں لڑائی بھڑائی پرانے زمانے سے بلکہ ہمیشہ سے اسی طرح چلی آتی ہے یا کہا جاتا ہے کہ مذہبی اختلافات اور عقائد کا تقاضا یہی ہے کہ وہ آپس میں لڑیں کبھی گانے اور بجانے کا مسئلہ پیش کیا جاتا ہے کبھی مختلف مقامات کے بلوے دکھائے جاتے ہیں کبھی ہندوؤں کے مظالم پیش کیے جاتے ہیں۔ کبھی مسلمانوں کے مظالم پیش کیے جاتے ہیں۔

علیٰ ہٰذا القیاس میں نے وہ ہلاکت آمیز مصیبتیں جو کہ ایام جنگ ہندوستان میں پیش آنے والی ہیں اور وہ مصائب جو کہ برطانوی حکام کی غلط اور خود غرضی کی پالیسیوں سے ہندوستان کے باشندوں کو انتہائی فلاکت بلکہ ہلاکت کے گھاٹ اتار چکی ہیں اور جن کا خود انصاف پسند اور انسانیت کے ہمدرد مشہور انگریز اقرار کر رہے ہیں۔ دکھلائیں کہ ایسی مصیبت کے وقت میں ازبس ضروری ہوتا ہے کہ اپنے جھگڑوں کو چھوڑ دیا جائے اور مشترکہ مصیبت کو دور کرنے کی انتہائی کوشش عمل میں لائی جائے۔ گاؤں میں آگ لگتی ہے سیلاب آتا ہے تو لوگ اپنے پرانے جھگڑوں، نسلی تمیز اختلاف عقائد کو بھلا دینا ضروری سمجھ کر سب کے سب آگ بجھانے میں لگ جاتے ہیں۔ یہی حال تم لوگوں کا ہونا چاہیئے۔ ہندوستان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ہندوستانیوں کی موجودہ مصائب کو جو کہ برطانوی حکام کی غلط پالیسیوں سے پیدا ہوتی ہیں جھٹلاتے ہیں اور غافل لوگوں کو دھوکہ دے کر کہتے ہیں کہ یہ باتیں چند سرپھروں کی بنائی ہوئی ہیں واقعہ ایسا نہیں ہے اس لیے میں نے تاریخی

شہادتیں (جن میں سے بہت بڑا حصّہ مجھ کو یاد بھی ہے اور بہت کثیر حصّہ میرے پاس معتبر تاریخوں سے تحریری نوٹ میں ہے) معتبر انگریزوں سے پیش کی تھیں ان کے ناموں اور عبارتوں میں خبط عشوار کیا گیا ہے یہ نوٹ میرے پاس موجود ہیں جن کے ماخذ کو پوری تفصیل کے ساتھ پیش کر سکتا ہوں خلاصہ ان کا ان پالیسیوں پر تنقید کرنا ہے جو کہ غلط کار مدبرین نے ہندوستان میں جاری کر کے برطانوی قوم اور برطانوی امپریلزم اور برطانوی تاریخ کو بدنام کیا ہے اور برطانوی رعایا کی بربادی کا سبب بنے ہیں۔ کسی پالیسی اور حکمتِ عملی اور سسٹم پر تنقید کرنا اس پر پروٹسٹ اور احتجاج کرنا اس کو پبلک میں پیش کر کے اس کے مضرات کو بتلانا اور اس کے خراب نتائج کو مشہور کرنا نہ قانوناً جُرم ہے اور نہ گورنمنٹ سے نفرت پھیلانا شمار کیا جاتا ہے۔ ہمیشہ سے انگلستان اور ہندوستان میں یہ طرز چلا آتا ہے اور یہ امر زمانہ میں ازلبس ضروری ہے ورنہ کوئی گورنمنٹ اندھیر نگری سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اس کو سر جان شور رسول میرٹ ڈبلو جی پیڈر، سر ولیم ڈگبی، سر بیڈیٹ ٹاونشر لارڈ سالسبری، لارڈ ولیم بنٹنگ، بروکس، ایچ۔ ایم۔ ہنڈولن، ایڈورڈ ٹامسن، لارڈ کیننگ، ایچ۔ ایچ۔ ولسن، اے۔ اے۔ برسل، پیٹر فریمین، ڈبلیو۔ ایس۔ بلنٹ، لارڈ نارتھ بروک، مسٹر میکڈانلڈ وغیرہ کہتے رہے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ برطانیہ کے دشمن نہ تھے اور نہ برطانوی قوم یا حکومت سے نفرت پھیلانے والے تھے ہاں غلط کار مدبرین برطانیہ کو ان کی غلط کاریوں سے روکنا چاہتے تھے جس کا اقرار آج سر اسٹیفورڈ کرپس اور بہت سے بڑے بڑے سمجھدار انگریز کر رہے ہیں اور وہی غلطیاں آج برطانوی قوم اور برطانوی شہنشاہیت کے لیے انتہائی مشکلات کا باعث بنی ہوئی ہیں خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ میں کسی ہندوستانی شخص سے اپنے وطن کی محبت اور اس کی آزادی کی خواہش اور اس کے لیے حسبِ مقدرت جدوجہد کرنے میں پیچھے نہیں ہوں مگر یہ سپیچ محض اتحاد اور منظم ہونے اور امن وامان کو پھیلانے کے لیے کی گئی تھی جس کو موجودہ بیان سے ہی ہر ایک سمجھدار بلکہ معمولی سمجھ والا بھی سمجھ سکتا ہے اس کو قابلِ اعتراض وہی شخص قرار دے سکتا ہے جو کہ اہل ہند کے اتحاد اور اتفاق کا مخالف ہے اور چاہتا ہے کہ ہمیشہ ان میں جوتی پیزار ہوتی رہے خواہ ان پر کتنی ہی مصائب کیوں نہ آئیں اور کتنی ہی بربادی پیش کیوں نہ آئے۔ کبھی بھی یہ منظم نہ ہوں اور نہ آپس میں میل جول کریں۔

کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ مجھ کو اتحاد کانفرنس جھنگ مگھیانہ کی صدارت کے لیے سفر کرنے سے روکا گیا اور عین اس تقریر کو جو کہ اسی اتحاد کے لیے کی گئی تھی، باعث اعتراض قرار دیا گیا اور پھر اس تقریر میں جو میں نے دستور العمل پیش کیا تھا اس کو حذف کر دیا گیا، اور جو نوٹ نقل کیے گئے ان کو پورا نہیں لکھا گیا اور نہ ان انگریزوں کے صحیح نام لکھے گئے جن سے وہ منقول ہیں نہ ان رسالوں یا اخباروں کو بتایا گیا جن میں یہ نوٹ موجود ہیں نہ ان کی تاریخیں بتائی گئیں۔ حالانکہ میری سپیچ میں یہ سب تھا۔ میری عادت ہے کہ میں تقریر کرتے ہوئے ان سب چیزوں کا ذکر کیا کرتا ہوں۔ فاضل مجسٹریٹ صاحب نے چونکہ نمبر گیارہ میں میری جملہ تقریر کا خلاصہ نتیجہ نکالا ہے اور یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں:

آپ کی تقریر کے شروع حصّہ میں ایسے جملے استعمال کیے گئے ہیں جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ انگریزی سرکار ہندو مسلمان کے لڑانے کا باعث ہے اور آپ کی کُل تقریر سے انگریزی سرکار کی طرف سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اولاً جناب کو اسی نمبر کی طرف توجہ دلاؤں دوسرے ابتدائی دس نمبروں کی تفصیل بعد میں عرض کروں گا اور چونکہ اس نمبر کے دو حصے ہیں ایک کا تعلق ابتدائی تقریر سے ہے دوسرے کا کل تقریر سے۔ اس لیے میں اس کو دو حصّوں الف اور ب میں تقسیم کر کے پہلے حصہ الف کو اور پھر حصّہ ب کو پیش کروں گا۔

(حصّہ الف) جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ خود غرض اور نفاق پھیلانے والے کہتے ہیں کہ ہندوؤں[۱] اور مسلمانوں میں لڑائی جھگڑائی ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ مذہب[۲] کا یہی تقاضا ہے کہ اورنگ زیب[۳] مرحوم بہت متعصب بادشاہ تھا۔ ہندوؤں اور غیر مسلموں پر اُس نے مذہب کے تعصّب کی بنا پر بہت مظالم کیے ہیں۔[۴] ان دونوں فرقوں میں کبھی اتفاق نہیں ہوا وغیرہ وغیرہ ان سب اعتراضوں کو دور کرنے اور غلط ثابت کرنے کیلئے میں نے ایک مشہور انگریز سیاح کپتان الگزنڈر ہملٹن کا قول پیش کیا تھا یہ شخص شہنشاہ اورنگ زیب مرحوم کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا اور یہاں پچپن برس مقیم رہ کر اورنگ زیب ہی کے زمانہ میں واپس چلا گیا تھا اس نے اپنا سفرنامہ دو جلدوں میں لکھا ہے چیف جسٹس حیدر آباد دکن "نواب مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب" نے اس سفرنامہ کے مختلف مضامین ترجمہ کر کے رسالہ (ہند عہد اورنگ زیب میں) شائع کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ سفرنامہ جلد اوّل ص۱۲۷، ص۱۲۸ میں دربارہ شہر ٹھٹھہ ملک سندھ کپتان مذکور کہتا ہے:

ریاست کا مسلمہ مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے، ہندوؤں کے ساتھ رواداری پورے طور پر برتی جاتی ہے وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانے میں کرتے تھے جب کہ بادشاہت خود ہندوؤں کی تھی وہ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں لیکن ان کی بیویوں کو اجازت نہیں ہے کہ شوہروں کے مُردوں کے ساتھ ستی ہوں۔

(ہند عہد اورنگ زیب میں ص۷)

شہر سورت کے متعلق کپتانِ مذکور صفحہ ۱۶۲ میں لکھتا ہے کہ اس شہر میں تخمیناً سو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں لیکن ان میں کبھی کوئی سخت جھگڑے ان کے اعتقادات و طریقہ عبادت کے متعلق نہیں ہوتے ہر ایک کو پورا اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنے طریقے سے اپنے معبود کی پرستش کرے۔ صرف اختلافِ مذہب کی بنا پر کسی کو تکلیف دینا اور آزار پہنچانا ان لوگوں میں بالکل مفقود ہے۔

(ہند عہد اورنگ زیب میں ص۸) (محمد میاں)

سازِ شکستہ

(محمد اطہر صدیقی)

قلبِ مضطر، روحِ غمگیں ہر نظر شعلہ فشار
چار سو چھائی ہوئی ہے ایک فضائے سوگوار
آہ! رخصت ہو گیا ہے بزمِ ہستی سے ندیم
پیشوائے علمِ دیں، تہذیب کا پروردگار

غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ فاضل مضمون نگار کا تعارف اخبار کے ذریعہ کرایا جا رہا ہے یہ مولانا محمد اسحٰق جن کے مضمون کی چند زریں سطریں اس کالم میں پیش کی جا رہی ہیں۔ ہندوستان کے مشہور مسلم رہنما، یو۔پی کے مشہور وزیر حافظ محمد ابراہیم صاحب کے برادر حقیقی ہیں۔ مگر جس طرح حافظ صاحب سیاسی جلوتوں کے مسند نشین ہیں۔ مولانا محمد اسحٰق صاحب مطالعہ کتب اور ذکر و مراقبہ کی خلوتوں کے عزلت گزیں آپ کا رات دن مطالعہ میں صرف ہوتا ہے یا اپنے رب کی عبادت میں آپ انھی میں سے ہیں جن کے متعلق ارشادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے "یرزق بھم"

جامع مسجد نگینہ میں جلسہ تعزیت ہوا تو مولانا موصوف کو صدارت کے لیے منتخب کیا گیا آپ نے جن الفاظ میں تقریرِ صدارت کرتے ہوئے دلی جذبات کا اظہار کیا تھا انھی کو لکھ کر اشاعت کے لیے بھیج دیا آپ ایک نظر ڈالیے اور روحانی لذتوں کے دامن پُر کر لیجئے:- (ادارہ)

ابھی چند روز پیشتر تک تو ہم حضرت اقدس جناب مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں دعا کیا کرتے تھے کہ رب العلمین عالمین پر ان کا سایہ ممتد فرماتے رہیں بلکہ وہ السلطان ظل اللہ فی الارض کے بھی معنوی طور پر مصداق تھے۔ وہ مسلمانوں اور بلکہ انسان کے لیے ایک ایسے بڑے درخت سے مشابہ تھے کہ جس کے سایہ میں آدمی اور دیگر جاندار تکالیف اور پریشانی میں امن پائیں۔ وہ مسلمانوں کی بھی ایک بڑی اور بہترین طاقت تھے بلکہ اُن کی نافع دعاؤں کا فیض اور برکت مسلمانوں اور تمام آدمیوں بلکہ ذی روح اور غیر ذی روح سب کے لیے موجب آرام اور بقا رہا ہے اور ہم کہتے تھے کہ سہ ملا را اسفل و اعلےٰ ہیں ثناخوان دونوں" اس لیے کہ تمام مخلوق الٰہی ایسی شخصیتوں کے لیے دُعا کرتی رہتی ہے وہ یدعولھم خلق اللہ حتی الحیتان فی جوف الماء کے مصداق ہوتے ہیں۔ مولانا حسین احمد صاحب کی شخصیت بھی ایسی شخصیت تھی جن کے لیے تمام مخلوقاتِ الٰہی یہاں تک کہ مچھلیاں بھی پانی کے اندر دعا کرتی ہیں وہ خلق اللہ اور مسلمانوں پر غایت درجہ شفقت رکھتے تھے اور ہر غیر مسلم کی بھی تکلیف کو دور کرنا ان کا دلی احساس تھا۔

تاریخِ اسلام میں اسخیا و اہلِ جود و کرم کا بھی ایک نمایاں مقام ہے چنانچہ بعد خلفائے راشدین اور اہلِ بیت خاصہ کے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اس صفت کے لحاظ سے مخصوص اور بلند مقام ہے ہم مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ کو اس بہترین اسلامی خلق میں بھی دوسروں کے لیے نمونہ دیکھتے تھے۔ اُن کی ذات سے اُن کی عمر بھر میں کثرت سے بہت آدمی ظاہری اور جسمانی ضرورتوں میں بھی برابر آرام پاتے رہے اُن سے مخلوق کی ظاہری اور جسمانی خدمات بھی بکثرت انجام پائی ہیں ان کی یہ حالتیں تو ہم ان کی زندگی میں محسوس کرتے تھے اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عالم نور میں رہتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں بھی نور ہے ان کے داہنے نور ہے ان کے بائیں نور ہے ان کے چاروں طرف نور ہی نور ہے وہ خود نور ہو گئے ہیں وہ اس دُعا کے مصداق ہیں جو صحیح حدیث میں آتی ہے: اللّٰھم اجعل فی سمعی نورا و فی بصری نورا الحدیث او کما قال صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ انھوں نے تمام عمر حدیث شریف کے پُرنور الفاظ سے نور حاصل کیا اور دوسروں کو وہ نور پہنچایا۔ ان کے اوقات کے تمام لحظات و لمحات عبادت میں گزرے ہیں ان پر زمین آسمان روئے ہیں۔ انھوں نے ہندوستان اور اس کے رہنے والوں کو مسلم ہوں یا غیر مسلم پنجۂ ظلم و ستم سے آزاد کرانے کے لیے ہمیشہ اپنی جان پر تکالیف و مصائب اٹھائی ہیں اور یہ فیضان و کرم الٰہی اپنی محنتوں کا ثمرہ اپنی زندگی میں پایا اور ہندوستان کو آزاد دیکھ لیا اور آزاد ہندوستان کی فضائیں کئی سال سانس لیتے ہوئے زندگی گزاری اللہ پاک ان کو ہماری طرف سے بھی جزائے خیر عطا فرمائے و یرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الواسعۃ المبارکۃ۔ آمین۔ وہ حضور رحمۃ اللعلمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور جملہ انبیاء علیہم السلام بالخصوص انبیاء ہندوستان کے وارث اور نائب تھے۔

آہ صد آہ ! کل تک جنہیں ہم مولانا مدنی مدظلہٗ کہا کرتے تھے۔ آج مولانا مدنی قدس اللہ سرہٗ کہہ رہے ہیں۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے اکیاسی[(۸۱)] سال کی عمر میں دار دنیا سے دار آخرت کی طرف رحلت فرمائی اور وابستگان کو غم و اندوہ میں تڑپتا ہوا چھوڑ کر اپنے مقام کریم میں جا داخل ہوئے۔ حضرت شیخ ایشیا کی سب سے بڑی جامعہ (دارالعلوم دیوبند) کے شیخ اکبر، جمعیۃ علمائے ہند کے صدر، جماعت دیوبند کے عظیم روحانی رہنما اور جماعت دیوبند کی سو سالہ تاریخ کی اس صدی کی آخری کڑی تھے۔

۱۸۵۷ء کے بعد دارالعلوم دیوبند کے قیام سے جس تعلیمی، دینی، روحانی اور اجتماعی تحریک کا آغاز ہوا تھا اس کے کئی انقلابوں اور دوروں کی تکمیل مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے ہو کر اس ۱۹۵۷ء ہی پر ان کی انتہا ہو گئی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد اُس کی ابتدائی کڑی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تھی جس سے اس نئے دور کا آغاز ہوا۔ درمیانی کڑی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تھے جنھوں نے اُسے شباب تک پہنچایا اور آخری کڑی حضرت شیخ الاسلام تھے جنھوں نے اسے انتہا تک پہنچایا اور اس طرح ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک سو برس کے عرصہ میں اس تحریک کا ایک دور مکمّل ہو کر ختم ہو گیا۔

حضرت ممدوح کی وفات اس صدی کا سب سے بڑا المناک سانحہ اور ایک عظیم علمی نقصان ہے جس کی تلافی بظاہر اسباب مشکل ہے جامع ہستیاں دیر سے بنتی ہیں اور اُٹھ جاتی ہیں تو ان کی جگہ لمبی مدت تک خالی پڑی رہتی ہے۔ ؏

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت ممدوح کی ہستی نادرِ روزگار ہستی، عزم و ثبات، ہمت مردانہ، اٹل ارادہ، علم بصیرت اور ایمانی فراست کا ایک متحرک پیکر تھی۔ آپ نے آج کے لادینی اور مادی دور میں جن دینی، اخلاقی اور علمی اصولوں کا دائرہ خواص و عام کے لیے وسیع کیا اور انسانیت کی جن قدروں کو اجاگر کیا دُنیا ان پر ہمیشہ فخر کرے گی۔

شیخ الاسلام اسلامی علوم و معارف اور ایشائی فنون و آداب کے علمبردار تھے اور آپ کی ہمت ظاہری و باطنی سے ملک اور ملک کے باہر ہزاروں علمائ اس علمی امانت کے امین بن گئے جو اس مرکز علم و فن (دارالعلوم دیوبند) سے آپ کی بدولت نشر ہوتی رہی۔ آپ اپنے اساتذہ و شیوخ کے ابتداء ہی سے معتمد علیہ اور مرکز توجہ رہے اور بلا استثنا ان کے تمام اکابر و شیوخ انہیں اطمینان و اعتماد اور امید بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے اس لیے آپ مختلف ماہر فن اساتذہ و شیوخ کی علمی و عملی یادگار تھے۔ قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر، ادب و خطابت، منطق و فلسفہ کی مہارت و حذاقت آپ کے قول و فعل سے نمایاں رہتی تھی۔ آپ کی اس جامعیت نے علمی دنیا کو جو فائدہ پہنچایا اُس کا اثر صدیوں کام ہوتا رہے گا اور دُنیا اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتی رہے گی۔

باطنی سلسلوں میں پارسائی، پاکیزگیٔ نفس، تقویٰ و طہارت، ضبط اوقات، تکمیلِ معمولات اور باوجود متفرق دینی و قومی مشاغل کے اُن کی ہمہ وقت پابندی آپ کا ایک سہل ممتنع مشغلہ تھا حب الوطنی آپ کے نزدیک صرف ایک سیاسی نظریہ ہی نہ تھی بلکہ ایک علمی اور اخلاقی اور خود اُن کے الفاظ میں ایک دینی جذبہ کی حیثیت سے آپ کا جوہر نفس تھی اور دین کی یہ تعلیم کہ: "اچھا مسلمان دُنیا کا ایک اچھا شہری بھی ہو" آپ کی ذات گرامی میں عملی صورت سے ہر وقت نمایاں رہتی تھی، مادی دنیا سامان راحت بہم پہنچا سکتی ہے مگر انسانی ضمیر کو مطمئن نہیں کر سکتی سائنس اچھے سامان پیدا کر سکتی ہے مگر اچھے انسان نہیں بنا سکتی جب تک کہ ایمانی سائنس اس کی رہنما اور مُربی نہ بنے۔

حضرت ممدوح کی ذات ان دونوں سائنسوں کا ایک معتدل امتزاج تھی۔ آپ ایک وقت اگر دنیا کے مادی پلیٹ فارموں اور سیاسی سٹیجوں کی جلوتوں میں نمایاں نظر آتے تھے تو دوسرے وقت میں ذکر اللہ کی خلوتوں، درس حدیث و قرآن کی مسندوں پر بھی جلوہ فرما رہتے تھے اور دونوں لائنوں میں بھرپور قوت کے ساتھ رواں دواں تھے۔ ایک شعبہ سے

دوسرا شعبہ آپ کی توجہ کی جامعیت کو پراگندہ نہیں کرسکتا تھا۔ دینی زندگی کے ساتھ قومی زندگی اور اسلامی زندگی کے ساتھ بین الاقوامی زندگی، اپنوں کی تربیت کے ساتھ دوسروں کی رعایت اور اپنوں کے احتساب کے ساتھ دوسروں کے لیے توسّع ان کے کام کا نصب العین تھا۔ اسی لیے آپ نے درس و تدریس، باطنی تربیّت اور روحانیت کی پاکیزہ مشاغل کے ساتھ قومی جدوجہد کا میدان بھی سر کیا اور عملاً ان دونوں اضداد کو جمع کر دکھلایا اسی جامعیّت کے اصول کو آپ نے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا اور آپ کے ہزاروں شاگردوں نے جو ہندوستان و بیرون ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں اس پر کام کیا اسی لیے آپ کی مقبولیّت ملک کے ہر طبقہ اور ہر قوم میں عام تھی۔ حتیٰ کہ جن حضرات کو آپ سے اختلاف رائے بھی تھا ان کے قلوب بھی حضرت ممدوح کی عزت و عظمت سے بھرپور تھے اور وہ آپ کے کمالات ظاہر و باطن کے معترف رہے۔

حضرت ممدوح کا فیضان نہ صرف ہندوستان ہی کی چار دیواری تک محدود رہا۔ بلکہ عرب و عجم میں پھیلا۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند سے تحصیل علم سے فراغت پاکر حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں درس قرآن و حدیث اور تدریس علوم و فنون کا آغاز فرمایا اور دس بارہ برس اس سرچشمہ علوم نبوت میں بیٹھ کر علوم نبوت کی خدمت کی جس سے عرب و عجم کے لوگ سیراب ہوئے اور آپ کے تلامذہ ایشیار کوچک سے لے کر یورپین ٹرکی تک پہنچے اور آخرکار عمر کے آخری حصہ میں تینتیس برس کامل دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس پر فائز رہ کر مشرق و مغرب کے لوگوں کو علوم کے آب حیات سے سیراب فرمایا۔

ان دینی سلسلوں کے ساتھ حضرت محترم ایک عظیم سیاسی رہنما اور زبردست انقلابی مجاہد بھی تھے جنھوں نے عدم تشدد کے اصول پر ہندوستان میں انقلاب لانے کی سرگرمیوں میں قائدانہ حصّہ لیا۔ آپ اس سلسلے میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہٗ العزیز بانی دارالعلوم دیوبند کے تاریخی سیاسی فلسفہ اور حکمت کے امین اور اپنے استاد حضرت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے حکیمانہ جوش عمل کے علم بردار تھے جس سے آپ کو پوری قوم نے جانشین شیخ الہند تسلیم کیا اور آخرکار شیخ الہند ہی کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ آپ کا نظریہ تھا کہ علم کا نتیجہ رہبانیت نہیں ہے بلکہ علم کو سیاست کے میدان میں رہنما ہونا چاہیئے۔ اسی سے اسلام کا مذہب کی حیثیت سے اور مسلمانوں کا ملّت کی حیثیت سے وقار قائم رہ سکتا ہے۔ نیز یہ کہ ہندوستانی مسلمان اپنی ملّی حیثیت کے تحفظ کے ساتھ ہندوستانی قومیّت کا ایک اہم عنصر ہیں۔ اس مرکب نظریہ کے ساتھ ملک کی آزادی انہیں ہر عزیز چیز سے بڑھ کر عزیز تھی جس کے لیے انھوں نے اپنی ہر محبوب چیز کی قربانیاں پیش کیں۔ یہ آزادی نہ صرف ملک کی آزادی کی حد تک انہیں عزیز تھی بلکہ اس لیے بھی کہ ہندوستان کی آزادی کو وہ ایشیا کی اور ایشیا کی آزادی کو مشرق کی کتنی ہی پسماندہ اور کمزور ملکوں و قوموں کی آزادی کا پیش خیمہ اور دروازہ جانتے تھے۔ جس میں داخل ہوئے بغیر ایشیار کے قصر آزادی میں داخلہ ناممکن تھا۔ چنانچہ ہندوستان کے آزاد ہوجانے کے بعد ایشیا بلکہ مشرق کے کتنے ہی چھوٹے بڑے ملک یکے بعد دیگرے آزادی کی دولت سے مالا مال ہوتے گئے اور ہورہے ہیں۔ پھر اس مشرقی آزادی کی وہ رُوح جو ان کی روح میں پیوستہ تھی صرف سطحی آزادی نہ تھی بلکہ یہ تھی کہ دنیا میں پھیلی ہوئی اخلاقی انارکی لامذہبیّت، دہریت، الحاد، بے دینی اور بے قیدی جس نے مشرق کے روحانی چمنستان کو اُجاڑ اور اخلاقی تعمیروں کو ویرانہ بنا رکھا ہے اس وقت تک نہیں مٹ سکتی جب تک کہ دنیا سے مغربی ممالک کے تسلّط و اقتدار کی گرفت ڈھیلی اور ختم نہ ہوجائے وہ جانتے تھے کہ اس فاسد مادہ کے استیصال کے بغیر دنیا کی حقیقی تندرستی اور اس کا اصلی سکھ اور چین کبھی واپس نہیں آسکتا۔ انہیں یہ احساس ضرور تھا کہ اس عمومی تنقیہ اور سہل میں اجزار فاسدہ کے ساتھ کچھ اجزار اصلیہ پر بھی زد پڑے گی لیکن یہ تنقیہ کا ایک طبعی تقاضا ہوگا اگر تنقیہ ضروری ہے تو اس جزوی محرومی پر صبر بھی ضروری ہے بہرحال ان کی آزادی کی جدوجہد سیاسی تھی اور اس کی روح اخلاقی۔ اسی لیے جہاں آزادی کی جنگ ان کے دست و بازو کا اثر تھی وہیں اخلاق کی تعمیر سے قلوب کی تربیّت اور فطرت الٰہیہ کی عطا فرمودہ حدود و قیود کے دائروں میں انہیں محدود و مقیّد رکھنے کی جدوجہد بھی ان کے عمل کا ایک جزو لاینفک تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مشرق و مغرب کے مزاج الگ الگ ہیں لیکن مغربی اقتدار کے غلبہ نے مشرق کے مزاج کو فاسد کردیا ہے۔ اگر یہ بیماری رفع ہوگئی تو بعد چندے مشرق کے اصل مزاج کی صحت عود کر آئے گی یہی وہ نظریہ تھا جس پر شیخ الاسلام نے اپنے بزرگوں کے ظاہری و باطنی رہنمائی میں کام کیا اور علم و تحقیق کا ایک نیا باب کھول کر اس کا عملی نقشہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔
اسی طاقت ور نصب العین کے تحت انھوں نے ہر طرف سے نظر بند کرکے مغربی طاقتوں پر ایک زبردست وار کیا اور تیشہ چلا دیا۔ اس زور آزمائی اور کشاکشی کا نتیجہ بہرحال اخلاقی قوتوں کی بیداری اور ایشیا و مشرق کے مزاج میں تبدیلی کی صورتوں میں رونما ہوا۔ کمزور ملک آزاد ہونے لگے اور حریت طلبی کا حوصلہ ان میں خاطر خواہ اُبھر آیا۔

آج مغرب کی طاقتیں اگر کلیتاً نہیں ٹوٹیں تو اُن کے توڑنے والے اور اس نظریہ کو لے کر آگے چلنے والے ضرور پیدا ہو گئے ہیں جو کام کو آگے لے جائیں گے بہرحال حضرت شیخ کی مساعی کا مرکز ملک کی آزادی، ایشیار کی آزادی، مشرق کی آزادی اور آخرکار اخلاق و انسانیت کی آزادی تھی۔ یہ نظریہ ان کا عقیدہ تھا۔ جو انہیں وراثت میں ان کے شیوخ سے ہاتھ آیا تھا اور وہ اس پر یقین رکھتے تھے کہ مغرب کی ان مادی طاقتوں کی برقراری کی صورت میں اخلاقی قوتیں اور انسانیت کی جوہری قدریں کبھی نہیں اُبھر سکتیں۔

اس لیے وہ ایک طرف اگر کانگریس کے سرگرم ممبر تھے تو دوسری طرف جمعیۃ علمائے ہند کے صدر بھی تھے اور اگر کانگریس کے خالص سیاسی پلیٹ فارم پر ایک سرگرم سپاہی کی حیثیت سے کام کرتے تھے تو جمعیۃ علمائے ہند کے پلیٹ فارم پر ایک سرگرم دینی قائد کی حیثیت سے رہنما تھے اور جہاں یہ دو پلیٹ فارم اُن کی سرگرمیوں کا مرکز بنے ہوئے تھے وہیں وہ دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس پر بیٹھ کر شرعی علوم اور کتاب و سنت کی ترویج میں بھی اسی درجہ منہمک اور اسی کے ساتھ اپنی خانقاہ کے صدر نشین بھی تھے۔ جس میں متوسلین کی علمی اور اخلاقی اصلاح و تربیّت و ذکر اللہ اور اصلاح نفس کی ان تھک سعی اور متوسلین کو صحیح معنیٰ میں مسلم قامت بنانا ان کا نصب العین تھا۔ کورہی سیاست کے لیے کانگرس کا پلیٹ فارم کافی تھا اور خالص دیانت کے لیے مدرسہ و خانقاہ کی چار دیواری بس کافی تھی۔ لیکن ان سب کو بیک وقت

جوڑے رکھنے کا مطلب اس کے سوا دوسرا نہ تھا کہ ان کا نصب العین مرکب تھا جس کی سطح سیاسی اور ماہیّت اخلاقی تھی۔ اس مجموعہ کو سامنے رکھ کر جس نے بھی ان کی بابت رائے قائم کی وہی رائے صحیح اور واقعاتی رائے ثابت ہوئی۔

بہر حال حضرت شیخ اس دورِ الحاد و بے دینی میں روشنی کا ایک مینار تھے اور اگر بقول امیر امان اللہ خاں سابق بادشاہ افغانستان "شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ایک نور تھے" تو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس نور کی ضیا اور چمک تھے۔ یہ نور اُن سے منتشر ہو کر اُن کے ماحول اور ملک میں پھیلا اور اس نے ماحول کو روشن کر دکھایا ان کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں رحیم مادّہ کی قوتیں کار فرما ہوتی تھیں۔ منکرات پر جلال کے ساتھ نکیر فرماتے تھے جس سے بغض فی اللہ کے جذبات صاف مترشح اور محسوس ہوتے تھے پھر بھی عجیب تربات یہ ہے کہ جوشش و جلال کے باوجود نہ ان کی محبوبیّت میں فرق آتا تھا نہ مطلوبیت میں، کہنے والے بلکہ ملامت کرنے والے اپنا کام کرتے تھے جو سطح کے پیشِ نظر ہوتا تھا اور وہ اپنا کام کرتے تھے جو حقیقت کے پیشِ نظر پوری قوت سے جاری رہتا تھا۔

۵ دسمبر کے نصف النہار کے بعد تقریباً ڈیڑھ بجے یہ جامع دولت ہم سے چھن گئی۔ اور رُوحِ پُر فتوح اس جسدِ خاکی کو چھوڑ کر رہ گرائے عالم جاوداں ہو گئی۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

زندگی بھی خوب گزری اور موت بھی پاکیزہ پائی طاب حیًّا و میتًا۔ بعد مرون چہرہ پر نورانیت اور چمک غیر معمولی تھی، روشنی میں چہرہ کی چمک دمک اور اس کا جمال آنکھوں کو سیر نہیں ہونے دیتا تھا۔ لبوں پر ایک عجیب مسکراہٹ تھی جس کی کیفیت الفاظ میں نہیں آسکتی جو یقیناً مقبولیّت عند اللہ اور اسی کے ساتھ موت کے وقت بشاشت و طمانیت کی کھلی علامت تھی جو مقبولیت زندگی میں تھی وہی موت کے بعد بھی رہی اور باقی ہے مزار ہر وقت زیارت گاہ بنا رہتا ہے حتیٰ کہ رات کو ایک ایک بجے بھی جانے والے گئے تو مزار پر لوگوں کو پایا۔ اسی محبوبیّت کا نتیجہ ہے کہ وصال کی خبر آناً فاناً ہوا پر دوڑ گئی۔ دُنیا کے بڑے بڑے ممالک نے ریڈیو پر وصال کی خبر نشر کی اور ہند و بیرونِ ہند سے تعزیتی فون، تار اور خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ وصال کے بعد ایک بجے شب تک خدا ہی جانتا ہے کہ انسانوں کا ہجوم کہاں سے ٹوٹ پڑا کہ دار العلوم کا وسیع احاطہ ہجوم سے اُبل پڑا۔ ہجوم اور جنازہ پر کنٹرول دشوار ہو گیا لوگ جس شخصیّت کے اردگرد پروانہ وار جمع رہتے تھے اب اس کے پیکرِ خاکی پر پروانہ وار ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وابستگانِ حق اور محبوب القلوب ہستیاں زندگی اور موت دونوں ہی میں محبوب القلوب رہتی ہیں۔ اور دوسرے لفظوں میں یہ اللہ والے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ صدیاں گزر جانے پر بھی دلوں میں ان کی رُوح دوڑتی رہتی ہے اور ان کی محبوبیّت بدستور قائم رہتی ہے جس کی بنا پر ان کا پیکرِ خاکی یا جُثّہ نہیں ہوتا جو مٹ جاتا ہے بلکہ ان کی معنویت ہوتی ہے جس کے لیے کبھی فنا نہیں اس لیے موت اس پر اثر انداز نہیں ہوتی اور وہ مر کر بھی زندہ ہی رہتے ہیں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

آج حضرت مدنی ہم میں موجود نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ہم میں غیر موجود بھی نہیں جب کہ اُن کا مشن موجود، اُن کا نمونۂ عمل موجود، اُن کا علم موجود، ان کے مجاہدانہ کارنامے موجود اور دلوں میں ان کی محبوبیت موجود ہے۔ اس لیے پسماندوں کے لیے جہاں حسّی جُدائی ایک مصیبتِ عظیمہ ہے وہیں ان کی معنوی معیت وجہِ سکون و قرار بھی ہے اس لیے پسماندوں کے لیے باوجود صد ہزار غم کسی مایوسی کا موقع نہیں ہے ان کی معنویت موجود ہے اس سے استفادہ اور اس کا افادہ رفیق راہ بن سکتا ہے۔ دل کی تسلّی کے لیے سب سے بڑی چیز قرآن حکیم ہے جو زبانوں پر جاری ہو کر دلوں کے لیے وجہ قرار و تسلّی ہوگا اور ایصالِ ثواب کے ذریعہ حضرت مرحوم کے لیے وجہِ سرور و انبساط ہوگا اس لیے صدمہ رسیدہ قلوب اپنے اور ان کے حق میں سکون و راحت کا ذریعہ بنیں، نشتت و پراگندگی کو دل سے نکال دیں اور ان کے بتلائے ہوئے راستہ کو اختیار کر کے ان کی طرف دوڑنا شروع کر دیں۔ اس دُنیا سے گزر جانے والا کتنی ہی بڑی شخصیّت ہو پھر بھی اُسے اپنے عزیزوں اور تعلق والوں سے آس بندھی رہتی ہے، کہ کون اُسے دُعا و ایصالِ ثواب میں یاد رکھتا ہے اور کون اس کے نقشِ قدم پر چل کر اس کے حق میں صدقہ جاریہ بنتا ہے اس لیے غم غلط کرنے اور حضرت اقدس کی آس کو پورا کرنے کا طریقہ غم محض یا غم کو لے کر بیٹھ جانا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غم کو غلط کر کے ان مقام کے لیے کمر بستہ رہنا اور کام میں لگ جانا ہی ہوگا۔ جن میں وہ عمر بھر خود لگے رہے حق تعالے شانہٗ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مراتب و درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں انہیں مقام بلند عطا فرمائے اور وابستگان کو صبرِ جمیل، اجرِ جزیل اور زرقہ تعمیل عطا فرمائے۔

یہ چند منتشر سطریں حضرت مدنی قدس سرہٗ کی مناقب سرائی کے لیے نہیں لکھی گئیں کہ ان سطروں میں ان کے مناقب آ بھی کب سکتے تھے بلکہ محض غم زدہ دل کو ہلکا کرنے اور ساتھ ہی ایک مقدس ہستی کے مقدس ذکر اور یاد سے "اذکرو محاسن موتاکم" کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے عرض کی گئی ہیں۔ امید ہے کہ ہندوستان کے دینی مدارس اور دینی اداروں میں ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا جائے گا اور حضرت مرحوم کی اس آخری خدمت میں کسی قسم کا دریغ روا نہ رکھا جائے گا نیز ان کے نقشِ پا کو محو نہ ہونے دیا جائے گا بلکہ ہمہ جہتی قوتوں سے اُسے برقرار رکھنے کی سعی کی جائے گی۔

ان سطور تعزیت یا منثور مرثیہ کو میں ان دو اشعار پر ختم کرتا ہوں جن پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ اکبر حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے منظوم مرثیہ کو ختم کیا تھا ان دو شعروں کے درمیان میں دو شعر میں نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیئے ہیں ؎

ہے اسیرانِ غمِ قاسم خیر و برکات
ولے فقیرانِ سرِ کوئے رشید جانم

اے فدایانِ جمالِ رُخِ شیخ مدنی
ولے محبّان حسین احمد ذیشان وحشم

اے عزیزانِ حرم خانۂ شیخ الاسلام
ولے قربان سرا پردۂ آن شیخ حرم

پیروی کرتے رہو سعی کو ہاتھوں سے نہ دو
بدمے یا درمے یا قدمے یا بقلم

حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جتنے بھی مصائب اہل عالم پر آتے ہیں حق تعالیٰ شانہٗ کی بے نہایت نعمتیں اور ترقیات ابدیہ اور وقتیہ اس میں مضمر ہوتی ہیں۔ مجموعہ سے تعلق رکھنے والی مصیبتیں مجمع کے لیے ترقیات اپنے میں رکھتی ہیں۔ افراد سے متعلقہ مصائب افراد کی ترقیات کو اپنے میں لیے ہوئے ہیں۔ مصائب میں سب سے اہم مصائب وہ ہیں جو انسانی وجود سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں زیادہ اہمیت ان مصائب کو ہے جو اس حقیر و فانی عالم سے اگلے عظیم و ابدی عالم میں اشخاص کے منتقل ہونے کے بعد رہنے والوں پر آتے ہیں۔ ان مصائب کی نوعیت طبعی بھی ہوتی ہے اور عقلی بھی۔ طبعی مصائب میں بھی اللہ رب العزّت نے شرعی شکلیں عطا فرما کر ترقیات دارین کا ذریعہ بنا دیا اور اس قسم کی مصائب سے امّت کے افراد رات دن گذرتے ہیں البتہ وہ مصائب جو عقل سے تعلق رکھتے ہیں ان کی نوعیت کے سمجھنے کے لیے اللہ رب العزّت کے یہاں انسانِ کامل بننے کے ضابطے بھی معلوم کرنے ہوں گے اور ایسے حادثے کے وقت ان صورتوں کو بھی غور کرنا ہوگا جو اللہ رب العزّت نے فائدہ پہنچانے والی صُورتیں تجویز کی ہیں۔

انسان کی ترقیات کے لیے اور کامل بننے کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ نے انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰات والتسلیم کے ذریعہ ایک مجاہدہ اور محنت عطا فرمائی ہے جس کو "لآ الٰہ الا اللہ" کے ساتھ معنون کیا ہے یعنی انسان میں جو باطنی باطل اور مغایرت کے جذبے بھرے ہوئے ہیں اور غیر اللہ کی طرف میلان جو اس کے رگ و ریشہ میں پیوست ہے اس سے اپنے کو نکال کر ان نسبتہائے خداوندیہ کے حصول کے لیے ریاضت و مجاہدہ کی گھاٹیوں کو عبور کرنا جو باعتبار خلافت خداوندیہ کے اس کی ذات میں مضمر ہیں اب اگر حق تعالیٰ شانہٗ کی توفیق سے اندرونی باطل سے نکلنے کے لیے ریاضت و مجاہدہ نصیب ہو جائے اور بھوک اور پیاس کی برداشت اور ترکِ مرغوبات و مالوفات کی گھاٹیوں کی دولت نصیب ہو تو بقدر ریاضت و مجاہدہ مظہر صفات الٰہیہ بن کر رحمتہائے الٰہیہ و نصرتہائے غیبیہ کے دروازوں کے کھلنے اور بلایا اور مصائب کے دروازوں کے بند ہونے کا سبب اور ذریعہ بقدر اپنے منصب و درجہ کے بنتا ہے۔

اس عالم میں مسلط ہونے والے باطل سے دو جو اپنے اندرونی باطل کے علاوہ اجتماعی باطل کی نوعیت رکھتا ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی کے ذریعہ مخلوق خدا کو نکال کر نسبتہائے خداوندیہ سے وابستگی کے لیے بیرونی محنت کے میدان قائم کیے گئے ہیں۔ اس میدان کے مجاہدات اور ریاضتیں انتہائی عظیم ہیں اس راہ کی قربانیوں کی حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں انتہائی قیمت ہے۔ اب کسی انسان کو اللہ رب العزّت اپنے فضل و کرم سے اجتماعی میدان میں باطل کی تخریب کے لیے کھڑا کر دے اور اس راہ کی تکالیف کے برداشت کی توفیق نصیب فرما دے تو اس راہ کی قربانیوں کے ذریعہ پہلے درجہ کے مقابلہ میں بے انتہا گنی زیادہ ترقیات نصیب فرما کر اپنی صفات عالیہ سے پوری طرح آراستہ فرما کر اجتماعی رحمت و نصرت کے دروازے کھولتے ہیں اور اجتماعی بلایا اور مصائب سے اپنے مخلوق کو محفوظ فرماتے ہیں پھر اللہ رب العزّت اپنے کسی بندہ پر ایسا رحم و کرم فرمائیں کہ داخلی اور خارجی انفرادی و اجتماعی ہر طرح کے باطل کی نفرت اسکے استیصال کے لئے ہر طرح کی دوڑ دھوپ اور جد و جہد اور ہر طرح کی مرغوبات و مالوفات کی قربانیوں کو آسان فرما دیں اور اپنی توفیق شامل حال فرما کر اس راہ کی استقامت اور ترقیات نصیب فرما دیں تو ایسے برگزیدہ انسانوں کے درجات ترقیات کا اندازہ لگانا عقل انسانی علم انسانی فہم انسانی سے بالاتر ہے اور ہر زبان و قلم اس کے بیان سے عاجز ہے ان کا وجود ایمان اور اس کے تمام شعبوں کی تقویت کا باعث ہے اور کفر و شرک اور ہر طرح کے باطل و ضلال کے اضمحلال و استیصال اور ہر طرح کے فتنہ ہائے مضلّہ کی روک تھام کا سبب ایسی ہستیوں کا اس عالم میں وجود ہے ایسے ہی انسانوں میں حق تعالیٰ شانہٗ اپنی ایسی محبوبانہ صفات کا فیضان فرماتے ہیں جس پر ان کی رحمتیں اور نعمتیں اہل عالم پر برستی ہیں ایسے ہی انسانوں کے ذریعہ اسلاف کے نقوش خصوصاً

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک طریقے انسانوں کے سامنے آتے ہیں ایسے ہی انسانوں میں دربار الٰہی دربار رسالت سے انوارات وروحانیّت کا فیضان ہوکر عام مخلوق کی فیضیابی کا ذریعہ بنتا ہے ایسے ہی انسانوں کا وجود انبیاء کرام اور سلف صالحین کی یاد کو تازہ کرتا ہے ایسے انسانوں میں سے کسی انسان کا اس عالم سے انتقال پچھلے تمام مصائب کی یاد دہانی ہے اور تمام اُن خاکوں کی طرف تنبیہہ ہے جو ایسے مواقع پر ایسے جانے والوں کے بعد اس عالم میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نسبت عالیہ ایسے مبارک انسانوں کی ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ وقتاً فوقتاً اس عالم میں اپنی برکات وانوارات کے ساتھ ظہور پذیر ہوکر بندگان خداوندقدوس جل وعلا مجدہٗ کے اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کا ذریعہ بن کر عمومی رحمت وانعامات کے دروازے کھلوانے کے ذریعہ اس عالی نسبت کی عظمت ووقعت وقیمت کی طرف متوجہ کرتی ہے تاکہ اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق رکھنے والے سعادت مند انسان اس عامی نسبت کے حصول کی طرف متوجہ ہوکر بے نہایت دارین کی ترقیات حاصل کریں اور ایسے انسانوں کے اس عالم فانی سے انتقال کے ذریعہ اس عالی اور عظیم ترین نسبت مبارکہ کے ضیاع کے ہولناک و دردناک منظر کی طرف متوجہ کرتی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف بری کے موقعہ پر فتن وفساد کی صورت میں اہلِ عالم کے سامنے آئے تاکہ اس نسبت عالیہ وعظیمہ ومبارکہ کی اہمیت پہچاننے والے مبارک انسان اس نسبت کی طرف متوجہ ہوکر ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ اس نسبت عالیہ کے ذریعہ ترقیات پر اپنے کو ڈال دیں تاکہ اس نسبت روحانیہ ونورانیہ پر کھلے ہوئے دروازے بند ہوکر بلایا اور مصائب کی صورت میں ظاہر نہ ہو۔ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ نسبت عظیمہ وعالیہ روحانیہ ونورانیہ اپنے دونوں منظروں کے ساتھ اس عالم میں ظاہر ہوتی رہی محنت کرنے والے مبارک انسانوں کے ذریعہ اس نسبتِ عالیہ کا ظہور بھی ہوتا رہا اور ایسے انسانوں کے اس عالم سے انتقال کے ذریعہ مصائب بھی اُمّتِ محمدیہ مرحومہ کے سامنے آتے رہے اس مبارک وعالی سلسلہ کے عظیم ترین انسانوں میں سے حضرت شیخ العرب والعجم المجاہد الاعظم محب الہجرۃ والجہاد مطیع السنۃ حامل لواء العلم امام العلماء محدث زمانہ فقیہہ اہل عصرہ الزاہد فی الدنیا الراغب فی الآخرۃ کثیر الاجتہاد کثیر السخاء قلیل التکلف مولانا السیّد حسین احمد المدنی رحمہ اللہ تعالٰی رحمۃً واسعۃً واعطاہٗ من اعلٰے درجات الجنۃ ویلقاہ یضحک الیہ وہو یضحک الیہ اللّٰھم آمین کی ذات گرامی تھی جن کے انتقال کے صدمہ میں اس وقت امت کے حساس وشعور والے دردمند انسان مبتلا ہیں اور جو حقیقت میں ایک عالم کے عالم کی مصیبت کے مترادف ہے ان کی ذات گرامی کے بارے میں جو کچھ بھی ذکر کیا جائے گا وہ وہی ہوگا جو آنکھوں نے دیکھا یا کانوں نے سنا اصل دولت انسان کے اندرون میں ہوتی ہے جہاں تک انسانوں کی رسائی مشکل ہوتی ہے اور کور چشم اس سے بالکل ہی محروم رہتے ہیں۔ کیفیات وجذبات وانوارات اس عالم میں انسان کے اندرون میں مضمر ہوتے ہیں اگلے عالم میں ظاہر کیے جاتے ہیں اب خداوند قدوس جل وعلا مجدہٗ ہی جانیں کہ انھوں نے اس مبارک ہستی میں کیا کچھ اپنے لیے بے پایاں جذبات وکیفیات بھر دی تھیں جن کے تقاضوں پر انھوں نے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو انتہائی تکالیف اپنی جان پر برداشت کرتے ہوئے اپنی باطنی انتہائی ترقیات کے ساتھ ساتھ ہر طرح کے باطل کے اس عالم سے مٹ جانے اور حق کے ہر پہلو کی حیات اور سرسبزی اور قوت پذیر ہوجانے پر محنت تامہ وکاملہ کرتے ہوئے اپنے آخری اوقات کو تصور میں نہ آنے والی ندامت وگریہ وزاری والی دعاؤں میں منہمک ہوتے ہوئے اپنی جان جان کے محبوب ومربّی ومالک کے سپرد کردی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اجرنا فی مصیبتنا واخلف لنا خیرا منہا۔

بہرحال جو شخص جتنے مقام ومنصب کا ہوتا ہے اس کی جدائی اسی کے درجہ کے مطابق مصیبت بنتی ہے۔ حق تعالٰی شانہٗ جل وعلا مجدہٗ کی طرف سے اس مصیبت کا استقبال اس کی شان کے مناسب ذمہ داریوں کی صورت میں امّت کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔ سو اگر اُمّت میں عموماً اور خواص میں خصوصاً ان ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہوجائے جو اس مصیبت کے موقع پر جانے والے کی نیابت میں رہنے والوں پر عائد ہورہی ہیں اور اپنی مرغوبات ومالوفات کی قربانیاں پیش کرکے ظواہر ورواج پر سے نگاہیں ہٹاکر باطنی کیفیات کی مشق کے ساتھ حق کی حمایت اور رواج دینے میں اور باطل کی تخریب اور مٹانے میں جانے والے کے مجاہدات اور ریاضات کی تھوڑی سی جھلک کے ساتھ اس کی محبوبانہ اداؤں کی مشق کرتے ہوئے اللہ رب العزّت کی نصرت وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اپنے آپ کو لگادیں تو پھر حق تعالٰی شانہٗ اپنے کرم وفضل سے ان کمالات اور خوبیوں کی تقسیم اپنے کام میں لگ جانے والوں میں فرمادیتے ہیں اور ان کمالات کو اس عالم سے واپس نہیں لیتے اور ان رحمت وانعامات وبرکات ونصرت کے دروازوں کو اہل عالم کے لیے کھلا رکھتے ہیں جو اس مردِ مومن کی ریاضات ومجاہدات پر کھولے تھے۔

حق تعالٰی شانہٗ اپنے لطف وکرم وفضل سے جب کسی انسان کو اپنی راہ کے مجاہدات وریاضات پر ڈال کر اپنے کمالات کا مظہر بناکر مخلوق کی ترقیات وفیض یابی کے لیے اس کے ذریعہ راہیں کشادہ فرماتے ہیں تو اس کے اس عالم سے انتقال پر فیوض کے سلسلوں کو بند نہیں فرماتے ہیں اللہ ان فیوض کو اپنے اوامر کے امتثال اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ حاصل شدہ شکلوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے باقی رکھتے ہیں اب جو عمل حسن شکل اور جن کیفیّات کے ساتھ مقبول خداوند قدوس ہوگا اسی کا ثواب اس عمل کے نور کی حقیقت اصلیہ کی صورت میں اس عالم سے جانے والے کے پاس پہنچ کر اس کی مُسرّتوں کا ذریعہ بنتے ہوئے اس کے فیوض سے استفاضہ کا ذریعہ بنے گا۔ مبداء فیض تو خدا کی ذات ہے اور رابطہ ہائے فیوض محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقہ اور صفات ہیں لیکن کاغذ کے نقوش سے حقیقت تک پہنچ کر اس کو اپنے میں حاصل ہونے کے لیے محنت کرلینا اور اس حقیقت کا حامل بن جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اس لیے حق تعالٰی شانہٗ اپنے فیوض کے فیضان کے لیے کچھ ہستیاں اس عالم میں وقتاً فوقتاً ایسی عام انسانوں کے سلوک ومحنت کے لیے کھڑی کردیتے ہیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفات کی حامل ہوتی ہیں اور ذات باری تعالٰی سے اکتساب فیوض اور ان کی رحمت وانعامات کے حصول کے لیے ان صفات کا اختیار کرنا سبب وذریعہ بن جاتا ہے چونکہ ایسے برگزیدہ انسان اپنی تفصیلی زندگی ان صفات عالیہ کے ساتھ اپنے سے اختلاط رکھنے والوں میں

گزارتے ہیں اور قدم قدم پر معاملات و معاشرت اور دینی کاموں ہیں انکی زندگی کے نقوش ان سے اختلاط رکھنے والوں کے سامنے آتے رہتے ہیں لہذا طالبین راہ خداوند قدوس جل وعلا مجدہٗ کیلئے ان سے صحبت واختلاط رکھنے والوں کے ذریعہ دجل و فریب کے زمانوں میں سیدھی راہ ملتی رہتی ہے اور ایسے مبارک انسان فضاہائے باطلہ سے نکل کر ترقیات کے رخ پر پڑ جاتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے صحابہ کرام کی سیرت کے مطالعہ ان میں بصیرت اور مزید ترقیات کا باعث بنتی رہتی ہیں۔

حضرت مرحُوم کے اوصاف

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی بہت سی صفات مرضیہ سے بڑے بڑے حصے نصیب فرمائے تھے اور اپنے دین کے شعبوں میں سے بہت سے شعبوں کو ان کے ذریعہ چلایا تھا جو حقیقت میں ان کی ذات سے نہیں چلے تھے بلکہ ان کی ذات جن صفت ہائے محمدیہ کی حامل تھی اس کے ذریعہ جو زبردست نصرت خداوندی ان کے ساتھ تھی اس کے ذریعہ وہ سارے شعبے چل رہے تھے انھوں نے ساری عمر کفر و شرک و باطل کے مقابلہ میں گزاری انہیں باطل کے ساتھ قلبی غیظ تھا۔ انہوں نے بہیمیّت کے خلاف آواز بلند کی تھی۔

انھیں سارے ایسے انسانوں سے نفرت تھی جنھوں نے بہیمیّت کے مناظر قائم کیے تھے انھوں نے بڑی جابر طاقت سے مقابلہ کیا تھا انہیں باطل و جابر طاقتوں کے مناظر مرعوب نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک کے سامنے حق ظاہر کرنے میں بے باک تھے انہوں نے علوم نبویہ اور اسلاف کی زندگی کے طریقوں کی ترویج پر محنت کی تھی انہیں اس سے والہانہ تعلق تھا اور اس کے خلاف فضاہائے باطلہ سے اُٹھنے والے نقشوں سے سخت غیظ و غضب تھا غرض بہت سی قسم کی ایسی خوبیوں کے حامل تھے جن کی بنا پر کفر و فسق سے اُٹھنے والے بہت سے فتنے ان کے وجود بابرکت سے مضمحل تھے اور خیر کے بہت سے شعبے ان صفات پر قوت پذیر اور ترقی کے رُخ پر تھے اگرچہ ظاہر بین انسان اسباب و وسائل سے ان کا جوڑ سمجھتے تھے اور آج بھی وہ اسباب و وسائل ہی سے ان شعبوں کی ترویج کے لیے ساعی ہوں گے لیکن ان صفات عالیہ کا فقدان غیبی نصرت ہائے خداوندیہ سے محرومی کے خطرات سامنے لا رہا ہے۔ بہت سے خیر کے شعبے مضمحل اور بہت سے فتنہ ہائے مضلہ کے ابھرنے کے خطرات سامنے ہیں لہٰذا یہ مصیبت اس دنیا میں پیش آنے والی مصائب میں سے شدید ترین مصیبت ہے اور ان صفاتِ عالیہ کے اکتساب کے لیے محنت و مجاہدہ ہی ان خطرات کا علاج ہے ذوات انسانیہ فنا ہی کے لیے ہیں حق تعالیٰ شانہٗ نے موت کا فیصلہ پہلے فرمایا اور ذواتِ انسان کی خلقت بعد میں فرمائی لیکن صفات فنا کے لیے نہیں بلکہ اس عالم کے رہنے والوں میں منتقل ہونے کے لیے ہیں اور ان کے اکتساب کے لیے وہی محنتیں اور ریاضتیں مطلوب ہوں گی جس پر جانے والے کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی صفاتِ مرضیہ سے نوازا۔ جب ان صفات کے اکتساب پر محنتوں کا سلسلہ قائم رہے گا صفات رہنے والوں میں منتقل ہوتی رہیں گی اور یہ زمین و آسمان اسی طرح قائم رہے گا اور خیر کے سارے شعبے اسی طرح چلتے رہیں گے اور جب اکتساب فیوض سے رُخ دوسری طرف پڑ جائے گا۔ صفات حسنہ کے سلسلے کم ہوتے چلے جائیں گے بلایا کی بھیڑ اہل عالم پر بڑھتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ ان صفات کے فنا رکلی پر فنار عالم کے ہولناک مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے اگر حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے اپنی صفات مرضیہ پر قائم ہونے کا رُخ پیدا فرما دیں تو بڑی سے بڑی ہستی بھی اس عالم سے جائے تو اس کے جانے پر واقع ہونے والے فتنوں کا رہنے والوں کے ذریعہ انسداد فرما دیتے ہیں اور اپنی راہ کی ترقیات کے میدانوں کو ترقی پذیر فرما دیتے ہیں۔ اور جانے والی ذات اگرچہ فنا ہو جاتی ہے لیکن متوسلین و متعلقین میں صفات کی راہ سے وہ زندہ شمار کیا جاتا ہے اور اس سے متعلقہ نعمتیں چلتی رہتی ہیں۔ تمام اولیاء، کاملین امت محمدیہ مرحومہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات گرامی کے مقابلہ میں ایک جزو کی سی بھی حیثیت نہیں رکھتے، ان کی عظیم و اعلیٰ ترین ذات گرامی نے بھی جب اس عالم کو چھوڑا اور ارتداد عام کے ہولناک مناظر اس اُمّت کے پاکیزہ نفوس کے سامنے آئے تو ان میں سے نفوس قدسیہ نے صفات نصرت ہائے خداوندیہ کو اصل قرار دے کر دین کی سرسبزی اور فروغ کے لیے محنت کے میدان قائم کیے اور ان صفات محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتصاف کے ذریعہ خداوند قدوس کی مناظر نصرت کے قیام کے ساتھ دارین کی ترقیات حاصل کرکے اہلِ عالم کے لیے ذوات طیبہ کے انتقال کے موقعوں پر اللہ رب العزّت کی وہ مدد حاصل کرنے کے ضوابط و اصول اہل عالم کے سامنے کر دیئے تاکہ جب بھی اس قسم کی مصیبتیں آئیں اصل مصیبت کو سامنے لاکر اصل علاج میں اپنے کو مشغول کر دیں۔ اللہ رب العزّت کی نصرت کے ذریعہ ان کی رحمت و انعامات کو حاصل کریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پاک ارشاد ہے:

یا ایہا الناس ایما احد من المومنین اصیب بمصیبۃٍ
فلیعتز بمصیبتہ بی عن المصیبتہ التی تصیبہٗ
بغیری فان احدا من امتی لن یصاب بمصیبۃٍ
بعدی اشد علیہ من مصیبتی۔

ترجمہ: جس مسلمان کو کوئی صدمہ پیش آئے اس کو چاہیئے کہ وہ میرے صدمہ کو سامنے رکھ کر اپنے صدمہ میں سکون و تسلی حاصل کرے کیونکہ میری جدائی کا صدمہ اتنا بڑا اور اتنا شدید ہے کہ کسی کو بھی اس کے لیے کوئی صدمہ اس سے زیادہ سنگین نہیں ہو سکتا۔ (مرتب) رواہ ابن ماجہ عن عائشہؓ کما فی الکنز ص ۱۰۱/۸

ے لِکُلِّ اَخِیْ مشکلٍ غزو محط سُوْءَۃٌ
اِذَا کَانَ مِنْ اھلِ التُّقٰی انی محد

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات عالی میں ہر مصیبت زدہ کے لیے صبر جمیل اور بہت بڑی تسلی ہے بشرطیکہ وہ متقیوں میں سے ہو۔

ے اصبر لکل مصیبت وتجلد
وا اعلم بان المرءَ غیر مخلد

اے مصیبت زدہ تم ہر ایک مصیبت پر صبر کرو اور بہادر رہو! اور اس بات کا پورا یقین رکھو کہ کسی انسان کو بھی دوام و بقا نہیں ہے۔

ے واذا ذکرت مصیبتہ تسلوبہا
فاذکر مصابک بالنبی محمد

اور جب کسی ایسی مصیبت کو تم یاد کرو جس کی تسلی کا تم کو سامان چاہیئے تو

نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف بری کی مصیبت کو یاد کرو۔

ولو کان فی الدنیا بقاء لساکن
لکان رسول اللہ فیہا مخلدا

اور اگر اس دنیا میں کسی کو بھی بقا و ہمیشگی مقدر ہوتی تو جنابِ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ حق دار تھے کہ آپ یہاں ہمیشہ رہتے۔

وما احد ینجو من الموت سالما
وسھم المنایا قد اصاب محمدا

اور کوئی بھی موت سے نہیں بچ سکتا جب کہ سہام سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی محفوظ نہ رہے۔

وھل عدلت یوما رزیتہ ھالک
رزیتہ یوم مات فیہ محمد

اور کیا کسی مرنے والے کی مصیبت اس دن کی مصیبت کے برابر ہو سکتی ہے جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال پاک ہوا۔

فجودی علیہ بالدموع واعولی
لفقد الذی لا مثلہ الدھر یوجد

اے چشم تر آنسوؤں کی لڑی باندھ دے اور خوب ہی رو اس ذات پاک کے دُنیا سے تشریف لے جانے پر کہ ان جیسا کبھی بھی اب دُنیا میں نہیں ہو گا۔

وما فقد الماضون مثل محمد
ولا مثلہ حتی القیامۃ یفقد

مگر آپ کے فیوض کا سلسلہ برابر جاری ہے، نہ بھلے لوگ آپ کے فیوض سے محروم ہوئے نہ آمدہ قیامت تک آپ کے فیوض سے محرومی ہو سکتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصائب کے وقت اصل مصیبت کی طرف رہبری فرمائی جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس امت سے جُدا ہونے کی بنا پر ہر وقت کی مصیبت ہے لیکن اس کے صحیح احساس کے اوقات وہی ہیں جس وقت کسی مصیبت کے رنج و غم میں ہم مبتلا ہوں اس قسم کے سارے مصائب ہی اس لیے ہیں کہ آپ کی جدائی کی مصیبت میں ہم مبتلا ہیں ورنہ کل مصیبتہ بعدک جلل کے اعتبار سے اگر آپ تشریف فرما ہوتے تو ہماری مصیبت مصیبت ہی نہ ہوتی۔ لہٰذا اس مصیبت سے اگر اصل مصیبت کا احساس اللہ رب العزت اپنے لطف و کرم سے نصیب فرما دیں تو پھر اس کا علاج وہی ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ نے کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ کا ساتھ دیا۔

وابستگانِ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ العزیز سے گذارش

لہٰذا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام متعلقین و متوسلین و محبین کی خدمت میں گزارش ہے کہ ایسے نازک دور میں جس کو بغیر مدد ہائے خداوندیہ کے صحیح طریقہ سے عبور کرنا مشکل ہے

اخوّت کا نشاں

عظمتِ ہندوستاں کو وہ گِراں جاتا رہا
وہ حسین احمد امیرِ کارواں جاتا رہا
شیخِ عالم، پاکباز و زاہدِ شب زندہ دار
ملک و ملّت کی اخوّت کا نشاں جاتا رہا

ڈاکٹر محمود قادری اسعد گورکھپوری (رکن ادارہ تحریر الجمعیۃ)

اور اس مبارک ذات کی ان تمام صفات سے ہم محروم ہو گئے ہیں جن کی برکات سے ہم چل رہے تھے ان صفات کے اکتساب کی محنتوں کے ساتھ امورِ خیر کے اشتغال و انہماک کو بڑھائیں اور اس کا نہج جب ہی قابو میں آسکتا ہے جب کہ حیات فانیہ سے متعلق مسائل پر حیاتِ ابدیہ سے تعلق رکھنے والے مسائل کو غالب کیا جائے اور حیات کی فکر سے زیادہ موت اور مابعد الموت کا فکر کیا جائے۔ حیات کی طرف منہ کر کے چلنے کے بجائے موت کی طرف منہ کر کے چلا جائے اور جو کچھ موت کے بعد کام آئے گا اس کے انہماک کو بڑھایا جائے، اور اسی نہج کی طرف امتِ محمدیہ مرحومہ کے کھینچنے کی سعی کی جائے۔

۲۲ گھنٹے پہلے ملاقات

اس ناکارہ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے انتقال سے ۲۲ گھنٹے پہلے محض اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے زیارت کی سعادت حاصل کی اگرچہ بیماری کی رعایت سے اپنا ملنے کا ارادہ نہ تھا مگر از راہِ شفقت و کرم خود ہی یاد فرمایا چوکی پر قبلہ رُخ تشریف فرما تھے اور انتہائی متوجہ الی اللہ تھے ارشاد فرمایا کہاں سے آئے جواب میں عرض کیا بستی نظام الدین اولیاءؒ سے۔ ارشاد فرمایا کہاں جاؤ گے؟ عرض کیا بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ ہی واپسی ہو گی۔ ارشاد فرمایا محض میری وجہ سے سفر ہوا میں تو بہت پسماندہ ہوں، آپ حضرات نے کیوں تکلیف فرمائی وہیں سے دُعا کرتے۔ دعاء المرء بظہر الغیب زیادہ قبول ہوتی ہے وہ میرے لیے زیادہ کارآمد ہے پھر ارشاد فرمایا لوگ مصیبتوں سے گھبراتے ہیں گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بلایا اور مصیبتیں خدا کی نعمتیں ہیں مصیبتیں مومن کو پاک کر دیتی ہیں " من یرد اللہ بہ خیرا یصیب منہ واشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔ کوئی کتنا ہی تقدس کا دعویدار کیوں نہ ہو خطاؤں سے خالی نہیں، آخرت کا عذاب بہت شدید ہے میں تو دُعا کرتا ہوں کہ خدا ہم سب کو دنیا ہی میں بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے پاک و صاف کر دے اور آخرت میں پکڑ نہ کرے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خدام و متوسلین و محبین سے مکرر گذارش ہے کہ حضرت مرحوم کو اسوہ بنائیں اور حضرت مرحوم کے نقشِ قدم پر چلیں اور ہر ممکن طریقہ سے ایصالِ ثواب کی کثرت کریں۔

کبھی بچپن میں یہ قصہ پڑھا تھا کہ "بالشتیوں" کے دیس میں کسی طرح ہماری اس دنیا کا ایک بلند قامت انسان پہنچ گیا تھا جو عرصہ تک ان کے لیے خوف و دہشت اور تعجب و حیرت کا سامان بنا رہا اس کی شخصیت عرصہ تک ان کے لیے ایک معمہ اور اس کی بلندی خود اس کے لیے ایک آزمائش بنی رہی۔

ہم کو معلوم نہیں کہ بالشتیوں (PYGMIES) کی یہ بستی کہاں واقع ہے؟ بظاہر ایک ادیب اور افسانہ نویس کی انشا پردازی اور نازک خیالی سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں لیکن اگر آپ نظر غائر سے دیکھیں گے تو یہ خود ہماری اس انسانی بستی کا ایک واقعہ نظر آئے گا جس پر افسانہ کا دھوکا ہوتا ہے۔

اگر انسان صرف جسم کا نام نہیں اور اس کی بلندی و برتری کا معیار اس کا قد و قامت اور طول و عرض نہیں بلکہ انسان اس پیکر اور قالب کا نام ہے جس کے اندر "انسانی حقیقت و شخصیت" پائی جاتی ہے اور اس کی بلندی و برتری کا معیار وہ امتیازی اوصاف و اخلاق، سیرت و کردار ہے جس کی بنا پر انسان کو حیوانات اور دوسری مخلوقات پر شرف و فضیلت حاصل ہے اور جن کے بغیر انسان محض منطق کا "حیوان ناطق" ہو کر رہ جاتا ہے تو آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہماری اس انسانی دنیا میں زیادہ تر بالشتیے (PYGMIES) ہی بستے ہیں۔ اور بالشتیوں کی اس بستی میں کبھی کبھی کوئی بھولا بھٹکا بلند قامت مسافر آ جاتا ہے جس کی بلند شخصیت بلند مقاصد و عزائم، بلند اخلاق و سیرت، ان کوتاہ قامت، کوتاہ فکر انسانوں کے لیے ایک چیستان اور خود اس کی زندگی ان کے درمیان ایک آزمائش و مجاہدہ بن کر رہ جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی مسافرت کے یہ دن پورے ہوں اور وہ اپنے دیس اور اپنے ہم سروں کے پاس واپس جائے۔

ہر زمانہ کے بلند خیال بلند نظر انسانوں نے اپنے زمانہ میں آدمیت کی پستی اور "آدمی" کی نایابی کا شکوہ کیا ہے اور اس سے انکار کیا ہے کہ جو آدمی کی شکل و صورت رکھتا ہے اور قیمتی لباس میں ملبوس ہے وہ ضرور آدمی ہے۔ ساتویں صدی کے مشہور عارف و حقیقت آشنا و مردم شناس بزرگ مولانا رومؒ نے صاف فرمایا:

این نہ مرد انند اینہا صورت اند
مردہ نانند و کشتہ شہوت اند

ترجمہ: یہ آدمی نہیں آدمی کی صورت ہیں یہ سب روٹی پر مرنے والے اور شہوت کے مارے ہوئے ہیں۔

انہوں نے ایک منظوم حکایت کے پیرایہ میں حقیقی آدمی کے نایاب و عنقا صفت ہونے کو اس طرح بیان کیا ہے:

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زیں ہمرہان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آں کہ یافت می نشود آنم آرزوست

ترجمہ: شعر (۱)۔ کل ایک بوڑھا آدمی ایک چراغ لیے شہر کا گشت کر رہا تھا کہ درندہ جانوروں سے تنگ آ گیا ہوں کسی انسان کی آرزو ہے۔

شعر (۲) ان سست و ضعیف ساتھیوں سے میں دلگیر ہوں کسی شیر خدا کسی رستم زماں کی تمنا ہے۔

شعر (۳) میں نے کہا ہم نے بھی تلاش کیا ہے مگر ملا نہیں اس نے جواب دیا جو ملا نہیں اس کی مجھے آرزو ہے۔

خواجہ حافظ کو بھی اس کی بڑی شکایت ہے بیش قیمت و زرنگار انسانی لباس

ہیں بہت سے ایسے لوگ ملبوس نظر آتے ہیں جو حقیقت انسانی اور جوہر آدمیت سے یکسر عاری ہیں وہ اپنی مشہور غزل

؏ ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم

میں صاف کہتے ہیں :

؏ طوق زرّیں ہمہ در گردن خرمی بینم

متنبی کا مشہور معاصر امیر نوجوان شاعر ابو فراس الحمدانی جس کو حقیقت میں جوہر شاعری و جوہر آدمیت دونوں میں متنبی پر فوقیت و ترجیح حاصل ہے اپنے زمانہ کے اکثر آدمی کا درندہ صفت انسانوں کے متعلق کہتا ہے :

ذِئَابٌ علىٰ اجسادِهِنَّ ثِيابٌ

(بھیڑیئے ہیں ان کے جسموں پر کپڑے ہیں)

پچھلے دور کی ادبیات کا ذخیرہ بھی اس شکوہ و شکایت اور اظہار حقیقت سے لبریز ہے ۔ استاد ذوق نے ایک اصول اور تجربے کے طور پر کہا تھا :

؏ آدمی کو بھی میسّر نہیں انسان ہونا

ہمارے عہد کے حکیم شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اپنی مثنوی میں کہا ہے : ۔

مردمی اندر جہاں افسانہ شد ❊ آدمی از آدمی بیگانہ شد

اور یہ سب کسی قنوطی طرز فکر اور زندگی کے صرف تاریک پہلو کے مطالعہ کا نتیجہ نہیں ہے یہ نتیجہ ہے آدمی کے کسی بلند معیار کو سامنے رکھ کر معاصر انسانوں کے اخلاق و صفات کا حقیقت پسندانہ جائزہ اور زندگی کے تلخ و دل شکن تجربوں کا جب بعض اہل نظر نے اپنے زمانہ کے معاشرہ پر ناقدانہ نظر ڈالی اور اپنے ہمعصروں اور زندگی کے ہم سفروں کے حالات کا گہرا مطالعہ کیا تو ان کو یہ نظر آیا کہ اکثر و بیشتر انسانوں کے اعمال و مساعی، جدوجہد اور تگ و دو کے اسباب و محرکات نہایت حقیر اور پست ہیں اور ان میں سے اکثر پر پست قسم کا معاشی نقطۂ نظر اور نفع و افادہ کے بجائے انتفاع و استفادہ کی ذہنیت غالب ہے اور بہت کم انسان ہیں جو اس سطح سے کچھ بلند ہیں جن لوگوں کے ذہن نے اس تکلیف دہ مشاہدہ و تجربہ سے زیادہ چوٹ کھائی اور وہ اس مطالعہ کی تاب نہیں لا سکے وہ پورے معاشرہ اور معاصر دنیا سے مایوس اور بیزار ہو گئے اور ان کو اس وسیع انسانی بستی اور معاشرہ میں ہر ایک طالب دنیا طالب دولت اور معاشی حیوان نظر آنے لگا ۔

عہد عالمگیری کے ایک صاحب ذوق و صاحب فضل امیر حسین بن باقر اصفہانی الملقب بنواب امتیاز خاں نے اپنی ایک فارسی تضمین میں اپنی معاصر سوسائٹی کے تمام طبقات کا جائزہ لیا ہے اور ہر ہر صنف کے باکمالوں کے کمالات اور کوششوں کا ذکر کر کے فارسی کے کسی قدیم شاعر کے اس مصرعہ کو دہرایا ہے ۔ ؏

آں ہمہ از پئے آنست کہ زرمی خواہد

ان کے نزدیک شاہ و وزیر، مرد حکیم و دانا، تاجر و سوداگر، عالم و فاضل، ماہر علم الکیمیا طبیب و حکیم، خوش نویس و خطاط، ادیب و شاعر یہاں تک کہ زاہد و صوفی سب کی جدوجہد و اظہار کمال کا مقصد صرف حصول دولت ہے : ؏

آں ہمہ از پئے آنست کہ زرمی خواہد

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس عمومی فیصلہ میں سخت مبالغہ اور غلو ہے ممکن ہے یہ ان کا ذاتی تجربہ اور طبعی تاثر ہو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب کوئی چیز وبائے عام کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو اس سے صرف وہی اشخاص محفوظ رہتے ہیں جو نہایت قوی و توانا و تندرست ہوں یا ان کے پاس اس کے اثرات سے محفوظ رہنے اور اسکے جراثیم کو مارنے کی کوئی دوا یا تدبیر ہو، معاشیات کے بحران کے دور میں بھی وہی لوگ اس وبائے عام سے محفوظ رہتے ہیں جن کی سیرت کی تعمیر و تشکیل کا خاص اہتمام کیا گیا ہو جن کا نفوس تزکیہ حاصل کر چکا ہو۔ جن کے سامنے انسانیت و آدمیت خلوص و تجرد اور اخلاص و للہیت کے کچھ رفیع و عظیم الشان نمونے ہوں، جن کی روح کسی یقین سے سرشار اور کسی اور ذائقہ سے لذت یاب ہو چکی ہو جس کے سامنے زندگی کی خوش حالیاں اور کامرانیاں ہیچ اور بے حقیقت بن چکی ہوں ۔

عہد عالمگیر کے امیر شاعر نواب امتیاز خاں خالص نے زندگی کا ایک ہی پہلو سے مطالعہ کیا اور اس نقطۂ نظر سے جب معاصر سوسائٹی کو دیکھا تو سب کو لیلائے دولت ہی کا قیس و مجنوں پایا لیکن ان کے زمانہ میں بھی اور ان کے زمانہ کے بعد خاص طور پر عشق و محبت، طلب و جستجو اور عبادت و بندگی کے لیے نئے نئے محبوب اور نئے نئے معبود تراشے گئے ان میں سے ایک بت شہرت و ناموری ہے۔ ایک بت عزت و وجاہت ہے اور ایک بہت بڑا بُت وزارت و حکومت ہے جو لوگ زیادہ بلند حوصلہ زیادہ بلند نظر ہوتے ہیں اور جن کی غرض پرستی زیادہ دُور اندیش اور ذہین واقع ہوتی ہے وہ طلب دولت کی سطح سے زیادہ بلند ہو جاتے ہیں اور شہرت و ناموری یا عزت و وجاہت کے طالب یا وزارت و حکومت کی راہ کے مسافر ہوتے ہیں یہ دولت کے پرستاروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ معزّز نظر آتے ہیں اور نتیجہ میں ان سے بہت زیادہ کامیاب و کامران ثابت ہوتے ہیں ایک عالم کا عالم اس نشہ میں سرشار اور ان بتوں کی بندگی و عبادت میں گرفتار ہوتا ہے اور جو دولت طلبی کی سطح سے بلند ہو جاتا ہے وہ ان بتوں میں سے کسی نہ کسی بت کی زلف کا اسیر اور اس کے صید کا نخچیر ہو جاتا ہے اور جو کسی سیاسی کش مکش یا جنگ آزادی میں ان کے دام میں گرفتار ہونے سے بچ جاتا ہے اور مخلصانہ جدوجہد اور مردانہ سرفروشی کی مثال قائم کر دیتا ہے وہ جنگ آزادی کے اختتام اور ملک کے آزاد و بااختیار ہو جانے کے بعد انتفاع و استفادہ سے اپنے دامن خلوص کو پاک نہیں رکھ سکتا اور اس کی مجاہدانہ زندگی کا صحیفہ جدوجہد اور ایثار و قربانی کے تسلسل اور استغنار و بے نیازی کے دائمی نقش سے خالی ہوتا ہے ایسا شخص جو معتصم کے تازیانوں اور متوکل کی نیازمندانہ پیش کشوں اور عقیدت دونوں کا مقابلہ یکساں استقامت و شجاعت سے کرے اور اس کا دامن کسی وقت بھی داغدار نہ ہونے پائے، دعوت و عزیمت کی تاریخ میں خال خال نظر آتا ہے اور جب کبھی ہوتا ہے اپنے زمانہ کے لوگوں اور اپنے سفر کے رفیقوں میں ایسا ہی یگانہ اور بلند نظر آتا ہے جیسے چمن میں سرو آزاد۔ اس کو خدا کی طرف سے جو یقین اقلیم محبت کی طرف سے جو بے نیازی اور سرور اپنے مربیوں اور استادوں کی طرف

سے جو استقامت نصیب ہوتی ہے اس کی بنا پر وہ زبان حال سے کہتا ہے۔

ملکِ دُنیا تن پرستان را حلال
ما غلام ملک عشق لازوال!

انسانی بلندی و رفعت کا منتہا یہی معیار نہیں کہ کسی انسان کا مقصد اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ رفیع و عظیم ہو وہ دولت کا، شہرت و ناموری کا عزت و وجاہت اور وزارت و حکومت کا طالب و ساعی نہ ہو اور وہ کسی مرحلہ پر اپنی جدوجہد و قربانی کی قیمت وصول نہ کرے، یقیناً یہ ایک بلند بہت بلند معیار ہے مگر انسانی بلندی کے کچھ اور بھی معیار ہیں ان میں سے ایک معیار یہ ہے کہ جب اس کی دل سوزی اور دردمندی اس کی مخلصانہ جدوجہد اور ہمدردانہ بے غرضانہ مشورہ کو ٹھکرا دیا جائے اس پر پست و ذلیل قسم کے الزامات لگائے جائیں اس کی سب سے قیمتی متاع (ایمان و عقیدہ) اور اس کی سب سے عزیز متاع (شرافت و خودداری) کو شک کی نگاہ سے دیکھا جائے اور یہ سمجھا اور سمجھایا جائے کہ اس کی سرگرمی وجدوجہد کا محرک و باعث مالی طمع اور مادی منفعت ہے۔ اس کا دشنام طرازیوں اور سنگ باریوں سے استقبال کیا جائے تو وہ آزردہ اور برافروختہ نہ ہو اس کی طبیعت میں اشتعال اور اس کے دل میں جوش انتقام نہ پیدا ہو۔ وہ اس سب کے جواب میں کہے:

هنيأً مرياً غير داء مخامر
معزة من اعراضنا ما استحلت

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بہت عرصہ پہلے مردان خدا کی یہ صفت بیان کی تھی کہ وہ دشمنوں کی بھی دل آزاری اور دل تنگی کے روادار نہیں۔

شنیدم کہ مردان راہِ خدا
دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ با دوستانت خلافست و جنگ

لیکن کیا اس سے بھی اونچا یہ مقام نہیں کہ ان دشمنوں اور دشنام طرازوں کے لیے دعائے مغفرت کی جائے اور اپنے رب سے شب کی خلوتوں میں پورے خلوص اور درد سے کہا جائے کہ:

ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد

یہ انسانی بلندی کا وہ معیار ہے جس پر صرف نائبین انبیاء اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرب غلام فائز ہوتے ہیں۔

ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

انسانی بلندی کا تیسرا معیار یہ ہے کہ انسان دوسروں سے نفع اٹھانے کے بجائے ہمیشہ نفع پہنچانے کی کوشش کرے۔ احسان مندی کے بجائے ہمیشہ اس کے بذل و عطا و جود و سخا کا ہاتھ کھلا رہے وہ اپنے جذبۂ احسان و خدمت میں "ساقی" کی فطرت و ہمت کا مظہر ہو جس کی روایت یہ ہے کہ:

اول الناس سقیا و اخرهم شرابا اور اکثر الناس سقیا واقلهم شرابا

"سب سے پہلے لوگوں کو پلانا اور سب کے آخر میں خود پینا سب سے زیادہ لوگوں کو دینا اور سب سے کم خود لینا۔"

عرفی نے بہت عرصہ پہلے اپنے متعلق کہا تھا مگر درحقیقت یہ مردان خدا کی صفت ہے:

عدیل ہمت ساقی ست فطرت عرفی
کہ حاتم دگران و گدائے خویشتن است

نسل انسانی کے بلند ترین فرد (ارواحنا و نفوسنا فداہ) نے یہ اصول بتایا تھا کہ الید العلیا خیر من الید السفلی "اونچا ہاتھ (محسن) نیچے ہاتھ (ممنون احسان) سے بہتر ہے" اور اس اصول پر وہی بلند انسان عمل کر سکتے ہیں جن کے دل سے دولت دنیا کی محبت اور مال کی قیمت نکل چکی ہو اور ان کی فطری یا آبائی شرافت و حوصلہ مندی اور جذبۂ خدمت و احسان ان کے ہاتھ کو ہمیشہ اونچا رکھے، تکلف سے دو دن چار دن اس طرح زندگی گزارنا آسان ہے مگر ساری زندگی اسی اصول کے ماتحت گزارنا بڑے مزکی نفوس بڑے عالی مقام انسان کا کام ہے۔

انسانی بلندی کا ایک معیار یہ ہے کہ علمی و روحانی و اخلاقی مدارج عالیہ پر فائز ہونے کے بعد بھی اور خواص کا شہادت و تزکیہ اور خلق خدا کے رجوع عام کے باوجود بھی اپنے نفس سے بدگمانی قائم رہے اور اپنے نقص کا استحضار اور اپنی بے عملی کا شکوہ ہے۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ایک شیخ وقت حضرت نور العالم ہنڈویؒ کے متعلق پڑھا ہے کہ شب کی عبادت و گریہ زاری کے بعد اکثر ان کو یہ شعر بڑے درد سے پڑھتے ہوئے سنا گیا ہے۔

ہمہ شب بزاریم شد کہ صبا ندا و روے
نہ دمید صبح بختم چہ گنہ نہم صبارا

یہ مقام معرفت صحیح تزکیۂ کامل اور فطری عالی ظرفی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ورنہ اس زمانہ میں (اور حقیقتاً ہر زمانہ میں) ایسے لوگ رہے ہیں، جن کا سارا ادب "انا" اور "انانیت" (Egoum) سے بھرا ہوا ہے۔

انسانی بلندی کے اور بھی معیار ہوں گے۔ یہاں اس موضوع پر کوئی مفصل مقالہ اور اس کا علمی جائزہ مقصود نہیں۔ راقم سطور کے ذہن اور تجربہ میں انسانی بلندی کے جو معیار آئے ہیں اور جن پر بہت کم لوگوں کو (جن کو مادی اور علمی حیثیت سے بلند سمجھا جاتا ہے) پورا اترتا ہوا دیکھا ان کا تذکرہ کر دیا۔

مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ علمی و سیاسی حیثیت سے جس قدر بلند ہوں مجھے اس سے انکار نہیں لکھنے والے ان گوشوں پر لکھیں گے لیکن میرے خیال ناقص میں ان کی جو حیثیت سب سے زیادہ روشن، ممتاز اور مسلّمہ ہے وہ ان کی انسانی بلندی ہے۔ علمی دُنیا ممتاز شخصیتوں اور وسیع النظر اور متبحر عالموں سے خالی نہیں ان کے سیاسی خیالات سے اختلاف کی گنجائش ہے انھوں نے اپنی بلند نظری سے ملک کی آزادی پر جو توقعات قائم کی تھیں اور اپنی فطری شرافت نفس و پاکیزگی سے اس ملک

کی اکثریت کے متعلق جو اندازے لگائے تھے وہ کہاں تک صحیح ثابت ہوئے اور ان کو زبان کلچر، مذہبی تعلیم اور پرسنل لار کے تحفظ کے بارے میں (جس کی کانگریس کے منشور اور بھارت کے دستور نے ضمانت دی تھی اپنی آخری عمر میں جو مایوسی ہوئی اور ان کو اپنی سیاسی جدوجہد کے رفیقوں اور جیل کے ساتھیوں کے متعلق (صاحب اختیار و اقتدار ہو جانے کے بعد) جو تلخ اور دل شکن تجربے ہوئے آج ان کو خواہ زبان پر نہ لایا جا سکے مگر آنے والے مورخ کے قلم کو ان کے اظہار سے نہیں روکا جا سکتا مگر جو چیز ہر شک و شبہ اور ہر بحث و نزاع اور ہر اختلاف سے بالاتر ہے وہ ان کی بلند سیرت، پاکیزہ شخصیت، بے غرض جدوجہد بے داغ زندگی اور مکارم اخلاق ہیں جنہوں نے ان کی ذات کو کھرا سونا اور سچا موتی بنا دیا تھا اور ان کو اخلاقی و طبعی بلندی کے اس مقام پر پہنچا دیا تھا جس کے متعلق دورِ اوّل کے عرب شاعر نے کہا ہے:

هجان الحی کالذهب المصفیٰ

صبیحة دیمة یجنیه جانٍ

(قبیلہ کے شریف سردار ایسے کھرے سونے کی طرح ہیں جو کسی بارش کی صبح کو زمین سے اُٹھا لیا جائے اور صاف کر لیا جائے۔)

اس راقم سطور کو مولانا کو بہت قریب سے دیکھنے اور مختلف حالات (سفر و حضر، رضا و غضب، مشغولیت و فراغت، جلوت و خلوت) میں دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی تقریباً ۴۰ ء سے برادرِ معظم ڈاکٹر مولوی سیّد عبدالعلی صاحب مدظلہٗ کی بدولت ہمارے لکھنؤ کے مکان کو مولانا کی فرودگاہ بننے کا شرف حاصل ہے۔ دیوبند کے ابتدائی طویل قیام اور بعد کے منتشر قیام میں مولانا کی زندگی، معمولات اور مزاجی خصوصیات نظر میں رہے۔

سیر و تراجم کے ذوق و مطالعہ پھر خصوصیّت کے ساتھ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا حکیم سیّد عبدالحی سابق ناظم ندوۃ العلماء کی جلیل القدر تصنیف یا کتب خانہ نزہۃ الخواطر کی آٹھ ضخیم جلدوں کے بار بار مطالعہ و خدمت نے شخصیتوں کو غور سے دیکھنے اور ان کی خصوصیات و اخلاق کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے اور ان کو اسلاف کے معیاروں پر جانچنے کی عادت پیدا کر دی۔ اس نقطہ نظر اور اس افتاد طبع کے ساتھ جب مولانا کو دیکھا انسانیت و آدمیت، شرافت و سیادت اور اخلاق و کردار کی بڑی بلندی پر پایا اور اسی چیز نے مولانا کی بلندی کا نقش دل و دماغ پر ایسا قائم کیا کہ جب کبھی ذہن و ذوق نے ان کے کسی خیال یا کسی علمی تحقیق اور رجحان کا پورا پورا ساتھ دینے سے معذرت کی اور دماغ اس کو قبول نہ کر سکا ان کی انسانی و اخلاقی بلندی اور ان کی شخصیّت کی دل آویزی آڑے آئی اور دیکھا تو عقیدت و محبت میں کوئی کمی نہ تھی۔

مولانا کو انسانی بلندی کے ان چاروں معیاروں پر پورا پایا، اخلاق و بے غرضی ان کی زندگی کا جوہر اور ان کے تمام اعمال و مساعی اور سرگرمیوں کا محرک تھا جس طرح بعض غیر مخلصین کے لیے کسی حالت اور کسی کام میں بھی مخلص بننا مشکل ہے عدم اخلاص اور غرض پرستی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اسی طرح ان مخلصین کے لیے جن کی سرشت میں اللہ نے اخلاص رکھا ہے۔ غیر مخلص بننا ناممکن ہوتا ہے ان کی فطرت غیر اختیاری طریقہ پر اخلاص کی طرف چلتی ہے وہ عمل جس کے اغراض کے ماتحت کرنے کا رواج عام ہوتا ہے وہ بھی وہ اغراض سے بالاتر ہو کر پوری ذہنی یکسوئی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں مولانا نے جو سرفروشانہ اور قائدانہ حصہ لیا اور اس راستے میں انھوں نے جو مصائب اور تکلیفیں برداشت کیں انہیں صرف انگریزوں کا (جن کو وہ اسلام اور مسلمانوں کا عدوے اکبر سمجھتے تھے) بُغض، ہندوستان کو آزاد کرانے اور اس کی آزادی سے ممالک اسلامیہ کے آزاد ہونے کی سبیل پیدا کرنے اور اس سب کے علاوہ اور شاید اس سب کے برابر اپنے اسلاف اور بزرگوں بالخصوص اپنے مربی و محبوب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے اتباع و اطاعت کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ کسی مادی منفعت اور ذاتی مصلحت کا تصوّر اور خطرہ بھی شاید ان کے دل میں نہ آتا ہو۔ چنانچہ جب ہندوستان آزاد ہو گیا اور ملک میں حکومت خود اختیاری قائم ہوئی تو وہ اپنے اصلی کام (درس و تدریس اور تزکیہ و ارشاد) میں ایسے مصروف اور سیاسی جدوجہد کے میدان سے ایسے کنارہ کش ہو گئے جیسے ان کا کام ختم ہو چکا ہو۔ صفِ اوّل کے قائدین میں (میرے علم میں) تنہا وہ ایک شخص تھے جنھوں نے اپنی پچھلی سیاسی زندگی اور قربانیوں کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ قیمت وصول نہیں کی اور وقت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ یہاں تک کہ جب ان کو جمہوریہ ہند کی طرف سے سب سے بڑا اعزازی خطاب عطا کیا گیا تو انھوں نے اس کے قبول کرنے سے صاف معذرت کر دی اگرچہ ان کی طبعی تواضع اور انکسار نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ "یہ ان کے اسلاف کرام کے شیوہ و مسلک کے خلاف ہے"، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ اپنے دامن اخلاص پر خفیف سے خفیف داغ بھی گوارا نہیں کر سکتے تھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کے اس فیصلہ نے ایک بار پھر اس حقیقت کا اظہار کر دیا:

کہ عنقا را بلند است آشیانہ

نہ صرف سیاسی جدوجہد بلکہ انھوں نے اپنے کسی جوہر، کسی کمال، کسی متاع، اور کسی ہنر کی کوئی قیمت نہیں لی۔ جو لوگ حقیقت سے آشنا اور حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ دیوبند کی تنخواہ (جس کا مولانا اپنے "دنیادار" ہونے کا ثبوت دینے کے لیے بار بار اظہار و اعلان فرماتے تھے) وہ ان کے وسیع مہمان خانہ کے ایک ہفتہ بلکہ شاید نصف ہفتہ کا بھی خرچ نہیں تھی اور اس کا بڑا حصہ سفروں کی غیر حاضری کی بنا پر کٹ جاتا تھا اور برائے نام وہ ان کے حصہ میں آتی تھی انھوں نے دراصل اپنی پوری زندگی احتساب و اخلاص میں گزاری اور اخفائے حال کے لیے مدرسہ کی تنخواہ (جس سے بدرجہا زائد ان کے شاگردوں کو مل سکتی تھی)، کا ایک پردہ ڈال رکھا تھا۔

انسانی بلندی کے دوسرے معیار یعنی خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاهلین اور ادفع بالتی هی احسن۔ پر عمل کرنے اور دشمنوں سے نہ صرف درگزر کرنے بلکہ ان کو نفع پہنچانے اور ان کے حق میں دعائے خیر کو وظیفہ بنانے میں مولانا فرد فرید تھے۔ سید پور، بریلی، جالندھر سٹیشن کے ان واقعات کے بعد جو انسانیت و شرافت کے ابتدائی حدود سے بھی متجاوز اور وحشت و رذالت کا نمونہ تھے مولانا کی زبان پر کبھی بھول کر بھی کلمہ شکایت یا اظہار حال نہیں آیا بلکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تہجد و

سحر کے وقت مولانا کو ان ناشناسوں کے حق میں گریہ زاری کے ساتھ دُعا کرتے سنا گیا ہے ان دشنام طرازوں، بدنام کرنے والوں اور خاک اڑانے والوں کو جب ضرورت پیش آئی ہے اور انہوں نے یا ان کے عزیزوں نے مولانا سے کسی سفارشی خط کی فرمائش کی ہے۔ مولانا نے بڑی بشاشت اور انشراح خاطر کے ساتھ پرزور الفاظ میں ان کی فرمائش پوری کی ہے اس موقع پر اگر کسی خادم یا رفیق نے ان کا تعارف کرانے اور ان کے پچھلے کارناموں کو یاد دلانے کی کوشش کی ہے تو اس کو سختی کے ساتھ جھڑک دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ ان کا عمل اس اسوۂ نبویؐ پر تھا: وان اعفو عمن ظلمنی و اصل من قطعنی واعطی من حرمنی۔ حدیث نبویؐ مجھے میرے رب نے وصیت کی ہے کہ جو مجھ پر ظلم کرے اس کو میں معاف کر دوں جو میرا مقاطعہ کرے، میں اس کے ساتھ سلوک اور صلہ رحمی کروں جو مجھے محروم رکھے تو اس کو میں عطا کروں۔

مولانا خاندانی یا ذاتی حیثیت سے کوئی رئیس و متمول شخص نہ تھے مگر اللہ نے ان کو بادشاہوں کا سا حوصلہ اور ظرف دیا تھا۔ خدا مجھے معاف کرے میں نے غلط کہا کہ اہل اللہ اور نائبین انبیاء کا سا حوصلہ اور ظرف عطا فرمایا تھا الید العلیا خیر من ید السفلیٰ پر ساری زندگی عمل رہا بہت کم دوسروں کے ممنون ہوئے اور انہوں نے ایک عالم کو ممنون کیا۔ انکا مہمان خانہ ہندوستان کے وسیع ترین مہمان خانوں اور انکا دسترخوان ہندوستان کے وسیع ترین دسترخوانوں میں تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا قلب اس سے بھی زیادہ وسیع تھا بعض واقفین کا اندازہ ہے کہ پچاس مہمانوں کا روزانہ اوسط تھا پھر اس میں ہر طبقہ اور ہر حیثیت کے لوگ ہوتے تھے مولانا کی بشاشت، انتظام، مستعدی، اہتمام بتلاتا تھا کہ ان کو کسی قدر قلبی مسرت اور روحانی لذت حاصل ہو رہی ہے۔

ضیافت و مہمان نوازی اور اطعام و طعام ان کی روحانی غذا اور طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی پھر مہمانوں کے ساتھ وہ جس تواضع اور انکسار اور جس اعزاز و احترام کے ساتھ پیش آتے تھے اس کو دیکھ کر قدیم عرب شاعر کا یہ شعر بے اختیار یاد آتا تھا:

وانی لعبد الضیف ما دام نازلاً

وما شیمۃ لی غیرہا تشبہ العبدا

میں مہمان کا غلام ہوں جب تک وہ میرے گھر مہمان رہے اور زندگی کا یہی ایک موقع ہے جس میں میں غلام معلوم ہوتا ہوں، صرف میزبانی اور مہمانی نہیں۔ ہر موقع پر وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کا ہاتھ اونچا رہے اور استفادہ کے بجائے ان کو نفع و افادہ کا موقع ملے اگر کسی نے ذرا سا بھی ان کے ساتھ سلوک کر دیا ہے اور کسی موقع پر کوئی خدمت انجام دی ہے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس فکر میں رہتے تھے کہ اس کے ساتھ وہ کوئی سلوک کریں اور اس کے اس حق کو ادا کر دیں۔ ہم نے اہلِ بیت کرامؓ کی سخاوت و شہامت و حوصلہ مندی کے جو واقعات پڑھے ہیں ان کا پرتو مولانا کی زندگی اور ان کے بعض معاصرین کبار کے اخلاق میں پایا۔

ہم نے جس چوتھے معیار کا ذکر کیا تھا کہ کمال و شہادت خلق کے ساتھ اپنے نفس سے بدگمانی، اپنے نقص کا استحضار و اعلان انسانیت کی بلندی کی دلیل اور اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان نفس امارہ کی گرفت اور خود فریبی اور خود پرستی سے بلند ہو گیا ہے مولانا کی زندگی میں بہت نمایاں تھی اور یہ ان کا حال تھا، قال نہ تھا۔

مولانا اپنے نام نامی کے ساتھ ہمیشہ ننگِ اسلاف لکھا کرتے تھے بعض ناخدا ترس اخبار نویسوں نے اس کا مذاق بھی اڑایا مگر ان کے جاننے والے اور ان کے قریب رہنے والے جانتے ہیں کہ کسی کے لیے اس طرح کے القاب و اوصاف ایک رسم اور تکلف ہوں گے، مولانا کا اپنے متعلق یہ عقیدہ تھا اور اس میں کوئی تصنع کا شائبہ نہ تھا۔ وہ دل سے اپنے کو ننگ اسلاف سمجھتے تھے حالانکہ اللہ نے ان کو ہر طرح سے اپنے اسلاف کرام کا جانشین اور نعم الخلف نعم السلف کا مصداق بنایا تھا۔

اس لقب کے علاوہ وہ اکثر ایسے اشعار بڑے درد سے پڑھتے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ مولانا اپنے وجود سے بڑے شرمندہ ہیں اور اپنے کو کسی قابل نہیں سمجھتے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ (جب میری عمر بھی کم تھی)، میں مولانا کے ہاتھ دُھلا رہا تھا یا مولانا وضو فرما رہے تھے یہ شعر بڑے درد و حسرت سے پڑھ رہے تھے۔

ذھب الذین یعاش فی اکنافہم

لبقی الذین حیاتہم لا تنفع

(وہ لوگ تو چلے گئے جن کے سائے میں زندگی گزاری جاتی تھی،

وہ لوگ رہ گئے جن کی زندگی کچھ کار آمد نہیں۔)

اکثر وہ یہ شعر (خصوصاً جب کوئی بیعت کی درخواست کرے) پڑھتے تھے:

نہ گلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم

در حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

مولانا کے خطوط و مکاتیب سے بہت سے ایسے اقتباسات و منقولات پیش کیے جا سکتے ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اپنے کو کیا سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تواضع اور انکار نفس اور بے نفسی کے کس مقام رفیع پر پہنچایا تھا مگر میں نے اس مضمون میں جو کچھ لکھا ہے اس کا التزام کیا ہے کہ وہ صرف میرے مشاہدات اور ذاتی معلومات پر مشتمل ہو۔ افسوس ہے کہ یہ مضمون حالت سفر اور نقل و حرکت میں نہایت عجلت میں لکھا جا رہا ہے ورنہ اس میں بہت تفصیل کی گنجائش تھی۔

مولانا کی وفات سے علم و سیاست کی بزم میں جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کا افسوس کرنے والے اور اس خلا کو محسوس کرنے والے بہت ہیں لیکن اخلاق و انسانیت کی صفِ اوّلین اور شہ نشین میں جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کا احساس کرنے والے شاید کم ہیں۔ شاید اس لیے کہ انسانیت کوئی ایسا مرتبہ نہیں سمجھا جاتا کہ کسی بزرگ یا عالم کو اس کے معیار سے جانچا جائے اور کسی "مردِ کامل" کے اُٹھ جانے سے کوئی خلا محسوس کیا جائے مگر میرے نزدیک آدمیت کے اس قحط اور انسانیت و اخلاق کے انحطاط عام کے اس دور میں مولانا مدنیؒ کا حادثہ وفات ایک بڑا اخلاقی خسارہ اور انسانی حادثہ ہے:

"اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے۔"

دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گلچین بہار توز داماں گلہ دارد

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کی ذات گرامی جن صفات حمیدہ اور گوناگوں اوصاف ومحاسن کی حامل تھی اور منجانب اللہ زندگی کے ہر شعبہ میں جو فضائل و کمالات امتیازی واعلیٰ خصائص ان کو ودیعت فرمائے گئے تھے ان کے پیش نظر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

درحقیقت حضرت اس دور کی عظیم المرتبت اور مقبول ترین ہستی تھے۔ علم وعمل کے مہر عالمتاب تھے۔ شیخ العرب والعجم اور علم واخلاق اور روحانیّت کی مرکزی شخصیت تھے ان کی ذاتِ گرامی بلا امتیاز خواص وعوام کا مرجع ومآب تھی نصف صدی سے بھی زائد کی دینی، مذہبی، قومی، ملّی اور سیاسی تاریخ حضرت موصوف سے وابستہ ہے۔ ان کے مجاہدانہ کارنامے، قربانیاں، تعلیم وتصنیف اور ارشاد وہدایت کی زریں خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ ان کی ایک زندگی میں بہت سی زندگیاں جمع ہوگئی تھیں وہ : اِنَّ ابراھیم کان امۃ کی مکمل شرح اور تفسیر تھے۔ ایثار وقربانی کا مجسم پیکر اور "خلق عظیم" کا مظہر تھے جامعیّتِ علوم، زہد وتقویٰ اور مجاہدانہ عزم وعمل ان کی زندگی کا طرۂ امتیاز خصوصیات تھیں۔ اسلاف کے صحیح جانشین اور یادگار تھے دین وسیاست کے ہر میدان میں رہبرانہ اور قائدانہ حیثیت کے مالک تھے اور ان عالی مرتبت افراد میں سے تھے جن کے متعلق کہا گیا ہے باللیل رھبان وبالنھار فرسان ان کی اسی جامعیت اوصاف کی وجہ سے اس کہنے میں کوئی تامل نہیں:

ولیس من اللہ بمستنکر
اَن یجمع العالم فی واحد

ملنے والوں کے ساتھ ان کا معاملہ عطوفت اور حسن سلوک کا تھا وہ ہر شخص سے اخلاق ومحبت اور خلوص وشرافت سے پیش آتے تھے جامعہ مظاہر علوم اور اربابِ مظاہر علوم سے ان کو قدیم رابطہ تھا یہاں ان کی اپنی طالب علمی کے زمانہ سے کثرت سے آمد ورفت رہی۔ ابتداً حضرت اقدس شیخ العرب والعجم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں بہت کثرت سے حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ساتھ خصوصی تعلقات کے پیش نظر بار بار تشریف آوری ہوتی تھی حضرت موصوف فرمایا کرتے تھے کہ جب میری عمر گیارہ سال تھی اور حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی عمر تیس سال کی تھی ۱۹۲۶ء میں حضرت مدنیؒ نے گنگوہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے حجرہ میں ایک چلّہ کیا تھا حضرت ان ایام میں مسلسل روزے رکھا کرتے تھے اور افطار ہمارے گھر فرمایا کرتے تھے۔ میرا بچپن تھا اس لیے میں بہت شوق سے افطار کا اہتمام کرتا تھا اور بہت بے تکلفی چھین جھپٹ کے ساتھ افطار میں شریک ہوتا تھا۔ اس کے بعد سے حضرت مدنیؒ کے وصال تک ان کی شفقتوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور ہر دور شفقتوں میں سابق پر المضاعف ہوتا رہا"

جامعہ مظاہر علوم اور دار العلوم دیوبند، جس "سلسلۃ الذہب" کی کڑیاں ہیں اس کے اکابر اور اسلاف کی روداد کچھ اس قدر مرتبط ہے اور ان کے علمی وروحانی رشتے اس قدر گہرے اور دور رس ہیں کہ مدت تعلقات کے تعین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اپنی نشوونما کے دور سے ہی حضرت کو یہاں سے غایت درجہ ارتباط رہا۔ حضرتؒ نے حضرت شیخ الہندؒ سے تو باقاعدہ ہی حدیث وقرآن اور دوسرے علوم وفنون کا فیضان حاصل کیا۔ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ سے بھی استفادہ فرمایا حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں جب بھی اوقاتِ درس میں تشریف آوری ہوئی چپکے سے طلبہ کی لائن میں تشریف رکھتے اور قاری کو اشارہ سے روک کر خود قرأۃ شروع کر دیتے سبق سے فراغت پر مصافحہ کرتے۔

حضرت سہارنپوریؒ کی مشہور شرح ابوداؤد "بذل المجہود" کے آغاز میں جو مقدمہ درج ہے اور جس کے آخر میں "بعض منتسبین ال اعتاب حضرت الشیخ الخ" کے الفاظ تحریر ہیں وہ حضرت مولانا مدنیؒ کا رشحۂ قلم ہے۔

ایک زمانہ میں حضرتؒ کلکتہ قیام فرماتھے مگر جامعہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسوں میں غایت تعلق کی بنا پر وہاں سے بے تکلف شرکت فرماتے تھے۔ حضرت سہارنپوریؒ کی حیات میں جب بھی جیل سے چھوٹ کر تشریف لاتے تو حضرت سہارنپوریؒ کے قدم مبارک پکڑ لیتے اور حضرت فوراً پکڑ کر سینہ سے لگا لیتے تھے۔

سہارنپور ریلوے کا جنکشن ہے یہیں سے سب اطراف کو ٹرینیں چھوٹتی ہیں اس لیے عموماً ہر سفر میں حضرتؒ کو سہارنپور سے گزرنا ہوتا تھا اور جس ٹرین سے ان کو سفر کرنا ہوتا اگر اس کی روانگی میں ذرا بھی توقف ہوتا یہیں نہیں بلکہ اگر توقف کا موقع پیدا کیا جا سکتا تو مدرسہ کو ضرور تشریف آوری سے نوازتے اور ارباب جامعہ کو معزز اور مفتخر فرماتے گویا بالکل ریلوے جنکشن کی طرح حضرت کے لیے یہ ادارہ بھی جنکشن کی حیثیت رکھتا تھا کہ جس پر قیام کیے بغیر آگے روانگی نہیں ہوتی تھی اور اس معاملہ میں وہ اس قدر بے لوث اور مخلصانہ وضع کے پابند تھے کہ جس کی مثالیں آج کے دور میں عنقا ہونے لگی ہیں۔ اس قسم کے ایک دو نہیں نہ معلوم کتنے واقعات ہیں جو اس مختصر سے مضمون میں نہیں آسکتے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر کچھ پیش کرتا ہوں:

رات کے ساڑھے گیارہ بجے ہیں، برق و باراں کی شدت ہے ہر طرف گہری ظلمت چھائی ہوئی ہے کہ یکایک حضرت الحاج الحافظ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم کی بالائی منزل (جو حضرت شیخ کے مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا مخصوص کرہ ہے اور جس میں ان کے مطالعہ کا نادر کتب خانہ ہے) کے زینہ کے کواڑ میں دستک کی آواز آئی، حضرت شیخ الحدیث صاحب دل میں فرماتے ہیں کہ اس حال میں کوئی بہت نمایاں شخصیت ہی یہ "بے تکلفی" کرسکتی ہے اور معاً ذہن حضرت مدنیؒ کی جانب منتقل ہوگیا۔ زنجیر کھولنے پر یہ خیال حقیقت بن کر سامنے آگیا۔ واقعی حضرت مدنیؒ تشریف فرما تھے اس حال میں کہ ہاتھ میں چھتری ہے۔ اب جو گفتگو ہوئی اس میں مراسم کی یگانگت اور اختصاص کی وہ جھلک موجود ہے جن کو الفاظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے اور جہاں رسم و راہ کی بے تکلفی سے پیدا شدہ تقاضے ہی خود ادب و احترام بن جاتے ہیں۔

محترم میزبان نے فرمایا: "ایسے میں آنے کی کیا مصیبت پڑی تھی"

مہمانِ مکرّم کی جانب سے جواباً ارشاد ہوا کہ میں ابھی دیوبند کی ٹرین سے اترا تھا اور ٹانڈہ جانے کا عزم تھا۔ گاڑی کی روانگی میں کچھ وقفہ تھا میں نے سوچا کہ مدرسہ ہو آؤں، اور آپ ہی سے مل آؤں۔

یہ واقعہ ان ان گنت واقعات میں سے ایک ہے جو اِن کے اخلاص اور احساسِ کرم اور انتہائی تعلق کے آئینہ دار ہیں۔

اب اس سے بھی بڑھ کر ایک اور واقعہ سنیئے:

تقسیم سے قبل جب سفر حج سے براہِ کراچی حضرت مدنیؒ کی واپسی ہوئی تو سہارنپور مظاہر علوم میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کو ایک برقیہ سے حضرت مدنیؒ کے فرنٹیئر میل سے پہنچنے کی اطلاع ملی جو رات کے تین بجے سہارنپور پہنچتی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب فرنٹیر میل پر استقبال کرنے کا نظام بنا چکے تھے اور ٹرین کی آمد کے وقت سٹیشن پر روانہ ہونے والے تھے کہ ایک دم کسی نے اسی بالائی منزل کے زینہ کی زنجیر کھٹکھٹائی۔ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ حضرت مولانا ہو سکتے ہیں اس لیے کہ وہ تو فرنٹیر میل سے آنے والے ہیں۔ لیکن کواڑ کھولنے پر دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا مدنیؒ ہیں۔ حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اب یہاں بھی اس خوش طبعی سے جو بعض اوقات بزرگوں میں ہوتی ہے گفتگو کا آغاز ہوا میزبان محترم نے جو کچھ فرمایا اس کے الفاظ تو کچھ اور تھے لیکن ان کا لازم مفہوم کچھ اس نوع کا تھا:

"کہ کیا حج کرنے کے بعد آدمی خلاف واقعہ بھی کہہ سکتا ہے۔ جناب کی اطلاع تو فرنٹیر میل سے آنے کی تھی اور اسی پر ہم جناب کا استقبال کرنے والے تھے"

حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ فرنٹیر میل سے آنے کی اطلاع صحیح تھی چنانچہ سامان سب متعلقین، رفقاء اسی سے آرہے ہیں لیکن جب کراچی میل لاہور پہنچا تو معلوم ہوا کلکتہ میل لیٹ ہے وہ لاہور سے چھوٹ رہا تھا میں کراچی میل سے اتر کر کلکتہ میل میں چلتی گاڑی میں سوار ہوگیا۔ یہ خیال کر کے متعلقین و رفقا تو فرنٹیر سے آتے رہیں گے میں اسی سے جاکر فرنٹیر کے پہنچنے تک کا وقفہ سہارنپور مدرسہ میں آپ کے پاس گذاروں۔ اللہ اکبر! خلق و مروّت کے کیا نادر نمونے تھے جن کا وہ منبع اور سرچشمہ تھے۔

اوپر کے واقعہ کا تعلق جو یہاں سے تھا وہ پورا ہو چکا لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ واقعہ کے یہ اجزا بھی اسی کا تکملہ ہیں کہ حضرتؒ ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ساتھ اسٹیشن تشریف لے گئے فرنٹیر سے رفقاء اور سامان کو سہارن پور کے اسٹیشن پر اتار کر پسنجر سے صبح کو دیوبند روانہ ہوئے۔ (فرنٹیر دیوبند نہیں ٹھہرتا)۔ اور دیوبند پہنچ کر اسی صبح کو بخاری شریف کا درس دے دیا۔ ادیب اریب حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی نے اپنے ایک مضمون میں طویل سفر سے آکر فوراً بخاری شریف کے درس دینے کا جو واقعہ نقل فرمایا ہے وہ یہی واقعہ ہے۔

ایک دن میں کئی کئی جلسے نمٹا دینا حضرتؒ کے یہاں ایک معمولی واقعہ تھا جو سینکڑوں مرتبہ پیش آیا۔

ایک مرتبہ شام کو پانچ بجے دیوبند سے دہلی تشریف لے جاتے ہیں علی جان والوں کی کوٹھی میں کسی میٹنگ میں شرکت فرماتے ہیں کئی گھنٹے اس میں انتہائی انہماک کے بعد فوراً ہی دہلی سے شاہدرہ کی راہ سے نانوتہ پہنچتے ہیں وہاں جلسہ میں تقریر کرتے ہیں اور وہاں سے سہارنپور آتے ہیں اور پھر بھٹ جاکر ایک جلسہ میں وعظ کرتے ہیں اور پھر ایک دم لوٹتے ہیں اور دیوبند تشریف لے جاتے ہیں اور یہ سب امور تعطیل کے دن میں تکمیل پذیر ہو جاتے ہیں اور سبق نہ جمعرات کا ناغہ ہوتا ہے اور نہ شب شنبہ کا۔

عزم و ہمت اور انتھک کام کرنے کی ایسی روشن مثالیں جوانی ہی میں نہیں عالم پیری میں بھی اتنی شائع و ذائع ہیں کہ ان کو ان کے علو مرتبت کا مخصوص حصہ کہا جاسکتا ہے۔ پھر عزم و ہمت کی یہ کیفیات کسی ایک شعبۂ حیات میں نہیں تھیں

کیونکہ حضرت کی زندگی کسی ایک شعبہ میں منحصر ہو کر نہیں رہ گئی تھی بلکہ بہت سے شعبوں میں منقسم تھی۔ اب درس دے رہے ہیں اب مسترشدین کو ارشاد و ہدایت سے فیض یاب کر رہے ہیں اب وعظ و تقریر فرما رہے ہیں اب متعلقہ نظم و نسق اور انتظام کی مصروفیات میں ہیں اب مہمانوں کی ضیافت میں ہیں اب سیاست میں حصہ لے رہے ہیں، حضر میں ہیں تو مشاغل دائمی میں منہمک ہیں۔ سفر میں ہیں تو متعینہ پروگراموں سے فرصت نہیں ہے لیکن ان سب امور سے باحسن وجوہ عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

اوران انتہائی مشاغل کے باوجود "بکار سحری" میں فرق نہیں آخر شب میں نوافل سے فراغ پر جس درد انگیز آواز سے حضرتؒ روتے تھے۔ اس کا لطف انہی کو حاصل ہے جنہوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ پھر کمال یہ ہے کہ خالص دینی مشاغل تو دینی ہی ہیں دنیوی مشاغل میں بھی وہ دین و شریعت پر اس التزام کے ساتھ عمل پیرا رہے جو ان کی زندگی کا قابل قدر مثالی شاہکار ہے۔

وہ گوناگوں اور بعض اوقات متضاد ماحولوں میں بھی دین و شریعت پر ایسی بے پناہ استقامت رکھتے تھے۔ جس کے پیش نظر صحیح معنی میں یہی کہا جا سکتا ہے:

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

مجھے خود بعض اسفار میں حضرتؒ کے ساتھ معیّت کا شرف حاصل ہوا ہے اور گاہِ گاہِ زیارت کا موقع رہا ہے۔ اب آخر میں بھی مرضِ وفات میں دو ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث صاحب اور حضرت مولانا اکرام الحسن صاحب کی معیت میں شرف باریابی حاصل ہوا۔

میں نے دیکھا کہ حضرت مدنیؒ اسفار میں بھی معمولات کی پوری طرح مواظبت فرماتے تھے ایسی مشغول زندگی کے لیے یہ بات کمال کی نہیں تو کیا ہے۔

ان کی زندگی درحقیقت ایک مکمل درس ہے۔ زندگی سے متعلق یہ دو شعر حضرت شیخ سعدی سے منسوب ہیں:

یاد داری کہ وقت زادن تو — ہمہ خنداں بدند تو گریاں
آن چناں زی کہ بعد مردن تو — ہمہ گریہ بوند تو خنداں

شیخ نے ان میں آغاز سے لے کر انجام تک کامیاب زندگی کا اسوۂ عمل بڑی خوب صورتی سے بیان فرمایا ہے۔

حضرتؒ کی پوری زندگی انہی دو شعروں کی مکمل تفسیر و شرح تھی وہ انہی سعادتمند افراد میں سے تھے جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ خنداں ہوں گے اور صرف آنکھیں ہی نہیں بلکہ قلوب بھی گریاں ہیں۔ دنیا کے ہر گوشہ میں ان کو خراج عقیدت و ارادت پیش کیا جا رہا ہے جن افراد کو حضرتؒ سے سیاسی اختلافات تھے وہ بھی حضرتؒ کے تقدس اور تبحر علمی کی بنا پر محزون و غمگین ہیں۔ قلم زبان اور زبان قلم سے ان کے مختلف محاسن کے تذکرے ہو رہے ہیں اور لکھنے والے افراد ان کی زندگی کے کسی نہ کسی شعبہ پر دل کی گہرائیوں سے اور روح کی پہنائیوں سے عقیدت مندانہ جذبات

قطعہ تاریخ وفات

از مولینا محمد اسعد اللہ

زوار مجازی بملک حقیقت
چو سید حسین احمد متقی رفت
حقیقت شناسان مذہب بگفتند
کہ دانائے راز خدا و نبی رفت
بچشمانِ ملائے عالم سیہ شد
کہ از زندگی رونق زندگی رفت
امام شریعت چو بخت از جہاں بست
ز دلہائے دنیا ہمہ خرمی رفت
چو آں نیر علم و دانش فرو شد
ز بزم جہاں نور و تابندگی رفت
پے سال تاریخ بنوشت اسعد
بدار البقا پارسا مولوی رفت
۱۳ ھ ۷۷

نذرانہ از بدر سنبھلی

۱۳ ء ۷۷

"وادخلی جنتی مبارک" بدر — ۱۳ ھ ۷۷
یافت مولانا مرتبہ عالی — ۱۳ ھ ۷۷
"شیخ الاسلام مقدس فوتش" — ۱۳ ھ ۷۷
"بدر! سال خجستہ ہجری" — ۱۳ ھ ۷۷.

کا اظہار کر رہے ہیں اور ان کے یہ جذبات عقیدت ہر طبقہ اور مکتبۂ خیال کے ہیں۔ عوام سے لے کر خواص تک، خوردوں سے لے کر بزرگوں تک، گداؤں سے لے کر شاہوں تک ان پڑھوں سے لے کر علوم کے ماہرین تک اسی سلسلہ میں شامل ہیں اور سب سے بڑھ کر قابلِ اہمیت بات یہ ہے کہ ان قابل قدر جذبات کا ان مقبول ترین بندگانِ خدا کی جانب سے زیادہ اظہار ہو رہا ہے جو خود شریعت و طریقت کے آفتاب و مہتاب ہیں اور اس سے حضرت کی مقبولیت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

اگرچہ وہ آج اس عالم میں نہیں ہیں لیکن آج بھی کتنے ہی تلامیذ اور تلامیذ کے تلامیذ (ھلم جراً) ان کے عام علمی فیضان رسانی کی شکل میں موجود ہیں جن کا میں کسی تردد کے بغیر پچاس ہزار سے کم کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ جہاں تک مجھے علم ہے حضرت کے خلفاء مجازین کی تعداد بھی پونے دو سو کے قریب ہے اور حضرت اپنے جانے کے بعد بھی فیوض و برکات کی ابد تک باقی رہنے والی ایک تابندہ کائنات چھوڑ گئے ہیں۔

ہر گز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت ست بر جریدہ عالم دوامِ ما

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

از عزیزان رفتہ رفتہ شد تہی ایں خاکداں
یک تن از آیندگان نگرفت جائے رفتگاں۔

پیش ازیں بر مردگاں افسوس می خوردند خلق
میخورند افسوس ہنوز ایام ما بر ماندگاں

۞۞۞۞۞

نذرِ عقیدت

میں نے شاہدؔ فکر کی تاریخ کی	دونوں ہاتھوں سے دلِ غمگین تھام
غیب سے آئی ندا تحریر کر	سالِ رحلت زاہدِ ذی احترام

سیّد بدیع الزماں زیدی شاہد بچھرایونی

شیخ الاسلام شد و باز گو شیخ اعظم

١٣٧٧ ھ — ١٩٥٧ء

از صوفی عبدالشکور خان صاحب رشیدا کٹھوری

آہ شیخ فردوس مکاں

١٣٧٧ ھ

(مولانا محمد حنیف اسلم قاسمی)

وقت کا غوث زمانہ کا رجز خواں نہ رہا — صاحبِ صدق و صفا حاملِ قرآں نہ رہا
پیکرِ علم و عمل چشمۂ عرفاں نہ رہا — شمعِ تسلیم و رضا مشعلِ ایماں نہ رہا

کون محفل سے اٹھا کیوں یہ چراغاں نہ رہا
ہائے افسوس حسین احمدِ ذی شاں نہ رہا

میکدہ ٹوٹ گیا جام کی گردش نہ رہی — محفلِ قال گئی حال کی پرسش نہ رہی
چشم و ابروئے فسوں ساز کی جنبش نہ رہی — ضوفگن حسنِ جہاں تاب کی تابش نہ رہی

درد اٹھتا ہے مگر درد کا درماں نہ رہا
اپنے افسانہ کا اب کوئی بھی عنواں نہ رہا

زیست بے آب اسے کون تسلی دے گا — روح بیتاب اسے کون تسلی دے گا
قلب سیماب اسے کون تسلی دے گا — چشمِ خونناب اسے کون تسلی دے گا

کس کے الطاف و کرم زخم کا مرہم ہوں گے
کس کے اخلاق مداوائے ہر اک غم ہوں گے

شور یہ کیسا ہوا کس کا جنازہ اٹھا — سارے عالم میں ہوئی ایک قیامت برپا
ہو گئے شیخ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا — ہم خطاکار تھے منہ موڑ لیا ہو کے خفا

کون اب چشمِ محبت سے ہمیں دیکھے گا
کس کا دامن ہمیں آرام و سکوں بخشے گا

کونسی آنکھ تھی جو یاد میں گریاں نہ رہی — آتش افشاں نہ رہی شعلہ بداماں نہ رہی
مظہرِ دردِ نہاں سوزشِ پنہاں نہ رہی — فرقتِ شیخ میں بے تاب و پریشاں نہ رہی

در و دیوار بھی حسرت سے نظر کرتے تھے
دوشِ خدام پہ جب شیخ سفر کرتے تھے

جذبۂ عشق و وفا ایسا نہ دیکھا نہ سنا — چلتے چلتے بھی ہمیں ذوقِ محبت بخشا
غالباً یہ ہی تو ہے شیوۂ اربابِ وفا — زندگی میں تو دیا ساتھ دیا جو بھی دیا

مر کے بھی پہلوئے محمودؒ میں مدفون ہوتے
چشمِ دنیائے جفا کار سے مکنون ہوئے

آج ہیں غم میں پریشان جنابِ اسعدؔ — دیکھی جاتی نہیں بے تابیٔ معصوم ارشدؔ
گھر کا ہر فرد گرفتارِ بلائے بے حد — اسلمِ سوختہ جاں بھی ہے طلب گارِ مدد

اے خدا صبر کی توفیق تو ارزاں کر دے
شمعِ اذعان و یقیں دل میں فروزاں کر دے

مشاہیرِ اسلام میں کسی کو "بدیع الزمان" کے لقب سے پکارا گیا ہے اور کسی کو مورخین "نادرۃ العصر" لکھتے ہیں۔ جن مشاہیر کو ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے اُن کے کسی ایک کمال کے لحاظ سے یہ القاب حقیقت پر مبنی ہوں تو ہوں مگر ان کے تمام اوصاف کے لحاظ سے خالی از مبالغہ نہیں لیکن شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے جملہ اوصاف کے لحاظ سے بدیع الزماں، نادرۃ العصر اور یکتائے روزگار تھے۔ وہ اپنے متنوع علمی کمالات و باطنی مقامات، بیشمار محاسن اعمال اور بے انتہا بلند اخلاق و کردار کے لحاظ سے بالکل منفرد اور بیمثال تھے۔ مولانا کی زندگی کے تین دور میں، پہلا دور خالص علمی خدمت کا دور تھا، جو ابتدائے قیام مدینہ منورہ ۱۳۱۷ھ سے شروع ہو کر اسارت مالٹا (۱۳۳۴ھ) پر ختم ہوتا ہے اس سترہ سال کی مدت میں تین بار آپ ہندوستان واپس آئے اور کبھی چند مہینے اور کبھی چند برس رہ کر پھر حجاز تشریف لے گئے ہیں۔ فترات قیام ہند کے انتشار کے بعد کم و بیش تیرہ سال آپ نے مدینہ منورہ میں علم دین کی نشر و اشاعت میں صرف فرمائے ہیں اسی دور کی یادگار آپ کا فاضلانہ رسالہ "الشہاب الثاقب" ہے جس میں بریلوی فتنہ کی آپ نے بیخ کنی کی ہے اور اسی دور کی یادگار ہماری جماعت کے ممتاز عالم ادیب اور مفسرؒ مولانا عبدالحق مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے جنھوں نے مدینہ طیبہ میں مولانا سے تعلیم پائی تھی۔

دوسرا دور مالٹا سے واپسی (۱۳۳۸ھ) کے بعد سے (۱۳۴۶ھ) دارالعلوم دیوبند کی صدارت عظمیٰ پر فائز ہونے تک کا ہے۔ یہ زمانہ آپ کی سیاسی گرم جوشی تحریک خلافت و تحریک آزادی کی علمبرداری، فرنگی حکومت سے ٹکر لینے اور اس کے نتیجہ میں قید و بند کا دور ہے جس میں آپ کی سیاسی بصیرت و تدبر، مجاہدانہ عزم و ہمت اور غیر متزلزل صبر و استقامت کا ظہور رہا۔

تیسرا دور دارالعلوم کی صدارت (۱۳۴۶ھ) سے لے کر وفات تک کا زمانہ ہے جس میں بیک وقت آپ دنیائے اسلام میں اپنے نوع کی واحد اور سب سے بڑی دینی درس گاہ کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین بھی تھے اور اس مدت کے اکثر حصہ میں ہندو مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود کی کفیل جماعت جمعیۃ علمائے ہند کے صدر و رئیس مجلس بھی تھے اور ان تمام تعلیمی، سیاسی و اصلاحی عظیم مہمات کی سرانجام دہی کے ساتھ اس دور میں ہندوستان کے سب سے اونچے عارف باللہ اور شیخ طریقت بھی تھے جن کے ہاتھ پر لاکھوں بندگانِ خدا نے بیعت کر کے ہدایت پائی اور کتنوں کو معرفت خداوندی نصیب ہوئی۔

ان تین دوروں کے علاوہ آپ کی زندگی کا ایک اہم دور اسارت مالٹا کا زمانہ بھی ہے جس میں اپنے شفیق استاد و مربی کے ساتھ ان کے والہانہ شفقت، بے مثال وفاشعاری اور کمال عقیدت و خدمت گزاری کے جوہر کھلے۔

مولانا کی زندگی کا یہ ایک نہایت اجمالی خاکہ ہے اس اجمال کی تفصیل اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے ؎

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چین بہار تو ز داماں گلہ دارد

بہر حال ان چہار ادوار حیات کی تفصیلی داستان سنانے کا حق تو مولانا کے مستقل سوانح نگار کو ہے میں اس وقت کچھ اپنے تاثرات اور چند مشاہدات کو ذکر کر کے مولانا کے تذکرہ نویسوں کی صف میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے حضرت مرحوم کی زیارت کا شرف پہلی بار مالٹا سے واپسی کے بعد ۱۳۳۸ھ یا ۱۳۳۹ھ میں اس وقت حاصل ہوا جب میں دارالعلوم دیوبند میں دورہ کا طالب علم تھا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے مکان میں میرا قیام تھا

اور حضرت مرحوم نیئے مکان میں قیام پذیر تھے۔ اس وقت تحریکِ خلافت شباب پر تھی اس سلسلہ میں اکثر جلسے ہوتے رہتے تھے۔ ان جلسوں میں حضرت مرحوم کی تقریریں میں نے سُنی ہیں۔ اس زمانہ میں میں نے دیکھا ہے کہ بسا اوقات ظہر سے پہلے یا ظہر کے بعد اپنے ہاتھ سے اپنے خطوط مدرسہ کے لیٹر بکس میں ڈالنے کے لیے تشریف لاتے تھے۔ کھدّر کا پاجامہ، کھدر کا براؤن رنگ کا کرتہ زیب بدن اور کھدّر کی دو پلی ٹوپی (جیسی اس زمانہ میں تمام طلبائے دار العلوم پہنا کرتے تھے۔) زیب سر ہوتی تھی۔

طلبا میں اس وقت اکثر یہ چرچا رہتا تھا کہ حضرت کے پاس عنقریب نسائی شریف کا سبق شروع ہوگا، مگر چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک روز بعد عصر مدرسہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ مولانا کو گرفتار کرنے کے لیے پولیس آئی ہے۔ اس خبر کا سننا تھا کہ ایک تہلکہ مچ گیا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے مکان سے لے کر مفتی صاحب کی مسجد بلکہ مدرسہ تک راستوں اور گلیوں میں طلبا بھر گئے اور اڑ گئے کہ ہم گرفتار نہ ہونے دیں گے، معاملہ نہایت نازک صورت اختیار کر گیا اور اتفاق سے اس وقت سوائے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی دوسرا بڑا شخص دیوبند میں موجود نہ تھا۔ مفتی صاحب مرحوم نہایت خاموش اور سیدھے سادھے بزرگ تھے مگر اس دن معلوم ہوا کہ ہمارے بزرگوں میں ہر قسم کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے ایک مکان کی چھت پر چڑھ کر طلبار کو صبر و سکون اور پُر امن رہنے کی تلقین فرمائی مفتی صاحب کی تقریر سے ہنگامہ کچھ فرو ہوا اور پولیس نے بھی اس وقت واپس چلے جانے میں مصلحت سمجھی، طلبہ جب واپس چلے گئے تو رات کے سناٹے میں فوج نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کا محاصرہ کیا اور اس وقت پولیس حضرت کو گرفتار کر کے لے گئی، گرفتاری کے وقت میں بھی محاصرہ میں تھا مگر ہم لوگ اس وقت بے خبر سو رہے تھے صبح کو یہ واقعہ معلوم ہوا۔

اسی گرفتاری کے بعد کراچی کا وہ مشہور مقدمہ پیش آیا جس میں حضرت مرحوم کی جرأتِ حق نے انگریزی ایوانِ حکومت میں زلزلہ ڈال دیا تھا۔

اس کے بعد مدتوں حضرت کی زیارت سے محرومی رہی پھر جب ۱۳۴۶ھ میں آپ دار العلوم کی مسند صدارت پر رونق افروز ہوئے تو اس کے بعد سے مرض وفات تک یاد نہیں کتنی بار حضرت کی صحبت میں رہنے اور طویل و قصیر زیارت سے بہرہ ور ہونے اور آپ کی نوازشوں اور شفقتوں سے مالا مال ہونے کا موقع ملا۔

زیارتوں کا یہ سلسلہ بہت طویل اور اس کی مدت تیس سال سے زیادہ ہے مگر اس پوری مدت میں باوجودیکہ میرا تعلق بیعت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا اور حضرت مرحوم کو اس کی اطلاع بھی تھی، میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ حضرت مرحوم اپنے اخص خواص تلامذہ و مریدین و محبین کی نسبت سے کچھ کم اعتماد و محبت و شفقت اس حقیر پر فرماتے ہیں میں حضرت کی اس بلندی اخلاق سے بہت زیادہ متاثر تھا اور ہوں۔

مجھ کو حضرت مرحوم کی اس خصوصیّت نے بھی بے حد متاثر کیا تھا کہ آپ اپنے عقیدت مندوں سے ظاہر دارانہ نہیں بلکہ دل سے محبت فرماتے تھے اور بہت قوی الاحساس تھے۔ اس لیے اگر کسی عقیدت مند کو کوئی معمولی تکلیف یا کوفت کسی وجہ سے پہنچ جاتی تو ہر چند کہ اس میں آپ کے ارادہ و اختیار کو کوئی دخل نہ ہوتا جب بھی اس کو بہت محسوس کرتے تھے اور کلماتِ معذرت لکھ کر اس کی دل دہی ضروری سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ مئو میں مجھے اطلاع ملی کہ حضرت فلاں گاڑی سے بلتھرا روڈ جاتے ہوئے مئو سے گزریں گے میں اس وقت ملنے کے لیے سٹیشن گیا مگر حضرت اس گاڑی سے تشریف نہیں لائے اور زیارت سے محرومی رہی اس کے بعد ہمارے قصبہ کے نیک نفس طبیب حکیم سعد اللہ صاحب نے ایک دن مجھ سے کہا کہ میں نے اس سال حج کا ارادہ کر لیا ہے، اور میری خواہش ہے کہ مدینہ منورہ میں مدرسۃ العلوم الشرعیہ میں قیام کروں اس لیے حضرت مولانا کا ایک سفارشی خط وہاں کے لیے حاصل ہو جاتا تو بہت بہتر تھا۔ میں نے حکیم صاحب کی خواہش کی بنا پر حضرت کو ایک عریضہ دیوبند کے پتہ پر لکھا، حضرت نے سفارشی خط تحریر فرما کر بھیجدیا اور اس کے ساتھ احقر کے نام بھی ایک والانامہ تحریر فرمایا جس میں سٹیشن سے میری ناکام واپسی پر اظہارِ افسوس کے ساتھ جلد ہی تشریف آوری کی بشارت کے ذریعہ دل دہی فرمائی تھی، اس خط کا متن بعینہ یہ ہے:۔

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج مبارک

والانامہ دیوبند سے واپس ہو کر یہاں ٹانڈہ میں باعث سرفرازی ہوا۔ مجھ کو بلتھرا روڈ میں معلوم ہوا کہ آنجناب گزشتہ جمعرات ۱۲ شوال کو خبر پا کر شام گاڑی پر سٹیشن پر تشریف لائے تھے اس سے مجھ کو افسوس ہوا، چونکہ شاہ گنج میں اس دن ویرہ ایکسپریس کے لیٹ ہو جانے کی بنا پر آپ کی چھوٹی لائن والی شہنشاہی گاڑی چھوٹ گئی تھی۔ اس لیے اس گاڑی میں نہیں آسکا تھا۔ شب کی گاڑی میں تقریباً بارہ بجے گزرا لیکن بدقسمتی سے ملاقات سے محروم رہا۔ آنے اور جانے کے دونوں وقتوں میں۔ اگر منظورِ الٰہی ہے تو قریبی زمانہ میں شرفِ زیارت حاصل کروں گا، حسبِ ارشاد مدینہ منورہ کو عریضہ لکھ دیا ہے۔ جناب حکیم سعد اللہ صاحب کو دے دیجئے اور ہدایت فرما دیجئے کہ مدینہ منورہ میں موٹر سے اُتر کر اسباب مزدوروں کے سر پر رکھوا کر بھائی صاحب کے مکان پر چلے جائیں کتنا ہی مدینہ منورہ کے معلم یا دوسرے اشخاص روکیں یا دوسری طرف پھیریں تو اس طرف توجہ نہ فرمائیں۔ بھائی صاحب باب النسار پر بالکل حرم نبوی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے متصل رہتے ہیں احباب کے لیے کچھ حصص مکانات کے خالی رکھتے ہیں وہاں چلے جائیں، بھائی صاحب انشاء اللہ حسب استطاعت امداد و اعانت لازمہ میں کوتاہی نہ فرمائیں گے، مکان حرم نبویؐ کے بالکل قریب ہے۔ صرف سڑک کا فاصلہ ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیجئے۔ والسّلام واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیجئے۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۸ شوال ۱۳۵۶ھ

اس مکتوب گرامی کو پڑھ کر میرے دل میں اس کرم و سمو اخلاق کا بھی بڑا خاصہ اثر ہوا کہ باوجودیکہ حکیم صاحب سے مولانا کا کوئی تعلق بلکہ جان پہچان بھی نہیں ہے مگر

حضرت نے صرف خط لکھ کر ٹال نہیں دیا بلکہ بمقتضائے الدّین نصیحۃ ان کی راحت وسہولت کے لیے قیمتی مشوروں سے بھی نوازا۔

یہ باتیں کسی کی نگاہ میں معمولی ہوں مگر جس نے اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور آج اس کی نگاہ اس دنیا میں خود اسلام کے شیدائیوں کے اندر اس کے عملی نمونے دیکھنے کی متمنی ہو اس کے نزدیک یہ باتیں بہت غیر معمولی ہیں اور حضرت کے واقعات زندگی میں اس کی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں مگر میں تو اس وقت اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں سے ایک آدھ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

میں حضرت کے کمال بے نفسی سے بھی بے حد متاثر تھا علم وعرفان اور صلاح و تقوٰی میں جو اونچے سے اونچا پایہ آپ کا تھا اور شہرت ومقبولیت کا جو بلند ترین مقام آپ کو حاصل تھا وہ ہر کس وناکس کو معلوم ہے مگر اس کے باوجود کبھی محسوس نہیں ہوا کہ آپ ذرّہ بھر بھی کوئی برتری اپنے اندر محسوس کرتے ہوں۔ اپنے چھوٹے سے چھوٹے شاگردوں تک سے بے تکلفی کی گفتگو بلکہ بعض اوقات مزاح بھی فرماتے ہوئے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ اللہ اکبر یہ بے نفسی!

عہد طالب علمی کے رفقاء کے ساتھ آج بھی اسی بے تکلفی سے ملتے اور بات چیت کرتے تھے جس طرح طالب علمی میں کرتے ہوں گے۔ حضرت مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب مرحوم کے ساتھ حضرت کے بے تکلفانہ برتاؤ کا منظر جو دارالعلوم کی مجلس شورٰی میں بار بار دیکھنے میں آیا ہے آج بھی آنکھوں میں پھر رہا ہے اس کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ حضرت مرحوم سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے تھے ورنہ آج تو وہ زمانہ ہے کہ جہاں کسی کو ذرا برتری ہوئی تو وہ اپنے پرانے رفیقوں سے بھی اس رکھ رکھاؤ سے اور اپنے کو اس طرح لیے دیئے ملتا ہے کہ جیسے کبھی باہم بے تکلفی تو کیا شناسائی بھی نہیں تھی بلکہ ہم نے تو ایسے شاگردوں کو بھی دیکھا ہے جو شہرت ومقبولیت کے مقام پر پہنچ کر اپنے غیر مشہور اساتذہ سے تلمذ کی نسبت کے اظہار واعتراف میں بھی پس و پیش کرتے ہیں۔

حضرت کی اسی بے نفسی کا نتیجہ تھا کہ مصافحہ کے وقت جہاں آپ نے محسوس فرمایا کہ ملنے والا ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہتا ہے تو بڑے جھٹکے کے ساتھ ہاتھ کھینچ لیتے تھے۔

مجلس میں آپ کی تشریف آوری کے وقت لوگ تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے تو سخت کراہت ونفرت کا اظہار فرماتے تھے بلکہ بعض مواقع میں نہایت سختی سے فرمایا کہ کوئی کھڑا ہو گا تو میں ہرگز نہ آؤں گا۔ ایک دفعہ مدنی منزل سے مسجد جانے کے لیے اُٹھے، دروازہ پر پہنچے تو کسی طالب علم نے آگے بڑھ کر ان کواڑوں کو کھول دیا جو دروازہ کے نچلے نصف حصّہ میں لگے ہوئے ہیں، حضرت نے بڑی برہمی کے ساتھ فرمایا، کہ تم نے اس کو کیوں کھولا، کیا میرے ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں؟ بے موقع نہ ہو گا اگر اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی ذکر کر دوں کہ ایک دفعہ بلتھرا روڈ سے واپسی میں شاہ گنج جانے والی ٹرین پکڑنے کے لیے حضرت کو مئو کے سٹیشن پر سر شام سے اڑھائی بجے رات تک رُکنا پڑا، مجھ کو کوئی اطلاع نہ تھی اس لیے حضرت نے آدمی بھیج کر اطلاع کرائی، میں چلنے لگا تو خیال ہوا کہ کچھ ناشتہ اور چائے کا سامان اور چولہا بھی لے چلنا چاہیئے۔ اس لیے اپنے لڑکے رشید احمد اور دو طالب علموں کو بھی ساتھ لے لیا، اسٹیشن پہنچ کر سلام ومصافحہ کے بعد حضرت کے سامنے میں نے یہ کہتے ہوئے رشید احمد کو پیش کیا کہ یہ خادم زادہ ہے۔ حضرت نے اس کو بھی مصافحہ کا شرف بخشا پھر اس کی تعلیم کے بارے میں کچھ سوالات کیے تھوڑی دیر میں حضرت کے صاحبزادہ میاں اسعد سلمہٗ اللہ باہر سے ویٹنگ روم میں داخل ہوئے تو حضرت نے میری طرف اشارہ کر کے ان کو مصافحہ کرنے کے لیے کہا جب وہ میری طرف بڑھے تو حضرت نے فرمایا یہ بھی خادم زادہ ہے۔ ان الفاظ کا جو اثر میرے قلب پر ہوا میں اس کو آج تک نہیں بھولا ہوں۔ یہ واقعہ جب بھی یاد آتا ہے تو حضرت سعدیؒ کا یہ شعر بھی ضرور یاد آتا ہے۔ ؎

بزرگان نہ کردند بر خود نگاہ　　　خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ

اسی قبیل سے حضرت والا کا اس ظلوم وجہول کو بعض خطوط میں ایسے الفاظ سے یاد کرنا ہے جن کو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ مولانا کا تصلب فی الدّین، اتباعِ سنّت اور آپ کی استقامت علی الشریعت بھی اس عہد میں بے مثال تھی۔

ایک بار ہمارے قصبہ کی ایک مسجد میں حضرت نے امامت فرمائی، محراب میں نقش ونگار بنے ہوئے تھے، نقش ونگار ایسے تھے کہ چار پھولوں کے ملنے سے یہ شکل + پیدا ہوتی تھی، حضرت نے اس پر بہت نکیر فرمائی اور امام مسجد سے کہا کہ یہ صلیب ہے اس کو جلد سے جلد نیست ونابود کرائیے۔

جمعیۃ علماءِ ہند کے سالانہ اجلاس سورت میں نئے تعلیم یافتہ چند نوجوانوں نے سٹیج کا (جس پر حضرت اور دوسرے علماء تشریف فرما تھے) فوٹو لینے کی کوشش کی، تو حضرت نے نہایت گرجدار آواز میں ان کو ڈانٹا اور فوٹو نہیں لینے دیا۔

ایک بار اعظم گڑھ میں سدھاری پر ایک دینی جلسہ تھا، اس کی صدارت کے لیے حضرت مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نامزد تھے مگر وہ سفر میں چلے گئے تھے اور جلسہ کے دن تک واپس تشریف نہیں لائے تھے اس لیے منتظمین نے جلسہ شروع ہونے سے پہلے اس ناکارۂ خلائق کو زبردستی صدر بنا دیا۔ جلسہ میں شرکت کے لیے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد طیّب مدظلہٗ تشریف لا چکے تھے۔ پہلے اجلاس میں حضرت کی تقریر سے قبل اقبال سہیلؔ مرحوم نے اپنی یہ فارسی نظم جس کی ایک نقل خود سہیلؔ مرحوم کی عطا کی ہوئی میرے پاس محفوظ ہے، پڑھ کر سنائی۔ ؎

زعیم ممتحن آمد، مشیرِ مؤتمن آمد
امامِ اہلِ فن آمد، نظامِ اہلِ دیں آمد
بصدقِ او وطن نازد بہ نطقِ او سخن نازد
حدیثش جانفزا آمد بیانش دل نشیں آمد
دریں آشوب زارِ ہند ذاتش اہلِ ملّت را
مآرب را کفیل آمد معارف را امیں آمد
جنابِ طیبؔ آں سرو روانِ گلشنِ قاسم
جمالِ رشد وتقوٰی یادگارِ صالحیں آمد

فرینڈز
ٹیکسٹائل کارپوریشن
کے
تیار کردہ
بوسکی
لٹھا
کینوس
ہر قسم
کے
سوتی کپڑے
خریدنے کا اعلیٰ مرکز
فرینڈز ٹیکسٹائل کارپوریشن کپور تھلہ مارکیٹ گوجرانوالہ
فون ۷۴۴۵۵

مبارک تشنگانِ جرعۂ علم و معارف را
بیانش ور غدوبت جوئے شیر و انجبیں آمد
وزاں پس آں جبیب ما ادیب ما خطیب ما
کہ ذاتش ور مسوا حناف را حسن حسین آمد
زفیضِ مقدم ایشان حق آگاہاں حق اندیشاں
سدھاری راکلہ گوشہ برچرخ چارمیں آمد
سخن کوتہ کن اے اقبال اینک گرچہ میدانم
کہ لطفش اہلِ معنی را شراب الصالحین آمد

اور اس کے بعد میں نے ان کلماتِ تعظیم کے ساتھ جن سے زیادہ کے حضرت مستحق تھے آپ کی تقریر کا اعلان کیا، اقبال صاحب کی مدحیہ نظم اور میرے کلماتِ تعظیم سن کر خاموش رہ جانا مولانا کب گوارا کر سکتے تھے۔ کرسی پر بیٹھنے کے ساتھ خطبہ مسنونہ کے بعد سب سے پہلے منہ پر تعریف کرنے کی خوب خوب مذمت بیان کی اور اس باب میں جو حدیث وارد ہوئی ہے اس کو پڑھ کر سُنایا اور اس کی تشریح فرمائی۔

تحریکِ ترکِ موالات کے زمانہ میں ولایتی مال کے استعمال کو حضرت تدیناً ناجائز سمجھتے تھے اس زمانہ میں بارہا میں نے دیکھا ہے کہ جب امامت کے لیے آگے بڑھے، تو محراب میں بچھے ہوئے مخملی مصلّے کو دیکھ کر سخت برافروختہ ہوئے ہیں اور اس کو اٹھا کر پھینک دیا ہے اور یہ تو ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ ڈاڑھی منڈانے پر کتنی سختی سے انکار کرتے تھے۔

حضرت مرحوم کو دینی غیرت و اسلامی حمیت اور دینی تعلیم کی اہمیت کا شدید ترین احساس بھی ہمارے لیے سرمایۂ عبرت تھا مجھ کو یاد ہے کہ ہمارے قصبہ کے ایک ممتاز عالم نے جب اپنے ایک لڑکے کو حضرت کے سامنے پیش کرتے ہوئے امتحان میں کامیابی کے لیے دُعا کی درخواست کی تو حضرت نے پوچھا کیا پڑھتا ہے؟ انھوں نے کہا انگریزی، حضرت یہ سن کر سخت برافروختہ ہوئے اور بڑی برہمی سے فرمایا کہ اپنے لیے جنت کا راستہ تجویز کیا ہے اور لڑکے کے لیے جہنم کا۔

میری نظر میں یہ نکیر شدید نفس انگریزی تعلیم پر نہیں تھی بلکہ اس کے عمومی اثرات و نتائج کے پیشِ نظر خصوصیّت کے ساتھ طبقۂ علماء کو متنبہ کرنا تھا کہ وہ کیوں دینی تعلیم پر انگریزی تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں؟ حضرتِ اقدس کو دینی تعلیم کے ساتھ ایسا شغف تھا اور دینی مدارس کے قیام اور ان کی بقاء و استحکام کا ایسا بے پناہ جذبہ اپنے اندر رکھتے تھے کہ دور دراز مقامات کے دینی مدارس کی دعوتیں بھی نہایت خندہ پیشانی سے قبول کرتے تھے اور ریل کے لیے سفر کے بعد بیس بیس، تیس تیس میل کے کچے راستے لاری یا موٹر کے ذریعے طے کر کے ان کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے اور کارکنانِ مدرسہ کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے اس کے ماسوا ان کے لیے چندہ کی اپیلیں شائع کراتے تھے اور اہلِ خیر حضرات کے نام سفارشی خطوط بھی لکھ دیتے تھے۔

کسی مقام پر اگر اپنی جماعت کے دو مدرسے ہوتے اور ان میں باہم چشمک ہوتی

تھی جو وہ شمعِ ہدایت آج گُل ہو ہی گئی

۱۳۷۷ھ

حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی رکن دارالافتاء
(دارالعلوم دیوبند)

الفراق اے جانشینِ حضرت شاہِ اُمم　　الفراق اے نازشِ ارضِ عرب فخرِ عجم
الفراق اے زینت و زیبائشِ درسِ حرم　　الفراق اے سیّدِ عالی نسب والاہمم
الوداع اے مہرِ اخشانِ شریعت الوداع
الوداع اے ماہِ تابانِ طریقت الوداع

ہو گیا نذرِ یتیمی آہ یہ دارالعلوم　　تیری فرقت اس چمن کے حق میں ہے بادِ سموم
یہ ہی کیا کل عالمِ اسلام ہند و مصر و روم　　ہے ہر اک پر حسرتِ پیہم کے لشکر کا ہجوم
الوداع اے مہرِ اخشانِ شریعت الوداع
الوداع اے ماہِ تابانِ طریقت الوداع

موتِ عالم گرچہ ہے واقع میں کل عالم کی موت　　اس بساطِ دہر میں نسلِ بنی آدم کی موت
لیکن اس سے بھی سوا ہے مصلحِ اعظم کی موت　　یعنی ہست و بود کے ہر بخش اور ہر کرم کی موت
الوداع اے مہرِ اخشانِ شریعت الوداع
الوداع اے ماہِ تابانِ طریقت الوداع

اس مصیبت کا تدارک آہ ممکن ہی نہیں　　مندمل یہ زخم ہو واللہ ممکن ہی نہیں
اب حسین احمد سا خضرِ راہ ممکن ہی نہیں　　تاجدار ایسا ہو کوئی شاہ ممکن ہی نہیں
الوداع اے مہرِ اخشانِ شریعت الوداع
الوداع اے ماہِ تابانِ طریقت الوداع

آہ وہ خمخانۂ امداد کا مستِ خمار　　وہ گلستانِ رشیدی کی بہار آور بہار
بحرِ محمودی کی موجوں نے جہاں پایا قرار　　آج ہم سب ہیں اسی کی یاد میں ماتم گسار
الوداع اے مہرِ اخشانِ شریعت الوداع
الوداع اے ماہِ تابانِ طریقت الوداع

ہائے وہ تیری عنایت اب کہاں پائینگے ہم　　آہ تیرا فیضِ صحبت اب کہاں پائیں گے ہم
اُف کہ وہ خُلقِ نبوّت اب کہاں پائینگے ہم　　یعنی وہ تصویرِ سنت اب کہاں پائیں گے ہم
الوداع اے مہرِ اخشانِ شریعت الوداع
الوداع اے ماہِ تابانِ طریقت الوداع

کھو چکے ہیں آج ہم واللہ اپنے آپ کو　　کھو چکے ہیں آج ہم واللہ سب کے باپ کو
اس نگاہِ شیخ کی ہر ایک دل پر چھاپ کو　　یعنی اس میخانۂ مستی کے ہر ہر ناپ کو
الوداع اے مہرِ اخشانِ شریعت الوداع
الوداع اے ماہِ تابانِ طریقت الوداع

تو دونوں کے اراکین کو ملانے اور ان میں صفائی کرانے کے لیے مضطرب رہتے تھے۔ کون نہیں جانتا کہ امروہہ میں دو مدرسے قائم اور دونوں میں سخت اختلاف کی صورت پیدا ہوگئی تو حضرت نے دونوں کو ایک کر دیا۔ اس واقعہ کا مختصر تذکرہ مکتوبات شیخ الاسلام ص ۳۷/۱ کے حاشیہ میں بھی ہے۔

خود ہمارے قصبہ میں اپنی جماعت کے دو مدرسے تھے اور اب بھی ہیں کسی تیسرے شخص نے حضرت کے گوش گذار کیا کہ دونوں مدرسوں کے اراکین میں کچھ اختلاف رہتا ہے مصالحت کی کوئی صورت ہو جائے تو بہتر ہے حضرت کو اس کی فکر دامن گیر ہوگئی۔

۸ ربیع الاوّل ۱۳۵۳ھ کو حضرت نے اپنے ایک والا نامہ میں اس حقیر کو تحریر فرمایا:

"ممکن ہے کہ اس مہینہ کی آخری تاریخوں میں بہار کا سفر واقع ہو، بوقت واپسی انشاءاللہ مئو آنے کا ارادہ کروں گا" اس کے بعد ۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۵۳ھ کو دوسرے والا نامہ میں یہ تحریر فرمایا کہ "اگر منظور خدا ہے تو بروز دوشنبہ ۹ جولائی کو شبلی منزل اعظم گڈھ پہنچوں گا اور وہاں ایک دن قیام کر کے مئو حاضر ہوں گا۔ تمام دن منگل وہاں قیام کروں گا۔ دارالعلوم میں ٹھہروں گا۔ میں صرف آپ حضرات کی قدم بوسی کے لیے حاضر نہیں ہو رہا ہوں بلکہ امیدوار ہوں کہ آپس کے اتحاد میں آپ حضرات میری امداد و اعانت فرما کر مجھ کو ہمیشہ کے لیے شکر گذار بنائیں گے۔ جناب والد صاحب اور دیگر اراکین و مدرسین کرام کی خدمت میں بعد از سلام مسنون میری اس عرض کو پہنچا دیں۔

والسلام"

اس اطلاع کے مطابق ۹ جولائی کو حضرت اعظم گڈھ اور ۱۰ کو مولانا مسعود علی ندوی کی معیت میں مئو تشریف لائے اور مصالحت کرانے کے لیے کوئی امکانی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لیکن افسوس کہ مصالحت نہ ہو سکی۔ تفصیلات کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے مولانا مسعود علی صاحب ماشاء اللہ بقید حیات ہیں اور ان کو تفصیلات کا پورا علم ہے اس سلسلہ میں یہ بات غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے کہ اس سفر کے تمام مصارف خود حضرت نے برداشت کیے اور مئو کے عقیدت مندوں نے ادا کرنے چاہے تو قبول نہیں فرمائے۔

اسی طرح پورۂ معروف میں تشریف آوری کے موقع پر وہاں کے دو مدرسوں کے باہمی اختلاف کو بھی رفع فرمانے کی پوری جد و جہد فرمائی۔

کیا اچھا ہوتا کہ ہم نرے اظہار عقیدت کے بجائے آپ کی زندگی کے جو محبوب مشاغل تھے ان میں اپنے آپ کو مشغول کرتے اور آپ کی خواہشوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر سچی عقیدت و اخلاص مندی کا ثبوت بہم پہنچاتے۔

حضرت اقدس کو درسِ حدیث سے جو عشق و شغف تھا وہ بھی عقیدت مندوں کے لیے درسِ عبرت ہے۔ دن کے مختلف اوقات میں اور رات کے بارہ بجے تک اس جانفشانی کے ساتھ حدیث کا جو درس دیتے تھے وہ محض اپنے منصب کے وظیفہ کی انجام دہی نہیں تھی بلکہ آپ اس کو روحانی ترقی، سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحِ مقدسہ سے حصولِ فیض اور وصول و قرب کا بہت بڑا ذریعہ اور سلوک کے طرق میں سے ایک عظیم الشّان طریقہ سمجھتے تھے مجھ کو اس پر اس وقت تنبہ ہوا جب تدریس کے مشغلہ سے علیحدگی اختیار کیے مجھ کو کئی برس ہو گئے اور کسی صاحب نے اپنے مدرسہ میں مجھ کو بلانے کے لیے حضرت کو واسطہ بنایا تو حضرت نے تنہائی میں مجھے بلا کر دیر تک سمجھایا۔ جب میں نے اعذار پیش کیے تو آخیر میں حضرت نے فرمایا کہ بہرحال درس حدیث کا مشغلہ کچھ نہ کچھ ضرور رکھو۔ یہ حصول و فیوض باطنیہ کا بہت بڑا ذریعہ ہے اس کے بعد یہ واقعہ سُنایا کہ مدینہ منورہ میں ایک مولانا محمد اسحٰق صاحب مہاجر تھے وہ مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے ان کو درس حدیث سے ایسا عشق تھا کہ عمر کے آخری حصّہ میں جب وہ بالکل معذور ہو گئے تھے جب بھی انھوں نے اس سلسلہ کو بند کرنا گوارا نہیں کیا حالت یہ تھی کہ چلنے کی قوت بالکل نہ تھی مگر فرماتے تھے کہ دو آدمی مجھ کو اٹھا کر مسجد میں پہنچا دیں، دو آدمی ان کو اٹھا کر مسجد نبوی میں لے جا کر بٹھا دیتے تھے اور وہ درس حدیث دیا کرتے تھے۔ غالباً حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جس دن ان کی وفات ہوئی ہے اُس دن بھی انھوں نے ناغہ نہیں کیا۔

یہ واقعہ سننے کے بعد معاً میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ درس حدیث کے سلسلہ میں حضرتِ اقدس کا حال بھی اسی کے مشابہ ہے اور درس کی حالت میں فیضانِ انوار و حصول کیفیات ہی کی بنا پر نہ جی اکتاتا ہے نہ تکان محسوس ہوتی ہے نیز اسی کے ساتھ مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہٗ کی اس لطیف و نفیس بات کی طرف بھی ذہن منتقل ہوا جو آپ نے حضرت حاجی محمد افضل قدس سرہٗ سے اپنے استفادہ کے باب میں ارشاد فرمائی ہے جس کو مدت ہوئی میں نے مقاماتِ مظہری میں پڑھا تھا۔ حضرت مرزا کے ارشاد سے حضرت کے بیان کی حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے سنیے! حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

"اگرچہ ازاں حضرت (حاجی محمد افضل) در ظاہر استفادہ نہ کردہ شد لیکن در ضمنِ سبق حدیث فیوض از باطن شریف ایشاں فائض می شد و در غرض نسبت قوت بہم می رسید۔

ایشاں را در ذکر حدیث در نسبت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استغراقے وسعت میداد و انوار و برکات بسیار ظاہر می شد گویا در معنی صحبت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل می شد و دریں اثنا توجہ و التفات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشہود می گشت و نسبت کمالاتِ نبوت در غایت وسعت و کثرت انوار جلوہ گر می گردید۔"

(مقامات مظہری ص ۲۵)

میری ظاہر بین نگاہ حضرت مرحوم کے اسی طرح کے کمالات کا مشاہدہ کر سکتی تھی جن میں سے بعض کا ذکر کر کے میں نے ان کی بارگاہ میں نذرِ عقیدت پیش کی ہے۔ لیکن اس نذر عقیدت کے پیش کرنے میں میں نے صرف اظہار حقیقت سے کام لیا ہے۔

حضرت کے باطنی مراتب کا سمجھنا اہلِ باطن کا کام ہے میں اس کوچہ سے نابلد ہوں مجھے اس کا ادراک کیونکر نصیب ہو سکتا ہے، اتنا ضرور ہے کہ

احب الصالحین ولست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

خداتوفیق دے کہ ہم میں اس کے سمجھنے کی بھی صلاحیت پیدا ہوجائے۔

حرفِ آخر اور تاریخِ وفات

اب صرف ایک بات عرض کرکے اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں، آج فجر کی نماز کے بعد تلاوت کررہا تھا جب فاما الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت فھم فی روضۃ یحبرون پر پہنچا تو یک بیک دل میں آیا کہ شاید فی روضۃ یحبرون سے سال وفات کے اعداد برآمد ہوں اس خیال کے آتے ہی رکا اور رک کر حروف کے اعداد پر غور کیا تو ٹھیک ۱۳۷۷ھ برآمد ہوئے۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک،

شیخ الاسلام
سیّد حسین احمد مدنیؒ
رہنمائے
انسانیّت
حضرۃ مولانا محمد احتشام الحسن کاندھلوی
رفیقِ خاص مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہٗ العزیز

۱۹۲۰ء میں جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ صدارت دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ہو رہا تھا پہلی بار ملاقات ہوئی اس وقت آپ حضرت شیخ الہند کے "مخلص خادم" تھے اور میری نگاہوں میں یہی آپ کے دو خصوصی وصف ہیں اخلاصؔ اور جذبۂ خدمت، آپ بارگاہِ امدادیہ سے فیض یاب ہوئے اور دربارِ رشیدی سے فیوض حاصل کیے آخر میں تا آخر حضرت شیخ الہندؒ سے کسب کمال حاصل کیا۔ غرض ہر طرح دولت اخلاص سے بھرپور اور بادۂ عشق سے مخمور ہوگئے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس دریا کا ایک پیالہ بھی ضبط کرنا مشکل ہے (حضرت مدنیؒ) سات سمندر چڑھائے ہوئے ہیں پھر بھی ضبط موجود ہے کیا مجال ہے ساغر چھلک جائے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد یہ "جذبہ خدمت"، مخلوقِ خدا کی طرف منتقل ہوگیا ساری مخلوقِ خدا آپ کی مخدوم تھی اور آپ سب کے ہمدرد و خیر خواہ خادم، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے حضرت مدنیؒ سے کہا کہ مسلمانوں کے لیے دُعا فرمایئے تو تیز لہجہ میں حضرت مدنیؒ نے فرمایا کیوں کیا غیر مسلم مخلوق خدا نہیں؟ یہی وہ "سیادت عامہ" تھی جو انبیاء اور رسولوں کو عطا ہوتی ہے اور ان کے ورثا ہیں ان کے صحیح جانشینوں اور نائبوں کو عطا کی جاتی ہے۔ سیّد القوم خادمہم (قوم کا سردار قوم کا خادم ہے) اسی کی ترجمانی ہے۔ پھر جس طرح رسول کی رسالت عام ہوتی ہے اس میں کسی فرقہ یا جماعت کی تخصیص نہیں ہوتی وہ بلا شک و شبہ ہر فرد بشر کا مسلم ہو یا غیر مسلم سردار اور سرتاج ہوتا ہے۔ یہی عالی مقام اللہ رب العزّت نے حضرت مدنیؒ کو مرحمت فرما رکھا تھا جس کے وصال کے بعد ساری قوم سردار سے محروم ہوگئی اور انسان بے آسرا رہ گیا اور انسانیّت یتیم ہوگئی۔ ایک انسان کامل اُٹھ گیا جو دُنیا کو انسان بنا رہا تھا اور درسِ انسانیّت بند ہوگیا۔

؎ وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

بے شک دارالعلوم دیوبند درس حدیث سے محروم ہوگیا اور جمعیۃ علماء ہند صدارت سے محروم ہوگئی۔ یہ سب کے سب ناقابل تلافی نقصانات ہیں لیکن پھر بھی دارالعلوم دیوبند کا درس حدیث جاری رہے گا اور جمعیۃ علماء ہند کا صدر بھی منتخب ہوجائے گا اور جماعتِ اہلِ حق کی قیادت بھی فی الجملہ ہوجائے گی۔ البتہ ہندوستان میں جو "درسِ انسانیّت" ہو رہا تھا اس کے جاری رہنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی یہ "سیادتِ عامہ" کسی کو نصیب ہوگی اور نہ درس انسانیت جاری ہوگا اور یہ ہندوستان کے لیے وہ نقصانِ عظیم ہے جس کی کوئی بھی تلافی اور مکافات نہیں ہوسکتی۔ اب وہ "جذبہ خدمت" کہاں سے آئے گا جو دوسروں کی خاطر اپنے کو بالکل قربان اور فنا کردے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں بھائی مولوی ظہیر الحسن شہید کی تعزیت میں کاندھلہ تشریف لائے تو ارشاد فرمایا: "ہمت و استقلال کے ساتھ ہندوستان میں جمے رہو۔ میرے مدینہ منورہ میں ذاتی مکانات بھی ہیں اور بھائی بھتیجے بھی مجھے ہندوستان رہنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں پھر بھی میں نے طے کرلیا ہے کہ ہندوستان نہیں چھوڑوں گا اس لیے کہ جو خدمت مخلوقِ خدا کی یہاں کرسکتا ہوں وہ مدینہ منورہ میں رہ کر نہیں ہوسکتی۔ اسی کشت و خون کے دوران میں بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی ملاقات کے لیے تشریف لائے تو حالات سے سخت متاثر تھے۔ غیظ و غضب چہرۂ مبارک سے عیاں تھا اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا کہ "میں نے تو ہندوستان میں مرنے کا فیصلہ کرلیا"، پھر وہ فیصلہ پورا کرکے دکھا دیا۔ ہندوستان میں جئے ہندوستانیوں

کے لیے اور بالآخر سب کو داغِ مفارقت دے کر سرزمین ہند کی آغوش میں جا سوئے۔ ایسی مقدس ہستیوں کا جینا اور مرنا، سونا اور جاگنا، ہنسنا اور بولنا سب رضائے الٰہی کے لیے دوسروں کی خاطر ہوتا ہے اپنی ذاتی حیثیت اور منفعت مفقود اور معدوم ہوتی ہے جب عشقِ خداوندی سینے میں ہر طرح سما جاتا ہے تو مخلوقِ خدا کے درد، عام بھی خواہی اور خیر خواہی اور ہر ایک کی ہمدردی اور خدمت گزاری کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے جو ہر مدح و ذم سے مستغنی اور بے نیاز کر دیتا ہے۔ میں نے حضرت مدنیؒ کی زبانی بارہا یہ مصرعہ سنا۔

ع عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا

یہ شعر بھی بارہا زبان مبارک سے سُنا ؎

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

ایک واقعہ سے آپ کو قدرے اس کا اندازہ ہوگا، ایک مرتبہ ایک مقام پر ایک عربی مدرسہ کے افتتاح کے لیے حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کو بلایا گیا۔ راقم الحروف ہمراہ تھا۔ دہلی سٹیشن پر جا کر معلوم ہوا کہ حضرت مدنیؒ بھی مدعو ہیں اور اسی گاڑی سے تشریف لے جا رہے ہیں چنانچہ دونوں بزرگ ساتھ ایک مقام پر پہنچے۔ داعیوں نے پرتپاک خیر مقدم کیا۔ جمعہ کا دن اور جمعہ کا وقت تھا۔ ریلوے سٹیشن سے اُتر کر سیدھے جامع مسجد پہنچے جہاں بعد نماز جلسہ تھا اور اسی مقام پر مدرسہ کا افتتاح تھا۔ نماز جمعہ سے قبل ایک بڑے میاں نے حضرت مدنیؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت یہاں پہلے سے ایک عربی مدرسہ موجود ہے جو مالی مشکلات کی وجہ سے نہیں چل رہا ہے۔ یہ لوگ اس کی مخالفت میں دوسرا مدرسہ جاری کر رہے ہیں دو مدرسے کس طرح چل سکیں گے۔ حضرت مدنیؒ نے تحقیق فرمایا تو بات سچ تھی چنانچہ حضرت مدنی نے بعد نماز ظہر جو تقریر فرمائی تو اس میں جدید مدرسہ کے افتتاح کی تردید فرمائی اور باہم اتفاق و اتحاد کے ساتھ قدیم مدرسہ کی ترقی میں کوشش کی ترغیب دی۔ حضرت کی تقریر کے بعد دیکھا تو اصل داعی غائب تھے میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ داعیوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں اور ریل کا وقت ہے بہتر ہے کہ سٹیشن تشریف لے چلیں ورنہ یہاں رات کو پریشان ہونا پڑے گا اور دوسری گاڑی علی الصبح ملے گی۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا، بلا میزبان کی اجازت کے کس طرح جا سکتے ہیں؟ دیر تک انتظار کے بعد ایک لڑکا آیا اور کہا کہ کھانے کو بلایا ہے ہم اس کے ساتھ ہو لیے، بارش ہو رہی تھی۔ راستہ کیچڑ کی وجہ سے ناقابل گزر تھا بمشکل دور دراز ایک مکان پر پہنچے وہاں بھی کوئی موجود نہ تھا۔ اسی لڑکے نے ایک بڑے پیالے میں گرم پانی (شوربا) جس میں نہ نمک تھا اور نہ مرچ اور چند سوکھی ہوئی موٹی روٹیاں لا کر سامنے رکھیں اور خود غائب ہو گیا۔ دونوں بزرگوں نے کھانا شروع کیا اور حضرت مدنیؒ نے ہنس کر فرمایا یہ روٹی ویسے نہیں کھائی جائے گی ٹکڑا منہ میں رکھ کر پانی سے نگل لو۔ یہاں پہلے بھی تبلیغی سلسلے میں آنا ہوا تھا اور کچھ لوگوں سے واقفیت تھی مگر اس وقت کوئی بھی نظر نہ آیا۔ تھوڑی دیر میں صاحب مکان آیا اور ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہا مجھے کیا خبر تھی کہ تم لوگ ہو مجھ سے تو یہ کہا گیا تھا کہ کانگریسی مولوی آئے ہوئے ہیں ان کی روٹی کرا دو، سو میں نے یہ بھجوا دیا۔" اور وہ روٹی سالن اٹھا کر لے گیا۔ فوراً چائے اور مختلف کھانے کی چیزیں لایا اور رات کو نہایت پر تکلف لذیذ کھانے کھلائے اور ہر طرح خاطر مدارات کی۔ میرا خیال تھا کہ حضرت مدنیؒ "کانگریسی مولوی" کے لفظ سے متاثر ہوں گے مگر اللہ رے عالی ظرفی نہ ان پر اس کا کچھ اثر تھا۔ اور نہ داعیوں کی بے پرواہی کی پروا۔ اسی انبساط و فرحت کے ساتھ مرغن کھانے کھائے نہ پہلے میزبانوں کو کچھ کہا اور نہ دوسرے میزبان کی دلداری میں کوئی کسر چھوڑی۔ یہ ہے بے نفسی اور بے غرضی اور خلوص و للّٰہیت کی کھلی مثال۔

ایک مرتبہ کھتولی میں تبلیغی جلسہ تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کی ہمرکابی میں کھتولی پہنچے۔ ریل سے اُتر کر معلوم ہوا کہ ہاتھی وغیرہ آئے ہیں اور سٹیشن سے جلوس کی شکل میں جانا ہوگا ہم نے یہ کہہ کر کہ یہ تبلیغی اصول کے خلاف ہے جلوس سے انکار کر دیا اور ایک معمولی یکہ میں بیٹھ کر سیدھے قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ دورانِ جلسہ معلوم ہوا کہ کانگریس کا بھی جلسہ ہے اور حضرت مدنیؒ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اس کی مخالفت میں یہ جلسہ کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے فوراً اپنی تقریر کو بند کر دیا اور فرمایا حضرت مدنیؒ تشریف لائے ہوئے ہیں سب صاحبان چل کر ان کی تقریر سنیں، اور اپنے جلسے کو بند کر کے اس مقام پر پہنچے جہاں کانگرس کا جلسہ ہو رہا تھا تو معلوم ہوا کہ حضرت مدنیؒ کو جب اس کا علم ہوا کہ تبلیغی جلسہ ہے اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب تقریر فرما رہے ہیں تو اپنی تقریر کو ختم کر دیا اور ان لوگوں کو تبلیغی جلسہ میں شرکت کی ہدایت فرما کر دیوبند روانہ ہو گئے۔ جلسہ نہ یہاں ہوا اور نہ وہاں ہوا دونوں بزرگ چل بسے مگر آنے والی نسلوں کے لیے اپنے خلوص و للّٰہیت کی ایک مثال قائم کر گئے۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کو جو قلبی تعلق حضرت مدنیؒ کے ساتھ تھا وہ بھی اپنی آپ ہی نظیر تھا فرمایا کرتے تھے اگر یہ تبلیغی کام کی رکاوٹ نہ ہوتی تو حضرت مدنیؒ سے بیعت کر لیتا اور ان کے کام میں شریک ہو جاتا اور اگر کسی وقت کسی وجہ سے یہ تبلیغی کام چھوٹ گیا تو پھر حضرت مدنیؒ کے ساتھ مل کر کام کروں گا اور اگر کسی وقت حضرت مدنیؒ سے کانگریسی کام چھوٹ گیا تو پھر وہ بھی وہی کام کریں گے جو میں کر رہا ہوں۔ فرمایا کرتے تھے کانگرس کی شرکت کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ حضرت مدنیؒ اس میں شریک ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب تو اپنی تبلیغی انہماک کے ساتھ واصل بحق ہوئے لیکن حضرت مدنیؒ نے کانگریس کے کام کو انجام تک پہنچانے کے بعد وہی کام شروع فرمایا جس کو حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کرنا چاہ رہے تھے جس کی تفصیل آئندہ معلوم ہو جائے گی۔

حضرت مدنیؒ کی کانگریس میں شمولیت اور سیاسی جلسوں کی شرکت کو عام طور پر ایک سیاسی سرگرمی خیال کیا جاتا ہے لیکن اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو یہ محض سیاسی سرگرمی نہ تھی بلکہ عشقِ خداوندی کا مظاہرہ تھا اور جہاد فی سبیل اللہ کا کارنامہ۔ آپ نے وادیٔ عشق میں قدم جمانے کے بعد نگاہ اٹھا کر دیکھا تو بارگاہِ خداوندی کا اصل باغی

برطانیہ کو پایا جو پوری فرعونیت اور شیطنت پر اُترا ہوا تھا اور ہر طرح سے مخلوق خدا کو "جادۂ حق" سے بھٹکا رہا تھا۔ پھر کیا تھا اس کی نفرت و عداوت جزر قلب میں اُتر گئی اور اس دشمنِ حق کی پائمالی پر اُتر آئے۔ برطانیہ سے یہ نفرت و عداوت محض اس لیے نہ تھی کہ وہ سفید فام غیر ملکی قوم ہے بلکہ اس کا اصلی منبع یہ تھا کہ انسانیت کی راہ میں سب سے بڑا سنگین پتھر برطانیہ کی ذات تھی جو کسی طرح مخلوق خدا کا خدا کی راہ پر چلنا گوارا نہ کرتی تھی۔ پس آپ نے ضروری سمجھا کہ اس آہنی دیوار کو جس طرح بھی ممکن ہو توڑا جائے اور انسانیت کی راہ کو ہموار اور کشادہ کیا جائے اور پورے ستائیس سال ہر اس طریق سے برطانیہ کے خلاف جہاد کیا جو ممکن نظر آیا۔ کانگریس کی سٹیج آپ کی دوربین نگاہوں میں محض ایک جلسہ گاہ نہ تھی بلکہ برطانیہ کے خلاف محاذ جنگ کا ایک زبردست مورچہ تھا جس پر وہ جم کر دشمن حق پر وار پر وار کر رہے تھے اور شکست پر شکست دے رہے تھے بالآخر فتح کامل ہوئی برطانوی اقتدار کا خاتمہ ہوا اور یہ آہنی دیوار پاش پاش ہوئی جب مقصد پورا ہو گیا تو حضرت مدنی کی وہ ساری سیاسی سرگرمیاں ختم ہو گئیں، اب نہ سیاسی جلسوں کی شرکت رہی اور نہ حکومت و وزارت کے کاموں سے کوئی خاص دلچسپی باقی رہی اور بالآخر وہ کام تیزی کے ساتھ شروع کر دیا گیا جس کے لیے اس آہنی دیوار کو توڑا گیا تھا اور برطانوی اقتدار کو ختم کیا گیا تھا اور پوری سرگرمی کے ساتھ انسانیت کا درس شروع فرما دیا۔ جاننے والے بخوبی جانتے ہیں کہ وہ حضرت مدنی جن کی کبھی کوئی مذہبی تقریر بھی سیاست اور برطانوی مخالفت سے خالی نہ ہوتی تھی۔ حصولِ آزادی کے بعد ان کی زبان مبارک سیاست سے بالکل ناآشنا ہو گئی اور ہر وعظ و تقریر کا لب لباب اور اصل خلاصہ صرف دو لفظ ہوتے تھے علمؑ اور ذکرؒ یعنی معرفت خداوندی اور تعلق خداوندی اور یہی وہ اہم امور ہیں جن پر ساری انسانیت منحصر اور موقوف ہے جن کو بتانے اور سمجھانے کے لیے انبیاء اور رسولوں کو بھیجا گیا اور انسانیت کی راہ دکھائی گئی۔ حضرت مدنیؒ نے یہ درسِ انسانیت کا کام جس انہماک اور سرگرمی کے ساتھ شروع فرمایا اس کے مقابلہ میں تمام سیاسی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ بڑھاپے اور ضعف کے باوجود دُور دور کے سفر اور ہزاروں لاکھوں ناواقفوں کو درس معرفت۔ ایک مرتبہ کاندھلہ تشریف لائے تو میں نے اپنا رسالہ دینِ خالص پیش کیا۔ فرمایا "دیکھنے کی بالکل فرصت نہیں۔ اسفار میں ملنے والے بالکل مہلت نہیں دیتے۔ دیوبند کے قیام میں اسباق کی مشغولی رہتی ہے۔ ڈیڑھ سو طالب علم ہیں ان میں سے نصف بھی ایک ایک سوال کرتا ہے تو بہت وقت صرف ہو جاتا ہے ہر ایک کا تسلی بخش جواب دینا پڑتا ہے۔ ڈاک دیکھنے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔ پانچ پانچ سو خطوط کا انبار لگ جاتا ہے۔ مدرسہ والوں سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے تعلیم سے سبکدوش کر دیں مگر وہ اس کو منظور نہیں فرماتے میں نے عرض کیا اگر مدرسہ والوں نے سبکدوش کر دیا تو حضرت کا سارا وقت سفر میں گذرے گا۔ ہنس کر فرمایا "میرے پیر میں ایک تل ہے جس کے یہ تل ہوتا ہے اس کے سفر بہت ہوتے ہیں" گویا مدرسہ کے اسباق سے سبکدوشی کی یہ درخواست بھی اپنے راحت و آرام کے لیے نہ تھی بلکہ محض اس لیے تھی کہ جہاں تک بھی ہو سکے اس "پیام انسانیت" کو پہنچا دیا جائے اگر دس بارہ سال بھی یہ درس انسانیت قائم رہتا تو دنیا کچھ سے کچھ ہو جاتی اور انسانیت کا جلوہ دکھائی دینے لگتا۔ افسوس یہ درس کا سلسلہ ایسا بند ہوا ہے کہ مستقبل قریب میں اس تیز رفتاری کے ساتھ اس کے جاری ہونے کی کوئی سبیل نہیں۔ کاش حضرت کے محبین اور متوسلین اس سلسلہ درس کو قائم رکھیں۔

ع مردے از غیب بیروں آید وکارے بکند

حضرت مدنیؒ سے آخری ملاقات گذشتہ سال ماہ جمادی الاولیٰ میں ہوئی۔ میں ایک عزیز کی تعزیت میں شیخوپورہ گیا ہوا تھا۔ واپسی بڑوت کو ہوئی۔ کاندھلہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ بڑوت میں آج جلسہ تھا۔ حضرت مدنی تشریف لائے ہوئے تھے اپنی اس بے خبری اور زیارت سے محرومی پر بے حد افسوس ہوا۔ ابھی چند روز پہلے میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں حضرت مدنیؒ کی شکل و صورت میں زیارت ہوئی تھی۔ اس سے حضرت مدنیؒ کی زیارت کا اشتیاق زیادہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ حضرت مدنیؒ کی واپسی کاندھلہ کو ہو گی اور شب میں قیام ہو گا یہ سن کر طبیعت باغ باغ ہو گئی چنانچہ حضرت مغرب کے بعد تشریف لے آئے۔ میں نے حضرت کے مزاج اور طبیعت کی واقفیت کے باوجود فرطِ اشتیاق میں حضرت کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ حضرت نے ایسی طرح ہاتھ کو کھینچا کہ حضرتؒ اور میں دونوں گرتے گرتے بچ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے معذرت چاہی تو ارشاد فرمایا۔ بہت سے خلاف شرع اور خلاف سنت امور رائج ہو رہے ہیں ان میں ایک خلافِ سنت کام کا اضافہ کیوں کیا جائے۔ میں نے اس واقعہ کو اس لیے نقل کیا تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ حضرت مدنی قدس سرہٗ کا اصل جذبہ خلاف شرع اور خلافِ سنت امور کے ساتھ جہاد تھا اور حضرت چاہتے تھے کہ تمام خلافِ شریعت اور خلافِ سنت امور کو روئے زمین سے نیست و نابود کر دیں اس لیے کہ یہی وہ اصلی کانٹے ہیں جو انسانیت کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ اپنی بیماری اور معذوری کی وجہ سے پھر حضرت کی زیارت سے محرومی رہی۔ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آخرت میں ملائے۔

یہ چند بے ربط باتیں اس توقع میں لکھ دی کہ شاید ان کے طفیل میں میرا بھی حضرت مدنیؒ کے محبین میں شمار ہو جائے جو میرے لیے سعادت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ ہے

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ط

محمد احتشام الحسن۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر۔ ۳۰ر دسمبر ۱۹۵۷ء

چل بسا!

مردِ عالی مردِ ذیشاں چل بسا || تھا جو انسانوں میں انساں چل بسا
واقفِ سرِ حدیثِ مصطفٰے || محرمِ اسرارِ قرآں چل بسا
وہ حسین احمد کہ جانِ اتّقا || کعبۂ دل قبلۂ جاں چل بسا

(خان عبدالجلیل خان خلیل)

حضرت شیخ کی ذات اقدس یا ان کی سیرت پر قلم اٹھاتے ہوئے مجھے اپنی علمی کم مائیگی بلکہ بے مائیگی کا شدید احساس ہوتا ہے کیونکہ میری حیثیت ان کے عقیدت مندوں کی صف میں اس بڑھیا کی سی ہے جو مصر کے بازار میں حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری کے لیے کچے سوت کی اٹیالے کر گئی تھی۔

ذہن میں پُرانی یادوں کے کچھ اوراق پلٹنے پر خیال آتا ہے کہ میں نے سب سے پہلے حضرتؒ کو ۱۹۴۲ء میں دیکھا تھا شملہ کانفرنس ناکام ہو چکی تھی، ملک میں سیاسی اختلافات اور افراتفری نقطہ عروج پر تھی کہ مجالس آئین ساز کے انتخابات کا اعلان ہوا سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے مخصوص پرجوش نعروں اور احساس قومی کے بلند بانگ دعووں کے ساتھ میدان میں آگئیں مگر اصل مقابلہ تھا مسلم لیگ اور کانگرس میں۔ ایک طرف ملک کے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ مسلم لیگ اور پاکستان کے نظریات سے متاثر ہو چکا تھا اور دوسری طرف نیشنلسٹ مسلم جماعتیں جن کی رہنمائی جمعیۃ علمائے ہند کر رہی تھی، کانگریس کے دوش بدوش تھیں۔ راقم الحروف اس زمانہ میں بچہ ہی تھا۔ تیرہ۱۳ چودہ۱۴ سال کی عمر۔ لڑکپن کا زمانہ — مگر دل کی گہرائیوں میں قومی ہمدردی کے جذبات پوری طرح موجزن تھے اور اپنی جذباتی طبیعت کی بنا پر مسلم لیگی نعروں سے متاثر ہونے کے باوجود آزادی وطن کی اتنی ہی بے پایاں آرزو رکھتا تھا جتنی کہ کسی کٹر سے کٹر کانگریسی کے دل میں ہوگی۔

یہ غالباً ۴۵ء کا آخر یا ۱۹۴۶ء کا شروع زمانہ تھا کہ مراد آباد میں حضرت شیخ الاسلام کے ورودِ مسعود کا اعلان کیا گیا۔ چند بے تکلف احباب کے ہمراہ مجھے بھی یہ جلوس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ امروہہ گیٹ کے بازار میں جب یہ شاندار جلوس آیا تو ہندو مسلمانوں کے مکانات اور دکانوں سے (زیادہ تر ہندوؤں کی آبادی ہے) مسلسل پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔ نیز جلوس کے ہمراہ ہزارہا آدمی "نعرہ تکبیر" "انگریز نکل جاؤ" اور "انقلاب زندہ باد" کے پرجوش نعروں سے بام و در لرز رہے تھے۔ میں اس نظارے سے بڑا متاثر ہوا، اگرچہ نظریات میں کوئی تبدیلی فوری طور پر نہ ہو سکی اگلے دن اپنے سکول کے ساتھیوں میں یہ خبر سنی کہ مولانا نے ایک جنازے کی نماز کے وقت سخت ناراضگی کا اظہار کیا کیونکہ کفن کھدر کا نہیں تھا۔ دیگر ساتھیوں کی طرح میں نے بھی اسے بے حد مضحکہ خیز سمجھا مگر اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دل میں حب الوطنی کے کس قدر غیر فانی جذبات موجزن تھے اور وہ مسلمانان ہند کو صبر و برداشت، سادگی و ایثار اور شجاعت و قربانی کے کس بلند مقام پر دیکھنے کے آرزومند تھے۔

اس کے بعد کئی مرتبہ رام پور اور امروہہ میں آپ کے مواعظِ حسنہ سننے کا اتفاق ہوا مگر ۱۹۴۷ء کے بعد سے چونکہ سیاسی ہنگامہ آرائی سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اس لیے اپنی تقریروں میں مسلمانانِ ہند کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی تلقین فرماتے تھے۔ ایک بار حضرت مولانا امروہہ تشریف فرما ہوئے۔ جامع مسجد میں نماز جمعہ کی امامت فرمائی۔ (راقم کو بھی اس میں شرکت کا فخر حاصل ہے) نماز کے بعد تقریر کا بھی پروگرام تھا، چنانچہ ایک اونچے تخت پر کرسی رکھ کر اس پر نہایت قیمتی مخملی غالیچہ (پوشش) ڈال دیا گیا تھا۔ مگر تقریر کا وقت آیا تو شاہی میں فقیری کرنے والے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بوریہ نشین اور جہاد پیشہ غلام نے نفیس مخملی قالین پر بیٹھنا گوارا نہ کیا اور اسے کرسی سے ہٹا کر نیچے ڈال دیا۔ بظاہر نہایت معمولی بات ہے مگر در اصل مجاہدانہ کردار کی کتنی بڑی مظہر۔

تیرا کردارِ حسیں آئینہ اُمّ الکتاب

(از جناب ابوالحسن صاحب شہید بارہ بنکوی)

اے حسین احمد سپہرِ ارتقاء کے آفتاب
تشنگانِ علمِ دیں کے واسطے رشکِ سحاب

تیری تابندہ جبیں تھی شرحِ حکمِ "واسجدوا"
تیرا کردارِ حسیں آئینہ ام الکتاب

جو تھا اگلے کے لئے صد نازش و صد افتخار
اور پچھلوں میں نگاہِ "سابقین" کا انتخاب

تیرا دل گہوارۂ حُبِّ خدا حُبِّ رسول
زندگی تیری رموزِ عشق کا لُبِّ لباب

عمر صہائے خدمتِ احیائے دیں میں کامگار
اور میدانِ جہادِ حریت میں کامیاب

اپنے ہر اقدام مستحسن سے تو کرتا رہا
عمر بھر تشریحِ اقوالِ رسولِ مستطاب

اور اب کنجِ لحد میں جبکہ گوشہ گیر ہے
آیۂ "منہا خلقناکم" کی اک تفسیر ہے

حقیقت یہ ہے کہ حضرتؒ کے قلب و دماغ میں اسلامی غیرت اور انسانی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ قومی جذبات اور حریت پسندانہ خیالات رگ رگ میں رچے ہوئے تھے۔ ضعیفی اور کمزوری کے باوجود ان کی ہمت مردانہ اور قومی احساس نے انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ خدمت وطن اور اشاعتِ دین کا جذبہ انہیں سیماب کی طرح لیے پھرتا رہا۔ اور اس راہ کی تمام مشکلیں ان کے لیے سہل تھیں، آزادی وطن کی جدوجہد کے لیے نہ انہیں عزت کا خیال تھا نہ راحت کا، نہ عزیزوں کی پروا تھی نہ مال و دولت پیارا تھا۔ انھوں نے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے اپنی ان دشوار گزار اور پر خطر راہوں میں طعن و تشنیع کے تیر بھی کھائے، سب و شتم کی بوچھار بھی برداشت کی، گالیوں اور لغو بیانیوں کے طوفان بھی سہے بلکہ اس سے زیادہ سنا اور دیکھا، مگر ان کی زبان اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہ رہی وہ ببانگ دہل اپنے نظریات کا اعلان کرتے رہے انہوں نے اس دور ابتلاء اور قحط الرجال میں زمانہ ماسبق کے مجاہد صفت علماء اور صوفیائے کرام کی یاد تازہ کردی۔

گذشتہ سال حکومت ہند نے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر "پدم بھوشن" کے معزز خطاب سے نوازا مگر خم کدۂ حجاز کے متوالوں کو دنیاوی نام و نمود اور اعزاز و اکرام کی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ حضرتؒ نے صدر جمہوریہ کو شکریہ کے ساتھ خطاب واپس کرتے ہوئے لکھا کہ خطاب عوام سے رابطہ اور تعلقات کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ نیز یہ میرے پیش رو اسلاف کرام کے مسلک اور روایات کے خلاف ہے۔

حضرت شیخ کی سیاسی بصیرت اور سوجھ بوجھ کا ایک اور کمال بھی میں نے دیکھا تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوا کہ عم محترم حکیم سید حسن مثنیٰ صاحب نے مجھے "مکتوبات شیخ الاسلام" ایک جلد دیا (یاد نہیں کہ پہلی تھی یا دوسری)، میں ایک مکتوب دکھا کر فرمایا کہ "نہ جانے حضرت کو الہام ہو گیا تھا یا یہ ان کی سیاسی بصیرت کا کمال ہے"۔ مکتوب تقسیم وطن سے کہیں پہلے کا لکھا ہوا تھا۔ میں نے پڑھا حضرت والاؒ نے پاکستان کے نقص بتاتے ہوئے آئندہ کے خطرات اور حالات کی طرف اشارہ فرمایا تھا، پاکستان میں حکومت کی موجودہ افراتفری، استبدادی طاقتوں کی غلامی، اقتصادی بدحالی اور اسلامی اقدار کی تذلیل پر اس طرح روشنی ڈالی تھی کہ ہو بہو وہی سب کچھ آج موجود ہے۔

افسوس آج فرزندانِ توحید کو درسِ عمل دینے والا راہنما ہمارے درمیان میں نہیں ہے، ہماری جنگ آزادی کا مجاہد اعظم نظروں سے اوجھل ہے مگر "نقش حیات" (خود نوشت سوانح) کی صورت میں اس کا نقشِ پا ہمارے لیے مشعل راہ ہے، اس کی روح مقدس پکار پکار کر آج بھی ہمیں درسِ حیات دے رہی ہے۔ اور ہمیں جادۂ عمل پر گامزن دیکھنے کی متمنی ہے۔

ہم بدنصیب مسلمانانِ ہند جو زندگی میں اس کی حق و صداقت میں ڈوبی ہوئی پکار نہ سن کر مبتلائے ستم ہوئے، کیا اب بھی غفلت اور بے ہوشی کے پردے نہ اٹھائیں گے؟

العارف باللہ، مجاہد امت، محدثِ وقت شیخ العصر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مقدسہ کے اتنے مختلف گوشے ہیں کہ ہر ایک گوشہ مستقل مضمون و مقالہ کا محتاج ہے اور باوجود اس کے نہ حق ادا ہوگا نہ آئندہ نسلیں اس کا یقین کرسکتی ہیں کہ واقعی اس پُرفتن دور میں کوئی ایسی فوق العادۃ ہستی تھی مسلمانوں کے زوال و ادبار کے دور میں اخلاق کی پستی کے عہد میں اخلاق کے فقدان کے زمانہ میں ایسی محیر العقول جامع کمالات شخصیت کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا۔ شاعری اور مبالغہ آمیزی کے دور میں حقائق و واقعات کی صحیح ترجمانی بہت مشکل ہے۔ عام طور سے یہ ایک عادت بن گئی ہے کہ مضمون نگار اس انداز سے قلم اٹھاتا ہے کہ پڑھنے والا سب سے پہلے صاحبِ مضمون کے کمالات فصاحت و بلاغت کا معترف ہو اور سب سے پہلے وہ خراجِ تحسین حاصل کرے، ظاہر ہے کہ شاعری کے اس دور میں کسی حقیقت کے چہرہ سے نقاب کشائی کیسی ہو سکتی ہے۔ غیر ذمہ دارانہ مبالغہ آمیزیوں سے اس دور میں حقائق اتنے مشتبہ ہو گئے ہیں کہ حقیقت کی سراغ رسانی اس زمانہ کے نقالات و تاریخوں میں عنقا ہو گئی ہے۔ اس زمانہ کی تاریخ کیا ہے مصنف کے مخصوص زاویہ نگاہ سے ایک حقیقت کے چہرہ پر مبالغہ آمیزی کا ایک اتنا انبار لگ جاتا ہے کہ اس کا شانا اور واقعیت تک پہنچنا ہر شخص کا کام نہیں۔ حضرت کے سوانح نگار بہت کچھ لکھیں گے اور عقیدت مند بہت کچھ لکھ چکے ہیں لیکن جو کمال کسی کو خود حاصل نہ ہو اس کا صحیح

ادراک کیونکر ہو گا اور جب حقیقت تک رسائی نہ ہو اوروں کو کیا سمجھا جائے گا۔ مثلاً حضرت مرحوم کی باطنی نسبت اور تعلق مع اللہ کی کیفیت جسے خود یہ سعادت اس درجہ کی حاصل نہ ہو اس کی ترجمانی کیا کرے گا۔ محمد بن یحیٰی نیشاپوری کا مشہور مقولہ

لا یعرف قدر الغزالی من جاء بعد الغزالی

اور صاحب طبقات شافعیہ تاج الدین سبکی نے اسپر اضافہ کیا ہے اِلاَّ اَنْ یَکُوْنَ مثل الغزالی او فوق الغزالی اسی حکیمانہ مقولہ کی روشنی میں بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت رح کا ادراک نسبت و ادراک کمالات حقیقت نہ ہم جیسے عقیدت مندوں کا منصب ہے نہ مریدین و تلامذہ کے دائرہ علم میں ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ کی باطنی نسبت کا حق تو حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو یا حضرت قطب عصر مولانا رشید احمد گنگوہی کو پہنچتا ہے کہ وہ بیان فرماتے۔ مولانا شبلی مرحوم نے مولانا روم کے سوانح حیات میں جب ان کے باطنی کمالات و تصوف و معرفت پر لکھنے کا ارادہ کیا تو صاف اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ "میں اس کوچہ سے بالکل نابلد ہوں"۔ انبیاء کے حقائق و کمالات کا ادراک اولیاء نہیں کر سکتے اولیاء کے مدارج کا انکشاف غیر اولیاء کو نہیں ہو سکتا۔ ہم کچھ بھی لکھیں نہ حقیقت تک رسائی نہ حق ادا ہونے کا امکان ع

"حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

قدرت نے حضرت علیہ الرحمۃ میں ایسے مختلف الانواع کمالات رکھے تھے اور ایسے اضداد جمع کئے تھے کہ حقیقت افسانہ معلوم ہوتی ہے۔ اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ اب سے ٹھیک بیس برس قبل جامعہ ازہر قاہرہ کی طرف سے علماء ازہر کا ایک وفد ہندوستان کے علمی اداروں کے معائنہ اور علمی روابط پیدا کرنے آیا تھا۔ وفد کے رئیس الشیخ ابراہیم الجبالی تھے جو ممتاز عالم تھے اور نہایت ذکی اور بے مثل خطیب تھے شیخ جبالی اپنے رفقاء الاستاذ عبدالوہاب النجار اور الشیخ احمد العدوی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند بھی پہنچے۔ یہ وہ دور تھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رح دارالعلوم کے صدر تھے اور حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ ایک ماہ کی رخصت پر تھے اور ہندوستان کا دورہ کر رہے تھے۔ اس زمانے میں سیاسی معرکہ آرائی کا بازار گرم تھا۔ مسلم لیگ کی مخالفت یا موافقت کفر سے کم جرم نہ تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا عثمانی رح نے ان کے شایان شان استقبال کیا۔ حضرت مولانا مدنی رح کو بھی اپنا دورہ ملتوی کرنے کے لئے تار دیا کہ وہ تشریف لائیں لیکن حضرت نے اپنے دورہ کو جاری رکھنا ضروری سمجھا اور حاضری کے لئے معذرت پیش کی۔ اس وجہ سے شیخ جبالی مرحوم کی ملاقات حضرت علیہ الرحمۃ سے نہ ہو سکی۔ میں اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تھا اور اسی زمانہ میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے بمعیت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری ایک علمی خدمت کے سلسلہ میں مصر کا سفر پیش آیا۔ قاہرہ پہنچے تو شیخ جبالی سے ملاقات ہوئی۔ بیحد اکرام سے پیش آئے اور پر تکلف دعوت طعام سے تواضع کی ملاقات کے دوران میں نے چند مشاہیر کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی اور پھر حضرت مولانا مدنی رح کے بارے میں دریافت کیا کہ حضرت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ میری ملاقات خود براہ راست موصوف سے نہ ہو سکی تاکہ میں خود کوئی رائے قائم کرتا لیکن ان کے مخالفین اور ان کے معتقدین دونوں سے ایسے متضاد بیان سنے ہیں کہ ان بیانات کے پیش نظر یہ رائے قائم کی ہے ھوا ما ملک واما شیطان۔ پھر فرمایا کہ تم فیصلہ کرو کہ دونوں میں کون سا فیصلہ صحیح ہے۔ میں نے عرض کیا۔ نعم ھو ملک (جی ہاں وہ فرشتہ تھے) اس تنقید و تبصرہ کی حقیقت سمجھانے کے لئے مجھے اہم

تاثرات

فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
فاضل دیوبند و متعلم الصف العربی بدار العلوم

کیا ہوا اندھیرا کیوں چھایا ہوا ہے ہر طرف
آج دنیا کی وہ رونق اور بہجت کیا ہوئی

کیوں نظر آتا ہے ہر انسان آج افسردہ دل
سب کے چہرہ کی خوشی سب کی مسرت کیا ہوئی

شمع کیوں آنسو بہاتی ہے یہ اس کو کیا ہوا
اسکے چہرے کی دمک اسکی اضاءت کیا ہوئی

کیوں پڑی جاتی ہے دھیمی آج سورج کی چمک
اسکی تیزی، اسکی حدت اور تمازت کیا ہوئی

بلبل جادو بیاں خاموش کیوں بیٹھی ہے آج
کیا ہوا اس کا ترنم اس کی چاہت کیا ہوئی

سوچتا تھا میں ہوا احساس دل کو دفعتاً
سارا عالم مرگیا حضرت کی رحلت کیا ہوئی

ہائے وہ علم نبوت کا محافظ کیا ہوا
وہ محدث کیا ہوا، تصویر حکمت کیا ہوئی

حدیث ابو عمر ابن عبدالبر مالکی قرطبی کی ایک بات یاد آئی۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی نے ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ مالک الشافعی کے مناقب و حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "الانتقاء فی الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء" فرماتے ہیں کہ کسی انسان کے باکمال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے موافق و مخالف دونوں انتہا تک پہنچیں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی مثال حضرت علی جیسی ہے۔ ھَلَکَ فِیْہِ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مفرطٌ و مُبْغِضٌ مفرطٌ جن میں دونوں گروہ ہلاک ہوئے یعنی حق سے بعید ہوئے محبت میں غلو کرنے والے (جیسے شیعہ) اور بغض میں انتہا کرنے والے (جیسے خوارج) اس تاریخی حقیقت کے پیش نظر حضرت علیہ الرحمۃ کی جامعیت و کمالات کے پیش نظر مختصر و بلیغ جملہ رہنمائی کرتا ہے۔ اس لئے میں جب حضرت علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی کا تصور کرتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ کیا لکھوں۔ نہ دماغ و ادراک کی اتنی بساط ہے نہ قلم میں اتنا زور ہے نہ فرصت میں اتنی گنجائش ہے وہ کیا تھے۔ انسانیت کے زوال کے دور میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نمونہ تھے۔ وہ کیا تھے اللہ تعالیٰ کی رحمت تھے جو ہم سے چھن گئی وہ علم و تقویٰ و اخلاق کے ایک پیکر تھے جن کی نظیر صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ خانقاہ و مدرسہ و سیاسی کمالات کے دو آبہ نہیں سہ آبہ تھے جن کی مثال قرون متاخرہ میں دنیا کے کسی گوشے میں ڈھونڈھے بھی نہیں ملتی۔ حضرت مولانا محمد عزیر صاحب (عزیز گل) کو میں نے نامۂ تعزیت لکھا تھا۔ رفقاء مالٹہ سب سے زیادہ تعزیت کے مستحق تھے۔ موصوف نے جو جواب لکھا ہے اس کے چند کلمات نقل کرتا ہوں جو اختصار کے ساتھ نہایت جامع و بلیغ ہیں، فرماتے ہیں "مرحوم کے اوصاف ذکر کے صبر کو متزلزل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مرحوم کیا تھے اسی کے بنائے ہوئے تھے اور رحمت تھے۔ اب دیکھئے پس ماندگان کے لئے کیا بند و بست ہوتا ہے۔ وہ قادر ہے سب کچھ کر سکتا ہے۔ دین کے ہر شعبہ میں خلا واقع ہو گیا"

دارالعلوم دیوبند میں ایک مرتبہ طلبہ اور بستی والوں میں فساد کی صورت پیدا ہو گئی۔ طلبہ مظلوم تھے۔ اس لئے ان کو انتقام کی فکر تھی۔ جذبات اتنے مشتعل تھے کہ ان پر قابو پانا طاقت سے باہر تھا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ کی صدارت میں اساتذہ و طلبہ کا ایک اجتماع ہوا۔ اس موقع پر حضرت نے ایک تقریر فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت صرف خطابت کی حیثیت سے ایسے ممتاز خطیب نہ تھے کہ صرف زورِ خطابت سے مجمع پر قابو پاتے لیکن قدرت نے جو روحانی طاقت دی تھی ایسے موقع پر جو اس کا ظہور ہوا اور جس موثر انداز میں تقریر فرمائی آج پندرہ سال بعد بھی اس کی آواز میری سامعہ میں گونج رہی ہے۔ موضوع تقریر یہ تھا کہ مظلوم بننا کتنا مفید ہے اور انتقام اگرچہ برحق ہو اس حق کو چھوڑنا اللہ تعالیٰ کی کن رحمتوں کا ذریعہ بنتا ہے میں نے وسیوں تقریریں حضرت کی سنی تھیں لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ مشکل ترین وقت میں جہاں لوگوں کے حوصلے ختم ہو چکے تھے ایسی موثر ترین تقریر فرمائی، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آگ پر آسمان سے پانی برس رہا ہے۔ ایک گھنٹہ کی تقریر میں سارے مشتعل جذبات ایسے سرد پڑ گئے کہ گویا ایک شیطانی طلسم تھا۔ فرشتوں کے ظہور سے ایک آن میں ٹوٹ گیا ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت علیہ الرحمۃ کی تقریر کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا۔ بھائیو! "اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میرے علم میں بسیط ارض پر شریعت و طریقت و حقیقت کا حضرت مولانا مدنی سے بڑا کوئی عالم موجود نہیں"۔ غالباً الفاظ یہی تھے یا اس کے قریب۔ جب وقت کے بڑے محقق و اہل کمال حضرت علیہ الرحمۃ کو اپنی خصوصیات و کمالات میں آیۃ من آیات اللہ اور حجۃ اللہ علی الخلق سمجھے تھے۔ میری بساط ہی کیا ہے کہ کچھ کہا جا سکے۔ بہر حال اتنا کہہ سکتا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند کی مسندِ صدارت پر تقریباً ایک صدی سے جس قوی النسبۃ عارفین محدث جلوہ افروز تھے۔ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ اس کی آخری شخصیت تھے۔ اکابرِ دیوبند کے قافلے کے آخری مسافر تھے جو دنیا سے چل بسے۔ انا للہ۔ حضرت کا وجود ہندوستان کے اہل علم اور اہل اسلام کے لئے عالمِ اسباب میں آخری سہارا تھے۔ جو نہیں رہا۔ حضرت شاہ ولی اللہ اگر چلے گئے تو شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ اسمٰعیل شہید جیسے خلف چھوڑ گئے۔ اگر حضرت مولانا قاسم صاحب گئے تو حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند ایسی ہستیاں جگہ پر کرنے کے لئے زندہ تھیں۔ حضرت شیخ الہند گئے تو حضرت تھانوی حضرت مدنی حضرت مولانا انور شاہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جیسے حضرات جانشین موجود تھے لیکن آہ حضرت مدنی علیہ الرحمۃ ایسی حالت میں امت کو چھوڑ گئے کہ ان کے کمالات میں کسی ایک کمال میں ان کا کسی درجہ میں جانشین نظر نہیں آتا۔ یہی وہ چیز ہے جو امتِ اسلامیہ کے لئے صبر آزما حالت ہے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ کو حجاج نے جب شہید کیا تھا تو خواب میں حجاج کو کسی نے دیکھا تھا کہا کہ ہر شہید کے قتل کے عوض مجھے ایک ایک مرتبہ قتل کیا گیا لیکن سعید بن جبیر کے قتل پر مجھے ستر مرتبہ قتل کیا گیا۔ امام احمد بن حنبل سے کسی نے سوال کیا کہ حجاج نے تو صحابہ کو بھی قتل کیا تھا اور سعید بن جبیر تو تابعی تھے؟ یعنی اس فضیلت کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ حجاج نے سعید بن جبیر کو ایسے زمانہ میں قتل کیا کہ روئے زمین پر ایسا کوئی نہ تھا جو سعید بن جبیر کے علم کا محتاج نہ ہو۔ درحقیقت ہندوستان کے مسلمان اور اہل علم خانقاہ و مدرسہ والے آج یتیم ہو گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اغفرلہ اللھم ارحمہ اللّٰھم ارفع درجاتہ آمین۔

عَالمِ بے بَدل

عالم بے بدل حسین احمد — عارف رازِ دین و شرع مبیں
چھوڑ کر اس جہانِ فانی کو — ہو گئے وہ مقیم خلد بریں

مولانا سید حمید الدین صاحب گلاوٹھی بلند شہر

یہ ہندوستان کے مشہور کمیونسٹ لیڈر ڈاکٹر محمد اشرف صاحب کا مضمون ہے مضمون کی اہمیت مطالعہ سے معلوم ہوگی۔ ہمیں اس کے چند گوشوں سے نظریاتی طور پر اختلاف ہے مگر صحافتی دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ مضمون کو بجنسہٖ شائع کیا جائے کسی ایک لفظ کا بھی رد و بدل نہ کیا جائے اور ڈاکٹر صاحب کی تاکید بھی یہی ہے۔ (ادارہ)

کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک راسخ العقیدہ کمیونسٹ ایک حنفی المذہب عالم دین کے بارے میں لکھے اور پھر عالم دین بھی حضرت مولانا حسین احمد جیسے مرتبہ کا جو بیک وقت دارالعلوم دیوبند جیسی بلند پایہ درسگاہ کا شیخ الحدیث اور ہندوستان کی جدوجہد آزادی کا ممتاز رہنما رہا ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ کمیونسٹ بھی اسی مخصوص دور کی پیداوار ہیں جس میں علمائے دین محراب و منبر کو چھوڑ کر دار و رسن کا سبق دہراتے ہیں اور اس اعتبار سے بقول غالب کعبہ سے ان بتوں کو بھی دور کی نسبت ہو جاتی ہے۔

اتفاق یہ کہ میری دیوبند اور حضرت مولانا حسین احمد سے یہ نسبت دور کی نہیں بلکہ قریب کی ہے مگر اس کی تشریح کے لئے مجھے خود اپنے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ کہنا پڑے گا۔

میری عمر غالباً ۱۲ برس کے قریب ہوگی کہ مراد آباد مسلم اسکول کے ایک استاد مسمٰی اصطفا کریم نے مجھے کلام پاک کا درس دینا شروع کیا۔ ابتدا پارہ عم یا سورہ بقرہ سے نہیں بلکہ سورۂ صف اور سورۂ جمعہ سے ہوئی اور درس کا منشا محض اس قدر تھا کہ میں جہاد کی تعلیم اور جدوجہد آزادی کے سلسلے میں اپنے فرائض سے باخبر ہو جاؤں۔ اسی مقصد کے لئے تھوڑے دن بعد ایک خفیہ جماعت حزب اللہ کے نام سے بنی اور میں نے اس میں شریک ہو کر جہاد کا حلف لیا۔ اب مجھے پتہ چلا کہ اصطفا کریم صاحب نے علی گڑھ سے بی اے پاس کرنے کے بعد نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں مولانا عبیداللہ صاحب سے تفسیر قرآن کا درس لیا تھا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کی سیاسی تحریک سے وابستہ ہیں۔ یوں سمجھئے کہ حضرت مولانا حسین احمد سے بھی میرا بالواسطہ غائبانہ تعارف ہو گیا۔ بالآخر جنگ عظیم کے بعد حضرت مولانا محمود حسن مالٹا سے ہندوستان واپس آئے اور جب تحریک ترک موالات کی ابتدا میں جامعہ ملیہ کی بنیاد ڈالنے کے لئے علی گڑھ کالج وارد ہوئے تو میں ان کی خدمت میں حاضر رہا۔ اس کے بعد جامعہ کی زندگی میں مجھے خواجہ عبدالحئی کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا جو اصطفا کریم صاحب کی طرح مولانا عبیداللہ کے شاگرد رہے تھے۔ واقعہ یہ بھی ہے کہ خواجہ صاحب کی تفسیر قرآن کی ترتیب و اشاعت بھی میرے ذمہ تھی۔ ۲۷ء میں وکالت کے خیال سے جب میں اپنے راجپوت عزیزوں کے پاس ضلع مظفر نگر پہنچا تو مجھے حضرت مولانا حسین احمد کے بعض عقیدتمندوں سے مولانا کی زندگی کے حالات معلوم ہوئے۔ شائد کم لوگوں کو اس کا علم ہوگا کہ مرحوم نے بچپن سے ہی جہاد کی تیاری شروع کر دی تھی اور نوجوانی میں ان کا معمول تھا کہ مئی جون کی تپتی دھوپ میں گھنٹوں ریت یا پتھر کے فرش پر چلا کرتے تھے اور جاڑوں کی کڑاکے کی سردی میں نیم برہنہ بیٹھے رہتے تھے۔ بعض دوستوں نے جب اس لاابالی پن کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ آئندہ جیلوں میں اس سے زیادہ سختیاں بھگتنی پڑیں گی۔ غرضکہ مجھے مولانا مرحوم کے خصائل کا علم ہو گیا مگر ابھی تک ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوا تھا

۳۶ء میں جب میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ممبر اور صوبہ متحدہ کانگریس کی مجلس عاملہ کا رکن منتخب ہوا تو مولانا حسین احمد کو ایک رفیق کار اور ساتھی کی حیثیت سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ مسلمانان ہند کی زندگی میں اس سے زیادہ صبر آزما دن کم آئے ہوں گے جب علمائے دین اور اعلانیہ بدعقیدہ قائدین اصغر و اعظم علمائے دین کے احتساب کے لئے متعین ہو گئے تھے اور مسلم لیگ کے دفتر سے اسلام کی سند تقسیم ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ وہ بزرگ جو برطانوی اقتدار مٹانے کے لئے کانگریس میں شریک ہوئے تھے اب مسلم لیگی رہنماؤں کی نگاہ میں غدار اور مجرم قرار پائے ہم جیسے نام نہاد مسلمانوں کو اس قسم کے طعن و تشنیع سے واسطہ ذرا کم پڑتا تھا۔ (گو کہ کانگریس کے رابطہ عوام کے سیکرٹری کی حیثیت سے میرے اوپر یہ بھی فرد جرم جناح صاحب کی سرکار سے قائم ہو چکی تھی) مگر حسین احمد کا جگر دیکھئے کہ آئے دن ان ابوجہلوں کے ہاتھوں اذیتیں اٹھاتے تھے مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس آزمودہ کار مجاہد کے پائے ثبات میں لغزش آئے۔ مجھے حضرت مولانا کے ساتھ صوبوں کے ضمنی انتخابوں میں کام کرنے کا موقع ملا جب مسلم لیگی حضرات کی نگاہ میں ایمان سے زیادہ ووٹ کی قیمت تھی اور ہمارے باہمی اختلافات مباحثہ مناظرہ یا مجادلہ سے بڑھ کر کبھی کبھی مقاتلہ کی منزل تک پہنچ جاتے تھے۔ چنانچہ بسا اوقات مسلم لیگی "مجاہدوں" کے حلقوں میں

حضرت مولانا کے قتل کے منصوبے بھی بنائے گئے اور حافظ ابراہیم کے انتخاب میں کئی عزیز مسلم لیگ کے ہاتھوں زخمی ہوئے مگر حسین احمد کی زبان سے کبھی اُف نہ نکلی اور اس نے ان حضرات کے حق میں صرف ہدایت کے لئے خدا سے دعائیں مانگیں مجھے آزمائش کی ان گھڑیوں میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا عزم و استقلال ان کا سکون و صبر ان کا بے مثال تحمل ہمیشہ یاد رہے گا۔ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اب تک ہم نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا حال صرف کتابوں میں پڑھا تھا۔ اب بلال و عمار کے نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھے حضرت مولانا کے ساتھ رہنے کا اتفاق البتہ مجھے اب تک نصیب نہ ہوا تھا۔

۱۹۴۶ء میں یہ خوش نصیبی بھی میسر ہوئی ہوا یہ کہ جب مسلم لیگ نے پاکستان کا نعرہ لگایا اور مسلمان عوام کا عام رجحان مسلم لیگ کی طرف ہو گیا ـــــــــ

ـــــــــ تو کمیونسٹ پارٹی کو اس سوال کی نوعیت اور اس کے تاریخی پس منظر پر سوچنا پڑا اور مجھے اس کام پر مقرر کیا گیا کہ اس کے بارے میں ایک رپورٹ پیش کروں میں اس مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں دیوبند میں حاضر ہوا بلکہ مولانا کی دعوت پر خود ان کے مہمان خانہ میں فروکش ہو گیا۔ محراب و منبر کے جلوے تو میں نے اس سے پہلے بھی دیکھے تھے "خلوت" کے مطالعہ کا موقعہ اب ملا۔ جنگ عظیم کے بعد اشیاء کی گرانی مولانا کی قلیل آمدنی، بلیک مارکیٹ کا زور مگر اس سے حضرت مولانا کی مہمان نوازی میں کیا فرق آ سکتا تھا۔ اور جب مجھ جیسے نسبتاً انجان اور بے دین کو مولانا نے باصرار اپنے مکان میں ٹھہرایا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ سیاست، رشتہ داری، دوستی اور درس و تدریس کے واسطے سے مہمانوں کا کیا ہجوم رہتا ہوگا۔ جب میں مولانا کی رہائش گاہ پر پہنچا تو ۱۸ مہمانوں کا قافلہ پہلے سے موجود تھا چنانچہ میں نے بھی مہمانوں کے بڑے کمرے میں ایک چارپائی پر بستر لگا دیا۔ دینداروں کے معمولات سے میں یوں ہی گھبراتا ہوں مگر پہلے دو دن میرے اوپر واقعی بڑے سخت گزرے نماز پنجگانہ تک تو خیر میں صبر کر لیتا مگر مولانا کے یہاں تقریباً سب "قائم اللیل" تھے۔ کیفیت یہ کہ عشاء کی نماز کے بعد میں بہ مشکل گھنٹہ بھر سویا ہوں گا کہ کسی کونے سے تکبیر بالجہر بلند ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے آس پاس کوئی ذکر خفی میں منہمک ہے تو کوئی تسبیح وظیفہ میں تھوڑی دیر میں یہ حضرات تہجد کے لئے اٹھ بیٹھے پھر فجر سے پہلے اور بعد قرآن پاک کی تلاوت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جب دوسری رات بھی اسی کیفیت کی نذر ہوئی تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضور کے ساتھ رہنے سے میری عاقبت درست ہو یا نہ ہو مگر میری صحت کو خطرہ لاحق ہو چلا ہے۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور تیسرے دن سے مجھے ایک علیحدہ اور آرام دہ کمرہ مل گیا یعنی اب میں اسی آزادی سے اپنے کمرے میں رہتا تھا جو مجھے اپنے گھر حاصل تھی۔ چنانچہ میں نے مواد کی فراہمی کا وہ کام جس کے لئے میں حاضر ہوا تھا شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں مجھے دیوبند کی مجاہدانہ تاریخ کے بہت سے نئے واقعات کا علم ہوا۔

دیوبند کے قیام کی غالباً چوتھی شام تھی کہ میں اپنے بستر پر دراز تھا۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ گھومنے پھرنے کی وجہ سے کچھ تھکن زیادہ تھی چنانچہ لیمپ گل کیا اور سونے لگا۔ دروازہ کھلا رہتا تھا مجھے غنودگی سی تھی کہ میں نے ایک ہاتھ اپنے ٹخنہ پر محسوس کیا پھر دونوں ہاتھوں سے کسی نے میرے پاؤں دبانا شروع کر دیئے ہیں

تاثرات

محشر اعظمی

وہ فخرِ قوم وہ شانِ وطن حسین احمد　　وہ اک مجاہد صد صف شکن حسین احمد
وہ اک مجسمۂ علم و فن حسین احمد　　وہ اک عقدہ کشائے سخن حسین احمد
حجاز و مصر و ملایا کو سوگ وار کیا
وہ کیا گئے کہ زمانے کو بیقرار کیا

فروغِ شمعِ حرم، پاسبانِ دینِ نبیؐ　　ادب شناس مقامِ محمدؐ عربی
وہ رشحۂ بارِ کرم وہ چراغِ مطلبی　　وہ اپنے دور کے حاکم وہ وقت کے ذہبی
تمام محفلِ اسلامیاں اداس ہے آج
وہ کیا گئے کہ حرم کا سماں اُداس ہے آج

وہ نکتہ دانِ شریعت وہ دین کے رہبر　　ادا شناسِ طریقت خلوص کے پیکر
چراغِ رشد و ہدایت وہ زینتِ منبر　　جہانِ علم و معارف کو ناز تھا جن پر
وہ شمع ہو گئی گُل بزمِ دیوبند میں آج
کہ ہو کے رہ گیا بے کیف ایشیا کا مزاج

وہ بزمِ ملتِ اسلامیاں کے صدر نشیں　　وہ شانِ خُلقِ اتم، پیکرِ خلوص و یقیں
فروغِ دینِ نبی، پاسبانِ شرعِ متیں　　وہ امن و صلح کے داعی وہ علم دیں کے امیں
ہُوا غروب وہی مہرِ علمِ ربانی
فسردہ سی نظر آتی ہے بزمِ روحانی

انہوں نے رکھ دی الٹ کر بساطِ جبر و ستم　　کیا انہوں نے بنائے وطن کو مستحکم
انہوں نے درس دیا اتحاد کا پیہم　　انہوں نے تیز ہواؤں میں بھی اڑائے علم
وطن کے دامنِ زریں میں ان کو نیند آئی
جوارِ قاسمؒ و محمودؒ میں جگہ پائی

محیط ہے افقِ کائنات پر ظلمت　　تمام قوم پہ طاری ہے نشۂ غفلت
کہاں ہیں معتقدانِ مجاہدِ ملت　　اٹھیں جہاں کو دیں عزم و یقیں کی دعوت
جہاں میں حضرتِ مدنیؒ کا فیض عام کریں
جو درس انہوں نے دیا ہے اسے تمام کریں

جو کنا ہوگیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا بہ نفس نفیس اس گنہگار کے پاؤں دباتے میں مصروف ہیں۔ میری بدحواسی، حیرانی اور شرمندگی کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ میں نے پاؤں جلد جلد سکوڑے اور بڑے ادب اور لجاجت سے حضرت کو روکا۔ مولانا نے اس پر حسرت سے فرمایا کہ "آپ مجھے اس ثواب سے کیوں محروم کرتے ہیں، کیا میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ آپ جیسے مہمان کی خدمت کر سکوں" مجھ پر اس ارشاد کے بعد جو گذری میرے لئے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ واقعہ یہ بھی ہے کہ میں بارہ برس بعد آج پہلی بار اس واقعہ کا انکشاف کر رہا ہوں اور اگر حضرت زندہ ہوتے تو اس راز کو فاش کرنے کی ضرورت نہ ہوتی ان کی فراخدلی اور ان کے اخلاق کا یہ ادنیٰ نمونہ تھا۔

دوسرے دن حضرت نے دن کا اکثر حصہ میرے ساتھ بسر کیا اور سہ پہر کو حضرت مولانا محمد قاسم کی قبر پر فاتحہ کے لئے گئے۔ قبر کے اردگرد اس وقت ایک دو بکریاں چر رہی تھیں کسی قسم کا کوئی امتیازی نشان یا پختہ تعمیر قبر پر نہ تھی اور اگر مجھے یہ نہ بتایا جاتا کہ صاحب قبر کون ہے تو مجھے اس کا گمان بھی نہ ہوتا کہ بانی دارالعلوم یہاں دفن ہے بڑی دیر تک خاموش کھڑا سوچتا رہا اور جب تسکین نہ ہوئی تو دوسرے دن اکیلا پھر حاضر ہوا۔ مجھے اس سے پہلے بھی ایک قبر نے متاثر کیا تھا اور دونوں قبروں میں ایک گونہ مشابہت تھی آپ کو غالباً یہ سن کر تعجب ہوگا کہ لندن کے ایک قبرستان ہائی گیٹ سمٹری کے گمنام گوشہ میں کارل مارکس بھی اسی شان سے دفن ہے کہ نہ کوئی آرائش ہے نہ زیبائش۔ بڑی تلاش اور تجسس سے ان کے مدفن کا پتہ چلتا ہے۔ میں ان دونوں قبروں کو قابل احترام سمجھتا ہوں۔

وفات سے چند ماہ قبل میں سوویٹ روس کے چند عالموں کے ساتھ دیوبند مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ آزادی کا زمانہ تھا مگر اس آزادی کے ساتھ تقسیم وطن کی لعنت بھی آئی تھی۔ صوبہ متحدہ کے مغربی اضلاع میں (یعنی جہاں دیوبند واقع ہوتا ہے) تقسیم وطن کے معنی مسلمانوں کی تباہی و بربادی بلکہ کہیں کہیں قتل و غارت کے تھے اور ہر نوع جو طبقہ دیوبند کی پشت پناہ تھا وہ اقتصادی اعتبار سے مفلوج ہوگیا۔

حضرت یوں بھی خاموش طبیعت تھے مگر اس زمانہ میں میں نے انہیں کسی قدر مغموم پایا وہ میری نجی پریشانیوں، انگلستان کے میرے قیام اور میری علالت سے باخبر تھے چنانچہ دیر تک میری صحت اور خانگی حالات کے بارے میں دریافت فرماتے رہے ہیں۔ میں نے ازراہ مزاح پوچھا کہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے صرف حکومت برطانیہ کی امداد لینے سے دارالعلوم کو منع کیا تھا، آپ نے اپنی آزاد حکومت ہند کے اعزاز کو قبول کرنے سے کیوں انکار فرمایا۔ تبسم فرما کر خاموش ہو گئے۔ میں البتہ اس تبسم کی تلخیاں محسوس کر رہا تھا ؎

گل چہ داند کہ دردِ بلبل چیست
او ہمی کار رنگ و بو داند

دیوبند جانے کا مقصد دراصل روس کے مشہور مستشرق مسٹر دیاکوف کو حضرت مولانا سے ملانا تھا۔ مسٹر دیاکوف پہلی بار ہندوستان آئے تھے مگر اردو فصیح بولتے تھے چنانچہ انہوں نے اردو میں دیوبند میں تقریر بھی کی۔ ہم جب شام کو لوٹنے لگے تو حضرت نے "نقش حیات" کا ایک نسخہ مجھے عطا فرمایا اور سینہ سے لگا کر رخصت کیا۔ میں نقش حیات کو اب جب کبھی تبرکاً پڑھتا ہوں تو ہندوستان کی پرانی اور حالیہ تاریخ کا ایک پورا مرقع میری آنکھوں کے سامنے سے پھر جاتا ہے اور جنگ آزادی کی صف میں حضرت مولانا کو میں حضرت اسمٰعیل شہید، مولوی احمد اللہ، مہاتما گاندھی مولانا محمود حسن، عبیداللہ سندھی، حسرت موہانی، سردار بھگت سنگھ جیسے انقلابی مجاہدوں کے ساتھ پاتا ہوں۔ ہم کمیونسٹ بھی ان ہی روایتوں کے وارث ہیں۔ اور ان کی جانب سے میں بھی اس موقعہ پر عقیدت کی ادنیٰ نذر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ چند سطریں اسی لئے ارسال خدمت ہیں ؎

مسافرانِ طریقت ز من جدا مشو
کہ دور بینم و چشمم بہ منزل افتادہ است

مسندِ علم نبوّت آہ خالی ہوگئی

از: احسن مفتاحی

منبع جود و سخا پیکر رحم و کرم
وہ سکون قلب مسلم وہ مداوائے الم
وہ مجاہد وہ محدث وہ خطیب بیمثال
پیکر صدق و صفا وہ صاحب اعلیٰ خصال
وہ انیسِ بےکساں وہ مہرباں جاتا رہا
فخرِ ملت نازشِ ہندوستاں جاتا رہا
آہ وہ آئینہ دار اولیا شیخ زماں
علم و حکمت کا وہ بحر بیکراں جاتا رہا
محفلِ ایمان ہے آج سونی ہوگئی
مسندِ علم نبوت آہ خالی ہوگئی

قطعۂ تاریخ

از مولانا عبدالکریم قادری لاجپوری (ضلع سورت)

کہو سالِ مسیح اسے اصغر
طلب مغفرت ہے اب حق سے
۱۹۵۷
وہ جو تھے آہ عالموں کا تاج
ہوگئے وہ غریقِ رحمت آج
۲۰۱۴ بکرمی

قاضی زین العابدین سجاد
مدیر الحرم میرٹھ

ہر شے کے کمالات اس کے حالات و خصوصیات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں مثلاً پتھر کا کمال یہ ہے کہ سخت اور مضبوط ہو اور ریشم کا کمال یہ ہے کہ نرم اور لطیف ہو۔ آگ کا کمال یہ ہے کہ وہ گرم ہو اور برف کا کمال یہ ہے کہ وہ سرد ہو۔ الغرض کائنات کی ہر چیز جس مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے اس مقصد کے حصول میں جن اوصاف کو دخل ہو گا وہی اس کے کمالات قرار دیئے جائیں گے۔ اوصاف و کمالات کے جانچنے اور پرکھنے کا یہ مسلّمہ معیار ہے جس سے کسی صاحب عقل کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔

اس اصول کے مطابق "عبدہ" (بندہ) کا کمال یہ ہے کہ اس میں عجز ہو، انکسار ہو، تذلل ہو، افتقار ہو، بیچارگی ہو اور درماندگی ہو، اطاعت شعاری ہو، اور فرمانبرداری ہو کیونکہ بندہ کا مقصد تخلیق ہی اللہ کے آگے سر جھکانا اور اس کے احکام کو بجا لانا ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔

(میں نے جن و انس کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے) چونکہ بندہ کا کمال اس کے دوسرے تمام فروعی اوصاف و کمالات کا سرچشمہ ہے اور شجر انسانیت کے تمام برگ و بار اسی جڑ سے نمودار ہوتے ہیں۔ اس لئے احادیث میں بھی اس پر بہت زور دیا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے منبر پر تقریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا اَيُّهَا النَّاس تواضعوا فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم يقول من تواضع لله رفعه الله تعالیٰ فهو فی نفسه صغير وفی اعين الناس عظيم ومن تكبّر وضعه الله تعالیٰ فهو فی اعين الناس صغير وفی نفسه كبير حتی لهو اَهْوَنُ عليهم من كلب او خنزير (مشكوٰة)

اے لوگو تواضع اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتا ہے وہ اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے مگر لوگوں کی نگاہوں میں اس کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرتا ہے۔ وہ لوگوں کی نگاہوں میں چھوٹا ہوتا ہے اور اپنے خیال میں بڑا۔ حتیٰ کہ لوگ اسے کتے اور سوٴر سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے ہیں۔

گویا تواضع اور فروتنی اختیار کرنے والے بندہ کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو بلند ہوتا ہی ہے، دنیا میں بھی اس کو عظمت و رفعت عطا فرمائی جاتی ہے اور اس کے برخلاف مغرور و متکبر انسان اللہ کے ہاں تو بے قدر و بے حیثیت ہوتا ہی ہے دنیا میں بھی سے ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے وہ اپنے دل میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے۔ مگر دوسرے اسے کتے اور خنزیر سے بدتر سمجھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس معاملہ میں اس قدر متشدد تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے ابی بن کعب کو دیکھا کہ وہ آگے آگے ہیں اور اُن کے معتقدین کی ایک جماعت اُن کے پیچھے پیچھے ہے تو انہوں نے حضرت ابی بن کعب کے ایک دُرّہ رسید کیا۔ حضرت ابی نے حیران ہو کر پوچھا۔ اے عمر یہ کیوں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا تمہارے چلنے کا یہ ڈھنگ تمہارے پیچھے چلنے والوں کی ذلّت ہے اور تمہارے لئے فتنہ۔

صوفیائے کرام نے بھی تواضع و مسکنت کو اپنی تعلیمات کا اصل الاصول قرار دیا ہے۔ بشر حافیؒ کہتے ہیں کہ "جس شخص نے بھی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش کی اس کا دین تباہ ہو کر رہا۔" سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ سلف ایسا لباس اختیار کرنے کو بھی پسند نہیں کرتے تھے جس سے ان کی امتیازی شان معلوم ہو خواہ وہ لباس گدڑی ہی ہو (کیمیائے سعادت)

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے فضائل و کمالات کے گلدستہ میں اس فضیلت و کمال کو گل سرسبد کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ آپ کی مقدس

زندگی میں یہ وصف اس قدر نمایاں تھا کہ جس شخص نے چند منٹ بھی حضرت کی مجلس سے استفادہ کیا وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اس سلسلہ میں فی الحال دو واقعات جن میں سے ایک حضرت سے نیاز مندی کے ابتدائی زمانہ کا اور دوسرا آخری ملاقات کا ہے پیش کروں گا (مزید معلومات کے لئے الحرم میرٹھ کے "حضرت مدنی نمبر" کا انتظار کیا جائے جو آخر فروری میں شائع ہوگا)

کئی سال کی بات ہے کہ کٹھور ضلع میرٹھ میں مخدومی حکیم مولانا سید محمد اسحٰق صاحب کے مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا۔ حضرت رح نے بھی اس جلسہ میں قدم رنجہ فرمایا تھا بلکہ جلسہ کی ساری رونق ہی آپ کے دم قدم سے تھی، نماز فجر کے بعد چائے سے پہلے حضرت رح ایک کمرہ میں بعض وابستگانِ عقیدت کو بیعت فرما رہے تھے برابر کے درجہ میں چائے کا انتظام تھا اور مہمانانِ خصوصی حضرت کے برآمد ہونے کے منتظر تھے۔ یکایک کمرہ کا دروازہ کھلا حضرت رح برآمد ہوتے۔ حضرت کے ہاں دستور یہ تھا کہ آپ کی تشریف آوری پر کسی شخص کو تعظیماً کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی مگر بعض نئے زائرین جنہیں یہ دستور معلوم نہ تھا کھڑے ہو گئے اُن کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ حضرت فوراً اپنی جگہ رک گئے جب تک سب کھڑے ہونے والے بیٹھ نہ گئے آگے قدم نہ بڑھایا مجلس میں حضرت مدنی رونق افروز ہوتے تو میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا "آپ کھڑے ہو گئے کیا آپ نے یہ حدیث نہیں پڑھی جس میں ارشادِ نبوی ہے کہ:

لَا تقوموا كما تقوم الاعاجم تعظّم بعضها بعضا

جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تم نہ کھڑے ہو"

میں نے طالب علمانہ جرأت کے ساتھ عرض کیا "مگر اس حدیث کے ساتھ وہ حدیث بھی تو ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کے متعلق ارشاد فرمایا "قوموا الٰی سیدکم" "تم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ"۔

حضرت نے تبسم فرمایا اور پھر پوچھا:

"یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس موقع پر ارشاد فرمایا تھا"

میں نے عرض کیا "جب بنی قریظہ کے یہودی گرفتار ہوکر آئے اور انہوں نے اپنی غداری کی سزا تجویز کرنے کے لئے حضرت سعد کو حاکم تسلیم کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو طلب فرمایا، حضرت سعد آئے تو حضور نے حاضرینِ مجلس سے ارشاد فرمایا: "قوموا الٰی سیدکم"۔

حضرت مدنی نے سوال کیا "حضرت سعد رض اس وقت کس حالت میں تھے اور کس طرح آئے تھے"؟ میں نے عرض کیا "بیمار تھے اور دراز گوش پر سوار ہوکر آئے تھے"۔ حضرت مدنی نے فرمایا "حضور کے اس ارشاد کے مخاطب کون تھے"؟

میں نے عرض کیا "انصارِ مدینہ تھے"

حضرت رح نے ارشاد فرمایا "تو حضور کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ حضرت سعد کو جو بیماری کی وجہ سے معذور تھے ان کے اعزہ واحباب آگے بڑھ کر سواری سے اتاریں اور مسجد تک (جہاں مجلس نبوی منعقد تھی) تشریف لانے میں ان کی مدد کریں۔ یہ مراد نہ تھی کہ حاضرین ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں"۔

پھر قدرے تامل کے بعد فرمایا "آپ نے غور نہیں کیا کہ حضور نے قوموا الٰی سیدکم فرمایا ہے الٰی کے صلہ کے ساتھ! جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے سردار کی طرف بڑھو۔ اگر یہ مراد ہوتی کہ تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو قوموا لسیدکم بصلہ لام فرمایا جاتا۔

اس حدیث کا مطلب تو بہرحال یہی لغت اور قرینۂ مقام کے لحاظ سے صحیح ہے مگر میرے خیالِ ناقص میں اس مسئلہ میں گنجائش ہے تاہم مجھے چونکہ حضرت کے ذوقِ تواضع کا اندازہ تھا اس لئے خاموش ہو گیا۔

دوسرا واقعہ جس کے نقوش لوحِ قلب و دماغ پر ابھی پوری طرح تازہ ہیں حضرت سے آخری ملاقات کا ہے۔

۷ نومبر ۱۹۵۷ء کو حضرت اقدس رائے پوری کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد رائے پور سے واپس ہوتا ہوا دیوبند اترا اور نمازِ عصر کے بعد حضرت رح کے دولت کدہ پر حاضری دی۔ اس زمانہ میں حضرت مخصوص اوقات میں مردانہ میں تشریف لا رہے تھے۔ نماز عصر کے بعد چمن میں طلبہ و علماء و زائرین کا مجمع کثیر حضرت کے انتظار میں چشم براہ تھا یکایک سارے مجمع کی نگاہ زنانخانہ کے دروازہ کی طرف پھر گئیں۔ حضرت باوجود بے حد ضعف کے، بغیر کسی کے سہارے کے، آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے تشریف لائے اور اپنی چارپائی پر رونق افروز ہو گئے۔ معمول کے مطابق سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہے مگر سارے مجمع پر سکوت کا عالم طاری تھا۔ اس سکوت کو حضرت والا نے میری طرف مخاطب ہوکر ان الفاظ سے توڑا۔ کیا میرٹھ سے تشریف لا رہے ہیں آپ۔

میں نے عرض کیا "جی نہیں اس وقت رائے پور سے آ رہا ہوں"۔

پھر قیام و طعام کے متعلق سوالات کے بعد دریافت فرمایا:

حضرت رائے پوری کیسے ہیں۔

میں نے عرض کیا الحمدللہ اب تو اچھے ہیں مگر کمزوری خاصی ہے۔ حضرت نے پوچھا اُن کا لاہور جانے کا ارادہ ہے یا نہیں، میں نے عرض کیا، حضرت، انہوں نے تو انکار فرما

قطعۂ تاریخ

سانحہ ارتحال۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح

(از حکیم قریش احمد قریش قدوسی گنگوہی)

لٹ گئے چشم زدن میں کیا تھے ہم کیا ہو گئے
درحقیقت جو ہمارا تھا وہ اب ہم میں نہیں
دل پریشاں چشم پُرنم کس سے پوچھوں اے قریش
ہو گیا کیوں۔ گوہرِ دل راہئ خُلدِ بریں

۱۳۷۷ ھ

دیا تھا مگر معلوم ہوا کہ لیجانے والے کار لینے آگئے ہیں جب کار دروازہ پر لا کھڑی کریں گے تو حضرت کو مجبوراً جانا ہی پڑے گا۔ حضرت آپ جیسے بزرگوں کو لوگ بہت پریشان کرتے ہیں۔

حضرت کے چہرے پر آخری جملہ سننے ہی گہری سنجیدگی طاری ہوگئی۔ آنکھیں بھی نمناک ہوگئیں اور پُر درد لہجہ میں فرمایا "میں بزرگ کب ہوں۔ میں تو سگِ دنیا ہوں، مدرسہ سے پانچسو روپے تنخواہ لیتا ہوں۔

میں نے عرض کیا، حضرت یہ تنخواہ تو آپ کی ایک دن کی محنت کا معاوضہ نہیں ہے حضرت نے بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا۔ جی نہیں میں ہی ہوں جو اتنی بڑی تنخواہ لیتا ہوں دوسرے علماء کب اتنی تنخواہ لیتے ہیں؟

میں نے عرض کیا مگر ان پانچسو میں حضرت والا کے پلہ کیا پڑتا ہے۔ ہم لوگ کھا پی کر برابر کر جاتے ہیں۔

حضرت خاموش ہوگئے۔ اب طلبہ کی عرضیاں اور آنے والوں کی درخواستیں پیش ہونے لگیں اور حضرت ان طویل تحریروں کو پڑھتے اور ان پر حکم صادر فرمانے میں مصروف ہوگئے چہرہ پر نقاہت چھائی ہوئی تھی، ہاتھ لرز رہے تھے مگر کیا مجال جو چہرہ پر سلوٹ آئے۔

اسی مصروفیت میں مغرب کا وقت قریب آگیا حضرت نے میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا آپ مسجد تشریف لے جائیں میں یہیں نماز پڑھوں گا۔ پھر بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا معالج مجھے مسجد نہیں جانے دیتا۔

میں نے عرض کیا۔ حضرت کمزوری زیادہ ہے۔ معالجین کا مشورہ مناسب ہے حضرت نے مسکرا کر فرمایا آپ بھی ایسی بات کہتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

میں نے عرض کیا۔ مگر حضرت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا بھی تو ہے حضرت مسکراتے ہوئے کھڑے ہوگئے اور آہستہ آہستہ جناب قاری صاحب کے حجرے میں چلے گئے۔

یہ حضرت سے آخری ملاقات تھی جس میں شرفِ گفتگو حاصل ہوا اس کے بعد ۲۴ نومبر کو ایک مجلس میں شرکت کے لئے دیوبند جانا ہوا تو دوسرے بزرگوں اور دوستوں کے ساتھ بھی زیارت سے مشرف ہوا۔ اب حضرت کی بیماری بڑھ چکی تھی۔ ملاقات بند تھی۔ مگر خصوصی طور پر ہم لوگوں کو زیارت کا موقع مل گیا۔ حضرت تکیوں کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے۔ جسمانی طاقت جواب دے چکی تھی تاہم سلام کا جواب دیا اور ہم لوگوں کو بیٹھنے کی ہدایت فرمائی مگر ہم معذرت کر کے واپس چلے آئے۔

شام کو سہارن پور سے کوئی مشہور ڈاکٹر آئے۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے مجھے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کے بعد کہا ہے کہ "میڈیکل سائنس یہ بتانے سے قاصر ہے کہ حضرت کا قلب کیونکر کام کر رہا ہے؟" پھر مولانا نعمانی نے فرمایا ان ڈاکٹروں کو کیا معلوم کہ بزرگوں کا قلب مادی اسباب سے بے نیاز ہو کر بھی کام کرتا ہے۔ مگر اس عالم اسباب میں یہ حالات دیر تک قائم نہیں رہتے۔ آخر حضرت والا چند ہی روز بعد رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

میں نے جو عرض کیا تھا کہ پانچسو روپے حضرت کی ایک دن کی خدمت کا بھی معاوضہ نہیں ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ تھا۔ کیا ایک ممتاز بیرسٹر یا ڈاکٹر ایک دن میں پانچسو بلکہ پانچ ہزار روپے نہیں کما لیتا اور کیا حضرتؒ اپنی اعلیٰ دماغی صلاحیتوں میں ان سے کم تھے اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ حضرت کے معاصر سیاسی لیڈر وزارت کی کرسیوں پر متمکن ہو کر کئی کئی ہزار روپے ماہوار وصول کر رہے ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت تھی کہ حضرت اپنی مہمان داری کے بارِ عظیم کی وجہ سے مقروض ہی رہتے تھے تاہم مدرسہ کی تنخواہ کو دل پر جبر کر کے ہی قبول کرتے تھے اور ہمیشہ اس پہ متاسف رہتے تھے۔ آہ! علم وفضل کا یہ جبلِ عظیم اور فقر و مسکنت کا یہ بحرِ عمیق کیوں نگاہوں سے پنہاں ہے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

راقم: جناب علیم مسرور

دوست اور دشمن کا وہ اک خیر خواہِ معتبر
جس نے جوڑا دل کے ٹکڑوں کو اک ایسا شیشہ گر
شوقِ خدمت میں وہ اک بیگانۂ شام و سحر
اپنے دامن سے اٹھا ہے گردِ ہستی جھاڑ کر

غمگسار و چارہ ساز و مہربان جاتا رہا
سب کا خادم ہو کے مخدومِ جہاں جاتا رہا

غم ربا صہبا و ساغر آج وہ خود کوش ہیں
بند ہے آوازِ قلقل قہقہے خاموش ہیں
بادہ کش مستی کے عالم میں نہیں بیہوش ہیں
میکدے میں گردشِ دوراں سے ہم آغوش ہیں

محرمِ رازِ نشاطِ قلب و جاں رخصت ہوا
شیخ کی صورت میں اک پیرِ مغاں رخصت ہوا

دین ہے اللہ کی ہے جس کو بھی کر دے وہ عطا
تھی فدائے دینِ فطرت زندگی کی ہر ادا
ہر نظر وابستۂ عرفانِ قرآنِ خدا
ہر نفس اس کا تھا اک درسِ حدیثِ مصطفےٰ

جس کا نورِ حق سے یوں معمور سینہ ہو گیا
وہ کہیں پر بھی ہو منسوبِ مدینہ ہو گیا

شہادت دے سکتے ہیں کہ اِس وقت بھی حضرت اپنے علم وفضل، زہد وتقویٰ اور بلند اخلاق کی وجہ سے طلباء و اساتذہ کے محبوب و محترم تھے اور ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

تواضع و انکساری طبعی اور فطری تھا۔ اسی طرح جود و سخا و مہمان نوازی اور فیاضی بھی فطری تھی۔ ہر شخص کے کام کر دینے کا جذبہ بھی طبعی تھا اور اس طبعی جذبہ کے تحت حضرت ہر جائز کام کی سفارش اخلاق کے ساتھ کھلے دل سے کرتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے حضرت کوئی عرض قبول کرنے سے معذور ہوتے تو تفصیل سے اس کا سبب بیان فرماتے تاکہ عرض کرنے والے کی دل شکنی نہ ہو۔ حضرت لوگوں کو کس طرح فائدہ پہنچانے کی خواہش رکھتے تھے اس کا اندازہ اِس معمولی سی بات سے کیا جاسکتا ہے جو ایک عزیز نے بیان کی تھی کہ بیس سال پہلے ایک بار سلہٹ سے واپسی کے وقت کلکتہ میں وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جمعیۃ علماء کے کاموں کے سلسلہ میں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اسی درمیان میں ایک گریجوایٹ نوجوان نے حاضر ہو کر مرید ہونے کی خواہش کی تو حضرت نے انکار فرما دیا (حضرت اس زمانہ میں بہت کم مرید فرمایا کرتے تھے) یہ صاحب باہر نکل کر بیٹھے رہے۔ جب یہ عزیز باتیں کر کے واپس آئے تو ان صاحب نے کہا کہ حضرت مولانا آپ سے بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ سفارش کر دیں گے تو شائد حضرت مجھ کو مرید کر لیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر حضرت مولانا میرے کہنے سے آپ کو مرید کر لیں گے تو آپ مجھ کو مٹھائی کھلائیں گے؟ انہوں نے کہا کہ ضرور کھلاؤں گا۔

یہ عزیز کہنے لگے کہ میں نے واپس جاکر حضرت سے عرض کیا کہ ابھی ایک صاحب مرید ہونے کو حاضر ہوئے تھے اور حضرت نے انکار فرما دیا تھا، ان کو مرید کر لیا جاتا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں ان کو مرید کر دوں گا تو آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ مٹھائی کھلائیں گے تو حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ ان کو بھیج دیجئے پھر ان کو مرید کر لیا۔

یقیناً لوگ اس کو معمولی سی بات سمجھیں گے لیکن درحقیقت یہ بڑی اہم بات ہے۔ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا یہ جذبہ اسی شخص میں ہو سکتا ہے جس کو اسوۂ انبیاءؑ سے حصّہ وافر عطا ہوا ہو بلاشبہ حضرت اتباع سنّت میں کمال رکھتے تھے، اور سنت کی پیروی ہی سے یہ مقام بلند حاصل ہوتا ہے اور اللہ کا مخلص بندہ پیرویٔ رسولؐ میں پیکر رافت و رحمت بن گیا تھا۔

حضرت شیخ الاسلام صرف دوسروں کو فائدہ ہی نہیں پہنچاتے تھے بلکہ دوسروں کو راحت اور فائدہ پہنچانے کے لیے خود تکلیف برداشت کرتے تھے۔

۱۹۳۱ء میں قانون شکنی کی تحریک کے سلسلہ میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت دنوں تک حضرت شیخ الاسلام کے دولت کدہ پر رہے تھے۔ اسی زمانہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاڑے کی راتوں میں بعض دفعہ اپنا لحاف وغیرہ بھی مہمانوں کو دے دیا کرتے اور خود عبا اوڑھ کر رات گزار دیتے جس

آج سے تقریباً نصف صدی پہلے ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ میں راقم الحروف کو دارالعلوم دیوبند میں داخل کرنے کے لئے عم محترم حضرت مولانا سید شاہ ولایت حسین جو دارالعلوم کے ابنار قدیم میں سے تھے اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ کے بڑے بھائی حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ کے رفیق درس اور دوست تھے اپنے ساتھ لے کر دیوبند حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدہ پر پہنچے تو وہاں جس ذات گرامی کی سب سے پہلے زیارت ہوئی وہ سیّدی و مولائی شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو عم محترم سے بھائیوں جیسی بے تکلفی سے ملے۔

اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے قلب نے جو اثر لیا تھا اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا اور اب تو سہا لہا سال سے راقم الحروف حضرت کو اپنے دور کے لوگوں میں سب سے افضل سمجھتا تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

عم محترم کے تعلق کی وجہ سے حضرت خاص شفقت فرماتے تھے۔ اگر یہ تعلق نہ بھی ہوتا تو حضرت کا علم وفضل، زہد و ورع، اخلاص و تقویٰ، حسن اخلاق اور عام شفقت وکرم ایسا تھا جو تمام تعلقات پر بھاری تھا اور یہی تعلقات ہر شخص کو گرویدہ کئے رہتا تھا۔

اس وقت تو حضرتؒ ہر اعتبار سے سب سے بڑے تھے۔ جن لوگوں نے میری طرح آج سے پچاس سال پہلے حضرت رحمۃ اللہ کو نزدیک سے دیکھا ہے جب حضرت کے اساتذہ اور معاصرین کی بڑی تعداد دارالعلوم میں موجود تھی۔ وہ

کی خبر صبح کو لوگوں کو ہوتی۔

حضرت تبلیغ حق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی عزم و جرأت سے ادا کرتے تھے اور اس کام کے لیے سفر کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔

بعض لوگ دور دراز دیہاتوں میں بیل گاڑی میں لے جاتے تھے اور حضرت بے تکلف اس میں سفر کرتے تھے اس دعوت حق کے لیے آپ نے پورے ہندوستان کا دورہ فرمایا جس سے لاکھوں آدمیوں نے فائدہ اٹھایا۔

آزادی ہند سے پہلے حضرت سلہٹ آنے جانے کے وقت احقر کو تار دے دیا کرتے تھے اور پٹنہ میں اتر کر کبھی ویٹنگ روم میں اور کبھی مولانا محمد سہول رحمۃ اللہ کے مکان پر جمعیۃ علماء اور آزادی کے کاموں کے متعلق حالات پوچھتے اور ضروری ہدایتیں دیتے پھر دوسری گاڑی سے سفر فرماتے۔

حضرت میں جو تواضع و انکسار تھا وہ ہر موقع پر ظاہر ہوتا تھا۔ ایک گفتگو میں حضرت مولانا محمد سہول صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ تو شیخ الہندؒ کے جانشین ہیں حضرت نے فرمایا کہ معلوم نہیں کیوں آپ لوگ مجھ کو حضرت شیخ الہند کا جانشین کہتے ہیں مجھ سے ہر حیثیت سے بڑے شاہ صاحب (مولانا الاستاذ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ) اور مفتی صاحب (مفتی اعظم ہند حضرت علامہ محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ) ہیں، ان کو جانشین کہنا چاہیئے۔ حضرت مولانا محمد سہول صاحب نے فرمایا کہ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھنا چاہیئے۔ مسلمان آپ کو شیخ الہند کا جانشین کہتے ہیں اس لئے آپ جانشین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الاسلام کو ان کے اتباعِ سنّت کے سبب عزیمت سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا اس لیے حضرت اپنے لیے رفعت کو کبھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

۱۹۱۷ء میں مالٹا کی اسارت سے لے کر ۱۹۴۴ء تک ہر تھوڑے وقفے کے بعد حضرت کو قید و بند کے مصائب برداشت کرنے پڑے۔

قید و بند تو ہر طرح کی تکلیف و اذیت کا سبب ہی ہے لیکن حضرت نے تو اسلام، مسلمانوں اور آزادی ملک کی خاطر اور اس کے بعد کہ ملک آزاد ہو چکا تھا خود اپنوں کے ہاتھوں جو اذیت اٹھائی وہ شاید ہندوستان میں کسی دوسرے کے حصّہ میں نہیں آئی (اور شاید دُنیا میں کسی کے حصّہ میں نہ آئی ہو) یہ اذیت بھی حضرت کے درجات کی مزید بلندی ہی کا سبب ہوئی۔ طائف میں تبلیغ حق کرتے ہوئے جس طرح کافروں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈھیلے برسائے تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں اپنوں نے حضرت رسول اللہؐ کے اس خادم پر ڈھیلے برسائے تکلیف و اذیت پہنچائی یہاں تک کہ جان لینے کی کوششیں کیں۔ حضرت تمام اذیتوں کو صبر و تحمل سے برداشت کرتے ہوئے تبلیغ حق میں مشغول رہے اور اپنے مخالفوں کے لیے دعا ہدایت فرماتے رہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

حضرت برابر تبلیغی دورے فرماتے تھے لیکن وعظ و تقریر کے سلسلہ میں کبھی کوئی نذرانہ

نالۂ غم

قاری فخر الدین گیاوی

ہم غریبوں، بے کسوں کا آسرا جاتا رہا
بجھ گیا دل، آہ سارا ولولہ جاتا رہا
پوچھتے ہو مجھ سے کیا تم آہ کیا جاتا رہا
راہِ علم و معرفت کا رہنما جاتا رہا

اس کے جانے سے ہماری ساری دولت لٹ گئی
حلقۂ دینِ ہدیٰ کی ساری عظمت لٹ گئی

رات دن محنت سے جس کو اس جہاں میں کام تھا
ہر گھڑی جہد و مشقت جس کا شغلِ عام تھا
زندگی میں اپنی جو وقفِ غم و آلام تھا
چین سے سوتا نہ تھا بے گانۂ آرام تھا

وہ گیا ہے عالمِ برزخ میں سونے کے لئے
رہ گئے ہم اس جہاں میں آج رونے کیلئے

آہ جو اس دور میں تھا خادمِ خلقِ خدا
خلق کو اب چھوڑ کر خالق سے واصل ہو گیا
سارے عالم میں اسی کا آج ماتم ہے بپا
ہر طرف سے آ رہی ہے آہ و نالہ کی صدا

اب ہر اک مخلوق کی خدمت کرے گا آہ کون
دوست دشمن سب پہ اب شفقت کریگا آہ کون

غم زدہ اس کے لئے عالم بھی ہے جاہل بھی ہے
اس کے غم میں مضطرب ناقص بھی ہے کامل بھی ہے
بے عمل بھی نالہ زن ہے نوحہ خواں عامل بھی ہے
رنج میں اُمّی بھی ہے قرآن کا حامل بھی ہے

ایسی حالت میں کرے اب کون کس کی تعزیت
آج پوچھے کون کس سے آہ کس کی خیریت

خضر رخصت ہو گیا اب راہ دکھلائے گا کون
منزلِ مقصود تک اب سب کو پہنچائے گا کون
مدرسوں کی سرپرستی آہ فرمائے گا کون
مسندِ تدریس پر اب پھول برسائے گا کون

لٹ گئی ساری بہاریں منبر و محراب کی
اڑ گئی خوشبو بنی کے گلشنِ شاداب کی

ساری مخلوقات سے اپنا تعلق توڑ کر
چل دیا وہ خاص اپنے رب سے رشتہ جوڑ کر
واصلِ حق ہو گیا اغیار سے منہ موڑ کر
چل بسا لیکن وہ ہم کو آہ کس پر چھوڑ کر

رہ گئے ہم اس طرح جیسے کہ ہو بے سر کی فوج
بیچ میں کشتی ہے اور چاروں طرف طوفان و موج

السلام اے چارہ ساز دردِ ہجران السلام
السلام اے قطبِ عالم اے اماموں کے امام
السلام اے آسمانِ علم کے ماہِ تمام
الفراق اے وہ کہ جس کا فخر ہے ادنیٰ غلام

بانٹتا تھا سارے عالم کو دوائے دردِ دل
اللہ اللہ ہو گیا تو اب فدائے دردِ دل

قبول نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ سفر خرچ کے لیے جو رقم پہلے بھیجی جاتی تھی اور اس میں سے جو بچ جاتی تھی اس کو حساب کر کے واپس فرما دیتے۔

احقر کی درخواست پر بارہا بہار تشریف لائے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ احقر نے درخواست کی ہو اور حضرت نے قبول نہیں فرمائی ہو۔ پہلی بار باڑھ تشریف لائے (باڑھ ضلع پٹنہ میں ایک بڑا قصبہ ہے جہاں بڑے بڑے زمیندار، رئیس اور خان بہادر رہتے تھے) تو منی آرڈر سے کرایہ ریل کے لیے کچھ روپے بھیجے گئے تھے۔ جلسہ کے بعد جب واپسی کا وقت آیا تو لوگوں نے ایک بڑی رقم پیش کی۔ حضرت نے فرمایا کہ ٹھہریے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت نے اس رقم کو کم سمجھ کر ایسا فرمایا ہے تو اس میں اضافہ کر کے دینے والے نے ہاتھ میں لیا، اتنے میں حضرت نے بکس سے کچھ روپے اور حساب نکال کر دیا اور فرمایا کہ آپ نے جو روپے بھیجے تھے اس کے خرچ کا یہ حساب ہے اور یہ روپے بچ گئے ہیں۔ لوگوں نے اصرار شروع کیا کہ حضرت حساب اور بچی ہوئی رقم کو رہنے دیں اور جو رقم دی جارہی ہے اس کو قبول فرمالیں۔ لیکن حضرت نے انکار فرما دیا حضرت کا یہ طریقہ تھا کہ جو رقم سفر میں خرچ ہوتی تھی اتنی ہی لیتے تھے اور باقی واپس فرما دیتے تھے چنانچہ حضرت کے اس طرزِ عمل کا علم جن لوگوں کو تھا وہ مسلم لیگی دور میں غالی لیگی ہونے کے باوجود جب کسی ساتھی کو حضرت کے متعلق کانگریس سے روپے لینے کا الزام لگاتا ہوا سنتے تو اس کو جھوٹا کہہ دیتے تھے اور بڑی شدت سے اس کے افترا کی تردید کرتے تھے۔

حضرت اپنے علم و فضل، زہد و ورع، اخلاص و تقویٰ، تواضع و انکسار، صبر و تحمل، مروت، سیر چشمی، فیاضی، جود و سخا، مہمان نوازی، بلندیٔ اخلاق، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور تواصی بالحق میں سنت کے پیرو اور صحابہ کرامؓ کے نمونہ تھے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایک جامع صفات شخصیت تھی مسجد نبویؐ میں کتاب و سنت کی تعلیم دینے کا شرف حاصل تھا۔ عظیم ترین دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں کتاب و سنت کے معلم اعلیٰ تھے۔

جمعیۃ علمائے ہند کی صدارتِ عظمیٰ کے ذریعے ہندوستان میں پرچم اسلام بلند کیے ہوئے تھے۔ کتاب و سنت ہی کی طرح حضرت اخلاق و احسان کے بھی معلم اکبر تھے۔ آزادیٔ وطن کے مجاہد اعظم تھے۔ اعلائے کلمۃ الحق ہر موقع پر کرتے رہتے تھے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین، قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہما اللہ کی یادگار تھے۔ ہزاروں علمائے کے استاد و معلم، لاکھوں مسلمانوں کے پیر و مرشد اور کروڑوں انسانوں کے رہبر و رہنما تھے۔

دینی صفات کے لحاظ سے امام وقت اور اس دور کے افضل ترین انسان تھے۔ خالقِ اکبر نے اپنے اس جامع صفات مخلص و متقی بندہ کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے کر ہم سے جدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

بلاشبہ حضرت کی رحلت ایک دینی و ملی حادثہ ہے جس پر صدمہ و قلق ایک طبعی امر ہے لیکن خود حضرت نے صبر و استقامت کی جو راہ دکھائی ہے اس کا اقتضاء یہ ہے کہ ہم صبر سے کام لیں اور استقامت کے ساتھ حضرت کے چھوڑے ہوئے دینی و ملی کاموں کو اس طرح انجام دینے کی کوشش کریں جس طرح خود حضرت کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علمائے ہند دو عظیم ترین دینی ادارے ہیں جو ہر اس شخص کی خصوصی توجّہ کے مستحق ہیں جس کو حضرت شیخ الاسلام سے کوئی تعلق ہے۔

حضرت کو حیات میں بھی ان کی اعانت سے مسرّت ہوتی تھی اور انشاء اللہ اب بھی حضرت کی روح اس اعانت و ہمدردی سے خوش ہوگی۔

آخر میں ایک نہایت اہم اور مفید بات کا لکھ دینا بھی میں ضروری سمجھتا ہوں جو حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمائی تھی، کہ حکیم الامّت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہوا تو حضرت حکیم الامّت نے فرمایا:

"مولانا حسین احمد کی مخالفت کرنیوالوں کے سُوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے۔"

میں نے اس مقولہ کا ذکر اس لیے کر دیا ہے کہ جو لوگ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے عناد و مخالفت رکھتے ہیں وہ اب بھی توبہ کر کے اپنے حسنِ خاتمہ کی طرف توجہ دیں۔

ترے بغیر

(مولانا انصار الحق بدر صدیقی)

حاصل نہیں سکوں کسی عنوان ترے بغیر
بزمِ سرود و کیف ہے زنداں ترے بغیر
راحت کا اب نہیں کوئی ساماں ترے بغیر
وحشت کدہ بنا ہے گلستاں ترے بغیر
رنگت گلوں میں ہے نہ ہے غنچوں میں انبساط
گلشن مری نظر میں ہے ویراں ترے بغیر
اے مرکزِ علوم کے تابندہ ماہتاب
سونی پڑی ہے محفلِ قرآں ترے بغیر
گم گشتگانِ عشق کا رہبر کوئی نہیں
خالی پڑا ہے جادۂ عرفاں ترے بغیر
درسِ سیاسیات کی تعلیم کون دے
اے جانشینِ حیدر و سلماں ترے بغیر

حامِداً وّ مُصَلیًا

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کی ذات والاصفات اس آخری دور میں اپنے اسلاف کرام کی طرح مجموعۂ کمالات تھی۔ آپ کی شخصیّت مبارکہ میں خداوندِ قدوس نے مختلف تنوع واوصافِ حسنہ وفضائل طیّبہ وخصائل شریفہ کو سمیٹ کر رکھ دیا تھا کہ آپ کی ذات بنفسِ نفیس انجمن بن گئی تھی۔

آپ بیک وقت بزمِ علم وعرفان کی شمع روشن اور محفلِ ارشاد وہدایت کے صدرنشین، میدانِ خدمت وسیاست کے شہسوار، دائرۂ تاریخ واقتصاد کے مرکز، جامعِ شعر وادب کے پیشرو، غرض علم وعمل کی جملہ خوبیوں سے آراستہ پیراستہ شخصیّت آپ کا وجودِ گرامی بن کر رہ گیا تھا۔ اس ابرِ کرم سے ہر طالبِ تحقیق بقدر استعداد فیض یاب اور ہر تشنۂ کامِ معرفت بقدر ظرف وپیمانہ سیراب وشاداب ہوتا تھا۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع وفروتنی، انکساری وخاکساری، سادگی وبے نفسی ان سارے کمالات کے لیے پردہ پوش بن کر ظاہر میں نگاہوں کو دھوکہ میں ڈالے رکھتی تھی وہ حضرتِ الامام قاسم العلومؒ اور حضرت قطبِ عالم شیخ الہندؒ کے سچّے خلیفہ وجانشین کی حیثیّت سے خود کو چھپائے رکھتے، اپنے نفس کو مٹی میں ملائے رکھنے کی سعی میں اس قدر سرگرم رہتے تھے کہ عامی آدمی تو کیا خواص تک کے لیے بسا اوقات آپ کی شخصیّتِ عظیم کا سمجھنا دشوار وناممکن ہوتا تھا۔ علوم ومعارف کے وہ خزانے (جو قدرت نے آپ کے اندر محفوظ کیے تھے اور تحقیق وتدقیق کے وہ جواہر عالی جو آپ کی فطرت میں ودیعت تھے) بہت کم ظاہر ہوتے، بہت ہی کم چمکتے اور ان کی جوت نگاہوں کو خیرہ کرسکتی کیونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ عام علمائے رسوم کے برخلاف بڑی سی بڑی دقیق حقیقتوں، اور مشکل سے مشکل مسئلوں کو نہایت سادہ وعام فہم انداز میں بیان فرمادیتے نہ طول طویل تمہیدات ہوتیں اور نہ پیچ در پیچ مقدمات ہوتے، نہ شاندار الفاظ کے ذخیرے نفسِ مطلب میں حائل ہوتے۔ الّا ماشاء اللہ۔ ہر پیچیدہ مسئلہ اور تحقیق طلب حقیقت کو سیدھے سادھے الفاظ میں ظاہر کرتے جو رسوخ علمی اور تبحّر فنی اور اس سے زیادہ یہ کہ علم کی عمق کا پتہ دیتی۔ حضرت اقدسؒ اپنے اساتذہ ومشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرح علم میں گہرے، تکلّف سے بری اور دل کے سچّے افراد میں تھے گویا جو رنگ بقول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ کرامؓ کا تھا:

كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اعمقهم علما واقلها تكلّفا و ابرهم قلوبًا ۔ (مشكوٰة)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کے گہرے علم والے کم تکلّف والے اور نیک دل تھے۔

اسی خاص رنگ میں آپ کے سلف صالحین رنگے ہوئے تھے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ اس خداوندی رنگ سے پوری طرح رنگین اور انھیں کیفیات میں ڈوبے ہوئے تھے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۔ (البقرة)

اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہوسکتا ہے،

عصر حاضر کے رجحاناتِ علم وفضل، فوقیت وکمال کی نمود ونمائش کا دور تک کوسوں پتہ نہ تھا، اپنی فضیلت وخوبی کے اظہار کا احساس (جو آج ہماری فطرتوں میں رچا بسا ہوا ہے) حضرت والا کو چھو کر بھی نہ گیا تھا۔ جس قدر اس مجسمہ فضل وکمال کو کھود کر پانے کی شکل پیدا ہوتی۔ اسی قدر تواضع وبے نفسی کے جوہر چمک اٹھتے اور

قبول نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ سفر خرچ کے لیے جو رقم پہلے بھیجی جاتی تھی اور اس میں سے جو بچ جاتی تھی اس کو حساب کر کے واپس فرما دیتے۔

احقر کی درخواست پر بارہا بہار تشریف لائے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ احقر نے درخواست کی ہو اور حضرت نے قبول نہیں فرمائی ہو۔ پہلی بار باڑھ تشریف لائے (باڑھ ضلع پٹنہ میں ایک بڑا قصبہ ہے جہاں بڑے بڑے زمیندار، رئیس اور خان بہادر رہتے تھے) تو منی آرڈر سے کرایہ ریل کے لیے کچھ روپے بھیجے گئے تھے۔ جلسہ کے بعد جب واپسی کا وقت آیا تو لوگوں نے ایک بڑی رقم پیش کی۔ حضرت نے فرمایا کہ ٹھہریئے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت نے اس رقم کو کم سمجھ کر ایسا فرمایا ہے تو اس میں اضافہ کر کے دینے والے نے ہاتھ میں لیا، اتنے میں حضرت نے بکس سے کچھ روپے اور حساب نکال کر دیا اور فرمایا کہ آپ نے جو روپے بھیجے تھے اس کے خرچ کا یہ حساب ہے اور یہ روپے بچ گئے ہیں۔ لوگوں نے اصرار شروع کیا کہ حضرت حساب اور بچی ہوئی رقم کو رہنے دیں اور جو رقم دی جا رہی ہے اس کو قبول فرما لیں۔ لیکن حضرت نے انکار فرما دیا حضرت کا یہ طریقہ تھا کہ جو رقم سفر میں خرچ ہوتی تھی اتنی ہی لیتے تھے اور باقی واپس فرما دیتے تھے چنانچہ حضرت کے اس طرز عمل کا علم جن لوگوں کو تھا وہ مسلم لیگی دور میں غالی لیگی ہونے کے باوجود جب کسی ساتھی کو حضرت کے متعلق کانگریس سے روپے لینے کا الزام لگاتا ہوا سنتے تو اس کو جھوٹا کہہ دیتے تھے اور بڑی شدت سے اس کے افتراء کی تردید کرتے تھے۔

حضرت اپنے علم و فضل، زہد و ورع، اخلاص و تقویٰ، تواضع و انکسار، صبر و تحمل، مروت، سیر چشمی، فیاضی، جود و سخا، مہمان نوازی، بلندیٔ اخلاق، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور تواصی بالحق میں سنت کے پیرو اور صحابہ کرامؓ کے نمونہ تھے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایک جامع صفات شخصیت تھی مسجد نبویؐ میں کتاب و سنت کی تعلیم دینے کا شرف حاصل تھا۔ عظیم ترین دینی درس گاہ دار العلوم دیوبند میں کتاب و سنت کے معلم اعلیٰ تھے۔

جمعیۃ علماء ہند کی صدارت عظمیٰ کے ذریعے ہندوستان میں پرچم اسلام بلند کیے ہوئے تھے۔ کتاب و سنت ہی کی طرح حضرت اخلاق و احسان کے بھی معلم اکبر تھے۔ آزادیٔ وطن کے مجاہد اعظم تھے۔ اعلاء کلمۃ الحق ہر موقع پر کرتے رہتے تھے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین، قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہما اللہ کی یادگار تھے۔ ہزاروں علماء کے استاد و معلم، لاکھوں مسلمانوں کے پیر و مرشد اور کروڑوں انسانوں کے رہبر و رہنما تھے۔

دینی صفات کے لحاظ سے امام وقت اور اس دور کے افضل ترین انسان تھے۔ خالق اکبر نے اپنے اس جامع صفات مخلص و متقی بندہ کو اپنی آغوش رحمت میں لے کر ہم سے جدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

بلاشبہ حضرت کی رحلت ایک دینی و ملی حادثہ ہے جس پر صدمہ و قلق ایک طبعی امر ہے لیکن خود حضرت نے صبر و استقامت کی جو راہ دکھائی ہے اس کا اقتضاء یہ ہے کہ ہم صبر سے کام لیں اور استقامت کے ساتھ حضرت کے چھوڑے ہوئے دینی و ملی کاموں کو اس طرح انجام دینے کی کوشش کریں جس طرح خود حضرت کرتے تھے۔ دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند دو عظیم ترین دینی ادارے ہیں جو ہر اس شخص کی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں جس کو حضرت شیخ الاسلام سے کوئی تعلق ہے۔

حضرت کو حیات میں بھی ان کی اعانت سے مسرت ہوتی تھی اور انشاء اللہ اب بھی حضرت کی روح اس اعانت و ہمدردی سے خوش ہوگی۔

آخر میں ایک نہایت اہم اور مفید بات کا لکھ دینا بھی میں ضروری سمجھتا ہوں جو حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمائی تھی، کہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہوا تو حضرت حکیم الامت نے فرمایا:

"مولانا حسین احمد کی مخالفت کرنیوالوں کے سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے"

میں نے اس مقولہ کا ذکر اس لیے کر دیا ہے کہ جو لوگ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے عناد و مخالفت رکھتے ہیں وہ اب بھی توبہ کر کے اپنے حسن خاتمہ کیطرف توجہ دیں۔

ترے بغیر

(مولانا انصار الحق بدر صدیقی)

حاصل نہیں سکوں کسی عنوان ترے بغیر
بزم سرود و کیف ہے زنداں ترے بغیر
راحت کا اب نہیں کوئی ساماں ترے بغیر
وحشت کدہ بنا ہے گلستاں ترے بغیر
رنگت گلوں میں ہے نہ ہے غنچوں میں انبساط
گلشن مری نظر میں ہے ویراں ترے بغیر
اے مرکز علوم کے تابندہ ماہتاب
سونی پڑی ہے محفلِ قرآں ترے بغیر
گم گشتگانِ عشق کا رہبر کوئی نہیں
خالی پڑا ہے جادۂ عرفاں ترے بغیر
درسِ سیاسیات کی تعلیم کون دے
اے جانشینِ حیدر و سلماں ترے بغیر

حامِداً وّ مُصَلیاً

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کی ذات والاصفات اس آخری دور میں اپنے اسلاف کرام کی طرح مجموعہ کمالات تھی۔ آپ کی شخصیّت مبارکہ میں خداوندِ قدوس نے مختلف تنوع و اوصاف حسنہ و فضائل طیّبہ و خصائل شریفہ کو سمیٹ کر رکھ دیا تھا کہ آپ کی ذات بنفسِ نفیس انجمن بن گئی تھی۔

آپ بیک وقت بزمِ علم و عرفان کی شمع روشن اور محفلِ ارشاد و ہدایت کے صدر نشین، میدانِ خدمت و سیاست کے شہسوار، دائرۂ تاریخ و اقتصاد کے مرکز، جامعِ شعر و ادب کے پیشرو، غرض علم و عمل کی جملہ خوبیوں سے آراستہ پیراستہ شخصیّت آپ کا وجودِ گرامی بن کر رہ گیا تھا۔ اس ابرِ کرم سے ہر طالبِ تحقیق بقدر استعداد فیض یاب اور ہر تشنۂ کام معرفت بقدر ظرف و پیمانہ سیراب و شاداب ہوتا تھا۔

لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع و فروتنی، انکساری و خاکساری، سادگی و بے نفسی ان سارے کمالات کے لیے پردہ پوش بن کر ظاہر میں نگاہوں کو دھوکہ میں ڈالے رکھتی تھی وہ حضرتِ الامام قاسم العلومؒ اور حضرت قطب عالم شیخ الہندؒ کے سچّے خلیفہ و جانشین کی حیثیّت سے خود کو چھپائے رکھتے، اپنے نفس کو مٹی میں ملائے رکھنے کی سعی میں اس قدر سرگرم رہتے تھے کہ عامی آدمی تو کیا خواص تک کے لیے بسا اوقات آپ کی شخصیّت عظیم کا سمجھنا دشوار و ناممکن ہوتا تھا۔ علوم و معارف کے وہ خزانے (جو قدرت نے آپ کے اندر محفوظ کیے تھے اور تحقیق و تدقیق کے وہ جواہر عالی جو آپ کی فطرت میں ودیعت تھے) بہت کم ظاہر ہوتے، بہت ہی کم چمکتے اور ان کی جوت نگاہوں کو خیرہ کر سکتی کیونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ عام علمائے رسُوم کے برخلاف بڑی سی بڑی دقیق حقیقتوں، اور مشکل سے مشکل مسئلوں کو نہایت سادہ و عام فہم انداز میں بیان فرما دیتے نہ طول طویل تمہیدات ہوتیں اور نہ پیچ در پیچ مقدمات ہوتے، نہ شاندار الفاظ کے ذخیرے نفسِ مطلب میں حائل ہوتے۔ الّا ماشاء اللہ۔ ہر پیچیدہ مسئلہ اور تحقیق طلب حقیقت کو سیدھے سادھے الفاظ میں ظاہر کرتے جو رسُوخ علمی اور تبحّرِ فنی اور اس سے زیادہ یہ کہ عِلم کی عمق کا پتہ دیتی۔ حضرت اقدسؒ اپنے اساتذہ و مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرح علم میں گہرے، تکلف سے بری اور دل کے سچّے افراد میں تھے گویا جو رنگ بقول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ کرامؓ کا تھا:

کان اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم اعمقھم علما واقلھا تکلّفا و ابرھم قلوبًا۔ (مشکوٰۃ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کے گہرے علم والے کم تکلّف والے اور نیک دل تھے۔

اسی خاص رنگ میں آپ کے سلف صالحین رنگے ہوئے تھے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ اس خداوندی رنگ سے پوری طرح رنگین اور انھیں کیفیات میں ڈوبے ہوئے تھے۔

صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً۔ (البقرۃ)

اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہو سکتا ہے،

عصرِ حاضر کے رجحاناتِ علم و فضل، فوقیت و کمال کی نمود و نمائش کا دور تک کوسوں پتہ نہ تھا، (اپنی فضیلت و خوبی کے اظہار کا احساس جو آج ہماری فطرتوں میں رچا بسا ہوا ہے) حضرت والا کو چھو کر بھی نہ گیا تھا۔ جس قدر اس مجسمہ فضل و کمال کو کھود کر پانے کی شکل پیدا ہوتی۔ اسی قدر تواضع و بے نفسی کے جوہر چمک اٹھتے اور

دیکھنے والوں کو کامل یقین بزرگوں کے اس سچے مقولہ کا ہوجاتا کہ علم حقیقی انسان میں تواضع وخاکساری پیدا کرتا ہے حضرتِ اقدسؒ کی صحبت مبارکہ سے بزرگانِ دین کی کتابوں میں لکھی ہوئی فضیلتوں کی عملی تصدیق کی وجہ سے قائل ہونا پڑتا۔ کتابی مسلمانی آنکھوں کے سامنے نمایاں ہوجاتی۔ لیکن سطحی نظر رکھنے والے افراد اس سادگی و سادہ پسندی سے غلط فہمی کے شکار ہوجاتے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ایک پاکباز درویش، ایک روحانی بزرگ کا مقام دینے پر اکتفا کرتے حضرتِ اقدس کی علمی شان، تحقیقی رنگ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا وہ ایک عالم محقق، ایک فاضل مدقق کے چہرے کو سادگی کے پردہ میں پوشیدہ ہونے کی وجہ سے نہ دیکھ سکتے ایک روحانی مرشد قرار دے کر حضرت الشیخ کی علمی منزلت، تحقیقی مقام سے ناآشنا رہ جاتے۔

حالانکہ حضرت قدس سرہٗ اس آخری زمانہ میں ان جملہ دینی علوم وفنون، اسلامی معارف وحقائق کے امین تھے۔ خصوصًا حضرت والا کے سینہ فیض گنجینہ، قرآن وحدیث کے ان ایمان افروز، فیوض وبرکات کا حامل تھا جو ہمارے اس ہندوستان جنّت نشان ملک کو دوسری تیسری صدی ہجری سے آج تک قرنًا بعد قرن موروثی طور پر ملتا چلا آرہا ہے۔ ہندوستان کی علمی ودینی واسلامی تاریخ ممالک اسلامیہ کی تاریخ کی طرح کچھ کم شاندار نہیں ہے بلکہ تاریخ اسلام کے سلسلہ کی ایک زرّیں کڑی ہے۔ تاریخِ اسلام کی بالکل ابتدائی صدیوں میں یہ سرزمین محدثین کرام اور بزرگانِ عظام کے نقوش قدم سے منوّر ہوئی۔ مشہور محدّث تابعی حضرت ابوحفص ربیع بن صبیح سعدی بصری گجراتی المتوفیٰ ۱۶۰ھ جو اپنے وقت کے مشہور ائمہ حدیث ہیں خطّہ گجرات میں آرام فرما ہیں۔

حضرت ابوعلی سندھیؒ المتوفیٰ ۲۷۰ھ اسی خطہ پاک سے اُٹھے اور یہیں سو رہے ہیں۔ عمومًا یہی کہا جاتا رہا اور سنایا جاتا رہا ہے کہ ہندوستان دیگر ممالکِ اسلامیہ کے مقابلے میں نومسلم ملک ہے اور یہاں کا اسلام عجمی ہاتھوں (سیکنڈ ہینڈ) پہنچا ہے۔ لیکن واقعات کی روشنی میں جب اس امر کو دیکھا جائے کہ مشہور فاتح شہاب الدین غوری کے حملے سے دس سال پہلے علامہ رضی الدین ابوالفضائل المشہور بہ حسن صغانی الہندی المتوفیٰ ۶۵۰ھ پیدا ہوکر درسِ حدیث ہی نہیں دے رہے تھے بلکہ حدیث شریف کی مشہور عالم کتاب مشارق الانوار تصنیف کر رہے تھے جو ایک عرصہ دراز تک خود ممالک اسلامیہ کے حلقہ ہائے درس میں شامل رہی اور جس کو خلیفہ مستنصر باللہ عہد عباسی خلیفہ بغداد نے علامہ ہندی سے پڑھا اور علامہ قاسم بن قطلوبغا علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس، علامہ ابن الملک کرمانی جیسے فضلاء نے ضخیم ضخیم جلدوں میں شروح لکھ کر اس کی قدر دانی کی ہو۔ پھر مولانا کمال الدینؒ محدّث استاد حضرت سلطان الاولیاؒ خواجہ نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے اپنے فاضل ولائق شاگرد محبوب الٰہی کو یہ سندِ حدیث لکھ کر دی ہو:

قرأ هٰذا الاصل المستخرج من الصحیحین علی ساطر هٰذا السطور قراءة ببحث واتقان و تنقیح معانیه وتنقیر مبانیه (فوائد الفواد)	صحیحین بخاری ومسلم سے حدیثوں کا یہ مجموعہ جو اکٹھا کیا گیا ہے اس کو سلطان الاولیاء نے ان سطروں کے لکھنے والے سے کامل بحث وتحقیق معنوی کے ساتھ حاصل کیا پڑھا۔

کیا اس زمانہ میں علمِ دین کے فروغ وشیوع کا اظہار نہیں ہوتا؟ ایسے ہی حضرت سلطان الاولیاؒ کے عہد معارف عہد میں مولانا فخر الدین زرادیؒ محدث شیخ الاسلام فرید الدین شافعیؒ جن کے مشہور شاگرد مولینا علاء الدین نیلی اپنے وقت کے فقیہ وعالم اور محدث تھے اور مولانا شمس الدین یحییٰ، مولینا ضیاء الدین شیرازی مولینا جمال الدین، مولینا جلال الدین اودھی، قاضی محی الدین کاشانی، مولینا فخر الدین مروزی، مولانا سراج الدین عثمان وغیرہ جیسے بزرگان دین جو غیر معمولی علم وعمل کے نمونے تھے اور جنھوں نے ہندوستان کے بعض صوبوں میں معرفت وہدایت کے چراغ مستقل طور پر روشن کر رکھے تھے صرف اسی عہد میں اتنے عظیم الشان علماء کا وجود گرامی اس وارالکفر کو کیا بنا چکا تھا؟ اس کے ساتھ بابا داؤد مشکوتی (حافظ مشکوٰۃ شریف) مولانا عبد الملک عباسی حافظ بخاری، مولانا رحمت اللہ الہ آبادی صحاح ستّہ کے حافظ اسی خاکِ پاک سے اُٹھے۔ جو دولتِ حدیث کہ شیخ اسمٰعیل لاہوری المتوفیٰ ۴۴۸ھ میں لے کر یہاں آئے تھے اس میں ہر عہد میں اضافہ ہوتا گیا۔ پھر اسی کفرستان سے فخر المحدثین حضرت شیخ علی متقی صاحب (اُستاد علامہ مُلّا علی قاریؒ) کنز العمال اور شیخ عبد الوہاب متقی، ملّا احمد بن طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار جیسے عظیم القدر علماء حدیث ہیں جن کی منّت پذیری سے کوئی اسلامی ملک محروم نہ رہ سکا۔ اور اوّل کے دونوں بزرگوں نے تو خود مرکزِ اسلام اور وحی ورسالت حرمین شریفین میں اسی دولت جاوید کو کمال دریا دلی سے تقسیم کیا۔ اطرافِ عالم میں فیوض کے چشمے جاری کیے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب کہ ہندوستان کی علمی عظمت وجلالت کا آفتاب عالم تاب ایک دنیا کو منور کر رہا تھا اور علامہ ابوالحسن البکری کے اس تاریخی فقرہ للسیوطی منه علی العٰلمین وللمتقی منه علیه۔ ہندوستان کی بزرگی پر مہر توثیق ثبت کردی کیونکہ شیخ علی متقی برہانپوریؒ کے براہِ راست تلمیذ وخلیفہ شیخ عبد الوہابؒ متقی سے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے سندِ حدیث حاصل کی اور پھر اس علم شریف کی وہ گرم بازاری ہوئی کہ جنس نایاب ہندوستان کے گوشے گوشے تک پہنچ گئی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس سے پہلے علم حدیث کے فضلاء سے یہ سرزمین خالی تھی۔ شیخ بہلولؒ (استاد حدیث حضرت مجدد الف ثانی، علامہ مرتضیٰ شریفی (شاگرد ابن حجر مکیؒ) مولینا رفیع الدین الایجی (شاگرد شیخ شمس الدین السخاوی، مولانا عبد العزیز اردبیلی (شاگرد حضرت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ) کی مبارک شخصیتوں اور ان کی فیض رسانیوں سے یہ ملک معمور ہوچکا تھا۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ بقول حضرت الشیخ قدس سرہٗ یہاں حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی اور حضرت الامام الشاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی کے ذریعے

اس شجرہ طیبہ کی جڑیں اس طرح پیوست ہوئیں کہ تُؤْتِیْٓ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا کے مصداق ہر موسم ہر عہد میں یہ خوش مزہ ثمرات ٹپکتے رہے اور اس خوش رنگ اور خوشبودار پھلوں اور پھولوں سے تختۂ ہند سدا بہار بن گیا اس گلزارِ علمی میں پھر مکمل خزاں کا منظر نہ پیدا ہو سکا بلکہ یوماً فیوماً ان بہاروں میں ترقی ہوتی گئی۔

حضرت شیخ محدث دہلوی اور ان کے اخلاف کرام شیخ نور الحق، مولینا شیخ الاسلام مولینا سلام اللہ دہلویؒ نے خدمتِ حدیث میں اس قدر توجّہ دی کہ فارسی زبان ان جواہرات سے مالا مال ہو گئی لیکن یہ تاریخی حقیقت بھی ہمارے سامنے ہے کہ حکومت مغلیہ کے دورِ ارتقاء میں فلسفہ وحکمت کے نام سے جو علمی دنیا میں طوفان بدتمیزی پیدا ہوئی۔ اس نے دینیات اور خصوصاً تفسیر و حدیث کی طرف سے بے اعتنائی پیدا کر دی نام ونمود کے خواہش مندوں منطق و فلسفہ میں توغل وانہماک پیدا کر کے ناموری اور قدردانی کے مواقع حاصل کیے اور دیندار دانش مندوں عالموں نے فقہیات میں عبور پیدا کر کے مسندِ قضاء و افتاء کو زینت دی، وہ نورانی چراغ جس کو شیخ محدثؒ نے عرب کی سرزمین سے لاکر یہاں روشن کیا تھا۔ بادِ حوادث کے جھونکوں سے جھلملانے لگا اور کچھ عرصے کے بعد خود مغل سلطنت کا ستارہ گردش میں آگیا لیکن اسلام کے فطری والٰہی دین ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب کبھی سیاسی اسلام روبہ تنزّل ہوا اسی وقت روحانی اسلام نے تجدید و احیاء کی نئی انگڑائی لی۔ جب بھی ملّتِ اسلامیہ حکومتی سطح پر انتشار و پراگندگی کا شکار ہوئی۔ حضرتِ حق جل مجدہٗ کی طرف سے ایسے پاک بازو طاقت ور روحانی شیرازہ بند (مجدد) اُٹھ کھڑے ہوئے جنھوں نے افرادِ امّت میں نئی تازگی و شیفتگی بخشی، عروقِ مردہ میں نئی زندگی کی رَو دوڑائی۔ ٹھیک اسی وقت جب عالمگیر اعظمؒ کا آفتابِ اقبال دکن کی وادیوں میں غروب ہو رہا تھا پرانی دلّی کے ایک بوریہ نشین بزرگ کے جھونپڑے میں علم و فضل کا نیا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ یہ تھے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ امّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس آخری دور میں اس عظیم شخصیّت نے وہ رُوحِ تجدید پھونکی کہ حکومتِ مغلیہ کے چراغ گل ہو جانے کے باوجود آج تک امت کا سرچشمہ حیات خشک نہ ہو سکا۔

آج اقلیم ہند میں جہاں کہیں بھی قال اللہ، قال الرّسول کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں یہ اسی مقدّس ذات کی صدائے بازگشت ہے آج جہاں کہیں علم دین کی روشنیاں پھیلی ہُوئی ہیں یہ اسی مشکوٰۃ حقیقت کا پرتو افشانی سے ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے وجُودِ مبارک نے مسلمانوں کی اصلاح و دعوت کے لیے ایک نظام حیات مرحمت فرمایا جو نہ صرف اس گرتی ہوئی قوم کو سنبھالنے اور کھڑا کر دینے کا ذمہ دار تھا بلکہ اقوام عالم میں قیادت و سیادت کا تاج اس کے سر پر رکھ دینے کی کفالت کر سکتا تھا۔ قضاء و قدر کے اشاروں پر سرِ تسلیم خم کر دینے کے سوا تو کوئی چارہ نہیں، لیکن انسان فکر و تدبیر کے لحاظ سے اس نسخۂ شفا میں یہ خاصیّت تھی۔ شاہ صاحب کی دعوت کا مرکز علم و عمل میں سلف صالحین کا کامل اتباع تھا۔ اسلاف کرام کی سچّی پیروی ہی کا دیرینہ سبق حضرت شاہ صاحبؒ نے اس تنزل پذیر امّت کو دیا تھا اور اس کا عملی نتیجہ دنیوی و اُخروی فوز و فلاح، کامرانی و شادمانی قرار دیا تھا۔

حضرت شاہ صاحب کی اس روشنی میں ان کے متوسلین و متبعین کا قافلہ چل کھڑا ہوا اور ان کے سچّے خلیفہ و جانشین سراج الہند شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ نے دارالحرب کے فتوے سے ایک دینی انقلاب کی تمہید پیدا کر دی۔

مجاہدِ اعظم حضرت سیّد شہید قدس سرہٗ اور شیخ المجاہدین مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے جس دینی جہاد کے معرکہ میں سرخروئی حاصل کی وہ انہی خطوط پر قائم تھی اور پھر بعد میں حضرت استاذ الکل شاہ عبدالعزیز قدس سرّہٗ کے گرامی قدر نواسوں حضرت شیخ الآفاق شاہ محمد یعقوبؒ کی ہجرت اسی فتوے کی تعمیل تھی اور ان بزرگوں کے بعد سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی سرکردگی میں حضرت الامام النانوتوی قدس سرّہٗ و قطب الارشاد گنگوہیؒ اور حضرت حافظ ضامن شہیدؒ کا معرکہ ۱۸۵۷ء میں علم جہاد بلند کر کے کھڑے ہونا یہ تاریخی تسلسل و عزیمت و محنت کا اسی سلسلہ ولی اللّٰہی کی تاریخ کی اہم کڑیاں ہیں لیکن اس جہاد حرّیت ۱۸۵۷ء میں بھی ناکامی کے بعد بھی نہ ان بزرگوں نے شکست تسلیم کی نہ کبھی صلح کا ہاتھ بیرونی سامراجی طاقتوں کی طرف بڑھایا۔ حضرت قطب عالم شیخ الہند قدس سرہٗ ۱۹۱۴ء میں ایک نقشۂ جنگ تیار کر کے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً کی طرف کوچ کیا۔ ابھی اس خاکہ میں عملی رنگ بھرنے کا موقع نہ مل سکا تھا کہ پانسہ پلٹ گیا۔ راز اپنے جدید تعلیم یافتہ دوستوں کے ذریعے فاش ہوا اور سرزمین مالٹا نے ان مجاہدینِ حرّیت کا بڑھ کر استقبال کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی رفاقت و معیّت اور سعادت خدمت، استفادہ صحبت کا شرفِ خصوصی جس بزرگ ذات کو خصوصیت سے میسّر آیا وہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس اللہ سرہٗ کی ذات تھی جن کے سایۂ رحمت و شفقت کا اُٹھ جانا ہمارے لیے باعثِ حزن و ملال اور وجہ ابتلاء و آزمائش ہے اس بظاہر مختصر مگر باطن طولی پس منظر کا تذکرہ اس لیے ضروری ہوا کہ حضرت الشیخ قدس سرہٗ کے کمالات علمی کی ہلکی سی جھلک نظر آسکے۔

کیونکہ حضرت الامام الشاہ ولی اللہ قدس سرّہٗ نے اس پورے تجدید و احیاء امّت کی بنیاد علم پر قائم کی تھی۔

ہندوستان کی آزادی اور ملّتِ اسلامیہ ہند کی سرسبزی و کامیابی کی اساس علم صحیح اور عمل صالح پر رکھی تھی کیونکہ بقول مولانا اصلاحی خلافت و امامت اصلاح و تجدید کا رشتہ علم سے وابستہ رہا ہے۔ (مقدمہ مکاتیب)

ظاہر پرست افراد شاہ صاحب کے کارناموں کو ہمیشہ ظاہری علمی و تصنیفی پیمانوں سے ناپتے رہے اور بہت سے بزرگ ان کے باطنی مقامات و واردات پر ہی زور دیتے رہے لیکن ولی اللّٰہی دعوت نے علم و عمل، ظاہر و باطن، نظم و ضبط اور تقویٰ و طہارت، جہاد و مجاہدہ، ریاضت و مراقبہ ان سب کے توازن پر امّت کو اٹھانا چاہا تھا۔

بر کفے جام شریعت، بر کفے سندان عشق
ہر ہوس ناکے نداند جام و سندانِ باختن

اس لیے یہ دعوتِ مبارکہ ہر شکست کے بعد نئے زور و قوت کے ساتھ ابھری

ماڈرن
سوپ رجسٹرڈ
سب سے بہتر
سب سے اعلیٰ
اب کالے اور سفید رنگ
میں بھی دستیاب ہے
کپڑوں کی عمدہ اور اعلیٰ دھلائی کیلیے
ہمیشہ استعمال کریں
پتہ: ماڈرن سوپ انڈسٹریز لمیٹڈ گوجرانوالہ
فون ۸۲۵۹۱
۸۲۸۶۴

ہر ناکامی نے کامیابی کے لیے اکسایا، کیونکہ جو انقلاب و اصلاح صحیح علم کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے ناقابلِ تسخیر اور پائیدار بنیادوں پر قائم ہوتا ہے (مقدمہ) بہر حال مدرسہ رحیمیہ (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ) سے لے کر جامعہ قاسمیہ دارالعلوم دیوبند تک علمی سطح پر جو کچھ کام ہوا ہے اس میں یہی روح کارفرما تھی۔ حضرت استاذ الکل شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ نے جس مسندِ نیابت کو زینت بخشی تھی حضرت شیخ الآفاق شاہ محمد اسحاق قدس سرہٗ اس پر متمکن ہوئے پھر حضرت شاہ عبدالغنی مجددی قدس سرہٗ کے سر پر یہ تاج رکھا گیا۔ حضرت الامام النانوتوی اور حضرت الشیخ گنگوہی کے واسطہ حضرت قطب عالم شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ اس منصبِ عظیم کے مستحق قرار دیئے گئے اور حضرت علامہ علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے بعد اس وسادۂ علم و عرفان پر حضرت الشیخ قدس سرّہٗ کو بٹھایا گیا اور حضرت اقدسؒ اقتعناً اس کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے خدا سے جا ملے تغمدہ اللہ برحمتہ

دارالعلوم کی صدر مدرسی کا عہدہ بقول حضرت قاری محمد طیّب صاحب مہتمم مدّظلہم "رسمی عہدہ نہیں رہا ہے بلکہ ہمیشہ ایک عمومی مقتدائیت کا عہدہ رہا ہے جس کی طرف رجوع عام ہوتا رہا ہے اور جس کے لیے منجانب اللہ ہمیشہ ایسی ہی ممتاز شخصیتیں منتخب ہوتی رہی ہیں جس کا امتیاز ہمیشہ مناسب وقت فضائل و کمالات کے معیار سے رہتا آیا ہے۔

حضرت الشیخ قدس سرّہٗ کے علمی کمالات پر روشنی ڈالنا اربابِ علم کا منصب ہے ہم جیسے کور باطن و جاہل و نااہل افراد کا حضرت اقدس کے علوم و معارف کو بیان کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔

حضرت الشیخ قدس سرّہ کی سیرت مبارکہ از ابتدا تا انتہا علم و حکمت، درس و تدریس، تعلیم و تعلم کی مسلسل کہانی ہے وہ ذات والاصفات جو معلّمِ اعظم حضور سرور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اسی صبغتہ اللہ سے رنگی ہوئی ہو اس کے کمالات علمی کا احصاء دشوار ہے جب اس معلم عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کی غرض و غایت ہی انما بعثت معلما (میں معلم نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں) فرمایا اس کے نقشِ قدم پر چلنے والی ہستی کی پاکیزہ زندگی درس و تعلیم سے مسلسل عبارت ہو تو ہمیں اس میں تعجب نہ ہونا چاہیئے آپ کی زندگی کا آغاز رسمی تعلیمات سے ہوا لیکن کچھ عرصہ بعد ہی حقیقی علوم کی طرف قدرت نے رُخ پھیر دیا اور اپنے وقت کے زبردست استاد اور مجاہد کبیر حضرت مولینا محمود حسن شیخ الہند قدس سرہٗ کی آغوش تربیت میں پہنچ کر سب کچھ حاصل کر لیا جو آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے نسبی و نسبتی فرد کا حصہ ہو سکتا ہے اور پھر ۱۳۱۶ھ یہ نوجوان صالح شباب نشار فی عبادۃ اللہ کے مصداق حضور رحمۃ اللعٰلمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جوار رحمت میں پہنچ کر کسب فیض کرنے میں سرگرم ہو گیا۔ اس مقدس سرزمین میں رہ کر پایا جو کچھ پایا اور روحانی انوار کو آپ کی فطرت صالحہ نے جذب کیا جس قدر بھی کیا یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت اقدس ہندوستان میں ظاہری و باطنی کمالات سے سرفراز ہو کر ان دیارِ پاک میں حاضر ہوئے تھے۔

قطب الارشاد حضرت شیخ الشیوخ مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت طریقت فرما چکے تھے اور حسب ارشادِ مبارک سیّد الطائفہ قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرّہٗ سے تعلیم و تلقین حاصل کر رہے تھے۔

پھر دو سال بعد محرم ۱۳۳۹ھ بعد وصال حضرت حاجی صاحب قدس سرّہٗ قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ نے مدینہ منورہ سے طلب فرما کر دستار فضیلت ہی نہیں بلکہ دستارِ خلافت بھی اپنے دستِ مبارک سے فرق انور پر باندھ دی۔

حضرت اقدسؒ کے جملہ خلفاء میں (جن کی تعداد بے شمار ہے) یہ امتیاز خاص حضرت والا اور آپ کے برادرِ معظم مولانا سیّد احمد صاحبؒ کے حصہ میں آیا۔ فللّٰہِ الحمد والمنۃ۔

حضرت استاذ کبیر شیخ الہندؒ کے دورہ میں بھی مکرر شرکت فرمائی اور بقول حضرت الاستاذ میاں صاحب قدس سرّہٗ حضرت شیخ الہندؒ نے اس سال درس حدیث میں خلافِ عادت علومِ حقائق بیان فرمائے جو آپ کے مستقبل کی درخشانی کی تمہید اور جانشینی کے اشارے تھے۔

اب جب حضرت والا مراجعت فرمائے حرم شریف ہوئے تو علوم معارف کے خزانے لے کر اور حسب ارشاد استاد مکرمؒ ان کے فیوض و برکات کو اصل سرچشمۂ ہدایت میں عام کرنے کے لیے بشارت غیبی اور تائیدات ایزدی نے تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے حلقہ درس کو شامی، حجازی، یمنی علماء کرام کے حلقوں میں امتیاز بخشا اور ایک ہندی عالم (حضرت الشیخ) نے اپنے اسلاف کرام شیخ علی متقی استاذ علامہ علی قاری و مرشد علامہ ابن حجر مکیؒ شیخ عبدالوہاب متقی، شیخ حیات سندھیؒ، شیخ عابد سندھیؒ، علامہ مرتضیٰ بلگرامیؒ اور آخر میں شیخ الآفاق شاہ محمد اسحاقؒ، شاہ عبدالغنی قدس سرہٗ وغیرہم کی مقبولیت و ہر دلعزیزی کی یادیں تازہ کر دیں۔ اس طرح اس شیخ العرب والعجم نے اٹھارہ برس حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھ کر اور بقول مولانا اصلاحی خود صاحب کتاب و سنت کے زیر نظر رہ کر کتاب و سنت کا درس دیا اور نبوت کی میراث علمی کو عرب سے عجم تک تقسیم کیا اور پھر اپنے مرشد برحق حضرت شیخ الہندؒ قدس سرہٗ کی صحبتِ مبارکہ میں ۱۹۱۴ء میں جزیرہ مالٹا میں اخذ فیوض کرتے رہے اور قرآن حکیم کے ترجمہ کے علمی و عرفانی کارنامہ میں سعادتِ شرکت سے مستفید ہوئے۔ واپسی کے بعد ابتدا دارالعلوم کلکتہ اور پھر سلہٹ (آسام) کی درس گاہوں میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے گراں قدر علمی فرائض کو سرانجام دیا۔ آخر میں ۱۳۴۶ھ ایشیا بھر کی واحد دینی و مذہبی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں مسند صدارت کو رونق بخشتے ہوئے اپنے اسلاف کرام کے مسلک صحیح کی جانشینی و عہدہ برآئی کرتے ہوئے اس عالمِ فانی سے گزر کر محبوبِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ فرحمہ اللہ تعالیٰ۔

دارالعلوم دیوبند سے پہلے آٹھ دس سال اور دارالعلوم میں تقریباً ۳۴، ۳۵ سال جس بزرگ ہستی نے تعلیمی زندگی گزاری جس کی علمی زندگی کا آغاز مرکز اسلام میں ہوا ہو اور وہاں بھی اٹھارہ سال درس و تدریس کو اوڑھنا بچھونا بنایا ہو اور اس طرح تخمیناً ساٹھ سال تعلیم و تعلم میں بسر ہوئے ہوں جو اپنی فراست ایمانی، قوت حافظہ،

غیر معمولی یادداشت، فوق العادت، تقوٰی وطہارت، دینداری و پرہیزگاری کا حامل ہو اس کے علمی کمالات کا احصاء کرنا ہم جیسے جاہل و ناداں انسانوں کے لیے سخت مشکل و دشوار ہے لیکن علمی کمالات پر اپنے خام کارانہ تاثرات کو بیان کر دینا بھی آسان نہیں ہے۔ بہرحال بفحوائے مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ ان عنوانات کی نشاندہی ضروری ہے جس کی وجہ سے اس راہ کا جویا آگے قدم بڑھا سکتا ہے۔

حضرت والا کے علمی وعرفانی کارنامے اپنے اساتذہ ومشائخ کی طرح جامع کارنامے ہیں جن سے اسلامی زندگی کا ہر گوشہ روشن وتاباں ہے جو علوم وفنون دینی واسلامی ہیں جن کو گویا آپ کے موروثی علوم کہا جا سکتا ہے ان کی مہارت ووسعت اور گہرائی کا تو ٹھکانہ ہی کیا؟ لیکن جو علوم وفنون عموماً آج کل کے اہل علم کے دائرہ فکر ونظر سے خارج ہیں ان کی حذاقت وکاملیت اور گہرائی کا غیروں نے اعتراف اور اپنوں نے شہادت دی ہے بھلا تاریخ واقتصاد وسیاست واجتماعیات کے جدید فنون سے ایک قدیم عالم مفسر ومحدث وفقیہہ کو کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔ لیکن حضرت الشیخ قدس سرہٗ کے اس فضل وکمال کا دوست تو دوست دشمنوں نے اقرار کیا ہے۔ آٹا، دال، تیل وغیرہ کا بھاؤ بتانے والے مولوی مولانا کے طنزیہ جملہ سے اس کی مہارت کو تسلیم کیا ہے بقول ارباب سیاست گوکھلے آنجہانی کے بعد تاریخی اعداد وشمار کو اس قدر برجستہ بیان کرنے والا مولانا مدنیؒ کے سوا اور کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اس موقع پر مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کے اس تعارف کا نقل کرنا دلچسپی کا باعث ہوگا جو مولانا نے مکتوبات شیخ الاسلام حصہ دوم کے مقدمہ میں فرمایا ہے۔

"کسی صاحب کمال ہستی کے کمالات وخصوصیات، شخصیت وصفات کا تعارف کرانا اہل نظر کا کام ہے لیکن کسی صاحب کمال شخصیت کے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات نقوش وتاثرات کے اظہار کے لیے خود صاحب کمال اور صاحب نظر ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے۔"

۱۹۲۸ء کی بات ہے لکھنؤ کی مشہور سفید بارہ دری میں آل پارٹیز کانفرنس ہو رہی تھی اور نہرو رپورٹ پیش تھی۔ شب کی نشست میں مرحوم تصدق احمد شروانی نے کسی تجویز پر تقریر کی اور اس میں کچھ اعداد وشمار پیش کیے ان کی تقریر کے بعد ایک بزرگ کھڑے ہوئے، جبہ ودستار میں ملبوس، عربی مشلح اور ہندوستانی عمامہ، لیکن عجیب بات یہ کہ شروانی مرحوم (جو ایک کہنہ مشق سیاسی لیڈر تھے) کے پیش کردہ بعض اعداد وشمار کی تصحیح فرمائی۔ متجسس نگاہوں کا جواب تھا، مولانا حسین احمد مدنیؒ۔ اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک جلسہ میں جو طلبہ کے درس قرآن کی تکمیل کی تقریب مسرت میں منعقد ہوا تھا۔ مولانا کو خالص دینی وعلمی تقریر کرتے سنا جس میں آپ نے قرآن کے فضائل وآداب بیان فرمائے اور اس کی توجیہہ فرمائی کہ بعض فرقوں کو قرآن مجید کیوں یاد نہیں ہوتا۔ نیز قدیم نصاب درس میں معقولات کی زیادتی اور قرآن مجید کے درس ومطالعہ کی کمی اور اس کی حق تلفی پر تنقید فرمائی۔"

خوش قسمتی سے دارالعلوم دیوبند میں حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے ۱۳۳۵-۱۳۳۶ھ مشتاقانِ علوم کے لیے روز شنبہ ہر ہفتہ وقف فرمایا تھا جس میں تاریخ واقتصادیات وسیاسیات یا آج کل کے الفاظ میں جنرل نالج پر افادات مبارکہ کا سلسلہ عصر سے مغرب تک جاری رہتا تھا۔ حضرت قدس سرہٗ کے ان جواہر گراں مایہ کو راقم الحروف نے حسب عادت منضبط کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ ۱۹۵۰ء کے فسادات امرادئی میں کل ذخیرہ کی طرح حضرت والا کی تقاریر مذکورہ اور بخاری شریف وترمذی شریف کی تقاریر کا مجموعہ جو تین چار ہزار صفحات سے کم نہ ہوگا، نذر آتش ہو گیا جس کا قلق مدت العمر رہے گا۔

حضرت اقدس کی علمی شان کا اندازہ کلموا الناس علیٰ قدر عقولہم کے مطابق موقع محل اور مقام کے لحاظ سے رنگِ تقریر تھا۔ دارالحدیث دیوبند کا رنگ علمی وتحقیقی اور محدثانہ ومجاہدانہ ہوتا تو مسجد دارالعلوم کا مؤرخانہ، داعیانہ اور معلومات آفریں ہوتا، عوامی تقاریر کا ڈھنگ ان دونوں رنگوں سے یک گونہ مختلف ہوتا۔ ان میں دعوتِ فکر وذکر غالب ہوتی لیکن انداز عام فہم وسلیس ہوتا۔

حضرت اقدس کا اصلی رنگ تفسیر وحدیث اور فقہ وتاریخ، اصلاح وارشاد، تربیت وسلوک ومعرفت کا تھا، اگر ان میں سے ہر ایک عنوان پر مبسوط ومفصل روشنی ڈالنے کا قصد کیا جائے تو مضمون کے دائرہ سے باہر نکل جائے گا۔ اس لیے مختصراً ایک ایک نمونہ پر اکتفا کرتے ہوئے ناظرین کو دعوتِ فکر ونظر دیتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔ حضرت الشیخ کا تفسیری کمال جس درجہ پر تھا افسوس کہ اس قدر استفادہ نہ کیا جا سکا۔ اس کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے ترجمہ میں شرکت فرماتے تھے اور پھر اس کی تفسیری فوائد کے سلسلے میں مولانا مجید حسن مدظلہٗ نے آپ ہی کی طرف رجوع کیا لیکن عدیم الفرصتی اور تصنیف وتالیف کا ذاتی ذوق نہ پیدا کرنے کی وجہ سے انکار فرمایا۔ لیکن اس عجیب وغریب کمال کا مظاہرہ بخاری وترمذی کے کتاب التفسیر میں ہوتا۔ دارالحدیث دیوبند میں حضرت والا کی وہ پُر کیف صدائے حق آج تک کانوں میں گونج رہی ہے۔ ایک قرآنی لطیفہ نمونہ کے طور پر عرض ہے:

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ سے مولانا نور الدین راجی نے سوال فرمایا کہ:

سورہ نوح میں باری تعالیٰ نے منکرین سے یوں خطاب فرمایا ہے: اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (الآیۃ) جب ساتوں آسمان نظر نہیں آتے تو اس کو دلیل بنا کر مخاطبت کیسے صحیح ہے؟ حضرت والا نے جواباً ارشاد فرمایا کہ آپ رویت کو (آیت) اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ (الآیۃ) میں رویت بصری پر ہی کیوں منحصر فرماتے ہیں۔ گذارش یہ ہے

رویت محاورات عرب اور قرآنی محاورات میں دونوں قسم میں مستعمل ہوتا ہے۔ رویت قلبی بمعنیٰ علم اور رویت عینی بمعنیٰ البصر اور اس کے معانی حقیقۃً بطور اشتراک ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ

توزھم ازاً - (الآیۃ) وغیرہ آیات بکثرت وارد ہیں کتاب التفسیر میں بخاری نے تصریح فرمائی ہے لہٰذا اگر ساتوں آسمان بذریعہ قوتِ بصری مدرک نہیں تو بذریعہ قوت علمیہ تو مدرک ہیں اس لیے مخاطبت صحیح ہے۔ (مکتوبات صـ ۳۱۲/۱-۲۰)

سائنسی دور کے اس مغالطہ کو حضرتِ اقدس نے جس اختصار و جامعیت سے صاف فرمایا ہے وہ اہل علم جان سکتے ہیں۔

ایک صاحب نے حضرت الشیخ قدس سرہٗ سے صحابہ کرام کی شان جو سورہ فتح میں آئی ہے: والذین معہ اشداآءُ علی الکفار رحماآءُ بینھم ط (الآیۃ) کے بارہ میں فرمایا کہ جنگ جمل و صفین کے واقعات غلط ہونے چاہئیں۔ ورنہ آیات شریفہ کا کذب لازم آتا ہے۔

حضرت نے تحریر فرمایا: رحماء بینھم اس قسم کے جنگ کے خلاف نہیں ہے کیا شفقت و رحمت باعثِ جنگ نہیں ہو سکتی، حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام میں کس قدر اختلاف ہوا کیا وہ دشمنی سے تھا؟ باپ بیٹوں میں زد و کوب کے واقعات کیا محبت و رحمت سے نہیں ہوئے کیا رحمۃ للعلمین کے جہادات کو رحمت سے علاقہ نہ تھا۔ کیا جرّاح و ڈاکٹر کا نشتر لگانا اور مریض کو تکلیف دینا مظاہر رحمت سے نہیں ہے۔ اجتہادی غلطی میں اگر غور فرمائیں تو عموماً مظاہرِ رحمت ہی محسوس ہوگا۔ (مکتوبات صـ ۳۲۵/۱-۲۰)

ان مختصر جملوں میں حضرتِ اقدس نے ملّتِ اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ تاریخی واقعات کا کس قدر صاف و شفاف چہرہ پیش کر دیا جس نے تاریخ امّت کو داغدار بنا دیا ہے واقعۃً تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک و نازک مسئلہ کی عقدہ کشائی حضرت اقدس کی شان تحقیق کی آئینہ دار ہے۔ خصوصاً خط کشیدہ الفاظ آج بھی ہمارے لیے پیام رحمت بن سکتے ہیں۔ حضرت اقدس کی محدثیّت اور علم حدیث میں عالیمقامی عرب و عجم میں مسلم الثبوت ہے علمی کمالات میں جس کمالِ خصوصی کا خلعت مبارک آپ کے جسم اقدس پر موزوں ثابت ہوئی وہ یہی کمال تھا، علم حدیث کی خدمت آپ کی زندگی تھی۔ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا، جینا مرنا آقائے نامدار علیہ السّلام کے اقوال شریفہ و افعال مبارکہ کی تعمیل پر مبنی ہوتا تھا۔ یہی علمی و عملی خدمت آپ کی سیرت کا روشن عنوان ہے اس پر اگر واقعتاً اہلِ علم روشنی ڈالنے کی کوشش فرمائیں تو مبسوط کتابیں تیار ہو سکتی ہیں ہم جیسے نااہلوں کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کمال کا اقرار کریں، نمونۃً صرف ایک لطیفہ علمی پیش کیا جا سکتا ہے۔ مشہور حدیث خلق اللہ اٰدم علی صورتہٖ کی توجیہات فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

یہ روایت نہایت قوی ہے بخاری شریف کی روایت ہے مگر معلوم ہے کہ حسبِ قواعد عربیہ ضمیر کو اقرب مراجع کی طرف لوٹانا چاہیئے۔ اور وہ لفظِ آدم ہے جس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا ایسا نہیں ہوا، جیسا کہ عام آدمیوں میں ہو رہا ہے۔ سورہ حج میں یٰایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقنٰکم من تراب ثم من نطفۃٍ ثم من علقۃٍ ثم من مضغۃٍ مخلقۃٍ - الآیہ

سورہ مومنون میں ہے: ولقد خلقنا الانسان من سلالۃٍ من طینٍ ثم جعلنٰہ نطفۃ فی قرارٍ مکین۔ ثم خلقنا النطفۃ علقۃً فخلقنا العلقۃ مضغۃ - (الآیہ)

سورۂ مرسلٰت میں ہے: الم نخلقکم من ماءٍ مھین - الآیہ - الحاصل تمام انسانوں کی خلقت تدریجی ہے مگر حضرت آدم علیہ السّلام کی خلقت دفعی ہے اسی بنا پر روایت موجودہ میں بعد کو فرمایا ہے طولہ ستون ذراعًا (الحدیث)۔ (بخاری شریف۔ نصف ثانی)

اب اس تقریر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

(۲) صورتہ کی ضمیر حضرت آدم علیہ السّلام ہی کی طرف راجع ہو اور مراد ان کی صورت روحانیہ ہو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جسمانی و مادّی حیثیت ایسی ہی دی گئی جیسی ان کو روحانی صورت عطا کی گئی تھی تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسانی ارواح بھی واقع میں مرکب ہیں، نہ بسیط وہ نسمہ یعنی روح حیوانی نفس ناطقہ روح ملکوتی سے مرکب ہے اور اس میں مادہ شیطانی اور مادّہ ملکی وغیرہ بھی رکھا گیا ہے اس میں عالمِ علوی کی تمام موجودات کا عنصر اسی طرح رکھّا ہوا ہے جس طرح اس کے جسم میں عالم سفلی نے تمام مواد خاک، نار، مآر، ہوآ، نفس جمادی، نفس نباتی اور نفس حیوانی وغیرہ موجود ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السّلام کے جسم میں وہ سب چیزیں اور قوتیں پیدا کی گئیں جو کہ اس کی روح میں کامن و منتشر تھیں۔ اس کی روح میں قوت باصرہ تھی بینائی دی گئی، اس میں قوتِ بطش تھی اس کو ہاتھ دیئے گئے وعلیٰ ہٰذا القیاس اس کی روح میں قوتِ حاسّہ تھی اس لیے اس کے جسم میں قوتِ حاسّہ رکھی گئی، اس کی روح میں قوتِ واہمہ تھی اس کے دماغ میں یہ قوت رکھی گئی، اس کی روح میں قوت بہیمہ تھی اس کے جگر میں یہ قوت رکھی گئی۔ علیٰ ہٰذا القیاس اس کو قلب دیا گیا تاکہ قوتِ سمعیہ کا مرکز ہو، اس کو دماغ دیا گیا تاکہ قویٰ عقلیہ کا تختِ سلطنت بنے وہٰکذا غرضیکہ مبدأ فیاض سے انسان پر فیض کامل کیا گیا اور اس کی باطنی و ظاہری دونوں طرح تکمیل فرمائی۔ "وما منعک ان تسجد لما خلقتُ بیدی" ارشاد فرمایا گیا ہے یہاں مخلوق ہے جس میں باطنی تکمیل ہے مگر ظاہری نہیں جیسے فرشتے وغیرہ، ظاہری تکمیل ہے مگر باطنی نہیں جیسے حیوانات و جمادات و نباتات وغیرہ، بخلاف انسان کے کہ وہ خلاصۂ موجودات اور عالم اصغر بنایا گیا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسنِ تقویم (الآیہ) اس لیے اس پر بوجہ تشکر کا سب سے زیادہ رکھا گیا اور اسی وجہ سے عدم شکر پر عذاب بھی زیادہ اور سب سے زیادہ رکھا گیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جس پر زیادہ انعام ہوتا ہے اس سے بازپرس بھی زیادہ ہوتی ہے ثم رددنٰہ اسفل سافلین۔ (الآیہ) اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہی مستحق خلافت ربّانیہ قرار دیا گیا۔ شہنشاہ کی نیابت ہر شخص کو نہیں دی جاتی۔

(۳) حضرت آدم علیہ السّلام کی روح ارواح میں سب سے زیادہ جامع اور خوب صورت پیدا کی گئی جس پر بشارت خلافت اور مجلس ملائکہ میں اس کو پیش کرنا بتلانا ہے اسی طرح ان کو جسم بھی تمام اجسام سے خوب صورت اور مکمل دیا گیا ۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۔ شاعر کہتا ہے ؎

ما انت مادحها یامن یشبهها
بالشمس والبدر لابل انت ماجیها
من این للشمس خلل فوق وجنتها
ومضحک من نظام الدیس فی فیها
من این للبدر احیفان مکحلة
بالسحر والقبح یجری فی حواشیها

فارسی شاعر کہتا ہے :

من ماہ ندیدم کلہ دارد — من سرو ندیدم قبا پوشش

(۴) اگر ضمیر صورتہ کی لفظ جلالہ کی طرف راجع کی جائے اگرچہ یہ طریقہ شائعہ عربیہ کے خلاف ہے تاہم کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جیسے الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر (الآیہ) اور تعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرة واصیلا (الآیہ - فتح)
ضمیر تسبحوہ العبد مذکور کی طرف راجع ہے تو البتہ اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ جناب باری عز اسمہٗ شکل وصورت سے منزہ ہے لیس کمثلہ شیئ ۔ ذی صورت کے لیے محاط بحد یا محدود ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ بشکل شی محیط ہے وہ محاط نہیں ہو سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ صورت اس جگہ بمعنے صفت ہے جیسے مسائل عقلیہ غیر مادیہ کے لیے کہا جاتا ہے ۔ صورة المسئلہ کذا وکذا ای صفتها کذا وکذا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفات پر پیدا کیا اور حضرت آدمؑ کو اپنی تمام صفات عالیہ میں سے حصّہ دیا ۔ ان کے ظلال وعکوس بتمامہا اس میں رکھ دیئے اور مخلوقات سب کو جامع نہیں ہیں جس طرح آئینہ مظہر نور شمس ہے اسی طرح آدم علیہ السّلام مظہر جملہ صفات کمالیہ جناب باری عز اسمہٗ بنائے گئے اور اسی لیے اشرف المخلوقات اور خلیفة اللہ ہوئے کسی کا نائب وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ منیب کے صفات خاصہ کا کم وبیش حامل ہو ۔ آفتاب کا نائب چاند یا ستارے یا شمع ، چراغ ہو سکتے ہیں ، شجر حجر نہیں ہو سکتے ۔ (مکتوبات ص۱۸۵ ج۱)

حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے اس مشکل ودقیق اور غامض حدیث کی توجیہات جس کمال بے تکلفی سے بیان فرمائی ہیں جس میں بے شمار خام کاران تصوّف گمراہیوں کا شکار ہوئے یہ عمومی طریقہ درس تھا ۔ بخاری شریف وترمذی شریف کی تدریس کے تحت دورہ حدیث میں ایک ایک حدیث میں آٹھ آٹھ دس دس توجیہات بیان فرماتے ہوئے گذرتے ۔ مدارس اسلامیہ کے طریقہ درس سے ناواقف حضرات کے لیے دورۂ حدیث کا لفظ اجنبی محسوس ہو اس لیے اس کی مختصر شرح بھی سن لیجئے کہ عربی طلبہ جب جملہ علوم وفنون سے فارغ ہو جاتے ہیں تو آخری درجہ میں حدیث شریف کی آخری کتابیں صحاح ستّہ ، موطائیں اور طحاوی وغیرہ کی احادیث کو بطور سبق پڑھایا جاتا ہے ۔ مباحث فقہیہ ، مسائل مختلفہ کی تحقیق وتدقیق کی جاتی ہے اور مذاہب آئمہ کرام ترجیحی وجوہ کو پیش کر کے راجح مذہب کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے ۔ صدیوں سے مشائخ حدیث کا یہ معمول چلا آرہا ہے کہ احادیث شریفہ کے متن کو پڑھ کر یا شاگردوں سے سن کر سند حدیث دی جاتی تھی ۔ ابتدائی حدیث کی کتابوں میں بحث وحل والا طریقہ اختیار کیا جاتا اور صحاح ستہ میں سرد وتسلسل کے ساتھ پڑھتے جانا ، الفاظ کے لغوی مباحث معانی کی مدققانہ باتیں یا فروعات فقہ اور آئمہ حدیث کے مذاہب کی تحقیق وترجیح کا رنگ شامل نہ تھا بلکہ بقول حضرت الامام الشاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کہ ایں طریقہ طریقہ قصاصی است کہ قصد ازاں اظہار فضیلت وعلم است با غیر آں واللہ اعلم نہ روایت وتحصیل علم ۔ (انفاس العارفین ص۱۸۷) یہی طریقہ ولی اللّٰہی حضرت الشیخ کے اسلاف کرام سے ان تک پہنچا ۔ لیکن پچھلی صدی میں چند خصوصی مسائل کو لے کر عمل بالحدیث کا طوفان امڈا اور ان مسائل اربعہ کو مدار دین قرار دے کر عام فضا میں تلاطم پیدا کیا گیا تو اسی طوفان وتلاطم کی سطح کو ساکن کرنے کے لیے اختلاف آئمہ اور ترجیح کے اصولی مباحث بھی شامل کر دیئے گئے حضرت قطب الارشاد گنگوہی قدس سرہٗ نے گنگوہ شریف میں اور حضرت الشیخ مولانا احمد علی قدس سرہٗ نے سہارنپور میں متداول مسائل کے دلائل اور مسلک حنفیہ کو احادیث شریفہ سے مدلل کر کے دکھایا پھر ان کے جانشین حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے اور زیادہ گہرائی پیدا کی ۔ ان کے بعد حضرت علامة العصر محدث کبیر مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے اپنے تبحر علمی ، معجزانہ قوت حافظہ ، بے مثال طرز استدلال سے اس کو وسعت وفراخی ، عمق وگہرائی میں اس قدر اوج ثریا پر پہنچا دیا کہ منصف مزاج محقق کے لیے مجال گفتگو نہ رہی ۔

حضرت الشیخ قدس سرہٗ اسی مسند عالی پر رونق افروز ہوئے اور دارالعلوم دیوبند کے آنے والے ہزارہا ہندو بیرون ہند کے تلامذہ بلکہ اساتذہ کی تعلیم وتدریس سے واسطہ پڑا ۔ دیوبند کے وقار علمی ودینی کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ بلند ترین مقام تک پہنچایا ۔ ہزار ہا تشنگان علوم حدیث اس چشمۂ کمال سے سیراب ہوئے اور ہر جگہ آپ کے فیوض وبرکات کی نہریں جاری ہوئیں ، دارالحدیث دیوبند معمور سے یوماً فیوماً معمور تر ہوتی گئی اور ہر شخص مطمئن بلکہ حضرت والا کے کمالات کا گرویدہ ہو کر واپس ہوا ۔ دورہ حدیث میں درس کا زیادہ وقت ان فضلاءؒ وعلماءؒ اور طلبہ کے لاینحل اشکالات کے حل کرنے میں صرف ہوتا ۔ تسکین تشفی حاصل کرنے کے لیے وہ حضرات دور دراز مقامات سے دارالحدیث دیوبند کی طرف آتے ان مواقع پر حضرت اقدس کی حاضر جوابی ، انتقال ذہنی اور دقیقہ سنجی کے جوہر ظاہر ہوتے ساتھ ہی بے مثال تحمل وبردباری بعض اوقات لایعنی اعتراضات پر شرکائے دورہ پر بار بن جاتے لیکن حضرت الشیخ قدس سرہٗ نہایت خندہ پیشانی سے ان کے جوابات دیتے

اور جب تک اطمینان خاطر نہ ہو جاتا آگے نہ بڑھتے۔ اگر خصوصی مباحث کو ضبط تحریر میں لایا جاتا تو بے شمار مجلدات تیار ہو جاتے اور شرح حدیث کا بہترین ذخیرہ بن جاتا جو آپ کے کمالِ علمی اور مہارتِ فنی کی بہترین دلیل ہوتی۔ لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا۔ رشتہ سخن کھل جانے کی وجہ سے بات دائرۂ مضمون سے آگے بڑھتی جا رہی ہے لیکن اب ان کو قلم انداز کرتے ہوئے مہارتِ فقہی کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

مسائل متنازعہ میں میلاد و عرس وغیرہ نے اس صدی میں جس قدر مسلمانان ہند کے مابین اختلاف و انشقاق اور نفاق کی صورتیں پیدا کی ہیں ان سے ہم سب واقف ہیں۔ اہلِ حق کے لیے مشکلات و موانع کے پہاڑ دعوتِ حق کے راستہ میں کھڑے کر دیئے گئے اور عوام کو اس قدر غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیا گیا کہ وہ اصولی باتوں کے سننے کے روادار نہ رہ سکے۔ حضرت والا سے یہی سوال کیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"جن صاحب کے یہاں میلاد اور عرس ہوتا ہے اور چونکہ خلاف شرع ہوتا ہے اس لیے اوّلاً ان کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ اگر یہ ممکن نہیں تو آپ ان کے افعال میں شرکت نہ فرمائیں۔ ہاں! اگر ظنِ غالب ہو کہ وہ لوگ اس کی وجہ سے آپ کی ایذا کے درپے ہوں گے یا تعصّب وغیرہ میں پڑ کر اس سے زائد گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے یا مسلمانوں میں افتراق کا زہریلا بازار گرم ہو جائے گا تو شریک ہونا جائز ہے۔" (مکتوبات ج۱ ص۸۱)

بظاہر اس فتوٰی کی توجیہ سمجھ میں نہ آئے گی لیکن جب اس کی حکیمانہ حقیقت کو اصول شرعی کی روشنی میں جانچا جائے تو بقول مولانا اصلاحی صدہا مسائل اعتقادی کا حل نکل آئے گا۔ جس میں مدعیانِ اصلاح نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ یہ مسئلہ ذرا تفصیل طلب ہے۔

حسبِ تصریح مولانا موصوف انکار منکر کے چار درجے شرع میں ہیں۔

۱۔ یہ کہ منکر کو زائل کر کے اس کے بجائے معروف کو قائم کر دیا جائے۔

۲۔ یہ کہ منکر کو بالکلیہ زائل نہ کیا جائے تاہم اس کو گھٹا دیا جائے۔

۳۔ ایک منکر کو اس طرح مٹایا جائے کہ دوسرا منکر ویسا ہی قائم ہو جائے۔

۴۔ ایک منکر کو مٹانے میں اس سے بدتر منکر قائم ہو جائے۔ ان میں پہلے دونوں درجے تو مشروع ہیں اور جب ان دونوں میں سے کسی کی امید ہو تو انکار منکر ضرور چاہیے۔ تیسرے درجے میں اجتہاد کا موقع ہو رہا۔ چوتھا درجہ تو ممنوع ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے تھے کہ فتنۂ تاتار کے زمانے میں میرا گزر تاتاریوں کے ایک گروہ پر ہوا میرے ساتھیوں نے ان کو ملامت کرنا شروع کی مگر میں نے ان کو روک دیا اور ان سے کہا کہ اللہ تعالٰی نے شراب سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ وہ ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہے، مگر یہاں شراب ان کو قتل نفوس اور نہب اموال اور ظلم و ستم سے روکے ہوئے ہے۔ ساتویں صدی کے شیخ الاسلام اور چودھویں صدی کے شیخ الاسلام کے اصلاحی اتفاق پر غور کیا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ یہ حکیمانہ فیصلہ اور عارفانہ نکتہ ہر دو کا مدار صوفیوں اور ظاہر پرست عالموں کا کام نہیں ہے بلکہ ان علمائے حق کا فریضہ ہے جو علم و عمل کے ساتھ معرفت و خداشناسی کے امام ہوں۔"

دعوت و تبلیغ کا فریضہ جس قدر اہم و فرض مگر نازک اور حکمت کا مقتضی ہے۔ وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں، مسائل مختلف کے تصفیہ کے لیے جس قدر گزشتہ مجلس مناظرات قائم ہو کر بسا اوقات عناد و ضد کا باعث ہوئیں وہ اہلِ علم پر بخوبی ظاہر ہے اور اب بحمد اللہ صحیح راہ پر کام کی شکلیں پیدا ہو رہی ہیں آج سے بہت عرصہ پیشتر حضرت امام العصر قدس سرہ کی نگاہِ دُوررس نے اس کو پا لیا تھا۔ مولانا ابو الحسن حیدری مدظلہ کو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

"تبلیغی سلسلہ کے جاری کرنے کا یہاں پر ارادہ کرنا نہایت محمود امر ہے مگر مسائل مختلف فیہ کو ابتدا میں لانا، مقصود بالذات قرار دینا حکمت کے خلاف ہے اس وقت مسلمان عوام پر جہل اس قدر غالب ہو گیا ہے کہ وہ اساس اسلام و ایمان اور اصول دین سے ہی سخت غافل اور ناداں ہو گئے ہیں نماز و جماعت کی پابندی فیصدی پندرہ یا بیس میں بمشکل پائی جائے گی۔ عام مسلمان نماز پڑھنا ہی نہیں جانتے بلکہ نیچے طبقے والے خدا اور رسول کو بھی نہیں جانتے، کلمہ طیّبہ نہیں جانتے، توحید اور رسالت کیا ہے؟ اسلام کے اصول و عقائد اور فرائض کیا ہیں؟ تبلیغ میں الاہم فالاہم پر توجہ ضروری ہے مسائل اختلافیہ کی بنا پر مخالف پارٹی کے لوگ پروپیگنڈہ شروع کر کے عوام کو بدظن بنا دیتے ہیں پھر امور متفقہ علیہا پر موثر تبلیغ نہیں ہو سکتی۔ اس حقیقت پسندانہ دعوت اور حکیمانہ اصول کو دیکھ کر جو تجربہ کے بعد کامیاب ثابت ہو رہا ہے۔ واقعتہً کہنا ہی پڑتا ہے۔ ؎

ہزار نکتۂ باریک تر از مو اینجا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند
(خواجہ حافظؒ)

اس قسم کے ہزارہا مضامین ہیں جن سے حضرت والا کی علمی جامعیت اور علمی کمال کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے نام حقیقت حج پر عارفانہ تحقیق، ڈاڑھی کے مسئلہ پر حکیمانہ مقالہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور محبت نبویؐ وغیرہ پر محققانہ مضمون اور مسائل احسان و سلوک پر ہزار عرفانی ارشادات و ہدایات حضرت اقدس کے علمی و عملی کمالات کے وہ آئینے ہیں جن میں حضرت کے شان تحقیق و عرفان کی جھلکیاں نظر آ سکتی ہیں اور تفصیلی کمالات سے مجلدات بھی ناکافی ہیں۔

وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے علمی دنیا میں جو صفِ ماتم بچھی ہے اس سے ان کی عظیم شخصیت، بے مثال ایثار پیشگی اور لازوال روحانی بلندیوں کا اندازہ کرنا کچھ دشوار نہیں ہے۔

وہ اپنی اکیاسی سالہ زندگی میں علم، عمل، تقویٰ، اخلاق، مجاہدات اور عارفانہ حیات کے اعتبار سے جامعیت کاملہ کے مالک تھے۔

وہ ایک ہی وقت میں سپہ سالار بھی تھے، رضاکار بھی، درویشِ حق پرست بھی تھے اور محدثِ باکمال بھی۔ خوددار، غیور و فقیر بھی اور دولت اخلاقِ نبوی کے امیر بھی تھے اور عزم و شجاعت کے میدان میں بیباک و جوان رعنا بھی، مذہبی پیشوا بھی تھے اور سیاسی راہنما بھی، باعتبار عمر ضعیف و سنجیدہ مزاج بھی تھے۔

ان کے قریب رہ کر ان کی زندگی کے شب و روز کا جائزہ لینے والے انہیں قرونِ خیر کی یادوں کا زندۂ جاوید مجسمہ سمجھنے پر مجبور تھے، دوستوں کے ساتھ التفات و محبت کا سلوک کرنا بہت آسان ہے لیکن دشمنوں کو خلوص کا یقین دلا کر گلے لگا لینا نہایت مشکل ہے۔ حضرت مولانا مدنیؒ میں یہ عادتِ کریمانہ طبیعت ثانیہ کا درجہ پا چکی تھی۔ استغناء ان کا طغرئ امتیاز تھا۔ لاکھوں اربابِ دولت عقیدت کے معاملہ میں خدمتِ زر کی کوشش کرتے تھے مگر اس گدائے کوئے رسول علیہ السلام کی بے نیازی انہیں اپنے ارادوں سے ہمیشہ روکتی تھی۔

بچپن افلاس اور فاقہ کشی کے جس ماحول میں پلا تھا جوانی میں بھی وہی رفیقِ عمر رہا۔ بڑھاپے میں افلاس کی ادا بدستور رہی، البتہ فاقہ کشی تنگ آ کر رخصت ہو چکی تھی۔

میرے مطالعۂ شیخ کے پینتیس سال اس بات کے شاہد ہیں کہ اولیاء اللہ کی خصوصیات کا جو تذکرہ کتبِ تاریخ میں پڑھا کرتا تھا مولانا تے مرحوم ان خصوصیات کے عدیم النظیر نمونہ تھے۔ اشغال و اذکار کی تکمیل کے بعد روح پاکیزہ اور دل انوار و تجلیات الٰہیہ کا مرکز بن چکا تھا۔ چشمِ مبارک میں بادۂ عرفان کا سرور اور ہونٹوں پر اربابِ عشق کی پرکیف مستی ہر وقت متبسم رہتی تھی۔ لب و لہجہ کی شیرینی کوثر و تسنیم کی لطافتوں کو سمیٹے ہوئے تسخیرِ قلوب کے سامان مہیا کرتی تھی۔

مولانا نے میخانہ "امداد" کے جرعات معرفت جس "رشید العصر" ساقی کی جام نظر سے نوش فرمائے تھے اس کا پرتو آخری سانس تک چہرہ اقدس کی بلائیں لیتا رہا۔

علم و عمل کا مقام محمود بارگاہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل حاضریوں نے عطا کیا۔ نانا کے زمانۂ ہجرت کا نقشہ آنکھوں میں جمائے ان کے والد ماجدؒ نے ہندوستان سے ہجرت کی تو یہ فرزندِ باسعادت شرفِ معیت کا مالک رہا اور اپنے خاندانی کاروانِ مہاجرین کے ہمراہ وہیں پہنچا جہاں سے نسبی قربِ نبوت کا تعلق باپ دادا کے تخلیقی اجزاء میں پیوست ہوا تھا۔ مدینہ پہنچ کر حرم پاک کی جالیوں کے سامنے نانا کی باتوں کو عوام کے گوش گزار کرنے میں کئی برس بیٹھے۔ بعض دینداروں نے یہ بھی دیکھا کہ مسجدِ نبوی میں درسِ حدیث کی ساعتیں محبوب و محب کے وصالِ کامل کے نظارے بھی دیکھتی تھیں اور بسا اوقات جالیوں کا ہر حجاب یوں اٹھ جاتا تھا گویا کوئی پردہ درمیان میں حائل ہی نہیں ہے

جب ہندوستان میں برطانوی استعمار نے عرصۂ حیات تنگ کیا اور غریب ہندوستانیوں کو توپوں کے دہانے کا ناشتہ بنا کر عام اسلامی دنیا کو غلام بنانے کی تدابیر بروئے کار آنے لگیں تو حضرت مولانا شیخ الہند قدس سرہ العزیز نے اپنے ہم مزاج لوگوں کے مشورے سے ایک مضبوط و مستحکم بنیادی انقلاب کا خاکہ تیار کیا اور ہندوستان کے باہر افغانستان، روس اور ترکی اور عرب ممالک کے ذمہ دار اربابِ فکر و نظر سے تعاون کی راہیں نکالیں اور اس تحریک کو پروان چڑھانے کا سوال دماغ میں لیے سفرِ حجاز اختیار کیا۔ مولانا مدنیؒ وہیں قیام پذیر تھے۔ باشفقت استاد کی صدا پر شاگرد رشید نے لبیک کہا۔

نتائج وہی نکلے جن کی توقع تھی یعنی چند امینوں کی نوازش نے انکشاف راز کر دیا اور

قلزم اشک کے چند موتی

علم و عرفان، سیاست و اخلاق کا ماتم

از: شاعرِ انقلاب علامہ انور صابری

علم

نظر تلاش میں ہے اس بزرگ انساں کی

دلوں کو جس نے عطا کی بصیرتوں کی حیات — ملی تھی جس کو مشیت سے عارفانہ صفات
حدیثِ سرورِ عالم کا محرمِ اسرار — کلامِ حق کا مجسم مفسرِ آیات
ازل سے جس پہ ہوئے منکشف بیئے الہام — علومِ سیدِ کونین کے رموز و نکات
کلام جس کا لبِ مصطفےٰ کا آئینہ — دلیلِ رحمتِ دارین جس کی تھی ہر بات
اصولِ شرع کی پابندیوں میں گم ہو کر — دکھائی جس نے زمانے کو غم سے راہِ نجات
دل امام بخاریؒ کا پرتوِ کامل — زفرق تا بہ قدم ترمذیؒ خوش اوقات
امینِ دولتِ افراد تھا جس کا سینہ پاک — جبیں سے جس کی نمایاں تجلّیِ عرفات
مزاج دانِ نبوت، اداشناسِ رسول — قرونِ خیر کے مظہر تھے جس کے احساسات

شبیہ کہئے جسے حسنِ روئے ایماں کی

عرفان

نظر تلاش میں ہے اس امامِ عرفاں کی

نگاہ زاد جمالِ خدا کہیں جس کو — شعورِ بابِ دلِ مصطفےٰ کہیں جس کو
رشیدؒ دیدۂ امداد کی مراد کمال — حریمِ رشد کی شمعِ ضیا کہیں جس کو
گدائے کوچۂ صابرؒ فقیرِ درگہِ حق — متاعِ سلسلۂ اصفیا کہیں جس کو
جو اک اشارۂ دلکش سے کھولدے سینہ — وہ خضرِ معرفتِ کبریا کہیں جس کو
چھلک سکا نہ کبھی جس کا جامِ ضبطِ حیات — سرور کا پیرِ مغانِ وفا کہیں جس کو
علیؓ کی جانِ ولایت حسینؓ ثانیِ وقت — شہیدِ عشق شہِ کربلا کہیں جس کو
چراغِ خانۂ عشق، آفتابِ عرشِ سلوک — نمازِ شوق کا سب مقتدا کہیں جس کو
جہاں جنوں ہو ادب دشمنِ وقارِ بشر — وہاں خرد کے لیے آسرا کہیں جس کو

خبر جسے ہو طریقت کے سرِّ پنہاں کی

سیاست

نظر تلاش میں ہے اس زعیمِ دوراں کی

سمجھ چکا تھا جو اندازِ گردشِ ایام — سحر کے واسطے جس نے مٹائی ظلمتِ شام
وطن نواز عناصر کا پیکرِ ترکیب — نمازِ قافلۂ عزمِ زندگی کا امام
جسے مرتبِ آئینِ حریت کہیئے — عمل کی بزم میں جس کا بہت بلند مقام
شریکِ سلسلۂ کارِ حضرتِ محمودؒ — انیسِ خلوتِ زندانِ کلفت و آلام
بنائے وجہ شکستِ سیاستِ افرنگ — مجاہدوں کیلیے روحِ ارتباطِ نظام
لہو سے جس نے بڑھایا فروغِ گلشنِ ہند — ہے جسکے خون سے رنگیں حدیثِ اسلام
بتایا فرقہ پرستی کو جس نے دنیا میں — بلا دریغ ثبوتِ تباہیِ اقوام
پڑھایا جس نے یہ درسِ کتابِ آزادی — کہ آدمی کی غلامی ہے آدمی پہ حرام

بڑھائی آبرو ہر سمت حکمِ یزداں کی

اخلاق

نظر تلاش میں ہے اس عمیم الاحساں کی

جو میہماں کے لیے فرشِ راہ بن جائے — ادا ادا میں شرافت کا ڈھنگ سکھلائے
نگاہ جس کی ہو مخلص، مزاجِ خُلق تمام — مروتوں کا عمل زندگی کو سمجھائے
وہ جسکی مجلسِ اقدس میں باہمہ فیضاں — خدا کے فضل کے رہتے ہوں رات دن سائے
وہ جسکو دیکھ کے جویائے بادۂ عرفاں — سراغِ منزلِ مقصود خود بخود پائے
ہو جس کا حسنِ تبسم بہشت زارِ قلوب — کلام بزمِ محبت کے پھول برسائے
ہو جس کی بزمِ طرب گاہ احترامِ علوم — ہجومِ غم سے بھی دل نہ جس کا گھبرائے
سکوں نصیب ہوں ارواح یکساں جس سے — وہ رنگِ روئے مروت جہاں نظر آئے
اسی کے پاس مجھے لے کے چل خدا کیلئے — جو خود تڑپ کے مری زندگی کو تڑپائے

یہی ہے شرحِ تلاشِ نگاہِ ارماں کی

غنچۂ زندگی کو بخشیں گے — جو بہ فیضِ تمام حسنِ نمو
دیدۂ شوق سے، وہ اب پڑھیے — شیخ کی زندگی کے کچھ پہلو

۲۳۱

۱۱۴۶ + ۲۳۱ = ۱۳۷۷ھ

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو مالٹا کے دور دراز مقام پر اُن رفقاء کے ساتھ جن میں مولانا مدنی بھی شامل تھے مدتوں نظر بندی کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، صبر و تحمل اور حصولِ رضامندیٔ خدا کا یہ دور جسمانی کلفتوں کے آغوش میں، روحانی عظمتوں کے اسباب مہیا کرتا رہا۔

جب رہائی نصیب ہوئی تو ٹرکی مبتلائے مصیبت تھا ہندوستان میں بھی جنگِ آزادی کا وہ تخمِ صالح جو شیخ الہندؒ کے دستِ مبارک سے زمینِ وطن میں بویا گیا تھا کافی ابھر چکا تھا۔ گاندھی جی اس کی دیکھ بھال میں مصروف تھے بمبئی کے ساحل پر شیخ الہندؒ اور گاندھی جی میں "ماضی و حال" کے مسائل پر گفتگو ہوئی اور مستقبل کے لیے نیا نظریہ کار تجویز کیا گیا مسئلہ خلافت کے سہارے ہندوستان اور ممالکِ اسلامیہ کے مابین ایک خاص رابطۂ اتحاد کی بنیاد ڈالی گئی۔

حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ اسی دوران میں فردوس آشیاں ہوگئے اور جانشینِ اعظم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے کاندھوں پر خدمتِ وطن کا بارِ عظیم رکھا گیا مولانا رحمۃ اللہ علیہ پورے طور پر تجربہ کار زعیم اور ذی ہوش و ذی شعور رہبر تھے انہوں نے ملک کے گوشہ گوشہ میں حریت کا آوازہ بلند کیا اور مشہور مقدمۂ کراچی کے فیصلہ حکمِ زنداں تک یہ آواز گونجتی ہی رہی۔ حکومت جابرہ افرنگیہ نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر محبانِ وطن کو قید و بند کے آلام سے آشنا کیا اور دار و گیر کی منتقمانہ پالیسی کے اظہار میں انصاف کو بالائے طاق رکھ کر ہر وہ ظلم روا رکھا جو طاغوتی قوتوں کا پیشۂ حیات ہوتا ہے۔

صرف خدائی طاقت کے سامنے جھکنے والے انسانوں کی صفِ اولین میں مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا نام زیادہ اہمیت رکھتا ہے انہوں نے ہر دعوتِ ستم کو سنا، آفات کو برداشت کیا اور صفحاتِ تاریخ کے لیے وہ سرمایہ چھوڑ دیا جو قوموں کے کردار کو روشن اور قابلِ تقلید بنانے کا سبب ہوتا ہے۔ بہرحال جیل سے آزاد ہو کر شیخ کبیر نے شاگردوں اور حلقہ بگوشوں کے تزکیۂ نفس اور تبلیغِ علم کا کام انجام دیا ۱۹۳۰ء تک وہ ایک ایسے گروہ کثیر کو تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے جو دینداری اتقا اور پرہیزگاری کے اوصاف کے آئینہ دار رہ کر عمل کی نئی سیاسی کروٹ میں ملک کا سرفروش ثابت ہوا۔

۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۲ء کے درمیانی عرصہ میں وہ دیوبند کی صدارتِ تدریس پر جلوہ افروز ہو چکے تھے جس میں بیٹھ کر انہوں نے لاکھوں تشنگانِ علم نبویہ کی پیاس بجھائی اور لاتعداد اہلِ ایمان کو عرفان کی چاشنی سے واقف کیا۔

۱۹۳۹ء کے بعد یہ بلبل مدینہ قفسِ مراد آباد میں بند کیا گیا، برطانیہ کے خلاف جذبۂ عناد میں کمی نہ آئی تھی اور نہ آئی، ہر وقفۂ قید عشق و معرفت کے نئے نئے انوار روح پر منکشف کرتا رہتا تھا تقسیم وطن کے غیر قدرتی نعروں کے مقابلے میں انہوں نے جو کچھ کیا اس میں بھی حب وطن اور للٰہیت کی روح کارفرما تھی۔

ادھر چند سالوں سے تو زندگی ہمہ تن علم و عرفان بن گئی تھی کوئی گوشۂ وطن ایسا نہیں جہاں جوق در جوق سلسلۂ ارادت کی توسیع نہ ہوئی ہو۔ جنوبی ہند، بمبئی، گجرات، مدھیہ پردیش، یوپی، بہار، بنگال، آسام، راجپوتانہ میں مریدوں کا شمار قبضۂ تحریر سے باہر ہے۔

افسوس ہے کہ ۱۲۹۶ھ میں جو آفتاب علم و عرفان طلوع ہوا تھا وہ ۸۱ سال کے بعد ۱۳۷۷ھ میں غروب ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اس وقت نظروں کے سامنے اندھیرا ہے تلاش و تجسس کے بعد بھی اجالے کی صورت نظر نہیں آتی، گو مولانا کا جسمِ اطہر سپردِ خاک ہو چکا ہے لیکن ان کا روحانی فیض قیامت تک زندہ رہے گا۔

مولانا کی روحانیت کے نقشِ ثانی آپ کے صاحبزادے میاں مولوی اسعد سلمہٗ موجود ہیں مجھے یقین ہے کہ وہ عظیم باپ کے عظیم فرزند ثابت ہوں گے۔

سیاسی علمی اور مذہبی خدمات کے لیے جمعیۃ علماء کافی ہے جمعیۃ علماء کا آغاز شیخ الہند کی منشائے عمل کا رہینِ منت تھا اور اس کی باعظمت حیثیت جانشین شیخ الہند کی سدا مشکور رہے گی۔

آہ شیخ الاسلام رح

مولانا ابوالحسن حیدری الحسینی صدر جمعیۃ علماء شہر الٰہ آباد

کچھ اک ہمیں نہیں ہیں پریشاں ترے لیے
دھنتے ہیں سر کو سارے مسلماں ترے لیے

اب طے کریگا کون شریعت کے مرحلے
برپا ہوا ہے محشرِ ایماں ترے لیے

ایمان و آگہی کی مدارات اُٹھ گئی
سونی پڑی ہے محفلِ عرفاں ترے لیے

اب کون اتحاد کے رستے دکھائے گا
رویا کریں گے حشر تک انساں ترے لیے

کچھ ساحلِ سکون کی تمنا نہیں رہی
اشکوں کے اُٹھتے جائینگے طوفاں ترے لیے

تونے تو نا اُمید نہ رکھا کسی کو بھی !
کیا منتظر تھی گورِ غریباں ترے لیے

قائم رکھے گا رشد و ہدایت کی بزم کون
روشن ہوئی تھی شمعِ شبستاں ترے لیے

پھیلی ہوئی تمام حقیقت کی چاندنی
تیرے لیے تھی اے مہِ عرفاں ترے لیے

افسردگی سی چھائی ہے علم و حدیث پر
مرجھا رہا ہے سچ کے گلستاں ترے لیے

راتوں کے ذکر و شغل پہ طاری ہے خامشی
ہے انتظار میں مہِ تاباں ترے لیے

ایمان و اعتقاد و ہدایات و آگہی
ہر اک ہے غم سے سر بہ گریباں ترے لیے

ملتا نہیں ہے رابطۂ دورِ معرفت
گھبرا رہی ہے رحمتِ یزداں ترے لیے

شامِ فراق آنکھ بھی اب لگ گئی اگر
دیکھا کریں گے خواب پریشاں ترے لیے

نبضِ حیات سوگ نشیں ہے ابھر ابھر
جیسے تڑپ رہی ہے رگِ جاں ترے لیے

اے یادگارِ رہبریٔ احمدؐ و علیؓ
مضطر نہ کیوں ہو جادۂ ایماں ترے لیے

شانِ حسین تجھ سے نمایاں تھی دہر میں
دل سے تھا ہر سلسلہ جنبیاں ترے لیے

خدمت سے تیری جتنی رہیں راحتیں نصیب
اتنا ہی حیدری ہے پریشاں ترے لیے

سعدیا مرد نکو نام نہ میرد ہرگز
مردہ آنست کہ نامش بہ نکوئی نہ برند

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا مدنی قدس سرہ کی حیوٰۃ طیبہ کے کسی گوشہ پر خواہ وہ علمی ہو یا عملی، فیوض و برکات سے متعلق ہو یا رشد و ہدایت سے، حسنِ اخلاق کی بابتہ ہو یا مجاہدانہ کارناموں سے میرے ایسے عاصی کا قلم اٹھانا "تحسین ناشناس" کے زمرہ میں آتا ہے ؎ ما طفل کم سواد و سبق قصہ ہائے دوست۔ یہ حصہ ہے انہیں اکابر کا جو حضرتِ اقدس کے مراتبِ عالیہ سے پورے طور سے واقفیت رکھتے ہوں۔ اس کی نہ مجھ میں اہلیت ہے نہ ہمت۔ یہ چند نقوش حیات صاحبزادہ حضرت مولانا الحاج سید اسعد دامت برکاتہم کے ایماء اور برادر محترم مولانا سید محمد میاں صاحب مد فیوضہم کے حکم سے لرزتے ہوئے ہاتھوں اور دھڑکتے ہوئے دل سے ایسی حالت میں پیش کر رہا ہوں کہ نہ دل قابو میں ہے اور نہ دماغ نہ ہوش درست ہیں اور نہ حواس، حضرت کا سانحہ ارتحال ؎ مرثیہ ہر ایک کا ہے نوحہ ساری قوم کا۔ حضرت کی یاد قائم اور داغہائے جگر کو تازہ رکھنے کے لیے شاید یہ نقوش کچھ کام دے سکیں۔ ؎

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را۔
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را۔

سیرۃ ہو یا تاریخ صرف مجموعہ ہے کسی شخصیت کے افعال، اعمال، کردار اور احوال کا یہ حالات اور واقعات ہی ہوتے ہیں جن کو مورخ ایک لڑی میں پرو کر پیش کرتا ہے پھر اُسے خواہ سیرۃ سے تعبیر کیجیے یا اس کا نام تاریخ رکھیے لیکن ہے وہ روزمرہ کی زندگی کے حالات ہی کا مجموعہ۔ میں کوئی مضمون لکھنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں بلکہ حضرت کے چند نقوشِ حیات جن کا تعلق یا تو براہ راست مجھ سے ہے اور یا میں نے قابل اعتماد حضرات کی زبان سے سُنے ہیں سادہ الفاظ میں پیش کیے دیتا ہوں۔

ہوا میں اڑنا، دریا میں چلنا، آگ سے گزرنا اور خرق عادات کا ظہور نہ مقصود ہے اور نہ مطلوب سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں نہ قدم جادۂ شریعت سے باہر ہو اور نہ کوئی عمل خلاف سنت ہو۔ حضرۃ شیخ الاسلام قدس سرہ کے اعمال، افعال، کردار و گفتار کا بغور مطالعہ فرمایئے اور دیکھیے کہ اتباع سنت طبیعتِ ثانیہ کی حیثیت رکھتی تھی۔

غیر معمولی انکسار

پردۂ عجز میں مخفی ہے تیرا اوجِ کمال
خاکساری میں نہاں رتبۂ اعلیٰ تیرا

وسط ستمبر ۱۹۲۳ء میں دہلی میں کانگرس کا خصوصی اجلاس ہو رہا تھا۔ حضرۃ اقدس کراچی جیل سے کچھ ہی عرصہ قبل رہا ہو چکے تھے چونکہ ساتھ ہی مرکزی خلافت کمیٹی کا بھی مخصوص جلسہ طلب کیا گیا تھا اس لیے کانگرس و خلافت کے چوٹی کے لیڈر دہلی میں مجتمع تھے اسی سلسلہ میں پہلی بار حضرتِ اقدس سے شرف قدمبوسی حاصل ہوا اخبار سے مقدمہ کراچی اور جیل کے حالات کا بخوبی علم ہو چکا تھا اور غائبانہ عقیدت پیدا ہو چکی تھی۔ دو ایک یوم خدمت میں حاضری دینے کے بعد میں نے حلقۂ غلامی میں شمول کی درخواست کی یہ وہ زمانہ تھا کہ بیعت "شجر ممنوعہ" کی حیثیت رکھتی تھی۔ نہایت انکساری سے معذرت چاہی اپنی عدم صلاحیت پر ایک طویل تقریر فرمائی اور حضرۃ تھانوی قدس سرہ اور دیگر حضرات کی طرف رجوع کرنے کو فرمایا لیکن میرا اصرار بڑھتا رہا۔ عاجز آکر نمازِ استخارہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ تین یوم بعد پھر حاضری دی تو صاف انکار فرما دیا۔ حضرت پیر غلام مجدد صاحب سندھی شہید (اسیر کراچی) بھی وہیں تشریف فرما تھے مجھے پیر صاحب کے سپرد فرما کر موصوف سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ پیر صاحب جن کے تقریباً ۱۶، لاکھ مریدین، مندرجہ فہرست گورنمنٹ تھے زیادہ تر تلاوتِ قرآن مجید میں مصروف رہتے تھے میری حاضری پر قرآنِ مجید بند کر کے فرمایا کہ "میرے ہاتھ

میں قرآنِ مجید ہے۔ میں بحلف کہتا ہوں کہ جیل میں میں نے جو حالات مولانا مدنی کے بچشم خود دیکھے ہیں ان کی بناء پر میری رائے ہے کہ اس وقت روئے زمین پر مولانا صاحب کا ثانی بزرگی اور اتباعِ شریعت کے لحاظ سے نہیں ہے آپ ہرگز مولانا صاحب کا دامن نہ چھوڑئیے گا اگر مولانا صاحب نہ ہوتے تو میں آپ کو مرید کر لیتا۔ غرض کہ پیر صاحب کی سعی و سفارش سے حضرت نے مجھے داخلِ سلسلہ فرمایا۔

(۲) بیعت کے سلسلہ میں یہ سختی اور انکساری عرصہ تک قائم رہی پھر ایک بار حضرت مولانا حکیم مسعود احمد صاحب صاحبزادہ حضرت قطبِ عالم مولانا گنگوہی قدس سرہٗ سے ملنے گنگوہ شریف تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ آخر آپ بیعت کیوں نہیں فرماتے۔ فرمایا کہ میں اس کا مطلق اہل نہیں ہوں اس پر حکیم صاحب بہت برہم ہوئے اور فرمایا کہ آپ میرے والد مرحوم پر تہمت لگاتے ہیں کہ انہوں نے ایک نا اہل کو مجاز فرما کر اجازتِ بیعت دی۔ حضرت دیر تک بیٹھے روتے رہے پھر حکیم صاحب کے ایماء پر حضرت قطبِ عالم گنگوہی کی قبر مبارک پر کچھ دیر تک مراقب رہے اس کے بعد سے بیعت کا عام سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور اس قدر مرجع خلائق ہوئے کہ گزشتہ سال بانس کنڈی (آسام) میں ۶ ہزار اشخاص بہ یک وقت داخل سلسلہ ہوئے۔ ذالک فضل اللّٰہ یُؤتیہ من یشاء ط

(۳) مجھے حضرتِ اقدس کی خدمت میں بارہا سفر میں رہنے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی تھی چنانچہ لودھیانہ، بھگواڑہ (ریاست بیکانیر) میرٹھ، بستی، گورکھپور، لکھیم پور کھیری، صورت گنج، بارہ بنکی وغیرہ وغیرہ مقامات پر دورہ میں حاضرِ خدمت رہا۔ عام قاعدہ ہے کہ اپنی تعریف سے لوگ خوش ہوتے ہیں، انعامات دیتے ہیں۔ مداح کے شکر گزار ہوتے ہیں مگر حضرت کا معاملہ بالکل اس کے برعکس اور عین مطابقِ سنت تھا اکثر جلسوں میں لوگوں نے حضرت کی شان میں مدحیہ نظمیں پڑھیں اور جواب میں حضرت نے اس فعل کی بے حد مذمت فرمائی اور بیان فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسی کے منہ پر اس کی تعریف کرے اس کے منہ میں خاک جھونک دینی چاہیئے۔ مجمع پر سناٹا ہوتا تھا اور مداح پسینے پسینے۔

(۴) لکھیم پور کھیری میں حضرت سیرۃ کے جلسہ میں تقریر فرما رہے تھے۔ دورانِ تقریر میں انگریزوں کے ساتھ ساتھ لیگ پر بھی تنقید فرمائی۔ ایک وکیل صاحب غصے سے کانپتے ہوئے اٹھے اور بلند آواز سے کہا کہ یہ سیرۃ کا جلسہ ہے اس میں سیاست سے بحث نہ کیجیے۔ حضرت نے متانت سے کہا بہت اچھا اور تقریر کا رخ بدل دیا۔ وکیل صاحب تو جلسہ چھوڑ کر جا چکے تھے لیکن حاضرین کو ان کی اس حرکت پر بے حد غصہ و اشتعال تھا مگر حضرت کے چہرے پر شکن تک نہ تھی اور معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا ہے۔

میں نے ایک صاحب کے مجبور کرنے پر ان کے لیے حضرت سے دعا کی استدعا کی۔ ۲۸ جمادی الاوّل ۱۳۵۱ھ کے صحیفۂ برکت میں تحریر فرماتے ہیں "۔ صاحب کا خط آیا تھا وہ آپ کے بہکانے سے دھوکے میں آ گئے ہیں۔ ملازمت کے لیے دعا کو لکھتے ہیں ایسی ہی میری دعا مقبول ہوتی تو خود بیماری کی زحمتیں کیوں اٹھاتا! اس طرح لوگوں کو غلطی میں مت ڈالیے میں ایک نالائق، نابکار و گناہ گار بندہ ہوں افضالِ الٰہی نے پردہ پوشی کر رکھی ہے اگر آپ غلطی میں مبتلا ہو گئے ہیں تو دوسروں کی راہ کیوں مارتے ہیں۔ بہرحال میں ان کے لیے دعا کرتا ہوں۔" اللّٰہ اللّٰہ! کوئی حد ہے اس انکساری اور فروتنی کی۔

سفر میں معمولات کی پابندی

لدھیانہ سے پنجاب میل بارہ بجے شب کے بعد سہارنپور کو روانہ ہوا اتفاق سے ڈبہ میں حضرۃ قدس اللّٰہ سرہ کی خدمت میں صرف میں ہی تھا۔ پورا ڈبہ خالی تھا۔ ایک برتھ پر حضرت کا بستر تھا اور دوسری پر میرا۔ حضرت فوراً بستر پر آرام فرمانے کے لیے لیٹ رہے اور مجھے باصرار فرمایا کہ میں بھی سو رہوں۔ مجبوراً مجھے تعمیلِ ارشاد کرنا پڑی۔ تقریباً ۲۰، ۲۵ منٹ کے بعد حضرت نے اٹھنا چاہا۔ میں جاگ رہا تھا۔ جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ حضرت نے کروٹ لی اور معلوم ہوا کہ سو گئے ہیں۔ دو یا تین بار ایسا ہی واقعہ ہوا۔ ایک بار میری آنکھ جو کھلی تو دیکھتا ہوں کہ حضرت نہایت خشوع و خضوع سے کھڑے نمازِ تہجد ادا فرما رہے ہیں۔

رفقاءِ سفر کی راحت کا غیر معمولی انصرام

(۱) ایک بار میرٹھ میں قیام کا اتفاق ہوا۔ بالاخانہ کے صحن میں صرف دو ہی چارپائیاں بچھ سکتی تھیں۔ دروازہ کے مقابل میری چارپائی تھی بغیر مجھے جگاتے ہوئے نیچے کی طرف آمد و رفت دشوار تھی جہاں تک مجھے علم ہے حضرت نے نمازِ تہجد قضا فرما دی لیکن مجھے جگا کر تکلیف دینی گوارا نہ ہوئی۔

(۲) مولانا ابوالوفا صاحب ناقل ہیں ایک مرتبہ وہ پنجاب سے واپس ہو رہے تھے۔ حضرت کے علاوہ مولانا عطاء اللّٰہ شاہ صاحب بخاری بھی ساتھ تھے ایک بار مولانا ابوالوفا صاحب کو محسوس ہوا کہ کوئی صاحب ان کا جسم نہایت آہستگی سے دبا رہے ہیں ان کو آرام محسوس ہوا اور انہوں نے یہ سمجھ کر کہ پنجابی حضرات اس قسم کی ارادت علماء سے کرتے ہیں کوئی تعارض نہ کیا جب کافی دیر ہو گئی تو انہوں نے چادر سے منہ کھول کر دیکھا کہ آخر یہ کون صاحب ہیں دیکھتے ہی بدحواس ہو گئے، خود حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ بدن دبا رہے تھے۔ وہ گھبرا کر اٹھے تو دیکھا کہ مولانا عطاء اللّٰہ شاہ صاحب بخاری بھی بیٹھے ہوئے اپنا منہ پیٹ رہے ہیں کہ مجھے بھی حضرت نے گناہ گار کیا اور اب آپ کی باری تھی حضرت نے نہایت سادگی سے فرمایا کہ لوٹے میں پانی رکھا ہوا ہے وضو کر لیجیے اور خود فجر کی سنتوں میں کھڑے ہو گئے

(۳) ذیقعدہ ۵۹ھ میں مدرسہ اسلامیہ کرہی بستی کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی غرض سے حضرت تشریف لیے جا رہے تھے لکھنؤ سے مولانا ابوالوفاؒ صاحب اور مولانا محمد قاسمؒ صاحب بھی ساتھ ہو گئے تھے۔ نمازِ ظہر ٹرین ہی میں ادا کرنی تھی جب میں وضو کر کے آیا تو مجھے شبہ ہوا کہ جماعت تیار ہے اور میرا ہی انتظار ہو رہا ہے میں نے آتے ہی تکبیر کہنی شروع کر دی حضرت بلاتکلف فرض پر کھڑے ہو گئے۔ نماز کے بعد مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے معلوم ہوا کہ حضرت نے سنتیں ادا نہیں فرمائی تھیں معاملہ ختم ہو گیا عرصہ کے بعد لاہرپور تشریف لاتے ہوئے ظہر کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا حضرت نے نہایت اطمینان سے پہلے سنتیں ادا فرمائیں بعد کو فرض پڑھے۔ میں نے عرض کیا کہ کرہی تشریف لے جاتے ہوئے حضرت نے سنتیں ترک فرما دی تھیں اور آج اس اہتمام سے ادا فرمائیں مسکرا کر فرمایا کہ "آپ نے تکبیر شروع کر دی تھی اور قصر

میں سنن موکدہ نفل کی حیثیت رکھتی ہیں اس لیے محض نوافل کے ملنے میں مَیں نے مناسب نہ سمجھا کہ آپ کو ندامت یا شرمندگی ہو۔"

کارِ خیر میں شرکت کرنے والوں کا اعزاز اور خود ممنون

دیوبند میں دہلی کے ایک غیر مسلم حضرت کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے گھر بار مال و دولت سب چھوڑ آئے تھے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ان کی اعانت کیلئے حضرت کی خدمت میں نذر پیش کی۔ میں نے بھی ان کا اتباع کیا لیکن عجیب پریشانی میں مبتلا ہوگیا میں نے اسی قاعدہ و ادب سے نذر پیش کی جیسے کہ عموماً مشائخین کی خدمت میں پیش کی جایا کرتی ہے۔ مگر وہاں معاملہ بالکل ہی مختلف تھا۔ حضرت دونوں ہاتھ اس طرح پھیلائے ہوئے تھے جیسے کوئی بھیک لے رہا ہو۔ چند منٹ یہی کشمکش رہی بالآخر میں نے شکست تسلیم کرلی اور رقم حضرت کے قدموں کے پاس رکھ کر واپس آیا۔

بادی النظر میں ممکن ہے کہ مندرجہ بالا واقعات سطحی یا معمولی معلوم ہوں لیکن کتبِ احادیث کی ورق گردانی فرمایئے! اسوہ حسنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالیے اور پھر فیصلہ فرمایئے کہ عباداتِ نافلہ میں اخفاء، خاکساری، انکساری، مروت اور دلجوئی و اتباع سنت کی اس قسم کی مثالیں فی زمانہ اور بھی کہیں ملتی ہیں!

ولایت کا عملی نمونہ

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِکْرِ اللّٰهِ۔

ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان و سکون پاتے ہیں۔

ولایت امتحان میں دوست ثابت قدم رہنا۔ مصیبت میں نہ گھبرانا کرامت اسکو کہتے ہیں۔

مولوی حکیم ضیاالدین صاحب (ہردوئی) نے مجھے بتایا تھا کہ جب صاحبزادہ مولانا سید اسعد صاحب سلمہ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تھا تو تدفین کے بعد کل اساتذہ و عمائدین وغیرہ حضرت کے آستانے پر مجتمع ہوئے۔ حضرت نے کچھ دیر قیام فرمانے کے بعد دار الحدیث کا رُخ فرمایا۔ مجمع میں ہلچل پڑ گئی۔ تمام حضرات نے سمجھایا کہ حضرت اس وقت درس ملتوی فرمادیجئے صدمہ بالکل تازہ ہے جس سے دل و دماغ کا متاثر ہونا قدرتی امر ہے مگر حضرت نے دار الحدیث میں پہنچ کر بخاری شریف کا درس شروع فرمادیا۔ صدر مہتمم حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رح نے جاکر دوبارہ سمجھانے کی کوشش فرمائی لیکن صرف یہی جواب تھا کہ ذکر اللہ سے بڑھ کر اطمینانِ قلب کس چیز میں حاصل ہوسکتا ہے۔

گھر برباد ہوگیا تھا۔ صاحبزادہ سلمہ، خورد سال تھے ان کی پرورش کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا لیکن اس حال میں بھی استقلال، ہمت اور صبر کا ایسا مظاہرہ فرمایا کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں ہے۔

خفیہ تحریکات سے مستقل تعلق۔

تو ارادہ پہ رہا اپنے برابر قائم
گردش دہر نے بھی رنگ نہ بدلا تیرا

حضرت شیخ الہند قدس سرہ کا وصال ہوچکا تھا، "ریشمی خطوط کی سازش" اور تحریک یاغستان، (آزاد قبائل مابین سرحد غیر منقسم ہندوستان و افغانستان) کا پورا حال برٹش گورنمنٹ کو معلوم ہوچکا تھا اور حکومت نے اپنی پوری قوت سے (بزعم خود) اس تحریک کو کچل دیا تھا حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی رح روس و انقرہ ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور انکا داخلہ ہندوستان ممنوع تھا حضرت مولانا عزیر گل صاحب (اسیر مالٹا) ایک انگریز خاتون کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد سیاسیات سے کلیتاً دست کش اور خانہ نشین ہوچکے تھے تحریک کے اکثر و بیشتر رفقاء کار کا یا تو انتقال ہوچکا تھا اور یا وہ برٹش ڈپلومیسی کا شکار ہو کر تحریک سے علیحدہ ہوچکے تھے اتنی بڑی تحریک اور اس طرح کسمپرسی کی حالت میں دفعتاً ختم ہوجائے۔ حیرت ہوتی تھی نقش حیات جلد دوم میں اس کی تفاصیل وضاحت کے ساتھ ملتی ہیں لیکن حضرۃ شیخ الاسلام قدس سرہ کا تعلق اس تحریک سے کیا اور کب تک رہا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ کتاب میں سب کچھ ہے مگر حضرت کے متعلق کچھ نہیں مجھے عرصہ سے اسکا خلجان تھا ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ میں حضرت گورکھ پور سے شاہ گنج تشریف لیے جارہے تھے تقریباً ۱۲ بجے شب کا وقت تھا اور پورے ڈبہ میں صرف حضرت تھے اور مَیں۔ موقع غنیمت سمجھ کر میں نے یاغستان تحریک کی بابت سوال کرہی دیا۔ ابتداً ٹالتے رہے جب میں زیادہ مُصر ہوا تو راز داری کا وعدہ لیا اور فرمایا کہ مجاہدین کے مخصوص آدمی آتے ہیں اور حسب ضرورت روپیہ وغیرہ لے جاتے ہیں چنانچہ صحیفہ برکت مسترشدہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مرسلہ ——— بھی پہنچے، ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کے بعد مستحقین کا آدمی آیا اس کو دے دیا گیا"

اسارت مالٹا و کراچی میں حضرت پر شاید ہی کوئی سختی اور ظلم ایسا ہو جو باقی رہ گیا ہو۔ مالٹا کے مظالم و شدائد کا اب تک صحیح علم منظر عام پر نہیں آیا ہے لیکن کراچی جیل میں قید تنہائی، دن رات کی ہتھکڑیاں اور پاؤں میں زنجیر وار بیڑیاں اور غذا میں انتہائی نمکین جوار کا لپٹا (حریرہ) یعنی کانجی یہ سب سزائیں دی جاچکی تھیں۔ سفر حضر حتیٰ کہ درس میں اور خود دولت کدہ کے مہمانوں میں غرض کہ کہیں بھی ہو حکومت کے جاسوس سایہ کی طرح پیچھے لگے رہتے تھے۔ خیال فرمایئے کہ ان حالات اور ایسے ماحول میں تحریک کی قیادت کتنی بڑی ہمت، جرأت، دلیری اور جانبازی کی چیز تھی پھر ایک بوریہ نشین شخص کے لیے۔ درحقیقت یہ تحریک (یاغستان) آزادی و تقسیم ہند کے بعد کلیتاً ختم ہو گئی۔ آج تقریباً ۱۸ سال کے بعد حضرت کی روح پرفتوح سے دست بستہ معذرت کے ساتھ اس کا اظہار کررہا ہوں ؂ وحشتِ عشق میں کی ہیں جو خطائیں کی ہیں

اس وقت تک بقول حضرت صرف تین اصحاب علاوہ میرے اس راز سے واقف تھے ان میں سے صرف دو حضرات اب ہندوستان میں موجود ہیں۔ کاش کہ وہ حضرات مزید تفاصیل شائع فرمانے کی زحمت گوارا فرماتے۔

غیر معمولی قناعت اور سیری تمناؤں سے بیزاری۔

یاد نہیں کہ کن صاحب نے فرمایا تھا کہ ایک بار برٹش گورنمنٹ نے حضرت کی سرگرمیوں کو دیکھ کر ترغیب و تحریص کی بھی کوشش کی تھی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی سے شعبۂ دینیات کیلیے حضرت مبلغ پانچسو روپے ماہوار پر بلائے گئے تھے مگر حضرت نے انکار کردیا تھا پھر حکومتِ مصر کی جانب سے شیخ الحدیث کی جگہ کے لیے مبلغ ایک ہزار پانچ سو روپیہ ماہوار، مکان و موٹر بذمہ حکومت

اور سال میں ایک بار ہندوستان کی آمد و رفت کا کرایہ کے وعدہ پر حضرت کو دعوت دی گئی۔ اگرچہ اس زمانہ میں دارالعلوم میں حضرت کو سو یا ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار سے زائد نہ ملتے تھے مگر حضرت نے وہاں تشریف لے جانے سے قطعاً انکار فرمادیا۔

اعلائے کلمۂ حق میں غیر معمولی جرأت

شاہجہانپور میں حضرت کی ایک تقریر سے مخالفین بے حد مشتعل ہوگئے اور انہوں نے چیلنج کیا کہ اگر آئندہ بھی ایسی تقریر کی گئی تو حضرت کفن اپنے ساتھ لائیں۔ اسی جلسہ میں حضرت نے اعلان فرمایا کہ دوسرے جمعہ کو اسی جگہ پر تقریر ہوگی۔ حضرت جب ٹرین سے اترتے ہیں تو بغل میں کپڑے کی ایک گٹھڑی دبی ہوئی تھی اور اسی شان سے جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے۔ گٹھڑی کھول کر مجمع کو دکھلائی کہ میں کفن اپنے ساتھ لایا ہوں پھر سابقہ تقریر سے زیادہ زوردار تقریر فرمائی اعلاء کلمۃ اللہ میں اس ہمت اور جرأت کا یہ اثر ہوا کہ مخالفین کی اکثریت بدعت سے تائب، معافی کی خواستگار اور داخل سلسلہ ہوئی۔ مجھ سے یہ واقعہ مولانا ابوالوفا صاحب نے بیان فرمایا تھا۔

تصرف باطنی

تو ہے ایک مرکز تکمیل نگاہ اُمید
دیکھتی رہتی ہے منہ چشم تمنا تیرا

ابتداء میں شامتِ اعمال سے فجر و ظہر کے وقت میری آنکھ نہ کھلتی تھی اور نماز فوت ہوجایا کرتی تھی میں نے اپنی حالت سے حضرت کو اطلاع دی سخت تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ مکتوب نمبر ۲۸ ص۷۷ مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد سے میری یہ کیفیت ہوگئی کہ بلاناغہ فجر و ظہر کے وقت خواب میں حضرت کو غصے کی حالت میں فرماتے دیکھا تھا کہ کیوں نماز پڑھنے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھتا تھا یہ کیفیت تقریباً ایک یا ڈیڑھ ماہ رہی جب اچھی طرح نماز کا پابند ہوگیا یہ کیفیت ختم ہوگئی۔

غیر معمولی کرامت

(۱) والدہ محمد امین مرحوم (میرے گھر میں) کا توازن دماغی دفعتاً خراب ہوگیا۔ ۲½ سالہ ام سلمیٰ کو ذبح کردینے کی فکر ہر وقت رہتی تھی جب مقامی علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو زنانہ ہسپتال سیتا پور لے گیا وہاں بھی شورش کی وہی کیفیت تھی۔ یہ علاج بھی ناکام رہا۔ میں نے انتہائی پریشانی میں حضرت کی خدمت میں تار ارسال کیا اور خود بھی دیوبند روانہ ہوگیا اسی شب میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ نوم و بیداری کی درمیانی حالت میں انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک دریا کے کنارے جارہی ہیں ایک درخت کے نیچے ایک بزرگ تشریف رکھتے ہیں۔ ان کے دل میں معاً خیال آیا کہ میں عالم میں ہوں اور یہ بزرگ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ ہیں، دفعۃً حضرت کے پاؤں پر گر پڑیں اور رو کر عرض کیا کہ میں مجنون ہوگئی ہوں۔ میرے ماں باپ کا انتقال ہوگیا ہے۔ حضرت میری دستگیری فرمائیں۔ حضرت نے ان کا سر اوپر کو اٹھایا اور بڑی شفقت سے فرمایا کہ بیٹی تو اس قدر پریشان کیوں ہے میں نے تجھ کو حسین احمد کے سپرد کردیا ہے اس کے بعد وہ منظر آنکھوں سے اوجھل ہوگیا اور ان کو احساس ہوا کہ وہ ہسپتال میں پلنگ پر ہیں۔ دفعتاً ہال کی چھت میں تڑاقے کے ساتھ شگاف ہوگیا اور اس میں سے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نہایت وقار کے ساتھ نیچے تشریف لاتے ہوئے دکھلائی دیے اور آتے ہی فرمایا کہ احمد حسین کا تار آیا ہے آخر تم نے کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے۔ انہوں نے اپنا پورا واقعہ عرض کیا۔ نہایت شفقت اور محبت سے فرمایا کہ اتنی وحشت اور پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں میں نے تو تم کو اپنی بیٹی بنالیا ہے پھر تم کو اس قدر بدحواس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد ان کے دونوں شانوں کے درمیان اپنا پاؤں رکھ کر دبایا اور چھت کے شگاف سے واپس چلے گئے۔

جب میں دیوبند حاضر ہوا تو ان کے حالات سن کر بہت افسوس فرمایا اور صاحبزادہ سلمہٗ کے ماموں قاری محمد اسحٰق صاحب کو ہدایت فرمائی کہ مجھ کو میاں صاحب (حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب) کی خدمت میں پہنچائیں اور میاں صاحب سے تعویذ بھی لکھوا دیں۔

اس وقت تک حضرت تعویذ وغیرہ نہیں لکھتے تھے بلکہ اس سے بہت دور بھاگتے تھے) دیوبند سے واپسی پر میں مریضہ کو مکان لے آیا اور بلا کسی علاج و معالجہ کے چند دنوں میں وہ بالکل تندرست ہوگئیں۔ تعویذ بھی نہیں استعمال کیے گئے۔ اس دن سے آج تک ان کی دماغی حالت نہایت اچھی ہے حالانکہ یہ مشہور مقولہ ہے کہ جس کو ایک بار جنون ہوا تو اس کی سنک عمر بھر باقی رہتی ہے

(۲) غالباً ۳۸ء حضرت اصلاح المسلمین کے جلسہ میں لاہرپور تشریف لائے۔ کانگرس کا بھی جلسہ انہیں تاریخوں میں تھا جس میں آنریبل حافظ محمد ابراہیم صاحب نے بھی شرکت فرمائی تھی کھانا تقریباً ۱۰ آدمیوں کے لیے پکوایا گیا لیکن شب کے کھانے میں ہر دسترخوان پر ۳۰، ۳۵ آدمی ہوگئے اور تقریباً اتنی ہی تعداد زنانخانہ میں تھی گھر میں بحلف بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ۷۰، ۸۰ آدمیوں کا کھانا نکالا لطف یہ ہے کہ صبح کو کافی کھانا دیگچوں میں بچا ہوا پایا گیا۔ یہ محض حضرت کا تصرف روحانی تھا۔

(۳) ایک بار حضرت جولائی میں لاہرپور تشریف لائے۔ امساک بارش کی وجہ سے سخت پریشانی تھی۔ میں نے مغرب کے متصل حضرت سے دعا کے لیے عرض کیا۔ دعا فرمائی اور مولانا ابوالوفا صاحب کی طرف متوجہ ہوکر بڑی حسرت سے فرمایا ؎

یظن الناس بی خیرًا وانی ۔ لشر الناس ان لم یعف عنی

لوگ میرے ساتھ حُسنِ ظن رکھتے ہیں لیکن اگر وہ درگزر نہ کریں تو میں سب سے بُرا آدمی ہوں۔ جلسہ کے لیے فرش بچھائے جارہے تھے کہ قبل عشا ہی بارش ہوگئی۔

(۴) میری لڑکی ریحانہ کی عمر تقریباً ۴، ۵ سال تھی۔ گلسوئے نکلے تمام چہرہ متورم ہوگیا تھا بخار بہت تیز تھا ڈاکٹر نے مرہم لگا کر روئی کے پہل رکھ کر پٹی لگادی تھی۔ لڑکی بخار کی شدت کی وجہ سے غافل تھی دفعۃً اس نے چیخنا شروع کیا کہ مولانا دادا آئے ہیں مولانا دادا آئے ہیں۔ اُٹھ بیٹھی اور پٹی نوچنی شروع کردی۔ ہم لوگ پریشان ہوگئے کہ سرسام ہوگیا ہے لیکن ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب تھوڑے عرصے کے بعد نہ بخار تھا اور نہ ورم۔ ریحانہ بالکل اچھی تھی حالانکہ اس نے اپنے ہوش میں حضرت کو دیکھا بھی نہ تھا۔

(۵) اسٹیشن بھگواڑہ (ریاست بیکانیر) پر ہم لوگ ٹرین کے انتظار میں کھڑے تھے حضرت

کا سامان میری زیرِ نگرانی تھا جو لالٹین کے ستون کے قریب رکھا ہُوا تھا۔ ایک کتا آیا اور اُس نے ستون پر پیشاب کر دیا۔ صحیح انداز نہیں ہو سکتا تھا کہ پیشاب کی کچھ چھینٹیں پانی کی صراحی پر پڑیں ہیں یا نہیں۔ ٹرین پلیٹ فارم پر آچکی تھی قلی نے سامان اُٹھایا۔ چلا ہی تھا کہ صراحی میں کسی چیز کی ٹکر لگی گری اور پاش پاش ہوگئی۔ اس طرح اس شبہہ سے نجات ملی۔

(۴) مدینہ منورہ میں قبلہ دکھن جانب ہے۔ قبہ خضراء پورب کے گوشہ میں واقع ہے پچھم جانب باب الرحمۃ کے متصل والان میں حضرت درس دے رہے تھے۔ قبہ خضراء کی جالیاں سامنے تھیں تلامذہ میں سے ایک صاحب کو حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کافی تشکوک تھے دوران درس میں انہوں نے ایک بار جو نظر اُٹھا کر دیکھا تو سامنے نہ قبہ خضراء تھا اور نہ جالیاں بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف فرما تھے۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا (شائد دوسرے طلباء کو متوجہ کرنا ہو) حضرت نے اشارہ سے منع فرمایا۔ اب جو دیکھتے ہیں تو وہی سابقہ حالت پر سب چیزیں تھیں اس وقت مجھے مطلق یاد نہیں آتا کہ یہ واقعہ مجھ سے کن صاحب نے اور کہاں بیان کیا تھا۔ ہندوستان میں یا مدینہ منورہ میں۔

تعمقِ علمی اور گہری نظر

قلب ہے مرکزِ انوار تو ایمان ہے روح
جوہرِ علم مکمل ہے سراپا تیرا

سورۃ الانبیاء پارہ ۱۷ رکوع ۴ میں سیّدنا حضرت ابراہیمؑ کا قصہ مذکور ہے کہ آپؑ نے بتوں کو توڑ کر تبر یا توڑنے کا آلہ بڑے بُت کے کاندھے پر رکھ دیا۔ جب لوگ بُت خانہ میں داخل ہوئے تو یہ منظر دیکھ کر اُن کو آپ ہی پر شبہہ ہُوا اور انہوں نے آپ سے دریافت کیا۔

ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰاِبْرٰهِيْمُ۔

"کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں کے ساتھ اے ابراہیم؟"

آپ نے جواب میں فرمایا۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۔ "بولا یہ کیا ہے ان کے اس بڑے نے سو ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں"

عام مفسرین نے اس کو شائبہ کذب تسلیم کرتے ہوئے مختلف تاویلات کی ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت لکھنؤ سے مونگیر تشریف لیے جا رہے تھے تانگہ پر (اسٹیشن جاتے ہوئے) حضرت کے پاس میں بیٹھا ہُوا تھا اور آگے صاحبزادہ سلمہٗ۔ مَیں نے اس آیت کے متعلق حضرت سے دریافت کیا تو فرمایا کہ اگر فعلہ پر وقف کر دیا جائے تو اشکال باقی نہ رہے گا اور نہ کسی تاویل کی ضرورت۔ اس وقت آیت کے معنی ہوں گے :۔

بولا :۔ ان کو کیا ہے۔ ان میں بڑا یہ ہے۔ سو ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔

صاحبزادہ سلمہٗ نے دریافت کیا کہ کیا کسی مفسر نے بھی ایسا لکھا ہے۔ حضرت نے کئی تفاسیر کے نام بتائے تھے جو افسوس کہ اس وقت مجھ کو یاد نہیں۔

سنتِ ابراہیمی کا اتباع

سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تک دسترخوان پر کوئی مہمان نہ ہوتا کھانا تناول نہیں

تاریخِ وفات

از :۔ عبد الجبار

آں شیخ زماں مقتدائے اخیار
چوں او دیگر ندیدہ باشی خیار
تاریخ وصال او سروشے از غیب
گفتا "ہو قدوہ و خیر الابرار"

لاثانی شیخ الاسلام نمبر ۱۹۵۷ء از نتیجۂ فکر محمد عبد القدیر کوڑوی

فرماتے تھے ایک بار ایک ہفتہ تک کوئی مہمان نہ آیا اور پورا خاندان فاقہ سے رہا۔ اس حکایت کو بوستان میں شیخ سعدیؒ نے تفصیل سے لکھا ہے اس اسوۂ ابراہیمی کی ایک مثال اس زمانہ میں سنیئے۔

حضرت لاہرپور تشریف لاتے۔ گرمیوں کا زمانہ تھا دو بجے بعد دوپہر یہاں تشریف فرما ہوئے اور کھانے کی فرمائش کی۔ جب میں نے حضرت کا ناشتہ دان گھر میں لیجانے کے لیے اٹھایا تو وہ بھرا ہُوا تھا۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ناشتہ تو موجود تھا پھر کھانا کیوں نہیں تناول فرمایا۔ جواب میں فرمایا کہ لکھنؤ سے یہاں تک کوئی مسلمان قلی بھی تو نہیں ملا جس کے ساتھ کھاتا تنہا کھانے کو جی نہیں چاہا۔

نکتہ سنجی اور ظرافت

(۱) باوجود زہد و اتقاء اور وقار کے حضرت کے مزاج میں شوخی بھی بہت تھی۔ ایک بار آموں کی فصل میں مَیں نے حضرت کو لاہرپور تشریف لانے کی زحمت دی۔ لاہرپور قلمی آموں کے باغات کے لیے کافی شہرت رکھتا ہے۔ شیخ رمضان علی مرحوم نے یہاں کے باغات کی شدّ و مد سے تعریف کی اس پر حضرت نے مسکرا کر فرمایا "تو یہ کہیئے آپ لوگ بہت باغی ہیں"

(۲) اسی سفر میں شب کے کھانے میں فیرنی کا صرف ایک چمچ چکھ کر طشتری ہٹا دی کہ آم تو کھانے ہیں اس کی کیا ضرورت ہے حضرت کے قریب مولانا محمد قاسم صاحب تھے ان کے بعد میں اور میرے بعد محمد امین مرحوم کے استاد مولوی عابد حسین صاحب مرحوم۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے فیرنی کی طشتری اپنے سامنے رکھ لی۔ اتنے میں کچھ حضرت نے فرمایا وہ ادھر متوجہ ہوئے۔ مولوی عابد حسین مرحوم نے لپک کر طشتری اُٹھا لی۔ مولانا محمد قاسم صاحب ان سے چھیننے کے لیے جھپٹے۔ حضرت نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا "جی ہاں تبرک تو فیرنی ہی میں ہے چٹنی رکھی ہوئی ہے اس کو کوئی تبرکاً نہیں کھاتا"، مَیں نے یہ چند واقعات قلمبند کر دیے ہیں۔

مولانا عمر دراز بیگ صاحب مالک روزنامہ جدت مراد آباد

شیخ الاسلام کے بعد ہمارا فرض

دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کو تقویت دے کر حضرت شیخ کی روح کو خوش کیجئے

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے ملک بالخصوص مذہبی طبقہ میں جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اس کا پر ہونا نہ صرف مشکل بلکہ محال ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کی وفات پر جس قدر ہند و بیرون ہند میں کہرام مچا اور سوگ منایا گیا اس سے پہلے اسلامیان ہند کی بڑی سے بڑی شخصیت کی وفات پر بھی نہیں منایا گیا آج ہندوستان میں حضرت شیخ کی وفات سے صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے لیکن اب سوال یہ ہے کہ ہم حضرت شیخ کی وفات پر سوگ ہی مناتے رہیں اظہار رنج و غم ہی کرتے رہیں کرب و بے چینی میں مبتلا رہیں یا حضرت شیخ کی دلچسپیوں کے اداروں کو تقویت دے کر ان کی روح کو خوش کرنے کی کوشش کریں۔

کون دل ہے جو نہیں جانتا، کون زبان ہے جو نہیں کہتی اور کون انسان ہے جو نہیں سمجھتا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم دیوبند جمعیۃ علماء ہند اور اخبار الجمعیۃ سے خاص دلچسپی و وابستگی تھی جمعیۃ علماء ہند کے ابتدائی دور میں یہ احقر جب جمعیۃ علماء کے اجلاس منعقد کیا کرتا تھا اور مجھ کو گوناگوں مشکلات پیش آتی تھیں تو حضرت شیخ میری ہمت افزائی فرمایا کرتے تھے اور بڑے اہم پروگراموں کو چھوڑ کر مراد آباد اجلاسہائے جمعیۃ میں شرکت کیا کرتے تھے میں جب جمعیۃ علماء صوبہ متحدہ کا ناظم منتخب کیا گیا تو مزاح میں صوبیدار صاحب کے خطاب سے مجھ کو خطاب کیا کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں جب ایک خاص قسم کا ہالا چالا آیا تو دارالعلوم کی تاریخ سے واقف کار اصحاب جانتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام نے اس دور کی نزاکتوں کو کس خوش اسلوبی سے سنبھالا اور اس کے بعد سے تا وفات دارالعلوم کی جو خدمات انجام دیں ہندوستان کا مورخ انہیں سنہری حروف سے درج کرے گا۔

حضرت کے اوصاف حمیدہ کا اظہار کرنا میرے مضمون کا مقصد نہیں ہے حضرت کے اوصاف تو اس قدر بے پایاں ہیں کہ قلم کی تب گھس جائے دوات خشک ہو جائے مگر ان اوصاف کو مکمل طور سے صفحۂ قرطاس پر نہیں لکھا جا سکتا۔

میری منشاء و غایت اس فرصت میں آپ کی توجہ صرف اس گوشہ کی طرف منعطف کرانی ہے کہ آیا آپ حضرت شیخ کا سوگ منا کر ہی ختم کر دیں گے یا ان کی دلچسپیوں کے اداروں کو تقویت بھی دینے کی کوشش کریں گے۔

مانا کہ اس دور کے مسلمان دیگر صدیوں کی طرح متمول نہیں ہیں تسلیم کہ مسلمان آجکل اقتصادی مشکلات میں مبتلا ہیں یہ اقرار کہ اختتام زمینداری کے بعد زمیندار طبقہ مفلوک الحال ہو گیا ہے مگر اس صحیح حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ موجودہ دور میں مسلمان تجارت میں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اسی صوبہ میں سینکڑوں ایسے مسلمان ہیں جو بڑی تجارتوں اور اہم فرموں کے مالک ہیں اگر زمیندار طبقہ مفلوک الحال ہے تو تاجر طبقہ تو مرفہ الحال ہے اور حضرت شیخ کی وفات سے یہی طبقہ سب سے زیادہ غم و الم میں مبتلا ہے پس کیا اس طبقہ کا فرض نہیں ہے کہ وہ میدانِ عمل میں کود پڑے اور دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ علماء اور اخبار الجمعیۃ کی طرف خاص توجہ کرے اور تینوں اداروں کو جن پر حضرت شیخ فدا تھے قوی اور طاقتور بنانے کی کوشش کرے۔

میں نے اپنے اس مضمون میں جمعیۃ علماء متحدہ صوبہ کے اجلاس کی اپیل کی ہے اگر ارباب بست و کشاد جمعیۃ علماء مراد آباد کو اس اجلاس کے لیے منتخب کریں تو میں دعوت دینے کے لیے تیار ہوں ویسے تو مراد آباد میں جمعیۃ علماء کی چھوٹی چھوٹی کانفرنسیں ہوتی ہی رہتی ہیں مگر بحمد اللہ میرے ہاتھوں جمعیۃ علماء صوبہ کے وہ تاریخی اجلاس ہو چکے ہیں جن کی مثال اس دور میں نہ مل سکتی تھی مجھے قوی امید ہے کہ مسلمانان ہند بالخصوص مسلمانانِ یوپی میری اس اپیل کو عملی جامہ پہنا کر حضرت شیخ کی روح کو خوش کرنے کی کوشش کریں گے۔

برّصغیر پاک و ہند میں اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا آغاز حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک احیائے دین سے ہُوا۔ انھوں نے اکبری الحاد کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا اور مسلم معاشرے میں اس کے اثر و نفوذ کو بڑھنے سے روک دیا۔ حضرت مجدّد نے اپنے مکتوبات کے ذریعے علوم و معارف کے دریا بہائے۔ ان کے فیوض و برکات کو ان کے اخلاص مند خلفائے کرام نے چار دانگ عالم میں پھیلا دیا۔

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۴ھ) کے بعد منصبِ تجدیدِ دین کی قبار خاص حکیم الامّت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) کو عطا کی گئی جو اِن کے جسم مبارک پر خوب چُست آئی۔ انھوں نے اپنے عہد کا جائزہ لے کر آنے والے دور پر بھی ایک مبصرانہ نگاہ ڈالی۔ انھوں نے اپنی خداداد بصیرت و فراست سے اُمّتِ مسلمہ کے لیے راہِ عمل متعین کی۔ ان کی فکر انگیز تصانیف علم و حکمت کا سحابِ مدرار ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا فیض سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۳۹ھ) کی شکل میں جلوہ گر ہوا۔ جن سے مجدّد اسلام حضرت سیّد احمد شہیدؒ (م ۱۲۴۶ھ) نے روشنی حاصل کی۔

حضرت سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ عمر بھر اعلاء کلمۃ الحق میں مشغول رہے ان کے دستِ مبارک پر ہزاروں علماء اور لاکھوں عوام نے بیعت کا شرف حاصل کیا اور سعادتِ ابدی و نجاتِ اُخری کی راہ پائی انھوں نے اپنی مجاہد و صالح جماعت کو صحیح اسلامی خطوط پر استوار کیا، اور اُسے فنونِ حربیّہ کی تربیت دے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت جہاد کو زندہ کیا۔ ان کا نصب العین برّصغیر پاک و ہند سے فرنگی اقتدار اور پنجاب و سرحد سے سکھا شاہی کو ختم کرکے اسلامی سلطنت کا قیام تھا۔ حضرت سیّد صاحب اور ان کی جماعت مجاہدین نے سکھوں کے مقابلے میں کئی جنگیں لڑیں اور انہیں شکست فاش دی۔ لیکن آخر میں ۲۶، ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ کو بالاکوٹ کے مقام پر سیّد صاحب اور ان کی جماعتِ مجاہدین نے اپنے سے کئی گُنا زیادہ دشمن کے مقابلے میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے میدانِ جنگ میں جامِ شہادت نوش کیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جماعتِ مجاہدین میں مشائخ دیوبند کے سرخیل و مورثِ اعلیٰ حضرت حاجی شاہ عبدالرحیم ولایتی شہید رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۴۶ھ) بھی تھے۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے ۱۲۳۴ھ میں نہ صرف خود حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی بلکہ اپنے مریدین و خلفاء کو بھی حضرت سیّد صاحب سے بیعت کرا دیا۔ انھوں نے اپنے خلیفہ اعظم میانجیو نور محمد جھنجھانوی (م ۱۲۵۹ھ) کو لوہاری (ضلع مظفر نگر) سے بلا کر اپنے سامنے سیّد صاحب سے بیعت کرایا۔ حضرت سیّد صاحب

نے حضرت میانجیو کو اپنے سلاسل طریقت کی اجازت و خلافت عطا فرمائی حضرت میانجیو کے فیضِ تربیت سے ایک ایسی شخصیت ظہور میں آئی جس نے عرب و عجم میں اس سلسلے کے فیوض و برکات کو پھیلا دیا۔ یہ شخصیت شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱۷ھ) کے نام سے مشہور عالم ہے۔ حضرت امداد اللہ کے مُرشدِ اوّل حضرت مولانا سیّد نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت سیّد احمد شہید کی جماعت کے رُکنِ رکین تھے۔ حضرت سیّد صاحب شہیدؒ کے بعد مولانا نصیر الدین ہی نے ازسرِنو تحریکِ جہاد کو زندہ کیا۔ انھوں نے وطنِ عزیز سے ہجرت فرمائی اور پے در پے سکھوں اور انگریزوں سے جنگیں لڑیں۔ ۱۲۵۶ھ میں انھوں نے ستھانہ (صوبہ سرحد) میں وفات پائی۔

یہ امیرالمومنین حضرت سیّد احمد شہید قدس اللہ سرہٗ ہی کی نسبتِ باطنی کا اثر تھا کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے شیوخ و خلفاء کرام کے سینوں میں جذبۂ جہاد موجزن رہا۔ علماء ربانیین کی اس مقدس جماعت نے سُنّتِ جہاد کو جاری رکھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں آزادیٔ وطن کے لیے فرنگی اقتدار کے خلاف پورے برصغیر میں ایک بغاوت عام ہُوئی جو غدر ۱۸۵۷ء کے نام سے مشہور ہے۔ اکابر علماءِ دیوبند قطبِ عالم حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۹۷ھ) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے نیک نہاد رفقاء مجاہدین سر سے کفن باندھ کر مردانہ وار میدانِ جہاد میں اُترے۔ انھوں نے تھانہ بھون اور شاملی کے مقام پر جدید اسلحہ سے لیس فرنگی فوج سے کئی جنگیں لڑیں اور اسے شکست فاش دی لیکن جلد ہی فرنگی اقتدار کو پورے برصغیر میں غلبہ حاصل ہوگیا۔ حافظ ضامن صاحب خلیفہ حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی قدس اللہ سرہٗ نے ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ کو شاملی کی جنگ میں جام شہادت نوش کیا۔ ہزاروں علماء کو دار ورسن اور قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔

اکابر علماءِ دیوبند کے کارنامے احیاء اسلام اور حُریّت وطن کی تاریخ کا ایک عظیم الشان حصّہ ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اکابر علماء دیوبند نے یہ اچھی طرح محسوس کرلیا کہ اب فرنگی قوت اس قدر بڑھ چکی ہے کہ کھلی جنگ میں اس کا مقابلہ مشکل ہے تو انھوں نے زیر زمین (UNDER-GROUND) کام کا فیصلہ کرلیا۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

تحفظِ دینِ مُبین و حریّتِ وطن، ترویج و اشاعتِ علومِ اسلامیہ اور احیاء سُنّتِ مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کے سنہری باب ہیں۔ قطب الارشاد گنگوہیؒ اور حجۃ الاسلام نانوتوی قدس سرہما کے فیضِ تربیت سے ایک اور بلند و بالا شخصیت معرضِ وجود میں آئی جسے شیخ الہند مولانا محمود حسن (م ۱۳۳۹ھ، ۱۹۲۰ء) کے نام سے یاد جاتا ہے۔ وہ اپنے اکابر کی یادگار اور ان کے علوم و معارف کے وارث تھے۔ انھوں نے تحریک جہاد کو ازسرِنو زندگی بخشی۔

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

آزادیٔ وطن و حُریّتِ اسلام کی اس تحریک کو انگریزوں نے ریشمی رُمال سازش کا نام دیا۔ اس تحریک جہاد میں حضرت شیخ الہند کے تلمیذِ خاص و دستِ راست امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۳ھ، ۱۹۴۴ء) نے فقید المثال کارنامے انجام دیئے۔

اس تحریک میں حضرتِ اقدس گنگوہی اور حضرتِ اقدس نانوتوی قدس سرہما کے دیگر متوسلین بھی شریک تھے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اپنی تفسیر الہام الرحمٰن میں فرماتے ہیں:

لان الامر (الجهاد) لم یکن مقصوداً علیٰ شیخنا (شیخ الہند) فقط بل کان معه جماعة من اتباع مولانا محمد قاسم وطائفة من اتباع مولانا رشید احمد مثل مولانا عبد الرحیم الرائپوری

حضرت شیخ الہند نے اپنے مشن کی کامیابی کے لیے ۱۳۳۳ھ میں حجازِ مقدس و دیگر ممالکِ اسلامیہ کا سفر اختیار کیا۔ اوائل ۱۳۳۵ھ میں فرنگیوں نے حجازِ مقدس سے انہیں گرفتار کرکے بحیرۂ روم کے جزیرۂ مالٹا میں مُقیّد کردیا۔ سوا تین سال انھوں نے اسیری کی صُعوبتیں برداشت کیں۔ اس ابتلاء میں آپ کے عزیز تلامذہ و مسترشدین، حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۷ء) حضرت مولانا عزیر گل (بقیدِ حیات)، مولانا حکیم سیّد نصرت حسین (م ۱۳۳۷ھ) مولانا وحید احمد مدنی (م دسمبر ۱۹۳۸ء) بھی شریک تھے۔ حضرت شیخ الہند کے سفرِ حجاز اور اسارتِ مالٹا کے زمانے میں قطب عالم حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری (م ۱۳۳۷ھ، ۱۹۱۹ء) کے زیر کمان تحریک جہاد چلتی رہی۔ انھوں نے بڑے استقلال اور عالی ہمّتی سے اپنے فرائض منصبی ادا کیے۔ حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے عَلَمِ جہاد اپنے ہاتھوں میں لیا جسے انھوں نے بلند سے بلند تر رکھا۔ ان کی مجاہدانہ وزاہدانہ زندگی اعلاء کلمۃ الحق کے لیے وقف رہی۔ سرفروشی و جاں سپاری ان کی طبیعتِ

ثانیہ تھی۔ انھوں نے قید وبند کی صعوبتیں بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ ان کا وجودِ گرامی فرنگی اقتدار کے لیے ایک کھلا چیلنج رہا جس کا جواب برطانوی حکومت کے بس کی بات نہ تھی۔

تحریکِ آزادیٔ وطن وجہادِ حُریّتِ اسلام میں مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلوی، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی، قافلہ سالار احرار امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (م ۱۳۸۱ھ، ۱۹۶۱ء) مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، سید الملۃ مولانا سیّد محمد میاں دیوبندی، قائد احرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہم اللہ تعالیٰ کے مجاہدانہ کارنامے بھی مسلمانانِ برصغیر کے لیے سرمایۂ صد فخر و ناز ہیں۔ برصغیر کے زعماء مولانا ابوالکلام آزاد، رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، حکیم محمد اجمل خاں بھی جو آسمانِ سیاست و فراست کے درخشندہ ستارے تھے، حضرت شیخ الہند ہی کے متبعین میں سے تھے۔

نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔

حضرت شیخ الاسلام ۱۹۴۰ء سے لے کر تادمِ زیست جمعیۃ علماء ہند کے صدر رہے۔ جمعیۃ علماء ہند نے کانگرس سے دو سال قبل ۱۹۲۰ء میں ہندوستان کی مکمل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیا تھا۔ جمعیۃ کا نصب العین ایسی آزادیٔ کامل تھی جس میں مسلمانوں کے مذہب و تہذیب کی حفاظت ہو۔

حضرت شیخ الاسلام اپنے مقتدا و پیشوا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے قدم بقدم جد و جہد آزادی کے لیے سرگرم عمل رہے۔ حضرت شیخ الہند اسلامی نظریہ سیاست کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ اُن کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اگر انگریز کو ہندوستان سے نکال باہر کیا گیا تو دوسرے اسلامی ممالک بھی جلد ہی اس کی گرفت سے آزاد ہو جائیں گے۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ عمر بھر اپنے شیخ کی متعین کی ہوئی راہ پر گامزن رہے۔

حضرتِ اقدس مدنی قدس سرہٗ اخلاص وللّٰہیّت کا پیکر تھے۔ ان کی مومنانہ فراست نے ابن الوقت سیاست کا رنگ کبھی اختیار نہیں کیا۔ حضرتِ اقدس تقسیم برصغیر کے حق میں نہ تھے۔ انہیں یہ احساس رہ رہ کے تڑپاتا تھا کہ تقسیم برصغیر کے نتیجے میں مسلمانانِ ہند کی اجتماعی قوت بھی تقسیم ہو جائے گی۔

تقدیرِ خداوندی سے بالآخر پاکستان بن گیا تو حضرت مدنی قدس سرہٗ دل کھول کر اس کے استحکام و بقا کے لیے دعائیں فرماتے رہے، اور آج بھی آپ کے لاکھوں عقیدت مندوں کی دینی و سیاسی خدمات پاکستان کے لیے وقف ہیں۔

زیرِ نظر رسالہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی مبارک زندگی کا حسین مرقع ہے۔ یہ روزنامہ "الجمعیۃ" کا شیخ الاسلام نمبر ہے جو ۲۵ رجب المرجب ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء کو دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مخلص دوست جناب حافظ محمد یوسف عثمانی کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے اس کی اشاعتِ ثانی کا اہتمام کیا ہے اللہ تعالیٰ اس رسالے کی اشاعت میں حصّہ لینے والے سب حضرات کی سعی مشکور فرمائے۔

نفیس الحسینی ۳/۱۷۷ کریم پارک لاہور، ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

بردل در ہدایت و اصلاح باز کن!

(از جناب یوسف نیا گاؤں)

اے رہ نمائے خلق بہ یزداں چگونہٗ
غافل زحالِ غرقۂ عصیاں چگونہٗ

ماخستہ از فراقِ تو در خونِ دیدہ ایم
اے مستمندِ بادۂ عرفاں چگونہٗ

ایں جا گداختی دلِ خود را بفکرِ ما
فارغ زمایہ روضۂ رضواں چگونہٗ

تیرہ دلانِ دہر ندیدند اوجِ تو
با نوریانِ ماہِ جبیناں چگونہٗ

بے تو بدہر جادۂ خذلاں گرفتہ ایم
اے خضرِ راہ وادیٔ ایماں چگونہٗ

درعشقِ مصطفےٰ دلِ خود را تپیدہٗ
آنجا بوصلِ شاہِ رسولاں چگونہٗ

ابروکشادہ داشتی بر تلخیٔ حیات
با حوریان و کوثر و غلماں چگونہٗ

برخیز از مزار و تمنائے دید بیں
مارا مثالِ اشک زمژگاں چکید بیں

رفتی و دارِ علم را بر ہم گذاشتی
فیضِ فنِ حدیث را در ہم گذاشتی

اغیار را بلطف و عنایت نواختی
وابستگانِ خویش را ایں غم گذاشتی

مشاطگیٔ زلفِ سیاست ترا سزد
گیسوئے ملک و دیں چرا پُرخم گذاشتی

خدمت بعلم یافتی از ورثۂ سلف
شوقِ وطن[1] فزود کہ ایں ہم گذاشتی

شورِ فنا دور جہاں از کارہائے تو
آگاہ کس[2] نبود چوں عالم گذاشتی

چشمِ عنایتے سوئے اہلِ نیاز کن
بردلِ در ہدایت و اصلاح باز کن

[1] وطن۔ آخرت

[2] نمبر۲۔ حضرۃ کے وقتِ وفات کی طرف اشارہ ہے۔

دُنیا جود فی ہونے کے باوجود حکمِ الٰہی اور اسرارِ ربانی کی ایک باعظمت اور عظیم الشان جلوہ گاہ ہے۔ اسکے دامن پر زندگی کے نقوش اسی لیے ظہور میں آتے ہیں کہ خود مٹا کر کسی قادرِ مطلق ہستی کا پتہ دیں اور اگر سچ پوچھئے تو سازِ ہستی کی ہر صدا اسی وجودِ کل کا ایک نغمۂ عبرت ہے۔ آنکھیں اگر دیکھنے والی ہوں تو دیکھ سکتی ہیں کہ کائنات کے ہر ذرہ کی پیشانی پر کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ کا نوشتۂ ازل موجود ہے جو نہ کبھی مٹا ہے اور نہ مٹے گا۔ جو دنیا میں آیا سب نے یہی شہادت دی کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْت۔ یہ ایک آنے والی خبر ہے اس کے لیے کوئی روک نہیں، قضاءِ مبرم ہے جس میں تخلف کی گنجائش نہیں، سنتِ الٰہی ہے جس میں تبدیلی کا امکان نہیں وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلاً۔

موت وحیات کا یہ رشتہ الیسا رشتہ ہے کہ ادنیٰ اور اعلیٰ کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، ہر جاندار کو اس منزل سے گزرنا ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس سے آزاد نہیں رہ سکے۔ شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز بھی اسی دنیا کے رہنے والے انسان تھے لہٰذا آپ کے لیے بھی وقت آیا کہ تمام فرائض دنیوی و دینی کے بعد اس آخری فریضۂ فطرت کو بھی پورا کریں جسے اب تک سب پورا کرتے آتے ہیں۔

۵، دسمبر ۵۷ء پنج شنبہ کی سہ پہر کو آسمانی فرشتہ رفیق اعلیٰ کا بلاوا اور "روح وریحان و جنتِ نعیم" کی خوش خبری لے کر آیا جس کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح ہر وقت بے چین رہا کرتی تھی۔ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے اسی عالمِ روحانیت میں جا پہنچی جہاں اس کا حقیقی نشیمن تھا۔ روح پر فتوح نے پیامِ الٰہی کا استقبال اس ذوق وشوق اور لقائے محبوب کے تمنا کی شورش انگیزیوں سے بے خود ہو کر اس طرح کیا کہ اس نشۂ بے خودی سے بڑھ کر محبوب کی بارگاہ میں شاہد اور کوئی چیز گرانقدر نہیں۔ رحمتِ الٰہی نے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ زندگی کی اس سے بڑھ کر فیروزمندی اور جواں بختی، کامرانیِ حیات اور بخشش ونوالِ ایزدی اور دوسری کیا ہو سکتی ہے۔

جانیست ہر آئینہ بخواہد رفتن
اندر غم عشق تو روا اولیٰ تر

سہ پہر کی تاریکیاں روزانہ کی طرح ۵، دسمبر کو بھی چھا رہی تھیں لیکن ابھی ہونیوالے حادثۂ کبریٰ کے آثار اور علامات اس کی تاریکیوں کو اور زیادہ تیرہ و تار اور وحشت آفریں بنا رہے تھے ہر پنج شنبہ کو شام ہوتی ہے آج بھی شام ہوئی اور آج کا سورج بھی غروب ہوا لیکن تنہا نہیں بلکہ اسی کے ساتھ اسی یوم الخمیس کے افق مغرب میں ایک اور آفتابِ علم ومعرفت بھی ڈوبنے والا تھا جس کے اُفق پر کبھی طلوع ہوا تھا چنانچہ اس روز بھی آفتاب نے کسی آنے والے حادثہ سے مغموم ہو کر چہرہ پہ زردی کے ماتمی نقاب کو ڈال لیا اور پھر ایک الوداعی نگاہ حسرت ڈالتے ہوئے افق مغرب میں روپوش ہو گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حجاب چہرہ جاں می شود غبار تنم
خوشا دمے کہ ازیں چہرہ پردہ بر فگنم

بالآخر وہ آفتابِ علم وہدایت جس کی روحانی کرنیں اب تک چمک رہی ہیں پورے پون صدی تک بلا تفریق ملک وملت ہر چہار دانگ عالم میں چمکیں اور جب تک دنیا میں اہلِ نظر موجود رہیں گے چمکتی رہیں گی۔ قبر کے خاکی ذروں میں چھپا دیا گیا۔ مرقد مبارک کے در و دیوار اور حاضرین کے قلب سے یہ صدا بلند ہو رہی تھی۔ ؎

کس کو لائے ہیں بہر دفن کہ قبر۔ ہمہ تن چشم انتظار ہے آج۔

رحمۃ اللّٰہ علیہ وعلیٰ اتباعہ الیٰ یوم الدین۔

"حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ایک فرد ایک شخص اور ایک انسان کی موت نہیں ہے بلکہ ایک خاص دور ایک عہد اور حیاتِ ملی کے صحیفہ کے ایک باب کا اختتام ہے۔"

بلاریب یہ ایک ایسی تاریخی صداقت اور جانی بوجھی حقیقت ہے جس کی شرح میں نقشِ حیات کی اور دو جلدیں پوری کی جاسکتی ہیں مگر ہے یہ کام حد درجہ دشوار گزار۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت نور اللہ مرقدہ کی ذات حکمتِ قاسمی، زہدِ گنگوہی، فراستِ محمودی اور امدادِ اللّٰہی عرفان کا وہ سنگم تھی جو ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۵۷ء کی پوری تاریخ کو زندہ کیے ہوئے تھی۔ ہم سے جب کسی نے پوچھا کہ ہمارے اسلاف میں حضرت جیلانی رح، حضرت خواجہ اجمیری رح اور امام ربانی مجدد الف ثانی رح وغیرہ رحمہم اللہ کیسے تھے تو ہمیں ان کی عظمت شان کے باور کرانے میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا تھا ہم حضرت مولانا مدنی رح کی طرف اشارہ کر کے سچا نمونہ پیش کر دیتے تھے لیکن واہ مصیبتا کہ آج اِس امام الدنیا والدین، نمونہ اسلاف صالحین اور انسانیت کی آبرو کو کہاں ڈھونڈیں اور کس سے پوچھیں کہ ان کے نئے آستانہ کا پتہ کیا ہے اور کس طرح یقین کرائیں کہ وہ اپنے رب کے پیارے ہو گئے۔ تاہم عالمِ اسلامی کا ذرہ ذرہ حضرت قدس سرہ کے انوار و برکات سے تابناک ہے اور آپ کی عیسیٰ نفسی سے جس طرح حیات میں مستفید ہوتا تھا وصال کے بعد یہ تعلق اور زیادہ قائم و باقی رہنے والا ہے۔

در راہ عشق مرحلہ قرب و بُعد نیست
می بنیمت عیاں و عامی فرستمت

وصال پر دیوبند حاضر ہو کر جو کچھ مشاہدہ کیا اس کا خلاصہ یہ ہے

نہیں ہے پیرِ مے خانہ مگر فیضان باقی ہے۔
ابھی تک میکدہ سے بُوئے عرفانی نہیں جاتی۔

۱۹۴۴ء سے ۵۷ء اور اپنے تاثرات

حضرت مولانا مدنی رح نور اللہ مرقدہٗ سے اپنے تعلقات خدا کا شکر ہے ۱۹۴۴ء سے شروع ہو کر آخر زندگی تک ترقی کے ساتھ قائم رہے اور جو کچھ اس مدت میں دیکھا اور سُنا وہ نہ اب نہ اب سے بیشتر دیکھا اور سُنا تھا اور نہ اب اس کی امید کی جاسکتی ہے اپنی عمر کا نصف حصہ تعلیم و تعلّم اور سفر و حضر، خلوت و جلوت میں دیکھنے، زبانی اور تحریری استفادات سے مشرف ہونے کا موقع ملا لیکن اس کے ساتھ اس بات کے کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اپنے چودہ سالہ تاثرات کو اگر ظاہر بھی کرنا چاہوں تو بہت حد تک اس میں ناکامیاب ہی رہوں گا۔ وجہ یہ ہے کہ بہت سی چیزیں وجدانیات اور ذوقیات سے تعلق رکھتی ہیں مگر اس کا خاکہ اتار نا زبانِ قلم کے بس سے باہر ہے مثلاً روح ایک عقدہ لاینحل ہے مگر اجل البدیہات میں سے ہے اور ہر ایک کو مثل نور اور سرور اس کا علم اور اذعان ہوتا ہے مگر اس کے افشاء اور اظہار کے لیے تعبیرات ساتھ نہیں دے سکتیں۔ بعینہٖ یہی حال حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کا تھا جس کو جاننے اور پہچاننے بلکہ باور کرانے اور پہنچوانے کے لیے کم از کم رجال و طبقات کی کتابوں اور بالخصوص صفوۃ الصفوۃ لابن جوزی رح اور مرأۃ الجنان امام یافعی رح جیسی کتابوں کو بار بار پڑھنے سے مولانا مدنی رح کو جانا اور پہچانا جاسکتا ہے ہم نے اس طرح کی کتابوں کو پڑھا حتیٰ کہ اخبار الاخیار، تذکرۃ الاولیا اور نواب صدیق حسن مرحوم کی تقصار بھی کئی بار دیکھیں نیز حضرت قاسم نانوتوی، قطب گنگوہی، اسیرِ مالٹا کے حالات اور شاہ ولی اللہ امام ربانی کے نمبروں کو دیکھا۔ ان کتابوں میں سے بعض کے اندر اوصاف کا پتہ چلا جو مولانا مدنی رح کا امتیازی وصف ہے اور بعض اہل اللہ کی زندگیوں میں ہم کو حسینی تابش اور مدنی جھلک بھی نظر آتی اور ہم نے اس ذات مجسم الصفات کو اللہ کے دین سمجھ کر اس کے آستانہ کی خاک کو اپنے لیے کونین کی بہا اور دنیا وما فیہا کا خلاصہ سمجھا اس راہ میں کھونا ہی اگر پانا ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس کے دربار گہربار سے محروم نہیں رہے کیونکہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ھم القوم لا یشقی جلیسھم (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

آج پورا عالم اسلام روتا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات قومی و ملی پر خراج تحسین پیش کر رہا ہے لیکن یہ حادثہ کبریٰ میرے لیے بالکل ذاتی حیثیت رکھتا ہے ادھر ۱۴ سال سے حضرت سب سے زیادہ بے پایاں اس ناچیز پر اپنی شفقتوں، مہربانیوں اور الطاف و عنایات فرماتے رہتے تھے اس لیے یہ جدائی حد درجہ سوہان روح اور ایسی پرفیض اور مجمع البحرین ذاتِ اقدس سے محروم ہونا اپنی زندگی کا اہم ترین حادثہ ہے اللہ تعالیٰ صبرِ جمیل بخشے اور حضرت کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرماتے۔ آمین۔ اگر یہ شعر اپنے مفہوم و معنی کے لحاظ سے صحیح ہے کہ

داد او را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیت داد اوست

تو یہ ناچیز تحدیثِ نعمت کے طور پر اس بات کے کہنے میں ذرا بھی متردّد نہیں ہے کہ آج حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو سمجھنے اور آپ کے کمالات اور جامعیت کو جاننے اور رسوخ فی العلم کی خصوصی دولت کا سب سے مستند ذریعہ آپ کے مکتوبات ہیں جو اس ناچیز کے پاس ہر چہار وانگ عالم سے اس طرح اکٹھے ہو گئے اور ہوتے جا رہے ہیں کہ انشاء اللہ چار جلدیں بھی ناکافی ہوں گی اور کتنے ایسے خطوط پھر بھی رہ جائیں گے جن کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ان کو رہنے دیا جائے وہ قیامت میں ظاہر ہوں گے۔ مجھ کو اپنی اس خوش قسمتی پر بجا فخر ہے کہ آج میرے پاس حضرت رح سے بلاواسطہ مستفید ہونے اور باوثوق طریقہ پر واقف ہونے کا ایک ایسا یقینی ذریعہ موجود ہو گیا کہ عرصہ تک کی رفاقت اور معیت کے بعد بھی کوئی اور نہیں ہو سکتا خطوط ہی آدمی کی شخصیت اور اصلی سیرت، حقیقی ذوق و مزاج اور دینی و علمی خصوصیات کا سب سے جامع مرقع ہوا کرتے ہیں ناچیز نے اس گنجِ گرانمایہ سے یہ کافی فائدہ اٹھایا اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو مخفی رہ گیا ہو۔ بہرکیف آج جب کہ حضرت رح ہمارے اندر موجود نہیں ہیں یہ مکتوبات ہمارے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا گویا موجود ہونا ہے انہیں مکتوبات کی روشنی میں حضرت کے روحانی کمالات کا تھوڑا سا ذکر کرنے کا ہمارے بزرگوں اور ہمارے احباب نے ہم کو حکم کیا ہے۔ ہم کو اپنی پستی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بلندی کے پیشِ نظر آپ کے روحانی کمالات پر کچھ لکھنا صحیح معنوں میں چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق ہے لیکن بقول مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی "کسی صاحب کمال ہستی کے کمالات و خصوصیات، شخصیت و صفات کا تعارف کرانا اہل نظر کا کام لیکن کسی صاحبِ کمال شخصیت کے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات، نقوش و تاثرات کے اظہار کے لیے خود صاحبِ کمال اور صاحبِ نظر ہونا قطعاً ضروری نہیں"

ہم کو ہمت ہوتی اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ اس راہ میں بھی ہماری مدد فرمائے

ہر صدی کی باکمال شخصیتوں کو سمجھنے کے لیے ایک بنیادی معیار۔

انبیاء علیہم السلام کے طریق کار کو سمجھنے اور فلاسفہ و حکماء کے طریق زندگی میں فرق نہ کرنیکی بنا پر ہر دور میں اس زمانہ کی ان عظیم المرتبت شخصیتوں کو جاننے اور پہچاننے میں خواص تک کو غلط فہمی ہوتی جو شخصیت اس زمانہ کی عام نسل سے ذہنی اور علمی اعتبار سے بہت بلند اور اپنا ماثل وا قران میں ممتاز تھی اور اسی بناء پر اس کو اپنی عظمت اور اپنے کمال کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی حالانکہ بات صاف تھی اور یہ کہ جو لوگ انبیاء کے متبع ہوتے ہیں ان کے طریق کار کی نوعیت ہی اور ہوتی ہے! انبیاء علیہم السلام کا اصل موضوع موجد کی ذات و صفات اور اس کے احکام سے براہ راست ہوتا ہے۔ وہ آفاق اور انفس میں اسی کی کھلی ہوئی نشانیاں دیکھتے ہیں اور ان کا اس صحیفۂ کائنات کے مصنف سے گہرا رابطہ برابر قائم رہتا ہے کیونکہ خدا کے پیغمبر خدا کی بنائی ہوئی دنیا کے باغبان اور اس کی چمن بندی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس کے برگ و بار کو بادِ سموم کے جھونکوں سے بچاتے اور اس کے زہریلے اثرات کو دور کرتے رہتے ہیں پس جس دنیا کے تمدن کا خمیر انکی ترکیب اور ان کے مشورہ کے بغیر تیار ہوگا اس میں کبھی اعتدال نہیں آسکتا ہے علوم نبوت ہی انسانوں کو اپنی برتری و شرافت اور انسانیت کا شعور بخشتے ہیں اور انسانوں کے اندر یہ اذعان پیدا کرتے ہیں کہ وہ ایک مقتدرِ اعلیٰ احکم الحاکمین کے زیر فرمان ہیں علوم نبوی صرف اخلاقی حس کے پیدا کرتے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ انسانوں کو ایک مکمل نظام نامہ اور مفصل ضابطۂ اخلاق بھی عطا کرتے ہیں۔ انبیاء کی تعلیمات سے انحراف یا ان سے لاعلمی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا تخیل خالص مادی اور حیوانی ہو کر رہ جائے! نبیاء کی نبوت کی سب سے واضح دلیل انکے حوارین اور اصحاب ہیں جن کی معیاریت پر قرآنِ عزیز کا ارشاد ہے۔

ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

دوسری جگہ ارشاد ہے اور صحابہ کرام ہی مخاطب ہیں

ما یرید اللّٰہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم۔

تیسری جگہ ہے۔

انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں مخصوص صفت، صفت تزکیہ ہے جس کے معنی ہیں کہ آپؐ صرف پڑھ کر سنا دینے اور سمجھا دینے پر اکتفا نہیں فرماتے تھے بلکہ اس کا رنگ بھی چڑھا دیتے تھے۔ تعلیم کتاب کو ان کے کانوں اور دماغوں سے گزار کر ان کے قلوب اور ارواح کو رنگین کر کے اعضاء و جوارح سے جاری فرما دیتے تھے صحابہ کرامؓ رضی اللہ عنہم کی حیرت انگیز روحانی، اخلاقی، ذہنی، عملی تبدیلی ہی کے اندر اسلام کی کامیابی کا راز پنہاں تھا اور آج اسی کی کمی اسلامی معاشرہ کی ابتری کا باعث ہے خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ اور فضالہ بن عمیر وغیرہم کے واقعات سے سیرۃ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں تاریخ اسلام شاہد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے بعد امت محمدیہ میں بہت سے لوگ علیحدہ اور بعض مجموعی طور پر آپ کے جانشین اور قائم مقام ہوتے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ جن کے اسماء، قراء، علماء ظاہر علماء باطن یعنی صوفیا اور تزکیہ کرنیوالے آپؐ کی امت کے دو اہل اللہ اور صاحب کمال بزرگ ہیں جو آپؐ کے انوار اور انفاس قدسیہ کے وارث و حامل ہوتے حضرت مولانا مدنی قدس سرہ العزیز اس دورِ مظلمہ کے سب سے بڑے کتاب و سنت کے نہ صرف عالم بلکہ اس کے حکم و اسرار کے ماہر، مقتدایت و امامت کے منصب پر فائز اور ایک خاص فکر و شعور کے موجد تھے حتیٰ کہ خاص امت میں آپ کا روحانی مقام اتنا بلند تھا جس کی نظیر صرف اسلاف کے اندر تو ملتی ہے مگر اس پون صدی کے اندر کوئی اور ہستی ہمارے علم میں نہیں ہے اور ہم کو پوری دیانت کے ساتھ اس فقرہ کے لکھنے میں کوئی جھجک نہیں۔ " لم تر العیون مثلہ ولم یرھو مثل نفسہ"

سیاست وا نقاب چہرہ کردی
وگرنہ عاشق مستانہ بودی

حضرت مولانا مدنی قدس سرہ العزیز کے بارے میں بہتوں کو یہ فیصلہ کرنے میں مشکل پیش آئی کہ وہ کون سے مرکزی صفات تھے جو آپ کی زندگی میں سب سے نمایاں اور اساسی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ کسی نے بہت بڑا مفسر و محدث جانا، کسی نے ایک عالم اور شیخ طریقت سمجھا، کسی نے سیاسی راہنما اور مجاہد قرار دیا، اس میں شبہہ نہیں کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ میں وہ سارے کمالات تھے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے لیکن مولانا مدنیؒ میں ان تمام باتوں سے کہیں زیادہ آپکا وہ روحانی مقام تھا جس سے عام طور پر دنیا ناواقف تھی اور ناواقف رہ گئی اس کی زیادہ وجہ یہ ہوئی کہ لوگوں نے تزکیۂ نفس اور تطہیر قلوب کو ایک ثانوی چیز سمجھا اور صرف تعلیم کتاب و حکمت کے اندر ساری تگ و دو محصور کر دی حالانکہ تزکیہ کی کمی اعلیٰ تعلیم کے باوجود محسوس ہوتی ہے اور دین جس چیز کا نام ہے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم سے بھی نہیں پیدا ہوتا ہے بلکہ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا "

اہل اللہ نے ہمیشہ یہ ضرورت محسوس فرمائی اور روح کی اصلاح پر سب سے زیادہ زور صرف فرمایا انہیں کی کوششوں سے احکام پر عمل کا شوق و ولولہ، مسابقت بالخیرات کا پاک جذبہ اور قلوب میں بشاشت، طمانیت، تازگی، روح میں بالیدگی، عبادتوں میں اخلاص تہذیب نفس اور طہارت اخلاق، ریاضت و مجاہدہ کا ذوق پیدا ہوا اسی لیے قرآن حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصفِ تزکیہ کو مخصوص طور پر زبانِ وحی سے نظر انداز نہیں فرمایا۔ پیغمبر کی صحبت میں جو تزکیہ حاصل ہوتا تھا اور چشم زدن میں جس طرح کایا پلٹ جاتی تھی بعد کے زمانہ میں مصلحین و مجددین امت میں وہ بات پیدا نہیں ہو سکی مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ تزکیۂ نفس کی دولت کو بعد میں بھی سالہا سال کی ریاضت و مجاہدہ سے حاصل کیا جاتا رہا ہے لہذا جو جماعت آج یہ دعویٰ کرے کہ ہماری جماعت کا اثر قبول کرنے کے بعد ابتدائی مرحلہ میں انسان کے اندر تقویٰ اور احسان کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے وہ عمر بھر تزکیۂ نفس کی تربیت پانے بلکہ دینے والوں میں بھی نظر نہیں آتی۔ بدترین قسم کی گمراہی، بددینی در پلے سرے کی زندیقیت ہے اور اسی موقع کے لیے فرمایا گیا ہے۔

ع گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔

بہر کیف اہل اللہ اور علمائے سلف کا امتیازی وصف یہ رہا کہ تزکیہ اور تطہیر کو خدمت

دین اور قربتِ خداوندی کا ذریعہ سمجھا اور بتدریج تزکیہ بھی ایک مستقل فن بن گیا اور ہر زمانہ میں اطبائے امت نے قلوب وارواح کا علاج کیا اور اس طب نبوی میں اصلاحات کرتے رہے علوم وفنون پر ایک بڑی تعداد نے توجہ کی جس کے صلہ میں سینکڑوں ہزاروں کتابیں دنیا کے کتب خانوں اور لوگوں کے حافظوں کے لیے زینت بنیں مگر ان کتابوں کے عملی برکات اور ثمرات ونتائج کی زندہ تصویریں رہتی دنیا کے لیے نہ صرف اہل اللہ اور اربابِ قلوب ہی نے چھوڑیں جس کی طرف خصوصی توجہ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اس وجہ سے اور بھی کہ اس طرف سے بے نیازی لاپروائی انکار واعتراض روز بروز بڑھتا جارہا تھا اور علمائے حق صوفیائے کرام کی تذلیل وتوہین ایک مستقل مشغلہ بن گیا تھا آپ نے مسند رشد وہدایت کو اس شان سے سجایا کہ بعد سید احمد شہید رح دوسری کوئی نظیر ہندوستان پیش نہ کرسکا آپ کے روحانی کمالات میں یقین اور مشاہدہ کی کیفیت اتنی واضح اور ابھری ہوتی تھی کہ جس کا اندازہ لگانا بڑا ہی دشوار تھا۔ اسی کی کمی اور اسی کے فقدان سے دنیا کی کوئی کل درست نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے یہ مشاہدہ اور ذوق وشوق کی کیفیت، عبودیت اور انابت الی اللہ کی حقیقی سرمستی باطن کو اس طرح سنوار دیتی ہے کہ بھیڑ مجمع اور بازار، شور وشغب اور بلیٹ فارموں کی بھیڑ اس کے تصورِ ذات میں مانع نہیں ہوسکتی جس شخص کے اندر عبادت کا ذوق اور اس میں انہماک کامل درجہ پر نہیں ہوتا اور وہ اس کی حقیقی لذت سے محروم ہوتا ہے ایسا شخص کسی کے قلب کی بیماری کو دور کرنے اور اس کی روح کے علاج سے قاصر ہے حضرت مولانا مدنی قدس سرہ کا سارا سرمایۂ کمال ذکر اللہ، مناجات، نوافل کی کثرت میں مضمر تھا یہ ذکر اور عبادت آپ کے معمولاتِ زندگی بن گئے تھے اور ہر حالت میں آپ پوری جمعیت خاطر سے ادا فرماتے تھے غرض تعلق باللہ کی اسی لازوال دولت کو لے کر ہر محاذ زندگی پر آپ جم گئے تھے اور غنائے قلب کی سرمدی دولت سے سرشار ہوکر کوئی ایسا میدان نہ تھا جس کو مسکراتے ہوئے طے نہ فرمایا ہو۔ ہمارے اسلاف کی زندگی میں ذکر اللہ، تعلق باللہ کو جو درجہ حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں آج کون ہے جو اس احسانی کیفیت سے بھرپور ہے اور کون ہے جس کو اپنے مولیٰ پر اس درجہ بھروسہ رہا ہو؟ ذکر اللہ اور نوافل کی کثرت اور تعلق باللہ کہاں نہیں ہے مگر اس کے اندر جو اصلی روح اور زندگی یا اس سے جو اصلی زندگی اور طہارت قلب حاصل ہونا چاہیئے۔ وہ کہاں ڈھونڈا جائے اور مشاہدۂ جمال کا نظارہ کہاں کیا جائے۔ تعلق باللہ اور تعلق مع خلق اللہ، حضرات انبیاء علیہم السلام کی پوری زندگی کا موضوع تھا تعلق باللہ کی حلاوت اور اس کی غیر معمولی طاقت سے جس طرح مولانا مدنی رح آراستہ تھے وہ مخالف اور موافق تک کو اعتراف ہے جس کا اجمالی ذکر اوپر کیا جاچکا ہے اسی طرح تعلق مع خلق اللہ کے لیے جو جد وجہد سعی اور کوشش آپ نے کی ہے وہ ہندوستان کی پون صدی شہادت کے لیے بس ہے۔ جوانی کی وہ حسین راتیں جو حجلہ عروسی کی زینت ہُوا کرتی ہیں وہ مالٹا سے لے کر ہندوستان کی جیلوں پر نثار ہوگئیں۔ مولانا کی جاں نثاری اور ملک کے ساتھ والہانہ قربانی کا یہ اثر ہُوا کہ داخلی اور خارجی راہ سے جتنے فتنے اُٹھے اور اس کی موجیں اور اس کے شرارے جنہوں نے آسمان پیمائی میں کسر نہ اُٹھا رکھی مگر وہ سب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس مقناطیسی قوت اور آپ کے قدموں میں آکر ختم ہوگئے۔ مخلوقِ الٰہی کے ساتھ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا کیا تعلق تھا اس کا اندازہ لگانا اب محال کے درجہ پر پہنچ چکا ہے اس ناچیز اور گستاخ بارگاہ مدنی رح کے خادم کو ایک بار تہجد میں یہ کیفیت بھی دیکھنے میں آگئی کہ آپ زار وقطار رو رہے ہیں اور زبان پر امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کے ساتھ انتہائی جوش اور ولولے میں یہ شعر جاری ہے۔ ؎

چہ بودے کہ دوزخ زمن پر شدے۔
مگر دیگراں را رہائی شدے۔

رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ زمین پیروں سے نکل گئی، سناٹا چھاگیا چپکے سے چلا آیا۔ بتاؤ مخلوق الٰہی کے ساتھ اس سے بڑھ کر ثبوت کسی اور کی زندگی میں کس نے مشاہدہ کیا ہے اگر شاہ ولی اللہ کی بولی میں سننا چاہتے ہو تو سنو فرماتے ہیں کہ لطائف ثلاثہ یعنی عقل قلب نفس حب عبودیتِ کاملہ میں شرابور ہوجاتے ہیں تو اس شخص کا حال یہ ہوجایا کرتا ہے جس کا ذکر شعر میں ہُوا ہے۔ اس کو حق ہے کہ یہ فرمائے۔ ؎

ادین بدین الحب انی توجہت
رکائبہ فالحب دینی وایمانی

روحانی کمالات حضرت مدنی قدس سرہ کے امتیازی اوصاف میں سے تھے۔

سورۃ توبہ میں آیت ۱۱۲ کے تحت جو علمی اور عرفانی افادات امام الہند حضرت مولانا آزاد رح نے فرمائے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ مہمات معارف میں سے ہیں ارشاد ہوتا ہے

جب کوئی انسان درستی وہدایت کی راہ میں قدم اٹھائے گا تو قدرتی طور پر پہلا مقام توبہ و انابت ہی کا ہوگا یعنی پچھلی غفلتوں اور گمراہیوں سے باز آئے گا اور آئندہ کے لیے ان سے بچنے کا عہد کرے گا اور اپنے سارے دل اور ساری روح سے اللہ کی طرف رجوع ہوجاتے گا اور یہی توبہ کی حقیقت ہے پھر اگر توبہ سچی ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ کی بندگی و نیازمندی کی سرگرمی پیدا ہوجائے۔ پس یہ دوسری منزل ہوتی یا سلوکِ ایمانی کا دوسرا طبقہ۔ پھر چونکہ عبادت گزاری کی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فکر اور ذکر کا مقام حاصل ہوجاتے اور ملکوت السمٰوات والارض کے مشاہدہ ومعرفت کا دروازہ کھل جائے اس لیے تیسری منزل تحمید وتسبیح کی منزل ہوئی یعنی اللہ کی حمد وثنا کے جوش سے معمور ہوجانے کی منزل کو "ربنا ما خلقت ھذا باطلا"۔ پھر اگر توبہ وانابت کا متنبہ، عبادت کا ذوق اور تحمید وتسبیح کا عرفانِ کامل درجہ کا ہے تو ممکن نہیں کہ وہ مومن صادق کو گھر میں چین سے بیٹھنے دے، ضروری ہے کہ وطن ومکان کی الفت کی زنجیریں ٹوٹیں اور سیر وسیاحت میں قدم سرگرم ہوجائیں پس یہ چوتھی منزل ہوئی اور السائحون کا طبقہ چوتھا طبقہ ہُوا۔

ان چار منزلوں سے جو کاروانِ عمل گزر گیا! اس نے اصلاح نفس کی مسافت طے کرلی پس اب پانچویں منزل الراکعون الساجدون کی ہوئی یعنی بندگی ونیازمندی میں پورے ہوگئے اور اللہ کے آگے سر نیاز ہمیشہ کے لیے جھک گیا اب آمرون بالمعروف والناھون عن المنکر کا مقام انہیں حاصل ہوجاتے گا یعنی اپنی تعلیم وتربیت کا معاملہ پورا کرکے دوسروں کے لیے معلم ومربی ہوجائیں گے چنانچہ چھٹی منزل یہی ہوئی اور اسی سے آخری منزل کے ڈانڈے مل گئے کہ الحافظون لحدود اللہ کا مقام ہے یہاں پہنچ

کران کے تمام اعمال حدودِ الٰہی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں وہ خود اپنے اعمال میں بھی حدود اللہ کی نگہداشت رکھتے ہیں اور اپنے وجود سے باہر بھی ان کے نفاذ و قیام کی نگہبانی کرتے ہیں۔" (ترجمان القرآن سورۃ توبہ)

مذکورہ بالا حقائق و معارف کی روشنی میں جب ہم نے مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اور آپ کے اعمال کا جائزہ لیا تو ہمیں قرآنی نشا مذہبی کی پوری پوری صداقت آپ کے اندر ملتی رہی ہے چنانچہ آپ کی فکری حالت ایسی عبادت گزارانہ ہوگئی تھی کہ آپ جو کچھ بھی سنتے اور جو کچھ بھی کہتے اور جو کچھ بھی کرتے سب میں ایک عابدانہ روح کام کرتی نظر آتی، اور حدیثِ قدسی ۔ اولئک غرست کرامتھم بیدی

یعنی ان کی عزت کا پودا میں نے اپنے ہاتھ سے لگایا اور جس کو مشہور حدیث قدسی میں اس طرح ادا فرمایا گیا ہے۔

میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعہ سے مجھ سے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو اس کو دوں گا۔ اگر مجھ سے پناہ چاہے تو پناہ دوں گا،، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو یہ وجاہت اکتسابی کا مقام حاصل تھا کیونکہ روحانی مقبولیت و کمال کی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں ایک وہ مقبول و کمال جو خواص سے شروع ہو کر عوام تک پہنچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہوا اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔ پہلا کمال اور قبول علامت مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا کیونکہ حدیث قدسی میں جو مضمون علامت مقبولیت اور کمال روحانیت آیا ہے وہ یہ ہے کہ اول بندہ سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں پھر وہ ملاءِ اعلیٰ کو محبت کا حکم دیتے ہیں اور ملاءِ اعلیٰ اپنے سے نیچے والوں کو یہاں تک کہ وہ حکم اہلِ دنیا تک آتا ہے اور جو ترتیب ملاءِ اعلیٰ میں تھی اسی ترتیب سے اس کی محبت بھی دنیا میں پھیلتی ہے کہ پہلے سب سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اس کے بعد دوسروں کو، پس جو مقبولیت اور وجاہت اس کے برعکس ہوگی وہ دلیلِ مقبولیت نہ ہوگی۔ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا تو اوّل وہ لوگ معتقد ہوئے جو اس زمانہ کے سب سے اچھے لوگ تھے اس کے بعد وہ لوگ جو ان سے کم تھے اور اخیر میں اچھے اور بُرے سب زیرِ اثر آ گئے۔ اسی آئینہ میں مدعیانِ اقامتِ دین اپنے چہرہ کو ملاحظہ فرمائیں کہ خواص ان کے ماننے والے ہیں یا عوام؟

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی کمالات کا یہ ادنیٰ پرتو تھا کہ دن بدن آپ کی مقبولیت اور شہرت بڑھتی گئی اور آخر زندگی میں تو یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دفعۃً اپنے بندوں کے قلوب عموماً اور علماء اور صلحاء کے خصوصاً آپ کی طرف پھیر دیے ہیں یا ہر سے کثرت سے دعوت نامے آتے رہتے، آپ باوجود غیر معمولی پیرانہ سالی اور مشاغل تدریسی کے بطیب خاطر سفر کو گوارا فرماتے تھے اور یہ آپ کی ایسی کھلی ہوئی کرامت اور آپ کا روحانی کمال تھا کہ جس کی نظیر صدرِ اول کے سوا ہم کو نہیں ملتی ہے۔ یہ سفر تنہا ایک عبادت نہ تھا بلکہ بہت سی عبادتوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے بھی آپ پر سفر کو اسی طرح آسان کر دیا تھا جس طرح حضرت داود علیہ السلام پر لوہے کو نرم کر دیا تھا آپ جہاں سے گزرتے بارانِ رحمت کی طرح سرسبزی و شادابی، بہار اور برکت چھوڑ جاتے، ایک روشنی کا مینار تھے کہ جدھر سے نکل پڑتے روشنی ہی روشنی ہو جاتی۔ لوگوں میں اتباعِ سنت کا شوق اور عبادت کا ذوق بڑھ جاتا مساجد میں رونق اور گھروں میں ایمان کی لہر دوڑ جاتی، ہزاروں پاپیوں، گناہ گاروں کو توبہ اور اپنے اعمال کی خرابیوں کے دور کرنے کا احساس پیدا ہو جاتا چنانچہ ابھی ماضی قریب میں آسام بانس کنڈی کے اندر ایک دن میں چھ ہزار افراد کا آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنا ایسا اہم واقعہ ہے کہ پوری ہندوستان کی تاریخ میں کوئی ایک نظیر بھی اپنے علم میں نہیں ہے اور سب سے بڑا کمالِ روحانی یہ کہ باوجود موانع اور مشکلات کے عزم و عمل میں استواری اور ایثار و تحمل کے ساتھ سارے مرحلے طے کرنا یہ آپ کی غیر معمولی کرامت اور استقامت کا محیر العقول کرشمہ تھا۔

ع اے کہ تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

مکارمِ اخلاق :- حضرت مولانا مدنی نور اللہ ضریحہ" کے روحانی کمالات میں ایک خاص چیز آپ کے اخلاق و عادات کا درجہ ہے خلق ایک ملکہ ہے جس سے بلا غور و فکر افعال حسنہ بسہولت صادر ہوں۔ بخل اور لالچ، کینہ و حسد، سخت کلامی و فحش گوئی و طعنہ زنی سے بچنا اور نرمی و درگزر مروت و سیر چشمی سے پیش آنا، احباب و اقارب کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، بدی کے مقابلہ میں نیکی سے پیش آنا وغیرہ اخلاق کے مظاہر ہیں انبیاء علیہم السلام میں یہ اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ روح کی حفاظت اور تکمیل اخلاق سے ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام فطری طور پر عقل کامل حکمت اور اخلاقِ حسنہ لے کر دنیا میں آتے ہیں مگر اُن کے وارث اور جانشین عمدہ اخلاق کو کسب و مجاہدہ، ریاضت و نفس کشی سے حاصل کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلندیٔ اخلاق کو قرآن نے ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔

بے شک آپ اخلاقِ حسنہ کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شرح انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق سے کر دی ہے نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کامل ترین مومن وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ میزانِ عمل میں خوش خلقی سے وزنی کوئی شئے نہ ہوگی۔ ان تصریحات سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ جن خوش نصیب لوگوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شرفِ زیارت کی سعادت نصیب ہو چکی ہے وہ اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ محاسنِ اخلاق کے پیکرِ مجسم اور روحانیت کے پیکرِ بے مثال تھے۔ نہایت حلیم و متین، صابر اور متوکل، سخی اور حق گو، راضی برضاء حق، محب ملک و ملت، ہمدرد بنی آدم، رقیق القلب، کریم النفس، نمود و نمائش سے دور، اہلِ قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک وغیرہ اسی اخلاقِ نبوی صلعم کا روحانی پرتو تھا چنانچہ آپ سے ملنے کے لیے کسی حاجب و دربان کے توسط اور پروانہ راہداری کی ضرورت نہ تھی۔ ہر وارد و صادر کے لیے آپ کا آستانہ اور آپ کی مجلسیں یکساں طور پر کھلی ہوئی رہتی تھیں ان حضرات کے کام و دہن آج تک لذت آشنا ہیں جنہوں نے آپ کی کبھی بھی صحبت اٹھائی ہے اتنی حسین زندگی اور بہشتی صحبت شاذ اب چشمِ فلک کو بھی مدتوں ہی کے بعد دیکھنا نصیب ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ ہو۔ آپ کے کاشانۂ فقر میں شاہ و گدا، غلام اور آقا برابر تھے۔ اپنی خوش اخلاقی، بے نفسی اور سادگی اور بے تکلفی کی وجہ سے آپ دنیا کے

ہر طبقہ میں مقبول تھے جس کا اندازہ لگانا بہت ہی مشکل ہے اسی لیے آپ کی موت کا غم عوام اور خواص کو یکساں طور پر ہُوا اور نہ جانے کتنے گھر آپ کی اعانت سے محروم، کتنے یتیم مغموم اور کتنی بیوہ اور رانڈ عورتیں زندگی بھر کے لیے سوگوار ہوگئیں، سینکڑوں مفلس اور نادار آج بے سہارا ہوگئے۔ ایسے ہی روحانی کمالات بزرگوں کے ساتھ ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں کے سکون رخصت ہوجاتے ہیں اور پھر روحانی زندگی سونی ہوجاتی ہے۔

ایجاد فکر و شعور

حضرت مولانا مدنیؒ ایک خاص شعور اور ایک خاص فکر کے موجد تھے مگر اسی کے ساتھ آپ کی ذات میں ایسے سیاسی اور غیر سیاسی امور جمع ہوگئے کہ آپ کا اصلی کمال بہتوں کو نظر نہ آیا انہوں نے "الاعتقاد خیر من الانتقاد"، کو ایک بے معنی اور صوفیانہ حُسنِ عقیدت کہہ کر اب تک آپ کی ذات پہ ناروا بلکہ زیادہ تر جاہلانہ اعتراض ہی کے اندر اپنے باطنی کمالات کا اظہار کیا اور آج بھی مع اذکروا محاسن موتاکم"، کی تعلیم اسلام سے صریح اعتراض اور چشم پوشی ہے اور دعویٰ ہے انبیاء کی نیابت کا۔

بشارتیں اور رویاء صالحہ

حضرت مولانا قدس سرہ العزیز کے روحانی کمالات میں بشارات اور رویائے صالحہ کا ایک بنیادی مقام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ذهبت النبوة وبقيت المبشرات قالوا وما المبشرات يا رسول الله قال الرويا الصالحه يراها المومن اوترى له۔

من رانى فى المنام فقد رانى فان الشيطان لا يتمثل بى (صحاح)

کشف، الہام اور رویاء صالحہ اگر مخالفِ قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس صحیح وجلی کے نہ ہوں تو اس پر عمل کرنا باتفاق جائز ہے، ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ اور دارمی نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور قصہ ناقوس جس کا تذکرہ ابتداء اذان کے سلسلہ میں آتا ہے اُس سے استدلال کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عبداللہ بن زیدؓ کے خواب کو حق فرمانا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ، کا ان کلمات کو اذان میں پکارنا وغیرہ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کا بھی ایسا ہی خواب دیکھنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرنا ثابت ہے اور حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد غسل دینے میں صحابہؓ کے اندر اسی بات پر اختلاف ہُوا کہ اسی کپڑے کے اندر غسل دیا جائے یا برہنہ کر کے غسل دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک طرح کی غنودگی طاری فرمائی اور اس میں صحابہؓ کو یہ آواز سُنائی دی کہ کپڑے ہی کے ساتھ غسل دیا جائے۔ جس کو بیہقی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ یہ بات ثبوت کے لیے کافی ہے کہ رویائے صالحہ کو بھی دین میں فضیلت، مزیت اور اہمیت حاصل ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بیعت ہونے کے بعد ہی سے برکاتِ سلسلہ اور فیوض اکابر طریقت میں اپنے اندر محسوس کرنے لگا تھا بالخصوص جب سے بالالتزام ذکر مدینہ منورہ میں کرنے لگا تھا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اکابر نے ارشاد فرمایا ہے کہ کچھ عرصہ سے تقریباً سو برس یا اس سے زائد سے ہندوستان میں برکاتِ ذکر و شغل اٹھ گئی ہیں یا اٹھتی جاتی ہیں وہ فیض جو زمانۂ قدیم میں حاصل ہوتا تھا اب نہیں ہوتا۔ حرمین شریفین میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ (او کما قال)

بہر حال مدینہ منورہ زید شرفاً میں سلسلہ رویاء صالحہ وغیرہ بکثرت جاری رہا ...... خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام، اولیاء عظام اور جناب باری عز اسمہ کو بارہا دیکھنے کا شرف حاصل ہُوا۔ (نقش حیات جلد اول ص۱۰۴)

ان اٹھارہ رویاء صالحہ کا ذکر آپ نے کتاب مذکور میں تفصیل فرمایا ہے جس سے بہت کچھ آپ کے کمالات روحانی کو جانا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ بھلا جس ذات گرامی کے ذکر و شغل کا یہ عالم ہو کہ مسجد نبویؐ میں قبر مبارک کے سامنے گھنٹوں ذکر کرتا رہے، لوگوں کے شرم کی وجہ سے باہر مدینہ کے جنگل، مسجد الاجابۃ اور کھجوروں کے جھنڈوں میں تنہا بیٹھ کر ذکر اور فکر میں ایک مدت گزار دے اُسے نہ معلوم کیا کچھ نہ ملا ہوگا اور نہ معلوم کتنے روحانی کمالات کی جامع آپ کی ذات رہی ہوگی۔ شیخ ما ایں دارد و آں نیز ہم۔ سچ فرمایا گیا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مدینہ طیبہ کی زندگی :۔ حضرت مدنیؒ کے روحانی کمالات میں سے آپ کی مدنی زندگی ہے۔ فیوضات حرمین اور بالخصوص اٹھارہ سال تک حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھ کر اور خود صاحب کتاب و سنت کے زیرِ نظر رہ کر کتاب و سنت کا درس دینا اور اپنے عرفان و فیضان کے دائرہ کو عرب سے عجم تک وسیع کر دینا جس سے بلا واسطہ ہندوستان، پاکستان، برما، ملایا، سیام، افغانستان، تاشقند، سمرقند، بخارا، سماترا، جاوا، ہند چینی، جنوبی اور مشرقی افریقہ کی سرزمینوں کو سیراب ہونے کا موقع ہاتھ آیا یہ خصوصی کمال کسی ایسے مستقبل کی غمازی کر رہے تھے جس سے شاہ ولی اللہ کے بعد کسی اور کو سوائے حضرت مولانا مدنیؒ یہ شرف و مجد نہ حاصل ہوسکا۔ گنبد خضرا کے انوار و برکات کی براہ راست تلقی یہ وہ ذروہ سنام اور علو و رفعت مقام کا شاہکار ہے کہ صرف مخصوص بندوں ہی کو بخت و اقبال کی اس فیروز مندی سے نوازا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے تاثرات حرمین محترمین کے بارے میں جو کچھ ہیں اس پر کبھی کبھی اقامتِ دین کے مدعیوں اور امارت و قیادت کے مبلغ و منادوں نے سوچا ہے۔ فرماتے ہیں اور وصیت کرتے ہیں

مارا بدست کہ بحرمین محترمین رویم و روئے خود را بر آں آستانہا مالیم۔

ہم مسلمانوں کے لیے ناگزیر ہے کہ حرمین ہم جایا کریں اور اپنے چہروں کو ان آستانوں پر جا کر ملا کریں گے۔

سعادت ما ایں است و شقاوت ما در اعراض ازیں۔

ہماری سعادت اسی میں ہے اور ہماری بدبختی اس مسلک سے روگردانی میں ہے۔

اس وصیت پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خاندان سے زیادہ کس نے عمل کیا اور اس صلہ میں جو عظمت و جلالتِ شان حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوئی آخر اس پر بھی غور کیا گیا ہے۔ سنت اللہ یوں جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو صحیح امامت اور وراثتِ انبیاء کے مقام پر لانا چاہتا ہے تو پردۂ غیب سے ایسے اسباب اور دواعی فراہم کر دیتا ہے جو زور و زر اور محض قلمی پروپیگنڈوں سے حاصل نہیں ہوا کرتے۔ مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے ایسے مواقع بہم پہنچائے جو روز روز کسی کو نہیں ملا کرتے۔ فرق آپ میں اور دوسروں میں یہ رہا کہ آپ نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جان جوکھم میں ڈال کر اپنے کو خدمت ملک و ملت کے لیے وقف

کر دیا اور جس وقت سے ہوش سنبھالا اور میدان جہاد میں کفن بر دوش نکل پڑے تو زندگی کی آخری سانسوں تک اسی عزم و متانت، ہمت و شجاعت، سرفروشی و جانبازی کے ساتھ قائم رہے۔ غنڈہ گردی اور فرقہ پرستی کی موجوں کے رُخ بدل دیئے اور غیروں کے تشدد کو ہنس ہنس کر برداشت کر گئے اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں پھر کر انسانیت اور شرافت کا سبق دیا۔ احساس کمتری جاتا رہا یہ ایک انقلابی مجاہد ہی کر سکتا ہے اور وہ بھی وہ مجاہد جو یقین اور مشاہدہ کی نعمت سے معمور ہو اور ذکر اللہ اس کا شعار زندگی رہ چکا ہو۔ ایسا ہی روحانی بزرگ دنیا کے ہر ازم کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

حضرت خواجہ اجمیری ؒ کے تنقیدی اصول اور حضرت شیخ الاسلام

حضرت سلطان الہند خواجہ اجمیری ؒ کے سچے جانشین ہمارے مرشد حضرت مولانا مدنی تھے۔ تمام وصاف اور کمالات وغیرہ کی مماثلت کا یہاں موقع نہیں اس کے لیے احباب کو انتظار کرنا ہوگا۔ خواجہ اجمیری ؒ کے ایک ارشاد کو پیش کر کے فیصلہ ناظرین پر چھوڑ دیا جاتا ہے ارشاد یہ ہے کہ جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوں وہ ولی کامل، اللہ کا محبوب اور روحانی کمالات کا منبع و سرچشمہ ہے۔

۱۔ دریا کی سخاوت ہو یعنی تمام مخلوقات اس سے نفع اٹھائے اور کسی کے لیے اس کی فیض رسانی محدود نہ ہو۔

۲۔ سورج کی طرح شفقت رکھتا ہو یعنی جس کی روشنی عامۂ خلائق کے لیے یکساں ہو۔

۳۔ زمین کی سی تواضع ہو یعنی ہر ایک کے لیے اس کی آغوشِ محبت کھلی ہوئی ہو۔ یہی قول حضرت پیران پیر شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی فتوح الغیب میں موجود ہے۔ ہم پوری ایمانداری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ خصائل و عادات پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح عمل کر کے دنیا کو دکھا دیا۔ چشم فلک نے شاید ہی کسی دوسرے کو اس ہندوستان میں دیکھا ہو۔ اس اللہ کے بندے اور پاکباز بزرگ نے بلا تفریق من و تو اشرار اور ابرار کی اصلاح کی طرف توجہ مرتے دم تک رکھی اور خدا نے بڑی مدد فرمائی۔ چنانچہ آج حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین اور آپ کے خلفاء کی صالح جماعت زمین کا نمک ہے اور آپ کے روحانی کمالات کی زندہ کتابیں ہیں۔ شیخ العرب والعجم کا صحیح موقف و مقام آپ کے سوا کس پر صادق آتا ہے۔ اللہ اکبر کتنے ہزار شاگرد، کتنے سو مجازین اور کتنے لاکھ مریدین کا سمندر ربع مسکوں کے اندر پھیلا ہوا ہے مگر آج دنیا کو افسوس ہو رہا ہے کہ اتنا بڑا بزرگ کامل، عارف اور شیخ طریقت مدتوں ہمارے اندر رہا اور اس طرح رہا کہ ذرا بھی اگر کسی کو اس کے کمال کا پتہ چلا یا اس کی روحانی کیفیت کا احساس ہوا تو فوراً اس کو ٹال گیا اور کمالِ اخفاء کے ساتھ ذہن کا رُخ ادھر طرف کر دیا اور اپنے کو اس طرح ظاہر کیا کہ گویا کچھ نہیں تھا جنہوں نے جان لیا تھا اور اس کی اداؤں کو سمجھ لیا تھا الحمدللہ وہ محروم نہیں رہے اور نہ اُس نے پھر ان کو محروم رکھا۔ غرض سعادتِ ازلی اور حصولِ کمالات کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ آدمی کے اندر سے بہیمیت ختم ہو اور ملکیت کو فروغ ہو تاکہ اس کا روحانی انتشار مختلف اسباب کے تحت دنیا میں جلوہ افروز ہو۔ اب اگر اس کی صحبت نصیب ہو تو اس کو غنیمت بار دہ سمجھے اور پھر اس کے اوضاع و اطوار کو اپنے اندر پیدا کرنے کی سعی کرے۔ اللہ کا وعدہ ہے

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔

اہل اللہ اور کاملین کا یہ بھی خاصہ رہا ہے کہ وہ اپنے کمالات کو لباس سے مستعار کی طرح سمجھتے ہیں ہمیشہ ادب کی راہ میں چلتے ہیں اور بندگی کی حد سے باہر نہیں جاتے۔ فخر و غرور کا ان کے دروازہ پر گزر نہیں ہوتا۔ خاک کی طرح خاموش کہ آگ کی طرح پر جوش، گم گشتگان بادیۂ ضلالت سے اپنے کو دور نہیں رکھتے۔ دین میں مداہنت روا نہیں رکھتے غرض ان کا سرمایہ کمال اطاعت الٰہی اور فوز و فلاح اتباع نبوی میں منحصر ہوتا ہے۔ یہ اتباع نبوی ہمارے حضرت مدنی کی زندگی اور آپ کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ رہا ہے تفصیل پھر کبھی سامنے آئے گی۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے اعترافِ کمال کی سب سے بڑی شہادت

حضرت مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کی ذاتِ گرامی اور آپ کے علمی و روحانی کمالات پر دو رائیں نہیں ہیں بلکہ سب کو اعتراف ہے حتیٰ کہ ان کو بھی جو سیاسی اعتبار سے مختلف رہے ہر جماعت کے اکابر کی رایوں کو یہاں پر جمع کرنے سے بہتر یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خلفاء اور مجازین کے چند اقوال کو جس کو انہوں نے حضرت تھانوی رح سے سُنا ہے نقل کر دیا جاتے۔

(۱) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رح مہتمم دار العلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں۔

" بھائی میں ان جیسی (مولانا مدنی رح جیسی) ہمتِ مردانہ کہاں سے لاؤں" میں مولانا حسین احمد صاحب رح کو ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین جانتا ہوں البتہ مجھے ان سے حجت کے ساتھ اختلاف ہے اگر وہ حجت رفع ہو جائے تو میں ان کے ماتحت ایک ادنیٰ سپاہی بن کر کام کرنے کو تیار ہوں"

۲۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری خلیفہ حضرت تھانوی رح فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت تھانوی رح سے سُنا ہے کہ " ہمارے اکابر دیوبند کے بفضلِ تعالیٰ کچھ کچھ خصوصیات ہوتے ہیں چنانچہ شیخ مدنی رح کے دو خداداد خصوصی کمال ہیں جو ان میں بدرجہ اتم ہیں ایک تو مجاہدہ جو کسی دوسرے میں اتنا نہیں ہے، دوسرے تواضع چنانچہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے۔"

۳۔ مولانا عبد المجید بچھرایونی خلیفہ حضرت تھانوی رح فرماتے ہیں کہ " میں نے حضرت تھانوی رح سے کئی بار سُنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھ کو اپنی موت پر بھی فکر تھا کہ بعد میں باطنی دنیا کی خدمت کرنے والا کون ہے مگر حضرت مدنی رح کو دیکھ کر تسلی ہوئی کہ یہ دنیا ان سے زندہ رہے گی۔"

" بہر کیف ایں رشتہ بانگشت نہ پیچی کہ دراز است"

اگر وقت نے مساعدت کی اور توفیق الٰہی نے رہبری فرمائی تو اس طرح کے جملہ اوصاف، کمالات اور آپ کی خدمات کو الگ الگ عنوانات کے تحت واضح کیا جائے گا۔

حضرت شیخ سے فیض پانے والے

حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلۂ چشتیہ کے خاتم تھے آپ کے روحانی کمالات میں سے یہ بات بھی تھی اور اس طرح کی باتیں شیخ کامل ہی کے اندر ہوا کرتی ہیں کہ اس کی بارگاہ میں ہزاروں لاکھوں آتے رہتے ہیں مگر فیض انہی کو پہنچتا ہے جو تبدیلی کے ارادے سے آتا ہے اور دل کو تنقیدات سے پاک کر کے مجاہدہ اور نفس کشی اس کے پیشِ نظر ہوتی ہے چنانچہ اچھے اچھے فلسفی

اور انتشار پرواز آئے مگر آستانہ مدنی کے فیض و برکات سے آخر دم تک محروم رہے حالانکہ حضرت مدنیؒ ان کاملین میں تھے جن کے روحانی اور قوی توجہ سے کائنات کی تکوین میں اثر پڑتا رہتا ہے۔

ممکن ہے کسی کو میری اس بات سے تکدر ہو کہ بھلا تکوینیات کے اندر اثر کے کیا معنی؟ تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ دعا اور افسوں کا اثر، نظر لگنا وغیرہ محض قوی توجہ اور پست ہمتوں کی توجہ سے ہو جایا کرتا ہے تو پھر اہل اللہ کی توجہ کا کیا کہنا؟ اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے کہ کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور یا مُلّا کی اذان اور ہے مجاہد کی اذان اور تو پھر اہل اللہ اور وہ حضرات جو حقیقت میں جاسوس القلوب ہیں۔ جمیت دین اور عزیمت کے مقام پر متمکن ہیں ان کے مقابل دونِ ہمت، تاویلات کے ذریعہ رخصت پر عمل کرنیوالے اور پروپیگنڈہ ہی جن کے کاموں کی برتری کی دستاویز ہو وہ کیسے ہم رتبہ ہو سکتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

شیخ العرب والعجم کی آخری زندگی کے کاموں کی تفصیل اور اس پر خصوصی توجہ کی ضرورت

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ آپ کی توجہ (۱) دار العلوم دیوبند (۲) جمعیۃ علماء اور (۳) ہندوستان کے عام باشندوں کے ساتھ زیادہ تھی لیکن فی الحقیقت یہ مختصر سی بات آپ کی پوری زندگی کی مکمل روداد ہے جس کی تفصیلات میں جانا ہمارے لیے اس وقت ممکن نہیں، البتہ یہی پروگرام اب بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ خلفاء و مریدین کے پیش نظر رہنا عین حضرتؒ کا کام ہوگا اور آپ کی روح کو حد درجہ مسرت ہوگی۔ حضرت مولانا کی تنہا ذات ایک مستقل ادارہ تھا اور ایک دور کی مکمل تاریخ تھی اس تاریخ کے اوراق کو منتشر نہ ہونے دیا جاتے بلکہ یہ پورا گلدستہ اور اس کی عطر بیزی ہمارے مشام جاں کے لیے روحانی غذا بن جائے خلفاء اور مجازین اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اگر تمام متوسلین حضرت نے دار العلوم اور جمعیۃ العلماء ہند کی طرف ذرا بھی فرض شناسی کو راہ دی تو یہ ادارے اپنی یتیمی کو جلد بھول جائیں گے۔ مجازین اور خلفاء کو راستہ بتانا خضرِ راہ کو راستہ دکھانا ہوگا لیکن النصح لکل مسلم کے تحت مجھ کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ میرے بھائیو مجھ کو دوسروں کے خلفاء اور مجازین کا تلخ تجربہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سلف صالحین کے طریق کار کے خلاف فرقہ بندی اور طائفی عصبیت کے شکار ہو چکے ہیں اور من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ ونصح للہ فقد استکمل الایمان، کو نظر انداز کر کے مختلف ٹولیوں اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں حالانکہ مسلمانوں کے لیے صرف ایک ہی جماعت اور پارٹی کافی ہے اور وہ اللہ کی پارٹی ہے۔

اولٰئک حزب اللّٰہ الا ان حزب اللّٰہ ھم المفلحون۔

اس لیے ہمارا طرز عمل اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے عمل کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ ہم کو کسی سے نفرت، تکدر اور تنگ نظری نہ رکھنا چاہیئے اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو پھر ہم میں اور دوسروں میں کوئی فرق نہ ہوگا اور ہم حضرت مدنیؒ کے خادم نہ ہوں گے بلکہ کسی اور کے ہوں گے۔

(۳) تیسری چیز ذکر اللہ کا چرچا اور اس کی تلقین ہے گویا یہ ایک زنجیر ہے جو اہلِ حلقہ کے دلوں کو باہم دگر جوڑ دیتی ہے اور یہ سلسلہ درجہ بدرجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے اس حلقہ میں داخل ہو جانے کے بعد جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ یہ چیز ہے کہ جس وقت اس کی زبان زمزمہ سنج ذکر ہوتی ہے تو تمام اولیاء کی ارواح اس ذکر میں اس کی ہم نوائی کرتی ہیں اور زنجیر کے ایک حلقہ کی حرکت گویا پوری زنجیر کو جو اس کے شیخ سے لے کر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک وسیع ہے متحرک کر دیتی ہے اور یہی ذکر حسب ارشاد رب العباد الا بذکر اللہ تطمئن القلوب، طمانیت اور سکون کی لازوال دولت ہے اس سے معمور ہو کر اور ذکر اللہ میں سرگرم رہ کر ہی قلب کے اندر ہر اچھے کام کا داعیہ ہمت اور توانائی محسوس ہوتی ہے۔ اور کوئی چیز اس ذکر کی برکت کو نہ تو دور کر سکتی ہے اور نہ بڑے سے بڑا ہمالیہ اس کی راہ کو روک سکتا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اسی ذکر اللہ کا ایسا اثر تھا کہ ہمہ تن ذکر بن کر انسانوں کو اللہ کی راہ پر لگا دیا حتی کہ نباتات تک میں آپ نے اپنے روحانی مذاق کا ثبوت دے دیا چنانچہ وطن مالوف ٹانڈہ شریف اور دیوبند کے اندر جو چمن بندی فرمائی ہے جو حضرت کے ذوق کے ساتھ ساتھ آپ کے پاک جذبہ کی آئینہ دار ہے کسی کے پوچھنے پر کہ آپ کو طرح طرح کے درختوں اور نادر قسم کے پھولوں سے بڑی دلچسپی کیوں ہے ارشاد ہوتا ہے کہ بظاہر تو یہ فوائد سب کو نظر آنے چاہئیں کہ بصارت کو تقویت اور دماغ کو بشاشت اور ہوا کے اندر صفائی ہوتی ہے مگر اس پر کسی کی نگاہ نہیں ہے کہ یہ تمام پودے اور درخت ذکر اللہ میں ہر وقت لگے ہوتے ہیں پورا گھر اور پوری فضا نغمہ سرائی اور یاد باری میں مصروف ہے" سبحان اللہ و بحمدہ کیا ہی وجد آفریں بات اور دل کی دنیا میں کتنی انوکھی اور نادر عرفان باری کی گل باریاں ہیں بقول عارف" گر نویسم شرح ایں بے حد شود۔ ؎

اے دل صبور باش کہ در بارگاہ دوست
خاموشی تو عرض تمنائے دیگر است

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے مولانا سید اسعد مدنی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات روحانی پر جو کچھ سمجھ میں آیا واقعات سے قطع نظر کر کے پیش کر دیا گیا ورنہ واقعات کی روشنی میں مکتوبات ہی سے ایک مفصل رسالہ مرتب کیا جا سکتا ہے آپکی روحانی اولاد تو ہمارے شمار سے باہر ہے البتہ مادی اولاد میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی سب سے بڑے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آخری زندگی سے پورا پورا فائدہ اٹھانے والے خوش قسمت اور کامیاب بزرگ ہیں بڑے باپ کے بڑے بیٹے جیسے ہونے چاہئیں الحمد للہ کہ آپ اسی طرح کے ہیں۔ راقم الحروف جب تعزیت میں دیوبند پہنچا تو موصوف کو دیکھ کر اپنے رنج و غم میں بہت حد تک کمی اور قلب میں سکون محسوس ہوا۔ اتنے بڑے حادثہ کبریٰ کو جس نے اس استقامت اور صبر جمیل سے برداشت فرمایا ہے وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کا بچہ ہو سکتا ہے۔ ہم خدام اور غلامان آستانہ مدنیؒ کے لیے آپ کی ذات میں وہ کچھ موجود ہے جس کے لیے ہم بیتاب اور پریشان ہیں اور مجھ کو مولانا اسعد صاحب کی زندگی کے اندر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی روایات اور آپ کی بہت سی اداؤں کا سراغ ملتا ہے زمانے نے مساعدت کی اور ہم نے اپنا رشتہ مولانا سے برابر قائم رکھا تو انشاء اللہ ایک دن وہ آنے والا ہے کہ مولانا اسعد صاحب ہماری بے تاب روح اور پریشان زندگی کے لیے بہت بڑے سرمایہ سکون و راحت ہوں گے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنا تعلق علیٰ حالہ باقی رکھیں اور اسی آستانہ سے وابستگی کو دارین کی سعادت سمجھیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو مسرت ہوگی اور ہم کو اپنے فرض شناسی کا اجر الگ خدا کے یہاں مل کر رہے گا۔

مجھ کو تو مولانا اسعد صاحب اور حافظ ارشد سلمہٗ اور عزیزی اسجد سلمہٗ میں حضرت مولانا مدنی رحؒ کی بہت سی خوبیاں مثلاً گفتگو، اخلاق، شکل و شباہت کی خو بو محسوس ہوتی اور بے اختیار زبان سے نکل گیا ؎

"اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری"

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے آخری تحریر

اس ناچیز پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جو عنایت اور خصوصی توجہ رہی وہ نہ تو کہی جا سکتی ہے اور نہ لکھی جا سکتی ہیں وصال کے قریب ناچیز کے نام یہ مکتوب ذیل شروع فرمایا تھا۔

تلك امت قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون۔

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ــــــــ وبرکاتہٗ۔ والا نامہ مورخہ ۲۸، ربیع الثانی باعثِ سرفرازی ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ علامہ ابن تیمیہؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے متعلق آپ کا اس قدر حد درجہ غلیان موجب تعجب ہے۔

(۱) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد مرحوم سے جتنے واقف ہیں نہ نواب صدیق حسن خانصاحب نہ مولوی عبدالوہاب صاحب دہلوی، نہ مولانا عبیداللہ سندھی نہ اور کوئی اس قدر واقف نہ اس قدر فدائی، نہ اس قدر استفادہ کرنیوالا ہے۔

پھر تعجب ہے کہ ان کے اقوال کو کمزور قرار دیا جائے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ارشاد کو مستند نہ مانا جائے۔ انشاء اللہ مکتوبات جلد چہارم میں اس والا نامہ کو درج کر کے اسکے پس منظر پر مفصل گفتگو کی جائے گی۔ والسلام

آہ رخصت ہوگئے دنیا سے وہ شیخ زمن
جامع الاوصاف یکتا مصلح دور فتن
بوئے قاسمؒ بھی تھی ان میں خوئے محمود الحسنؒ
پھول وہ مرجھا گیا گلزار تھا جس سے چمن

حضرت مرحوم علامہ سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی ذات گرامی اپنی بہت سی خصوصیات کے لحاظ سے پورے عالم اسلامی کے علماء میں ایک بے نظیر اعلیٰ ہستی مانی جا چکی ہے آہ آج ہندوستان ایک ایسی بے مثال اور مایہ ناز مقدس شخصیت کے ظاہری اور باطنی فیوضات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا اور گویا عالمِ اسلامی کے سر سے ایک روحانی باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مرحوم ایسے کامل الصفات اور جامع الکمالات تھے کہ جن کا ثانی اب چراغ لیکر تلاش کرنے سے بھی ہرگز دستیاب نہیں ہو سکتا اور آپ کی جگہ اب ہمیشہ کے لئے خالی ہی رہے گی۔ یوں تو آج بھی مختلف عالم اسلامی میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً دوسری بھی بڑی بڑی باکمال ہستیاں موجود ہیں اور بڑے بڑے علماء و صلحاء اور ماہرین شریعت اور شیوخ طریقت اگرچہ پائے جا سکتے ہیں مگر حضرت شیخ الاسلامؒ کی مقدس ہستی جملہ ظاہری و باطنی اوصاف جمیلہ اور اخلاق حمیدہ میں نیز اپنے خلوص اور تقویٰ میں۔ عبادات و ریاضات، صبر و تحمل، عزم و استقلال، جوانمردی و جفاکشی وغیرہ وغیرہ بے شمار خصوصیات میں ایک ایسی بے مثال جامعیت کی حامل تھی جن کی بناء پر مرحوم یقیناً اپنی مثال آپ ہی تھے چنانچہ ہم اس موقعہ پر آپ کی اس جامعیت ہی کو مختصراً ہدیہ ناظرین کرنا چاہتے ہیں۔

آپ کی خاندانی شرافت

یہ کون نہیں جانتا کہ دنیا کی ساری اقوام میں نسلی بزرگی اور سبقت صرف اسی خاندان کو ہو سکتی ہے جس کا سلسلہ نسب افضل البشر سید المرسلین محبوب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملتا ہو۔ جن کو دنیا ساداتِ کرام سے تعبیر کرتی ہے۔ حضرت مرحوم بھی خاندان نبوت کے ایک لائق فرزند اور روشن چراغ اور نبیرۂ رسول یعنی ایک اسم بامسمیٰ سید تھے جس کی سب سے بڑی سند آپ کے وہ اخلاق عالیہ تھے جو ایک سچے آلِ رسول میں ہونے چاہئیں۔ آپ سنت نبویہ

کے ایک اعلیٰ پیکر ہونے کی وجہ سے اپنی نسلی شرافت پر خود اپنی دلیل آپ ہی تھے۔ (شعر)

نمونہ کس نے دکھلایا کہ سید ہوں تو کیسے ہوں
حسین احمدؒ نے بتلایا کہ سید ہوں تو ایسے ہوں

آپ کا زہد و تقویٰ

تقویٰ کے معنی پرہیزگاری ہے جس کا ثبوت خدا کی فرماں برداری اور ترک معصیات ہیں اور پھر تقویٰ کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان خدا کی خوشنودی کے لئے معاصی کے علاوہ اپنے حظوظ نفسانی سے بھی پورا محتاط رہے۔ مرحوم کو خدا نے اس دور میں ہمارے لئے تقویٰ کا بہترین نمونہ بنایا تھا چنانچہ خلوت میں جلوت میں خوشی میں غمی میں اپنوں میں پرایوں میں سفر میں حضر میں غرض کہ اپنی زندگی کے ہر ہر گوشہ میں آپ کا تقویٰ ایک عبرت آموز اور قابل تقلید نمونہ تھا اور آپ کے تقویٰ ہی کی یہ تاثیر تھی کہ جس سے دوست تو دوست دشمنوں کے قلوب بھی مرعوب اور مخالفین آپ کے احترام پر مجبور ہو جاتے تھے۔

آپ کا خلوص

انسان کا خلوص ہی اس کی تمام عبادتوں اور سارے اعمال کی جان ہے بلکہ دین و ایمان کا بھی مدار خلوص ہی پر ہے۔ خدا کے نزدیک خلوص کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔

حضرت مرحومؒ کے انتہائی خلوص ہی کی وہ برکتیں تھیں کہ آپ کی سیدھی سادی باتیں بھی ہزاروں قلوب پر رقت طاری کر دیتی تھیں اور دلوں کی گہرائیوں میں اتر جاتی تھیں اور آپ کے ایک مخلصانہ اشارے پر انسان اپنی زندگی بھر کی بری عادتیں چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتا تھا اور آپ کی مشفقانہ شفقت اس کی کایا پلٹ کر اس کو بہت جلد راہ راست پر لے آتی تھی، یہی انسان کے خلوص کی کھلی دلیل اور بین ثبوت ہے۔

آپ کی محبتِ رسول صلعم اور اتباعِ سنت

ایک سچے مسلمان کو اپنے پیدا کرنے والے پروردگار کے بعد اگر سب سے زیادہ محبت ہو سکتی ہے تو حضرت رحمۃ للعٰلمین محبوب رب العالمین پیارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ہونی چاہئے ایک تو اس اعتبار سے بھی کہ آنحضرت صلے اللہ کو سب سے زیادہ پیارے تھے اور آپ سے محبت رکھنے میں ہی دین و ایمان کا کمال ہے چنانچہ خود حضور صلعم نے حدیث میں فرمایا ہے لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین دوسرے اس وجہ سے بھی کہ اپنے آباؤ اجداد سے محبت رکھنا بھی انسان کا ایک فطری تقاضہ ہے چنانچہ ہر دو حیثیت سے حضرت مرحوم کو اپنے جدّ امجد حبیب خدا صلعم سے بے حد محبت تھی یوں تو ہر مسلمان کو اپنے نبی سے محبت ہوتی ہی ہے مگر آپ کی محبتِ رسول کچھ اور ہی رنگ رکھتی تھی۔ جس کی دلیل آپ کی وہ اتباع سنت تھی جو موجودہ دور میں تمام متبعین رسول کے لئے ایک اسوہ حسنہ بنی ہوئی تھی، بے شک آپ مجسم نمونہ صحابہؓ تھے۔ قرآن میں اسی اتباع رسول صلعم کو سچی محبت کی دلیل قرار دیا ہے

بہرحال آپ کی مبارک زندگی، اتباع سنت کا ایک بہترین نمونہ تھی جس کی تشریح کی اس وقت گنجائش نہیں۔

آپ کا علم و عمل

مسند علم کو بھی آپ سے زینت تھی اور آپ اس دور کے علماء کے سرکردہ اور رئیس المحدثین استاذ المدرسین تھے آپ کے درس حدیث میں ایک خاص نورانیت تھی اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ آپ نے آپ صلعم کے روضۂ اطہر کے سامنے مسند درس پر بیٹھ کر علماء عرب اور باشندگانِ مدینہ منورہ کو درس حدیث دیا تھا، اس علم کے فیضان اور رسوخ کا کیا ٹھکانہ جو سرچشمۂ دین و ایمان اور مہبطِ وحی و قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبدِ خضرا کے قرب و جوار مبارک سے فیضیاب ہوا ہو اُسی کی وہ برکتیں تھیں جو دار العلوم دیوبند کے دار الحدیث میں اس شیخ العرب والعجم کے درس حدیث میں آنکھوں والوں کو نظر آتی تھیں جس سے قلب کو سکون اور روح کو راحت اور آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی تھی۔ مرحوم کے سینہ میں علم کی وہ روحانیت اور جاذبیت تھی۔ جو دنیا کے گوشہ گوشہ سے تشنگان علم اور طلباء و علماء کو کشاں کشاں آپ کے حلقۂ درس میں پہنچ کر سیراب کر رہی تھی آپ کو علوم دینیہ میں رب العزت نے وہ یدطولیٰ اور ایسی جامعیت عطا فرمائی تھی کہ گویا آپ کی زبان مبارک جملہ علوم کے بڑے بڑے دفاتر کی ترجمان تھی اور پھر آپ کے اس علم نبوی کی برکتوں میں سب سے بڑا دخل خود آپ کے ذاتی عمل کو تھا کہ آپ گویا تعلیمات نبویہ کے متون کی ایک مجسم شرح تھے جس کی بناء پر دار العلوم دیوبند کے دار الحدیث دیگر جملہ درس گاہوں پر بڑی فوقیت حاصل تھی۔

کس کا ماتم کر رہی ہے مسندِ دار الحدیث
تیری رونق کیا ہوئی اے مسندِ دار الحدیث
شیخ مدنی سے مزین تھا ترا دار العلوم
شمع تیری بجھ گئی اے مسندِ دار الحدیث
رحم آتا ہے ہمیں بھی تیرے حال زار پر
حق رکھے آباد تجھ کو مسندِ دار الحدیث
احمدؔ کمتر کو بھی وہ فیض حاصل ہے ترا
تجھ پہ ہم کو فخر ہے اے مسندِ دار الحدیث

آپ کے روحانی فیوضات اور اصلاحی کارنامے

انسان کے علم و عمل کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اس کا اثر دوسروں تک پہنچے یعنی خود ایک آفتاب علم و عمل بن کر اپنی شعاعوں سے دوسروں کو بھی منور کرے اس کا بڑا مدار اس کی اپنی روحانیت پر ہے۔ جب اپنے صحیح علم و عمل سے خود اس کے قلب میں روحانیت کا چراغ روشن ہو جاتا ہے تو پھر اس کا عکس مقابل پر پڑے بغیر نہیں رہتا اور اس کا ماحول بھی مستفید ہو جاتا ہے اور یہی ایک دلیل اور سند بن جاتی ہے اس کے صفائے قلب اور نورانیت روح کی جو ایک بیش قیمت انعامِ خداوندی ہے علم و عمل والے کے لئے اور یہی دلیل بھی ہے اس کی مقبولیت عنداللہ کی۔

چنانچہ حضرت مرحوم کی سوانح حیات میں یہ بات زریں حرفوں سے لکھی جائے گی کہ آپ کو پروردگار عالم اور محسن حقیقی نے اس دور فتن میں اس روحانیت عظمیٰ کا سرچشمہ بنا دیا تھا جس پر آپ کی حیات طیبہ کا ہر ہر گوشہ اور آپ کے ایام زیست کا ہر ہر دقیقہ ایک بیّن

ثبوت پیش کر رہا ہے کون نہیں جانتا کہ آپ کے روحانی فیوض کی شعائیں آج بھی عرب و عجم ہند و پاکستان کے حدود سے گذر کر دیگر ممالک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ گویا آپؒ جہاں ایک طرف علوم و فنون میں اس دور کے غزالیؒ و رازیؒ تھے تو دوسری طرف میدان طریقت اور خانقاہِ تصوف کے جنیدؒ و شبلیؒ تھے چنانچہ جس طرح آپ کے علمی فیوضات سے مستفیضین کی تعداد بے شمار ہے اسی طرح آپ کے روحانی فیوضات سے فیض پانے والوں کی تعداد۔ شمار و حساب سے خارج ہے وہ مریدین اور متوسلین جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں آپ کی ہدایت پر کاربند ہو کر سچے دین دار پابندِ صوم و صلوٰۃ اور ذاکرین کی یاد تازہ کر رہے ہیں ان کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہے جس نے بھی ایک دفعہ آپ کے دستِ مبارک پر سچی توبہ کر لی پھر اس کی زندگی کا رنگ ہی بدل جاتا تھا جس کے ثبوت میں آج صرف ہمارے صوبۂ گجرات میں ہزاروں ایسی زندہ مثالیں موجود ہیں کہ جو شخص آپ سے بیعت کے قبل عقائد و اعمال کے دونوں میدانوں میں گمراہی کا شکار تھا طرف شرفِ مشرف ہونے کے بعد صرف ایک دفعہ ہی کی ملاقات کے نتیجہ میں آج وہ عقائد و اعمال کی درستی کے علاوہ ظاہری شکل و صورت میں بھی متبع سنت نظر آتا ہے یہ اگر آپ کی زندہ کرامت نہیں تو اور کیا ہے۔ ؎

وہ جنیدؒ دورِ حاضر وہ طریقت کا امام
وہ زمانے کا غزالیؒ فخر رازیؒ نیک نام
اولٰئک ابائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

آپ کی سیاست اور جنگِ آزادی

مذہب اسلام کی یہ بھی ایک بڑی خصوصیت ہے کہ اسلام میں "مذہب اور سیاست" الگ نہیں بلکہ اسلامی سیاست بھی مذہب کا جُزو ہے اسی لئے اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک وارث النبی اس وقت تک کامل نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ وہ ماحول اور موجودہ حالات کے بموجب اسلامی سیاست کے میدان میں گامزن نہ ہو۔

حضرت مرحوم کے متعلق مشیت الٰہی یہی تھی کہ آپ امتِ مرحومہ کے علمائے حقانی میں اپنے دور کے یکتا اور کامل عالم ربانی نیز سچے وارث النبی ثابت ہوں، چنانچہ حق تعالےٰ نے جہاں ایک طرف آپ کو آفتاب شریعت اور ماہتاب طریقت بنایا تھا۔ وہاں دوسری طرف آپ کو میدان سیاست کا بہترین شہسوار اور جنگ آزادی کا قابل ترین سپہ سالار نیز محبانِ وطن کا ایک قائد اعظم اور تسلطِ اغیار کے مقابلہ میں ایک مجاہد اعظم اور جان باز غازی بھی آپ کو بنایا تھا تاکہ مذہب اور سیاست کے ہر دو میدانوں میں آپ مسلمانوں کی بہترین راہ بری اور قیادت فرما کر صلفِ صالحین کا ایک زندۂ جاوید نمونہ اور علماء امت کے لئے ایک زبردست اسوۂ حسنہ بن کر رہیں آہ! کہ آج موجودہ دور کے ایک ماہر شریعت اور شہسوار سیاست کی نادر ہستی کو ہم کھو بیٹھے افسوس کہ اب ہماری آنکھیں ہمیشہ کے لئے آپ کو ترستی ہی رہیں گی۔ ؎

روتے ہی رہیں گے ہم برسوں ترسیں گے مگر دیدار کو ہم
ضد بھی کریں گر ہم لاکھوں کیا پائیں گے اس غم خوار کو ہم
میدان سیاست میں جس نے وہ درس شجاعت ہم کو دیا
کس طرح سے اب بھولیں احمدؔ اُس اپنے سپہ سالار کو ہم

مرحومؒ نے اپنی پوری زندگی دین اور وطن کے لئے وقف کر دی تھی۔ ایک ہی وقت جہاں آپ ایک طرف مسندِ درس پر علوم کے دریا بہاتے ہوئے نظر آتے تھے تو دوسری طرف آزادیٔ وطن کے سیاسی پلیٹ فارموں پر ظالم انگریزوں کے خلاف ترک موالات کے پیغامات بھی سناتے ہوئے دیکھے جا رہے تھے، دنوں کو سبق پڑھائے تو راتوں کو سفر کرتے اس طرح دین و مذہب کی دو زبردست خدمات کو بیک وقت انجام دینا آپ ہی کی ہمت تھی آپ اگر ایک وقت اپنے گوشۂ عبادت میں ذکر و شغل کرتے ہوئے زاہد و عابد نظر آتے تو دوسری طرف آزادیٔ ملک کے زندانِ فرنگ کی سختیاں جھیلتے ہوتے بھی مسکراتے اللہ اللہ اس فرزند رسول صلعم میں بیک وقت شجاعت حیدری سیادت حسنی اور شہادت حسینی سب ہی جمع تھیں قوم و ملت کے اس مرد خدا کو نہ دن کو چین آتا نہ رات میں آرام، آج خوش نصیب باشندگان ہند جو اپنی آزادی کی خوشیاں منا رہے ہیں اس میں بہت احسان اہل ملک پر آپ ہی کا ہے اور اسی بنا پر برادران وطن کی بڑی بڑی قدر داں ہستیاں بھی آپ کی رحلت پر ماتم کر رہی ہیں اور کیوں نہ ہو آزادیٔ وطن کی خطرناک گھاٹیوں میں جو لوگ اترے ان میں آپ کا نام نامی صف اول میں ہے اور آپ کو جو تقدم میں سبقت حاصل ہے وہ ان موجودہ بڑوں میں سے کسی کو بھی نہیں۔

اس عالمگیر مصیبت پر اگر ہم یہ شعر پڑھیں تو بے جا نہ ہوگا۔

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَ

جانشین شیخ ہندؒ وہ مرد میداں اب کہاں
وہ سیاست کا نگیں وہ ماہ تاباں اب کہاں
شیخ مدنی آفتاب علم و عرفاں اب کہاں
آسمان علم دیں کا وہ چراغاں اب کہاں
اس زمانے کا غزالی فضل یزداں اب کہاں
قاسم و محمود کا وہ راز پنہاں اب کہاں

اللھم اغفرلہٗ وارحمہٗ وسکِّنہٗ فی اعلےٰ الجنان وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ آمین

قطعۂ تاریخ

از:- حیدری الحسینی

ہوئی رحلتِ شیخ الاسلام افسوس
نگاہوں سے عرفاں کی اُوجھل ہوئی راہ
لکھو حیدری سچے دل سے یہ تاریخ
زمانے سے علمِ حدیث اٹھ گیا آہ
١٣ ھ ٧٧

حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی مرحوم مفتی مالیر کوٹلہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے جن کو خدا نے علم ظاہری کے ساتھ ساتھ تقویٰ و طہارت کی باطنی دولت سے بھی نوازا تھا صاحب سلسلہ بزرگ تھے اور تقریباً سو سال کی عمر میں اب سے تقریباً ۱۵ سال قبل عالم آخرت کی طرف رحلت فرما ہوئے میں اس خادم کو مرحوم سے شرفِ نیاز حاصل تھا جب کبھی دہلی تشریف فرما ہوتے اکثر و بیشتر حاضری کی سعادت حاصل ہوتی تھی چونکہ حضرت شیخ رح سے بھی اس خادم کو شرفِ تلمذ حاصل ہے اس تعلق کے لحاظ سے مرحوم سے اثناءِ ملاقات حضرت شیخ کا بھی ذکر آجایا کرتا تھا ایک ملاقات میں مرحوم نے فرمایا ایک بار زیارت بیت اللہ سے فراغت کے بعد دربار رسالت میں حاضری ہوئی تو مدینہ طیبہ کے دورانِ قیام مشائخ وقت سے یہ تذکرہ سنا کہ امسال روضۂ اطہر سے عجیب کرامت کا ظہور ہوا ہے ایک ہندی نوجوان نے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھا تو دربارِ رسالت سے "وعلیکم السلام یا ولدی" کے پیارے الفاظ سے اس کو جواب ملا مولانا مرحوم نے فرمایا اس واقعہ کو سن کر قلب پر ایک خاص اثر ہوا مزید خوشی کا سبب یہ بھی تھا کہ یہ سعادت ہندی نوجوان کو نصیب ہوتی ہے دل تڑپ اٹھا اور اس ہندی نوجوان کی جستجو شروع کی تاکہ اس محبوب بارگاہِ رسالت کی زیارت سے مشرف ہو سکوں اور خود اس واقعہ کی بھی تصدیق کر لوں۔

تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ وہ ہندی نوجوان سید حبیب اللہ مہاجر مدنی کا فرزند ارجمند ہے مرحوم نے فرمایا کہ سید صاحب موصوف سے ایک گونہ تعارف و تعلق بھی تھا۔ گھر پر پہنچا۔ ملاقات کی۔ اپنے اس دوست کے سعادتمند سپوت ہندی نوجوان کو ساتھ لے کر ایک گوشۂ تنہائی میں چلا گیا تنہائی پا کر اپنی طلب و جستجو کا راز بتایا اور واقعہ کی تصدیق کی۔ ابتداً خاموشی اختیار کی لیکن اصرار کے بعد کہا "بے شک آپ نے جو سنا وہ صحیح ہے۔ یہ واقعہ بیان فرمانے کے بعد مولانا مرحوم نے فرمایا سمجھے کہ یہ ہندی نوجوان کون تھا؟ یہی تمہارے استاذ مولانا حسین احمد رحمہ اللہ یہ تھا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا بارگاہ نبوت سے تعلق۔ غالباً یہ وہی وقت تھا جب کہ حضرت شیخ اپنے عنفوانِ شباب میں مدینہ کی مبارک وادیوں میں طریقت کی دشوار گزار گھاٹیوں کو اپنے مرشدِ کامل حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات کے مطابق طے فرما رہے تھے دن کے اجالے میں قال اللہ و قال الرسول کا شغل رکھتے تھے اور شب کی تاریکیوں میں ذکرِ خفی اور ذکر جلی کی ضربوں سے دل میں حب اللہ و حب الرسول کی شمع روشن کر رہے تھے۔ خود نقشِ حیات میں تحریر فرماتے ہیں تھوڑے عرصہ بعد (یعنی ذکر و شغل شروع کرنے کے) سلسلہ چشتیہ قدس اللہ اسرارہم کی نسبت کے آثار ظاہر ہونے لگے اور گریہ کی حالت طاری ہونا شروع ہو گئی۔ رویاءِ صالحہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت باسعادت خواب میں بکثرت ہونے لگی۔

اس زمانہ میں حضرت شیخ کے ذکر و شغل کی یہ کیفیت تھی کہ عشق کی جو شمع قلب میں روشن ہو رہی تھی اس کے اثرات سے صرف خواب اور روحانی ہی نہ تھے بلکہ حضرت شیخ رہ کا جسد عنصری بھی اس سے متاثر ہونے لگا تھا روحانی طور پر ہی نہیں بلکہ مادی نگاہیں بھی ان اثرات کو دیکھ سکتی تھیں۔ تحریر فرماتے ہیں "مواجہہ شریف میں حاضر ہوتا، آداب و الفاظ شرعیہ کے بعد جس قدر ممکن ہوتا الفاظ صلوٰۃ و سلام بجا لا کر مسجد شریف میں جہاں جگہ خالی پاتا ذکر میں مشغول ہو جاتا۔ مگر جب آثارِ ذکر جسم پر زیادہ طاری ہونے لگے تو شرم کی وجہ سے شہر کے باہر جنگل میں جانے لگا۔ کبھی مسجد الاجابۃ" اور کبھی اسی کے قریب کھجوروں کے جھنڈوں میں تنہا بیٹھ کر ذکر کرتا رہتا مدینہ طیبہ کی وادیوں کے مجاہدات یقیناً اپنے اندر وہ انوار و برکات رکھتے ہیں جو سرکارِ مدینہ کی پیش از پیش توجہات اور وعلیکم السلام یا ولدی کے پیارے جواب کے موجب ہو سکتے ہیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے اس لاڈلے کو رخصت کرتے ہوئے فرما دیا تھا ہندوستان میں برکات ذکر و شغل اٹھ گئی ہیں وہ فیض جو زمانہ قدیم میں ہوتا تھا اب نہیں ہوتا۔ حرمین الشریفین میں وہ فیض بدرجہ اتم موجود ہیں جو بیٹا باپ کے قدم بقدم ہو اور باپ کا صحیح جانشین ہو، وہ باپ کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے اور باپ کی جانب سے اسی جیسے پیارے الفاظ میں سلام کا جواب پا سکتا

ہے یہی وہ بشارت تھی جو شیخ کو ان کے رہبر کامل حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ نے خواب کی تعبیر کی صورت میں دی تھی ذکر و شغل کی اسی مدنی زندگی میں حضرت شیخ نے خواب دیکھا تھا سبز شال اوڑھے ممبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لیٹے ہیں قدم کھلے ہوئے ہیں ان کو دیکھ کر کسی نے کہا۔ یہ قدم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں جیسے ہیں۔"

حضرت شیخ کی زندگی کو قریب سے دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ شیخ کو حضور کے نقشِ پا سے کس قدر گہرا تعلق تھا جب کبھی کوئی قدم اٹھتا تھا تو سنت کے مطابق خلافِ سنت ایک قدم بھی چلنا گوارا نہ فرماتے تھے۔

۱۹۵۵ء کے سفرِ حج میں معیت کی جو سعادت ابدی اس خادم کو حاصل ہوئی اس میں حضرت شیخ رح کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ایک وقت تو وہ تھا جب زمانہ ء طالب علمی میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے قریب رہا لیکن وہ وقت ایسا نہ تھا جس میں شیخ کے مقام کو پہچان سکتا البتہ اس سفر کی تقریباً دو ماہ شب و روز کی معیت میں حضرت شیخ کو خوب دیکھا اور خوب سمجھا۔ مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ کے ساتھ چالیس روز قیام رہا اس پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت میں بھی شیخ رح کا معمول تھا کہ نماز حرمِ نبوی میں حاضر ہو کر ادا فرماتے تھے اور عصر کی نماز کے بعد تو مسجد ہی میں معتکف رہ کر عشاء کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کافی دیر بعد مواجہہ شریف میں حاضری دیا کرتے تھے۔ بارگاہ رسالت میں حضرت شیخ رح کی یہ حاضری بھی عجب پرکیف ہوا کرتی تھی حضرت شیخ رح نے حاضری کا یہ وقت غالباً اس لیے منتخب فرمایا تھا کہ زائرین کا قدرے ہجوم کم ہوتا تھا اس وقت حضرت شیخ رح کی خواہش یہ ہوا کرتی تھی کہ اپنے "وعلیکم السلام یا ولدی" فرمانے والے جد بزرگوار کے سامنے تنہائی میں حالِ دل پیش فرمائیں لیکن پھر بھی ہم جیسے وابستگان اس بیتابانہ حاضری کے پرسعادت لمحات دور قریب رہ کر معیت کا شرف حاصل ہی کر لیا کرتے تھے ہم نوجوان تھے لیکن ہماری مادی جوانی حضرت شیخ رح کی روحانی طاقت اور زیارتِ نبوی کے جذبۂ شوق کی تاب نہ لاتی تھی۔ حضرت شیخ رح کا یہ وہ وقت تھا جبکہ گھٹنے تقریباً جواب دے چکے تھے نشست و برخاست میں بھی تکلف ہوتا تھا لیکن بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر جس وقت مراقب ہو جاتے تھے تو پھر یہ معلوم ہوتا تھا کہ شیخ ہمہ تن وفور شوق میں غرق ہیں ایک ایک گھنٹہ مراقبہ کی حالت میں اس طرح کھڑے رہتے تھے کہ پیروں کو جنبش تک نہ ہوتی تھی ہم لوگ کچھ دیر اپنے اوپر خشوع و خضوع کی کیفیت طاری کرتے تھے لیکن تھوڑی دیر بعد اپنے آپ کو درماندہ پا کر فاصلہ سے جا کر بیٹھ جاتے تھے۔

یہ تھا حضرت شیخ رح کا بارگاہِ رسالت سے تعلق۔ خدا ہمیں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے فیوضات سے محروم نہ فرمائے۔

رحمہ اللہ۔ وادخلہ الفردوس الاعلیٰ۔

ہمیشہ سے یہ طریق جاری ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام پر نزولِ وحی فرما کر ان صاحبوں کو طریقہ ہدایت و ارشاد اور اسلام کے احکام ظاہریہ اور اسرار باطنیہ تلقین فرماتے رہے ہیں اور پھر یہ حضرات اپنے اصحاب کو بذریعہ تعلیم زبانی اور القاء باطنی ان معاملات کی تکمیل فرماتے رہے ہیں۔ آخر میں خدائے کریم نے اپنے فضل و عنایت سے ہمارے رسولِ کریم خاتم النبیین و شرف الاولین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اصحاب کرام رض اور آل عظام کو حسب المراتب والمدارج علوم ظاہری اور اسرار باطنی تعلیم و تلقین فرما کر درجۂ کاملیت کو پہنچایا (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور پھر ان صاحبوں نے اپنے دوستوں سے جن کو (تابعی) کہتے ہیں یہ معمول جاری رکھا اور اسی طرح سے ان صاحبوں نے اپنے صحبت والوں سے جن کو (تبع تابعی) کہا جاتا ہے اس طریقہ کی تعلیم جاری رکھی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اب یہاں سے دو سلسلہ ہو گئے۔ ایک تو وہ اصحاب جنہوں نے فیض صحبت اٹھا کر بمقتضائے طبیعت باوجود کمال باطنی محض اجتہاد مسائل فقہیہ و دریافت حال رواۃ احادیث وغیرہ اختیار فرمایا جیسے حضرات مجتہدین علم کلام و فقہ و حدیث علیہم الرحمۃ۔

دوسرے وہ اصحاب جنہوں نے طریقہ تزکیہ و مجاہدہ کو اختیار فرما کر گوشۂ خلوت میں رہنا پسند فرمایا اور باوجود کمال علم ظاہری و بتقاضائے طبع خرق عادات و مکاشفات و مقامات سلوک میں کمال بہم پہنچایا اور یہی کام اوروں کو سکھانا اختیار و شعار فرمایا چنانچہ یہ صاحبان طریقت کے نام سے مشہور فرمائے گئے اور اب تک اسی طرح سے یہ سلاسل عالیہ نام بنام مثل سند روایات حدیث شریف جاری ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ تا بقیامت جاری رہیں

گے نیز حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اصحاب صوفیائے کرام عاشقان اللہ ہر ایک زمانہ میں ہوتے آئے ہیں دنیا ان سے کبھی خالی نہیں رہ سکتی کہ یہی زمین کی میخیں ہیں اور انہیں کی برکت سے رحمتِ الٰہی زمین پر نازل ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انہیں بندوں کے طفیل تم پر مینہ برسایا جاتا ہے اور انہیں کے وسیلہ جمیلہ سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے انہی بزرگانِ دین میں سے اصحابِ کہف گزشتہ زمانوں میں تھے چنانچہ ان کا قصہ قرآنِ مجید میں موجود ہے مجھے یقیناً معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے والے صوفیائے کرام ہی ہیں اور انہیں کی سیرت و عادت سب سے افضل ہے انہی کا طریقہ اور راستہ سب راستوں سے سیدھا ہے، انہیں کے اخلاق سب کے اخلاق سے پاکیزہ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے جمیع حرکات و سکنات ظاہری اور باطنی سنت مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اور مشکوٰۃ نبوت کے نور سے مقتبس ہیں اور روئے زمین پر کوئی نور سوائے نورِ نبوت کے روشن نہیں ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جو طریق ایسا مقدس ہو کہ اس کی پہلی شرط ماسوائے اللہ سے دل کا پاک و مطہر کرنا ہو اور اس کا پہلا ہی مرحلہ تحریمہ نماز کی طرح ذکرِ الٰہی میں دل کا مستغرق ہونا ہو۔ ایسے طریق پر وہ تحقیق کی بابت کوئی کیا نکتہ چینی کر سکتا ہے پس جس شخص نے اس علم تصوف کا مزہ نہیں چکھا اُس نے حقیقتِ نبوت سے سوائے نام کے اور کچھ نہیں جانا۔" اور جب کبھی دنیا میں دین حنفہ کے تنزل وغیرہ کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے گوشۂ خلوت سے نکل کر خدمت دین میں پوری ذمہ داریوں کے ساتھ لگائے جاتے ہیں جیسا کہ زمانۂ حاضرہ میں حضرت شیخ الاسلام سیدنا مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی نے ہزارہا کی تعداد میں اللہ کے بندوں کو احسان یعنی حضور مع اللہ کے درجات تک پہنچا کر خلافت عطا فرمائی اور ان میں سے بہت سوں کو اجازت بھی بخش دی نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں کو ایک منزل پر پہنچا دیا ہے مگر پھر بھی کسی آدمی میں کبر و گھمنڈ پیدا نہیں ہونا چاہیئے ہمیشہ عبادت میں لگے رہو اور ذکر و فکر سے آگے بڑھتے چلے جاؤ اور کسی وقت بھی مطمئن نہیں ہونا چاہیئے ہر وقت ڈرنا چاہیئے جب تک ایمان پر خاتمہ نہ ہو جائے۔ کسی کو حقارت سے نہ دیکھو اور سب سے مل جل کر رہو اور محبت کے ساتھ رہو اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو اور یاد باری تعالیٰ سے غافل نہ ہو۔ اُمید واثق ہے انشاء اللہ تعالیٰ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے یہ خلفائے راشدین جن کو حضرت اقدس رح سے اجازت عطا فرمائی جا چکی ہے حضرت اقدس رح کے قدم بقدم چل کر دین متین کی خدمت میں پوری طرح لگ جائیں گے اور اپنے اپنے متوسلین کو سلوک تصوف کی منازل طے کرا کر رشد و ہدایت کے اس چراغ کو اس دہریت کے زمانہ میں روشن رکھنے میں حضرت اقدس رح کی اس سنت کو جاری رکھیں گے یہ نعمت غیر مترقبہ جس طرح سے حاصل کی گئی ہے اس کو اسی طرح سے دوسرے اللہ کے بندوں تک پہنچانا چاہیئے خلافت الٰہیہ کا یہی مقصد ہے کہ دیگر اشخاص کو محبت و معرفتِ خداوندی کے راستہ پر لگا کر تکمیلِ انسانی کر دی جائے یہی ایک تخلیقِ انسانی کا اہم مسئلہ ہے۔ اور یاد رکھو کہ حضرت اقدس رح بظاہر جسدِ عنصری کے ساتھ آپ کے سامنے نہیں ہیں مگر وہ زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ مولا کریم ان کے درجات بلند فرمائیں آمین۔ ہم سب کو ایسی زندگی کی تمنا کرنی چاہیئے اور اس کی حصولگی کے لیے کوشاں رہنا چاہیئے اور حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کے اصحاب حلقۂ ارادت کے لیے تو از بس ضروری ہے۔ والسلام

نذرِ روحِ شیخ الاسلام رح

ضیا ہانی ——— بھیمڑی

پہنچایا زمانہ کو خدا کا پیغام — بھر بھر کے پلایا مئے توحید کا جام
اے نائبِ رسول اے ابنِ محمودؒ — لاریب تو ملت کا تھا شیخ الاسلام

آہ شیخ الاسلام رح

مشرف عثمانی ——— دیوبندی

ہمارے غم پر اب آنسو بہانے کون آئیگا — اب آخر دل کے داغوں کو مٹانے کون آئیگا
مصیبت میں بھلا اب کون ہوگا غمگسار اپنا
پیامِ لطف اب ہم کو سنانے کون آئے گا

شیخ الاسلام رح کی یاد میں نالہ

از جناب دل ——— ایوبی ٹونکی

غم اٹھائے جس نے اوروں کی مسرت کے لئے
جس نے جھیلی ہر مصیبت سبکی راحت کیلئے
وقف جس نے کر دیا تھا خود کو خدمت کے لئے
زندگی جس نے لٹا دی قوم و ملت کے لئے

آج ہم میں وہ حسین احمد نہیں فریاد ہے
رشکِ شبلی نازشِ سرمد نہیں فریاد ہے

تشنگانِ علم کو سیراب جس نے کر دیا
غنچہ ہائے آرزو سے جس نے دامن بھر دیا
ناتوانوں کو پیامِ جرأتِ حیدر رضؓ دیا
غیر کے آگے نہ جھکنے پائے ایسا سر دیا

آج ہم میں وہ حسین احمد نہیں فریاد ہے
رشکِ شبلی نازشِ سرمد نہیں فریاد ہے

یہ تو دورِ حاضر میں دنیا جانتی ہے اور اس کے نزدیک آفتابِ نیم روز کی طرح مسلم ہے کہ حضرت شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی گوناں گوں کمالات سے نوازا تھا جن کے یک بیک آنکھوں سے اوجھل ہو جانے کی وجہ سے دنیا ماتم کر رہی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ کمالات متنوعہ میں سے بعض کمالات اتنے نمایاں اور دوسرے کمالات پر اتنے غالب ہو جاتے ہیں کہ باقی سب کمالات ان کے نیچے دب جاتے اور مغلوب ہو جاتے ہیں گویا اور کوئی کمال ہے ہی نہیں دنیا اسی غالب کمال سے جانتی پہچانتی اور اسی کی طرف اس ہستی کی نسبت کرتی ہے۔

مولانا منظور نعمانی بعض تحریرات میں فرماتے ہیں:۔

حضرت قاسم العلوم والخیرات قدس سرہ نے ایک مقام پر تحریر فرمایا ہے:۔

کہ بعض شخصیتیں جامع الکمالات ہوتی ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک کمال اتنا غالب اور ایسا نمایاں ہو جاتا ہے کہ دوسرے کمالات اس کی وجہ سے دب جاتے ہیں اور لوگ ان کو محسوس نہیں کرتے، مثال میں حضرت قاسم العلوم نے تین شخصوں کا ذکر فرمایا ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید و حضرت شاہ غلام علی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ کہ اگرچہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا پایہ فقر و درویشی میں بھی کم نہیں ہے لیکن ان پر کمالِ علم غالب ہے کہ ان کا نام سن کر لوگوں کا ذہن فقر و درویشی کی طرف جاتا ہی نہیں بخلاف حضرت مرزا صاحب و شاہ غلام علی صاحب کے کہ اگرچہ وہ علم سے خالی نہیں ہیں لیکن ان پر درویشی کا ایسا غلبہ ہے کہ ان کا نام سن کر لوگوں کا ذہن علم کی طرف بالکل منتقل نہیں ہوتا بلکہ صرف فقر و درویشی کی طرف سبقت کرتا ہے۔ اھ

اس کی نظیر چشتیت و نقش بندیت اور قادریت و سہروردیت کی نسبت ہے۔ کوئی شیخ اگرچہ چاروں خانوادوں میں مجاز فی الطریقت ہو لیکن جو نسبت اس پر غالب ہوگی اسی کی طرف منسوب ہوگا اور اسی نسبت کے لحاظ سے راہ سلوک طے کرائے گا۔

یہی کیفیت مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تھی عام طور پر ان کو شیخ طریقت سمجھتے ہیں ایک جماعت ان کو بطل حریت اور آزادیٔ وطن اور ملت کا جانباز مجاہد کہتی ہے دوسری جماعت ان کو شیخ الحدیث سمجھتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان لوگوں کا ذہن اول وہلہ میں دوسرے کمالات کی طرف منتقل ہی نہیں ہوتا۔ وہ بیک وقت شیخ الحدیث شیخ الطریقت، بطل حریت، مجاہد اعظم، آزادیٔ وطن کے جانباز جرنیل، خطیبِ وقت، مبلغِ دین، حامی سنت، ماحی بدعت، احیاءِ سنت کے شیداء اخلاقِ نبیؐ کی تصویر، محراب و منبر کی زینت، رشد و ہدایت کا سرچشمہ، تواضع و انکساری کے پیکر حلم و وقار کے جبل محدث و فقیہ فی الدین والنفس، علم نبوت کے صحیح وارث، اِس دور کے بایزیدؒ و جنیدؒ و شبلیؒ، عصر حاضر کے بیہقیؒ، ہدایہ پیکر، کاسانی منظر، شیبانی مظہر حامل علوم ابی حنیفہ، ماہر فقہ و حدیث، عارف اسرار تنزیل، جانشینِ امدادؒ و رشیدؒ و قاسمؒ و محمودؒ اور ان کے معارف و علوم کے حامل تھے۔

بہت کم لوگوں کو علم ہوگا کہ وہ فقیہہ بھی تھے مسائل فروعیہ فقہیہ پر کامل دسترس اُن کے استحضار پر قدرتِ تامہ بلکہ وسعتِ علم کی بنا پر اقوالِ مختلفہ میں مرجحانہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے یہی نہیں بلکہ مذاہب اربعہ کے جزئیات فقہیہ اور روایاتِ مختلفہ، حافظہ میں مستحضر، جب کبھی اختلافی مسائل کا تذکرہ ہوا۔

شافعیہ و مالکیہ و حنابلہ کے اقوالِ مختلفہ پیش فرما دیتے تھے چونکہ مدینہ طیبہ کے حرم محترم میں برسہا برس درس دیا تھا جو مذاہب مختلفہ کا معدن خصوصاً مالکیہ اور امام دار الہجرۃ کا دار السلطنت وارد و صادر کا مرکز ہے یہاں مختلف الخیال حضرات حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے۔ بدین وجہ مذاہب اربعہ کے مسائل کا وقت درس استحضار ضروری تھا تاکہ سوال و جواب راجح و مرجوح، قوت و ضعف پر بصیرت کے ساتھ کلام کیا جا سکے اور حنفیت باقی رہے بلکہ راجح ہو۔

علم و فضل کا یہ عالم کہ اسرار و غوامض شریعت و طریقت ہر وقت ذہن میں مستحضر کسی مسائل ... نہیں کہ معلومات کا سمندر اُبلنے لگا چنانچہ حضرت

مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کی طرح حضرت مولانا کے مکتوبات بھی جو کئی جلدوں میں چھپ چکے ہیں اور جو سب کے سب بیساختہ اور قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں علم و فضل اور حکمتِ ربانی کا گنجینہ ہیں علوم شریعت و تصوف کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ اور سیاسیات کا خاص ذوق اور اس کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے بین الاقوامی سیاسیات حاضرہ اور علی الخصوص مشرقِ وسطیٰ اور ممالک عربیہ کی سیاسیات پر بڑی گہری اور مبصرانہ نگاہ رکھتے تھے اور اس پر غور و فکر کرتے رہتے تھے گزشتہ سال کلکتہ میں ناگا قبائل کا ذکر آگیا تو مولانا نے ان قبائل کی تاریخ اور ان کی جغرافیائی پوزیشن پر اس قدر عالمانہ اور مبصرانہ تقریر کی کہ سننے والے حیران رہ گئے عربی زبان خالص عربی لب و لہجہ میں بولتے اور گھنٹوں اس میں برجستہ تقریر کر سکتے تھے۔ ترکی زبان سے واقف اور مگدھی زبان سے آشنا تھے اس زبان کے بعض گیت اور اشعار یاد تھے۔ (نظراتِ برہان، دسمبر ۱۹۵۷ء)

حضرت شیخ کا حافظہ بھی نعمتِ ربانی تھا اس حافظہ میں سب کچھ موجود تھا جس فن کے جس مسئلہ کی ضرورت بروقت ہوتی برجستہ اس کو پیش کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ کی وہ حدیث جو بخاری و مسلم میں ہی نہیں بلکہ کتب ستہ کے فضائل و معجزات اور حفظ علم وغیرہ کے ابواب میں مطول و مختصر مروی ہے ناظرین سے اوجھل نہ ہوگی جس میں آپ نے اپنے حافظہ کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی کہ مجھے نسیان ہے آپ کی احادیث بھول جاتا ہوں آپ نے فرمایا کہ جب میں احادیث بیان کروں تم چادر بچھا کر بیٹھ جانا اور جب ختم کروں تم اس کو لپیٹ کر اپنے سینہ سے لگالینا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد سے کوئی حدیث بھولا نہیں۔ سب حدیثیں میرے حافظہ میں موجود ہیں۔

بخاری کے باب حفظ العلم میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی ھریرۃ رضی قال قلت یا رسول اللہ انی اسمع منک حدیثا کثیرا انساہ قال ابسط رداءک فبسطت فغرف بیدیہ ثم قال ضمہ فضممتہ فما نسیت شیئا بعدہ اھ وفی روایۃ اخری (متفق علیہ) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لن یبسط احد منکم ثوبہ حتی اقضی مقالتی ھذہ ثم یجمعہ الی صدرہ فینسی من مقالتی شیئا ابدا فبسطت نمرۃ لیس علی ثوب غیرھا حتی قضی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقالتہ ثم جمعتھا الی صدری فوالذی بعثہ بالحق مانسیت من مقالتہ ذالک الی یومی ھذا۔ (مشکوٰۃ۔ کتاب المعجزات)

نعمتِ ربانی کے ساتھ عطیہ نبویؐ بھی ہے جو حدیث کی مختلف الفاظ وارد سے ثابت ہے اسی کی نظیر مولانا شیخ مدنی قدس سرہ العزیز کا حافظہ بھی نعمتِ ربانی اور عطیہ نبوی ہے مولانا شیخ مدنی فرماتے ہیں جو سلاسل طیبہ اور مکتوبات جلد اول ص۳۳ پر بذیل تعارف موجود ہے۔

ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ میں حسب ارشاد (حضرت حاجی صاحب قدس سرہ) دونوں (میں اور بھائی سید احمد صاحب) ہم وہاں سے رخصت ہو کر تبریز کی جگہ پر پہنچے۔ دو تین دن ہی گزرے تھے کہ منزل رابع کی شب میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت باسعادت خواب میں نصیب ہوئی یہ سب سے پہلی زیارت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر قدموں پر گر گیا آپؐ نے ارشاد فرمایا کیا مانگتا ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت جو کتابیں میں پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہو جائیں اور جو نہیں پڑھی ہیں ان کے متعلق اتنی قوت ہو جائے کہ مطالعہ میں نکال سکوں آپؐ نے فرمایا تجھ کو دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا حافظہ بھی عطیہ نبویؐ ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

فقیہ حقیقی کون ہے

جو حضرات شریعت و طریقت موصلا الی اللہ کے جامع ہوں، دنیا کو پس پشت ڈال دیں رغبتِ آخرت اُن کے رگ و پے میں ساری ہو عیوب نفس پر ہر وقت ان کی نظر ہو، دوسروں کے عیوب سے غافل ہوں۔ عبادت و طاعتِ خداوندی میں واتم مشغول ہوں، خیرخواہ خلق ہوں، دنیا والوں کے مال پر نظر نہ ہو مسلمانوں کی آبرو کے محافظ ہوں یہی حقیقتاً فقیہ ہیں۔ صاحب درمختار نے ان لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔

وعند اھل الحقیقۃ الجمع بین العلم والعمل لقول الحسن البصری انما الفقیہ المعرض عن الدنیا الزاھد (فیھا الراغب) فی الاخرۃ البصیر بعیوب نفسہ۔ اھ

فرقد سنجی نے حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب دیا اس پر فرقد سنجی نے عرض کیا کہ اس میں تو فقہا آپ کے مخالف ہیں حسن بصری نے فرمایا کیا تو نے کسی فقیہ کو دیکھا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال و جواب کو احیاء العلوم میں بالفاظ ذیل نقل کیا ہے۔ وہاں سے شامی میں منقول ہے۔

سأل فرقد السنجی الحسن عن شیئ فاجابہ فقال ان الفقھاء یخالفونک فقال الحسن ثکلتک امک وھل رأیت فقیھا بعینک انما الفقیہ الزاھد فی الدنیا الراغب فی الاخرۃ البصیر بدینہ المداوم علی عبادۃ ربہ الورع الکاف عن اعراض المسلمین العفیف عن اموالھم الناصح لجماعتھم۔ اھ

اسی طرح کا جواب ایک سائل کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا جب اُس نے یہ کہا کہ اس مسئلہ میں فقہا آپ کے خلاف ہیں فرمایا بجز امام محمد بن الحسن شیبانی کے کیا تو نے کوئی فقیہ دیکھا ہے جو خلاف کر سکے۔

روی عن الشافعی ان رجلا سأله عن مسئلة فاجابه
فقال له الرجل خالفك الفقهاء فقال له الشافعی
وهل رأیت فقیها قط اللهم الا ان یکون
رأیت محمد بن الحسن ۔ اھ

(مقدمة التعلیق عن انساب السمعانی ص ۲۲)

حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو فقیہ کی تعریف کی ہے یہ اس جملہ کی تشریح ہے جو حدیث تعلیم جبرئیل علیہ السلام میں بصورت سوال و جواب واقع ہے ۔ ما الاحسان قال ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراك ۔ الحدیث ۔ احسان ہی کی یہ تشریح ہے جو اربابِ حقیقت نے کی ہے ۔

مولانائے مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اس تعریف کا پورا مصداق ہیں شریعت و طریقت کے جامع ہیں زاہد فی الدنیا، راغب فی الاٰخرۃ، اپنے دین پر بصیر، عبادتِ رب میں دائم مشغول، شبہات سے پرہیزگار اور بچنے والے مسلمانوں کے خیر خواہ اور ان کے اموال سے محفوظ اُن کی آبروریزی سے مصئون ۔ مولانا کی خدمت اور خلوت و جلوت میں حاضر باش اس کے شاہد ہیں۔ اپنوں کا تو کہنا ہی کیا غیروں اور مخالفوں نے بھی اس کی شہادت دی ہے اگرچہ ابنائے زمان میں بعض ایسے بھی روشن خیال اور قیود سے آزاد اور گل است سعدی و در چشم دشمنان خار است کے مصداق ہیں (اخبار دعوت) جو مولانائے مرحوم کو ممتاز شخصیتوں کی صف اول میں دیکھنا نہیں چاہتے اس پر بھی ان کا شکریہ کہ انہوں نے صفِ ثانی میں تو مولانا کا مقام تسلیم کر لیا اگر وہ یہ بھی نہ کرتے تو ان پر کون جبر کر سکتا کہ وہ تسلیم ہی کر لیں اپنی سخن پروری کے ذیل میں بزعمِ خویش ارکانِ جمعیت پر انہوں نے جو پھول برسائے ہیں وہ قابلِ داد ہیں جمعیت علماء کے ارکان ان پھولوں کی دعوت کو قبول کریں ان کو اختیار ہے مگر کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں جو ہر طرف سے بے نیاز ہو کر ناصح مشفق کی صورت میں قرطاس ابیض کی بساط پر کوس هل من مبارز پیٹ کر نبرد آزمائی کے لیے خیر خواہانہ تیار ہو گئے اور ضمیر خوردہ گیر میں جو کچھ مضمر تھا اگل کر رکھ دیا ۔

بات سیدھی کوئی صاحب کی نظر آتی نہیں
آپ کی پوشاک کو کپڑا بھی آڑا چاہیئے ۔

مولانائے مرحوم کو نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی خواہش وہ تو اپنی حیات ہی میں معاندین و مخالفین کی جملہ کرتوتوں کو معاف کر چکے وہ صفِ اول و صفِ ثانی کی تشقیق اور اس کے مقام سے بے نیاز ہیں ان کے کارنامے شہکاری کی صورت میں آفتاب نیمروز کی طرح نمایاں ہیں جن کا انکار عقل کا دشمن اور بصیرت کھویا ہوا ہی کر سکتا ہے ورنہ ان کی خلوت و جلوت بزبانِ حال یہ گویا ہے ۔ ؎

گدائے میکدۂ ساقی الست ہوں میں
مدام بادۂ عشق ازل سے مست ہوں میں
نثار مجھ پہ ہیں پروانے دونوں عالم کے
کہ شمع انجمنِ شاہد الست ہوں میں
مرا ضمیر تواضع سرشت ہے آزاد
خودی پرست نہیں ہوں خدا پرست ہوں میں

مولانائے مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تبحر علمی اور اوصاف و کمالاتِ عرفانیہ کے اعتبار سے ڈاکٹر اقبال مرحوم کے اشعار ذیل کے پورے مصداق تھے ۔

سرِّ دین ما را خبر او را نظر
او درون خانہ ما بیرون در
ما کلیسا دوست ما مسجد فروش
او ز دست مصطفےٰ پیمانہ نوش
ما ہمہ عبد فرنگ او عبد ہو
او نگنجد در جہانِ رنگ و بو

زہد فی الدنیا کی یہ کیفیت کہ آج تک مولانا کے پاس اتنا مال جمع نہ ہوا کہ زکوٰۃ فرض ہو عبادتِ خداوندی کا یہ ذوق کہ اس شدید مرض کی حالت میں بھی نماز فجر میں طوالِ مفصل ہی پڑھا کرتے تھے سنت کی شیدائیت اتنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ جن امور کو ادنیٰ التعلق بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو ان پر عمل کرتے تھے دنیا کو حیرت ہوگی کہ دار العلوم کے چمن میں کیکر کا درخت لگوایا لوگوں کو خیال ہوا کہ اس درخت سے کیا فائدہ نہ اس میں پھول نہ پھل نہ اس سے خوشنمائی نہ یہ زینتِ چمن پھر کیوں لگوایا تحقیق سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے بیعت لی تھی جو بیعتِ رضوان کے نام سے زبان زدِ خاص و عام ہے یہ درخت اس کی یادگار ہے ۔ متنبی نے سچ کہا ہے ۔

یا لائمی کف الملام عن الذی ۔ اضناہ طول سقامه و شقائه
عذل العواذل حول قلبی التائه ۔ وهوی الاحبة منه فی سودائه

مسلمانوں کی خیر خواہی کی یہ حالت کہ دشمنوں اور معاندین کے لیے بھی معافی قصور کیا تھا دعائیں کیا کرتے تھے کبھی ان کے لیے بددعا نہیں کی بلکہ ان کو نفع بھی پہنچایا ۔

وفاداری مرا شیوہ جفا کاری شعار اُن کا
میں اپنی سی کیے جاؤں ، وہ اپنی سی کیے جائیں

کسی انسان کی غیبت و آبروریزی اور ہتک عزت کا وہاں گزر ہی نہیں ، انتقامی جذبہ کا وہاں وجود ہی نہیں ؎

مشلے ہست کہ استر استر اللہ علیك
پردہ کس ندری کس ندرد پردۂ تو

رحم و کرم ، رأفت و شفقت میں نمونہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے ؎

نظر کردن بدرویشان بزرگی را بیفزاید
سلیمان باچنان حشمت نظرہا بود با مورش

عزم و ہمت اور بلند حوصلگی میں مولانائے مرحوم ممتاز تھے اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ کبھی بھی دنیاوی منفعت اور جاہ طلبی کی آلودگیوں سے ان کا دامن حمیت و خودداری داغدار نہیں ہوا حتیٰ کہ اس خطاب کو بھی شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا جو حکومت کی طرف سے عطا ہوا تھا کہ میں فقیر عوام سے وابستہ ہوں خطاب میرے نام کے ساتھ مناسب نہیں ہے کسی نے سچ کہا ہے ۔

حافظ
ٹیوشن سنٹر
قرآن
نہم و دہم سائنس طلبا و طالبات کیلیے
قرأت کیساتھ
ایم ایس سی
بی ایس سی
قابل و محنتی اساتذہ
ٹائم
۳ تا ۶ بجے
شام،
حافظ ٹیوشن سنٹر نزد کشمیر محل سینما گوجرانوالہ
فون ۷۴۰۹۱ ۷۴۱۱۲

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق
باشد بقدرِ ہمتِ تو اعتبارِ تو

ہمہ وقت رضائے الٰہی کے اسباب کے جویاں اور ان کے لیے کوشاں اور واردین و صادرین کو اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے خلافِ شریعت امر پر جلال آجاتا تھا مزاج بھی علمی نکات سے خالی نہ ہوتا تھا علمی شغف اتنا کہ بیماری کی حالت میں بھی مطالعۂ کتب ترک نہ ہوا۔ اکثر حاضری کی نوبت آئی تو کوئی نہ کوئی کتاب دیکھتے ہوئے پایا مولانا جامع علم و عمل تھے جو اہلِ حقیقت کے نزدیک فقیہ کہلاتا ہے اصطلاح فقہا میں فقیہ کون ہے فقہاء کی اصطلاح میں فقیہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کو مسائل فرعیہ حفظ ہوں۔ درمختار میں ہے۔

وعند الفقهاء حفظ الفروع واقله ثلاث انتهى
وفى التحرير كما فى الشامى نقلا عنه ان الشائع
اطلاقه على من يحفظ الفروع مطلقا يعنى سواء
كانت بدلائلها اولا ۔ اهـ

یہ تعریف بھی مولانا پر صادق ہے سینکڑوں مسائل فرعیہ آپ کے حافظہ میں تھے حتیٰ کہ وہ مسائل جو نظیر شامی وغیرہ میں موجود ہیں مولانا کو یاد تھے جن کو درسی ضرورت کے وقت پیش کر دیتے تھے اشعار عربی فارسی اردو اور ہندی کے دوہے کبیر کے اشعار بکثرت آپ کو یاد تھے جن کو عمومی مجلسوں میں بھی پڑھ دیتے تھے مزاحاً بھی کوئی شعر پڑھ دیں تو کسی علمی نقطہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا تھا یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کبھی شعر نہیں پڑھتے تھے۔

مدینہ منورہ میں آپ کے تلامذہ کی بڑی جماعت تھی جو آپ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد بڑے بڑے مناصب پر فائز ہوئی ان میں چند کے نام حسب ذیل ہیں شیخ عبدالحفیظ کردی کوراتی مدینہ منورہ کی حکومت کبریٰ کے ممبر تھے شیخ احمد البساطی جو مدینہ منورہ کے نائب قاضی اور حنفیہ کے مفتی تھے شیخ محمود عبدالجواد جو مدینہ منورہ کی میونسپلٹی کے صدر رہے تھے شیخ محمد البشیر الابراہیمی جزائری مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ترکی میں اس وقت بھی مولانا کے ایک تلمیذ نائب قاضی ہیں مجلہ المنہل مجریہ جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ میں بذیل ذکر وفات مولانا مرحوم صفحہ ۳۸۰ میں عبارت ذیل ہے۔

فتلقى عليه العلم اناس كثيرون وانتفع الطلاب
من تعليمه وكان من تلامذته مدرسون وقضاة
وحكام ومديرون ورؤساء بذكر منهم المرحومين
المشائخ عبد الحفيظ الكردى الكورانى عضو المحكمة
الكبرىٰ بالمدينة واحمد البساطى نائب القاضى بها سابقا
(ومفتى الاحناف بها) ومحمود عبد الجواد رئيس بلدية
المدينة سابقا وكذالك الشيخ محمد البشير
الابراهيمى العالم الجزائرى المجاهد فى سبيل
التطويح ببغاة الاستعمار من الجزائر العربية
العريقة ۔ انتهى۔

حکومتِ ترکیہ کے عہد میں مدینہ منورہ کے جو شیخ الاسلام تھے مولانائے مرحوم کے بلا واسطہ شاگرد تھے اور آپ ہی سے مسائل فرعیہ کی تحقیق کر کے عمل درآمد کراتے تھے اور اس دورِ سعودی میں مدینہ منورہ کے جو نائب قاضی ہیں وہ مولانا ہی کے تلمیذ ہیں آخری حج میں جب مدینہ منورہ میں حاضری ہوئی ہے تو زمانۂ قیام مدینہ طیبہ میں نائب قاضی مذکور بہت سے مسائل کی تحقیق مولانائے مرحوم سے کیا کرتے تھے۔ (نقل از مولوی اسعد میاں)

زمانۂ قیام دارالعلوم میں اطراف و جوانب ہند اور پاکستان سے سینکڑوں استفتاء ان کی خدمت میں آیا کرتے تھے جن کے جوابات تحریر فرماتے تھے تقریباً دس سال سے تو راقم سطور کے مشاہدہ میں ہے کہ فرصت نہ ہونے کی وجہ سے ایسی ڈاک جو استفتوں پر مشتمل ہوتی دارالافتاء بھجوا دیتے تھے جو بہت خصوصی ہوتا اس کو خود تحریر فرمایا کرتے تھے وہ بھی مسائل کے بہت اصرار پر کہ خود آپ لکھ دیں نیز جو سوال بہت ہی زیادہ اہم ہوا اس کو بھی خود تحریر فرما کر علماء دارالعلوم کو سناتے تھے۔ راقم الحروف کو بھی ایسے موقع پر یاد فرما لیا کرتے تھے ورنہ خصوصیت کے ساتھ یہ ناکارہ ہی اکثر جوابات لکھا کرتا اور جو اہم ہوتا اس کو لکھ کر خدمت میں پیش کر دیتا تھا جس کو پڑھ کر یا سُن کر اکثر تصویب فرمایا کرتے تھے اور کبھی کبھی نوعیتِ جواب کی تبدیلی کا بھی حکم فرما دیتے تھے مگر اصل جواب اپنی جگہ پر برقرار رکھتے تھے۔ یہ سوالات اکثری حالت میں احادیث کے محاج و تعارض یا فقہی روایات میں کسی الجھن کے رفع کرنے کے سلسلہ میں ہوتے تھے اور بعض تاریخی سوال بھی۔ بعض مرتبہ ایسے امور میں بناء بر تواضع اور بطریق دلدہی چھوٹوں سے بھی ذکر کر دیا کرتے تھے کبھی سوال کی صورت ہی میں پیش فرما دیتے جو کمالِ علم پر دال اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کی دلیل ہے۔ نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمین

کبھی چھوٹوں کی عرض قبول فرما کر تبدیلی بھی فرما دیتے تھے جو کوئی مسئلہ دریافت کرتا اس کو دارالافتاء بھجوا دیا کرتے تھے۔

دورانِ مرض میں بھی فارغ نہیں رہے اسی اثناء میں ایک مختصر تحریر ارسال فرمائی جو کہ حسب ذیل ہے۔

من مات ولم يعرف امام زمانه - فقد مات ميتة جاهلية

یہ روایت کس کتاب میں ہے آیا جامع صغیر سیوطی یا اُس کی شرح عزیزی میں یا اور کس کتاب میں اس کا وجود ہے۔

میں نے شرح عقائد نسفی، مرقات شرح مشکوٰۃ سے الفاظ مذکورہ اور کنز العمال اور مجمع الزوائد سے اس کے ہم معنی متعدد روایات نقل کر کے بھیج دیں نیز فتاویٰ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ میں بعینہٖ الفاظ مذکورہ کے ساتھ حدیث کی تصحیح موجود تھی کتاب پیش کی کہ اس میں شاہ صاحب نے بلفظ مذکور تصحیح کی ہے اس سے پہلے ایک تحریر حیاتِ انبیاء کے سلسلہ میں پیش کر چکا تھا اس تحریر کو میری موجودگی میں پڑھنا شروع کر دیا اور کئی صفحات اس کے ملاحظہ فرمائے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ بیماری سے کچھ افاقہ ہونے پر عصر کے بعد باہر تشریف لانے لگے تھے۔ اور مغرب کی نماز پڑھ کر اندر تشریف لے جاتے تھے۔ فرمایا بقیہ کو بعد میں دیکھوں گا اس کے دو چار روز کے بعد آخری تحریر دارالافتاء میں بھیجی جو بعینہٖ درج ذیل ہے۔

جناب عالی زید مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ - الحدیث صحاح میں موجود نہیں اس کے ہم معنی جو روایتیں صاحب مجمع الزوائد اور کنز العمال نے ذکر کی ہیں ان کی تضعیف صراحتاً یا دلالۃً کر دی ہے اور جو روایت بلفظہا مرقاۃ یا شرح عقائد میں ذکر کی گئی ہے وہ بلفظ ما اشتہر علی الالسنۃ ذکر کی گئی جو کہ موضوع پر بھی صادق آسکتی ہے پھر تعجب ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کیسے فرماتے ہیں۔ صحیح الاسناد است و مقولۂ جناب نبوی ست صلی اللہ علیہ وسلم ۔نیز ص۲۴ میں فرماتے ہیں۔

قال الشیخ بہاء الدین آملی فی شرح الحدیث السادس وثلاثین من اربعین ھذا الحدیث وھکذا الحدیث المتفق علیہ بین الخاصۃ والعامۃ من قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ الخ اس میں بھی متفق علیہ بین الخاصۃ والعامۃ فرمایا جو کہ موضوع اور ضعیف پر بھی صادق آسکتی ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا توجیہ کی جائے آیا جناب نے تحفہ اثنا عشریہ میں تلاش کیا یا نہیں اگر وہاں پتہ چلا ہو تو مطلع فرمائیں حیات انبیاء کے متعلق تفصیل بہت مناسب ہے اگر موت وحیاتِ عامہ اور انبیاء کے افتراق پر استدلال انک میت وانھم میتون ۔ میں مند کے عطف سے قائم کیا جائے تو میرے خیال میں زیادہ قوت پیدا ہو جائے گی غالباً حضرت نانوتویؒ نے بھی لکھا ہے نیز احادیثِ حیاۃ کی تخریج بھی مختصراً اگر ہو جائے تو مناسب ہوگا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

یہ میرے پاس آخری تحریر آئی اس کے بعد دونوں امر کے متعلق کچھ تذکرہ کی نوبت نہیں آئی کہ مرض نے شدت اختیار کر لی گو حاضری متعدد بار ہوئی مگر ذکر نہیں آیا بایں ہمہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے حدیث مذکور کے سلسلہ میں ایک مکتوب میں بسط کے ساتھ بحث کی ہے جو ۵، نومبر ۱۹۵۷ء کا لکھا ہوا ہے مکتوب بہت طویل کئی صفحات پر مشتمل ہے سب سے آخری تحریر تصورِ شیخ کی تحقیق اور اس کے جواز و عدم جواز پر مشتمل ہے غالباً وفات سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل اس مکتوب کے خاتمہ پر دستخط فرمائے ہیں اس مکتوب کا آخری حصہ حسب ذیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خطرات کے دور کرنے اور خیالات کو جمع کرنے اور ہمت کو قوی بنانے کی عبادات میں جس قدر اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اور چوں کہ تصورِ شیخ کی تاثیر اس امر میں انتہائی درجہ پر مفید ہے فان الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ اس لیے تجربہ اور نصوص نے اکابر اُمت کو اس طریقہ کے جاری کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اُمت کو اس سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ظاہر ہے مگر چونکہ متاخرین غلط کاروں نے اس میں محظورات اور ناجائز اشیاء داخل کر دیں مثلاً شیخ کو ہر جگہ حاضر و ناظر اعتقاد کرنا یا اس کے تصور اور توجہ الی الشیخ میں اس قدر منہمک ہو جانا کہ مقصودِ حقیقی اور محبوبِ تحقیقی سے مستغنی اور غافل ہو جائیں یا شیخ کو مثلِ کعبہ نماز میں قبلہ اور متوجہ الیہ بنا لینا یا باطن مرید میں شیخ کو متصرف سمجھنے لگنا (متصرف بالاستقلال کی نفی مراد ہے) یا اس کی صورت اور شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم کرنے لگنا یا اس سے ناعاقبت اندیشوں اور احمقوں کی صورت پرستی حقیقی اختیار کرنا جیسے مختلف مبتدع پیروں کے یہاں رائج ہو گیا ہے اس لیے سمجھ دار اکابرین پر لازم ہو گیا کہ اس پر نکیر فرما دیں اور ذریعہ شرک و کفر کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔

بہر حال یہ امر نہ مطلقاً ممنوع ہے نہ مطلقاً ضروری ہے فتویٰ دینے اور عمل کرنے میں غور و فکر اور سوچ سمجھ سے کام لینا چاہیئے۔ واللہ اعلم ۔ (منقول از مکتوبات مخطوطہ)

یہ آخری مکتوب ہے ۲۸، نومبر ۵۷ء کی تاریخ اس پر لکھی ہے۔ اس خلاصہ مکتوب پر ناظرین غور فرمائیں کہ شریعت وطریقت کے دونوں پہلوؤں کو برقرار رکھتے ہوئے جواز و عدم جواز کا حکم کس اندازِ فقہی سے دیا کہ نصوص شرعیہ اور اقوال صوفیہ میں جو الجھن تھی وہ بھی دور ہو گئی اور اجازت وممانعت میں جو تعارض تھا وہ بھی دور ہو گیا اور مفتیانِ کرام کو بھی توجہ دلا دی کہ غور و فکر سے پہلے علی الاطلاق کسی جانب فتویٰ صادر نہ کریں۔ سچ ہے ؎

ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

نمونہ کے طور پر چند جوابات اور نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ شیخ کا تبحر فقہی کس درجہ اور کس بلند معیار پر پہنچا ہوا تھا جو مکتوبات مطبوعہ میں موجود ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۲ ص۳۶ ج ۱، بزبان عربی آمدنی اوقاف مسجد کے بارے میں کہ زیادہ آمدنی دوسری جگہ خرچ ہو سکتی ہے یا نہیں۔ کتب فقہ میں مسئلہ مصرح ہے اور جزئیات فقہیہ ایسی موجود ہیں جن سے اشد ضرورت کے وقت دوسری جگہ صرف کرنے کا جواز ثابت ہے دورِ حاضر میں جواز و عدم جواز میں اختلاف پیدا ہوا جس کی بناء پر علماء کی طرف رجوع کرنا پڑا چنانچہ مولانا سے بھی دریافت کیا گیا تھا اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

واما ما ذکرتم (من) مسائل الجامع ووقفہ فکتب الشافعیۃ غیر موجودۃ لدینا وانما کان اشتغالی بالمدینۃ المنورۃ تدریسا لا افتاء وانما العمدۃ لدیہم الروضۃ والتحفۃ وکتب ابن حجر والرملی فلا ادری ھل ھٰذہ المسئلۃ توجد فی ھٰذہ الکتب ام لا واین مخرجہا واری ان تکتبوا صورۃ السوال ثم ترسلوھا الی السید الزکی البرزنجی بالبوسطۃ

الهوائیة وتذکروا الامور الفاسدة والعواقب الکاسدة صراحة فی ورقة اخری فان التفصیل لا یمکن ایتانه فی السوال ولا یلزم ان تذکروا خصوصیة الرسالة واکدوا علیه باسراع الجواب فان فزتم فی ذالک تقوم الحجة المقنعة علی ارکان الجامع واما علماء الهند فقد افتوا الجواز صرف اوقاف المسجد اذا کان المسجد الموقوف علیه مستغنیًا علی غیر الموقوف علیه من المساجد بل افتوا الجواز ذالک علی وجوہ اُخری ایضا غیر المساجد وان شئتم فاطلبوا نقل ذالک عن دار الافتاء بدار العلوم دیوبند فانه قد وقع هٰذا فی زمان حضرت مولانا عزیز الرحمٰن المرحوم لراندیر وغیرها و ان فتشتم علی الامر بواسطة القاضی مسعود احمد تجدونه ان شاء اللّٰه ولکن اری ان هٰذا الامر لا یقنع اراکین الجامع وکذالک الامر علی اخذ الربوٰ من المخزون فی البنک وان المسئلة عند الحنفیة بیّنة فان ابا حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ یجیز ذالک فی دار الحرب خلافا للصاحبین والثلاثة رحمهم اللّٰه تعالیٰ ولکن اذا ذکرتم هٰذه الرغامات للسید الزکی البرزنجی فلعلّه یفوز بنص فی مذهب الشافعیة ایضا لذالک واما الحنفیة فقد افتوا بالجواز بل بوجوب اخذ الربٰوا من البنوک الافرنجیة التی بالدیار الحربیة وانه لا یجوز ترک شیٔ من ذالک وقد شاع قبل فتوی الجمعیة بذٰلک لعلکم تصلون الیها فی دفتر الجمعیة او عند المفتی کفایت اللّٰه ولکن اریٰ ان هذا ایضا لا یقنع ارباب الجامع انتهیٰ بلفظه۔

(یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی وقت بھی کسی ملک میں سود کو جائز نہیں فرماتے۔ ان کے نزدیک بھی سود حرام ہی ہے مگر دار الحرب میں تراضی اس معاملہ کو وہ سود ہی نہیں فرماتے۔ خود مولانا نے ایک اور مکتوب میں اس کی تصریح کردی۔ لان ماله ثمه مباح در مختار مہدی عفرلہٗ)

مکتوب نمبر ۲۸ ص۷۴ ج ۱ میں ہے۔

(۱) جن صاحب کے یہاں میلاد اور عرس ہوتا ہے اور چونکہ خلافِ شرع ہوتا ہے اس لیے اوّلاً ان کی اصلاح ہونی چاہیئے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو آپ ان کے افعال میں شرکت نہ فرمائیں ہاں اگر ظن غالب ہو کہ وہ لوگ اس کی وجہ سے آپ کے ایذا کے درپے ہوں گے یا تعصب وغیرہ میں پڑ کر اس سے زائد گناہ میں مبتلا ہو جائیں یا مسلمانوں میں افتراق کا زہریلا بازار گرم ہو جائے گا تو شریک ہو جانا جائز ہے انتہی۔

(۲) ص۷۶ وضو میں مسواک کسی لکڑی کی ہو جائز ہے مگر وہ لکڑیاں جن میں کڑواہٹ یا بکٹھاپن ہو مفید تر ہوتی ہیں اس لیے ان کا استعمال انسب ہے، پیلو کی مسواک سب سے افضل ہے مگر دوسری لکڑیاں بھی جائز ہیں۔ شب کو اور قیلولہ کے وقت ہیں اگر ممکن ہو تو وضو ورنہ تیمم کر کے سوئیں۔ لیٹنے کے لیے یہ ہے کہ داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹیں، یہ حالت ابتدائی ہے پھر جس طرف بھی انسان کروٹ بدل لے گا جائز ہو گا۔

جواب سوال از جماعت نوافل در رمضان غیر تراویح (منقول از مکتوباتِ مخطوطہ)

فتح القدیر جلد اول باب الاستسقاء ص۴۲۸ میں ہے۔

وقد صرح الحاکم ایضًا فی باب صلوٰۃ بکسوف من الکافی بقوله ویکره صلوٰة التطوع جماعةً ماخلا قیام رمضان وصلوٰة الکسوف وهٰذا خلاف ما ذکر شیخ الاسلام۔ اھ

جلد اول رد المختار ص۵۲۳

قلت ولیؤیده ایضا ما فی البدائع من قوله ان الجماعة فی التطوع لیست بسنّة الا فی قیامِ رمضان۔ اھ وفیه والنفل بالجماعة غیر مستحب لانه لم یفعله الصحابة فی غیر رمضان۔ اھ

مذکورہ بالا نصوص میں قیام رمضان کی تصریح فرمائی گئی ہے اس کی تخصیص تراویح کے ساتھ نہیں کی گئی۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تیسری شب میں اور صحابۂ کرام سے آخر شب تک نوافل با جماعت پڑھنا منقول ہے جیسا کہ مؤطا امام مالک وغیرہ میں بکثرت مروی ہے اس لیے تمام وہ نوافل جو رمضان کی راتوں میں پڑھے جائیں مراد ہوں گے خواہ تراویح ہوں یا تہجد، اوائل شب میں ہوں یا اواخر میں سب میں جماعت کی اجازت ہو گی۔

مؤطا امام محمد رحمہ اللہ ص۱۱۱ میں ہے۔

قال محمد وبهذا ناخذ لا باس بالصلوٰة فی شهر رمضان ان یصلی الناس بامام تطوّعًا لان المسلمین قد اجمعوا علیٰ ذٰلک۔ اھ

فتح الباری جلد رابع صـ۲۱۵ـ باب فضل من قام رمضان میں ہے۔

ای قام لیالیہ مصلیا والمراد من قیام اللیل ما یحصل بہ مطلق القیام کما قدمناہ فی التہجد سواء وذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح یعنی انہ یحصل بہا المطلوب من القیام لا ان قیام رمضان لا یکون الا بہا واغرب الکرمانی فقال اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح۔ اھ

عینی شرح بخاری جلد خامس صـ۳۵۴ـ میں ہے۔

قال الکرمانی اتفقوا علی ان المراد بقیام اللیل صلوٰۃ التراویح قلت قال النووی المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح ولکن اتفاق من این اخذہ بل المراد من قیام اللیل ما یحصل بہ مطلق القیام سواء کان قلیلا او کثیرا۔ اھ۔ وقال العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الجزء الاوّل صـ۲۸۱ـ من کتاب الایمان من عمدۃ القاری مانصّہ ومعنی من قام رمضان من قام بالطاعۃ فی

مرثیہ ◎ قدوۂ عالم شیخ العرب والعجم مولانا السیّد حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز

المتوفی ۱۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۷۷ھ، یوم الخمیس

حسرتا سرخیل امت حسرتا — جانشین حضرت محمود ما
شمعِ بزمِ عارفین و کاملین — قدوۂ اربابِ علم و فضلہا
آن حسینِ احمدِ والا شیم — پاک باز و پاک نفس و بے ریا
صدرِ پاکان و رہ معارف در علوم — مسند آرائے حدیثِ مصطفا
رہنمائے رہنمایانِ طریق — مرشدِ علم، رئیسِ اصفیا
در مکارم در شمائل منفرد — پرتو اخلاقِ ختم الانبیاءؐ
باتواضع بامروّت باکرم — پیکر ایثار و الطاف سخا
چوں شبِ دیجور شد تاریک ہند — ہم حجاز و قدس و شام و مالٹا
ہم فلسطین و جزائر مصر و نجد — از وفاتِ ابنِ سبطِ مصطفا
یوپی و گجرات و سی پی در فغاں — پاکِ مغرب، پاکِ مشرق در بکا
دفعِ صوتی شد مشوش در غمش — ریڈیو چوں نشر کرد ایں سانحہ
لا یدانیہ زعیمٌ باسلٌ — لا یساویہ ہمامٌ یقتدیٰ
کان مقداماً جلیلاً مغتنماً — لا یبالی، حیث یرضیٰ بالقضا
شیخ عرب ثم عجم لم یجد — مثلہ فی شانیہ ان یوجدا

چشمہائے از ہرش دار العلوم — خوں می بارند ہم صبح و مسا
بر در و دیوار حسرت میچکد — شد ز فقد او فضا ماتمکدا
در ہمہ اقطاع عالم شیونے — از غم آن بر ہمہ محشر بپا
میلِ طبعش چوں باستخلاص بود — رفت چوں تکمیل شد ایں مدعا
کارِ "جمعیت" ہمہ شد مضمحل — از ہوائے اقتدار و اعتلا
ہمچنیں دار العلوم قاسمی — رو نماید انتشار و ابتلا
کان جماعاً لفضلٍ باذخٍ — من کمالات و من نہفاتہا
قل لہ ان شئت شیخٌ کاملٌ — یدہٗ مندرجٌ فیہا انتہیٰ
دام من نقشاتہ فیضانہا — حیث تنفی منہ اثار الہدیٰ
چوں جہاں شد پر ز آفات و فتن — رو کشا شد زیں جہاں سوئے خدا
تلک من دواہٍ قد وہت — فالغرا، یا محشری، ثم الغرا
نسقی مثواہ ربی دائماً — سحب رضوانٍ الیٰ یوم الندا
ثم اولاہ نعیماً طیباً — بالنبی المدنی المصطفیٰ

(از: مولانا الحافظ محمد یامین المجود)

لیال رمضان ویقال یرید صلوٰۃ التراویح وقال بعضھم لا یختص ذلک بصلوٰۃ التراویح بل فی ای وقت صلی تطوعاً حصل له ذلک الفضل ۔ اھ

نصوص مذکورہ بالا سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوتے ہیں ۔

(۱) جماعت نوافل کی کراہت مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس سے کچھ مستثنیات بھی ہیں ۔

(۲) مستثنیات میں لفظِ قیامِ رمضان اور کسوف کو ذکر کیا ہے ۔

(۳) امام محمد اور حاکم اور صاحبِ بدائع وغیرہ متقدمین نے (رحمہم اللہ تعالیٰ) لفظِ قیامِ رمضان ذکر فرمایا ہے جو کہ مخصوص بالتراویح نہیں ہے ۔

(۴) قیامِ رمضان کو مخصوص بالتراویح کرنا قول مرجوح جو کہ علامہ کرمانی اور علامہ نووی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اس کے خلاف حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام عینی رحمہما اللہ تعالیٰ تمام نوافل کو خواہ تراویح ہو یا تہجد یا دیگر نوافل فرما رہے ہیں اور امام نووی کے قول کو مؤول قرار دیتے ہوئے اپنے قول کی طرف لوٹاتے ہیں اور کرمانی کے قول کو غریب اور مخدوش فرما دیتے ہیں اور یہی امر مدلول مطابقی بھی ہے ۔

بناءبریں فتاویٰ رشیدیہ کی تصریح جلد ثانی صـ ۵۹ اور جلد اوّل صـ ۴۹ جس میں مستثنیات کو منحصر تراویح کے ساتھ کیا گیا ہے ۔ قولِ مرجوح پر مبنی ہے پس رمضان کی جملہ نوافل کی جماعت خواہ بالتداعی ہو یا بلا تداعی سب کی ماذون فیہ بلکہ مستحب ہوگی اور تحت ترغیب من قام رمضان (الحدیث) داخل ہوگی اس پر نکیر کرنا غیر صحیح ہوگا ۔ بلکہ جملہ طاعات، طواف، نفل یا عمرہ نافلہ وغیرہ اسی میں محسوب اور مرغوب فیہ قرار دیے جائیں گے ۔

کما ذکر العینی رحمہ اللہ تعالیٰ ۔

ہم نے حضرت قطبِ عالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کا عمل بھی مکہ مکرمہ میں اسی پر پایا ہے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ العزیز کا بھی یہی معمول تھا اور حرمین شریفین میں قدیم سے عملِ سنت عشریہ وغیرہ کا جو کہ بالخصوص شوافع اور چالیس رکعت کا عمل جو کہ موالک کا معمول بہ تھا اور اہلِ مکہ کا قدیمی عمل ہر ترویحہ پر اسبوع طواف کا اسی کا مؤید ہے ﴿ح﴾ واللہ اعلم،

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، دارالعلوم دیوبند ۱۹ ذی الحجہ ۶۲ھ

الجواب :۔

محترم ہم سب اور ہمارے اسلاف کرام حضرات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔

اساتذہ کرام کے ہم خوشہ چین ہیں ان کے احسان اور علوم سے استفادہ کرنے والے اور شکر گزار ضرور ہیں مگر تقلید صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرتے ہیں اور اس کو علمی روشنی میں ضروری اور باعثِ نظامِ امت سمجھتے ہیں۔ ہم دوسرے ائمہ مذاہب کو بھی حق پر سمجھتے ہیں۔ ہم مصوبہ کی رائے پر جو کہ اقرب الی الصواب ہے فروع میں تمام مجتہدین کو صائب اور محققین کی رائے پر دائر بین الحق سمجھتے ہیں۔ بہرحال ہمارے اکابر فقط امام صاحب کے فقہ کے مقلد ہیں۔ دوسروں کے اقوال کو مرجوح سمجھتے ہیں باطل نہیں کہتے اور نہ اس پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ العزیز کو جو کہ سلسلہ کے بہت بڑے امام اور حضرت شاہ اسماعیل صاحب کے استاذ الاستاذ اور جد بزرگوار ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں مطاع قرار نہیں دیتے۔ حجۃ اللہ البالغہ کی جلد ثانی میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مسائل میں خلاف فرمایا ہے ۔ ان پر نہ فتویٰ دیتے ہیں نہ عمل کرتے ہیں اور الحمد للہ ہمارے پاس ان مسائل فرعیہ کے جوابات بھی مکمل طور پر موجود ہیں اور اسی طرح محقق العصر علامہ ابنِ ہمام وغیرہ دوسرے اکابر کے تفردات بھی ہم معمول بہا نہیں قرار دیتے اور یہی مسلک ہم نے اسلاف کرام سے ارجح پایا ہے ۔ جب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ سید الطائفہ اور حضرت شاہ اسماعیل صاحب کے روحانی اور نسبتی بڑے ہیں ان کے اقوال و فتاویٰ کے ساتھ ہمارا یہ طرز ہے تو حضرت شاہ اسماعیل صاحب کے وہ اقوال جو کہ خلافِ فقہ حنفی ہوں گے ہمارے نزدیک کس طرح قابل ہوں گے اس طرح ایضاح الحق الصریح میں اگر کوئی مسئلہ خلاف فقہ حنفی مذکور ہو تو وہ بھی ہمارے اساتذہ کے نزدیک غیر معمول بہ ہوگا نہ اس پر عمل کیا جائے گا، پس کتاب مذکور اگر حسبِ رائے آنجناب حضرت شاہ اسماعیل صاحب شہید کی نہ ہو (جیسا کہ غیر مقلدوں کے تصرفات کے دوسری کتابوں کے متعلق نواب قطب الدین صاحب مرحوم سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا تھا) تو کچھ تعجب نہیں ہے اور اگر ان کی ہی ہو تو یقیناً ہمارے اسلاف کرام کے یہاں ان مسائل میں جو کہ فقہ حنفی کے خلاف ہیں غیر معمول بہ ہوگی ۔ اس سے شاہ صاحب شہید مرحوم کے احترام میں کوئی خلل نہیں پڑتا جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اُن اقوال کے نہ ماننے سے جو کہ حجۃ اللہ کی جلد ثانی میں خلافِ حنفیہ مذکور ہیں۔ نہ ماننے سے فرق نہیں پڑتا ہے چونکہ میں عدیم الفرصت بہت زیادہ ہوں اس لیے ایضاح الحق الصریح کے ایسے مسائل بالاستیعاب نہ دیکھ سکا۔ اگر ممکن ہو تو ان کا حوالہ صفحہ وار دے کر

﴿ح﴾ ۔ جواب کی نقل سے کسی پر حجت قائم کرنا مقصود نہیں ہے نمونہ پیش کرنا اور نقطۂ نظر دکھانا ہے ورنہ مسئلہ میں مجال کلام ہے جو موضوع کے خلاف ہے ۔ ۱۲ احمد ی ۔ م

مطلع فرمائیں تو شکر گزار ہوں گا۔ بوقتِ فرصت ان پر غور کرونگا۔

دوبارۂ احتیاط ظہر حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز کی رائے حفظِ عوام اور تحقیق صاحب البحر الرائق پر مبنی ہے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر جزئیات فقہیہ پر بہت زیادہ تھی۔ حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز کی نظر کلیات اور اصول پر بہت زیادہ تھی۔ جزئیاتِ فرعیہ اور مصالح عوام پر ان کی نظر اس قدر نہیں تھی جس قدر حضرت گنگوہی کی تھی اس وجہ سے وہ عموماً جزعیات فرعیہ کے فتاوٰی کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ کر دیتے تھے۔ عوام کی غلط کاریوں نے بہت سے مسائل میں اکابر امت کو مسائل میں روک تھام پر مجبور کیا ہے چنانچہ صاحب البحر الرائق کی تفصیل اس پر پوری روشنی ڈالتی ہے۔ میں نے خود جدہ میں دیکھا ہے کہ امام جمعہ سے فارغ ہوا تو بڑی جامع مسجد میں زور سے تکبیر کہی گئی اور بھرے مجمع میں امام آگے بڑھا اور مجمع میں احتیاط الظہر کی چار رکعت با جماعت علانیہ پڑھی گئی۔ اسی وقت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دیکھا اور اس عمل سے تعجّب فرمایا۔

الغرض حدودِ شرعیہ کا تحفظ مفتی پر بہت زیادہ ضروری ہے خصوصاً جبکہ عوام کی بے اعتدالیاں حد سے بہت زیادہ تجاوز کر گئی ہوں ایسے ہی امور علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کو پیش آئے اور ایسے ہی امور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو متعدد فتاوٰی میں پیش آئے جن کو غیر محقق علماء نے محسوس نہیں کیا، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوٰی پر معترض ہوئے۔ فتاوٰی دربارہ احتیاط الظہر و میلاد رائج و سوم و جہلم وغیرہ اسی قسم کے عوام کے غلو اور غلط کاریوں کے ثمرات ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو عوام کی ان غلط کاریوں کے مشاہدہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ واللہ اعلم! اگر میری معروضات قابل اطمینان ہوں تو فبہا ورنہ بوقت فرصت خدشات پر اپنی ٹوٹی پھوٹی معلومات کو پیش کرونگا۔ ان کو تحریر فرمائیں۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از دار العلوم دیوبند۔ ۲۲، ربیع الاول ۱۳۷۳ھ۔ (منقول از مکتوبات مخطوطہ)

مَیں نے صرف چند جوابات بغیر سوالات کے نقل کیے ہیں۔ جوابات ہی سے نوعیت سوالات ذہن میں آجاتی ہے اس لیے ان کے نقل کی ضرورت نہیں سمجھی، آخری جوابات پر اگر غائر نظر ڈالی جائے اور حقیقت کو سمجھ لیا جائے تو بہت سی الجھنیں بھی دور ہو سکتی ہیں اور مفتیانِ کرام کے لیے بھی بعض اوقات مفید ہو سکتے ہیں نیز ابنائے زمان جو بسا اوقات کسی بڑے کے قول کو پیش کر کے مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے چہرہ سے بھی مذکور تحریر حجاب سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور حقیقتِ اصلیہ ظاہر ہو جاتی ہے سادات احناف کے نزدیک کسی کے وہ تفردات جو فقہ حنفی کے خلاف ہوں وہ مذہبِ حنفی پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اور ان پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

اس گزارش سے یہ امر روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ مسائل فرعیہ اور جزئیات فقہیہ میں مبصرانہ و ناقدانہ نظر رکھتے تھے جس طرح بوقتِ درسِ حدیث محدثانہ کلام کرتے اور مذاہب مختلفہ کے اقوال پیش کرتے تھے اور پھر حنفیت کو ترجیح دیتے تھے، درس میں جملہ اطراف و جوانب پر بصیرتِ تامہ کے ساتھ کلام کرتے اور گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑتے تھے انہیں امور سے ان کے حفظ روایات پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

جن حضرات نے تبدیلی حکومت سے پہلے مختلف مجامع میں مولانائے مرحوم کی تقریریں سُنی ہیں وہ علی الاعلان کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کی تاریخ اور حکومتِ متسلطہ کے عمائدین کے اقوال مولانا کو ازبر تھے ہندوستان کی ہر جزئی پر ان کی نظر تھی جس کو تقابل کی صورت میں پیش کرتے تھے۔ انگریزی حکومت کی لوٹ اور غارت گری کو جس انداز سے بیان کرتے تھے وہ مولانا ہی کا حصہ تھا جس میں ہندوستان کے مدارس کی کثرت علمی ترقی، مرفہ حالی پیداوار کی حالت، ہر دور کے نرخنامے، تجارتی منڈیاں، صنعت و حرفت اس کے کارخانے وغیرہ سب نوکِ زبان تھا۔ تقریر کیا ہوتی تھی تاریخی معلومات کی جیتی جاگتی ایک تصویر ہوتی تھی۔ سینکڑوں ایسے حضرات اب بھی موجود ہوں گے جنہوں نے مولانا کی تاریخی تقریروں سے اپنی یادداشتیں تیار کی ہیں اور تاریخی معلومات کا ذخیرہ جمع کیا ہے اور وہ آج مولانا کو یاد کرتے ہیں بلکہ اُن کے ماتم میں خون کے آنسو بہاتے ہیں۔ ؎

یادِ ایّامے کہ در کویت مکانے داشتم
ہمچو بلبل در گلستان آشیانے داشتم

آہ! کل تک جس ذات سے قرآن و حدیث کے معانی اور علمِ فقہ کے مسائل حل کرتے تھے۔ آج وہ زیرِ مزار محوِ خوابِ شیریں ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جس خزانۂ علم کو ہمارے سپرد کر گئے تھے ہم نے اپنے ہاتھوں زیرِ زمین دفن کر دیا ہے۔

انا للہ وانّا الیہ راجعون۔ اللھم امطر علیہ شآبیب الرحمۃ والغفران واجزہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء وارفع درجتہ فی علیین۔

جو عنوان قائم کیا تھا اس کے مطابق لکھ نہ سکا اور کسی ایسی شئے کو ناظرین کے سامنے پیش نہ کر سکا جو در خورِ اعتناء ہو۔ ؎

صبا را شرم می آید بسوئے گُل نگہ کردن
کہ رخت غنچہ را دا کرد و نتوانست تہ کردن

مگر خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہو جانے پر بھی کچھ نہ کچھ امید ضرور ہے کہ ہم قوم لا یشقی جلیسھم کا مصداق ہو جاؤں تو ؎

بھر پائے مَیں نے وہ اگر اتنا ہی پوچھ لیں
کیا ہو گیا تجھے جو یہ صورت بدل گئی

اسیرِ غم ایدِ مہدی

۱۳ ھ ۷۷

قدوۃ الانام حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کی سب سے بڑی منقبت یہ ہے کہ آپ سرتاپا متبع سُنت تھے اور آپ کی کوئی نقل و حرکت خلاف سُنت نہیں ہوتی تھی جو لوگ آپ کو سب سے زیادہ قریب سے دیکھنے والے ہیں وہ اس کے بڑے شاہد ہیں۔ راقم الحروف کو تقریباً ۳۵ سال تک یہ سعادتِ عظمیٰ حاصل رہی اور آپ کے اعمال و حرکات اور سکنات کو اسی نظر سے بغور دیکھنے کا موقع ملا۔ اور اپنے علم کے مطابق ہمیشہ اس خیال کو صحیح پایا اور اگر بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ اپنے علمِ ناقص میں کسی عمل کا سنت ہونا معلوم نہیں ہوا تو اس کو نگاہ میں رکھا اور کسی قریبی عرصہ میں یا کچھ مدت بعد اس کا ماخذ کتبِ احادیث میں یا کلام فقہا میں بعنوان سنت ضرور موجود پایا ہے۔ گویا اس کی ایک تعبیر یہ ہے کہ حضرۃ قدوۃ الانام کی سراپائے زندگی بجائے خود ایک مرتب و مکمل مرقع سیرت اور کتاب سنت تھی۔

رحمۃ اللہ علیہ

اور ولایت کا یہی وہ مقام ہے جو سب سے زیادہ رفیع ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ النقشبندی قدس سرہ العزیز ارشاد الطالبین ص۲۳ میں اسی کے متعلق فرماتے ہیں۔ در حدیث آمدہ ان القول لا یقبل مالم یعمل بہ وکلاہما لا تقبلان بدون النیۃ والقولُ والعملُ والنیۃ لا تقبلُ مالم توافق السنۃ (تا آنکہ فرمود) بیت

محال است سعدی کہ راہِ صفا ۔۔۔ تواں رفت جز از پے مصطفیٰ اھ۔

اگر کسے گوید کہ ہمچنیں باشد پس باید کہ در سالہا سل کہ ریاضتِ شاقہ استعمال کنند کسے بمرتبہ رویت نہ رسد و ایں باطل است گفتہ شود۔ کہ اولیاء اللہ ہمہ تابعان سنت اند بعضے ازاں در متابعت فوقیت دارند بہ بعضے و اگر بدعت راہ یافتہ در بعضے اعمال ایشان راہ یافتہ پس آں بعضے اعمال اگر موجب از دیار قرب نباشد دیگر اعمال موافق سنت وصحبت مشائخ مکمل آنہار ادست گیری می کنند و بدرجہ کمال می رسانند۔ اور قدوۃ الانام کا یہی وہ مرتبۂ عالیہ ہے جس کو امامِ ربانی مجدد الف ثانی رح نے مکتوب ۵۴ جلد۱ میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ درجہ سوم از متابعۃ اتباعِ احوال و اذواق و مواجید آں سرور است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ بمقام ولایت خاصہ تعلق دارند و ایں درجہ مخصوص بار بابِ ولایت است کہ مجذوب سالک باشند یا سالک مجذوب۔ الخ۔

اللہ اکبر ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ سیوہارہ میں کچھ خدام مبارک پیروں کے دبانے پر مصر ہوئے جس پر انکار مسلسل فرماتے رہے اور آخر میں فرمایا کہ کیا سنت سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ الغرض حضرت والا قدس سرہٗ عبادت و معاشرت حتیٰ کہ اذواق و مواجید ہر نوع زندگی میں اتباعِ سنت کا مظہر کامل تھے پھر ظاہر ہے کہ اِتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کا یہ مقبول جامہ جس قالب پر چست ہو وہ خالق و خلائق کا محبوب کیوں نہ ہوگا۔

آخر میں تبرکاً حضرت اقدس قدس سرہٗ کے دستِ مبارک کی ایک تحریر نقل پیش کرتا ہوں جو وفاتِ شریفہ سے چند ہی روز قبل میرے اس سوال کے جواب میں کہ حضرتِ والا کو درود شریف کا کونسا صیغہ سب سے زیادہ پسند ہے۔ تحریر فرمائی ہے اس سوال کے جواب میں یہ صیغہ درود ارقام فرمایا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

(محترم مفتی صاحبؒ نے ایک کارڈ میں نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کے متعلق حضرت شیخ الاسلام کی رائے تحریر فرمائی ہے اس مضمون کے ساتھ ہی اس کارڈ کی نقل بھی بجنسہٖ پیش کی جارہی ہے۔ آخر میں تاریخ وفات کا قطعہ بھی ہے۔)

(ادارہ)

شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی سب سے آخری تصحیح فتویٰ

خواجہ نذیر احمد محمد نگر احسان منزل لاہور کے استفتاء کے جواب ۱۵۶۶/۳۹۵ جاری شدہ از دارالافتاء دارالعلوم دیوبند۔ حضرت شیخ الاسلام قدوۃ الانام قدس سرہ نے غالباً سب سے آخری تصحیحی دستخط فرمائے جس کا ماحصل یہ ہے کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنا درست ہے اور دور نزدیک کی صفوں کو اس کی آواز کی اقتداء کرنا صحیح ہے یہ جواب ۲۵/۴/۷۷ھ کو حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے اور تصحیح غالباً ۲۷/۴/۷۷ھ کو یعنی وفاتِ شریفہ سے چند ہی روز قبل فرمائی ہے۔

(۱) حضرت والا قدس سرہ العزیز کو خدائے پاک نے جو مقبولیت بخشی تھی وہ تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے آپ کی محبوب و مقبول شخصیت صحیح معنیٰ میں شمع کی مثال تھی جس پر جوق در جوق پروانے نثار تھے اور ہر ایک شوقِ جانبازی میں ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش میں لگا رہتا تھا مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف سفر بلکہ حضر میں بھی کوئی وقت ایسا نہیں دیکھا گیا کہ ایک کثیر مجمع شوقِ دید میں آپ کے ارد گرد موجود نہ ہو البتہ جب بسترِ استراحت پر تشریف لے جاتے تھے تو مشتاقانِ زیارت کا یہ ہجوم بڑی حسرتوں کے ساتھ مجبوراً وہاں سے منتشر ہوتا لیکن دوسرے وقت میں باہر تشریف لے جانے سے پہلے دولت کدہ پر پروانوں کا اجتماع پھر شروع ہو جاتا۔ یہی نوعیت سفر میں ہوتی تھی جس کا مشاہدہ کروڑوں انسان کر چکے ہیں اس سلسلہ میں مجھے جو خاص بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ان بے شمار عقیدتمندوں کے ہمہ وقت کے اس جھرمٹ میں حضرت والا احساس تواضع سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ احساس اور مقامِ عبدیت کا یہ کامل ترین استحضار حضرت والا کا طبیعتِ ثانیہ بن چکا تھا اس ذیل کے چند نمونے ملاحظہ کیجیے۔

(۱) حضرت والا اپنی تعظیم کے لیے کسی کا کھڑا ہونا گوارا نہیں فرماتے تھے اور فرطِ ادب سے اگر کوئی شخص کھڑا ہو جاتا تھا تو پرجلال انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے بعد بھی

لا تقوموا کما تقوم الاعاجم یعظم بعضھم بعضاً (ابوداؤد شریف)

آپ کھڑے ہوتے ہیں کبھی اس سلسلہ کی دوسری احادیث پڑھ کر ڈانٹتے تھے اور بارہا ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ جب تک کھڑے ہونے والے بیٹھ نہ جائیں آپ خود کے بیٹھنے سے انکار فرما دیا کرتے تھے اور یہ طرزِ عمل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اقتداء اور اس کا اثر متبع تھا۔ عن سعید بن ابی الحسن جاءنا ابوبکرۃ فی شھادۃ فقام له رجل مجلسه فابیٰ ان یجلس۔ الحدیث۔ (رواہ ابوداؤد)

یعنی حضرت ابوبکرہؓ بغرضِ شہادت ایک مجلس میں تشریف لے گئے تو ایک صاحب ان کی تعظیم کی غرض سے کھڑے ہو گئے جس پر ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار فرما دیا۔

(۲) مجلس میں سب سے کمتر جگہ بیٹھنے کی کوشش کیا کرتے تھے لیکن

ع صدر ہر جا کہ نشیند صدر است "

وہی جگہ صدر نشین بن جاتی تھی اور پوری مجلس کا رُخ اسی طرف ہو جاتا تھا اور حضرت کی یہ طبیعتِ ثانیہ اس اسوۂ حسنہ کی اقتداء میں تھی۔ اذا انتھیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) الیٰ قوم جلس حیث ینتھیٰ به المجلس الحدیث۔

(۳) کبھی اپنی تعریف سننا برداشت نہیں کرتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ عام جلسوں میں شعراء نے ایسی نظم پڑھنا شروع کر دی جس کے آغاز کا بظاہر حضرت کی تعریف سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا تھا لیکن شاعر نے ہوشیاری سے آخر کے ایک دو شعروں میں حضرت کی مدح کرنا چاہی تو اپنی خداداد ذکاوت کی بناء پر حضرت نے شروع ہی میں اس کے مخفی مقصد کا اندازہ فرما لیا اور نظم اس سے چھین کر پھاڑ دی ایسے مواقع پر حضرت بالعموم یہ حدیث پڑھ کر سخت غضب ناکی کے ساتھ ڈانٹا کرتے تھے۔ اذا رأیتم المداحین فاحثوا فی وجوھھم التراب (مسلم) یعنی فخرِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم تعریف کرتے دیکھو تو اس کے منہ میں خاک جھونک دو ایک واقعہ یاد آیا اور اس یاد نے دل بیچین کر دیا دارالعلوم دیوبند میں گزشتہ سال ختم بخاری شریف کے موقع پر بے حد مجمع تھا جس وقت دعا سے فراغت ہوئی تو جناب آباد دیوبندی نے اپنی ثقل سماعت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری چالاکی سے کچھ فاصلہ سے کھڑے ہو کر ایک مدحیہ قطعہ پڑھنا شروع کر دیا مگر ان کی یہ تدبیریں رکھی ہی رہ گئیں حضرت والا نے اوّل تو روکا۔ مگر جب وہ پڑھتے ہی چلے گئے تو حضرت نے

تقریبًا لیٹ کر تخت پر سے ہاتھ اٹھا کر ان کو جھٹکا دیا اور وہ نظم لے کر چاک کر دی۔

(۴) اس احساس اور خود فراموشی کی بھی مشکل ہی سے مثال مل سکتی ہے کہ ایک دفعہ کسی بے تکلف نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو بحمد مرجع خلائق بن چکے ہیں تو برجستہ فرمایا کہ میرے کمال کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی کسی وقت خاص کیفیت کی حالت میں مجھ پر نگاہ مبارک پڑ گئی ہے یہ جو کچھ تم دیکھتے ہو اس نگاہ کا کرشمہ ہے۔

(۵) اور یہ واقعہ بھی اسی کا ذیل ہے کہ سیوہارہ ضلع بجنور میں مجمع عام میں سے کسی شخص نے غالبًا نماز کے متعلق کوئی مسئلہ دریافت کیا یہ واقعہ مالٹا سے واپسی کے قریبی زمانہ کا ہے تو بلند آواز سے ارشاد فرمایا قیام مالٹا میں کتابوں کی مزاولت نہ رہ سکی اس لئے ٹھیک طور سے مسائل مستحضر نہیں ہیں حضرت قدس سرہٗ کے اس ارشاد کو سن کر ائمہ سلف کی لا ادری کی یاد تازہ ہوگئی۔

(۶) آج سے چند ماہ پیشتر کا ایک چشم دید واقعہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے جامع مسجد دیوبند سے جب حضرت نماز پڑھ کر تشریف لانے لگے تو حسب معمول گویا پوری مسجد حضرت کے ہمراہ ہوگئی جو پہلے جا چکے تھے۔ وہ صدر دروازہ کی سیڑھیوں کے سامنے بازار میں سراپا اشتیاق بن کر سیڑھیوں کی جانب ٹکٹکی لگائے کھڑے تھے حضرت جب پہلی سیڑھی پر پہنچے تو دفعتاً جھک گئے اور بعد کی سیڑھی پر سے کسی نمازی کا ایک چپل جو ٹھوکروں سے نیچے گر گیا تھا اٹھا کر دوسرے چپل کے پاس لا کر رکھا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ہزاروں نگاہیں ادب و عقیدت کے ساتھ حضرت کی پابوسی کر رہی تھیں۔

پھر اس بے مثال تواضع و خود فراموشی کا نتیجہ قدرت کے بنائے ہوئے نظام میں تواضع للہ رفعہ اللہ کے مطابق بے نظیر رفعت و مقبولیت کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا رضی اللہ عنہ وارضاہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

(۷) حضرت والا کی یہ آخری نماز جمعہ ہے جامع مسجد دیوبند سے جب نماز کے بعد واپسی میں سیڑھیوں پر تشریف لائے تو سیڑھیاں از خود حضرت والا کے لئے خالی ہو چکی تھیں اتفاقاً کوئی دیہاتی قسم کا نمازی حضرت کے آگے ہو گیا کسی ہمراہی خادم نے ہاتھ کے اشارہ سے اس کو روکنا چاہا جس کو حضرت قدس سرہ نے محسوس فرما لیا اللہ اکبر پھر کیا تھا وہیں کھڑے ہو گئے اور اس خادم کو انتہائی غیظ کے ساتھ اس حرکت پر تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کیا اس کو حق نہیں ہے؟ پھر اس کو کیوں روکا گیا ایسے مواقع پر بالعموم خدام سے فرمایا کرتے تھے تم نے میرا ڈھونگ بنا رکھا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت والا قدس سرہٗ ہمہ وقت تواضع للہ اور احتساب نفس میں مشغول رہتے تھے جس سے ان کی مبارک زندگی کا کوئی لمحہ خالی نہیں رہتا تھا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کے شاگردوں کی تعداد

(از مولانا قاری محمد میاں صاحب مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی)

دار العلوم دیوبند نے اپنی پوری مدت (۹۴) سال میں جو فضلاء پیدا کئے ہیں ان کی تعداد (۶۶۳۰) ہوتی ہے۔ اس میں سے (۳۸۵۶) صرف حضرت شیخ الاسلام کے شاگرد ہیں۔ باقی (۲۷۷۴) دیگر مشائخ رحمہم اللہ کے۔

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ سنہ ۱۳۴۶ھ میں مسند حدیث پر رونق افروز ہوئے۔ سنہ ۱۳۴۶ھ سے سنہ ۱۳۷۷ھ سال حال تک کے فضلاء کی تعداد سن وار نقشہ ذیل سے ظاہر ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ دار العلوم کی ایک صدی کے پورے سرمایہ میں سے نصف سے زائد حصہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کا ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

سنہ	تعداد	سنہ	تعداد
سنہ ۱۳۴۶ھ	۶۸	سنہ ۱۳۶۲ھ	۱۶۰
سنہ ۱۳۴۷ھ	۶۵	سنہ ۱۳۶۳ھ	۱۵۸
سنہ ۱۳۴۸ھ	۹۰	سنہ ۱۳۶۴ھ	۲۱۵
سنہ ۱۳۴۹ھ	۹۱	سنہ ۱۳۶۵ھ	۲۰۶
سنہ ۱۳۵۰ھ	۱۲۵	سنہ ۱۳۶۶ھ	۱۱۶
سنہ ۱۳۵۱ھ	۱۵۶	سنہ ۱۳۶۷ھ	۱۵۷
سنہ ۱۳۵۲ھ	۱۶۱	سنہ ۱۳۶۸ھ	۱۴۸
سنہ ۱۳۵۳ھ	۱۹۶	سنہ ۱۳۶۹ھ	۱۲۱
سنہ ۱۳۵۴ھ	۱۵۸	سنہ ۱۳۷۰ھ	۱۲۸
سنہ ۱۳۵۵ھ	۱۸۸	سنہ ۱۳۷۱ھ	۱۲۶
سنہ ۱۳۵۶ھ	۱۸۳	سنہ ۱۳۷۲ھ	۱۴۱
سنہ ۱۳۵۷ھ	۱۷۴	سنہ ۱۳۷۳ھ	۱۱۹
سنہ ۱۳۵۸ھ	۱۵۷	سنہ ۱۳۷۴ھ	۱۴۸
سنہ ۱۳۵۹ھ	۱۹۳	سنہ ۱۳۷۵ھ	۱۴۱
سنہ ۱۳۶۰ھ	۲۲۹	سنہ ۱۳۷۶ھ	۱۶۴
سنہ ۱۳۶۱ھ	۱۹۳	سنہ ۱۳۷۷ھ	۱۸۴

تعداد سال رواں — میزان کل: ۳۸۵۶

حضرت شیخ اسلام، شیخ المشائخ، استاذ الاساتذہ سید السادات، راس المحدثین، تاج الفقہاء، قدوۃ العارفین، اسوۃ الصالحین، سیدنا و مرشدنا و مولانا سید حسین احمد مدنی چشتی، صابری، نظامی، قادری، نقشبندی، سہروردی، امدادی، رشیدی رحمۃ اللہ علیہ، نور اللہ مرقدہٗ قدس اللہ سرہ العزیز" کی حیات طیبہ مسلمانانِ ہند کے لئے بالخصوص اور مسلمانانِ عالم کے لئے بالعموم، عبرتوں موعظتوں اور جامعتوں کا ایک عجیب گلدستۂ دست قدرت ہے علم و عمل، اخلاص و صداقت جہاد و مجاہدہ، ایثار و قربانی، قوم و وطن، دین و ملت کے لئے ایک نادرۂ روزگار اور بہترین نمونہ ہے۔ روحانی، معنوی اور باطنی قدروں کے لحاظ سے ان چند نفوس قدسیہ میں سے ایک ہے جن کی بدولت اس ظلمت کدۂ ہند میں اسلام کی شمع نورانی منور ہوئی اور انسانیت کے لئے ایک معیاری کام انجام پذیر ہوا۔

ظاہر شریعت کی ظاہر داری، ظاہر آرائی، ظاہر بینی کے ساتھ ساتھ، باطن طریقت کی رمز شناسی عرفان نوازی، مشاہدۂ حق کی فراوانی، تجلیات و انوار کی کثرتیں، وحدت مطلقہ کی دید، لطائف ربانی۔ اذکار و اشغال کے کوائف کی جامعیت ولایت کا جمع ہو جانا اس دور ظلمانی میں کرشمۂ کارساز فطرت ہے۔

کامل و مکمل زندگی کے اسلامی نظام کار کے ساتھ ساتھ دور حاضر کی اجتماعیات، عمرانیات سیاسیات و اقتصادیات پر علمی و عملی حیثیت سے حاوی ہو جانا اور پھر فہم و حفظ کی بے نظیر قوتیں بروئے کار لے آنا اور عملی میدان کارزار میں معتدل و متوازن طرز و سلیقہ کو ملحوظ رکھنا اور سیاسی زندگی کی الجھنوں میں نیت صالحہ کا کمال، مادی لذائذ و نعم سے بے نیازی اور ہر دنیوی فائدہ و نتیجہ سے بے پرواہی یہ صرف خصوصی حصہ تھا حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کا۔

اپنے اکابر مشائخ و اعاظم اساتذہ سے حاصل کردہ نظریات پر اس شدت و صلابت کے ساتھ ثابت قدم رہنا کہ وقت کا کوئی زبردست فلسفہ، زمانہ کی کوئی سخت ترین مشکل عہد حاضر کی کوئی مصلحت شناسی، دنیوی نقصان کا کوئی اندیشہ اپنوں اور غیروں کی ایذا رسانی کا کوئی خدشہ مریدین و تلامذہ کی عقیدتوں کے لچک جانے کا کوئی شبہ اس جادۂ حق سے انحراف تو کجا استقلال و استقامت کے پائے مضبوط میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئے یہ صرف سیدنا سید مدنی قدس اللہ سرہٗ کا وطیرہ تھا۔

حضرت حکیم الاسلام، امام الھمام، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ تک جو تسلسل ذہنی و معنوی کتابوں اور خطابوں ہی میں نہیں بلکہ شخصیتوں کے سانچوں میں ڈھل کر چلا آرہا تھا جس کا ایک پیکر مشہور "دار العلوم دیوبند" ہے اس کی روح رواں حضرت مرشدنا علیہ الرحمۃ کا وجود گرامی تھا۔

حضرت سلطان الہند خواجہ خواجگان چشتیہ ہند مولانا سید شاہ معین الدین سنجری چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت شیخ الکل شیخ العرب والعجم شاہ حاجی امداد اللہ فاروقی تھانوی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مقدس تک جو سلسلۂ روحانیہ چلا آرہا تھا جس کو حضرت قطب زماں قطب العالم مولانا شاہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جوں کا توں لے کر اس میں درمیانی ادوار کے حشو و زوائد سے پاک صاف کر کے کتاب و سنت اور منشاء حق کے مطابق بنا کر ایک حسین و جمیل شکل نورانی عطا فرمائی اس کا مجسمہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کی ذات قدسی صفات ہے۔

اس دور میں جب کہ مادیت کا غلبہ روحانیات کے بعد، افراط و تفریط کا ابتلا ہر طرف عام ہے۔ مشائخ ہند کے روحانی مشن کو زندہ کرنا اور پائندہ تر بنا دینا یہ کام صرف اسی ہستی مقدس کا تھا جس کا اسم گرامی نام نامی تاریخی حیثیت سے "چراغ محمد" رکھا گیا اور جس کو اس دور کفر و کفران، عہد سرکشی و طغیان میں منصب امامت عطا فرمایا گیا اور علوم دینیہ اسلامیہ قدیمہ کے تبحر کامل کے ساتھ ساتھ جدید علوم و معارف اور ترقی قوم وطنی کے اقدامات میں خود حصہ لینا اور بے جھجک صحیح قرار دے کر بے مثل تفقہ و تدبیر سے اس کو عملی جامہ پہنا دینا اور عند اللہ اپنی ذمہ داری جواب دہی کا لحاظ کر کے موجودہ مذہبی سوسائٹی کے ظاہری اعتراض سے بے پرواہ ہو جانا یہ صرف ہمارے مرشد کامل، عارف واصل، ذاکر و شاغل سیدنا سید مدنی رحمۃ اللہ رحمۃ

واسعۃ کا طغرائے امتیاز تھا۔

اس زمانہ قحط الرجال میں اس اصابت رائے حسن عمل کے ساتھ ساتھ انتہائی بے نفسی سادگی، بے تکلفی، سچائی، تواضع، علم و تحمل، صبر و ضبط کا وہ عالم تھا کہ دوست تو دوست دشمن بھی ایک بار معاملہ پیش آجانے کے بعد معترف ہوئے بغیر رہ نہ سکے۔

وجدان قلبی، ادراک روحانی، مقامات ولایت کشف و کرامت اور احوال و مواجید کا وہ زور تھا پھر کسی کو اپنے مقام کی ہوا تک لگنے نہ دیتے رہے اور اس قدر اخفائے محاسن کی عادت اور اس قدر کمالات روحانی پر قابو کہ سب میں ملے جلے سب کی طرح رہتے سہتے رہے اور خاص خاص اہل دل کے سوا بہ مشکل ہی کوئی جان سکے پہچان سکے۔

مذہب ہو یا ریاست کسی شعبۂ زندگی میں جو مسلک اپنی خداداد بصیرت و دانائی سے جوانی میں قائم کر لیا تھا اسی پر عالم پیری میں بھی ٹھیک ٹھیک اسی طرح قائم رہے بلکہ جو روحانی کیفیت شباب میں تھی شیخوخت میں بھی رہی بلکہ پختہ تر ہوتی چلی گئی کبھی دو قول نہ ہوئے ایک ہی قول رہا اور جو قول رہا اس کے مطابق فعل رہا قول و فعل کا اس قدر تطابق ظاہر و باطن کا اتنا توافق اور نیت و کردار اس قدر ہم آہنگ ہونا شاید کہیں اور بھی اس کا پتہ لگ سکے اس میں ہموار زندگی کی مثال اب کہیں نہ مل سکے گی۔

ان تمام امور کے علاوہ اللہ نے نسبی طہارت، خاندانی نجابت، موروثی ولایت جذب و سلوک کے فطری آثار سے نوازا تھا جس پر کبھی فخر و مباہات تو کجا تفصیلی تذکرہ بھی گوارہ نہ تھا اور ہم کو تو بہت سی باتیں غیروں سے معلوم ہوئی ہیں اور ان لوگوں نے بتائی ہیں جو مذہب و سیاست میں حضرت شیخ کے مسلک سے کوسوں دور رہے بلکہ نفور رہے۔

غرض حضرت اقدس قدس اللہ اسرارہم کی شخصیت کبریٰ پر ہر پہلو کے لحاظ سے اس قدر لکھا جا سکتا ہے کہ کتابیں تیار ہو جائیں، بحمد اللہ مرشدنا الاعظم کے لاکھوں مریدین ہزاروں تلامذہ سیکڑوں تزکیہ یافتہ، خلفاء علماء و صوفیہ موجود ہیں جو محررین ہیں مقررین ہیں جدید و قدیم علوم کے جامع ہیں ان شاء اللہ ہند جدید میں سلسلہ حسینیہ عالیہ کی خصوصیات پر سے تصوف و سلوک کے کمال پر ایک مستقل، ہسٹاریکل راج، کھڑا کیا جا سکتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے تین مرتبہ جنوبی ہند اور آندھرا کو نوازا ہے اور عمر کے آخری حصے میں اس دور دراز خطۂ ہند کو ایسا فیض یاب فرمایا کہ اس کی یادگار نشانیاں اب شمع راہ بنی ہوئی ہیں خصوصاً صوبۂ مدراس سے کٹ کر جو علاقہ الگ ہو گیا ہے اس علاقہ میں نہ تو عربی مدارس شمالی ہند کی طرح چھوٹے بڑے موجود ہیں اور نہ علمائے کرام کی کوئی خاص تعداد ہے یہاں نہ دینی تعلیم کا کوئی چرچا ہے اور نہ اصلاحی تبلیغ کا کوئی معقول انتظام ہے سیاح قسم کے واعظ لوگ آجاتے ہیں اور کچھ منتشر مذہبی باتیں بتا کر چلے جاتے ہیں البتہ اس نواح میں سادات، مشائخ، صوفیہ کے چند خانوادے خاندان اور سلسلے چلے آرہے ہیں انہوں نے بڑی حد تک مسلمان قوم کی حفاظت کر رکھی ہے اور کم سے کم مرتبہ میں اس شعور دینی کو زندہ کر رکھا ہے جو آگے چل کر کسی بڑی تحریک کا کام دے سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس کی ہر تشریف آوری میں جوق در جوق مسلمانوں نے بیعت کر لی ہے اچھے خاصے مشہور خاندانوں اور خانوادوں کے مسند نشین حضرات نے محسوس کیا کہ ان کے بزرگوں کی روحانی میراث انہیں کے واسطے سے حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ خواجہ بختیار کاکی چشتی اوشی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان ذی شان کے سارے افراد نے بیعت کی ہے اور اسی طرح خواجہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت جلال الدین حسینی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے گھرانے کے افراد نے بھی بیعت کر لی اور حضرت غوث اعظم صمدانی، محبوب سبحانی، سیدنا سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نسب و نسبت رکھنے والے مشائخ نے بھی بیعت سلوک کر لی اور اس طرح ہزاروں مسلمانوں نے توبہ کر کے بیعت کر لی اور ان کے احوال میں جو تغیرات ظاہری و باطنی ہو رہے ہیں وہ نسبت روحانیہ حسینیہ کے کمالات میں شمار کئے جا رہے ہیں مشائخ و طریقت کے حلقوں میں دیوبند اور علماء دیوبند اور دار العلوم کے بارے میں جو شکوک و شبہات تھے وہ سب یکسر ختم ہو چکے ہیں ان اسفار مفیدہ کی تفصیل تو ان شاء اللہ بعد میں کتابی شکل میں مرتب کی جائے گی فی الحال اجمالی یادداشت عرض کی جاتی ہے۔

سب سے پہلا سفر جیسا کہ خود حضرت اقدس قدس اللہ سرہٗ نے راقم الحروف کے استفسار پر ارشاد فرمایا تھا کہ ۱۹۳۲ء میں کوکناڈا کا سفر فرمایا تھا جہاں جمعیۃ علماء کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا اور اس کی صدارت فرمائی تھی اتفاقی طور پر اس سال لگ بھگ تاریخوں میں تمام جماعتوں کے اجلاس ہو رہے تھے رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی صدارت میں کانگریس کا اجلاس اور خادم کعبہ مولانا شوکت علی مرحوم کی صدارت میں آل انڈیا خلافت کمیٹی کا اجلاس ہوا تھا اسی طرح تمام ہندوستان کے سیاسی کارکنوں کا عظیم اجتماع تھا اس موقع پر مدراس کے معزز اہل دولت و ثروت اور اہل فضل و کمال نے حضرت اقدس کو دعوت دیکر مدراس بلایا تھا۔ اور حضرت اقدس کے پیر کے مرید مخلص جناب شیخ میراں صاحب مرحوم نے خاص طور پر پیارم پیٹ بلا کر مواعظ حسنہ کا انتظام کیا تھا اور اسی سفر کے دوران حضرت مولانا مولوی محمد عمر صاحبؒ اور ان کے لائق و فائق فرزند مولوی ڈاکٹر عبد الحق صاحب کی دعوت پر کرنول بھی جانا ہوا تھا اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں بلگام کانگریس سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ کرنول اور مدراس و پیارم پیٹ کا سفر بھی فرمایا گیا ہے۔

پھر برسوں کے بعد ۱۹۳۸ء میں اندھرا مسلم نیشلسٹ کانفرنس کی صدارت کے لئے گنٹور آنا ہوا تھا جس موقع پر مسلمانوں میں لیگی اور کانگریسی کش مکش زوروں پر تھی بحمد اللہ اس دور میں بھی مسلمانوں نے سیاسی اختلافات کے باوجود حضرت اقدسؒ کے مذہبی تقدس مآبی کا لحاظ کیا اور جامع مسجد گنٹور میں نماز جمعہ کی اقتداء کی اور مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوئے البتہ سیاسی کانفرنس کی مخالفت متانت و سنجیدگی کے ساتھ کی اور تہذیب و ادب کو ہاتھ سے جانے نہ دیا گنٹور کی چھوٹی مسجد کا احاطہ گواہ ہے کہ اس میں بہتوں نے بیعت کا شرف پایا اور اسی سفر میں بجواڑہ میں کالیس راؤ کے مکان میں فروکش ہوئے اور گو مختصر قیام رہا اس میں بھی اپنے معمولات کے ساتھ بیعت کا فیضان جاری رہا پھر برسوں جنوبی ہند تشریف نہ لا سکے یہاں تک کہ اپنے وصال سے چار سال قبل اہل بنگلور کی مخلصانہ دعوت پر تشریف آوری ہوئی اور اس کے دوسرے سال سفر حجاز مقدس درپیش ہو گیا پھر تیسرے سال اہل پیارم پیٹ کی دعوت پر تشریف لانا ہوا پھر چوتھے سال گویا جنوبی ہند کا سفر ایسا کیا کہ سفر آخرت سے پہلے پہلے یہی سفر وینا تھا یہ آخری سعادت دعوت دینے کی اور فیض حاصل کر لینے کی اہل بنگلور ہی کے باعث ہوئی۔

اہل بنگلور نے منظم طریق پر ایک مجلس استقبالیہ بنائی اور مولانا حافظ سید محمود قادری جو بنگلور کے قدیم استاذ اور معمر بزرگ ہیں ان کی صدارت میں دعوت دی اور بڑے اہتمام سے پریس کے ذریعہ حضرت اقدس کی تشریف آوری کی اطلاعیں عام کی گئیں اور ہر جگہ سے مجلس استقبالیہ کو خطوط پہنچ گئے کہ پورے جنوبی ہند میں دورے کرائیں زحمت دی جائے چنانچہ بنگلور میں کئی دن قیام رہا مواعظ حسنہ کا عمدہ انتظام کیا گیا تھا شہر کے مشہور محمد علی ہال میں وعظ ہونے کے علاوہ خاص خاص پنڈال بنائے گئے اور ہر طرح سے عوام و خواص کے استفادہ کی سہولتیں مہیا کی گئیں بیعت کے لئے وسیع پیمانہ پر اعلان کر کے خواتین کے لئے الگ مردوں کے لئے الگ بندوبست کیا گیا شہر کے تمام معزز قومی و مذہبی کارکن، مسلم تجار سیاسی لیڈر اور ایڈیٹر صاحبان نے پوری دلچسپی لی اور اس طرح ہزاروں مواعظ سے مستفیض ہوئے سینکڑوں نے بیعت کا شرف پایا کہیں نئی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور کہیں زیر تعمیر مسجد کی تکمیل کے لئے دعائیہ جلسہ ہوا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ بنگلور کے مسلمانوں نے ہفتہ بھر کے لئے اپنے آپ کو کاروبار دنیوی سے فارغ کر کے فیض یاب ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے اور جن لوگوں کو دیوبند پر اعتراض تھا وہ خود معترف تھے کہ حضرت اقدس کا مبارک چہرہ دیکھتے ہی شبہات حل ہو گئے اور بعض برملا کہنے لگے اگر وہ حضرت اقدس کی زیارت سے مشرف نہ ہو جاتے تو شاید کسی مناظرہ اور کسی علمی تحقیق سے بھی وہ بزرگان دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کے بارے میں خوش گمان ہونے والے نہ تھے۔

غرض اہل بنگلور نے اپنے لئے ایک اجر غیر ممنون مہیا فرمایا جو جنوبی ہند میں مدتوں یادگار رہے گا اور اہل بنگلور کے نامۂ اعمال میں تابناک دکھائی دے گا۔

بنگلور کے بعد میسور تشریف لے گئے وہاں جمعیۃ علماء کے ارکان تھے اور جلسہ بھی ہوا تھا وہاں سے واپسی پھر بنگلور ہوئی۔ بنگلور سے کار کے ذریعہ وانم باڑی، عمر آباد، پیارم پیٹ گڑیالم دلتور، ویلور، ریشارم مدراس، کڑپہ، رائے چوٹی، پھر کڑپہ، پھر مدراس ہو کر گنٹور بجواڑہ ہو کر براہ ناگپور، دہلی، دیوبند مراجعت ہوئی۔

اس کے بعد دوسرا سفر تیسرے سال ہوا اور خاص اہل پیارم پیٹ خصوصاً بزم حسینی کے نوجوان اراکین کے عزم و حوصلہ اور خلوص کا نتیجہ تھا کہ حضرت اقدس تشریف لائے پہلے مدارس پھر ریشارم پھر ویلور، پھر پیارم پیٹ جہاں سات دن قیام رہا۔ دوران قیام عید الاضحیٰ کی امامت فرمائی، خطبہ ارشاد فرمایا اور نماز عید پڑھائی اور پھر جمعہ کی بھی دوسرے دن مسجد چوک میں امامت فرمائی۔

پیارم پیٹ سے عمر آباد، آدم لور، وانم باڑی ہو کر بنگلور پہنچے اور وہاں سے ہند وپور گئے پھر واپسی بنگلور ہوئی، پھر میسور، کورگ مرکارہ جانا ہوا پھر واپسی بنگلور ہوئی پھر تنہ چناپلی ہو کر مدراس آئے پھر مدراس سے رائے چوٹی، کڑپہ، کرنول، گنٹور ہو کر پھر مدراس آنا ہوا وہاں سے اسی روڈ سے ہو کر ستیہ ننگلم گئے پھر واپسی مدراس ہوئی اور ناگپور ہو کر دہلی سے دیوبند مراجعت فرمائی ہوتی۔

پھر ایک مرتبہ اہل بنگلور کی قسمت کا ستارا چمکا اور انہوں نے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دے دی بانس کنڈی آسام کے آخری روحانی کیمپ میں کام ہو چکا تھا صرف تتمہ سا باقی رہ گیا تھا وہاں سے واپسی کے بعد برابر دعوت نامے جاتے رہے اور جواب آتا رہا مزاج ناساز ہے یہاں تک کہ بنگلور سے آخری دعوت نامہ حاجی شیخ عبد اللطیف صاحب سلمہ اور ان کے رفیق طریق حاجی موسیٰ خان صاحب کا پہنچا جس میں بہت سادے طرز پر مگر گہری عقیدت مندی کے تحت عرض معروض کیا گیا کہ ہم دور افتادہ آپ کے قریب آنے کے کسی طرح قابل نہیں آپ آئیں اور ابر کرم برسا جائیں۔ جواب آیا ذرا مزاج سازگار ہو جائے تو حاضر ہو جاؤں گا چنانچہ دوسری اطلاع آگئی کہ آ رہا ہوں۔ تشریف لائے ہفتہ بھر قیام بنگلور میں رہا پھر وانم باڑی، پیارم پیٹ۔ ویلور ارکونم۔ ویشارم، رائے چوٹی، مدراس ہو کر ایسے واپس ہوئے کہ پھر ناسوتی ملاقات کا دروازہ ہی بند ہو گیا ہے اب ملکوتی ملاقات کے لئے ذکر و شغل و مراقبہ اور روحانیت درکار ہے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام تو!

رائے چوٹی (آندھرا پردیش) کی جامع مسجد میں آخری امامت نماز مغرب کی فرمائی آخری وعظ رائے چوٹی کے مدرسہ امدادیہ میں فرمایا یہ وہ آخری مدرسہ ہے جس کا انتظام مولانا مولوی ڈاکٹر عبد الحق صاحب اور ایک کمیٹی کے حوالہ فرمایا اور دعائیں دیں۔

اب اہل دل اصحاب سے آخری گذارش یہ ہے کہ ایک عالم، حافظ، قاری جو دارالعلوم دیوبند کا فاضل ہو اور حضرت اقدس سے بیعت شدہ ہو اس کو مدرسہ امدادیہ کے شعبہ دینیات کے لئے مقرر فرمادیں اور اس کا ثواب جاری حضرت اقدس کو پہنچ دیا جائے۔

◻◻◻◻
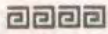
آفتابِ علم و عرفان

تھا سب سے جس کو پیار وہ انساں چلا گیا
یعنی کہ فخرِ گبر و مسلماں چلا گیا
ٹھوکر سے جس کی قصرِ فرنگی بھی کانپ اُٹھا
وہ غازی و مجاہدِ دوراں چلا گیا
سیراب ہو رہے تھے ابھی تشنگانِ علم
محفل سے اُٹھ کے ساقیٔ عرفاں چلا گیا
نازاں تھے جس کی ذات پہ خود زہد و اتقا
جانِ سخا و صاحبِ ایماں چلا گیا
کس کو دکھائیں داغ دلِ بدنصیب کے
کس سے کہیں کہ جانِ عزیزاں چلا گیا

تم نے کبھی خدا کو بھی اپنے گلی کوچوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے؟ کبھی خدا کو بھی اس کے عرش عظمت جلال کے نیچے فانی انسانوں سے فروتنی کرتے دیکھا ہے؟ تم کبھی تصور بھی کر سکے کہ رب العالمین اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کے تمہارے گھروں میں بھی آکر رہے گا؟ تم سے ہم کلام ہو گا؟ تمہاری خدمتیں کرے گا؟

نہیں، ہرگز نہیں ایسا نہ کبھی ہوا ہے نہ کبھی ہوگا۔

تو پھر کیا میں دیوانہ ہوں، مجذوب ہوں کہ بڑ ہانک رہا ہوں؟ نہیں بھائیو، یہ بات نہیں ہے۔ سڑی ہوں نہ سودائی جو کچھ کہہ رہا ہوں، سچ ہے حق ہے مگر سمجھ کا ذرا سا پھیر ہے حقیقت و مجاز کا فرق ہے، محبت کا معاملہ ہے اور محبت میں اشاروں، کنایوں سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ محبت، بے پردہ سچائی کو گوارا نہیں کرتی۔ کچھ بند بند، ڈھکی ڈھکی، چھپی چھپی باتیں ہی محبت کو راس آتی ہیں

حدیث شریف میں ارشاد ہوا ہے خدا کے ایسے بندے بھی ہیں جنہیں دنیا پھٹے پرانے کپڑوں، میلے کچیلے حال میں دیکھ کر منہ بنا لیتی ہے مگر دنیا کو کیا معلوم کہ یہی بندے اگر خدا کے مقابلے میں بھی قسم کھا لیتے ہیں تو خدا ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔

لَواَقْسَمُوْ علی اللّٰہ لَاَبَرَّہٗ (اوکما قال)

اور ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہے ایسے بندے بھی ہیں کہ ان کی صورت دیکھتے ہی خدا یاد آجاتا ہے (اوکما قال)

اللہ اکبر: تم نے بھی ایک ایسے ہی بندے کو اپنی انہی مادی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ہم نے بھی ایک ایسے ہی بندے کو اپنی انہی مادی آنکھوں سے دیکھا ہے یہ بندہ ہماری گلیوں میں پھرا کرتا تھا ہم گنہگاروں کے سامنے بھی خاکساری سے جھک جایا کرتا تھا، ہمارے گھروں میں آکر ٹھہرا کرتا تھا۔ سب باتیں کیا کرتا تھا۔ میٹھی میٹھی باتیں، ہماری خدمتیں بجا لایا کرتا تھا حد یہ ہے کہ جلالت قدر وشان کے باوجود ہم روسیاہوں کے پاؤں تک دبانے لگتا تھا۔

تو پھر خدارا بتاؤ جن آنکھوں نے گزشتہ گاڑھے میں ملفوف اس بندے کو دیکھا ہے وہ کیوں نہ کہیں ہم نے خود اللہ بزرگ برتر کا جلوہ اپنی اسی سرزمین پر دیکھا ہے؟

حسین احمد اور تم کیا جانو حسین احمد کو؟ بے شک گوشت پوشت کا ڈھانچہ، خاک کا پتلا، آدمی، محض آدمی، سراسر آدمی، مگر ؎

نگاہ برق نہیں ، چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

مجاہد اعظم، اسدٌ من اسد اللہ، نمونۂ سلف صالحین، نموذج خُلُق رسول رب العالمین ہدایت کا مینار، عزم وہمت کا سنگِ میل گمراہی کی گھٹاؤں میں بدر منیر، اہل باطل پر شمشیر برہنہ اہل حق پر رحمت کا سایہ، حسن تقویٰ وطہارت کا مجسّمہ، آسمان رشد کے تاروں میں سے ایک تارہ، مگر سب سے زیادہ تاباں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حسین احمدؒ کے بارے میں کچھ کہنا ہی سب کچھ کہنا ہے۔ سب کچھ کہہ دینا ہے۔ سورج کی تعریف کرنے بیٹھ جاؤں تو آپ خود جانتے ہیں، دنیا مجھے کیا سمجھے گی۔

امابعد — دسمبر ۱۹۱۷ء میں شریف مکہ کی بغاوت نے انگریزی ہتھیاروں کی بدولت حج بیت اللہ کا رستہ کھول دیا۔ میں مصر میں تھا اور حالات کچھ ایسے تھے کہ انگریزی حکومت مجھے ہندوستان آنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ حج کے بہانے میں حجاز پہنچا اور مقام منیٰ میں حضرت شیخ الہند کی زیارت ہوگئی۔

سبحان اللہ! آسمان پر بھی کسی فرش فروش کا کوئی انتظام ہے؟ صوفے بچھے ہیں؟ شاندار فرنیچر کی سجاوٹ ہے؟ — ان آنکھوں نے ایک سادہ سی مجلس برپا دیکھی۔ ایک آفتاب جلوہ گر تھا۔ اور ستارے حلقہ بنائے اس آفتاب جہاں تاب پر نثار ہو رہے تھے! ایک منحنی سا آدمی بیٹھا تھا۔ صدر میں نہیں تھا، لیکن صدر بنا ہوا تھا۔ غیرت حق کی شعاعیں ناتواں شخص

سے پھوٹ پھوٹ کر مجلس کو بقعۂ نور بنائے ہوئی تھیں عزم حیدری، شجاعت فاروقی، استقامت صدیقی کے جلوے تھے کہ پڑے برس رہے تھے۔ دنزی الرجل۔

یہ تھی مجلس، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن کی، اور اس بزم ملکوتی میں ایک ستارہ سب سے زیادہ روشن، سورج سے سب سے زیادہ قریب، بلکہ سورج پر پروانے کی طرح ٹوٹا پڑتا دکھائی دیا۔ یہ ستارہ حسین احمد کے سوا کون ہو سکتا تھا؟

اتقیاء و ابرار و اطہار کے حالات لکھو تو ایک بڑی بے آبروئی سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے عاصی و پر معاصی کو بھی بزرگوں کے ایمان پرور تذکرے میں کچھ اشارے اپنی مذموم و ممقوت ذات کی طرف مجبوراً کرنا ہی پڑتے ہیں کہ سلسلۂ زلف وگیسو ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے ؎

مقصد ہے ناز و غمزہ دلے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

تو اس عاجز کی باریابی حضرت شیخ الہند کی بزم اقدس میں ہو گئی لطف و محبت و شفقت کے روح پرور طوفان نے اپنی مبارک موجوں پر اٹھا لیا، عربوں پر انگریزوں کا جل اپنا کام کر چکا تھا اور عرب یقین کر بیٹھے تھے کہ غلامی سے نجات کی کنجی بس انگریزوں کے ہاتھ میں ہے خود میرے رفیق درس مفتی امین حسینی، شیخ یوسف یاسین، شیخ حسن وجانی شیخ عبدالعزیز عتیقی وغیرہ، سبھی اس فریب کا شکار تھے حد یہ ہے کہ خود میرے استاد، علامہ سید رشید رضا مرحوم و مغفور بھی بسم اللہ کے اسی گنبد میں سانسیں لے رہے تھے ان حضرات میں کوئی بھی غدار، بے ایمان نہ تھا مگر فریب خوردہ تھے اور میری لسانی جنگ ان سب سے برابر جاری تھی حتیٰ کہ اپنے شیخ اور استاد سے بھی اور میں کبھی کبھی جوش میں آکر نادانی سے حضرت استاد مرحوم سے سخت کلامی کی معصیت میں بھی مبتلا ہو جاتا تھا۔

شیخ الہند مرحوم کی مجلس میں میرے استاد کا بھی ذکر چھڑ گیا کہ چوٹی کے عرب لیڈر اور دنیائے اسلام میں بلند علمی، ادبی، دینی مقام رکھتے تھے، مولانا حسین احمد صاحب جوش جہاد سے لبریز تھے، میرے استاد پر برس ہی تو پڑے۔ اب اپنی نادانی پر افسوس ہوتا ہے میں نے بھی سخت جواب دیئے۔ اس پر حضرت شیخ الہند نے ہم دونوں کو بڑے ہی لطف اور سچی بزرگانہ شان سے ٹھنڈا کر دیا اس کے بعد عنایتوں اور شفقتوں کی وہ بارش ہوئی کہ جیتے جی بھول ہی نہیں سکتا ادھر کی گستاخیوں کا جواب ادھر سے خلق عظیم کرم عمیم کی صورت میں ملا۔ ان گنہگار آنکھوں کے سامنے سلف صالحین کے نہ جانے کتنے مبارک نمونے آگئے اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جانشینوں نے اپنے برتاؤ سے اس آیت کریمہ کی عملی تفسیر سمجھا دی۔ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک"

زمانے نے اپنے بہت سے ورق پلٹ دیئے ان ورقوں میں حضرت شیخ الہند مرحوم اور ان کے تلمیذ رشید کی مکہ معظمہ میں عبرت انگیز گرفتاری اور پھر مالٹا میں نظر بندی کی داستان بھی چھپی ہوئی ہے۔

مگر نہ یہ داستان آج چھیڑی جا سکتی ہے نہ وہ روح پرور داستان جس کا تعلق کلکتہ سے ہے ۱۹۲۱ء میں ترک موالات کی تحریک نے کلکتہ کی سرکاری عربی دینی درسگاہ مدرسہ عالیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ایک نیا عظیم الشان دینی مدرسہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھوں قائم ہو گیا گاندھی جی نے آکر مدرسے کا افتتاح کیا۔ مولانا حسین احمد مرحوم صدر مدرس بنے اور اس عاجز کو ان کے قدموں میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ داستانیں پھر کبھی سنائی جائیں گی صدمہ بہت ہی بڑا ہے۔ قلب میں نہ سکون ہے نہ پوری صفائی لیکن یہ شکوہ کیے بغیر نہیں رہا جاتا کہ آپ خود تو خوش خوش عمل سے مطمئن چلے گئے اور ہم گنہگاروں کو دنیا میں چھوڑ گئے۔ یقیناً پیچھے رہ جانا بدنصیبی ہے بے شک ہم صید معاصی ہیں۔ ایسے بزرگوں کے ساتھ جانے کے حقدار بھی نہ تھے مگر ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ رحمت حق کے جوش میں آجانے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے عجب نہیں کسی دن بچھڑ جانے والا یہ نفس قدسی اور ہم خطاکار دونوں اس ارشاد ربانی کا مصداق بن جائیں۔ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا۔

اس دن بدنصیبوں کے نصیب بھی جاگ جائیں گے اور ہم سب باذن اللہ حضرت شیخ الہند حضرت مولانا مدنی اور جملہ صالحین و شہداء و صدیقین کیساتھ روح و ریحان و جنات النعیم میں عجیب عالم کیف و سرور میں موجود ہونگے و آخر دعوانا ان الحمد رب العالمین۔
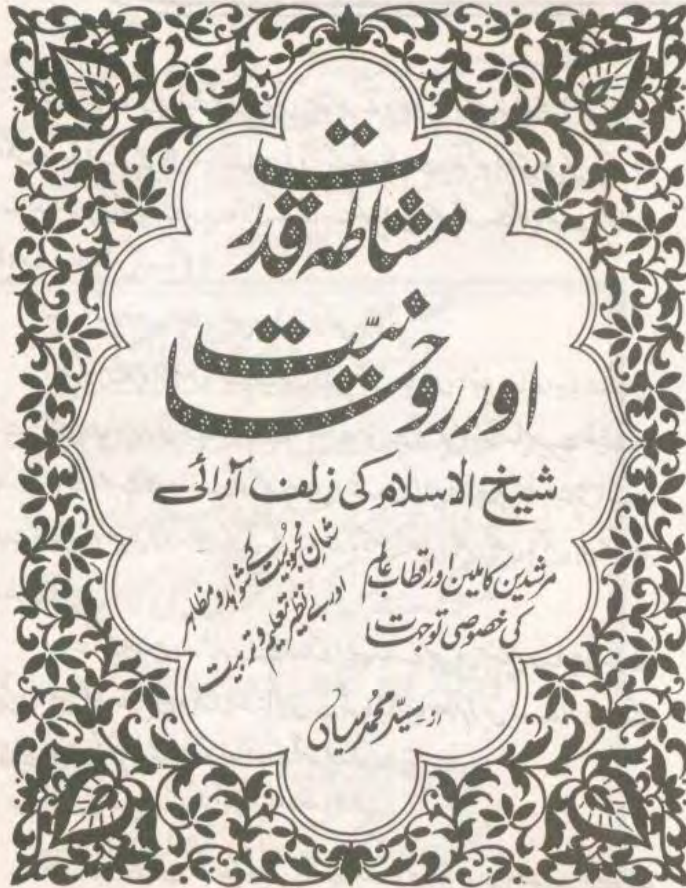
چہ فتنہ است کہ مشاطہ قضا انگیخت
کہ کرد نرگس مستش سیہ بسرمۂ ناز

(حافظ)

انبیاء علیہم السلام کی تربیت جس طرح الطاف خصوصی کے گہوارے میں ہوا کرتی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ الرحم الراحمن رب العالمین عزوجل رحمتیں اور خصوصی عنایتیں شروع ہی سے انبیاء علیہم السلام کو آغوش رحمت میں چھپا لیتی ہیں اور جس طرح مادر مشفق اپنے معصوم بچے کو کبھی

کلیجے سے لگاکر اور کبھی چھاتی سے چمٹاکر بری ہواؤں سے بچاتی ہے اسی طرح قدرت خداوندی کا دامن عصمت انبیاء علیہم السّلام کی روحانیت کو ہر موقع پر مفاسد کی تمام مسموم ہواؤں سے معصوم اور مامون رکھتا ہے سوال یہ ہے کہ عصمت او حفاظت خداوندی کا یہ دامن کیا ان پاک بندوں کو بھی میسّر آجاتا ہے اور کیا رحمت حق جل مجدہٗ کا چشمہ فیض اور اس کے لطف خصوصی کی نسیم روح افزا۔ ان مخصوص بندوں کے روحانی نشوونما میں بھی آگے بڑھ کر حصہ لیتی ہے جن کو وارث نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیثیت سے سربلند کرنا ہوتا ہے اور اقامت دین تجدید دین، احیاء سنت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی پیغمبرانہ خدمت ان کے سپرد ہوتی ہے۔

مرشد عالم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کو جس طرح جلیل القدر مشائخ طریقت اور سلسلہ ارشاد و تلقین کے ائمہ وقت اور اقطاب عالم نے شروع ہی سے توجہات خصوصی کے دامنوں میں چھپایا۔ وہ اس کا ثبوت ہیں اور اس حقیقت کی زندہ مثالیں ہیں کہ جس کو سلسلہ ارشاد و تلقین کا شجر طوبیٰ بنانا ہوتا ہے اُسکی آبیاری کے لئے شروع ہی سے چشمہائے فیض کی سوتیں کھول دی جاتی ہیں اور مشاطہ قدرت شروع ہی سے ان کے روحانی خدوخال اور کمالات باطنی کے گیسو اور زلفیں سنوارنے میں مصروف ہوجاتی ہے کسی قدر تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ العزیز کے والد ماجد سیّد حبیب اللہ صاحب صرف نام ہی کے حبیب اللہ نہیں تھے بلکہ زہدوتقوٰی اور روحانی کمالات کے لحاظ سے بھی اللہ کے حبیب تھے تمام عمر قطب عالم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی (قدس اللہ سرہ العزیز) کے دامن ارشاد سے وابستہ رہے اور جب یہ آفتاب غروب ہوا تو لالہ زار وطن غبار زار معلوم ہونے لگا جنون عشق نے دیار حبیب کی رہنمائی کی اور آستانہ محبوب رب العالمین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جاکر سکون حاصل کیا۔ اس طرح کہ پھر ساری عمر وطن کا رخ نہیں کیا۔

ہونہار بچے کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آنے لگتے ہیں یہ نونہال جس کا تاریخی نام "چراغ محمد" تھا والد ماجد کی کشفی نگاہوں نے اس چراغ کی لو سے سعادت کی روشنی جھلکتی دیکھی تو اس دُرِ شاہوار کو گھر سے اٹھایا آستانہ شیخ پر حاضر ہوئے اور حضرت مرشد کی آغوش شفقت میں خصوصی توجہات اور مقبول دعاؤں کے لئے پیش کر دیا۔

قطب عالم کی نظر التفات، دور طفولیت کی پہلی پیش رفت اور انتخاب رحمت ایزدی کی پہلی تجلی تھی جو عظیم الشان مستقبل کی غمازی کر رہی تھی۔

(۲) ابھی سن شعور کا آغاز تھا کہ نسیم سعادت نے والد ماجد کے قلب منور میں ایک اور اُمنگ پیدا کی اور اس نونہال چراغ محمد کو تعلیم و تربیت کے لئے اس کی بارگاہ میں پہنچا دیا جس کو دنیا قطب العالم، شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے نام سے پہچانتی ہے اب ایک طرف آفتاب معرفت تھا اور دوسری طرف آبگینہ شفاف اور فیض اندوزی کا شیشہ آتشی، اس آفتاب کی شفقت بھری کرنوں کا اندازہ اس سے کیجئے کہ باوجودیکہ یہ آفتاب معرفت (مولانا محمود الحسن صاحبؒ) دارالعلوم دیوبند کا صدر المدرس ہے اور حریت پسند لوٗ خیز رہنماؤں کا رہنما۔ جس کے اوقات بخاری شریف اور مسلم شریف کے درس میں یا بلند ترین سیاسی اور ملی مشاغل میں صرف ہوتے ہیں مگر اس آبگینہ شفاف کو آئینہ علم و فضل اور گنجینہ معرفت بنانے کا یہاں تک شوق ہے کہ دستور المبتدی جیسی ابتدائی کتابیں جن پر نظر ڈالنا بھی دارالعلوم دیوبند جیسی یونیورسٹی کا صدر المدرسین اور پرنسپل اپنی توہین سمجھتا ہے یہی دستور المبتدی اس چراغ محمد کو بذات خود سبقاً سبقاً پڑھاتا ہے اور اپنی مشفقانہ توجہات سے اس زرِ خالص کو کندن بناتا رہتا ہے۔

ماتم شیخ الاسلام رح

(از نتیجہ فکر سید شاہ محمد منظور الرحمٰن اختر کاکوی)

بہ وفات حسین احمد آہ — چرخ نالد بہ حالِ زارِ زمیں
چوں نہ گریہ کُند دلِ غمگیں — بُود سرمایۂ زاہلِ دیں
من چہ گویم گزشت آنچہ گزشت — چوں شنیدم صدائے غم آگیں
اہلِ علم، اہلِ زُہد، اہلِ صفا — اہلِ دل، اہلِ فضل، اہلِ یقیں
غرق بودم بہ فکرِ سالِ وصال — گفت ہاتم مرامشو غمگیں

کمرو پائے روح بشکستہ
ماتمِ شیخ گو ز قلبِ حزیں [۱۴]

۱۳۷۷ھ — ۱۴-۱۳۹۱

وا دریغ قطب الاقطاب زمن
جانشینِ شیخ محمود الحسن
آں حسین احمد امام المسلمین
شد خراماں جانبِ خلدِ بریں
اشکہائے
از پئے سالِ وصالِ آں ہمام
گفت ارشق زاہد ذی احترام
۱۳ ھ ۷۷
غم
بادشاہے اکبر از عالم برفت
۱۳ ھ ۷۷
دو ہزار و سہ صد و ہفتاد و ہفت
۱۳ ھ ۷۷
از
بیقرار
عبد القیوم ارشق

دوسری طرف اس آبگینہ سعادت کی یہ سعادت مندی ملاحظہ فرمائیے کہ ایک روز زنانخانہ بارگاہ شیخ الہند کے خدام کو مہتر کی تلاش ہوتی ہے تاکہ سڑی ہوئی گندی نالی کو صاف کر دے تو مہتر ابھی تک پہنچا نہیں ہے مگر نالی صاف ہو کر اس طرح دھل چکی ہے کہ آج تک ایسی کبھی بھی نہیں دھلی تھی۔ مہتر جب آتا ہے خدام ڈانٹتے ہوئے اس کو نالی پر لے جاتے ہیں کہ نالی کی گندگی دکھائیں گے مگر وہاں نالی ایسی صاف ہے کہ گویا گندگی کا کبھی یہاں گزر ہی نہیں ہوا تھا۔ اب گندگی کی شکایت کی بجائے صاف کرنے والے کی تحقیق شروع ہوتی ہے پتہ چلتا ہے کہ وہی نونہال جس کی عمر مشکل سے تیرہ چودہ سال ہوگی، جو سعادت ابدی کی جھولیاں بھرنے کے لئے فیض آباد سے آیا ہوا ہے یہ اسی کے خاموش جذبات کی معصومانہ حرکت ہے۔ ؎

در ازل پرتو حسنت ز تجلی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہمہ عالم زد

تقریباً دس سال تک ایک طرف سے لطف و عنایت کی تجلی اور دوسری جانب سے فدائیت و ایثار کے دامن میں گل چینی اور ضیاء اندوزی کا سلسلہ جاری رہا۔

مستورات کے منشی

اس موقع پر ایک لطیفہ سے بھی آپ لطف اندوز ہو لیجئے اور میرے والدین مرحومین کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا بھی فرما دیجئے کیونکہ اس لطیفہ کے راوی وہی ہیں (اگرچہ اس کی طرف خود حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ العزیز نے بھی نقش حیات میں اشارہ فرمایا ہے ملاحظہ ہو صـ۲۲/۱) حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی اہلیہ محترمہ اور احقر کی نانی صاحبہ چچیری (عم زاد) بہنیں تھیں والدہ مرحومہ اگرچہ حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز سے بیعت ہوئیں مگر جب حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کا اسم مبارک زبان پر آتا تھا تو ان کا بچپن میری والدہ محترمہ کی نظروں میں پھر جاتا تھا۔ وہ فرمانے لگتی تھیں ـــــ وہی مولانا حسین احمد ٹانڈہ والے جو حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز کے یہاں اولاد کی طرح رہا کرتے تھے اور گھر میں ان کا خاص کام یہ تھا کہ جس نے فرمائش کر دی اس کا خط لکھا کرتے تھے۔ اس لئے عورتوں کے منشی مشہور ہو گئے تھے۔

قطب عالم امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز سے قلبی واسطہ اور بیعت

بہر حال علوم ظاہری کی تکمیل اپنی آخری منزل پر تھی کہ اس آفتاب علم و فضل، استاد و مربی حضرت مولانا محمود الحسن (شیخ الہند) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائش کر کے قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے حلقۂ ارادت میں داخل کرا دیا یہی وقت تھا کہ والد صاحب کی رفاقت میں سفر حجاز شریف کی تیاری ہو رہی تھی۔ پس حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت تو بلا پس و پیش کر لیا کیونکہ قلبی مناسبت محسوس فرمالی (نقش حیات صـ۸۸) مگر تربیت اس کے حوالہ کر دی جس کی قطبیت پورے عالم اسلام میں تسلیم شدہ ہے یعنی قطب عالم شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز۔ اور ارشاد ہوا۔

میں نے بیعت ذکر لیا، اب تم مکہ معظمہ جا رہے
ہو وہاں حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب
قدس اللہ سرہٗ العزیز موجود ہیں ان سے عرض کرنا
وہ تلقین فرمائیں گے (ایضاً صـ۸۸)

یہ جویائے حق اور طالب حقیقت الشاب الصالح نوجوان سعادت مند نہیں مرشدین کامل کی توجہات اور عنایات خصوصی کے جواہر بے بہا سے دامن بھر کر اپنے خاندان کے مختصر قافلہ کے ساتھ اس بیت الحرام کا قصد کر رہا ہے جس کی آب و ہوا کھوٹوں کو کھرا اور کھروں کو کندن بنا دیتی ہے جہاں اس عالم مشاہدہ میں وہ شیخ کامل قطب وقت موجود ہے جس کی نظر کیمیا اثر سینکڑوں ذروں کو آفتاب بنا چکی ہے۔

صادق مصدوق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اللہ کے فرشتے طالب علم کے راستے میں پر بچھاتے ہیں تو وہ طالب حق کا استقبال کس شان سے کرتے ہونگے؟ ہمارے پاس کوئی ایسی خوردبین نہیں ہے جس سے اس استقبال کی کیفیت معلوم کر سکیں البتہ اتنا معلوم ہے کہ اس طالب حق (چراغ محمد مولانا حسین احمد صاحب کو) کارپردازان عالم ملکوت کچھ اشارے کرتے ہیں جن کی تعبیر راز دان حقیقت امام ربانی مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی طرف سے یہ دی جاتی ہے۔

منزل مقصود پر پہنچوگے (نقش حیات صـ۸۹)

قطب الارشاد مہاجر مکی کی خدمت میں باریابی

نور چشم حبیب اللہ منظور نظر فضل رحمن تلمیذ خاص محمود الحسن اور گوشہ خاطر رشید رحمہم اللہ زائر حرمین شریفین بن کر قطب الارشاد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی (رحمۃ اللہ علیہ) کی بارگاہ فیض پناہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ پاس انفاس وغیرہ کی تلقین حاصل کر کے چند روز کے قیام میں وہ محبوبیت حاصل کر لیتے ہیں کہ فرائض حج سے فراغت کے بعد جب حرم اقدس سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے روانگی ہوتی ہے اور رخصتی سلام کے لئے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو شیخ العرب و العجم خلاف معمول بے حد شفقت فرماتے ہیں اور پھر سر پر ہاتھ پھیر کر فرماتے ہیں۔

"تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں"

مولانا حسین احمد صاحب خاموش رہتے ہیں تو قطب الارشاد کا ارشاد ہوتا ہے۔

کہو ہم نے قبول کیا

چنانچہ حسب تلقین یہ الفاظ ادا کئے جاتے ہیں۔

اللہ کے سپرد کرنے کی توجیہ تو یہ کی جا سکتی ہے کہ قطب عالم کی بصیرت محسوس فرما رہی ہے کہ یہ ملاقات آخری ملاقات ہے چنانچہ چند مہینے کے بعد شیخ العرب والعجم قدس اللہ سرہٗ العزیز اس عالم سے رخصت ہو جاتے ہیں) اس لئے خاص طور پر اس رشیدی اور محمودی امانت کو اس ذات کے سپرد کیا جا رہا ہے جو حقیقی مربی، انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا محافظ اور ان کی روحانیت کا معلم ہوا کرتا ہے یعنی حضرت حق جل مجدہ لیکن اس سپردگی کا اعتراف و اقرار کرانا ایک رمز ہے جس کی توجیہ سے

اس ظاہر بین کی فہم ناقص قاصر ہے البتہ چند واقعات جو اس کے بعد پیش آئے ان کو اس سپردگی کی توجیح یا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

مثلاً بہت ہی تھوڑے عرصہ میں جس کو پورا ایک سال بھی نہیں ہوا سلسلہ چشتیہ قدس اللہ اسرارہم کی نسبت کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں اور گریہ کی حالت طاری ہونی شروع ہوگئی اس اثنا ئیں رویا ر صالحہ اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت با سعادت خواب میں بکثرت ہونے لگی نیز ذکر کی وجہ سے جسم میں بے اختیاری حرکات بھی ہونے لگیں (نقش حیات صہ۹۱)

یہ بے اختیاری حرکت سلطان الاذکار کی علامت ہے یہ کیفیت سالہا سال محنت کے بعد بھی بہت ہی مشکل سے حاصل ہوتی ہے مگر جس کی پرورش ابتداء سے اقطاب عالم کے آغوش میں ہو رہی تھی اور جو اس وقت عقیدت اور فدائیت کے تمام جواہر دامن میں لئے ہوئے بارگاہ محبوب رب العالمین میں حاضری دے رہا ہے جہاں ہر وقت انوار معرفت اور برکات قبولیت کی جھڑی برستی رہتی ہے وہ بادیہ پیما ر اگر سالہا سال کی منزلیں مہینوں اور ہفتوں میں طے کر لے تو تعجب کیا ہے بایں ہمہ یہ ظاہر ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ان کم نصیب بیہ بختوں کی کمی نہیں جو تلاش و جستجو کی وادیوں میں سرگرداں ہیں کہ کوئی خضر راہ ملجائے جو بازو پکڑ کر منزل تک پہنچادے مگر افسوس انہیں کوئی دست گیر نہیں ملتا اور وہ محروم القسمت بھی بکثرت ہیں جو خضر راہ کی نوازشوں کے بعد بھی یہی کہتے ہوئے واپس ہوتے ہیں۔

تہیدستان قسمت راچہ سو داز رہبر کامل
خضر از آبِ حیواں تشنہ لب آرد سکندر را

ہاں ایسے نصیبہ ور بہت کم اور بہت زیادہ قابل صد رشک ہیں جن کو قدم اٹھانے سے پہلے خضر کی دستگیری میسر آجائے اور جب چلنا شروع کر دیں تو عیسٰے نفس جبریل صفت مرشدوں کی سرپرستیاں ہر ایک قدم پر سایہ فگن رہیں۔

ہمیں حق تو نہیں ہے کہ ارباب سلوک کی اصطلاحات استعمال کریں مگر غالباً اسی شان کو ائمہ طریقت، شان محبوبیت کہتے ہیں ملاحظہ فرمایئے حضرت ممدوح (شیخ الاسلام) قدس اللہ سرہ العزیز کو یہی شان حاصل ہے۔ ذلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

اب اس کی برکات ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) ابھی اپنے مرشد کامل حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے باضابطہ خلافت نہیں ملی دستار خلافت کے لئے ابھی تیار ہی کیا جارہا ہے کہ بارگاہ امدادیہ (حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی جانب سے رویاء صادقہ میں خلافت مرحمت فرما دی جاتی ہے (ملاحظہ ہو نقش حیات صہ۹۶)

(۲) ائمہ طرق اربعہ آپ کے لئے دعا کرتے ہیں (نقش حیات صہ۱۰۷)

(۳) حضرت خواجہ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک کھجور کا تہائی حصہ آپ کو عطا فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ باقی دو حصے اور مشائخ کے ذریعہ پہنچائے جائیں گے نقش حیات صہ۱۰۸)

(۴) گیارہ بارہ اولیاء اللہ کبار مشائخ میں سے آپ کو اجازت بیعت عطا فرماتے ہیں (ایضاً صہ۱۰۸)

(۵) مواجہہ شریفہ میں جب کہ آپ بیدار ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت اس طرح ہوتی ہے کہ آپ ہیں اور ذات اقدس سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کوئی حجاب کسی قسم کا نہیں ہے (نقش حیات صہ۱۰۱)

اسارت مالٹا کی ریاضت اور حفظ کلام اللہ شریف کی برکت

یہ تمام بشارتیں اس دور کی ہیں جب آپ مدینۃ النبی وعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں اہل وعیال کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ اقتصادی مشکلات خواہ کتنی ہی ہوں مگر بہر حال سارے عزیز یکجا ہیں، اطمینان وسکون میسر ہے مدینہ منورہ کی کھلی ہوئی فضا میں آزاد ہیں دفعتاً ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اور جب کہ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اصول یہ ہے المرء یبتلی بقدر البلا یا یعنے جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے زنز دیکان را بیش بود حیرانی، تو یہ کہنا درست ہوگا۔ ترقی مراتب کی طرف کچھ قدم اور آگے بڑھائے جاتے ہیں "راضی برضا کا خوگر ہونا" جو ایک بلند ترین مرتبہ ہے اس کو سنت یوسفی کے معیار پر پرکھا جاتا ہے انفس اور اموال کی قربانیاں دلوا کر مقام خلیل اللہی کے لئے آراستہ کیا جاتا ہے کہ بھر صداقت جذبات کے ساتھ پکار سکیں اِنَّ صَلٰوتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

جس کی تفسیر یہ ہے کہ آپ (شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ) حق وصداقت کی حمایت کرتے ہوئے اپنے مشفق استاد ومربی، امام زماں، قطب عالم شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (قدس اللہ سرہ العزیز) کے ساتھ مالٹا تشریف لے جاتے ہیں اور آپ کے پیچھے والد ماجد، رفیقہ حیات اور صغیر سن لخت جگر یکے بعد دیگرے مصائب انقلاب کا شکار ہو کر نصاب تسلیم و رضا کو خود ہی مکمل کرتے ہیں اور اس پیکر ایثار واخلاص (شیخ الاسلام رحمۃ اللہ) کو بھی تکمیل نصاب کا موقع دے کر امتحان خلیل اللہی میں کامیاب بناتے ہیں۔

عمرے ست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من باز جلوہ دہم دار و رسن را

اچھا یہ سیادت عامہ کے لئے تیار ہونے والا ان تمام بشارتوں اور جملہ مشائخ کبار سے اجازت بیعت حاصل کر لینے کے بعد مالٹا کی چار سالہ اسارت میں اپنے مربی ومشفق استاد ومرشد کے ساتھ کیا کرتا ہے ذکر وفکر ومراقبہ کی منزلیں طے کرتے ہوئے کس طرح بلند ترین درجات پر فائز ہوتا ہے ہمیں اس کی تفصیلات کا علم نہیں ہے البتہ اتنا معلوم ہے کہ تبتل الی اللہ (سب سے الگ ہو کر صرف اللہ تعالےٰ کے ذکر وفکر میں مستغرق ہو جانے) کے اس دور میں اس کو محبوب حقیقی خدائے عز وجل کے کلام پاک سے شغف بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس اسارت سے رہائی پاتا ہے تو صرف حامل قرآن ہی نہیں بلکہ حافظ قرآن بھی ہے رحمۃ اللہ علیہ یہ شغف بچپن میں عموماً جبری ہوتا ہے لیکن اگر یہ شغف ذوق وشوق اور فہم سلیم کے تقاضے سے ہو تو خود حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز نے اس ناکارہ سے فرمایا تھا کہ

روحانیت کے انقلاب گاہ میں جو رنگ پیدا ہونا چاہیے وہ اگرچہ ذکر وفکر کے ذریعہ

جلدی پیدا ہوجاتا ہے مگر اس میں پختگی نہیں ہوتی۔ البتہ کلام اللہ شریف میں مشغولیت اور تلاوت کلام اللہ شریف کی کثرت سے جو رنگ پیدا ہوتا ہے اگرچہ وہ دیر سے پیدا ہوتا ہے مگر پختہ اور پائیدار ہوتا ہے۔

عقل وقیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کیونکہ کلام محبوب میں جو تاثیر ہوتی ہے وہ نام محبوب میں نہیں ہوتی۔ اگرچہ نام محبوب بھی محبوب ہوتا ہے اگرچہ وہ بھی باعث تسکین ہوتا ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

درگفت مشق نام لیبے مے کنم
خاطر خود را تسلی مے دہم

مگر ظاہر ہے کلام محبوب وصل محبوب ہے اور نام محبوب یاد وصل ——— اور تمنا ردِ وصل نہ کہ وصل۔

کشتی شکستہ گانیم اے بادِ شرطہ برخیز
شاید کہ باز بینم آں یار آشنا را

مختصر یہ کہ اس چار سالہ دور میں قرآن حکیم سے غیر معمولی شغف جس کے نتیجہ میں حفظ کلام اللہ شریف کی دولت میسر آئی وہ دولت جو احیاء لیل اور شب زندہ داری کے حقیقی لطف سے بہرہ ور کرتی ہے اس کا ثمرہ یہ ہونا چاہیے تھا اور یہی اثر ہوا کہ سابق کمالات میں نہ صرف ساتھ ساتھ پختگی اور پائیداری پیدا ہوگئی۔ وہ پائیداری جو زرِ خالص کے کندن بن جانے کے بعد ہوتی ہے وہ پائیداری جو بوئے گل کو کشید عطر کے بعد میسر آتی ہے جو نافہ ختن کو مشک بننے کے بعد نصیب ہوا کرتی ہے۔

اس عرصہ میں آپ کے استاد حضرت شیخ الہند نے قرآن پاک کا ترجمہ مکمل فرمایا حضرت شیخ الاسلام ان کے شریک اور معاون رہے یعنی حفظ کے ساتھ ساتھ تفکر وتدبر فی القرآن کا سلسلہ بھی جاری رہا اور جس طرح زبان اور حافظہ ورد کلام اللہ کی شادابیوں سے تر رہے غور و فکر کی تمام طاقتیں بھی حضرت حق جل مجدہٗ کی صفت کلام میں محو اور سرشار رہیں۔

۱۹۲۰ء میں جب آپ مالٹا سے رہا کر ہندوستان پہنچے تو ان فضائل وکمالات سے آپ کے دامن بھرے ہوئے تھے اور شیخ کامل اور مرشد طریقت کی حیثیت آپ کو حاصل تھی اور بقول حضرت مولانا الیاس صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز آپ وہ دریا ہضم کئے ہوئے تھے جس کا ایک جرعہ بھی بے خود کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے (ملاحظہ فرمایئے مضمون مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی شیخ الاسلام نمبر الجمعیۃ)

ان چند واقعات سے اس جمال جہاں آرا۔ اس حسن عالم افروز اور اس آرائش وزیبائش کا اندازہ ہوسکتا ہے جو مشاطہ قدرت کے دست فیض بخش نے آپ کے کاکل روحانیت کو عطا فرمایا تھا ہندوستان میں تشریف لانے کے بعد ۱۹۲۰ء کی ابتداء سے ۱۹۵۷ء تک یعنی کامل سینتیس سال کا ایک ایک لمحہ۔ تقوٰی، طہارت، ذکر، فکر، مراقبہ، اشتغال باللہ وفی اللہ، جہاد فی سبیل اللہ، اعلان حق، مجادلہ بالباطل، اعلاء کلمۃ اللہ، احیاء دین ترویج شریعت، اتباع سنت، تبلیغ، تلقین، ارشاد، درس حدیث وتفہیم قرآن وغیرہ وغیرہ میں صرف ہوا۔ جس طرح لاکھوں بیمار آپ کے دم عیسٰی سے شفایاب ہوئے۔ لاکھوں تشنگان علوم ظاہری وباطنی آپ کے دریائے فیض سے سیراب ہوئے وہ آج کی دنیا میں (جب کہ لاکھوں نگاہیں اس کا مشاہدہ کرنیوالی موجود ہیں) آفتاب کی طرح عیاں ہیں ایسی عیاں جن کا بیان کرنا تحصیل حاصل ہے البتہ اس عیاں اور زیر مشاہدہ فضائل وکمالات کے پیش نظر یہ فیصلہ کرلینا آسان ہے کہ اگر آپ کو اس دور ارشاد وتلقین کے آغاز سے پیشتر کارپردازان غیب کی طرف سے یہ بشارت دی گئی کہ آپ کو امام زمان اور افسر حج بنائیں گے (نقش حیات ص۱۰۹) اگر رویائے صادقہ میں آپ کے قدم کو سرور کائنات وفخر موجودات صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک مشابہ بتا کر اتباع سنت کی خوش خبری سنائی گئی (نقش حیات ص۱۰۵)

اگر یہ دکھا کر کہ آپ قینچی لئے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بڑی ہوئی لبیں اور بڑھے ہوئے ناخن تراش رہے ہیں تجدید دین واحیاء سنن کا شرف بخشا گیا اس میں نہ شک وشبہ کی گنجائش اور نہ تعجب کی ضرورت۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

به غمِ شیخ

۵۷ ۶ ۱۹

قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین

۵۷ ۱۹

حیف در چشم زدن دورِ خیار آخر شد
حسرتا ساعتِ تسکین و قرار آخر شد

دورِ علامہ حسین احمدؒ شیخ الاسلامؒ
خلفِ راشدِ اسلافِ کبار آخر شد

نازشِ طائفہ حاجی امدادِ الٰہ
رونقِ معرکہ منبر و دار آخر شد

آیۂ اِنَّ صَلاتی نصب العین کہ داشت
خلوت و جلوت آں لیل و نہار آخر شد

محورِ حُسنِ عمل، نقطۂ پرکارِ خلوص
پیکرِ زہد و تقا، آخر کار آخر شد

وائے بر ہند کہ از رفتنِ شیخ الاسلامؒ
دعوتِ دینِ متین سرّ و جہار آخر شد

گفت حاوی بہ صد افسوس سنِ رحلتِ شیخؒ
رُوِ گل سیر ندیدم بہار آخر شد

۵۷ ۶ ۱۹

ہم جن نفوس قدسیہ کو علمائے ربانی کا مرتبہ دے سکتے ہیں ہمارے نزدیک ان کا معیار اخلاق وکردار چار حسب ذیل اصول میں مضمر ہے یعنی، علم، عمل، روحانیت فیض۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) ان چاروں صفات میں پورے اترتے نظر آتے ہیں۔

ان کا علمی مقام پرکھنے کے لئے یہ معیار قطعاً کافی ہے کہ انہوں نے دارالعلوم دیوبند جیسی بے مثل درسگاہ میں تیس سال تک حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اسیر مالٹا اور حضرت امام الحدیث مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے بعد مسند صدارت درس وتدریس کو زینت بخشی اور مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم میں عرصہ تک تعلیم دی۔ چنانچہ خود نوشتہ سوانح عمری "نقش حیات" میں تحریر فرماتے ہیں

"١٣٢٠ھ سے ١٣٢٦ھ تک مسلسل طور پر میرا مشغلہ علمی مدینہ منورہ میں جاری رہا۔ تمام مشاغل معاش سے دست بردار ہو کر میں سفر گنگوہ سے واپس ہوتے ہی مسجد نبوی میں تعلیمی مشاغل میں تدریجاً منہمک رہا حتٰی کہ روزانہ چودہ چودہ کتابیں مختلف فنون کی پڑھاتا تھا"
(صد ١١٢ - ١١٣)

اس عبارت سے واضح ہے کہ مولانا مدنی منورہ میں مختلف علوم وفنون کی کتابوں کی تدریس ومطالعہ میں انہماک کے باعث علمی کمالات حاصل کر چکے تھے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"اسی وجہ سے دن اور رات میں تقریباً تین ساڑھے تین گھنٹے سونا ملتا تھا باقی اوقات مطالعہ یا تدریس یا ضرورت بشریہ میں صرف ہوتے تھے"

آپ کو آپ کے والد مرحوم سید حبیب اللہ صاحب نے اوائل صفر ١٣٠٩ھ میں جب کہ آپ کی عمر کچھ ماہ بارہ سال کی تھی دیوبند بھیج دیا تھا کیونکہ آپ کی پیدائش شوال ١٢٩٦ھ ہجری مطابق ١٨٧٩ء بدھ کی رات کو گیارہ بجے بانگو سو ضلع اناؤ میں ہوئی۔ دیوبند میں صفر ١٣٠٩ھ سے شعبان ١٣١٦ھ تک سات سال کے عرصہ میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم، مولانا منفعت علی صاحب، مولانا غلام رسول صاحب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا حکیم محمد حسن صاحب، مولانا خلیل احمد صاحب، مولانا ذوالفقار علی صاحب مولانا عبد العلی صاحب، اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب جیسے جلیل القدر علماء کی زیر تربیت وتعلیم رہنے کے باعث مولانا مدنی نے علوم وفنون میں بہت اونچا مقام حاصل کر لیا اور پھر آپ اپنے والد صاحب کے ساتھ شعبان ١٣١٦ھ میں مدینہ منورہ کو ہجرت کے لئے روانہ ہو کر ٢٤ یا ٢٥ ذلقیعدہ کو مکہ معظمہ پہنچے اور بعد ازاں ارکان حج سے فراغت حاصل کر کے محرم ١٣١٧ھ کی ابتدائی تاریخوں میں مدینہ منورہ پہنچ گئے ہجرت کی وجہ سے آپ کو مدنی نسبت حاصل ہوئی اور وہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

عمل

علم کے ساتھ عالم کو جب تک عمل کی توفیق نہ ہو وہ صحیح معنی میں عالم نہیں ہو سکتا بقول شیخ سعدیؒ:۔

علم چندانکہ بیشتر خوانی
چوں عمل نیست در تو نادانی

لیکن آپ نے قرآن وسنت پر تمام عمر عمل کر کے صحیح عالم ربانی ہونے کا ثبوت دیا انکی وضع وقطع نشست وبرخاست، رفتار وگفتار سے عمل کا مظاہرہ ہوتا تھا بلکہ عمل کا یہ پہلو جہاد فی سبیل اللہ تک پہنچا اور دین و وطن کی خاطر آپ نے جسمانی اور روحانی تکالیف کا تمام عمر مقابلہ کیا کئی دفعہ قید فرنگ کی طویل طویل کڑیاں جھیلیں اور استقلال، صبر ورضا کا وہ مظاہرہ کیا کہ جو علمائے امت اور مجاہدین کا شیوہ رہا ہے ایک عبادت کے مصلے پر راتوں کو مصروف ہیں تو دوسری طرف بخاری اور ترمذی کا سلسلہ درس صبح وشام جاری ہے۔ ابھی دیوبند میں قیام ہے اور ابھی ملک کی آزادی کی خاطر سیاست کی سٹیج پہ سرگرم تقریر ہیں اور ابھی جمعیۃ العلماء کے اجلاسوں

میں سرگرم عمل ہیں غرضیکہ یہ مرد مجاہد رات اور دن کے لمحوں میں ایک منٹ بھی جسمانی اور روحانی مشقت سے معطل ہونے کے لئے دنیا میں نہیں آیا تھا۔

روحانیت

عالم میں علم اور علم پر عمل کے علاوہ کمال کا ظہور اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ روحانیت میں قدم نہ رکھے بقول مولانا رومیؒ

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

چنانچہ مولانا مدنی مدینہ منورہ روانہ ہونے سے پہلے ١٣١٦ھ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو کر سلوک کی منزلیں طے کیں جو اپنے زمانہ کے عالم عارف باللہ اور مرشد بے بدل تھے بعد ازاں مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا جو قطب عالم تھے اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند اور مولانا رشید احمد صاحب قطب الارشاد کے پیر و مرشد تھے اور جن کی ذات کا فیض ہندوستان کے چپہ چپہ پر سایہ فگن تھا جنہوں نے ١٨٥٧ء میں انگریزوں کی مخالفت میں نمایاں حصہ لیا اور بالآخر انگریز کی حکومت میں رہنا گوارا نہ کرتے ہوئے مکہ معظمہ کو ہجرت فرمائی تھی۔ مولانا حسین احمد صاحب وہاں پہنچ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد کے مطابق حضرت حاجی صاحب سے اکتساب فیض کیا حاجی صاحب نے آپ کو پاس انفاس کی تلقین کی ان دونوں حضرات کی روحانیت کا مولانا مدنی پر وہ اثر ہوا کہ آپ روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچے چنانچہ خود نوشتہ سوانح میں لکھتے ہیں۔

”خواب میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اولیائے عظام، آئمہ ـــــ اور جناب باری عزاسمہٗ کو بارہا دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ (نقش حیات صـ١٠٢)“

ایک اور جگہ آپ اس وقت کی حالت سلوک اور روحانیت کا ذکر کرتے ہوئے جب کہ آپ مدینہ منورہ سے حضرت گنگوہی کی خدمت میں دو ماہ اور کچھ دن فیض روحانی حاصل کرتے رہے لکھتے ہیں۔

”حضرت گنگوہی کی بارگاہ میں حاضری اور مشغولیت سے جو فیض روحانی میں محسوس کرتا تھا۔ وہ نہایت ہی عظیم تھا“ (نقش حیات صـ١٠٣)

فیضان

بہرحال آپ کو قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور قطب الارشاد مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دونوں سے روحانیت کی تکمیل حاصل ہوئی اور دونوں نے آپ کو بیعت کرنے کی اجازت دی چنانچہ آج ہند و پاکستان میں بکثرت علماء اور صلحاء آپ سے سلسلۂ بیعت رکھتے ہیں اور علماء کی ایک بہت بڑی تعداد علوم ظاہری میں آپ کی شاگردی کا شرف رکھتی ہے۔

سیاسی جدوجہد

خلافت کی تحریک میں شرکت آپ کی سیاسیات کا شاندار آغاز ہے اس زمانہ میں آپ کی ہر دلعزیزی ملک میں ترقی پذیر تھی مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی وغیرہ کے ساتھ آپ گرفتار ہوئے۔ کراچی میں آپ پر مقدمہ چلایا گیا اور قید ہوئے رہائی کے بعد آپ نے سیاسیات میں ہمیشہ حصہ لیا اور آزادی تک تمام عمر سیاست سے شغف رکھا جمعیۃ العلماء کی شمع دراصل آپ ہی کی ذات سے روشن تھی البتہ مجھے ان کے آخری دور کی سیاسیات سے مودبانہ اختلاف ہے۔

ذاتی اخلاق و عادات

جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے آپ بلند حوصلہ، بے باک، خدا سے ڈرنے والے متحمل مزاج اور عفو و درگزر میں بے مثال تھے مہمان نوازی آپ کی فطرت کا جز تھی صبح و شام دستر خوان پر مہمانوں کا ہجوم رہتا تھا ہر دلعزیزی اور انسانیت کے اونچے مقام پر رہ کر اپنی زندگی کو ایسا کامیاب بنایا کہ آپ کا نام رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔

غرض یہ ہے کہ آپ کی ذات علم و عمل اور روحانیت کا پیکر تھی جس سے بنی نوع انسان کی رہبری کا ظہور ہوا اور بالآخر زمانہ کا یہ مجاہد عالم ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کو اپنی مفارقت سے بے چین اور آہ بلب و اشک بچشم چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا خدائے کریم آپکی روح کو اپنی رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے کامیاب زندگی کے یہی آثار ہیں کہ وہ آخرت کو خوش خوش سدھارے اور لاکھوں انسان ان کی مفارقت میں رو رہے ہیں یہ نتیجہ ہے صفات کا جو آپ میں موجود تھے۔ یعنی علم و عمل فیضان اور روحانیت۔

”اے اسیر مالٹا“

(ھندی گورکھپوری)

دید کی پیاسی نگاہیں تجھ کو پائیں گی کہاں
اے فدائے ارض بطحا اے مدینے کے گدا
جا ملا آخر شہیدانِ وطن سے آج تو
اے فدائے ملک و ملت اے ”اسیر مالٹا“
آستاں تیرا رہے گا فیض بخشش خاص و عام
تا ابد ملتی رہے گی ملک و ملت کو جلا
اے حسین احمد مقامِ پارسائی جائے تو
علم و حکمت را شرف از گوہر والائے تو

درویشی اور ولایت کیا ہے؟ درویشی نبوت کا عکس جمیل ہے فضائل نبوت کا روشن مظہر ہے ——— لیکن نبوت کیا ہے ———؟ ——— شاید آپ یہ سوال کریں تو نبوت کی تعریف میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول سامنے رکھئے کہ نبوت توجہ الی الحق اور توجہ الی الخلق کی صفت کے کمال کا نام ہے یہ تصوف کی اصطلاح ہے اسے اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے کہ نبی وہ ذات ہے جو ہر وقت حق کی طرف بھی متوجہ رہے اور خلق خدا پر بھی نظر رکھے، حق کی طرف توجہ کرنے سے خلق خدا کی طرف سے اس کی توجہ کم نہ ہو اور خلق خدا کا خیال حق کی لگن میں خلل انداز نہ ہو، نبی ہر آن حق سے بھی واصل ہوتا ہے اور خلق میں بھی شامل ہوتا ہے اسی ایک نکتہ میں نبوت کے سارے فضائل و کمالات جمع ہیں۔

اب اسے دیکھئے کہ ولایت کیا ہے۔ ؟ ——— جو انسان اس صفت میں جتنا زیادہ نبی سے قریب ہوتا ہے وہ درجہ ولایت کے اتنے ہی بلند مقام پر فائز ہوتا ہے۔

اسلام سے پہلے اور ایک طبقہ آج بھی ——— یہ سمجھتا ہے کہ خدا کے بندوں کو چھوڑ کر، خدا کی دنیا کو چھوڑ کر حق کی لگن میں پہاڑوں اور ویرانوں میں مراقبے کرنا ولایت ہے یا سسکتی ہوئی انسانیت ظلم و استبداد میں دبے ہوئے سماج اور اسٹیٹ کی بے انصافیوں میں تڑپنے والے عوام سے بے تعلق ہو کر، بے نیاز ہو کر اللہ اللہ کرنا دلوں کے تزکیہ کے لئے روحانی اوراد و وظائف کی تعلیم دینا۔ بے روزگاری اور جن بھوت اتارنے کے نقش تقسیم کرنا بس یہی ولایت ہے۔

حالانکہ نبی جہاں توجہ الی الحق کی وجہ سے عبادت اور ریاضت کرتا ہے شب بیداری میں خدا کو یاد کرتا ہے ذکر الٰہی کے لئے خلوتوں کا سکون تلاش کرتا ہے وہاں وہ خلق خدا پر بھی کامل نظر رکھتا ہے انسانوں کے دکھ درد میں ان کے کام آتا ہے۔

فرعونی اقتدار ہو یا قریش کا استبداد — اس سے مظلوم انسانیت کو نجات دلانے کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کرتا ہے سماجی بے انصافیوں کے خلاف آواز اٹھاتا ہے لوگوں میں عادل جج بن کر بھی بیٹھتا ہے اور اچھا معلم بھی، اچھا شہری بننے کی بھی تعلیم دیتا ہے اور یہودی جیسے دشمن حق پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی بھی تلقین کرتا ہے۔

جب نبوت میں انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کا مکمل احساس شامل ہوتا ہے تو پھر ولایت کو بھی ہمیں اسی معیار پر پرکھنا پڑے گا۔

ہم ولی یا درویش اسے نہیں مان سکتے جو اجتماعی ذمہ داریوں سے بھاگتا ہو، جو ملک پر قبضہ جمائے ہوئے ظلم و استبداد کے خلاف کش مکش کرنے سے گریز کرتا ہو۔ جو عوام کی خدمت کے کاموں کو دنیاداری کہتا ہو، تمدن و سیاست کے ہنگاموں سے گھبراتا ہو۔

جب یہ بات صاف ہو گئی کہ ولایت یہ ہے کہ اللہ اللہ بھی ہو اور عوام کی خدمت بھی ہو خدا کی محبت بھی ہو اور بندگان الٰہی کا درد بھی ہو آخرت کا فکر بھی ہو اور ملک و قوم کا خیال بھی ہو تو آیئے! اسی معیار پر "مدنی درویش" کو پرکھیں۔

موجودہ دور میں اس مدنی درویش کامل کی شان ہے کہ عبادت و ریاضت میں وہ جنیدؒ اور شبلیؒ ہے علم و فضل میں وہ بخاری رازی ہے اصلاح تجدید میں وہ ابن تیمیہ اور ابن قیم ہے خدمت خلق میں وہ عمر ابن عبد العزیز ہے اور بہت کچھ ہوتے ہوئے وہ بے حد متواضع ہے خاکسار ہے۔

یہ صعوبت سفروں میں، جاڑے کی راتوں میں پلیٹ فارم پر کسی جھوٹ میں مصلی پر کھڑا ہو کر تہجد میں مشغول ہے خدام گزارش کرتے ہیں کہ حضرت! ویٹنگ میں کیوں نہ کھڑے ہو گئے؟ تو جواب دیتے ہیں، لوگوں کی نیند خراب ہوتی، مجھ جیسے شیخی خورہ اور روسیاہ انسان کو کیا حق ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو پریشان کرے۔

١٢ بجے رات کو بخاری شریف کا درس دیگر فارغ ہوتے ہیں سیدھے مہمان خانے میں تشریف لاتے ہیں مہمانوں کے بستروں اور تکیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں کھانے کو پوچھتے ہیں ایک دیہاتی مہمان کو تکلیف میں پاتے ہیں پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص حقہ کا عادی ہے فوراً چلم لے کر جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے اسے حقہ بھر کر پلاتے ہیں۔

مہمانوں سے گھبراتے نہیں، جو مہمان کسی دوسری جگہ کھانا کھا لیتا ہے تو اس پر بگڑتے ہیں ناراض ہوتے ہیں ایسی ناراضگی جس میں محبوبیت کی ہزاروں دلفریب ادائیں قربان ہوتی ہیں، نگاہوں کا ایسا جلال جس میں جمال کی ہزاروں دلکشیاں نچھاور ہوتی ہیں۔

حق کی طرف توجہ کا یہ حال کہ ایک قدم شریعت و سنت کے خلاف نہیں اٹھتا۔ منہ پر اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو کھڑے ہو کر اسے روک دیتے ہیں مجال نہیں کہ اسٹیج پر کوئی شاعر شیخ کی مدح میں کوئی قصیدہ پڑھے جہاں کسی نے تعریف میں زبان کھولی اور جمالی درویش کا جلال بھڑک اٹھا بندگی کا اتنا گہرا رنگ کہ اگر کوئی عقیدت کے جوش میں ہاتھ چومنے کے لئے ذرا جھکے تو ہاتھ کھینچ لیں کسی کو پیر دبانے کی اجازت نہ دیں۔

پھر توجہ الی الخلق کا یہ عالم کہ بندگان الٰہی کو انگریزی سامراج کے ظلم کی چکی میں پستا ہوا

دیکھا تو پوری قوت سے آزادیٔ وطن کے لئے میدان میں اتر آئے۔ ذکر الٰہی اور محبت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وعظ فرمایا تو دلوں کو نور ایمان سے روشن کر دیا برطانوی سامراج کے مذموم ارادوں اور انسانیت سوز مظالم پر تقریر کی تو کمزوروں میں حریت اور آزادی کی تڑپ پیدا کر دی۔

پھر آزادی ملک کی جدوجہد کسی لالچ میں نہیں کسی عہدے یا ٹھیکہ کی طمع میں نہیں۔ صرف بندگان الٰہی کو ظلم سے نجات دلانے کے لئے وطن عزیز کی پیشانی سے غلامی کا داغ مٹانے کے لئے اور صرف "حب وطن" کی سنتِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ کرنے کے لئے۔
کسے معلوم تھا کہ رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بت پرستی سے پاک وطن کو ظلم وستم سے بھرے دشمن وطن یعنی مکہ کو، پاک اور محبوب فرمایا تھا مکہ کو چھوڑتے ہوئے کہا تھا

ما اطیبک بلدٍ و احبک،
مکہ! تو کس قدر پاک ہے اور مجھے محبوب ہے

یہ محبت وطن کا اعلان تھا اسی سنت کو اس مجاہد نے زندہ کر کے دکھایا۔ برطانوی سامراج کے بڑے بڑے ثقہ ایجنٹوں نے قومیت اور وطنیت کی بحثیں کھڑی کر کے اسے ڈرانا چاہا۔ مگر وہ اپنی جگہ مطمئن تھا کہ اگر رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ کے یہودیوں اور مسلمانوں کو "حفاظت وطن" کے نام پر ملا کر ایک قوم یا امت بن سکتے ہیں تو ہندوستان کا مسلمان بھی آزادی وطن کے لئے اس قسم کا اقدام کر سکتا ہے آسمان کا تھوکا منہ پر آتا ہے جس طبقہ نے وطنیت اور قومیت کے نعرہ پر اس شیخ مجاہد کو مطعون کیا تھا اسی حلقہ نے پاکستان کے ہندو اور مسلمانوں کو ایک قوم کہا۔

کیا تاریخ اس حقیقت کو فراموش کر سکتی ہے ؟
یہ مدنی درویش کی جامع شخصیت کے چند نقوش ہیں جب کہ کوئی اللہ بندہ اس ولی کامل، مرد مجاہد، غازیِ اسلام کے حالات پر کچھ لکھنے بیٹھے گا تو وہ بتائے گا کہ
حسین احمد مدنی رح کون تھے۔
خدا تعالےٰ ان کی پاک روح پر رحمتوں کی بارش فرمائے (آمین)

جو لوگ حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کے شاگرد نہیں ہیں اور انکو حضرت کی علمی مجالس میں حاضری کی سعادت بھی کم نصیب ہوئی ہے وہ علوم و فنون میں شیخ کے مقام بلند سے کم آشنا ہیں اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ ایک ایسے گہرے سمندر کی طرح تھے جس کی تہہ میں ہزارہا انمول موتی بکھرے پڑے ہوں مگر اس کی سطح قطعاً ہموار و پرسکون ہو۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ یہ مقام بلند علم و عمل کے کس درجہ تک پہنچنے کے بعد نصیب ہوتا ہے۔
علم ایک کمال ہے جس کا تقاضا ہے بلندی اور برتری اور یہ بھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس شخص کے کمال سے واقف ہوں اس کی معلومات کی داد دیں تحسین و آفریں کریں لیکن جو شخص ان منازل سے گذر کر کہیں سے کہیں پہنچ چکا ہو جس کے لئے "مادح و ذام ہیں یکساں دونوں" وہ بضرورت ہی کسی مسئلے پر لب کشائی کرتا ہے اور وہ بھی بقدر ضرورت۔

جب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے صدر نشین ہوئے تو اپنے استاد حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کی طرح مسائل پر بہت مختصر تقریر فرماتے تھے مولانا حبیب الرحمان صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے محسوس کیا کہ یہ اختصار دارالعلوم کے مخصوص حالات کے مناسب نہیں اس لئے خود تو نہیں حضرت شیخ الہند کے بھائی سے کہلایا حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ مجھے تو حضرت شیخ الہند ہی کا طریق درس پسند ہے مگر پھر حضرت نے مشکل مسائل پر اتنی مبسوط تقریریں کیں کہ ایک ایک مسئلہ پر کئی کئی دن تقریر فرماتے تھے چنانچہ اس وقت کی ضبط کی ہوئی مبسوط تقریروں سے اساتذہ حدیث برابر مستفیض ہوتے رہے اور وہ اب تک ان کے پاس محفوظ ہیں یہ مسند درس اور مسند ارشاد یہ دو ہی مقام تھے جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خداداد علوم کا تھوڑا بہت پتہ چلتا تھا۔ مکتوبات شیخ الاسلام جس کا

بیشتر حصہ ریل میں یا جیل میں قلم برداشتہ لکھا گیا ہے اس کے مطالعہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علم و وسعت معلومات اور معمولی حافظ کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کیسے کیسے مشکل مسئلے ہیں کہ بیک جنبش قلم سلجھاتے چلے جاتے ہیں اور کیسے کیسے لاینحل عقدے ہیں کہ کھلتے چلے جاتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ علم آتا ہے محنت اور شوق کے ساتھ بہترین اساتذہ کی شاگردی سے درس و مطالعہ سے، کسی بڑے عالم اور شیخ وقت کی صحبت و معیت سے آیئے اسی آئینہ میں حضرت شیخ کی مقدس زندگی کا عکس جمیل دیکھیں۔

طالب علمی!

تین سال کے تھے کہ حضرت کے والد محترم جناب سید حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ پنشن لے کر اپنے وطن ٹانڈہ تشریف لے آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ ابتدائی تعلیم انہی سے حاصل کی۔

سید حبیب اللہ صاحب مرحوم بڑے پایہ کے بزرگ تھے سیدنا حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب گنج مراد آبادی قدس سرہٗ کے خلیفہ راشد، بڑے ذاکر شاغل، بڑے پاکباز و باخدا النان، مستجاب الدعوات ایسے کہ خود حضرت شیخ نقش حیات میں لکھتے ہیں۔

"ایسے بہت سے واقعات پیش آئے کہ جس نے ان کو ستایا اور اس کے واسطے انہوں بددعا کی وہ کبھی پنپنے نہیں پایا"

ایک جگہ لکھتے ہیں

"کشوف ان کا بہت قوی اور زیادہ تھا متعدد مکاشفات ان کے صحیح ثابت ہوئے ایک دفعہ انہوں نے مدینہ منورہ میں فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص کو ہندوستان جانا ہوگا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ بہ قرعہ فال مجھ دیوانے کے نام نکلے گا۔

حضرت کی والدہ مخدومہ رابعۂ وقت، پابند شریعت، بڑی صابرہ اور قانع خاتون، سارے اوقات ذکر و شغل سے معمور۔

تیرہ سال کے ہوئے تو سیدنا حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ گویا ایک شفاف آئینہ کو آفتاب جہاں تاب کے سامنے رکھ دیا گیا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جس شفقت سے آپ کی تربیت فرمائی اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ حضرت کے مشاغل بڑی جماعتوں کو بھی اوقات مدرسہ کے علاوہ کسی وقت پڑھانے کی اجازت نہیں دیتے تھے مگر مولانا حسین احمد صاحب کو ابتدائی کتابیں خود ہی پڑھائیں ایک شوقین اور ذہین طالب علم کو شروع ہی سے اچھے استاد مل جائیں تو کیا کہنے سونے پر سہاگہ۔

حضرت شیخ کو اپنے وقت کے بہترین اور یگانہ روزگار اساتذہ کا شرف تلمذ حاصل ہوا استاد العلوم حضرت شیخ الہند، مولانا ذوالفقار علی صاحب والد ماجد حضرت شیخ الہند حضرت مولانا عبد العلی صاحب محدث دہلوی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا الشیخ آفندی، عبد الجلیل برادہ۔

دار العلوم کے ابتدائی دور میں کامیابی کے آخری نمبر ۲ بیس تھے تو بائیس۔ بائیس تیئیس تیئیس بہت سی کتابوں میں حاصل کئے اس کے بعد جب ان امتحانی نمبروں میں تبدیلی کی گئی اور کامیابی کے آخری نمبر پچاس ۵۰ مقرر کئے گئے تو اکثر کتابوں میں اکیاون ۵۱، باون ۵۲، ترپن ۵۳ اور صدرا جیسی کٹھن کتاب میں چھپن نمبر لئے۔

ہندوستان سے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ۱۳۱۶ھ سے ۱۳۲۶ھ تک برابر چھ برس تک مختلف علوم و فنون کی چودہ چودہ کتابیں روزانہ پڑھانے کے باوجود علم کی پیاس نہیں بجھی ہندوستان پھر تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ترمذی اور بخاری شریف دوبارہ پڑھی محنت سے پڑھنے اور چھ برس تک پڑھانے کے بعد علوم مستحضر مضامین ازبر اور فقہ حنفی کے علاوہ دیگر مذاہب پر وسیع نظر ہو گئی تھی اس لئے اثناء درس میں حضرت شیخ سے مشکل مشکل سوالات کرتے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ خندہ پیشانی کے ساتھ بڑے محققانہ جوابات ارشاد فرماتے۔

طالب علمی کے بعد

تکمیل علوم کے بعد ۱۳۱۶ھ میں اپنے والد ماجد سید حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں بعزم حجاز روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے اس وقت مدینہ منورہ میں دو بڑے کتب خانے تھے۔ کتب خانہ شیخ الاسلام اور دوسرا محمودیہ۔ ان دونوں میں مطبوعہ کتابوں کے علاوہ مختلف علوم و فنون کی بہت سی قلمی اور نایاب کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا جن سے استفادہ کا حضرت شیخ کو پورا موقع ملا۔

قیام مدینہ کا زمانہ حضرت کے خاندان کے لئے اس قدر تنگدستی اور عسرت کا زمانہ تھا کہ پورا خاندان جو نو افراد پر مشتمل تھا صرف بارہ چھٹانک مسور کے پانی پر گذارہ کرتا تھا اس لئے ایسا بھی ہوا کہ کتابیں نقل کر کے آپ نے سامان معیشت فراہم کیا اس سے علوم و فنون میں اور بھی اضافہ ہوتا رہا۔ نسخ و نستعلیق دونوں خط اتنے پاکیزہ ہو گئے کہ حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر معاصرین میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اس کے بعد حرم نبوی میں درس دینا شروع کیا تو کتابیں وہ ملیں جو نہ پڑھی تھیں نہ دیکھی تھیں۔ درس نظامی سے بالکل مختلف، مدینہ منورہ، مصر اور استنبول کے نصاب کی کتابیں مثلاً علم نحو میں:۔

اجرومیہ، دحلان، کفراوی، الفیہ، ابن عقیل، شرح الفیہ ابن ہشام وغیرہ علم معانی و بیان میں:۔

شرح عقود الجمان، رسالہ استعارات رسالہ وضعیہ للقاضی عضد وغیرہ

علم بدیع میں:۔ بدیعیہ لابن حجہ

فقہ میں:۔ نور الایضاح ملتقی الابحر درر وغیرہ

اصول شافعیہ و مالکیہ میں:۔ شرح جمع الجوامع للسبکی۔ شرح مستصفی

الاصول و مرقاۃ۔ شرح منتہی الاصول
علم عقائد میں :۔
مسامرہ۔ شرح طوالع الانوار جوہرہ وغیرہ
اصول حدیث میں :۔ الفیہ اصول الحدیث بیقونیہ وغیرہ
اہل درس جانتے ہیں کہ پڑھانے میں کسی قدر مشکلات پیش آتی ہیں شیخ کو بھی پیش آئیں مگر وہ حل کیسے ہوتیں۔ نقش حیات میں خود لکھتے ہیں۔
ایک مرتبہ ہدایہ آخرین میں ایک مسئلہ ایسا پیش آگیا کہ بہت غور و فکر اور شروح حواشی کے مطالعہ سے بھی حل نہ ہو سکا سخت عاجز ہو کر حجرہ مطہرہ نبویہ پر حاضر ہوا اور بعد سلام و درود عرض کیا۔ تھوڑی دیر میں سمجھ میں آگیا۔
سلاسل طیبہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔
جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی زیارت باسعادت خواب میں نصیب ہوئی یہ سب سے پہلی زیارت آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر میں قدموں پر گر گیا آپ نے ارشاد فرمایا کیا مانگتا ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت! جو کتابیں میں پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہو جائیں اور جو نہیں پڑھیں ان کے متعلق قوت اتنی پیدا ہو جائے کہ مطالعہ سے نکال سکوں آپ صلے اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تجھ کو دیا۔
من رأنی فی المنام فقد رأنی پر جس کا ایمان ہے اس کو ذرہ برابر بھی اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے براہ راست آپ نے علوم حاصل کئے۔ رحمۃ اللہ ونفعنا بعلومہ۔
جماعت دیوبند کے ایک بہت بڑے محدث نے جو ملکی سیاسیات میں حضرت کے کٹر مخالف تھے۔ ایک طالب علم سے فرمایا کہ تم حدیث حضرت مولانا حسین احمد صاحب سے پڑھ لو۔

لاثانی شیخ الاسلام نمبر

۱۹۵۷ھ

قطب الاقطاب محی الملت والدین مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز!

۱۹۵۷ء

صدر العلماء دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیت علمائے ہند

۱۹۵۷ء

(راقم نسیم صدیقی تاریخ گو)
۱۹۵۷

قطعہ

درخشاں کیا اک جہاں نورِ دیں سے
وہ اسلام کا اک بڑا پاسباں تھا
کہا سالِ رحلت نسیمِ حزیں نے
چراغِ محمد، حبیبِ جہاں تھا
۱۲۹ — ۸۱ — ۱۳۷۷ھ

قطعہ

صد دریغا! کہ رہبرِ اعظم
رفت و مارا بداد داغِ ملال!
ہاتفِ غیب آہ از من گفت
محو شد از جہاں۔ فروغِ کمال
۱۳۷۷ھ

اس نے عرض کیا کہ حدیث تو میں مظاہر العلوم میں پڑھ چکا۔ فرمایا دیکھو! علم حاصل ہوتا ہے صحبت سے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو چونکہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کی صحبت میسّر آگئی تھی۔ اس لئے ان کو اللہ نے علم میں یہ کمال عطا فرمایا حضرت مولانا حسین احمد مدنی کو حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نصیب ہوئی اور اس کے بعد استاذ العلوم حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں ایک زمانے تک رہے اس لئے ان کا علم بہت محکم ہے۔

مقبولیت عامہ

حضرت شیخ کے حلقہ درس اور اس کی مقبولیت عامہ کا اندازہ صرف اس سے لگا لیجئے کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد جب سے پڑی ہے اس وقت سے لیکر آج تک جتنے طلباء وہاں سے فارغ ہوکر نکلے ان میں سے آدھے سے زائد تنہا حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔

۱۲۸۳ھ سے ۱۳۷۶ھ تک فضلاء دارالعلوم کی کل تعداد چھ ہزار چھ سو تیس ہے جن میں سے تین ہزار آٹھ سو چھپن طلباء نے حضرت شیخ سے علم حدیث حاصل کیا۔

یہ صرف ان شاگردوں کی تعداد ہے جنہوں نے دارالعلوم دیوبند میں آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا اٹھارہ برس تک مدینہ طیبہ میں اور پھر کلکتہ کے دارالعلوم اور سلہٹ وامروہہ وغیرہ میں جن لوگوں نے آپ سے پڑھا ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے مدینہ منورہ میں مقبولیت کا اندازہ نقش حیات کی اس عبارت سے ہوتا ہے۔

طلباء کا ہجوم اس قدر ہوا کہ علماء اور مدرسین کے حلقہائے درس میں اس کی مثال نہیں تھی بعض علماء ایسے بھی تھے کہ ان کے یہاں پہلے بہل بہت رجوع تھا مگر بعد میں کم ہو گیا اور ان کے طلباء میرے یہاں آنے لگے۔
یہ سب برکتیں ان مقدس ذات کی تھیں جن کی جوتیاں اٹھانے کا شرف بعنایت ایزدی مجھے حاصل تھا۔"

مدینہ طیبہ کے زمانۂ قیام کے بعد پھر ایک دور شروع ہوتا ہے قید و بند اور اسارت مالٹا کا۔ اس چھ سال کے عرصہ میں صحبت نصیب ہوئی استاذ العلوم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی جن کو حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز علم کا کُٹھلا فرمایا کرتے تھے۔ خدا ہی جانے اس قید خانے میں استاد نے اپنے چہیتے شاگرد کو کیا کیا دے دیا۔

۱۳۳۸ھ میں جب مالٹا سے رہائی ہوئی تو مولانا ابوالکلام آزاد کے دارالعلوم کلکتہ میں مسند آرائے صدارت ہوئے اس کا وجد آفریں قصہ بھی ذرا سنتے چلیے۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی خواہش تھی کہ دارالعلوم کلکتہ کی صدارت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ منظور فرمالیں۔ یہ دارالعلوم جن حالات میں قائم کیا گیا تھا ان کی اہمیت کا احساس حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو پورا تھا۔ مگر بیماری کی وجہ سے خود اس خدمت سے معذوری ظاہر فرماتے ہوئے اپنی جگہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کو منتخب فرمایا۔

جس وقت حضرت اپنے شیخ سے کلکتہ جانے کے لئے رخصت ہو رہے تھے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ انتہائی کمزوری کی وجہ سے اٹھ بھی نہیں سکتے تھے لیٹے لیٹے آپ نے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے سر پر رکھا۔ چوما، آنکھوں سے لگایا سینہ سے لگایا اور سارے بدن پر پھیرا۔

تصوف و طریقت کے رمز شناس جانتے ہیں کہ یہ روحانی فیض بخشنے کی ایک خاص صورت تھی۔ شیخ الاسلام کی روانگی کلکتہ سے دو تین ہی دن کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا۔

طالب علمی کے زمانہ میں اولاً حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو منطق اور فلسفہ سے بڑا شغف رہا آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ صدرا میں کامیابی کے انتہائی نمبروں سے بھی پچیس (۲۵) نمبر زائد حاصل کئے۔ مگر حق تعالے کو کام آپ سے کچھ اور لینا تھا اس لئے ان فنون میں پوری مہارت پیدا کر لینے کے بعد فقہ و تفسیر اور علم حدیث میں پورا انہماک ہوگیا۔

اٹھارہ برس حرم نبوی میں اور ۳۳ سال دارالعلوم دیوبند میں حدیث پڑھاتے ہوئے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ نور اللہ ضریحہ۔

جی چاہتا ہے کہ شیخ الاسلام نمبر کے ناظرین کے سامنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ علمی جواہر پارے پیش کروں مگر ؎

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
نظارہ زچنیدن مژگان گلہ دارد

صرف تین مکاتیب، مکتوبات شیخ الاسلام سے نقل کرتا ہوں جو علمی بھی ہیں اور تاریخی بھی

خلق اللہ آدم علیٰ صورتہ کا مطلب

یہ روایت نہایت قوی ہے بخاری شریف کی روایت ہے عربی کا قاعدہ ہے کہ ضمیر کو سب سے قریب مرجع کی طرف لوٹانا چاہیئے۔ اس حدیث میں لفظ آدم سب سے قریب ہے یعنی حضرت آدم علیہ السّلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا ایسا نہیں ہوا جیسے کہ عام آدمیوں میں ہوتا ہے کہ ان کو مٹی سے پھر قطرے سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت سے بنایا گیا۔

الحاصل تمام انسانوں کی خلقت تدریجی ہے مگر حضرت آدم علیہ السّلام کی پیدائش دفعی ہے اسی بناء پر روایت موجودہ میں بعد کو فرمایا گیا۔ طولہ ستون ذراعاً"

نبوت سے ولایت افضل ہے

یہ جملہ کسی حدیث کا نہیں بعض اکابر طریقت کا ہے اس کا مطلب یہ ہے ولایۃ النبی افضل من نبوتہٖ اس لئے کہ ہر نبی کو ولایت کے مراتب طے کر لینے ضروری ہیں اگرچہ وہ نہایت قلیل زمانے میں بلکہ آن واحد میں ہو جائے چونکہ ولایت سیر فی اللہ سے عبارت ہے اور نبوت سیر من اللہ الی العباد کا نام ہے اس لئے ذاتی حیثیت سے ولایت

اعلیٰ اور اکمل ہوتی کہ اس میں محبوب حقیقی ہی کی طرف توجہ اور حضور حاصل ہے برخلاف نبوت کے کہ وہاں بندوں کی جانب اور غیر محبوب حقیقی کی جانب توجہ کرنی ہوتی ہے اور اس کا انہماک اور اس کے فرائض کا ادا کرنا غفلت اور کم توجہی کا باعث ہوتا ہے۔ اذا فرغت فانصب اور واذکر ربک اذا نسیت اور ان لک فی النھار سبحا طویلا وغیرہ اس کے شواہد ہیں اللہ لیغان علیٰ قلبی (الحدیث) اس کا مُنزل ہے ایک عاشق صادق کے لئے محبوب کی طرف سے منہ پھیرنا اور غیروں میں الجھنا کس قدر شاق ہے اہل عشق ہی سے پوچھیے۔ اہل جنت کو کوئی نعمت رویت باری عزاسمہٗ کے برابر نہیں معلوم ہو گی اس لئے ذاتی حیثیت سے فضلیت ولایت ہی میں ہے مگر نبی چونکہ مامور ہے کہ مخلوق کو کھینچ کر بارگاہ محبوب حقیقی تک لائے اور انکو پروانہ شمع محبوب بنائے اس لئے وہ اپنی طبیعت کے جذبہ کے خلاف محض محبوب کی فرماں برداری کے لئے دن رات جور و جفا اور شدائد و مکارہ جھیلتا ہے اور معلوم ہے کہ جس قدر اس کو عشق تام ہوگا اسی قدر توجہ الی الغیر میں تکلیف اور گرانی ہو گی ؎

بھنورا بولے پھول کا کلی کلی رس لے
کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیو دے"

محترم مضمون نگار نے یہاں ایک تیسرا مکتوب بھی نقل کیا ہے مگر وہ مکتوب گرامی طبع شدہ ہے اور کافی طویل ہے لہٰذا ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ وہ مکتوبات جلد اوّل میں ملاحظہ فرمالیں۔

(ادارہ)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات میں جناب باری تعالےٰ عزاسمہٗ نے وہ تمام خصوصیات اور کمالات جمع فرمائے تھے جن سے اک ذات قدسی صفات کو آراستہ ہونا چاہیئے۔

آپ کی جامع کمالات شخصیت کو دنیا مختلف پہلوؤں سے پہچانتی ہے چونکہ آپ کی ذات علم وعمل شریعت وطریقت کا مجمع البحرین تھی آپ کا قلب حامل شریعت اور آپ کا عمل تفسیر شریعت تھا آپ کے فضائل علمیہ اور کمالات باطنیہ کی صحیح اطلاع یا تو خداوند قدوس ہی کو ہو سکتی ہے یا ان اولیاء کرام اور علمائے ربانیین کو ہو سکتی ہے جن کو مبداءِ فیاض نے چشم بصیرت عطا فرمائی ہے ہم جیسے کور چشم آپ کی ذات قدسی صفات کو کیا پہچان سکتے ہیں لیکن دل نہیں مانتا اور مجبور کرتا ہے کہ جس قدر بھی ان ناقص آنکھوں نے دیکھا ہے اس کو بیان کیا جائے لہٰذا تذکرہ کے طور پر تسکین قلب کے لئے چند سطریں تحریر کی جاتی ہیں۔

احقر نے چونکہ آپ کے حلقہ درس میں کچھ تھوڑا سا زمانہ گذارا ہے اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے قال اللہ وقال الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات سنی ہیں اور آپ کو علوم نبویہ کی مسند رفیع پر ان کی نشر و اشاعت کرتے ہوئے دیکھا ہے لہٰذا اسی موضوع پر کچھ خامہ فرسائی کرنے کی جسارت کی جا رہی ہے۔

ابتدائی تعلیم

آپ کی ابتدائی تعلیم ٹانڈہ (ضلع فیض آباد) میں ہوئی۔ چونکہ آپ کے والد مرحوم کو اولاد کی تعلیم و تربیت کا غیر معمولی اور بہت زیادہ خیال تھا۔ اس وجہ سے آپ کی ابتدائی تعلیم بہت عمدہ ہوئی۔ قاعدہ بغدادی جنابہ والدہ مرحومہ کے پاس پڑھا۔ پانچویں سیپارہ تک والدہ مرحومہ تعلیم دیتی رہیں اور اس کے بعد سے آخر قرآن تک والد مرحوم سے پڑھا۔ اس کے بعد فارسی پڑھی پھر سکول میں داخل ہو گئے اور حساب جبر و مقابلہ، اقلیدس، جغرافیہ، تاریخ، مساحت عملی اردو فارسی، ان علوم میں ۱۲ سال کی عمر میں مہارت حاصل کی۔

روانگی دیوبند و آغاز عربی

اوائل صفر ۱۳۰۹ھ میں آپ دیوبند تشریف لائے اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کے سامنے کوٹھی کے کمرہ میں اقامت اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے فرمانے پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الصرف شروع کرائی۔ اس طرح سے آپکی عربی تعلیم کا آغاز ہوا۔ اکابر کے مجمع میں شیخ وقت کے مقدس ہاتھوں سے ہوا۔

دارالعلوم دیوبند میں علمی استفادہ

آپ نے صفر ۱۳۰۹ھ سے شعبان ۱۳۱۶ھ تک دارالعلوم دیوبند میں رہ کر علمی استفادہ ماہرین اساتذہ سے کیا۔ آپ نے اوقات مدرسہ کے علاوہ خارج اوقات میں بہت سی کتابیں اساتذہ سے پڑھیں اور بہت محنت و توجہ سے علوم کو حاصل کیا۔ اس شغف اور پابندی کو دیکھ کر اساتذہ کرام نے اپنی عنایتیں زیادہ سے زیادہ مبذول فرمائیں۔ چنانچہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ التدریس تھے اور آپ کے درس میں اونچی کتابیں رہتی تھیں لیکن آپ کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی کتابیں بھی پڑھائیں اور اکثر کتابیں باوجود مصروفیات کے خارج اوقات مدرسہ پڑھائیں آپ ہمیشہ امتحان میں اعلیٰ اور نمایاں نمبروں سے پاس ہوتے رہے۔ ہر پرچہ امتحان کے مفروضہ نمبر اگر ۲۰ ہوتے تو آپ ۲۱، ۲۲، ۲۳ نمبر حاصل فرماتے تھے اور اگر نمبر مفروضہ ۵۰ ہوتے تو آپ ۵۱، ۵۲، ۵۳ نمبر حاصل فرماتے اور صدرا کے امتحان میں تو آپ نے ۵۷ نمبر حاصل کئے۔

اساتذہ کرام

آپ نے ۶½ سال کی مدت میں دارالعلوم دیوبند میں ۱۷ سترہ فنون کی ستر سٹھ کتابیں اپنے مشفق اساتذہ کرام سے پڑھیں۔ تفصیل اس طرح پر ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں۔

دستور المبتدی، زرادی، زنجانی، مراح الارواح، قال اقول، مرقات، تہذیب قطبی تصدیقات، قطبی تصورات، مجسطی، مفید الطالبین، شرح تہذیب، نفحۃ الیمن، مطول ہدایہ آخرین، ترمذی شریف، بخاری شریف، ابوداؤد شریف، تفسیر بیضاوی شریف نخبۃ الفکر شرح عقائد، نسفی، حاشیہ خیالی، موطا امام مالک، موطا امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ۔

(۲) حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فصول اکبری۔

(۳) حضرت مولانا عبدالعلی صاحب مرحوم مدرس دارالعلوم دیوبند۔
مسلم شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، سبعہ معلقہ، حمد اللہ، صدرا شمس بازغہ، توضیح تلویح تصریح۔

(۴) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مرحوم مدرس دارالعلوم دیوبند۔
تلخیص المفتاح۔

(۵) حضرت مولانا حکیم محمد حسن صاحب مرحوم مدرس دارالعلوم دیوبند۔
پنج گنج۔ صرف میر، نحو میر، مختصر المعانی، سلم العلوم، ملا حسن، جلالین شریف ہدایہ اولین۔

(۶) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دارالعلوم دیوبند۔
شرح ملا جامی بحث فعل۔ کافیہ، ہدایۃ النحو منیۃ المصلی، کنز الدقائق، شرح مائۃ عامل اصول الشاشی، شرح وقایہ،

(۷) حضرت مولانا غلام رسول صاحب مرحوم مدرس دارالعلوم دیوبند۔ نور الانوار۔ حسامی، قاضی مبارک، شمائل ترمذی شریف،

(۸) حضرت مولانا منفعت علی صاحب مرحوم
میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال میبذی خلاصۃ الحساب، رشیدیہ، سراجی۔

(۹) حضرت مولانا الحافظ احمد صاحب مرحوم
شرح ملا جامی بحث اسم

احساسات

از: محمد منظر ی چپارنی متعلم دارالعلوم دیوبند

اب کہاں دیکھیں گی آنکھیں جلوہ خیر القرون
کون دکھلائے گا ہم کو عالم لا یحزنون
کون شرق علم سے ابھرے گا مثل آفتاب
کون ذروں کو جلا بخشے گا مثل ماہتاب
کون برسے گا چمن پر اٹھ کے مانند سحاب
جلوہ فرما کون سے پیکر میں ہوگا انقلاب
جانے والے اب کہاں سے تجھ کو لے آئیں گے ہم
اب کسے آواز دیں گے جب بھٹک جائیں گے ہم

(۱۰) حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم۔
مقامات حریری، دیوان متنبی۔
(۱۱) حضرت مولانا صدیق احمد صاحب مرحوم (برادر بزرگ شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہما)
میزان الصرف، ایساغوجی، منشعب۔
(۱۲) ۱۳۱۶ھ میں جب کہ آپ اکثر کتب درسیہ سے فارغ ہو چکے تھے تو آپ کے والد صاحب مرحوم نے مدینہ منورہ کے سفر کا ارادہ کیا چونکہ آپ کی بعض کتب ادبیہ باقی رہ گئی تھیں۔ اس وجہ سے آپ سفر کے لئے تیار نہ تھے۔ اس وجہ سے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد باوجود انتہائی مشغولیت کے آپ نے ادبیات کی باقی ماندہ کتب کی تکمیل مدینہ منورہ کے مشہور اور معمر ادیب مولانا الشیخ آفندی براوہ رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔

زمانہ طالب علمی میں خصوصی شغف

ابتدا میں آپ کو منطق اور فلسفہ سے بہت شغف رہا چنانچہ صدرا کے امتحان میں آپ نے ۵۰ نمبر حاصل کئے پھر آپ کو علم ادب سے شغف ہو گیا یہاں تک کہ آپ کو مقامات حریری دیوان متنبی، سبعہ معلقہ کے قصائد کے قصائد اور عبارتیں ازبر ہو گئیں۔ اس کے بعد علم حدیث خصوصی شغف رہا۔ اور آپ کا دور طالب علمی، علم حدیث کے انہماک ہی میں ختم ہوا اور پھر یہ شغف بعد میں اس قدر بڑھا کہ آپ کی عمر تمام خدمت حدیث میں گذری۔ اواخر ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں مناسک حج وغیرہ سے فراغت کے بعد جب مدینہ منورہ کو روانگی ہوئی تو منزل رابغ کی شب میں آپ کو حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب سے پہلی زیارت باسعادت نصیب ہوئی۔ آپ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر قدموں پر گر گئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا مانگتا ہے تو آپ نے عرض کیا کہ جو کتابیں میں پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہو جائیں اور جو نہیں پڑھی۔ ان کے متعلق اتنی قوت ہو جائے کہ مطالعہ میں نکال سکوں جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ تجھ کو دیا یہ اسی علمی شغف کا نتیجہ تھا کہ آپ نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی علم کو طلب کیا اور آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو یہ نعمت عطا فرمائی۔ اس علم کسبی کے ساتھ ساتھ آپ کی ذات قدسی صفات علم وہبی سے بھی آراستہ و پیراستہ ہو گئی۔

مدینہ منورہ میں درس و تدریس

آواخر شعبان المعظم ۱۳۱۶ھ میں آپ علوم سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ اس زمانہ میں حرم محترم مسجد نبوی علیہ السلام میں اکثر علماء اعزازی طریقہ پر درس دیتے تھے، چنانچہ عرب اور ہندوستانی طلباء کی پیہم خواہش پر آپ نے مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں درس کا سلسلہ شروع فرمایا اور شوال ۱۳۱۸ھ تک آپ کا حلقہ درس ابتدائی پیمانہ پر رہا ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ میں آپ ہندوستان تشریف لائے اور ماہ محرم ۱۳۲۰ھ میں مدینہ منورہ واپس ہوئے اس کے بعد آپ کا حلقہ درس وسیع ہو گیا اور طلباء کا ایک جم غفیر آپ کے گرد جمع ہو گیا۔ اہل علم میں عموماً اور علمائے حجاز میں خصوصاً حسد اور رقابت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے جب کوئی عالم آتا ہے تو اس کی طرف آنکھیں بہت اٹھتی ہیں۔ علماء ہند چونکہ عربی بولنے کے عادی نہیں ہوتے اس لئے بسا اوقات شکست کھا جاتے ہیں اور ان کے لئے میدان امتحان و انتیاز میں پیش قدمی کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

چنانچہ جب علوم میں جد و جہد کرنے والے مشرق وسطیٰ افریقہ، چین، جزائر شرق الہند کے تشنگان علوم کا اس قدر ہجوم ہوا کہ اور حلقہ ہائے درس میں اسکی مثال نہیں ملتی تھی اور آپ کے زیر درس درسیات ہند کے علاوہ مدینہ منورہ مصر، استنبول کے نصاب کی کتابیں مثلاً اجرومیہ وحلان، کفراوی، الفیہ، ابن عقیل۔ شرح الفیہ، ابن ہشام۔ شرح عقود الجمان رسالہ استعارات رسالہ وضعیہ للقاضی عضد، بدیعیۃ ابن حجہ، ملتقی الابحر، درر، شرح جمع الجوامع للسبکی، شرح مستصفی الاصول، مرقات، شرح منتہی الاصول، مسامرہ شرح مسایرہ، شرح طوالع الانوار جوہرہ الفیۃ (اصول حدیث) بیقونیہ و دیگر رسائل اصول حدیث وغیرہ۔

یہ کتابیں تھیں۔ آپ کا علمی حلقہ ترقی کرتا گیا اور افاضہ و استفاضہ کا حلقہ وسیع ہوتا رہا تو لامحالہ دیگر علماء میں رشک و رقابت پیدا ہوئی آپکے حلقہ درس پر علماء کی نظر اٹھتیں اور تنقیدات کا ارادہ کیا گیا۔ مگر ان لوگوں کو اس ارادہ میں کامیابی نہ ہوئی چونکہ آپ کی تعلیم جید اور ماہرین اساتذہ کے ذریعہ ہوئی اور پھر قدرت نے آپ کو دماغ و ذکاوت اور حفظ کا وہ اعلیٰ درجہ عطا فرمایا تھا۔ کہ جس کی نظیر خود آپ ہی تھے نیز آپ کوئی سبق بغیر مطالعہ کے نہ پڑھاتے تھے اور دن و رات کے ۲۴ گھنٹوں میں سے صرف تین گھنٹے آپ آرام فرماتے اور بقیہ وقت درس و مطالعہ میں گزرتا ادھر آپ کی عربی تقریر صاف شستہ اور برجستہ تھی۔ استعداد کامل مزید برآں محنت شاقہ فرماتے نیز آپ نے درس میں علماء خیر آباد کا طریقہ اختیار فرمایا کہ دوران درس اپنے سامنے کبھی کتاب نہ رکھتے بلکہ طالب علم کی قرات کے بعد مسائل پر تقریر فرماتے۔ حالانکہ علماء مدینہ نہ صرف کتاب کو دوران درس سامنے رکھتے تھے بلکہ اس کی شرح بھی ہاتھ میں کرکے پڑھاتے تھے اور تقریر کے وقت عبارت شرح یا حاشیہ بھی سنا دیتے تھے۔

چنانچہ آپ نے اسی طرح روزانہ چودہ پندرہ اسباق کا درس دیا جس میں کتب حالیہ حدیث و تفسیر عقائد و اصول بھی شامل تھیں اور ۱۳۲۶ھ تک مسلسل اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی شان کے ساتھ قائم رہا۔ ان وجوہ کی بناء پر آپ کی دھاک بیٹھ گئی اور سب آپ کی علمی قابلیت کے معترف ہو گئے اور سب کو آپ کی مہارت تامہ کا قائل ہونا پڑا۔ اس شان دار ترقی میں جہاں ان مادی اسباب کو دخل ہے وہاں اصلی و حقیقی سبب پر بھی آپ نے عمل فرمایا یعنی توجہ الی اللہ چنانچہ آپ مواجہ شریفہ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں حاضر ہو کر بہت روئے اور ان علوم دینیہ کے حاصل ہونے کی درخواست پیش کی اور آپ نے اپنی بے بضاعتی کا شکوہ کیا۔ دیر تک اسی حالت گریہ میں رہے اور واپس ہوئے، چند ہی قدم چلے تھے کہ یکایک قلب میں واقع ہوا لا تقنطوا من رحمۃ اللہ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو حجاز میں عزت وجاہ وہ عطا فرمائی جو ہندی علماء کو کیا بلکہ یمنی، شامی، مدنی علماء کو بھی حاصل نہیں تھی اور آپ کی شہرت عرب سے تجاوز کرکے دیگر ممالک تک پہنچ چکی تھی اور آپ کو ۴۴ سال کی عمر میں شیخ الحرم اور شیخ العرب والعجم کے معزز القاب کے ساتھ سرفراز کیا گیا۔ اور ان اطراف میں آپ ان القاب کے ساتھ مشہور و معروف ہو گئے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

صدارت دارالعلوم دیوبند

۱۳۲۶ھ میں ایک ایسے مجمع میں جس میں دارالعلوم کی علمی ترقی پر غور و خوض ہو رہا تھا حضرت مولانا حافظ احمد صاحب قدس اللہ سرہ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ اگر مولوی انور شاہ صاحب کشمیری، مولوی سہول بھاگلپوری، مولوی حسین احمد مدنی، مولوی عبدالصمد کرتپوری وغیرہ یہ حضرات یہاں آکر جمع ہو جاتے تو دارالعلوم کی علمی ترقی بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بہت پسند فرمائی اگرچہ اس بارے میں سکوت فرمایا لیکن کیا باطنی تصرف کیا۔ یہ سب اشخاص بغیر کسی ظاہری جد و جہد کے یکے بعد دیگرے دیوبند پہنچ گئے۔

لیکن مبداء فیاض کو حسین احمد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) سے دوسرے وقت عظیم الشان کام لینا تھا لہٰذا آپ مستقل طور پر دارالعلوم سے متعلق نہ رہ سکے۔ چنانچہ جب حافظ احمد صاحب و شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہما کی خواہش کے پورا ہونے کا وقت آیا تو خداوند قدوس نے ۱۳۴۶ھ میں مولانا سید حسین احمد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) کو دارالعلوم دیوبند کی رفیع مسند علم پر مستقل طور سے جلوہ افروز فرمایا اور دارالعلوم دیوبند نے آپ کی سرپرستی میں جو علمی ترقی کی وہ ظاہر ہے دارالعلوم کی مسند علم پر دوسرے اکابر علماء محدثین عظام جلوہ افروز رہے اور اس دور میں بھی دارالعلوم کے دارالحدیث میں حدیث کی شمع روشن ہوئی۔ اور اس پر جان نثار پروانے آئے اور انہوں نے اپنی جان شمع حدیث پر نثار کی۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ اس مدنی محدث نے جب شمع حدیث روشن کی تو اس پر اس قدر پروانوں کا ہجوم ہوا اور دارالحدیث علم و عرفان کے کتابناک ستاروں سے اس قدر جگمگایا کہ دیوبند کی تاریخ میں اس کی نظیر ممکن نہیں۔

درس حدیث

۱۳۴۶ھ سے قبل آپ نے دارالعلوم دیوبند میں مختلف اوقات میں متعدد اونچی کتابوں کا درس دیا اور ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کیا لیکن ۱۳۴۶ھ سے آپ نے مستقل طور پر درس حدیث ہی دیا ۳۱ سال کا یہ عرصہ دارالعلوم میں علوم نبویہ کی خدمت میں گزرا۔ آپ نے صحاح ستہ میں امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ کی صحیح بخاری اور امام ابو عیسےٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ کی سنن ترمذی ان دو کتابوں کو اپنے درس کے لئے منتخب فرمایا۔

صحیح بخاری کی وجہ انتخاب تو ظاہر ہے کہ وہ بالاتفاق اصح الکتب بعد کتاب ہے رہا سنن ترمذی کو بقیہ کتب صحاح ستہ کی بجائے زیر درس رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ سنن ترمذی کی چند خصوصیات ہیں جو بقیہ کتب صحاح میں نہیں ہیں۔

خصوصیات سنن ترمذی

روایات کو بیان کرنے کے بعد اس کے درجہ کو مصنف ذکر کرتا ہے۔ یعنی صحیح، حسن، غریب وغیرہ۔ رواۃ کے سلسلہ میں جرح و تعدیل کرتا ہے اگر کسی راوی میں کوئی کمزوری ہے تو اس کو ذکر کرتا ہے احادیث میں اگر کوئی لفظ نادر و غریب الاستعمال آتا ہے تو اس کے معانی ذکر کرتا ہے تعارض روایات کو دور کرتا ہے اگر روایات میں الفاظ فقہیہ ہوں تو مذاہب اربعہ کو ذکر کرتا ہے اور ما ہو الارجح عندہٗ کو بیان کرتا ہے۔ اگر کوئی راوی معروف بالکنیت ہے تو علم ذکر کرتا ہے ان کے قبائل کو ذکر کرتا ہے وجوہ استدلال کو ذکر کرتا ہے اور اس میں مکررات بہت کم ہیں اس کے آخر میں کتاب العلل ہے چونکہ ترمذی میں منافع بہت زیادہ ہیں اور اس کی ترتیب ابواب فقہیہ پر ہے اس کے مصنف شافعی المسلک ہیں علمائے ہند حنفی ہیں اس وجہ سے ان روایات پر جو مذہب حنفی کے خلاف ہیں مکمل بحث کرنی پڑتی ہے اور حدیث کو فقہی انداز سے پڑھانے کے لئے سنن ترمذی کے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں اس لئے سنن ترمذی کو بقیہ کتب صحاح پر فوقیت دی گئی ہے۔

سلسلہ سند حدیث

روایت احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے سلسلہ میں اتصال سند من الراوی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضروری ہے اہل ہند کا سلسلہ سند حدیث شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر ختم ہو جاتا ہے اور پھر شاہ ولی اللہ سے امام بخاری و ترمذی رحمہما اللہ تک ہے پھر تیسرا سلسلہ امام بخاری و ترمذی رحمہما اللہ تعالےٰ سے آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد المدنی نور اللہ مرقدہ کا سلسلہ سند اسی طرح ہے۔

چھپا ہے مہرِ دین اُف ہے فغاں ہے

(اختر حسین اختر سنبھلی)

زمانہ کی حالت ہے بدلی ہوئی سی ہوا چلتی ہے سہمی سہمی ہوئی سی
فضا بھی ہے کچھ کھوئی کھوئی ہوئی سی نگاہِ محبت ہے بھٹکی ہوئی سی

حسین احمدِ باخدا اُٹھ گئے ہیں
جو اربابِ ملت ہیں سر دھن رہے ہیں

رواں ہوں نہ آنکھوں سے کیوں غم کے دھارے نہ مایوس ہوں کیوں جہاں کے نظارے
لرزتے ہیں پلکوں پہ آکر ستارے جدا ہو گئے ہائے محسن ہمارے

وہ جب یاد آئیں گے آیا کریں گے
ہمیں خون کے آنسو رلایا کریں گے

برے وقت میں سب کے کام آنے والے سیاست کی گتھی کو سلجھانے والے
رہِ راست پر ہم کو لے جانے والے حدیث اور قرآن سمجھانے والے

مفکر، مبلغ، محدث، مفسر
دماغ ان کا روشن تھا اور قلب ذاکر

(۱) قال شیخنا الحسین احمد المدنی ثنا المحمود الحسن الدیوبندی ثنا القاسم النانوتوی و رشید احمد الگنگوھی قالا حد ثنا الشیخ عبد الغنی الدھلوی حد ثنا الامام الحجۃ الشاہ محمد اسحق الدھلوی ثنا عبد العزیز الدھلوی ثنا الشاہ ولی اللہ الدھلوی رحمھم اللہ تعالٰی۔

(۲) اخبرنا الشیخ حسین احمد المدنی عن الشیخ الاجل محمود الحسن الدیوبندی عن مولانا رشید احمد الگنگوھی و مولانا القاسم النانوتوی کلاھما عن الشیخ عبد الغنی الدھلوی وعن الشیخ احمد سعید الدھلوی و مولانا احمد علی السھارنفوری قدس اللہ اسرارھم کلھم عن الامام الحجۃ الشاہ محمد اسحاق الدھلوی عن الشاہ عبد العزیز الدھلوی عن الشاہ ولی اللہ الدھلوی قدس اللہ اسرارھم

(۳) اخبرنا الشیخ حسین احمد المدنی عن الشیخ محمود الحسن الدیوبندی عن العلامۃ محمد مظھر النانوتوی و مولانا القاری محمد عبد الرحمن الفانی فتی کلاھما عن الشاہ محمد اسحٰق رحمھم اللہ تعالٰی آخرہ۔

(۴) قال الشیخ الحسین احمد المدنی اروی ھذہ العلوم عن الشیخ الاجل مولانا عبد العلی وعن الشیخ الاجل مولانا خلیل احمد السھارنفوری کلاھما عن المولانا رشید احمد الگنگوھی و مولانا القاسم النانوتوی الی آخرہ۔

(۵) قال الشیخ الاجل السید حسین احمد المدنی اروی عن امشیخۃ اعلام من الحجاز اجازہ و قرأۃ الاوائل بعض الکتب اجلھم شیخ التفسیر حسب اللہ الشافعی الملکی و مولانا عبد الجلیل برادۃ المدنی و مولانا عبد السلام الداغستانی مفتی الاحناف بالمدینہ المنورہ و مولانا السید احمد البرزنجی مفتی الشافعیہ بالمدینۃ المنورہ رحمھم اللہ تعالٰی۔

راس المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نور اللہ مرقدہ سے امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری و ترمذی رحمہما اللہ تعالٰے تک سلسلہ سند مشہور و معروف ہے اور کتب مذکورہ میں طبع ہو چکا ہے اور امام بخاری و ترمذی رحمہما اللہ تعالٰے سے آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر حدیث شریف کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اس طرح سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تک سلسلہ سند متصل ہو جاتا ہے۔

رعایت آداب علوم نبویہ

علوم نبویہ کی فضیلت کے سلسلہ میں قرآن حکیم میں متعدد آیات ہیں یرفع اللہ الذین آمنو منکم والذین اوتوا العلم درجات قال تعالٰی قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔

احادیث مبارکہ میں بھی بیان فرمایا گیا ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم العلماء ورثۃ الانبیاء وایضاً قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشفع یوم القیامت ثلاثۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء آثار صحابہ میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے قال علی ابن طالب کرم اللہ وجھہ العلم میراث الانبیاء۔ اور متعدد دلائل اس پر موجود ہیں۔

لہٰذا ان علوم نبویہ کے عظیم الشان آداب ہیں جن کی رعایت کرنا ہر معلم کو ضروری ہے چنانچہ شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ ان آداب و علوم کی مکمل رعایت فرماتے تھے مختصر طور پر چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔

چنانچہ آپ کا مقصد درس علوم نبویہ سے شہرت، عزت وجاہ، احترام نہ تھا، بلکہ آپ کا مقصد فقط جناب باری تعالٰے کا امتثال امر اور خوشنودی تھا۔ نیز آپ چاہتے تھے کہ علوم نبویہ کی نشر و اشاعت اعلٰے پیمانہ پر ہو تا کہ امت میں علماء زیادہ تعداد میں پیدا ہوں اور امت میں سے جہلا کی تعداد کم ہو اور اللہ کے بندوں کو راہ راست پر لایا جائے اور دین الٰہی و سنت نبوی کی خدمت کی جائے۔

دوسری چیز معلم کے لئے یہ ضروری ہے کہ معلم وہ طریقہ اپنے شاگردوں کے ساتھ اختیار کرے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کے ساتھ تھا چنانچہ آپ اپنے شاگردوں کے ساتھ اس قدر شفقت و محبت سے پیش آتے تھے کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

تیسری چیز معلم کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے متعلمین سے کسی معاوضہ و اجر کا طالب نہ ہو کما قال تعالٰے قل لا اسئلکم علیہ اجرا چنانچہ آپ نے مدت العمر اپنے کسی شاگرد سے کسی قسم کا طمع اور لالچ نہ کیا بلکہ ان اجری الا علی اللہ پر عمل پیرا رہے۔

چوتھی چیز یہ ضروری ہے کہ اپنے شاگردوں کو اخلاق حسنہ کی جانب رغبت دلائے اور سیئات سے بچنے کی تاکید کرتا رہے چنانچہ آپ درس میں ہمیشہ سختی کے ساتھ ان دونوں باتوں کا حکم دیتے

تین دور اور ہر ایک کا مادۂ تاریخ

(از مولانا جمیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی مفتی دار العلوم دیوبند)

شیخ کے ادوار طبعی تین ہیں　　مہد و عہد و لحد ہیں ان سب کے نام
عرض کرتا ہوں بتوفیقِ خدا　　سال ہر ایک کا بہ تفصیلِ تمام
ہے ظہورِ ہادیٔ اقدس سنو　　مہد و پیدائش کا سال با مرام
عہد یعنی عمر[۱۲۹۶] کی تاریخ ہے　　المجدد یا فقط لفظِ امام
۸۲　　۸۲

(جبکہ سن ولادت سے سن وفات تک ہر سن ہجری کو مستقل شمار کیا جاتے)

اور وفاتِ پاک یعنی لحد کا　　سال غم ہے مرقدِ شیخ الانام
دریغا آں حسین احمد جدا شد　　کہ بُود او مہر چرخِ دین چوں ماہ
پئے سالِ وفاتش گفت ہاتف　　وصالِ خاتم الاسلاف یا آہ
۱۳　۷۱　۶
۱۳ھ ۷۷

تھے اگر کبھی ضرورت پڑتی تو ترش لہجہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرماتے۔ ایک طرف تو شاگردوں پر شفقت کا یہ عالم کر ان کے جوتے تک سیدھے کرتے۔ دوسری طرف اگر کوئی خلاف شرع امر اس سے سرزد ہو جاتے تو پھر عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔

پانچویں چیز یہ ضروری ہے کہ شاگردوں کو موعظۃ حسنہ کے ذریعہ سے نصیحت کرے چنانچہ آپ ہمیشہ موعظۃ بالحسنہ ہی فرماتے تھے نیز یہ بھی ضروری ہے کہ معلم متعلمین کی قوت اذہان کے موافق علوم بیان کرے جس قدر وہ تحمل کر سکیں، چنانچہ آپ بحکم آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انا معشر الانبیاء امرنا ان کنزا لناس منازلھم وتکلم الناس بقدر علومھم پر پوری طرح عمل فرماتے تھے۔

نیز یہ سب سے زیادہ ضروری اور اشد ہے کہ معلم کے قول وفعل میں مطابقت ہو۔ دوسروں کو جس کی تعلیم دے تو پہلے خود اس پر حامل ہو۔

آپ کے پیش نظر چونکہ قول تعالٰے لِمَ تَقُولُونَ مَالَا تَفْعَلُون اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی اشد الناس عذابًا عالم لم ینفع اللہ بعلمہ وقال ایضًا اشد الناس حسرۃ یوم القیامۃ رجلان رجل علم علمًا فیریٰ غیرہٗ یدخل الجنۃ بعلمہ لعملہٖ وھو یدخل النار لتضیعہ العمل بہ یہ آیات واحادیث تھیں اور آپ ان احادیث کی تعلیم دیتے تھے لہذا اس بنا پر آپ کے قول وفعل میں اعلیٰ درجہ کی مطابقت تھی آپ کا عمل تفسیر شریعت تھا جس کو دنیا نے دیکھا چونکہ آپ کی زندگی کا ہر ورق سامنے تھا۔ کبھی آپ کے قول و فعل میں تخالف نہ پایا تھا۔

نیز علوم نبویہ کی نشرو اشاعت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسرے اہل علم کا احترام کرے اور سلف صالحین سے عقیدت رکھے اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرے چنانچہ پوری زندگی اس پر عمل پیرا رہے۔

درس کے وقت ضحک، ہزل نہ ہوتی تھی بلکہ حلم۔ وقار، رفق، مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے درس میں ہمیشہ باوضو رہتے اور خوشبو استعمال فرماتے تھے اور اس کے علاوہ تمام آداب علوم کو اختیار فرماتے۔

فی رثاء الشیخ رح

بقلم المولوی عبد الرشید ارشد الریاضی الادیب العالم

ابر الناس اتقاھم کما قالوا	علی فضل وکرم کان محیولا
احب العصر کالانسان فی عین	کا صحاب مضی فی الخلق مقبولا
غزا ابدا اذاً با حینما ابدوا	نواجذھم الیٰ ان نال مسٔولا
معارفہ لدی الاقوام ملتمۃ	بموت الحر دھرٌ دام متبولا

تصوف من وراء الغیب قد امسی

بحور العین فی الفردوس مشغولاً

۱۳۷۷ھ

طریقۂ درس

قرأۃ حدیث کے بعد اسناد حدیث کے متعلق تحقیق فرماتے۔ رواۃ پر فن اسماء رجال کی حیثیت سے بحث فرماتے اور جرح و تعدیل فرماتے۔ مناسب موقعہ پر رواۃ کے حالات بیان فرماتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جب کسی صحابی کا ذکر آتا تو ان کی خصوصیات ذکر فرماتے۔ اس کے بعد متن حدیث کا مفہوم اس طرح سمجھاتے کہ اچھی طرح سے ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ حدیث میں جو مشکل الفاظ آتے تھے ان کی لغوی تحقیق فرماتے۔ حدیث کے مراتب صحیح۔ حسن وغیرہ بیان فرماتے۔ اس حدیث پر اگر کوئی اعتراض وارد ہوتا تو اس اعتراض کو بوضاحت بیان فرماتے اور اس کے چند قوی جوابات جو مستند ہوں بیان فرماتے تھے تعارض حدیث کو تو اس طرح دور فرماتے کہ یہ یقین کرنا پڑتا تھا کہ ان میں کبھی تعارض ہی نہ تھا۔ ہر حدیث کا صحیح اور عمدہ محمل بیان فرماتے، اگر کوئی حدیث کسی جگہ مختصراً بیان کی گئی ہے تو اس کی تفصیلی حدیث بیان فرماتے۔ تراکیب نحویہ۔ تشریح مقامات خصائص کتب، فن حدیث کی اصطلاحات کی تشریح علل احکام، امور شرعیہ کے عقلی ومشاہداتی دلائل، صحابی کی حدیث مرویہ کی تعداد، وجہ تخصیص مذاہب آئمہ اربعہ۔ دیگر علوم وفنون کی اصطلاحات کی تشریح احادیث نبویہ کا صحیح محمل، احادیث منسوخہ کی مکمل بحث، فرضیت احکام کی تواریخ و شان نزول، فرق حقہ و فرق باطلہ کے عقائد کی تشریح مع دلائل، تفسیر آیات، تشریح معجزات مستند قصص انبیاء، الجاث متعلقہ ایمان، وجہ تسمیہ سوئہ قرآنی عصمت انبیاء احوال آئمہ حدیث، شرائط معمول بہا، محدثین، اثبات القدرۃ الالہیہ، تراجم ابواب سے احادیث مرویہ کی مطابقت، شعب ایمان، وغیرہ کو بالتفصیل بیان فرماتے، اگر کوئی حدیث اختلافی مسئلہ سے متعلق آتی تو تفہیم حدیث کے بعد اختلافات ائمہ بیان فرماتے، اور پھر ہر امام کے جملہ دلائل بالتفصیل بیان فرماتے اور سب سے آخر میں مذہب حنفی کو قوی دلائل سے مزین فرماتے۔ اور دلائل کو مع حوالہ بیان فرماتے۔ اور دیگر ائمہ کے دلائل کے چند قوی جوابات دے کر مذہب حنفیہ کو حدیث سے مطابق فرماتے تھے، اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ حنفی مذہب احادیث نبویہ کے بالکل مطابق ہے اور امام ابو حنیفہ رح کو تفقہ فی الدین میں دستگاہ کامل حاصل ہے۔

مراتب صحابہ تابعین وتبع تابعین، فقہ، حدیث، مذاہب، محدثین، اسامی محدثین بلدان رواۃ حدیث واوطانہم، انساب محدثین کنیات صحابہ وتابعین وانباعہم، قبائل رواۃ اعمار محدثین وولادتہم ووفاتہم القاب محدثین، فی الاسانید، زیادہ الفاظ فقیہہ زیادہ راد۔ اولاد صحابہ رض، علل حدیث، رواۃ شاذۃ، الفاظ غریبہ کی تشریح، طبقات محدثین، ذکر مدلسین مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وغیرہ جملہ لوازم درس حدیث کا آپ دوران درس التزام فرماتے تھے۔

خصوصیات درس

(۱) دوران درس جب کسی پیغمبر کا اسم گرامی آتا تو علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے اور اگر کسی صحابی کا نام تنہا آتا تو رضی اللہ تعالٰے عنہ اور اگر سند حدیث میں دوسرے اکابر کے ساتھ آتا تو رضی اللہ عنہ وعنہم فرماتے اور اگر ائمہ مذہب علماء واولیاء سلف کا نام آتا تو

مرثیہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

از: الم مظفرنگری

بزمِ ہستی ہم نشیں تصویرِ ماتم خانہ ہے
ہر چمن میں سرنگوں ہر پھول کا پیمانہ ہے
صبح کے چہرے پہ ہے خونِ شفق پھیلا ہوا
شام کی زلفوں کا ہر انداز ہے الجھا ہوا
شیون محشر چکاں ہے موجِ دریا کا خروش
ہر بھنور کی گردشیں طوفاں میں ہیں ماتم فروش
انجم گردوں کے جلووں پر اندھیری چھا گئی
پڑ گئی ہے ماند بام کہکشاں کی روشنی
محفلِ گیتی میں یہ کس طرح کا کہرام ہے
کوہساروں کا تحمل لرزہ بر اندام ہے
نالہ دل دوز ہے ہر نغمہ سازِ وطن
بن گئی ماتم سرا روحانیوں کی انجمن
عرش تک پہنچا ہوا ہے شورِ فریاد و بکا
ہے زمیں لرزش میں اور گردوں کا سر چکرا گیا
شمع بزمِ طورِ عرفاں کی تجلی ہے خموش
نالۂ شبگیر ہے آوازِ الہام سروش
منقلب ہے حریت کی رفعتوں کا اقتدار
زلزلے کی نذر ہے تہذیبِ ملت کا وقار
مطربِ بزمِ ہدیٰ کا ہے گلا بیٹھا ہوا
خارج از آہنگ ہے نغماتِ وحدت کی صدا
دردِ دل سے مضطرب اہلِ طریقت ہیں سبھی
بیخودِ غم بادہ نوشانِ حقیقت ہیں سبھی
اٹھ گیا بزمِ جہاں سے اہلِ عرفاں کا امام
منتشر ہے مذہب و ملت نوازی کا نظام
دے گیا داغِ جدائی سرشدِ اربابِ فن
دور پہنچا رہ گرا سے جادۂ حب الوطن
پرچمِ تقدیس ہے بادِ اجل سے سرنگوں
ہے تزلزل کی زدوں میں قلعۂ گردونِ دوں

وہ حسین احمد کہ موقف جن کا تھا بیت الحرم
جن سے تھا شیرازۂ اوراقِ ملت منتظم
ہر نفس جن کا نسیمِ گلشنِ توحید تھا
جن کا دل روزِ ازل سے مرکزِ تمجید تھا
جو کہ دریائے حقیقت کے تھے تابندہ گہر
کامیاب جلوۂ وحدت تھی جن کی ہر نظر
دی جنہوں نے مضمحل احساس کو تاب و تواں
داستانِ عشق کو بخشی حیاتِ جاوداں
جن سے ذروں کو ملا ہستی میں اوجِ آفتاب
دعویٔ الفقر فخری جن کا تھا گردوں جناب
بڑھتی ہی رہتی تھی جن سے گرمیٔ بزمِ شعور
جن کی آنکھوں میں تھے روشن جلوہ ہائے بامِ طور
دہرِ فانی سے گئے وہ جانبِ دار البقا
یعنی عشقِ سرمدی مرکز سے اپنے مل گیا
بے ثباتی جہاں کا اب ہوا مجھ کو یقیں
موت کے پنجے سے کوئی بچ سکے ممکن نہیں
ہے وجودِ زندگی آلودۂ خوابِ فنا
ذرے ذرے پر ہے رنگِ مرونی چھایا ہوا
پستیوں کی نذر ہو جائے گا ہر اوجِ کمال
لے اڑے گی گلستانِ دہر کو بادِ زوال
لائیں گے پیغام مرگِ ناگہاں لمحاتِ عیش
نالۂ فریاد بن جائیں گے سب نغماتِ عیش
ایک نقطے پر سمٹ آئے گی بزمِ کائنات
سب کو آئے گا نظر بے پردہ مقصودِ حیات
خود بدل جائیں گی حالت منتشر ذرات کی
اپنی منزل پر ٹھہر جائے گی آ کر زندگی
یہ تو سب کچھ ہو رہا ہے اور ہو گا بے گماں
لیکن ہرگز ہم نہ بھولیں گے غمِ شیخِ زماں

منتشر ہے بزمِ اخلاص و وفا کا انتظام
ہو گا کیوں کر دعوت و تبلیغِ حق کا انصرام
کون اٹھائے گا قدم احیائے سنت کیلیے
اب کہاں ہوں گے اصولِ علم و فن پر تبصرے
کون حاوی ہے حدیث و فقہ کی تعدیل پر
کون دے گا رائے احکامات کی تاویل پر
کون بتلائے گا استغفار کا رازِ نہاں
کون سمجھائے گا مقصودِ حدیثِ کن فکاں
ربط اتنا ہے کسے تسبیح سے تحمید سے
فکر کس کی منفصل ہے شرع کی تائید سے
کس کا اقدامِ عمل صدیقیت آموز ہے
کس کی خاموشی کا عالم اتقا افروز ہے
وہ گیا، تھی رائے جس کی بے عدیل و بے مثل
جس کی ہر تنقید میں تھے نکتہ ہائے برمحل
قلبِ مضطر کو کسی صورت نہیں آتا قرار
باعثِ تکلیفِ روحانی ہے ذہنی انتشار
گر رہی ہیں بجلیاں سی منزلِ انفاس پر
برقِ غم کی یورشیں دامنِ احساس پر
اپنی ہمت کھو چکی ہے قوتِ ضبطِ فغاں
خوں چکاں ہونٹوں پہ نالے آ گئے بن کر دھواں
اے اجل، اے ناوک انداز و حریفِ پرخطر
مصلحت کو تو نہیں رکھتی کبھی مدِ نظر
چوٹ پر تیری کبھی ہوتا ہے وہ عالی مقام
تجھ پہ بھی لازم ہوا کرتا ہے جس کا احترام
بے محابا تو مگر کرتی ہے اس کو بھی فگار
ہائے خالی نہیں جاتا ہے تیرا کوئی وار
کام میں لائی ہے اب کے تو وہ پیکانِ ستم
جس کی زد نے خون برسایا ہے تا بابِ حرم

رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے بشرطیکہ وہ اہل سنت والجماعت سے ہوں اس پر پابندی سے خود بھی عمل فرماتے، اور طلباء کو بھی تاکید فرماتے تھے۔

(۲) دوران درس طلباء جس قدر بھی سوالات کرتے آپ ان کے تسلی بخش جوابات عنایت فرماتے۔ حالانکہ روزانہ اوقات درس کا اک معتد بہا حصہ اس میں صرف ہوتا تھا ان سوالات میں درس سے غیر متعلق سوالات بھی ہوتے، مگر آپ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جوابات دیتے، اس سے مقصد یہ تھا کہ متعلمین کو مسائل کما حقہٗ ذہن نشین ہو جائیں اور کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے، سوالات و جوابات کا یہ طولانی سلسلہ آپ کے درس کے علاوہ اور کسی درس میں نہ ہوتا تھا۔

(۳) متعلمین سے دوران درس بے تکلفانہ خطاب فرماتے اور بحکم حدیث نبوی انا انا لکم مثل الوالد لولدہٖ انتہائی شفقت و محبت سے پیش آتے۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ دارالحدیث میں ایک مشفق باپ اپنی اولاد سے کھیل رہا ہے دوران درس کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے تھے۔

(۴) آپ کے درس حدیث میں کان علیٰ رؤسہم الطیر۔ کا منظر قابل دید ہوتا تھا سب طلباء ہمہ تن آپ کی تقریر کی طرف متوجہ رہتے تھے۔

(۵) دوران درس آپ ہمیشہ باوضو رہتے اور خوشبو استعمال فرماتے۔

(۶) بخاری جلد ثانی ر کتاب المغازی میں باب تسمیۃ من سمی من اھل بدر فی الجامع اللبنی محمد بن عبداللہ الہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم ایاس بن البکیر بلال بن رباح مولیٰ ابی بکر القرشی لی آخر هلال بن امیۃ الانصاری پر سب طلباء سے دعا کراتے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے لمعات میں مذکور ہے۔ ان الدعاء عند ذکرھم فی البخاری مستجاب

(۷) بخاری شریف جلد ثانی باب فضل فاتحۃ الکتاب کی دوسری حدیث کو پڑھاتے اور سورۃ فاتحہ کے اک مخصوص عمل کی ان الفاظ کے ساتھ اجازت دیتے تھے۔ یہ میرا تجربہ ہے اور مجھے اس امر کی اجازت ہے اور میں آپ حضرات کو اس کی اجازت دیتا ہوں۔

(۸) صحاح ستہ کے مصنفین چونکہ شافعی المسلک ہیں اس وجہ سے مسائل فقہیہ میں احادیث صحاح حنفی مسلک کے مخالف ہوتی ہیں اس وجہ سے حنفی مسلک کے اثبات میں بڑی دشواری پیش آتی ہے آپ صحاح ستہ ہی میں ایسی احادیث نکال کر بتلاتے تھے جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حنفی مسلک منشائے حدیث کے عین مطابق ہے۔

(۹) کسی موقع پر اگر استشہاد کلام عرب کی ضرورت واقع ہوتی تو آپ متعدد اشعار اور بیشمار عبارتیں کتب لغت کی بلا تکلف بیان فرماتے اس موقعہ پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ لغۃ وادب کی کتابیں کھلی ہوئی ہیں اور آپ بلا تکلف انکو پڑھتے جا رہے ہیں۔

(۱۰) کسی جگہ پر اگر کسی فن کی کوئی بحث آجاتی۔ تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو اس فن میں ید طولیٰ حاصل ہے۔

(۱۱) درس کی احادیث میں جب آپ تلاوت احادیث فرماتے تو آپ پہلے یہ خطبہ مسنونہ پڑھتے تھے۔

الحمد اللہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمد عبدہٗ ورسولہ اما بعد فان اصدق الحدیث کتاب اللہ واحسن الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار

داگر بخاری شریف ہوتی تو اس طرح پڑھتے

وبالسند المتصل الی الامام عاعد الحجۃ امیر المومنین فی الحدیث ابی عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن بردزبۃ الجعفی البخاری۔

اور اگر ترمذی شریف ہوتی تو اس طرح پڑھتے

بالسند المتصل الی الامام الحافظ الحجۃ امیر المومنین فی الحدیث ابی عیسٰی محمد بن عیسٰی بن موسٰی بن سورۃ الترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ ونفعنا بعلومہ آمین قال حدثنا الخ۔

(۱۲) اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری شریف کے ختم کے موقعہ پر جب آپ اپنے مخصوص لہجہ میں آخری حدیث حدثنا احمد بن اشکاب قال حدثنا محمد بن فضیل عن عمارۃ بن القعقاع ابی زرعۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنھم قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم ن تلاوت شروع فرماتے تو قلوب پر رقت طاری ہونے لگتی تھی اور آپ حاضرین پر روحانی توجہ فرماتے تو تمام لوگ زار و قطار رونے لگتے تھے اور دل کانپ جاتے تھے اور لوگ توبہ واستغفار اس طرح سے کرتے تھے گویا کہ دربار خداوندی میں حاضر ہیں اور رو رو کر اپنے گناہوں سے معافی چاہ رہے ہیں۔ اور اس موقعہ پر جو دعا مانگی جاتی تھی۔ وہ مقبول ہوتی تھی۔

آنکھیں اشکبار، دل تڑپتا ہوا۔ زبان لڑکھڑاتی ہوئی۔ رونگٹا رونگٹا کانپتا ہوا۔ غرض مجمع ماہی بے آب کی طرح تڑپتا تھا۔ اور توبہ واستغفار اور دعا کرتا تھا عجیب منظر ہوتا تھا۔ اس کا بیان کس طرح سے کیا جائے۔ اس کے اظہار کے لئے الفاظ کہاں سے لائے جائیں۔

خدا گواہ ہے کہ دارالعلوم کے ہر دور میں بخاری ختم ہوئی۔ مگر اس انداز کی ختم بخاری کہاں دارالعلوم کی تاریخ میں اس کی نظیر ملنا ممکن نہیں۔ روحانیت کا یہ عظیم الشان منظر شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ کے ساتھ ختم ہو گیا۔ آپ کی وفات کے ساتھ تاریخ کا اک دور ختم ہو گیا۔

(۱۳) دوران درس امر بالمعروف نہی المنکر، اعتصام بالکتاب والسنۃ کی تلقین ہمیشہ فرماتے۔ متعلمین کے عقائد، اخلاق، اعمال کی اصلاح کے لئے جو مواعظ و نصائح ضروری

ہونے سب کی تلقین فرماتے تھے۔

تطابق عمر بخلیفۂ سوم

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہٗ کی عمر کے متعلق معرفۃ علوم الحدیث صد ۲۰۲ پر تحریر ہے

وقتل سنۃ خمس وثلثین، وھو یومئذٍ ابن اثنتین و ثمانین سنۃ"

نیز تذکرہ الحفاظ جلد اوّل صد ۱ پر شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں عاش بضعًا و ثمانین سنۃ

اس طرح پر آپ کی عمر خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی عمر کے مطابق ہے۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

تطابق تاریخ وفات

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۳ جمادی الاوّل کو جمعرات کے روز بعد ظہر ہوئی ہے یہی تاریخ وفات بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہٗ کی ہے

مناسبت ماہ وفات بغزوات

ماہ جمادی الاولیٰ میں دو غزوے ہوتے ہیں، غزوہ خیبر، غزوہ موتہ اور اسی ماہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

مناسب ماہ وفات بوفات صحابہ رضؓ

ماہ جمادی الاولیٰ میں حضرت زید بن حارثہ رضؓ۔ حضرت عبداللہ بن رواحۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہٗ ان صحابہ کی وفات ہوئی ہے اس طرح سے آپکی وفات حضرات صحابہ کی وفات کے مطابق ہے۔

ان بچوں کو لے جا کر گنگوہ پہنچا تو وہاں حدیث کا نور دیکھتا ہوں۔

جد محترم حاجی عبدالرحیم صاحب فضلی (فیض آباد) فرماتے ہیں کہ یہ مشورہ جن بچوں کے لئے قطب وقت حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادیؒ نے دیا تھا ان میں سے ایک بھائی یہ مولانا مدنیؒ بھی تھے جن کو لے کر ان کے والد ماجد اپنے شیخ کے پاس حاضر ہوئے تھے اس وقت یہ بہت چھوٹے تھے اندازہ کیجیے کہاں گنج مراد آباد اور کہاں گنگوہ میں قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمۃ کا سایۂ اقدس مگر تمام علماء اور مدارس اسلامیہ کو چھوڑ کر وہاں پہنچنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے صرف اس وجہ سے کہ وہاں حدیث کا نور دیکھنا تھا دیکھنے والے شیخ وقت نے اور ضرورت سمجھی تھی کہ مولانا حبیب اللہ صاحب کے بچے اٹھیں تو حدیث کا نور لے کر اٹھیں۔

چنانچہ ہم نے اور آپ نے دیکھا کہ ان میں سے ایک بچہ اسلام اور مسلمانوں کی آبرو، علم وعمل کا معیار اور ملک وقوم کا سرکردہ، قطب عالم شیخ الاسلام مولانا مدنی بنکر افق عالم پہ اس طرح آیا کہ حدیث کے نور کو دنیا کے گوشے گوشے میں عام کر گیا۔

گویا حضرت گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ ایک بشارت تھی اس ذات قدسی کی نشوونما کے لئے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(۲) کئی سال ہوئے کہ استاذ محترم حضرت مولانا ضرغام الدینؒ نے ازراہ شفقت

دریافت فرمایا کہ "منے کہیں بیعت ہوئے کہ نہیں"!

عرض کیا کہ "حضرت اب ارادہ ہو رہا ہے"۔ یہ وہ وقت تھا کہ فراغت کے بعد تقریباً دس سال تعلیمی کام کر چکا تھا جس میں تقریباً تمام کتابیں دہرائی تھیں۔ ان دس برسوں میں میرا یہ زعم ٹوٹ گیا تھا کہ تنہا علم عمل کے لئے کافی ہے اور یہ کہ صرف علم سے ایمان کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے اس لئے شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کسی ایسی شخصیت کی کہ جس کی برکت سے ایمان میسر آئے عمل کی راہ کھلے۔ اب میں کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ کس دربار میں حاضری دوں جب تک مولانا ضرغام الدین علیہ الرحمۃ نے رہنمائی فرمائی کہ۔

"منے اب ضرور بیعت ہو جاؤ کام کرنے کی یہی عمر ہے مگر دیکھو اس بات کا خیال رکھنا"
حضرت فرمایئے ضرور خیال رکھوں گا تو فرمایا تو خوب فرمایا۔

"منے وہاں بیعت ہونا جہاں تمہارا علم مطمئن ہو جائے"۔ جو لوگ حضرت الاستاذ کے مزاج اور حالات سے واقف ہیں کچھ وہی جانتے ہیں کہ حضرت نے کیا کچھ فرمایا میں نے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ ایسا ہی کروں گا۔

چنانچہ میں نے اپنا ماحول دیکھا تو گھر میں جد محترم حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب فضلی کا سایہ رحمت خاندان میں حضرت مولانا وصی اللہ صاحب فتح پوری کا دامن گھر بار سرپرستوں میں حضرت مولانا ضرغام الدین کی نگاہ دلنواز اور اساتذہ میں حضرت مولانا مدنی کی آغوش رحمت کھلی ہوئی تھی۔ کچھ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کی زیارت کرتے اور حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی جوتیاں سیدھی کرنے کا موقع بھی پایا تھا۔ وہ بھی سامنے تھے ان سب کے باوجود دیوبند سے چلا تھا تو طبیعت اس پر مائل تھی کہ پیری مریدی کے چکر میں نہیں پھنسنا ہے لیکن اب گردن میں اس پھندے کو ڈالنے کی ضرورت محسوس بھی ہوئی۔ تو حضرت مولانا ضرغام الدین صاحب نے "کہ جہاں تمہارا علم مطمئن ہو جائے وہاں بیعت ہونا" فرما کر پیروں میں اتنی سخت زنجیریں ڈال دیں کہ قرابت، پڑوس، شہرت۔ تصنیف، تقریر اور کرامت جیسی کوئی طاقت انہیں توڑ نہیں سکی اور پھر تقریباً تین سال تک میری اور برادر محترم مولوی ضیاء الحق اعظمی مرحوم کی سخت ردّوکد اور بحث و حجت نے ہمیں لے جاکر جہاں ڈال دیا وہ آستانہ تھا شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کا۔ کیونکہ ہم نے اس عرصہ میں تعلق محبت، رشتہ، بزرگ پرستی، اور خام خیالی کی ہر سطح سے بلند ہو کر صرف اپنی معلومات اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا چاہا اور جو کچھ دین اور اہل دین کے لئے پڑھا اور سنا تھا اس کا مجسمہ تلاش کیا تو ہم شہادت دے سکتے ہیں کہ ہماری نظریں حضرت مدنی رح کے سوا ہمیں کہیں نہ ٹھہرا سکیں ہم نے جہاں سے حضرت شیخ کو دیکھا اندازہ و تصور سے زیادہ مکمل پایا حتیٰ کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری دامت برکاتہم کی اس بات میں کوئی مبالغہ نظر نہ آیا جو انہوں نے اثنا درس میں فرمائی تھی کہ "مولانا حسین احمد صاحب اس زمانے کے اولیاء اللہ کے امام ہیں"۔ (شوال ۱۳۷۰ھ لاہور)

لوگ ان کو مدرسی کے لباس میں دیکھ کر سمجھا کرتے ہیں کہ وہ صرف مدرس اور لیڈر رہیں ہم نے اپنے مخصوص ماحول کی برکت سے پیران طریقت کو بہت دیکھا سنا تھا کچھ دور سے بھی کچھ نزدیک سے بھی مگر جس کی طرف محبت سے بڑھے تھے قریب جاکر بغیر محبت واپس ہونا پڑتا تھا لیکن حضرت شیخ کے یہاں جتنا جتنا قریب ہوتے گئے ان کی محبت ماں باپ سے بھی زیادہ بڑھتی چلی گئی اور سچ یہ ہے کہ اگر ہم حضرت شیخ کو نہ دیکھتے تو ہم کو ہرگز یقین نہ آتا کہ اس چودھویں صدی میں کوئی صحابہ کی طرح اسلام پر عمل بھی کر سکتا ہے مگر ان کی زندگی میں یہ دیکھ کر کہ خلوت سے جلوت تک یا تو اللہ کا حکم تھا یا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت یا اسلاف کا طریقہ۔ ہمیں باور کرنا پڑا کہ اسلام زندگی کے لئے زندہ ہے چنانچہ حضرت جہاں کہیں تھے اللہ کے بندے، اسلام کی تصویر، حضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام اور دینداروں کے دوست تھے اور اسی صفت نے ان کو علماء اور صلحاء کا محبوب ترین آقا اور واجب الاحترام شیخ الاسلام بنا دیا تھا برد اللہ مضجعہ"

(۳) صاحبزادہ محترم مولانا اسعد صاحب راوی ہیں کہ آسام میں ایک عالم نے حضرت سے سوال کیا کہ ائمہ حدیث نے پوری عمر صرف کر کے ایک ایک کتاب لکھی ہے اور ہم لوگ ایک ہی سال میں تمام ائمہ کی کتابیں پڑھ ڈالتے ہیں اس لئے ہمارا علم ان سب سے بڑھ گیا حالانکہ ہم لوگوں کو کچھ نہیں آتا۔

اس پر حضرت شیخ نے یہ نہیں فرمایا کہ علم مطالعہ کا نام نہیں ہے رسوخ کا نام ہے اور نہ یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ علم عمل اور انقیاد کو کہتے ہیں یا وہ کیفیت ہے جو کثرت معلومات سے کسی صاحب ذوق میں پیدا ہو جائے بلکہ ان سب سے بلند اور عجیب جواب دیا وہ علم اس نور کا نام ہے جو اللہ تعالےٰ دل میں پیدا کر دیتے ہیں اگر اس طرح کے کاموں میں لگا رہے علم دین اگر اس نور کا نام ہے جو کسی کو اللہ تعالےٰ عطا کر دیتے ہیں تو حضرت شیخ کی زندگی میں اسلام کی جتنی جلوہ سامانیاں ہیں اسی نور کا پرتو ہیں اور اس ملک میں یا اس سے باہر آپ تلاش کریں تو ایسے بہت سے لوگ نظر آویں گے جن کی ذکاوت حد درجہ ہے یا مطالعہ کی وسعت بہت ہے یا یادداشت کا خزانہ بڑا ہے یا ادراک کا ملکہ اچھا ہے یا فکر کی گہرائی بے مثل ہے مگر ایسی شخصیت جس کے دل میں دین کا ایک نور ہو جس سے اس کی زندگی کے ہر ہر مقام پر اسلام کی روشنی میسر آئے کہ وہ اگر سیاسیات میں آئے تو دین کے سوا اس کا کوئی داعیہ نہ ہو اور اسلام کے سوا اس کی کوئی روشنی نہ ہو یا معاملات میں اترے تو اخلاص اس کی بنیاد ہو اور اتباع رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی منشا ہو تبلیغ و ارشاد کو اٹھے تو صرف خدا سے زندہ تعلق پیدا کرنا اس کا مقصد ہو اور اسلام کو زندگی میں سمو دینا اس کا دستور ہو۔ اور اخلاق و عادات میں نمایاں ہو تو مصلحت ضرورت اور تعلقات کی ہر پستی سے بلند ہو کر خدا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت پر ایمان کے صحیح تقاضے پر پورا اترنا ہی اس کے سامنے ہو حتیٰ کہ انسانیت کی اس معراج کے لئے کبھی اس نے اپنی قیمت نہ سمجھی۔ ایسی شخصیت اگر نظر آئی تو شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کی صورت و سیرت میں تھی۔ اعلی اللہ درجاتہم و اتباعہم۔

(۴) ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب نے اپنے والد صاحب سے لڑائی کر لی اور معاملات عدالت تک چلے گئے دونوں کے دو مدرسے کھل گئے تو ان کے معاملات سلجھانے کے لئے بڑے بڑوں نے کوششیں کیں مگر مسئلہ حل نہ ہو سکا حتیٰ کہ ہماری جماعت کے علامہ

فن، استاذ محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی دامت برکاتہم جیسے ذکی و زیرک شخصیت بھی تصفیہ نہ کرا سکی۔ اس مسئلہ میں حضرت شیخ نے جو موقف اختیار کیا تھا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نور نبوت سے انھوں نے کس قدر اکتساب فرمایا تھا۔

خلیل آباد (بستی) میں ارشاد فرمایا کہ :۔

مولوی ..... صاحب میرے پاس بھی معاملہ لے کر گئے تھے میں نے ان سے کہہ دیا کہ باپ بیٹے میں معاملات کچھ نہیں ہوتے جن کا فیصلہ کیا جاتے۔ باپ باپ ہے بیٹا بیٹا۔

پھر فرمایا کہ :۔

مگر جب انھوں نے معاملات ہی پر اصرار کیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ جو رقم جس کام کے لئے دی گئی ہو اسے دیانت سے خرچ کرنا فرض ہے کہ واجب ہے کہ مستحب۔ انھوں نے کہا کہ فرض ہے تو میں نے پوچھا کہ اس کی کارکردگی کی تفصیل کاغذ پر لکھ لینا فرض ہے کہ واجب کہ مستحب، تو انہوں نے کہا کہ یہ مستحب ہے اس کے بعد میں نے پوچھا کہ باپ کی اطاعت کرنا اور اُسے اُف نہ کہنا فرض ہے کہ واجب کہ مستحب۔ جواب ملا کہ فرض ہے۔

اس پر میں نے کہا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ عالم ہو کر ایک مستحب کام کے لئے فرض کو چھوڑ بیٹھے ہو اور کہتے ہو کہ فیصلہ کرو۔

حضرت کا یہ بیان پڑھئے جس کا میں خود شاہد ہوں اور اندازہ کیجئے کہ مزاج اور علم میں دین کا کیا درجہ تھا اور علم نور بن کر کس طرح جلوہ گر تھا ان کی نگاہ میں۔

(۵) اسی طرح ۱۹۴۷ء تک ہم نے دیکھا کہ ۱۴۔ اگست تک جس پاکستان کے بننے کی سخت ترین مخالفت کرنے والوں میں سب سے آگے حضرت شیخ تھے کہ اس سے اسلام اور مسلمان دونوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ اسی پاکستان کو اس کے بن جانے کے بعد تسلیم کر لیا اور جب کسی نے ایک مجلس میں پوچھا کہ حضرت پاکستان کے لئے اب آپ کا کیا خیال ہے تو حسب معمول سنجیدگی و لبشاشت سے فرمایا کہ مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن جب وہ بن گئی تو مسجد ہے "۔ یہ تھی حضرت کے یہاں دین کی روشنی بڑے سے بڑے معاملے میں چھوٹے سے چھوٹے قضیہ میں "

(۶) ایک مرتبہ ٹانڈہ میں سحری کے وقت منٹوں پر بحث ہونے لگ گئی کہ تین بج کر اتنے منٹ ہو گئے صبح ہو گئی۔ لہذا اس کے بعد کھانے والوں کا روزہ باطل۔ حضرت نے سنا تو حسب عادت پر جلال آواز میں فرمایا کہ باہر جا کر دیکھو صبح کی روشنی پھیلی ہے یا نہیں منٹ سیکنڈ کی کیا بحث ہے۔؟ نحن اُمّتہ امیة یہ سن کر بحث ختم ہو گئی مگر حدیث کے اس بر وقت جملے نے ہمیشہ کے لئے ایسے معاملات میں دینی نقطہ نظر سامنے رکھنے کا راستہ کھول دیا۔ اور دینی مزاج کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کر دیا کہ ہر مسئلے میں اصل دین تلاش کرو۔ اس جزئیہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ دین پر عام اور خاص طور پر کتنے پردے پڑ گئے ہیں کیونکہ جس مجمع میں یہ بحث ہو رہی تھی وہ سارے کا سارا مجمع علماء کا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت مولانا ضرغام الدین صاحب علماء کو بیعت نہیں کرتے تھے اور فرما دیا کرتے تھے کہ علماء حضرت مدنی ؒ کے یہاں ٹھیک ہو سکتے ہیں چنانچہ ایسا ہی بہت معمولی واقعہ ہے مگر یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ دوستی اور دشمنی بھی خود کسی معاملے کے تصفیہ کے لئے ناکافی ہے سب کا تصفیہ اصول اور علم سے ہونا چاہیئے خواہ موافق پڑے یا مخالفت کیونکہ حقانیت ہر چیز سے بالا ہے۔

(۷) ۱۹۴۷ء کا طوفان اتر چکا تھا پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے والا تھا جمعیۃ علماء اور مسلم لیگ کی تاریخی ٹکر چل رہی تھی اس اثنا میں حضرت شیخ اتفاقاً بہار سے واپس ہوتے ہوئے حضرت مولانا حمید الدین صاحب کے بچوں کو دیکھنے بہرائچ چلے آئے۔ صبح کا وقت تھا مخلصین سن کر ملاقات کے لئے آ گئے دوران گفتگو حکیم صاحب نے پوچھا کہ حضرت! بازار میں پانچ آنے کا اک خواب بک رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد علی جناح کو ایک جھنڈا دیا ہے ..... یہ کہاں تک صحیح ہے غالباً کسی نے تیز ہو کر کہا کہ جھوٹا خواب ہے۔ مگر حضرت نے فرمایا کہ "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے خواب میں آ سکتے ہیں ممکن ہے محمد علی جناح صاحب نے خواب میں دیکھا ہو۔ یہ سن کر سننے والے دم بخود رہ گئے کہ جس ذات گرامی کی وجہ سے پورے ملک میں مسلم لیگ کے مقابلہ میں دھوم مچ گئی اس کے علم و اخلاق میں آج بھی اس قدر وسعت ہے اور اس نے ہر چیز کا فیصلہ صرف دینی نقطہ نظر سے کرنے کا اس قدر خلوص پایا ہے۔

یہ سب اسی نور کا کرشمہ تھا جو اللہ تعالےٰ نے عنایت فرمایا تھا جو دوستی، دشمنی، حالات اور رسم و رواج کی تمام علاقوں کو چیر کر پار ہو جاتا تھا اور ہر جگہ ان کے روبرو دینی روشنی پھیلا دیتا تھا یسعیٰ نورھم بین ایدیھم کا ایک مجسمہ تھا اور بس۔

حضرت شیخ کے لئے ملک کے ہر طبقہ نے جو تعزیت کی ہے اسے پڑھیئے تو محسوس ہوتا ہے کہ ہر شخص اور ہر خطہ کی بساط زندگی الٹ گئی ہے لیڈروں کا سالار، کارکنوں کا رہنما، علماء کا امام، صوفیاء کا پیر طریقت، نوخیزوں کا شفیق باپ، ضرورت مندوں کا غمخوار، مدارس کا سرپرست، مدرسین کا استاد، جلسوں کا صدر، اور دارالعلوم کی بہار بن کر چلے گئے اور چار سو صف ماتم بچھ گئی ہے۔

ایسے میں سوچیئے کہ حضرت شیخ نے اپنی عمر عزیز، اپنی خداداد صلاحیت اور بے مثل مزاج کا موضوع کسی جوہر کو بنایا تھا۔ اور وہ کیا چیز تھی جس نے علم فن، سیاست، معاملات اخلاق کے تمام گوشوں کو بیک وقت سیراب کیا تھا کہ جس نے انہیں جس راہ سے پایا اپنا راہ نما اور سرپرست بنا لیا، ظاہر ہے کہ ان کا موضوع زندگی خطابت و خوش بیانی نہ تھا پھر بھی کروڑوں سننے والے گوش بر آواز ہیں، نہ انھوں نے انشاء پردازی و شیوہ طرازی کو پیش نظر رکھا تھا مگر ایک عالم ان کے حرف تسلی کا پیاسا ہے نہ وہ لے دے کر سیاسی ہنگاموں کو سر کرتے رہے لیکن ملک و قوم کی تمام جماعتیں ان کے لئے سینہ فگار ہیں، نہ خود کو صرف تعلیم و تعلم تک محدود رکھا تھا۔ اس پر بھی اساتذہ علم و فن کو کمی محسوس ہو رہی ہے نہ عبادت و تزکیہ نفس ہی کے لئے گوشہ نشین ہو گئے تھے اس کے باوجود سینکڑوں خانقاہوں میں اندھیرا نظر آ رہا ہے نہ سرپرستی اور غمگساری ہی ان کا مقصود تھا تب بھی ہر طبقہ اپنی یتیمی کے لئے سوگوار ہے۔

صرف اس وجہ سے کہ یہ سب شاخیں جس تناور درخت سے پھوٹتی ہیں وہ اسوہ محمدی اور دین ابراہیمی انھوں نے صرف پڑھا نہیں تھا بلکہ اس سے محبت سیکھی تھی اور اپنے

اسلاف کی آغوش تربیت میں اس کے لئے جینے مرنے کا جلوہ دیکھا تھا۔ اس لئے اسلام ان کا محبوب بن گیا تھا پھر اس محبوب نے جہاں سے آواز دی حضرت شیخ نے سر بکف ہو کر لبیک کہا اور اپنے علم و عمل کا سارا خلوص اس کی نذر کر دیا بلکہ اپنی عمر کا ایک ایک منٹ اس پر نچھاور کر دیا۔

ترا خیال ہے تیرا جمال ہے تو ہے
مجھے یہ فرصت کاوش کہاں کہ ہوں کیا میں

جد محترم جناب عبدالرحیم صاحب نے ایک وکیل صاحب کے حدیث سے استدلال کرنے پر ایک عجیب بات فرمائی تھی کہ:۔

یہ حدیث محبوب کی بات ہے کسی قانون دان کی بات نہیں ہے اس لئے پہلے محبت سیکھیے تب وہ سمجھ میں آئے گی۔

اس معیار پر ہم نے جہاں سے دیکھا حضرت شیخ کو اپنے محبوب کے قدموں میں دیکھا وہ مدینہ منورہ میں تھے اسلام کی خدمت کے لئے، مالٹا گئے تو اسلام کی خدمت کے لئے کراچی پہنچے تو اسلام کی سربلندی کے لئے گاؤں گاؤں پھرتے رہے تو اسلام کے تحفظ و اشاعت کی خاطر، دارالعلوم رہے تو اسلام کا نمونہ بنانے کے لئے اور آسام جاتے رہے تو اسلام کے مجسمے ڈھالنے کے واسطے اور سچ یہ ہے کہ اپنی عمر کو انہوں نے دین کی محبت میں جس طرح صرف کیا ہے کوئی شخص بغیر اس تعلق کے صرف ہی نہیں کر سکتا تھا۔ صرف علم تو مالٹا تک ان کے بھیجنے سے قاصر رہا ہے۔

حضرت کے اسی انہماک، اسی سوز و گداز اور اسی عشق و ہیجان کا نتیجہ ہے کہ وہ جدھر سے گزر گئے ہیں وہ راہیں ان کو روتی ہیں، عمر بھر یاد کریں گی۔ اور انہوں نے جو نقوش چھوڑ دیئے ہیں آنے والے اس پر تا زندگی چلا کریں گے۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اور حضرت کے اس انوکھے پن نے عوام و خواص کے دلوں میں ان کی ایسی محبت بھر دی تھی جس کی مثال نہیں مل سکتی اسے کچھ وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جنہوں نے حضرت شیخ کو بانس کنڈی میں بچشم خود دیکھا ہو۔ انسانوں کا ایک ہجوم تھا جو اپنے محبوب کے دیدار کے لئے جمع ہو جاتا تھا نہ انہیں بات کرنے کی فکر، نہ مصافحہ کی خبر، نہ تقریر کا اصرار وہ صرف دیکھنا چاہتے ہیں حضرت کو اور دیکھا کئے۔

اور کچھ انہی چیزوں کا اثر تھا کہ طالب علمی کے دور میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تھے طلباء نے ان سے اصرار کیا کہ حضرت تقریر کریں مگر وہ تیار نہ ہوئے۔ پھر اصرار ہوا اور وہ انکار کر گئے۔ حتیٰ کہ سب سے آخر میں دورہ پڑھنے والے پانچ آدمیوں کا ایک وفد گیا جس میں یہ راقم الحروف بھی شامل تھا شاہ صاحب حضرت شیخ کی مسجد میں شمالی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے ہم لوگوں نے پورا زور صرف کر دیا مگر آمادہ نہ ہو سکے صرف یہ فرمایا کہ جہاں حضرت شیخ ہیں وہاں عطاء اللہ کی مجال نہیں کہ تقریر کرے اور فرمایا کہ تم میرے ساتھ سہارنپور چلو وہاں رات بھر تقریر سن لینا چنانچہ اسی شب میں سہارنپور جا کر اس سحر البیان خطیب نے گھنٹوں تقریر کی ——— اس وقت مرعوبیت و عظمت کی وجہ نہیں سمجھ میں آتی تھی آج سمجھ میں آئی کہ ایک عاشق کی موجودگی میں محبوب کی تعریف ایک ایسا شخص کیا کر سکتا ہے جس نے اس سے محبت کم پائی تھی ——— یہ احساس عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے قادر الکلام شخصیت کا اس کا ثبوت ہے کہ ان کی محبت کے جلوے دیکھا کرتے تھے دیکھنے والے۔

افسوس کہ آج وہ شخصیت ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ہیہات کہ وہ بدر کامل بدلیوں میں چھپ گیا اور ہم اکتساب نذر نہ کر سکے ؎

ہنگامۂ حیات میں خلد بریں کے پاس
تکیہ لگا کے عمر پہ سوتے ہوئے تھے ہم
سمجھے تھے ہم سے پوچھ کے جائے گا کارواں
لیکن کھلی جو آنکھ تو کھوئے ہوئے تھے ہم

خون کے آنسو!

بہ وفات حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ

(از مولانا محمد مقبول الرحمٰن صاحب خیال سیوہاروی)

خبر کیا تھی کہ جیتے جی غموں سے کھیلنا ہوگا — وفاتِ شیخ کا صدمہ بھی ہمکو جھیلنا ہوگا
خبر کیا تھی کہ اس جانِ تمنا کو بھی دفنائیں گے — ہم اک زندہ تبسم کو بھی اشکوں میں سموئیں گے
خبر کیا تھی کہ یوں بھی انقلابِ آسماں ہوگا — خود ان کا ہی جنازہ زیبِ دوشِ عاشقاں ہوگا
مگر یہ حادثہ اک دن تہِ افلاک ہونا تھا — حسین الاولیاء کو بھی سپردِ خاک ہونا تھا
چنانچہ گردشِ ایام نے مجھ کو خبر دی ہے — ہجومِ نکبت و آلام نے مجھ کو خبر دی ہے
کہ مولانا حسین احمدؒ نے رحلت آج فرمائی — بیاسی سال کے جاگے ہوئے انساں کو نیند آئی
گلِ گلزارِ محمودی چمن والوں سے اکتایا — گلستاں کی جگہ کنجِ لحد اسکو پسند آیا
اسے کنجِ لحد میں گو کہ چھوڑا بھی نہیں جاتا — مگر حکمِ رسول اللہ توڑا بھی نہیں جاتا
سنا ہے دفن کرنا افضل و مسنون ہوتا ہے — سر آنکھوں پر یہ سنت گو ہمارا خون ہوتا ہے
سرِ تسلیم خم ہے سیدِ لولاکؐ کے آگے — جنابِ احمدِ مرسلؐ کے حکمِ پاک کے آگے
تجھے اے مرشدِ عالم سپردِ خاک کرتے ہیں — ہم اس طرح سے تعمیلِ شہہ لولاک کرتے ہیں

خدا کی رحمتیں تیری لحد پر سایہ فرمائیں
ہمیشہ تیری تربت پر فرشتے پھول برسائیں — آمین

علامۃ العصر، امام الزماں بیہقی وقت، قطب آخر الزماں شیخ الاسلام والمسلمین، سیدی ومرشدی وآقائی حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی شان اپنی نمایاں خصوصیات کی وجہ سے نہ صرف اطراف واکناف عالم بلکہ منبع ومرکز علوم نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں بھی مقتدا کی حیثیت رکھتی ہے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ فی زمانہ علوم اسلامیہ اور کمالات انسانیہ میں اپنی نظیر آپ تھے اور اپنا عدیل ومثیل نہیں رکھتے تو مبالغہ نہ ہوگا زیر نظر مقالہ میں حضرتؒ کی چند علمی خصوصیات ہدیہ ناظرین ہیں جن سے آپ کی علمی شان کا صرف اندازہ ہی ہوسکتا ہے آپ اپنے اکابرین اسلاف کے چشم وچراغ اور خلق محمدی کا بہترین آئینہ ونمونہ تھے نہ معلوم آپ کے اکابرین اور خصوصاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وجناب حق تعالےٰ شانہ کو آپ سے کتنا پیار تھا ہم لوگ صرف اندازہ ہی لگا سکتے ہیں اور بس چنانچہ نقش حیات اور سلاسل طیبہ کا یہ خواب ہمارے اندازہ کا معین ومددگار ہے فرماتے ہیں۔

"منزل رابغ کی شب میں جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت باسعادت خواب میں نصیب ہوئی۔ یہ سب سے پہلی زیارت آنحضرت علیہ السلام کی تھی۔ آنحضرت علیہ السلام کو دیکھ کر قدموں پر گر گیا آپ نے ارشاد فرمایا کیا مانگتا ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت جو کتابیں میں پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہوجائیں اور جو نہیں پڑھی ہیں ان کے متعلق اتنی قوت ہوجائے کہ مطالعہ میں نکال سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تجھ کو دیا۔"

سلاسل طیبہ صفہ ۳

چنانچہ من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل بی (جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا اس لئے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا) ارشاد نبوی کی روشنی آپ کے تبحر علمی کی طرف رہ نمائی کرتی ہے۔

اور ایک دوسرا خواب۔

ایک بہت بڑا درخت ہے جس کی ٹہنیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں سایہ افگن ہیں۔ اس درخت کی سب سے فوقانی سطح پر سمجھ رہا ہوں کہ جناب باری عزاسمہ جلوہ فرما ہے ہیبت وجلال بے حد محسوس کر رہا ہوں اور کچھ اوپر سے ارشاد ہو رہا ہے (جس کی پوری تفصیل یاد نہیں رہی) نقش حیات ص ۱۰۹ ج ۱

یہی بتلاتا ہے کہ آپ کے رب کو آپ سے کتنا پیار تھا اور نہ معلوم کتنے خواب ایسے ہونگے کہ آپ نے بغایت اخفا اور عجز وانکسار ظاہر نہیں فرمائے۔ لہذا جب آپؒ کی یہ شان ہے تو میں اپنی صحیح وصادق عقیدت اور محبت کی وجہ سے مجبور ہوں کہ مندرجہ ذیل حدیث کا مصدق آپ کو قرار نہ دوں؟

یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون اعلم من عالم المدینہ الحدیث رواہ مالک والترمذی۔

قریب ہے کہ لوگ اونٹوں (اس زمانہ کا ذریعہ سفر) پر سفر کرکے دور دراز سے علم حاصل کرنے کے لے آئیں گے پس وہ عالم مدینہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پائیں گے۔

نسائی اور حاکم نے حدیث مذکور کی تحسین کی ہے اور سفیان ابن مہدی اور عبدالرزاق نے فرمایا ہے کہ مصداق اس حدیث کا امام مالک ابن انس ہیں میں کہتا ہوں کہ ہمارے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ آیۃ من آیات اللہ ہیں اور موجودہ زمانہ میں اس حدیث کا مصداق ہیں مجھے تو حضرتؒ کی مدنی زندگی اور ہندی زندگی یہی کہنے پر مجبور کرتی ہے کیا میرے اس قول پر حضرتؒ کا یہ ارشاد شاہد عدل نہیں ہے؟

علوم میں جد وجہد کرنے والے طلباء کا ہجوم اس قدر ہوا کہ اور علماء ومدرسین کے حلقہ ہائے درس میں اس کی مثال نہیں تھی عوام کے اجتماع سے بعض بعض [illegible] پڑھنے والے اور جد وجہد علمی کرنے والے اوروں کے

یہاں کم تھے اور میرے یہاں حال برعکس تھا۔ عوام کو اس وجہ سے دلچسپی نہ ہوتی تھی کہ علمی ابحاث ان کی سمجھ میں آنی دشوار ہوتی تھیں (لیکن ہندوستان میں عوام اور خواص دونوں کا آپ مرجع تھے بندہ غفرلہ) بعض بعض علماء ایسے بھی تھے کہ ان کے یہاں کے طلباء بھی میرے پاس آنے لگے یہ سب برکتیں ان ذوات مقدسہ کی تھیں جن کی جوتیاں اٹھانے کا شرف بغایت ایزدی حاصل ہوا تھا۔ ورنہ میں تو بالکل ہی ناکارہ اور خالی تھا اور آج تک خالی ہی ہوں الخ نقش حیات صہ ۱۱۵ ج ۱

مکتوبات شیخ الاسلام کے مقدمہ میں صہ ۴، ۵ پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:۔

آپ کی مرکزی شخصیت اس وقت دارالعلوم کے جس عہدہ پر فائز ہے وہ روایتی طور پر محض مدرسی یا صدر مدرسی کا عہدہ نہیں بلکہ ہمیشہ ایک عمومی مقتدائیت کا عہدہ رہا ہے جس کی طرف رجوع عام ہوتا رہا ہے اور جس کے لئے منجانب اللہ ہمیشہ ایسی ہی ممتاز شخصیتیں منتخب ہوتی رہی ہیں امتیاز ہمیشہ مناسب وقت فضائل وکمالات کے معیار سے رہتا آیا ہے ''

مکتوبات شیخ الاسلام صہ ۴، ۵

بہرحال حضرتؒ کا تبحر علمی کسی شہادت کا محتاج نہیں ہے آپ کی قابلیت وکمال علمی کا شمس فی النہار کا صحیح مصداق ہے علاوہ درس نظامی کی وہ کتابیں حرم نبوی میں برسوں آپ نے پڑھائی ہیں جن کا نام بھی بہت سے علماء نہیں جانتے ہر فن کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی کتاب آپ کو بخوبی یاد تھی۔ چنانچہ ایک طالب علم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے حوالہ میں میزان الصرف کی مندرجہ ذیل عبارت پڑھ کر سنادی۔

بدان اسعدک اللہ تعالےٰ فی الدارین کہ جملہ افعال متصرفہ
واسماء متمکنہ از روے ترکیب حروف اصلی بر دوگونہ است

علماء جانتے ہیں کہ عالم اور مدرس اعلیٰ کے لئے اتنی چھوٹی کتاب کی عبارت حرف بحرف محفوظ رہنا کتنا مشکل کام ہے، حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، رجال، صرف ونحو، معانی وبیان، منطق وفلسفہ میں آپ کو مہارت تامہ ہی نہیں بلکہ تمام علوم مروجہ قدیمہ وجدیدہ میں آپؒ اپنی مستقل رائے رکھتے تھے۔

خصوصیات درس

(۱) طلبہ کا بے حد ہجوم۔ ہر ایک کے اعتراض کا خندہ پیشانی سے جواب دینا، غلط اور بے معنی اعتراض کا جواب بھی اسی توجہ اور التفات سے دینا موقع بموقع علمی لطائف سے تازگی پیدا کرنے اپنے درس کے شروع میں خطبہ مسنونہ پڑھنا۔ پوری سند دہرانا۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جن کی تفصیل دوسرے مضامین میں آچکی ہے۔ مزید براں تمام انبیاء کے نام کے ساتھ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہم اور بزرگوں کے نام کے ساتھ رحمہم اللہ لگاتے تھے۔ مجال نہیں تھی کہ کوئی طالب علم اس قاعدہ کے خلاف پڑھتا۔ فوراً تنبیہ فرماتے۔ بخاری شریف رات کے درس میں خود ہی قرأت فرماتے اور ساتھ ساتھ تقریر بھی فرماتے تھے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے محدثین سے منقول ہے کہ یا تو تلمیذ پڑھتا اور استاذ سنتا یا استاذ قرأت حدیث کرتا اور تلامذہ سنتے تھے اسی وجہ سے میں بھی پڑھتا ہوں اور تم لوگوں سے بھی پڑھواتا ہوں۔

درس حدیث کے وقت روایت اور درایت دونوں اعتبار سے پورا بیان فرماتے تھے متن حدیث اور سند حدیث میں اگر کہیں کمزوری یا ضعف یا اضطراب ہوتا۔ اس کو مع حوالہ بیان فرماکر اپنی رائے بھی بیان فرمادیتے تھے۔ اکثر دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ حدیث کے رواۃ کے بارے میں کلام کرتے وقت رواۃ سے متعلق مشہور واقعات کو بھی بیان فرمادیتے تھے مثلاً جامع ترمذی کے باب ما یقول اذا دخل الخلاء میں مصنف کے کلام وفی اسنادہ اضطراب پر تقریر فرماتے ہوئے قتادہؒ (جو رواۃ حدیث الباب المذکور میں سے ہیں) کے بارے میں بیان فرمایا کہ قتادہ تابعی ہیں حضرت انسؓ کے شاگرد ہیں ۶۱ھ میں پیدا ہوئے ان کا حافظہ بڑے غضب کا تھا علم نہایت وسیع تھا۔ سعید ابن مہیب جو بڑے تابعی ہیں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تین دن تک برابر احادیث سنتے رہے اور اعتراضات کرتے رہے تیسرے روز سعید بن مہیب نے فرمایا کہ اے اندھے نکل جا تو نے مجھے خشک کر دیا۔ کیا وہ احادیث جو تو نے مجھ سے سنی ہیں سنا سکتا ہے قتادہ نے تینوں دنوں کی حدیث سنا ڈالیں تب سعید بن مہیب نے فرمایا کہ میں نے تجھ جیسے حافظ کا آدمی نہیں دیکھا۔

غرض کہ ہمارے حضرتؒ حدیث پر ہر نوعیت سے کلام کرتے تھے حدیث قلتین پر ۵۱ اعتراضات شوافع پر جڑ دئے اور ہر اعتراض کو مدلل بیان فرمایا اور حنفی مسلک کو قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسے واضح طور سے ثابت فرمایا کہ عقل دنگ رہ گئی عموماً ایسا ہوتا تھا کہ مخالف مسلک کے متدل کو اپنے مسلک کا مستدل بنادیتے تھے غرضکہ آپؒ نے ہر فن میں ایسے نقوش چھوڑے ہیں جو رہتی دنیا تک باقی رہیں گے ؎

پتہ دیتی ہے شوخی نقش پاک
کوئی اس راہ سے ہوکر گیا ہے

لطیفہ

ایک مرتبہ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مکہ معظمہ کی کھجوریں عنایت فرمادیجئے حضرت نے جواب دیا کیا مکہ معظمہ میں کھجوریں پیدا ہوتی ہیں اور یہ آیت تلاوت فرمادی ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع۔

بہرحال یہ مختصر مقالہ حضرت کے علم حدیث کی پوری ترجمانی نہیں کرسکتا اس کے لئے کاتب حروف کی جمع کردہ تقریر ترمذی شریف ملاحظہ فرمائیں جو انشاء اللہ عنقریب عربی میں شائع ہوگی۔ وباللہ التوفیق۔

قطعۂ تاریخ
(انعام تھانویؒ)

چوں ازیں عالم سوئے دارالبقا
حضرت شیخ حسین احمد برفت
پنجم ماہ دسمبر بود و سال
یک ہزار و نہ صد و پنجاہ و ہفت
۱۹۵۷ عیسوی

اب سے بائیس ۲۲ تیئس ۲۳ سال پہلے کی بات ہے ۵۴ھ میں ماہ شوال کے پہلے ہفتے میں مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ سے رخصت ہو کر دورۂ حدیث کی شرکت کے لئے دارالعلوم دیو بند پہنچا۔ اب صحیح تعداد تو معلوم نہیں البتہ دوسو سے زیادہ طلبہ اس سال دورہ حدیث میں تھے ان میں غیر منقسم ہندوستان کے ہر صوبے کے بھی تھے اور قندھار غزنین طالقان وغیرہ کے بھی اچھے اچھے ذہین و ذکی اور ذی استعداد طلبہ ان میں متعدد تھے اس وقت معلوم ہوا تھا کہ دورے میں بعض طلبہ ایسے آتے ہیں جو بعد فراغت سات آٹھ سال تک تمام کتابیں پڑھا چکے ہیں یہاں پر محض حضرتؒ کے فیوض سے متمتع ہونے اور اپنے شبہات کو حل کرنے کے لئے شامل دورہ ہوتے ہیں۔

مجھے حضرت شیخ الادبؒ کی عنایات بھی حاصل تھیں اتفاق کی بات ناظم حجرات نے ان کے حجرے کے قریب ہی ایک چھوٹا سا حجرہ دیا جس کا دروازہ دارالعلوم کے صدر دروازے سے متصل ہے۔

ابھی حضرت سلہٹ سے واپس نہیں آئے تھے انتظار ہو رہا ہے بہت سے پچھلے سال کی تقاریر ترمذی و بخاری نقل کر رہے ہیں اور منتظرِ آمد ہیں لیجئے ۲۷ شوال ۵۴ھ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سلہٹ سے تشریف لے آئے۔ تمام دارالعلوم میں دھوم مچ گئی مہمان خانہ مہمانوں سے لبریز ہو گیا مدرسین ملازمین، طلبہ، اہل شہر سب خوش خوش نظر آ رہے ہیں دارالعلوم کے در و دیوار پر ایک تازگی نمودار ہو گئی۔ محفل میں سب موجود تھے لیکن جانِ محفل نہ تھا تو کمی کی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ لو اب وہ دارالحدیث میں تشریف لا رہے ہیں مسند درس پر رونق افروز ہو گئے۔ خطبہ مسنونہ پڑھ کر ترمذی شریف شروع فرما رہے ہیں۔ پہلے تبرکاً سورہ تین کی تفسیر ہو رہی ہے ایسی تفسیر کر دلوں کے غنچے وا ہو رہے ہیں فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالےٰ چار قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا پھر جب انسان اپنے مقام سے گرا تو اس کو اسفل سافلین میں ٹھکانہ ملا۔ اس کے بعد حدیث کی تعریف اس کا موضوع اس کی غایت پھر امام ترمذی کی سوانح عمری مفصل بیان ہو رہی ہے پھر یہ فرما رہے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے اس کتاب پر زیادہ زور کیوں دیا ہے اور اس کا درجہ کیا ہے یہ سب باتیں بڑے دل نشین اور اثر انگیز طرز میں بیان کر کے پہلا افتتاحی درس ختم فرما دیتے ہیں اب یہ یاد نہیں کہ بخاری بھی اسی دن شروع کرائی تھی یا اس کے بعد بخاری کے آغاز درس میں بھی امام بخاریؒ کی سوانح عمری اور ان کی کتاب کا مرتبہ نہایت تفصیل سے بیان فرمایا۔ بخاری شریف شروع کراتے وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک بیان فرمایا کرتے تھے یاد پڑتا ہے کہ اس سال بھی بیان فرمائی۔ اس سند کی تحویل چھوڑتے ہوئے صرف ایک طریق کو یہاں درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں، حضرت شیخ الاسلام رحؒ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحؒ سے انھوں نے حضرت قاسم المعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے انھوں نے حضرت شاہ عبد الغنی فاروقی مجددی مہاجر مدنی سے انھوں نے مشہور آفاق حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ مہاجر سے انہوں نے اپنے نانا راس المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے انھوں نے اپنے والد ماجد تاج المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے ——— خوب یاد پڑتا ہے کہ حضرتؒ نے سند بیان کرنے کے بعد شیخ الہندؒ کے مشہور شاگردوں کا تذکرہ بھی فرمایا اور فرمایا کہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، مولانا عبید اللہ صاحب سندھی اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ حضرت شیخ الہند کے باکمال شاگرد ہیں اور از راہ انکساری اپنے متعلق فرمایا کہ میں حضرت کا ایک ادنیٰ شاگرد ہوں

پھر ایک دو دن درس دینے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے حج سے واپس ہو کر سب سے پہلے دہلی اترے جمعیۃ علماء کے اجلاس کی صدارت کرنی تھی، ۱۶ محرم الحرام کو دہلی سے دیو بند تشریف لائے، ۱۷ محرم کو اسباق شروع فرما دیئے، اسی تاریخ کو

بعد نمازِ عصر تمام حاضرین کو کھجوریں تقسیم فرمائیں اور آبِ زمزم پلایا ایک تقریر بھی فرمائی۔

۸۔ محرم ۵۵ھ سے میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی درسی تقریر لکھنے کا التزام کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ مجھے دیوبند آئے ہوئے پہلا ہی سال تھا۔ اس لیے سلیقہ کے ساتھ نہ لکھ سکا۔ متعدد طلبہ ایسے تھے جنہوں نے تقاریر شیخ کو سلیقے کے ساتھ خوش خط لکھا۔ میرے ایک ساتھی مولانا علی احمد خیلی (اسلام آبادی) تھے۔ انھوں نے حضرت کی تقاریر ترمذی کو از اول تا آخر زبان عربی میں لکھا اس کا ایک جزء ہدیہ المجتبیٰ من فیوض الجر المدنی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

حضرتؒ ترمذی میں خاص طور پر بڑی مبسوط تقریر فرماتے تھے مسئلے کے ہر ہر گوشے کو واضح کر دیتے تھے۔ اسناد و متون پر سیر حاصل گفتگو فرماتے تھے، ایک ایک لفظ کی تشریح کرتے تھے اور مسلک امام اعظم کو ساتھ ہی ساتھ ثابت کرتے جاتے تھے بعض اہم مسائل میں تنقیحات بھی قائم فرماتے تھے اور ایک ایک تنقیح پر خوب دل کھول کر تقریر فرماتے تھے بالآخر مسلک امام کو بڑی خوبی کے ساتھ راجح ثابت کر دیتے تھے بسا اوقات ایک ایک حدیث کئی کئی دن میں حل فرمائی ہے۔ اور مسلک امام کو خاص طور پر روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا ہے طلبا چاروں طرف سے شبہات واعتراضات وارد کر رہے ہیں۔ اگرچہ ان میں بعض اعتراضات مہمل بھی ہوتے۔ لیکن بہت سے وزنی بھی ہوتے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کشادہ پیشانی کے ساتھ سب کے جوابات دے رہے ہیں اور مطمئن کر رہے ہیں کبھی نہیں دیکھا کہ اعتراضات کی بوچھاڑ سے منقبض یا مکدر ہوئے ہوں

ترمذی جلد اوّل کو آخر تک اسی تحقیق و تدقیق سے پڑھایا بخاری شریف کے دو تین پارے نہایت تحقیق سے پڑھا کر پھر روانی کے ساتھ پڑھایا۔ البتہ کتاب المغازی، کتاب الحیل اور کتاب التفسیر میں پھر انتہائی تحقیق کے ساتھ مبسوط تقریریں فرمائیں اور مشکل مقامات کو اچھی طرح ذہن نشین کروایا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ درس کچھ ایسا تھا کہ بخاری کا ایک پارہ پڑھ لینے کے بعد ہی ایک ذہین طالب علم کے اندر ایک خاص استعداد جلوہ گر ہو جاتی تھی۔ اور وہ ترجمۃ الباب اور حدیث کے درمیان مطابقت کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیتا تھا

حضرت رحمۃ اللہ علیہ دیگر متعدد کتب حدیث اور شروح حدیث کا حوالہ دیتے جاتے تھے۔ ان کی عبارتیں پڑھتے جاتے تھے جس سے مطالعہ کا ذوق پیدا ہو جاتا تھا اور راہ تحقیق کشادہ ہوتی تھی۔

حضرتؒ خود بھی قراءت حدیث فرماتے تھے جب وہ خود قراءت فرماتے تھے، دار الحدیث کے بام و در اس وقت فرطِ شوق میں وجد میں آجاتے تھے۔ ایک عجیب کیف آور سماں ہوتا تھا۔ اللہ اللہ وہ دل سے نکلی ہوئی، جذبات سے لبریز، ذوق عرفاں سے مالامال آواز، وہ پُر شوکت لہجہ، وہ حوضِ کوثر سے تعلق رکھنے والی زبان، کیا کہوں ان کی ہر ہر شان و ادا میں کیا تاثیر تھی۔ یہ باتیں جب یاد آتی ہیں دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

حضرتؒ کے اندر ایک خاص قسم کا رعب تھا اور اس کے ساتھ ساتھ شفقت آمیز سلوک بھی۔ اپنے کفش برداروں سے ان کی کسی غلطی پر ناراض بھی ہو جاتے تھے اور پھر جلد ہی ناراضگی دور بھی ہو جاتی تھی۔ خلافِ شریعت عمل پر فوراً ٹوک دیتے تھے اور سخت غصّے کا اظہار فرماتے تھے اور پھر جب اس کا طرزِ عمل صحیح ہو جاتا تھا۔ تو حضرتؒ سے زیادہ نرم وہ کسی کو نہیں پاتا تھا۔ غریب الوطن طلبا کو وہ اتنا خوش رکھتے تھے کہ وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھول جاتے تھے۔

حضرتؒ آخر سال میں دن رات پڑھاتے تھے رات کے بارہ بجے تک سبق ہو رہا ہے رات کا وقت ہے اکثر طلباء ذوق و شوق کے عالم میں درس حدیث سن رہے ہیں کچھ ایسے بھی ہیں جن پر نیند غالب آگئی ہے حضرت کی نگاہ فوراً سونے والے پر پہنچ جاتی تھی۔ اور اس سونے والے سے فرماتے تھے۔ اٹھئے اٹھئے منہ دھوئیے۔ پانی کے مٹکے دار الحدیث کے برآمدے میں رکھے ہوئے تھے۔ وہاں اس طالب علم کو بھیجا جاتا تھا۔ جب وہ اٹھتا تو حضرت یہ مصرعہ پڑھ دیتے

ع ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی

اس کے بعد کوئی اونگ بھی رہا ہوتا تو ہوشیار ہو جاتا تھا اور وہ صاحب جنہوں نے مٹکوں کی سیر کر لی ہوتی تھی پھر سونے کا ذرا مشکل سے نام لیتے تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ درمیان درس میں حسب موقع نکات تصوف، اسرار، معارف، اقتصادیات، سیاسیات، تاریخی واقعات اور موجودہ زمانے کے مقتضیات پر بھی روشنی ڈالتے رہتے تھے، موقع کے لطائف اور اشعار سنا کر بھی طلبہ کو تازہ دم کر دیا کرتے تھے۔ کبھی محفل درس میں اعتراضات و شبہات سے سکوت ہوتا تھا۔ تو خود ہی اس سکوت کو ختم فرما کر کوئی ایسی بات ارشاد فرما دیتے تھے جس سے سب طلباء کو نشاط حاصل ہو جائے۔ اس سال چند ایسے طلباء تھے جو فطرتاً زیادہ بولنے والے اور بے تکلف قسم کے تھے۔ یہ طلباء کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ کے مصداق ہو گئے تھے یہ خود نہ بولیں تو حضرت ان کا نام لے کر درمیان تقریر میں کچھ ارشاد فرما دیتے تھے۔ اسی قسم کے ایک طالقانی طالب علم تھے وہ بہت دریافت کرتے رہتے تھے اور بڑے مزے کے سوالات کیا کرتے تھے ان کی باتوں سے حضرتؒ کو اور سب طلباء کو ہنسی آجاتی تھی ایک دن ترمذی کا سبق ہو رہا تھا خطبۂ جمعہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے نہ پڑھنے کی بحث ہے حنفیہ نے عند الخطبہ نماز کو منع کیا ہے۔ اس پر دلائل پیش کرتے ہوئے حضرتؒ نے فرمایا کہ (دیکھنا یہ ہے) کہ جن رکعتوں کے پڑھنے کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے (عند الخطبہ) حکم فرمایا ہے وہ تحیۃ المسجد ہے یا اور کوئی نماز؟ دعویٰ آپ کا خاص ہے اور استدلال عام ثابت کیجئے کہ عند الخطبہ، تحیۃ المسجد ہی کا حکم فرمایا ہے۔ یہاں سے تحیۃ المسجد ثابت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ طالقانی سے دریافت کیا جائے دو اور دو کتنے۔ تو وہ کہے چار روٹیاں ـــــ طالقانی اپنا نام سن کر فوراً چونک پڑے اور جھٹ سے بولے ـــــ حضرت دو اور دو کیا چار نہیں ہوتے؟ حضرت نے تقریر کو جاری رکھا ـــــ اور تمام طلبہ کو ایک نشاط تازہ حاصل ہو گیا۔

ایک لطیفہ اور یاد آیا۔ زکوٰۃ الاموال کا باب ہے اس میں بنت مخاض، بنت لبون، حقہ اور جذعہ کا ذکر آتا ہے۔ ایک طالب علم نے اپنی دانشگی سے دریافت کیا کہ حقہ کے کیا معنی ہیں حضرتؒ نے ارشاد فرمایا حُقہ نہیں ہے حِقہ ہے۔ محفل درس میں ہنسی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

حضرتؒ درمیان درس میں طلباء سے اخلاقیات پر بھی بہت کچھ فرماتے رہتے تھے اس مختصر مقالے میں گنجائش نہیں ورنہ کچھ ارشادات اس سلسلے کے بھی پیش کرتا۔

احقر بھی درمیان میں کچھ نہ کچھ دریافت کر لیا کرتا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت نے ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے کچھ تنقیحات فرمائی تھیں، ہر ہر تنقیح پر بحث فرما رہے تھے۔ درمیان

میں احقر نے ایک سوال پیش کر دیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا "حضور! اتنی جلدی کیوں فرما رہے ہیں آگے اس کا جواب بھی آ رہا ہے آپ وکان الانسان عجولاً کے مصداق ہیں"۔ مجھے بڑی ندامت ہوئی اس بزرگانہ تنبیہ کے بعد آئندہ دخل در معقولات کی کبھی ہمت نہ ہوئی۔

طلبہ پر بڑی شفقت تھی معلوم ہوا تھا کہ پوشیدہ طریقے پر بہت سے نادار طلبہ کی امداد فرماتے رہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اس وصیت پر ہمیشہ عمل پیرا رہے جو آقائے نامدار جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طلبہ کے متعلق فرمائی ہے۔

کمال یہ تھا کہ باوجودیکہ دو سو سے زیادہ طلبہ دورہ حدیث میں رہتے تھے اور صرف آخری سال کے چند ماہ درس میں شرکت ہوتی تھی۔ مگر اس کے باوجود طلباء کے ناموں سے بھی واقف، ان کے اوطان سے بھی واقف، ان کی استعداد سے بھی واقف، فارغ ہونے کے بعد بھی حضرت والا کے خدام حضرتؒ سے ملاقی ہوتے تو فوراً پہچان لیتے۔ حضرت رح کی یادداشت غیر معمولی یادداشت تھی۔ کثیر التعداد فیض یافتگان و خدام کو پہچان لینا اور اکثر و بیشتر کے نام و وطن سے واقف ہونا یہ کوئی معمولی بات نہیں۔

میرے زمانے میں (۵۵ھ میں) جب بخاری شریف ختم ہوئی تو رات کا وقت تھا۔ تقریباً ایک بجے ختم بخاری سے فارغ ہوئے۔ مہمان خانے کے پاس تانگہ تیار کھڑا تھا۔ سلہٹ کے لمبے سفر کی تیاری تھی۔ دار الحدیث سے اٹھے، مکان پر پہنچے، مہمانوں کا ہجوم تھا۔ طلبہ اور مدرسین کثیر تعداد میں موجود ہیں، سب سے مصافحہ کیا اور تانگے پر سوار ہو گئے۔ بس ایک سناہٹ چھا گئی۔ جب کبھی وہ تھوڑے عرصے کے لئے بھی باہر کو تشریف لے گئے ہیں تو دار العلوم کے در و دیوار پر ایک اداسی سی چھا گئی ہے۔ اب تو وہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے مگر انکے فیوض و برکات تا قیام قیامت موجود رہیں گے۔ انہوں نے مسند درس و مسند مشیخت پر فائز رہ کر ایسے ایسے باکمال افراد تیار کئے ہیں جو اطراف و اکناف عالم میں ان کے نام کو روشن کرنے کے لئے کافی اور ان کے حق میں مستقل صدقہ جاریہ ہیں۔

اللہ تعالےٰ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ہم خدام کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ اور پسماندگان خصوصاً حضرت میاں اسعد صاحب کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔

مردِ مجاہد

شمس الدین احمد شمس محمد آباد غازی پور

ہر موڑ پہ طوفاں ٹکرایا ہر گام پہ بجلی لہرائی
قدموں میں حسین احمد کے مگر اِک بار نہ جنبش تک آئی
شبنم کی لطافت سے بڑھ کر پاکیزہ تھی اس کی ہنسی بھی
گلزارِ وطن کے پھولوں میں بے مثل تھی اس کی رعنائی
طوفاں کا کس بل توڑ دیا موجوں کی کلائی بھی موڑی
ساحل کی اسے دیکھی نہ گئی جب ظلم کے ہاتھوں رسوائی

بیٹھا ہوں مست و بیخود خاموش ہیں فضائیں
کانوں میں آ رہی ہیں بھولی ہوئی صدائیں

آہ! کتنا پر کیف و پر لطف تھا وہ زمانہ کتنے حسین و رنگین تھے وہ لمحات۔ جب کہ عشاء کے بعد شیخ کی آمد کا انتظار کیا کرتے تھے۔ کوئی پہلے ہی پہنچ کر اپنی نشست محفوظ کر لیتا۔ کوئی کتاب بغل میں دبائے ہوئے برآمدے میں کھڑا ہوتا۔ کوئی خیابان چمن میں ٹہلتا ہوا ہوتا۔ اور ایک دوسرے سے پوچھتا جاتا۔ کہو کیا خبر ہے؟ معلوم ہوتا ابھی نماز نہیں ہوئی (مدرسہ کی مسجد سے شیخ کی مسجد میں نماز کچھ تاخیر سے ہوتی تھی) پھر خبر ملتی نماز تو ہو گئی۔ مگر مولانا مہمان خانہ میں تشریف فرما ہیں۔ ذرا دیر بعد کانوں میں آواز آتی۔ مولانا آ رہے ہیں پھر کیا تھا نگاہیں سب کی شمالی دروازہ پر لگ جاتیں۔ پیچھے پیچھے طلبہ و سامعین کی جماعت آگے آگے درویش صفت انسان، جس کے چہرہ پر انوار الٰہی رقصاں۔ تجلیات کا مرکز، مجسم زہد و ورع، علم و عمل کا منبع چشمۂ فیضان لطف و کرم، یعنی شیخ العرب والعجم سکون و وقار کے ساتھ آتے ہوئے دکھائی دیتے، گرد و پیش کی فضا خوشبوؤں سے معطر ہوتی چلی جاتی۔ بوجہ پیری و ضعیفی کے تقریباً چار پانچ منٹ میں سیڑھیوں کی مسافت طے کرنے کے بعد دار الحدیث میں داخل ہوتے جیسے ہی حضرت شیخ دروازہ میں قدم رکھتے عطر آمیز ہوا ٹھوکر کھاتی اور دار الحدیث کو معطر کر دیتی۔ جس دروازہ سے آپ داخل ہوتے تھے اس کے اندر بائیں جانب ایک کھونٹی نصب ہے۔ اس میں بیگ ٹانگ دیا جاتا۔ طلباء جمال جہاں آرا دیکھتے ہی تا دیباً کھڑے ہو جاتے اور سلام کرتے، آپ سلام کا جواب دیتے ہوئے خاشعاً متواضعاً مسند تدریس پر جلوہ گر ہوتے۔ بیٹھک زیادہ تر دو زانو ہوتی تھی۔

چہار زانو بھی مگر بہت کم، چند لمحوں کے لئے فضا ساکت وخاموش ہو جاتی تھی۔ اس وقت عجیب کیفیت محسوس ہوتی تھی ؎

نظر میں ہے اب تک وہ رنگیں زمانہ
نشیلا نشیلا، سہانا، سہانا

پھر دھیرے سے کتاب کھلتی، اول مختصر خطبہ ماثورہ کے بعد سند حدیث بیان فرماتے، تب حدیث کی قرارت شروع ہوتی، اور سبق حدیث شروع ہو جاتا۔ پھر کیا تھا علم کا بے پایاں سمندر موجیں مارنے لگتا، حدیث کی صحت عدم صحت، راوی ثقہ، یا غیر ثقہ، تفسیر وفقہ، منطق وفلسفہ، کلام وتصوف، غرض منقولات ومعقولات کے نکات ہائے پیچیدہ جب تک سلجھ نہ جاتے برابر تقریر جاری رہتی، بعض حدیثوں پر تین تین روز تک تقریر فرماتے اور بعد میں کہتے بھئی مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لمبی چوڑی تقریریں کرنے کا عادی بنا گئے، چونکہ ان کا حافظ قوی اور علم وسیع تھا۔ ہمارا اتنا علم کہاں۔

اور ساتھ ساتھ عمدہ لطیفے، دلچسپ حکایتیں، کہاوتیں، سنا سنا کر ہنساتے جاتے جس سے دو ڈھائی گھنٹہ کا یہ سبق بالکل گراں معلوم نہ ہوتا تھا۔ اگر دوران تقریر میں کسی ایسی شخصیت کا تذکرہ آجاتا کہ جس کی ظاہری شکل وصورت اچھی نہ ہوتی۔ اور باطن میں کمالات ہوتے تو بڑے مزے لے لے کر اس شعر کو پڑھتے ؎

نہ کالے کو دیکھیں نہ گورے کو دیکھیں
پیا جس کو چاہیں سہاگن وہی ہے

اگر مولانا حدیث کا مطلب بیان کر جاتے اور پھر کوئی سوال کر بیٹھتا کہ حضرت یہ سمجھ میں نہیں آیا، تو پہلے ہلکا سا تبسم فرماتے اور پھر یہ مشہور کہاوت ساری رات روئی ایک نہ مرا۔ اس کے بعد یہ جملہ مزاحًا استعمال فرماتے۔ یہ ہیں بیسویں صدی کے مجتہد، پھر اختصار کے ساتھ تقریر کا اعادہ فرماتے، اول مولانا خود ہی وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے کبھی کبھی چونکا دیا کرتے تھے۔ لیکن نیند اک امر طبعی ہے پھر بھی کسی طالب علم کو آنے ہی لگتی تھی جب خوب جھونٹے کھانے لگتا تو دوسرا طالب علم چپکے سے پرچہ سرکا دیتا۔ کہ حضرت فلاں صاحب دریائے نوم میں غرق ہیں یا غوطے کھا رہے ہیں یا کتاب النوم کا مطالعہ کر رہے ہیں، تو چشمہ نگاہوں سے ہٹ کر پیشانی پر پہنچتا۔ اور بآواز بلند پڑھا جاتا۔ اور کہا جاتا کون ہیں فلاں صاحب، جاگیے جاگیے مٹکا آپ کو یاد کر رہا ہے۔ وہ بیچارا اٹھتا اور شرمسار ہوتا ہوا منہ دھونے جاتا پھر تو تمام حضرات چوکنے ہو کر تازہ دم ہو جاتے۔

آہ۔ کل جب یہ جملے یاد آتے تھے تو فرحت وانبساط کا باعث بنتے تھے۔ آج جب یہ یاد آتے ہیں تو سوہان روح بنتے ہیں ؎

عہد ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

سفر کی تکان معمولی تکان نہیں ہوتی۔ قوی سے قوی آدمی کا توازن دماغی یکسو نہیں رہتا۔ مگر وہ رہے مرد مجاہد، ادھر سفر سے واپسی ہو رہی ہے ادھر اطلاع مل رہی ہے سبق ہو گا۔ بر امام وقت، عالم ربانی، طبیب روحانی تقریبًا ۱۲ بجے تک فیوض یزدانی برساتا اور جس شان سے آیا تھا، اسی شان سے واپس ہوتا، یعنی پیچھے پیچھے طلباء وسامعین کا ہجوم اور آگے آگے شیخ العرب والعجم۔

مگر آہ! ہنستے ہنساتے سبق پڑھانے والا دائمی نیند جا سویا، بخاری وترمذی پڑھانے کے لئے کس کو لائیں اور کہاں سے لائیں، اگر یہ کہہ دیا جائے تو بجا ہے، کتابیں پڑھانے والے بہت ہیں مگر دل میں اتارنے والا کوئی نہیں، اب بخاری وترمذی کس سے پڑھیں، اور اپنے دلوں کے روگ دکھا کر نسخۂ شفا کس سے حاصل کریں؟ ؎

اب کہاں جاؤں کدھر دیکھوں کسے آواز دوں
اے ہجوم نامرادی جی بہت گھبرائے ہے

قطعۂ تاریخ

(از حفیظ الرحمٰن ایمن شہابی)

جُدا شُد زما ہادیٔ مہرباں
زدنیا بدار البقا آہ رفت
بہ فردوس شُد عارفِ حق رواں
۱۳۷۷ھ
بباغِ جہاں عالم آگاہ رفت
۱۹۵۷ھ

نوحۂ غم

جس سے زینت تھی چمن کی پھول وہ مرجھا گیا
گلشنِ علم وعمل پر چھا گئی اک دم خزاں
موت نے اس کو کیا ہم سے جدا واحسرتا
نوحہ خواں ہیں اس کے غم میں آج سب پیر وجواں
لوحِ دل پر نقش ہے مغفور تاریخِ وفات
ہے نظر کے سامنے وہ روز وساعت وہ سماں
سن ستاون اور تاریخ دسمبر پانچ تھی
جب ہُوئے رُخصت وہ دنیا سے سُوئے باغِ جناں

(قاری عبد الرحیم مغفور سہارنپور)

۵ ذی قعدہ ۱۳۷۶ھ مطابق ۴ جون ۱۹۵۷ء بروز چہار شنبہ حضرت نے درس کی ابتداء فرمائی تھی۔ بوجہ ضعف گزشتہ سال کے آخر ہی سے حضرت قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ بالائی دارالحدیث کو چھوڑ کر نیچے جمعیۃ الطلبہ ہال میں درس دینے لگے تھے۔ مگر کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ اس سال حضرتؒ کی بڑھتی ہوئی کمزوری کو دیکھ کر ہال کو دارالحدیث کی ایسی شان دی گئی کہ اس سے پہلے کسی درس گاہ کو ایسی شان نہیں دی گئی تھی پہلے روز چونکہ انتظام نامکمل تھا۔ اس لئے طلبہ ایک دوسری درس گاہ میں بیٹھے حضرت کو چونکہ معلوم تھا کہ امسال دورہ حدیث کے طلبہ ۱۸۴ کے علاوہ استفادہ کے لئے کثرت سے لوگ آتے ہیں وہ درس گاہ اس کے لئے ناکافی تھی اس واسطے ناتمام انتظام کے باوجود حضرت اسی ہال میں جس میں نہ کوئی تخت تھا نہ قالین نہ دری، ایک بوسیدہ ٹاٹ کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ حضرتؒ اسی پر بیٹھ گئے مگر طلبہ اس کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں فوراً ایک تخت لاکر بچھا دیا اور خود زمین ہی پر بیٹھ گئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی کیا خصوصیت تھی اور کیا فیوض و برکات تھے اس پر کوئی عارف ہی روشنی ڈال سکتا ہے۔ ظاہری اعتبار سے جو شان و خصوصیت تھی اسکا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو کم از کم پورے سال درس حدیث میں شریک رہا ہو۔

اس سال حضرت نے کل ترسیٹھ ۶۳ سبق پڑھائے بخاری شریف جلد اول میں ایک چلّہ ۴۰ یوم پورا ہوا تھا اور بخاری شریف جلد ثانی کے ۲۳ اسباق پڑھائے۔ حضرت کے یہی آخری اسباق تھے۔ حضرت کے خلف اکبر حضرت مولانا اسعد میاں صاحب مدنی مدظلہ، کی جانفشانی و حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے انتظام سے حضرت کی ۲۷ درسی تقاریر ریکارڈ کر لی گئیں۔ جو آنے والے طلبہ کے لئے یادگار علمی سرمایہ ہوں گی، اللہ تعالےٰ جزائے خیر دے۔ ان کو اور حاجی عبدالواحد صاحب مدراسی کو کہ انھوں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے ہدیہ پیش کیا۔ جس کی وجہ سے حضرت رحؒ کی درس کی یہ آخری یادگار باقی رہ گئی جلد اوّل کی ۴ تقریریں باب کفران العشیر تک اور جلد ثانی کی گیارہ تقریریں باب فضل من شھد بدرا میں ابو بلتعہ رضؓ والی حدیث تک ہونے پائی تھی کہ مشین کے خراب ہو جانے کی وجہ سے ریکارڈنگ ملتوی کر دی گئی یہ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ کی ۱۱۔ تاریخ تھی پھر مشین کے درست ہو جانے کے بعد ۲۴ محرم الحرام سے دو مزید تقریریں ریکارڈ ہوئیں باب قتل ابی رافع تک اب جلد ثانی کی کل تیرہ ۱۳ تقریریں محفوظ ہیں، آج وہ دن ہے کہ مشین بھی موجود ہے دنیا بھی چل رہی ہے۔ مگر حضرت کہاں اور ان کی تقریریں کہاں۔ ۲۵ محرم الحرام کو جلد ثانی کا آخری سبق تھا۔ اور ۲۸۔ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۵۷ء کو جلد اول کا سبق پڑھا کر اٹھے تو فرمایا کہ تم لوگ سبق میں سوتے ہو اور میری ٹانگیں سوتی ہیں اسی دن سے حضرت مکان کے اندر محبوس ہو گئے اور پھر حضرت رحؒ کے فیض سے استفادہ کا موقع نہ مل سکا۔

۱۵۔ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۵۷ء بروز اتوار مدراس کا سفر پیش آیا۔ اس سے پہلے جلد اوّل کے ۲۳ اسباق اور جلد ثانی کے دس ۱۰ اسباق ہوئے تھے طبیعت کی ناسازی کی بنا پر پروگرام ناتمام چھوڑ کر بروز جمعہ ۵۔ محرم ۱۳۷۷ھ کو واپس تشریف لائے اور اسی شب میں باوجود ضعف کے سبق پڑھایا۔ بعض اساتذہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ مختصر سا سفر طے کر کے آتے ہیں تو تکان ہو جاتا ہے سب سے پہلے آرام کی فکر کرتے ہیں۔ مگر حضرت طویل سفر سے آکر عین درس کے وقت پر تشریف لاتے تو اسی وقت سبق پڑھاتے۔ آرام کا تصور نہ تھا۔ ایک دن طلبہ کے کثرت سے سوال کرنے پر کسی نے کہا کہ آپ لوگ حضرت کے آرام کا خیال کیجئے۔ تو فرمایا کہ کیا دنیا میں آرام کے لئے پیدا ہوا ہوں۔

۱۲ بجے دن کے وقت لو چل رہی ہے زمین جھلس رہی ہے۔ آسمان آگ برسا رہا ہے مگر حضرت ذوق و شوق کے عالم میں دارالحدیث سے سبق پڑھا کر واپس تشریف لے جاتے ہیں چھتری پیش کی جاتی ہے تو منظور نہیں ہوتی۔ بارش کے زمانہ میں راستہ کیچڑ آلود ہے، ترشح ہو رہا ہے۔ مگر حضرت دارالحدیث کی طرف جا رہے ہیں، کپڑے پر کیچڑ پڑ رہی ہے، اسکی جانب

توجہ ہی نہیں ہے، ایک ہاتھ میں چھڑی، دوسرے میں چھتری، کس کی ہمت ہے کہ بڑھ کر چھتری پکڑ سکے، سواری بھی قبول نہیں فرماتے۔

ناصر تانگہ والا تانگہ لے کر کھڑا ہے، طلبہ گذارش کر رہے ہیں حضرت راستہ کیچڑ آلود ہے پیدل جانا مناسب نہیں ہے۔ تانگہ سے تشریف لے چلیں، مگر سنیئے! حضرت کیا جواب دیتے ہیں، کیچڑ سے ہم پیدا ہوئے اور اسی میں جا ملیں گے تو ڈر کیا ہے۔ ایک دن ناصر کی برکت لینے کی تمنا اور طلبہ کے اصرار سے مان گئے۔ دوسرے دن کہیں جانا تھا تو بھی تانگہ لے کر ناصر حاضر ہوا تو اس شرط پر حضرت سوار ہوئے کہ پھر تو کبھی نہ آؤ گے؟

آخر میں جب کمزوری حد سے بڑھ گئی تو ایک دن مکان سے درس گاہ تک (جس کی مسافت تقریباً تین سو قدم ہے) آنے کے لئے بیچ میں شمالی گیٹ پر ضعف کی وجہ سے دربان دارالعلوم کی کرسی پر بیٹھ گئے۔ اسی کے بعد اکسرے (X R A Y) کرانے کے لئے سہارنپور تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لانے کے بعد (۱۴ محرم ۷۷ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۵۷ء) طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت کچھ دنوں کے لئے سبق موقوف فرمادیں تو جواب دیا کہ لڑکوں کو شرارت سوجھتی رہتی ہے۔ یہ نہ پڑھنے کا بہانہ ہے، مجھے تو سبق پڑھانے میں کوئی تکلیف نہیں۔ البتہ آنے جانے میں ذرا تکلیف ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضرت سواری کا انتظام قبول فرمالیجئے۔ تو فرمایا۔ ہاں یہاں تک آنے کے لئے ہوائی جہاز کا انتظام کر لو۔ یہ وہ دن ہے کہ سول سرجن صاحب نے سختی سے ممانعت کی ہے کہ رات کو درس نہ دیا جائے۔ حضرت رحمہ نے سول سرجن کا مشورہ قبول فرمایا۔ مگر اس طرح کہ رات کی بجائے عصر کی نماز کے بعد اس کا سلسلہ شروع فرمادیا۔

بے جا نہ ہوگا اگر عرض کیا جائے کہ جس طرح فرشتوں کی غذا ذکر اللہ ہے حضرت کی غذا درس حدیث نبوی، اسی شوق اور جذبہ کا اثر تھا کہ آپ درس میں تشریف لانے کے لئے کوئی سواری گوارا نہیں کرتے تھے اسی مقدس مشغلہ کے لئے پا پیادہ تشریف لاتے تھے تقاضائے شوق یہی تھا۔

۲۰ ربیع الثانی ۷۷ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو تقریباً دو ماہ بعد حضرت زنانخانہ سے باہر تشریف لائے اور مجمع عام میں رونق افروز ہوئے۔ اس وقت نائب مہتمم صاحب نے شیرینی تقسیم کرنے کی اجازت چاہی تو ارشاد ہوا۔ یہ تو میرا پہلا قدم ہوگا دوسرا قدم انشاء اللہ مسجد ہوگا اور تیسرا درسگاہ، چنانچہ اس سے پانچویں روز ۲۴ ربیع الثانی کو حضرت مسجد میں تشریف لے گئے۔ ہم طلبا خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے کہ اب تیسرا قدم جلد ہی درسگاہ میں پہنچے گا۔ مگر افسوس کیا خبر تھی کہ یہ آخری سنبھالا ہے۔ اس کے بعد یہ شمع اس محفل سے ہمیشہ کے لئے گل ہو جائے گی۔

روحانی تربیت بوقت درس

درس میں روحانیت کی بارش ہوتی تھی۔ تقریر اس انداز سے ہوتی تھی کہ طلبہ میں مراحل سلوک طے کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا اور راہ رواں راہ طریقت کی مشکلیں حل ہو جاتی تھیں۔ غار حراء، رویائے مبشرہ وغیرہ میں توجیہ پر اور حدیث جبرئیل میں فان لم تکن تراہ فانہ یراک پر ایسی رقت انگیز تقریر فرمائی کہ مجمع تڑپ اٹھا اور بہت سے دلوں میں مراحل سلوک طے کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

دوران سبق حسب موقع طلبہ کو حفظ قرآن و دورہ تفسیر پڑھنے پر بہت زور دیتے تھے۔ فرماتے تھے حدیث پڑھ کر گھر چلے جاتے ہو۔ اور تفسیر نہیں پڑھتے۔ حالانکہ قرآن ہی اصل ہے اور یہ سب ذرائع ہیں۔ تم ذرایع کو اختیار کرتے ہو اور مقصود کو چھوڑ دیتے ہو۔

ابواب مسواک کے درس کا مخصوص انداز

جب بخاری شریف میں مسواک کے فیض ابواب شروع ہوتے تو آپ کا خاص طریقہ تھا کہ طلبہ کو مسواکیں عطا فرماتے۔ اس سال ابھی یہ ابواب شروع نہیں ہوئے تھے کہ حضرت علیل ہو گئے جب حضرت مولانا فخرالدین احمد صاحب کے درس میں مسواک کے ابواب آئے تو طلبہ نے حسب دستور مسواک کا مطالبہ کیا حضرت نے بستر علالت سے کہلا بھیجا کہ اس وقت مسواکیں موجود نہیں ہیں یہ میرے ذمہ فرض ہے۔ انشاء اللہ ادا کروں گا مگر افسوس اجل نے فرصت نہ دی۔ تو وفات کے بعد پانچویں روز ۱۷ جمادی الاوّل ۷۷ھ کو صاحبزادہ مولانا اسعد صاحب نے یہ فرض ادا فرمایا فجزاھم اللہ

حضرت رحمہ کے درس میں علم و فنون کا دریا موجزن رہتا تھا، اہم مقامات پر تفصیل سے ارشاد فرماتے۔ خاص خاص مقامات پر ایجاز و اختصار سے درس دیتے۔ حدیث کے درس میں اکثر لغات کی تشریح فرمانے میں تفسیری مضامین اکثر تعلیم فرماتے، مذاہب اربعہ کے فقہی مسائل پر سیر حاصل بحث کرتے۔ سیرۃ النبی و شمائل نبوی کا موقع ہوتا تو درس سے ایمان تازہ ہوتا حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے علوم عقلیہ اور نقلیہ کے نکات اس انداز میں بیان فرماتے کہ بس آپ ہی کا حصہ تھا اکابر دیوبند کے علوم اور علمی کمالات اور خصوصیات بھی طلبہ کو ذہن نشین کرا لیتے۔ یہ درس ایمان و اخلاق کا بھی درس تھا۔ کتاب اللہ کی عظمت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور دینی زندگی کی اہمیت طلبہ کے دلوں میں نقش ہو جاتی، غرض ایک ناپیدا کنار سمندر تھا جس کی کوئی سرحد نہ تھی۔ یہ علوم ہزاروں شاگردوں کے سینوں میں محفوظ ہیں اور جب تک دنیا موجود ہے ان دینی علوم کا چشمہ بہتا رہے گا۔ حضرت حق سبحانہٗ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو کتاب و سنت اور حضرت رحمہ کے روحانی طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خصوصی شان بوقت درس

یوں تو ہر وقت حضرت کی شان الگ الگ رہتی تھی، رفتار و گفتار کی شان الگ اسی طرح درس و تدریس کی شان بھی الگ تھی۔ کپڑے انتہائی صاف اور عطر سے معطر دارالحدیث میں تشریف لے جاتے تھے احتراماً اکثر دو زانو ہو کر تشریف رکھتے تھے۔ احترام حدیث کے پیش نظر حرکت بھی زیادہ نہیں کرتے تھے، جب دو زانو ہو کر تشریف رکھتے

توتوجہ سامنے کی طرف ہوتی۔ درس کے وقت انتہائی بے تکلف ہوجاتے تھے، بیچ بیچ میں ہنسی مزاح بھی فرماتے تھے۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ لڑکے بے تکلف استفادہ کرسکیں اور اشکالات پیش کرنے میں جھجک محسوس نہ کریں، رات کے سبق میں خصوصاً بہت زیادہ بے تکلف ہوجاتے تھے۔

درس گاہ میں داخلہ

درس گاہ میں داخل ہوکر آپ پہلے سلام فرماتے تھے اور طلبہ بھی اس نعمت کے منتظر رہتے تھے مگر جواب آہستہ دیتے، حضرت رح نے رعب کو دور کرنے کے لئے ایک دن فرمایا دیکھو سلام کرنا سنت ہے۔ اور جواب دینا واجب ہے تم لوگ جواب نہیں دیتے میرا کیا نقصان؟ لڑکے مقصد سمجھ گئے اور اسی دن سے بآواز بلند وعلیکم السّلام کہنے لگے اس میں حضرت بہت خوش ہوتے تھے۔

اثنائے درس میں جس قدر سوالات کئے جاتے تھے آپ خوشی خوشی جواب عنایت فرماتے تھے۔ چاہے جواب دینا ضروری ہو یا نہ ہو۔ سوال قابل جواب ہو یا نہ ہو ایسا بھی ہوتا کہ کسی طالب علم کا سوال معقول ہوتا مگر ادائیگی ناقص ہوتی۔ تو آپ سوال کی تقریر خود فرماتے، کہ سوال اس طرح کرنا چاہیئے اس کے بعد آپ جواب ارشاد فرماتے۔ ایک روز طلبہ نے کچھ زیادہ سوالات کئے تو کسی قسم کی برہمی یا غصہ کی بجائے صرف یہ ارشاد فرمایا کہ آپ صاحبان جتنے سوال کریں گے میں انشاء اللہ سب کا جواب دوں گا۔ مگر اس میں نقصان آپ کا ہی ہے کہ کتاب کے اہم حصے جو آگے آنے والے ہیں ان پر سیر حاصل بحث نہ ہو سکے گی۔ گزشتہ سال کی بات ہے ایک طالب علم نے کچھ زیادہ سوال کرنے شروع کئے دوسرے طلبہ کچھ خفا ہونے لگے تو آپ نے خفا ہونے والوں کو تنبیہ فرمائی۔ اور سائل سے فرمایا کہ تم سوال کرو میں جواب دوں گا۔ لڑکوں نے اس خیال سے کہ حضرت رح اپنے شیخ یعنی حضرت شیخ الہند کے ہر عمل کو محبوب سمجھتے ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت! حضرت شیخ الہند تو اس قسم کے سوال پر ڈانٹ دیتے تھے۔ حضرت نے جواب دیا کہ حضرت شیخ الہند کے سبق میں حقیقتاً کسی کو کوئی شبہ نہیں رہتا تھا، میں کہاں، میرا علم کہاں، شیخ الہند کامل شیخ تھے۔ مجھ میں یہ کمال کہاں، میں ایسا کروں تو کس برتے پر غصہ کروں، سبحان اللہ۔

عام طور سبق کے بعد کچھ طلبہ مکان تک حضرت کے پیچھے پیچھے چلے جاتے تھے۔ بسا اوقات آپ تنبیہ فرما دیتے کہ میرے ساتھ کیوں آتے ہو۔ کیا میں ڈرتا ہوں؟ جاؤ اپنے کمرے میں، مگر طلبہ کہاں مانتے، کچھ دیر ٹھہرتے، پھر آہستہ آہستہ چل دیتے۔

علم کے احترام کا یہ عالم تھا کہ راستے میں کاغذ کا کوئی ٹکڑا مل جاتا تو فوراً اٹھا لیتے فرماتے۔ اس کاغذ کے ذریعہ علم کی حفاظت ہوتی ہے۔ ایک روز مسجد سے تشریف لا رہے تھے۔ کسی کے جوتے پر کاغذ کا پرزہ پڑا ہوا تھا۔ اس کو اٹھایا۔ پھر جوتے والے کو تنبیہ فرمائی۔ بے شمار واقعات ہیں جن کا اندراج دشوار ہے مختصر یہ کہ اللہ تعالےٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی نعمتوں سے نوازے اور ہم ناکاروں کو حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔

شیخ الہند جناب مولانا حسین احمد صاحب مدنی مرحوم کے قدموں پر بیٹھ کر کام کرنے کا مجھے بھی فخر حاصل ہے نہ صرف قدموں پر بیٹھنے کا بلکہ جیل میں بھی ساتھ رہ کر کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس تجربہ کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ مولانا مدنی کی وفات سے نہ صرف ہندوستان اور ایشیا کا بلکہ دنیا کا بہت بڑا آدمی کھو گیا۔

آپ ان محب وطن افراد میں سے ایک ہیں کہ جنہوں نے ملک کی آزادی کے لئے ۱۹۰۷ء کے پہلے سے ہی ہندوستان کے آزاد کرانے کی کوشش کی، ۱۹۱۴ء میں جب پہلی دنیا کی جنگ ہوئی تو آپ مالٹا میں نظر بند کر دیئے گئے تھے۔

جیل میں مجھے بڑے بڑے لوگوں سے ملنے کا موقع ملا۔ لیکن ان میں سے جنہوں نے میرے دل پر قبضہ کر لیا ان میں مولانا مدنی اور گنیش شنکر دیا رتھی تھے ۱۹۴۳ء کی بات ہے۔ نینی جیل میں جب یہ خبر آئی کہ تحریک فیل ہونے کے باوجود مہاتما گاندھی نے اپنے ۹۔ اگست والے رزولیوشن کو واپس نہیں لیا۔ تو بڑے بڑے دیش بھگتوں کا چہرہ اداس ہو گیا لیکن مولانا مدنی صاحب مسکرائے۔ اور کہا مہاتما جی نے ٹھیک کیا۔ کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ کسی جیل میں میری قبر بن جائے گی انہیں دنوں ہم لوگ نینی جیل میں سرکل نمبر ۵ میں رہتے تھے۔ چونکہ سیاسی قیدی بہت سے چھوٹ چکے تھے اور بہت تھوڑے رہ گئے تھے۔ ان سب کی رائے ہوئی کہ ہم سب نمبر ۱ کے سرکل میں چلے جائیں تو سیاسی قیدیوں کی تعداد بڑھ جائے گی اور دن اچھی طرح سے کٹیں گے تو مولانا صاحب نے فرمایا ٹھیک تو ہے مگر جیل والوں سے میں استدعا نہ کروں گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسئلہ پر ساتھیوں میں اختلاف رائے ہوا اور سب لوگ سرکل نمبر ۱ میں چلے گئے۔ اور ہم اکیلے مولانا کے رہنے کی نوبت آئی اس

وقت میں نے کہا کہ میں مولانا کو اکیلا چھوڑ کر بہشت میں بھی جانا پسند نہ کروں گا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف دو سیاسی قیدیوں کے لئے جیل والوں کو سرکل نمبر ۵ میں دو سپاہی اور دو نمبر رکھنا پڑتا تھا۔ اس لئے ان جیل والوں نے مولانا سے استدعا کی کہ آپ لوگ سرکل نمبر ا میں چلے جائیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ تب ہم دونوں آدمی خوشی خوشی سرکل نمبر ا میں چلے گئے۔

”دو بھائی بھائی برابر ہیں یہ کہتے ہوتے بہتوں سے سنا ہے لیکن برابری کا برتاؤ کرتے صرف مولانا کو دیکھا ہے کھانا پکاتے وقت یا ورچی یا ورچی رہتا تھا۔ اور آپ مالک رہتے تھے۔ لیکن کھاتے وقت باورچی اور مالک ایک ہوتے تھے یہی نہیں صرف ایک پاؤ گوشت مولانا کو ملتا تھا۔ لیکن کھانے کے وقت جو بھی آکر کھاتے وقت بیٹھ جائے۔ اس کو کھانے میں حصہ مل جاتا تھا۔ جیل کی میعاد نہیں تھی۔ یہ پتہ نہیں تھا کہ جیل میں کب تک رہنا پڑے گا۔ لیکن اگر کوئی معمولی قیدی کھانے کے وقت آگیا تو اس کا کھانا اور اپنا کھانا ملا کر اس کو اپنے ساتھ کھلاتے تھے۔ تندرستی گرنے لگی تو میں نے جیل کے ڈاکٹر سے کہا کہ مولانا اپنا کھانا تقسیم کر دیتے ہیں اس لئے تندرستی گرتی جا رہی ہے تو انہوں نے پہلے تو یہ کہا کہ میں کیا کروں قاعدہ یہی ہے ان کے صرف پاؤ بھر گوشت مل سکتا ہے لیکن دوسرے دن آکر وزن کیا اور تندرستی گرتے ہوئے دیکھ کر پاؤ بھر گوشت اور بڑھا دیا۔ اس کے مطابق مولانا کا کھانا اور بڑھ گیا اور لوگ بھی کھانے میں شریک ہونے لگے۔

ایک روز ایک قیدی نے آکر فریاد کی نماز پڑھتے وقت میرے پاس فلاں قیدی بھی تھا اس نے میری اٹھنی چرالی (کیونکہ اس وقت جیل کی اٹھنی روپے کے برابر تھی) مولانا نے کہا میں کیا کروں میں بھی تو تمہاری طرح قیدی ہوں۔ لیکن جب اسے زیادہ رنجیدہ دیکھا تو اپنے پاس سے اٹھنی دے کر رخصت کیا۔ اسے دیکھ کر میں نے مولانا سے برجستہ عرض کیا کہ اب میں آپ کے ساتھ اس بیرک میں نہ رہوں گا کیونکہ آپ کا اخلاق اتنا وسیع ہے اگر میں تھوڑے دن اور رہا تو میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا تو انہوں نے فرمایا کہ تم تو بہت دن سے مسلمان ہو تم کیا مسلمان ہو گے۔

جیل میں سیاسی قیدی گرمی کے مہینے میں جان بوجھ کر دیر میں بند ہوتے تھے۔ جس سے جیل والوں کو تھوڑی سی پریشانی ہوتی تھی۔ لہٰذا ان لوگوں نے سیاسی قیدیوں کے بیرک کو دیر میں کھولنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گرمی کے مہینے میں پاخانہ صاف نہ رہنے کی وجہ سے ۸ بجے صبح تک بھنگی نہیں جانے پاتا تھا۔ جس سے سیاسی قیدیوں کو پریشانی اٹھانا پڑتی تھی۔ اس پریشانی کو دیکھ کر میں نے مولانا سے عرض کیا کہ آج میں اس بیرک میں بند ہوں گا اور سیاسی قیدیوں کا پاخانہ خود صاف کروں گا۔ مولانا نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی چلوں گا تم اکیلے کیوں جاؤ۔ میں نے کہا کہ میرے ہی جانے سے جیل والوں کی عقل ٹھیک ہو جائے گی آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

یوں تو دنیا ہے جو آتا ہے ضرور جاتا ہے لیکن بڑے آدمی کے جانے سے ہر ایک کو تکلیف ہوتی ہے لہٰذا اس کی دوا یہ ہے کہ ایسے بڑے آدمی کی یادگار بڑی سے بڑی قائم کی جائے ان کا فوٹو تو ملے گا نہیں لیکن اگر کہیں مل جائے تو دہلی، لکھنو، ٹانڈہ میں اس کا اسٹیچو لگا جائے۔ یہ سوکل جی کی رائے ہے مگر نہ ہماری مانگ ہے اور نہ مولانا کی روح اس سے خوش ہوگی (ادارہ) ان کی لائف اور سوانح عمری لکھوا کر ہندوستان کی ہر زبان میں بٹوائی جائے اور اگر ممکن ہو تو بچوں کے کورس میں شامل کیا جائے، دیوبند مدرسہ کی مناسب مالی امداد کی جائے تاکہ ان کا لگایا ہوا درخت ہمیشہ نہ صرف ہرا بھرا رہے بلکہ پھولتا پھلتا بھی رہے جس کی خوشبو سے ساری دنیا کو فائدہ پہنچتا رہے ان کو یاد کر کے آنکھوں میں آنسو آرہے ہیں اس لئے اس سے آگے قلم نہیں چلتا۔

لایا ہوں اس طرح دل صد پارہ ڈھونڈ کر
ٹکڑا جہاں پڑا ہوا پایا ، اٹھا لیا

درس بخاری شریف کا ختم

جب سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم دیوبند میں مسند حدیث کو زینت بخشی اور صحیح بخاری شریف کا درس دینا شروع کیا۔ ہمیشہ آخری سال بخاری شریف ختم کرانے کا ایک خاص معمول رہا ہے۔ عموماً ۲۰ شعبان تک دار العلوم کے سالانہ تمام امتحانات ختم ہو جاتے ہیں اور آغاز امتحانات سے قبل ہی تمام کتابیں متعینہ نصاب تک ختم کرا دی جاتی ہیں مگر حضرت شیخ بخاری شریف کا سلسلہ درس ۲۵، ۲۶، ۲۷ شعبان تک جاری رکھتے تھے اور حسب منشاء انہیں تاریخوں میں اکثر ختم کرایا کرتے تھے۔

اطراف و اکناف کے ہزاروں تشنگان معرفت اس موقعہ کے انتظار میں رہتے تھے

اور اپنے اپنے جان پہچان کے مقامی حضرات یا طلبہ سے پہلے ہی خط وکتابت کر لیتے تھے کہ معلوم ہونے پر ختم بخاری شریف کی متعینہ تاریخ سے مطلع کر دیں۔

جس دن بخاری شریف ختم کراتے تھے اس سے دو تین دن قبل ہی خصوصاً شرکاء حدیث تو تاڑ لیتے تھے کہ اب کی مرتبہ حضرت فلاں تاریخ کو بخاری شریف ختم کرائیں گے چنانچہ قرائن سے جن لوگوں کو تاریخ کا سراغ لگ جاتا وہ اپنے اپنے بیرونی متعلقین کو خفیہ خطوط کے ذریعہ آگاہ کر دیتے تھے۔

بیرونی حضرات ایک دو دن قبل ہی پروانہ وار آکر اپنی جگر سوزی کا مظاہرہ کرنے کے لئے اس شمع ہدایت کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور اس طرح متعینہ تاریخ تک سینکڑوں عقیدت مندوں کا مجمع لگ جاتا اگرچہ حضرت شیخ رح لوگوں اور خصوصاً طلبہ کے اس طرز عمل سے قطعاً ناخوش تھے تو حضرت کی یہ ناراضگی ان کے غیر معمولی جذبہ انکساری کا لازمی نتیجہ تھی جو ہر ہر قدم پر برعکس حضرت کے دامن زندگی کو انسانیت کی بلند قدروں اور روحانیت کے انمول جواہر پاروں سے سجاتی رہی ہے ؎

تکلّف سے بری ہے حسنِ ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

لیکن عالم اسلام تو حضرت رح کو اپنے لئے قدرت کی طرف سے ایک عظیم عطیہ جانتا تھا اور آپ رح کی حیات پاک کا ہر ہر لمحہ فرزندان توحید اپنے حق میں آیۂ رحمت اور سرچشمہ فیض وبرکت سمجھتے تھے اس لئے خوش قسمت لوگوں نے کبھی بھی اس قسم کے مواقع ہاتھ سے جانے نہیں دیئے۔ بلکہ ایک نعمت غیر مترقبہ جان کر سدا ایسی صحبتوں سے فائدہ اٹھایا۔ علم ومعرفت کے بے بہا خزانے لوٹے روحانی فیوض وبرکات سے مالا مال ہوئے۔ اور اس آفتاب رشد وہدایت کی روشنی میں اپنی زندگی کے پرخار و بھیانک مراحل کو طے کیا۔

بخاری شریف ختم کرانے کا یہ منظر انتہائی کیف آگیں و روح پرور ہوتا تھا۔ لوگ گھنٹوں پہلے آکر دارالحدیث میں بھر جاتے تھے کیونکہ ہر شخص کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ اگر ذرا بھی دیر ہوئی تو دارالحدیث کے باہر بھی دور تک جگہ ملنا مشکل ہوگی۔

خوشبو سے تمام ہال معطر کر دیا جاتا تھا وقت ہونے پر حضرت دارالحدیث تشریف لاتے، اور شرکاء دورہ باری باری عبارت پڑھنا شروع کر دیتے ہر طالب علم کو زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ پڑھنے کی اجازت ہوتی تھی آخر میں جب چند ہی حدیثیں باقی رہ جاتیں۔ حضرت خود قراءت فرمانے لگتے، اور آخر تک آپ ہی پڑھتے تھے حضرت کی قراءت ایک سوز بھرے انداز میں انتہائی بلند آہنگی سے ہوتی تھی جسے سن کر عہد نبوی کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ختم کے بعد آپ رح تھوڑی دیر نصیحت فرماتے اور طلباء کو اسوہ حسنہ پر گامزن رہنے اور شریعت محمدیہ کی اتباع کرنے کی فرماتے تھے عام طور پر سلوک کے مراحل طے کرنے والے حضرات کو بھی اسی وقت اجازت سے نوازتے تھے۔

اس سے فراغت کے بعد آپ رح دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ادھر دعا کے لئے آپ کے ہاتھ اٹھتے تھے ادھر خشیت خداوندی تمام محفل پر چھا جاتی تھی، آہ وبکا، گریہ زاری سے تمام دارالحدیث گونج اٹھتی۔ اور سخت سے سخت دل انسان بھی نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگتا تھا، بارگاہ خداوندی میں گریہ زاری کا یہ سلسلہ کوئی بیس ۲۰ منٹ تک جاری رہتا تھا جب لوگ زیادہ بے تاب ہو جاتے تو آپ اس سے بھی پہلے دعا ختم کر دیتے تھے۔

دعا کے بعد آپ پانی پر دم کرتے تھے جس کا انتظام متولین حضرات پہلے ہی کر رکھتے تھے یہ پانی بعد میں باہر سے آنے والے مہمان، طلبہ اور دیگر معتقدین حضرات آپس میں تقسیم کر لیتے اور تبرکاً اپنے اپنے گھر لے جاتے تھے پھر آپ دارالحدیث سے روانہ ہو کر دولت کدہ تشریف لے جاتے اور اسی وقت اس مقام کے لئے روانہ ہو جاتے جہاں رمضان شریف گذارنا منظور ہوتا تھا۔

جلسۂ تقسیم انعام

دارالعلوم دیوبند ہر سال اپنے ہونہار طلبہ کے درمیان گراں قدر انعام تقسیم کرتا ہے یہ جلسہ اکثر موسم سرما میں منعقد ہوتا ہے جس میں اساتذہ دارالعلوم اپنے ڈیڑھ ہزار روحانی بچوں کے ساتھ شرکت فرماتے ہیں، مجلس بہت ہی طربناک ومسرت خیز ہوتی ہے جس کی روح رواں اور شمع فروزاں ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہوتے تھے آپ رح طلبہ کی اس مجلس سے بڑی دل چسپی لیتے تھے جلسہ کا افتتاح اکثر ان لفظوں سے فرمایا کرتے تھے عند الامتحان

آہ محبّ غمگسار

۷۷ ھ ۱۳

از: زین السّاجدین بزمی

آہ وُہ شیخِ حرم شیخِ عرب شیخِ عجم
ہائے وہ ناموَرِ مذہب وملت نہ رہا
آہ وہ اشک نگر و ردشناش آہ بگوش
ہائے وہ نازشِ اہلِ ضرورت نہ رہا
آہ وہ مخلصِ جمعیتِ اربابِ علوم
ہائے وہ محسنِ تنظیمِ جماعت نہ رہا
آہ وہ حریتِ قوم و وطن کی بنیاد
ہائے وہ مہرِ ومۂ چرخِ عزیمت نہ رہا
آہ وہ پیر وہ روحانی مربّی وہ فقیہ
ہائے وہ صاحبِ اوصاف وکرامت نہ رہا
آہ وہ حسنِ اکابر کی درخشاں تصویر
ہائے وہ شانِ مشائخ کی روایت نہ رہا
آہ وہ مہرِ جہاں آہ وُہ صدیقِ زماں
ہائے وہ گلشنِ اسلام کی زینت نہ رہا

۱۳ ۱۹۵۷ ۱۷

یکرم الرجل او یہان یعنی امتحان کے وقت آدمی باعزت ہوتا ہے یا ذلت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ پھر فرماتے جس نے محنت کی آج اسے اپنی محنت کا پھل ملے گا۔ اور جس نے کھیل کود اور تفریح میں اپنا وقت ضائع کیا آج وہ محروم تہی داماں ہوگا آخر میں طلبہ کو کتابوں میں محنت اور جدوجہد کرنے کی ترغیب دینے کے بعد اپنے دست مبارک سے تقسیم انعام کا آغاز فرماتے۔

اس باب میں آپؒ کا ایک خاص طرز تھا۔ مستحق کے نام کا اعلان فرمانے کے بعد جملہ کتابوں کے نام حاصل کردہ نمبرات کے ساتھ تفصیل وار بیان فرماتے تھے۔ جس طالبعلم کے نمبرات اچھے ہوتے تھے۔ آپؒ اس کا نام پکارنے کے بعد اس وقفہ میں کہ مستحق اپنی جگہ سے اٹھ کر انعام لینے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ مجمع کو خطاب کرکے فرمانے لگتے۔ دیکھو یہ کس شان سے سر اٹھا کر سینہ تانے آرہا ہے۔ کیونکہ اس کے نمبرات اچھے ہیں اور کسی کتاب میں فیل بھی نہیں ہے اور جو لڑکے بعض کتابوں میں فیل ہوجاتے وہ یا انعام لینے آتے ہی نہیں تھے یا آتے تو بہت ہی دبے قدموں آتے تھے۔ مگر ہمارے حضرت کسی کو بھی بخشتے نہیں تھے جو نہیں آتا تھا اس کا نام بار بار پکارتے تھے اور جب اس کا پتہ نہیں چلتا تو فرماتے یہ فلاں کتاب میں فیل ہے اس لئے منہ چھپاتے بیٹھا ہے اور جو بے چارہ آجاتا تھا اس سے بھی انتہائی گرجدار آواز میں فرماتے تم فلاں کتاب میں فیل ہو محنت نہیں کرتے کس قدر شرم کی بات ہے اگر کسی سال کسی کتاب میں لڑکے زیادہ فیل ہوجاتے تو آپؒ اسٹیج کی طرف سے منہ موڑ کر متعلقہ استاذ سے انتہائی مضحکہ خیز انداز میں فرماتے۔ حضرت! آپ کی کتاب میں لڑکے اس قدر فیل کیوں ہیں کیسی پڑھاتے ہیں آپ؟ جس پر سارا مجمع ہنس پڑتا تھا۔

ایک مرتبہ قاضی مبارک میں دو چار لڑکے فیل ہو گئے تھے۔ یہ کتاب امام المعقولات حضرۃ الاستاذ علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی مدظلہ پڑھایا کرتے ہیں۔ جو حضرت کے زمانہ طالب علمی کے خاص ساتھیوں میں سے ہیں اور حضرت ان سے بہت زیادہ بے تکلف تھے آپ ان سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ جناب! آپ کی کتاب میں لڑکے بہت فیل ہیں آپ امام المعقول کیسے بن گئے۔

حضرت علامہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا حضور! میں امام ہوں پر لڑکے تو امام نہیں اس لئے اس میں میری امامت کا کوئی قصور نہیں،، اس پر ہمارے حضرت بہت ہنسے۔

ہمارے حضرتؒ گوشۂ چمن میں

یوں تو ہمارے حضرتؒ ہر وقت خوشبو سے معطر رہتے تھے باہر سے خاص قسم کا عطر منگوا کر استعمال فرماتے تھے اور ہمیشہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپؒ خوشبو میں نہا کر اٹھے ہیں مگر خاص طور پر پھول اور پھول کی خوشبو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے، آپؒ کو پھول کی رنگینی، مہک اور مسکراہٹ سے عشق تھا۔ گل کی جگہ چاکی اور لالہ کی جگر سوزی سے آپ تقاضہ ہائے زلسیت کی یاد تازہ فرماتے اور حیات انسانیہ کی حقیقی قدروں کا سراغ پاتے ؎

حدیث سوز و ساز زندگی کیا خاک سمجھیں گے
جو اس نغمہ کے زیر و بم سے یکسر بے خبر نکلے

آپؒ جب دارالحدیث تشریف لاتے، شوقین طلبہ مختلف قسم کے خوشبو دار پھول لے کر دارالحدیث کے اس کنارے بیٹھے رہتے تھے جہاں سے آپؒ اندر داخل ہوتے تھے۔ آپ ان کے سامنے سے گذرتے تو وہ ہاتھ بڑھا کر پھولوں کا نذرانہ آپکی خدمت میں پیش کرتے، آپ خوشی خوشی پھول لے کر پہلے سونگھتے پھر پھول کی مسکراہٹ دیکھ کر مسکراتے ہوئے زبان حال سے یہ فرماتے ؎

کسی کا غم کسی کے واسطے وجہ مسرت ہے
کلی کو اشکِ شبنم پر ہنسی معلوم ہوتی ہے

جن بزرگوں نے دارالعلوم دیوبند کی زیارت فرمائی ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ دار جدید کا شمالی حصہ پہلے چٹیل میدان سا تھا اور اب سدا بہار چمن ہے یہ ہمارے حضرت کی پھول سے بے پناہ محبت کا نتیجہ ہے آپ ہی کی کوشش سے دارالعلوم نے اس طرف توجہ کی اور اس ویرانہ کو پھلواری بنا دیا حضرتؒ کو سفر و حضر میں اپنے اس چمن کا خیال رہتا تھا اور دور دراز سفر سے واپسی کے وقت کسی کے لئے کچھ نہ لاتے۔ پر اپنے چمن کے لئے خوبصورت پھول کے پودوں اور بیج کا تحفہ ضرور لاتے تھے ایک مرتبہ کا واقعہ ہے بہار کا موسم تھا چمن میں ہر طرف کلیاں مسکرا رہی تھیں گلہائے رنگا رنگ کا عجیب دلفریب سماں تھا۔ مالی کی درخواست پر آپ حضرت مولانا قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ہمراہ ظہر کے بعد چمن میں بہار کا دلکش منظر دیکھنے تشریف لائے۔ ہر طرف چکر لگاتے اور ہر پھول کی دلکشی سے محفوظ ہوتے۔ چلتے چلتے ایک پودے کے قریب پہنچے جس پر چند پھول کھل کھلا کر اپنے شیدائی کو دعوت نظارہ دے رہے تھے حضرت ہنس کر عجیب معصومانہ انداز میں حضرت مہتمم صاحب قبلہ سے فرمانے لگے حضرت! دیکھئے تو ان پھولوں کو کتنے خوبصورت و دل کش ہیں یہ پودا میں فلاں سفر سے (نام یاد نہیں رہا) واپسی کے وقت ہوائی جہاز کے ذریعہ لایا تھا۔ اللہ اللہ! قربان جائیے اس معصوم انداز پر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بچہ کسی عظیم مہم کو سر کرکے اپنے بڑے کے سامنے مسرت بھرے انداز میں اپنا کارنامہ بیان کر رہا ہے حضرت رح کے ان جملوں پر غور کیجئے اور پھول سے ان کی بے پناہ دلچسپی کا اندازہ لگائیے۔

آستانہ سے مسند حدیث تک

بخدا وہ منظر بھی کتنا دلکش و روح پرور ہوتا تھا جب آپ طلبہ کے ایک جم غفیر کے ساتھ آستانہ سے دارالحدیث بخاری شریف پڑھانے صبح و شام تشریف لاتے تھے۔ راستہ کے چاروں طرف دور دور کمروں کے برآمدے پر کھڑے فدایان شیخ رح اپنے شیخ کی تشریف آوری کا جلوہ یار منظر دیکھنے کیلئے بے چین رہتے تھے، بھاری بدن وجیہہ چہرہ جسکی تابانی اور درخشندگی پر لاکھوں حسن و جمال قربان، عصائے موسوی ہاتھ میں انتہائی وقار کے ساتھ شیخ الاسلام تشریف لاتے تھے، طلبہ کی ایک جماعت جو قبل از وقت آستانۂ مدنی پر پہنچ جاتی تھی، دھیرے دھیرے اپنے شیخ کے نقش قدم پر بخاری شریف بغل میں دبائے چلی آتی تھی۔ اور ہر طرف کھڑے شیدایان شیخ اس جلوہ بار و جلوہ پذیر منظر کا نظارہ کرتے تھے جہاں تک کہ آیۂ رحمت کا یہ پاک مجسمہ دارالحدیث کے اندر

قدم رکھ دیتا۔

دارالحدیث میں داخل ہوکرآپ سب سے پہلے السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرماتے اورطلبہ بیک آواز وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ ومغفرتہ کہہ کراپنے شیخ کے سلام کاجواب دیتے تھے۔

افسوس! دارالعلوم میں ہرسال بخاری شریف بھی ختم ہوا کرے گی تقسیم انعام کے جلسے بھی ہوا کریں گے۔ چمن میں بہاریں بھی آئیں گی پھول بھی مسکرائیں گے یہ سب کچھ ہوتا رہے گا پھر نہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہوں گے اور نہ وہ رونق وچہل پہلی ہوگی۔ آہ ؎

اب کاوشِ محروم تجھے ڈھونڈ رہی ہے
تو ایک ہی سرمایۂ خونی جگراں تھا

بس اب زبان قلم کو اس دعا پر روکتا ہوں ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

قطعات تاریخ

ازمولانا مظہر عبدالحق اشہر بہارم بمبئی امام مسجد جدید

حضرت مدنی حسین احمد ولئ باصفا
آہ حضرت شیخ الاسلام محدث ازجہاں
ازعلوم انبیاء درہا بسفت
رفت خنداں سوئے حق گشتند گریاں شیخ دباب
چوں طلب کردند از روئے جدائی سالِ فوت
عبدہٗ عمر ست شیخ الاکبر اسلام بود
آہ رضی الرب عنہ۔ اشہر سن رحلت بگفت ۸۱ ۱۲۹۶
۱۳۷۷ھ
گفت تاریخِ وصال اشہرا بغفر آتماب
۱۳۷۷ھ

شیخ الاسلام آہ اس دنیا سے آج
چل بسے قرآں کے حامل ہائے ہائے
سالِ فوت، اشہر اگر پوچھے کوئی
کہہ، غروبِ ماہِ کامل ہائے ہائے
۱۳۷۷ھ

... شیخ الاسلام

۱۹۵۰ء

کون ہے پیکرِ تسلیم و رضا تیرے بعد
ہے کسے حوصلۂ جبر و وفا تیرے بعد

صرف دنیا ہی نہیں علم بھی ہے آج یتیم
اے حسین احمد مدنی، بخدا تیرے بعد

چھا گئی ملتِ بیضا پہ اُداسی کیسی
اب کہاں رونقِ بزمِ صلحا تیرے بعد

اے زمانے کے ولی، بزمِ سیاست کے امام
لُٹ گئی ہائے بساطِ علماء تیرے بعد

اے کہ تو سب کے لیے راہبرِ کامل تھا
اب زمانے میں کہاں راہ نما تیرے بعد

مالٹا کے در و دیوار سے آتی ہے صدا
نہ ہوا کوئی گرفتارِ بلا تیرے بعد

اے مسیحائے نفس شیخِ مجیب الدعوات
اثر و کیف سے خالی ہے دعا تیرے بعد

زندگی تیری توکل پہ بسر ہوتی تھی
کس کے گھر جائیں گے اب فقر و غنا تیرے بعد

علم و فن تھے جو تیرے دم سے امیر الامراء
نظر آتے ہیں غریب الغربا تیرے بعد

ہائے وہ تذکرۂ علمِ حدیثِ نبوی
ہائے وہ "گفتۂ محبوبِ خدا" تیرے بعد

وجہ صد نازشِ امداد و رشید و محمود
"شیخ الاسلام" بنے کون بھلا تیرے بعد

آہ اے روشنیٔ دیدۂ یعقوب نہ پوچھ
کتنا بے نور ہے قاسم کا دیا تیرے بعد

سالکِ خوش نظرے، قطبِ زمانہ تو ہی
قوم نے آج محسوس کیا تیرے بعد

تھے جو مخصوص تیری ذات سے اوصاف و صفات
اب کہاں پائیں گے ہم ان کا پتا تیرے بعد

خوگرِ مہر و وفا پیکرِ تسلیم و رضا
اب کسے بندہ بنائے گا خدا تیرے بعد

"کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق"
یہ ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا تیرے بعد

علیم اختر مظفر نگری

خدام پر شفقت

راقم الحروف بھی ان خوش نصیب خدام میں سے ایک ہے جن کو حضرت کے قریب رہنے اور ڈھائی سال تک سفر میں خدمت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے فالله الحمد جی چاہتا ہے کہ بعض وہ واقعات جو ڈھائی سالہ مدت سفر میں پیش آئے جن کا تعلق براہ راست اسی خادم سے ہے عرض کر دوں۔ جس سے چھوٹوں پر شفقت خلق اللہ سے ہمدردی وغیرہ اوصاف کا پتہ چل سکتا ہے، احقر کا معمول تھا کہ حضرت جب کبھی طویل سفر اختیار فرماتے تو اپنا بہت ہی مختصر اور کچھ ضروری سامان ایک کپڑے کے تھیلہ میں ساتھ رکھ لیا کرتا۔ ایک مرتبہ حضرت دیوبند سے تین بجے کی گاڑی سے میرٹھ کے لئے روانہ ہوتے، میرٹھ ایک رات قیام کرکے سیتاپور، لکھنو۔ شاہ جہاں پور، تشریف لے جانا تھا۔ واپسی میں سہارن پور میں ایک مقدمہ کی شہادت کے سلسلہ میں چند گھنٹے کا قیام تھا۔ دیوبند اسٹیشن تک رخصت کرنے کے لئے طلبہ اور خدام آئے تھے مولانا اسعد میاں صاحب (خلف الرشید حضرت رحمۃ اللہ علیہ) بھی آتے تھے گاڑی پلیٹ فارم پر آکر رکی قریب ہی کے ایک ڈبہ میں سامان رکھ دیا گیا حضرت تشریف فرما ہوگئے ڈبہ میں چونکہ جگہ تنگ تھی تو خدام سے ارشاد فرمایا کہ دیکھو کسی اور ڈبہ میں جگہ اچھی ہو تو وہاں منتقل ہو جائیں جلد ہی دیکھ بھال شروع ہوگئی غالباً صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ آگے ایک ڈبہ بالکل خالی ہے اس میں تشریف لے آئیے سامان جلدی سے اتار دیا گیا۔ اور دوسرے ڈبہ میں پہنچا دیا گیا حضرت کا سامان سفر مخصوص مگر مکمل ہوا کرتا تھا ایک بستر جو ایک نہیں بلکہ دو آدمیوں تک کو کفایت کر سکے ایک چمڑے کا سوٹ کیس جس میں علمی سیاسی کتابیں، سیاسی وغیر سیاسی خطوط اور دیگر تحریرات، شجرے تعویزات وغیرہ ہوتے تھے ایک بڑی کنڈی جس میں لوٹا، ناشتہ دان، کھڑاویں، مٹی کے ڈھیلے، صابن دانی اور بعض ضروری چیزیں ہوتی تھیں اور ایک صراحی گرمی کے موسم میں تو التزام کے ساتھ۔

گاڑی چونکہ چند منٹ کے لئے ٹھہرتی تھی اس لئے ڈبہ کی تبدیلی میں کافی جلدی کرنی پڑی۔ اس جلد بازی میں اپنی بدقسمتی (یا خوش قسمتی) سے اپنا تھیلہ پہلے ہی ڈبہ میں بھول گیا گاڑی دیوبند سے روانہ ہوگئی۔ میرٹھ اسٹیشن پر جب سامان اتارنے لگا اس وقت تک بھی مجھے اپنا سامان یاد نہیں آیا۔ پلیٹ فارم کو طے کرکے جب گیٹ سے باہر نکلنے کا وقت آیا۔ اچانک مجھے اپنا تھیلہ یاد آگیا میرٹھ اسٹیشن پر جو خدام حضرت کو لینے آئے تھے ان میں سے ایک صاحب سے یہ کہہ کر کہ میرا تھیلہ ریل میں رہ گیا ہے میں اسے لے آؤں، آپ میرا ٹکٹ حضرت سے لے کر ذرا یہیں انتظار کریں۔ اور حضرت کو باہر جانے دیں میں نے فوراً گاڑی کے قریب جاکر کوشش کی کہ کسی ڈبہ میں میرا تھیلہ نظر پڑ جائے لیکن نہیں ملا ادھر گیٹ پر ٹکٹ دیتے وقت حضرت نے مجھے دریافت فرمایا کہ وہ کہاں گیا۔ اطلاع دی گئی وہ اپنا تھیلہ بھول گیا ہے اس کو دیکھنے گیا ہے یہ سن کر حضرت گیٹ ہی پر میرے انتظار میں ٹھہر گئے میں اسی خیال سے کہ حضرت انتظار فرمائیں گے فوراً ہی ناکام واپس آگیا۔ اس وقت تو حضرت نے مجھ سے کچھ نہیں فرمایا جب تانگہ میں بیٹھ گئے اور تانگہ چل دیا تب کچھ آگے چل کر مجھ سے دریافت فرمایا کہ اسباب مل گیا میں نے دبی آواز میں عرض کیا کہ نہیں ملا۔ ساتھ ہی یہ محسوس کرکے کہ اس کا اثر زیادہ قبول کریں گے میں نے خود ہی بات کو ہلکا کرنے کے لئے یہ احتمال پیش کیا کہ شاید وہ دیوبند کے اسٹیشن پر ہی رہ گیا ہے ریل میں رکھنا ہی بھول گیا میاں اسعد صاحب اپنے ساتھ ہی واپس لے گئے ہوں گے یہ سب کچھ اس لئے کہا کہ طویل سفر ہے حضرت کے ذہن سے یہ بات نکل جائے اور یہی اصل مقصد بھی تھا اگر اس کا تذکرہ کچھ ہوگا تو دیوبند پہنچ کر ہوگا۔ سفر میں بار بار کے افسوس یا اظہار غضب سے بچا رہوں گا میرے

اس جواب کے بعد چند منٹ سکوت اختیار فرمایا۔ اور پھر عجیب شفقت آمیز عتاب کے انداز سے فرمایا کہ اس قدر مغفل ہو،،

عرض نہیں کر سکتا کہ اس عتاب سے خوف و لذت کی ملی جلی کیا کیفیت مجھ پر گذری ایک طرف تو لرزہ براندام ہوگیا۔ دوسری طرف دل پر ایک عجیب وجد سا طاری ہوگیا ایسے کہاں نصیب کہ جس مقدس ہستی کی زبان سے ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم کو بھی "حضور،، اور حضرت،، جیسے الفاظ سے نوازا جاتا ہو اور لوگ متمنی رہتے ہوں کہ کبھی "تو،، سننے کا شرف حاصل ہو جائے اس کی مبارک زبان سے بصورت عتاب "مغفل،، کا تمغہ عنایت ہو جائے۔ اس وقت دل نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ لفظ میرے لئے انشاء اللہ سعادت کا سرٹیفکیٹ ہے (آہ آج بھی وہ وقت یاد کرتا ہوں تو وجد و سرور میں مستغرق ہو جاتا ہوں۔ ع ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں) تقریباً دس روز کا سفر بعافیت ختم ہوا۔

سہارن پور ایک مقدمہ میں شہادت دینے کے لئے تشریف لائے (دارالعلوم میں ایک آسامی طالب علم نصیرالدین کا قتل واقع ہو گیا تھا قاتلین میں ایک بے گناہ پشاوری طالب علم عبدالباری کا نام بھی لے دیا گیا تھا اس کی صفائی کے سلسلہ میں حضرت کا عدالت میں بیان ہونا طے پایا تھا) جوں ہی سہارن پور کچہری پہنچے وہاں بہت سے طلبہ اور خدام دیوبند اور سہارن پور کے حضرات کے استقبال اور بیان سننے کی غرض سے جمع تھے مولانا اسعد میاں صاحب بھی تشریف فرما تھے۔

اب ذرا آپ اندازہ فرمائیے کہ ایک طویل سفر ختم کر کے آنا ہوا ہے اور پھر فوراً ہی عدالت میں بیان دینا ہے مگر اس تاثر اور تیقظ کا کیا ٹھکانا ہے کہ اول ملاقات میں سب سے پہلی جو بات اسعد میاں صاحب سے ہوئی وہ یہ تھی کہ مولوی محمد میاں کا سامان دیوبند اسٹیشن پر "تجھ کو،، یا "تم کو،، ملا۔ اسعد میاں صاحب حیران کہ کیسا سامان کیا واقعہ ہے؟ میں نے چپکے سے بڑھ کر کہا کہ میرا تھیلا ریل میں رہ گیا تھا میں نے بہانہ کر دیا تھا کہ اسٹیشن پر ہی رہ گیا تھا اور اسعد میاں صاحب اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے تب مولانا اسعد میاں صاحب نے جواب دیا کہ وہاں کوئی سامان نہیں رہا۔ اور نہ مجھے کچھ معلوم۔ مولانا اسعد میاں صاحب سے حضرت کا دریافت کرنا تھا کہ دھک سے دل پر ایک چوٹ لگی اور دل میں کہنے لگا اللہ خیر کرے میرا تھیلا کب پیچھا چھوڑے گا۔ خیر عدالت سے فارغ ہو کر عازم دیوبند ہوتے میں سمجھ رہا تھا بس اب یہ خیال دل سے نکل گیا ہو گا اور کوئی نئی بات اس سلسلہ میں پیش نہیں آئے گی۔ مگر اگلے ہی روز صبح کے وقت کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کے ایک عزیز اور خادم مولوی سید نصیر احمد سلمہ زنانخانہ سے ایک عبا لئے چلے آرہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ تیری چادر وغیرہ گم ہو گئی ہے پہلے اس کو اوڑھ لے، ساتھ ہی خادم موصوف نے یہ بھی بتایا کہ یہ وہ عبا ہے کہ جس کو حضرت نینی جیل میں استعمال فرماتے رہے ہیں اور سلطان سعود نے خلعت میں عطا فرمایا تھا۔ خالص اون کا بڑا دبیز سفید اور کتھئی چوڑی چوڑی دھاریاں پڑی ہوئیں۔ ہمارے حساب سے کچھ نہیں تو ڈھائی سو دو سو سے کسی طرح کم قیمت نہیں اس وقت میری پریشانی اور حیرانی کا اندازہ آپ شائد نہ لگا سکیں گے سوچتا تھا کہ واپس کروں تو جرات کہاں سے لاؤں گوارا کروں تو دل کہاں سے لاؤں۔ بہت ادب سے ایک مرتبہ عذر پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ میرے پاس چادر کمبل سب موجود ہیں حضرت کی توجہ ہی میرے لئے کیا کم دولت ہے یہ حضرت کی ضرورت کی چیز ہے اس کو حضرت ہی استعمال فرمائیں جواب صرف ایک ہی تھا کہ "نہیں تم ہی رکھو،، میں نے سر پر رکھ کر کہا کہ میرے ہزار جوڑے قربان اس مبارک خلعت پر اور زندگی کا ظاہری سامان قربان اس شفقت عنایت پر ——— یہ واقعہ میرے لئے عجیب و غریب واقعہ تھا اس سے جو تاثر مجھ کو ہوا اس کے اظہار کے لئے یہ عرض بھی کیا۔ ورنہ اس مقدس ہستی کی کتاب زندگی کا ہر ورق اس سے ہزار ہا ہزار درجے زیادہ واقعات پر مشتمل ہے۔

غیر معمولی ضبط و اخفاء جلوت و خلوت کے معمولات

میں نے حضرت کی زندگی میں جلوت و خلوت کی دو متضاد چیزوں کو جس خصوصیت کے ساتھ دیکھا میرے دل پر ان سے زیادہ کسی چیز کا اثر شاید نہیں ہوگا۔ جلوت کی زندگی کے متعلق تو ہر وہ شخص جس کو حاضری یا مصاحبت اور معیت کا شرف حاصل ہوا ہو گا میری تائید کرے گا کہ اس مادی دنیا کا کوئی حادثہ، بڑے سے بڑا المناک کوئی واقعہ جس سے انسان طبعی اور عقلی طور پر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حضرت کی آنکھ سے ایک آنسو حلقۂ چشم سے باہر نہیں گرا سکا۔ کیسے ہی قریبی عزیز کے انتقال کا سانحہ ہو جائے چہرہ غمازی کر دے تو کر دے مگر آنکھوں سے آنسو نکل کر اظہار کر دیں ناممکن ہے۔ ضبط گریہ کا وہ منظر جو ختم بخاری کے موقعہ پر سب ہی دیکھتے تھے کہ ایک طرف تو تمام سامعین طلبہ و حاضرین سراپا گریہ و بکا بنے ہوئے ہیں اور بعض تو تڑپتے ہوئے نظر آتے ہیں کیسا ہی پتھر کا سا دل رکھنے والا انسان ہو اس کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو جاتے۔ مگر حضرت کی آنکھ سے ایک آنسو تک نہیں گرتا تھا پندرہ منٹ تو یقیناً دعا میں خاموشی سے رہتے۔ سارے مجمع کو رلاتے تھے بلکہ تڑپاتے تھے اور اپنے آپ کو نہایت خاموشی سے مصروف ناز و نیاز رہتے، ایک مرتبہ درس میں کتاب الحج شروع فرماتے ہوئے فلسفۂ حج بیان فرما رہے تھے پہلے تو اجمالاً یہ فرمایا کہ عبادات میں سے نماز اور زکوٰۃ مظہر ہیں عظمت خداوندی کی۔ اور روزہ و حج مظہر ہیں محبت خداوندی کی۔ پھر اس کے بعد حج کے مظہر عشق و محبت ہونے کی تفصیل فرمائی۔ ایک طرف تو ترتیب بیان نہایت اعلیٰ دوسری طرف عشق و مستی میں ڈوبے ہوئے مضامین سامعین پر وجد و کیفیت کا عالم طاری تھا محبوب کے گھر کا چکر اور ڈیوڑھی کے بوسہ (طواف استلام) کا تذکرہ کرتے ہوتے ایک دم آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے میں نے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ کہ آج آنسو بہتا ہوا مجمع کے سامنے دیکھوں گا مگر میری نظریں ناکام واپس ہو گئیں اور آنسو اندر ہی اندر لوٹ گئے (اگر آپ کو اس مسئلہ کا پورا لطف لینا ہو تو مکتوبات میں غالباً مولانا دریا بادی کے نام خطوط میں ان کو پڑھ لیجئے اس تقریر کا دھندلا سا خاکہ اس میں مل سکتا ہے۔

تفکرات کا کتنا ہی ہجوم ہو عنوان کی کتنی ہی یورش ہو مگر تبسم زیر لب غالباً ریاض نے اسی ہستی کے بارے میں کہا تھا ؎

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ ارشاد نبوی من جعل الھموم ھما واحداً الخ کا کامل مصداق بلکہ اس کے مفہوم ومعنی کی عملی صورت تھی جس کو دنیا "شیخ الاسلام" کے نام سے پکارتی تھی اعلی اللہ درجتہ وقرب منزلتہ۔

خلوت کی زندگی (خلوت سے میری مراد تعلق مع اللہ اور عبادات کی حالت ہے) آپ نے کبھی کوئی نماز خصوصیت سے فجر کی نماز حضرت کے پاس ادا کی ہو گی تو سجدہ میں رونے کی کیفیت ہوتی تھی اس کا آپ اندازہ لگا سکتے ہوں گے تہجد کی نماز کا کیا منظر ہوتا قلم کی زبان اس کے اظہار سے عاجز ہے۔

معمولات تہجد

تہجد کی نماز سفر میں عموماً چار رکعت ادا فرماتے۔ پہلی دو رکعتیں مختصر، اکثر پہلی رکعت میں سورہ بقرہ کے آخری رکوع، دوسری رکعت میں آل عمران کا آخری رکوع انّ فی خلق السمٰوٰت والارض۔ پڑھا کرتے۔ بعد کی دو رکعتیں بہت طویل تقریباً ڈیڑھ دو پارہ قرآت فرمایا کرتے تھے۔ تہجد کی قرآت قدرے جہر سے ادا فرماتے پاس بیٹھا ہوا آدمی غور سے سنے تو پوری قرآت سن سکے، قرآت کرتے وقت اس قدر خشوع اتنا گریہ، سینہ مبارک سے ایسے کھولتے ہوئے گرم سانس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت احادیث میں ذکر کی گئی ہے کان یصلی ولجوفہ ازیز کازیز المرجل من البکاء۔ وہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر پہلے دعا مانگتے پھر مصلے پر استغفار کرنے کے لئے بیٹھ جاتے۔ تسبیح ہاتھ میں ہوتی جیب میں سے رومال نکال کر آگے رکھ لیتے گلدان قریب رکھ لیا کرتے۔ اس وقت رونے کا جو منظر بار بار دیکھنے میں آیا ہے وہ کسی اور وقت نہیں آیا آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں مسلسل جاری رومال سے صاف کرتے جاتے اور استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ جھوم جھوم کر پڑھتے جاتے کبھی کبھی اور بھی کلمات پڑھتے بعض اوقات اسی کرب وبے چینی کے عالم میں فارسی یا اردو کا کوئی شعر بھی پڑھا کرتے، فجر کی نماز تک یہی معمول رہتا قرآن کریم نے صحابہ کی شان وبالاسحار ھم یستغفرون المستغفرین بالاسحار بیان فرمائی ہے۔ قرآن کریم میں ہم نے جو پڑھا تھا اسے بعینہٖ حضرت شیخ کے اندر جلوہ گر پایا۔

خصوصیات

حضرت شیخ قدس سرہ کی پوری زندگی اور زندگی کے ہر پہلو میں اتباع سنت کا عام طور پر جو رنگ تھا اس کو میرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ایک طرف تو آپ احادیث مقدسہ کو کتابوں میں دیکھتے جائیں اور دوسری طرف شیخ کے جملہ معمولات کو ملاحظہ فرماتے جائیں دونوں کو مطابق ہی پائیں گے۔

مگر پھر بھی خصوصیت سے چند باتیں شیخ کی زندگی میں خصوصیت ہی کا درجہ رکھتی ہیں اور۔

جن کو عام طور پر بڑے بڑے اہل تقویٰ نظر انداز فرما دیا کرتے ہیں عرض کرتا ہوں نمازوں کے اندر قرارت مسنونہ کا مسئلہ فقہ میں خاصی اہمیت رکھتا ہے حضور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی قرأت اور اس کی مقدار اور تعین سورۃ وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر حضرات صحابہ نے باقاعدہ تجدید فرما دی ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مشہور ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔ فجر میں طوال مفصل، عشاء میں اوساط مغرب میں قصار، بارہا ایسا ہوا ہے کہ عشاء میں کسی جگہ امام نے اوساط کو ترک کر کے قصار میں سے یا کہیں اور سے قرآت کی۔ نماز ختم ہوتے ہی فوراً تنبیہ فرماتے۔ اگر کہیں خلاف سنت قرأت ہوتی اس سے منقبض ہوا کرتے، کبھی کبھی اس ترک سنت پر اظہار ناراضگی بھی فرمایا کرتے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہے کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ الم سجدہ اور دوسری رکعت میں سورہ دہر تلاوت فرمایا کرتے تھے اسی طرح جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ اور دوسری میں سورہ غاشیہ کا معمول تھا، احقر راقم الحروف کو زمانہ طالب علمی کے آٹھ سال اور رفاقت سفر کے ڈھائی سال۔ دس سال سے زائد کی مدت میں ایک مرتبہ بھی یاد نہیں پڑتا کہ بغیر کسی عذر قوی کے جمعہ کی فجر میں سورہ سجدہ تلاوت نہ فرمائی ہو۔ اسی طرح جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ اور دوسری میں غاشیہ ترک فرمائی ہو سفر میں بھی اگر ممکن ہوتا تو اسی پر عمل فرمایا کرتے تھے۔

حضرت کا آخری سفر جو مدارس سے دیوبند کے لئے ہوا تھا اس میں ایک شب دفتر جمعیۃ علماء (دہلی) میں قیام فرمایا، صبح پونے چھ بجے گاڑی دیوبند کو روانہ ہونی تھی جس سے حضرت کو دیوبند جانا تھا۔ راقم الحروف بھی صبح سویرے دفتر میں پہنچ گیا۔ تاکہ نماز میں معیت اور پھر اسٹیشن تک رخصت کی سعادت حاصل کرے۔ نماز اول وقت میں ادا کی گئی، اتفاق سے جمعہ ہی کا دن تھا آخری ایام میں ضعف وغیرہ کا عذر فرما کر امامت سے اجتناب فرمانے لگے تھے نماز پڑھانے کے لئے حاضرین کی طرف دیکھا میں بھی آڑ میں کھڑا ہوا تھا میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "چلو اور اشارہ مصلے کی طرف فرمایا۔ تعمیلاً، حکم میں مصلے پر پہنچ تو گیا مگر سوچنے لگا کہ آج جمعہ ہے حضرت سورہ الم سجدہ کی تلاوت پر اصرار فرماتے ہیں لاؤ یہ ہی صورت پڑھ دوں۔ مگر فوراً یہ اعذار ذہن میں گردش کرنے لگے کہ ایک تو سفر میں دوسرے وقت کی تنگی گاڑی چھوٹنے میں صرف آدھ گھنٹہ باقی ہے پھر نماز کے بعد چائے بھی نوش فرمانی ہے تیسرے یہ کہ مدراس میں طبع مبارک ناساز ہو گئی تھی۔ علالت سب سے بڑا عذر ہے ان تمام باتوں کو سوچتے ہوئے میں نے پہلی رکعت میں سورہ عبس اور دوسری رکعت میں سورہ تکویر قرامت کی اور دل میں خوش تھا کہ طوال میں سے قصار پڑھ دی ہے شاید باعث ناراضگی طبع نہیں ہو گا۔ ابھی اطمینان سے سلام پھیر کر نمٹا بھی نہیں تھا کہ فوراً ذرا تیز آواز میں ارشاد فرمایا کہ آج جمعہ نہیں تھا ڈر تو پہلے ہی لگ رہا تھا یہ سنتے ہی ایک دم پسینہ آ گیا میں نے ایک طرف کو ہو کر مولانا اسعد میاں صاحب سے عرض کیا کہ ضعف اور تنگیٔ وقت کی وجہ سے میں نے یہ سورتیں پڑھ دی تھیں تب ممدوح نے فرمایا کہ ایسے موقع پر پسند ہے کہ اسی سورت کو دونوں رکعتوں میں پڑھا دیا جائے۔

نمبر۲ دوسری بات جس سے خصوصی شغف تھا وہ اصلاح ذات البین ہے۔ اگر دو

بھائیوں میں جھگڑا ہو جائے اور حضرت کو توقع ہو یا فریقین حضرت کو حاکم بنا دیں تو ان میں مصالحت اور تعلقات کو خوشگوار بنانے میں اس قدر دلچسپی لیتے تھے کہ اپنا کرایہ خرچ کرکے وقت کو قربان کرکے معمولات کو ترک فرماتے اور سفر اختیار فرماتے اور امکانی سعی فرماتے کہ آپس میں محبت پیدا ہو جائے۔ جن لوگوں کے سامنے احادیث و آثار کے وہ ذخیرے ہیں کہ جو خالص اصلاح ذات البین کی اہمیت سے تعلق رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس معاملہ میں وہی روح تھی جو کار فرما نظر آتی تھی۔ میرے سامنے کے متعدد واقعات اسی قسم کے ہیں جنہیں بخوف تطویل ذکر کرنے سے پہلو تہی کر رہا ہوں۔

نمبر۳ تیسری چیز نکاح میں مہر فاطمی کا مقرر کیا جانا اس پر عملی طور پر اس قدر التزام و اصرار کہ مہر فاطمی سے زائد نکاح پڑھانا تو درکنار شریک ہونے کو پسند نہیں فرماتے تھے جہاں کسی نے زائد مہر کا تذکرہ کیا فوراً ناراضگی کے انداز میں فرماتے کیا ہماری بہو بیٹیاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں سے زیادہ عزت و شرافت رکھتی ہیں بلا شبہ ہندوستان میں ہزارہا نکاح ایسے ہیں کہ جو اس سنت نبویہ کے فدائی و شیدائی کی وجہ سے مہر فاطمی پر منعقد ہوئے ہیں یہ بھی عادت مبارکہ تھی کہ نکاح پڑھانے کے بعد دو تین مٹھی چھوارے دائیں اور بائیں جانب بکھیر فرماتے اگر آپ غور فرمائیں تو اس کے اندر بھی محبت یا النبی جلوہ فرما نظر آئے گی۔

ایک خاص نعمت جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی وہ تھی تعبیر رؤیا، اس پیکر عصمت کی زندگی نے سیدنا یوسف علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جہاں تقدس و استقامت علی الحق باطل کے مقابلہ میں سینہ تان کر السّجن اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ کا نعرہ بلند کرتے کا نزکہ پایا تھا اس میں تاویل الاحادیث کے تمام شعبے بالخصوص تعبیر رؤیا کا کمال بھی حاصل فرمایا تھا لیکن ہمیشہ اپنی کسر نفسی کی بنا پر اس بارے میں اپنے کو چھپایا تعبیر تفصیلی طور پر کہیں بیان فرما دیتے وہ بھی مخصوص لوگوں کو غالباً صلاحیت و استعداد دیکھ کر ورنہ اکثر یہی جواب مرحمت فرماتے مُبارک ہے،، اللہ تعالےٰ بہتر فرمائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

وصال سے تھوڑی ہی دیر پہلے متعلقین کو جو وصایا فرمائی گئی ہیں ان کو پھر ایک مرتبہ غور سے دیکھئے اور اندازہ لگائیے کہ قرآن کریم نے اس عظیم المرتبہ ہستی پر کات من الذین اٰمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمہ فرما کر کس طرح مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ آج وہ عظیم المرتبہ ہستی معمول کے مطابق جمعرات کے روز دو بجے (جو عام طور پر سفر کی روانگی کا وقت ہوتا تھا) آخری اور دائمی سفر پر لقائے خداوندی کے لئے روانہ ہوگئی۔ اعلی اللّٰہ درجاته فی جنّٰت النعیم۔ اللهم تغمده برحمتك ورضوانك ومغفرتك آمین

شیخ زماں

قمر عثمانی دیوبندی

کاروانِ حق کا میرِ کارواں جاتا رہا
وہ امامِ وقت وہ شیخِ زماں جاتا رہا

زندگی تھی سربسر جس کی سراپائے عمل
وہ اصولِ دینِ حق کا پاسباں جاتا رہا

ذاتِ عالی جس کی تھی سوزِ یقیں سے بہرور
وہ رموزِ معرفت کا راز داں جاتا رہا

ظلمتِ عالم میں جس کی ذات تھی پرتو فگن
کیا کہیں وہ حاملِ سوزِ نہاں جاتا رہا

جس کے ہر انداز میں تھی اک ادائے سرخوشی
میکدے سے آج وہ پیرِ مغاں جاتا رہا

یاد میں جس کی ہیں افسردہ نہالانِ چمن
گلشنِ محمودؒ کا وہ باغباں جاتا رہا

اسوۂ خیر البشرؐ تھا جس کا مقصودِ حیات
علم و عرفاں کا وہ بحرِ بیکراں جاتا رہا

عمر بھر کرتا رہا جو شرحِ اسرارِ حیات
سوز و سازِ عشق کا وہ ترجماں جاتا رہا

نازشِ ملت، متاعِ قوم، میرِ اہلِ حق
ہائے وہ انسانیت کا قدرداں جاتا رہا

مرشدِ کامل، زعیمِ قوم، جانبازِ وطن
وہ فریدِ عصر، وہ خلد آشیاں جاتا رہا

دردِ دل لے کر کہاں جائیں غلامانِ حسینؒ
تاجدارِ کشورِ روحانیاں جاتا رہا

اب جگر کی چوٹ دل کے زخم دکھلائیں کسے
ہائے وہ چارہ گرِ بیچارگاں جاتا رہا

گو یہ ہے قانونِ قدرت جو گیا آتا نہیں
آہ لیکن غمزدوں کو کس طرح آئے یقیں

نالۂ غم

راہی قاسمی سرونجی

وقت کا اپنے "حسینؓ"، عاشقِ نامِ احمدؐ
عصرِ حاضر کا فرشتہ صفت انسان نہ رہا

جس کے انوار تھے رقصاں زعرب تا بہ عجم
چرخِ توحید کا وہ "نیّرِ تاباں" نہ رہا

دل تھا گنجینۂ اسرار و معارف جس کا
آہ! وہ خضرِ رہِ منزلِ عرفاں نہ رہا

چھا گئی حضرتِ قاسمؒ کے گلستاں پہ خزاں
باغباں روٹھ گیا فیضِ بہاراں نہ رہا

جس کے نغموں سے تھی معمور فضائے عالم
آج وہ "بلبلِ فردوس" غزل خواں نہ رہا

جا رہا ہوں میں سوئے وادیٔ ایمن راہی
ہائے! اس وقت کہ جب جلوۂ جاناں نہ رہا

عمر بھر یوں ہی رہے گی خلشِ سوزِ دروں
اب کہ تسکینِ دلِ زار کا امکاں نہ رہا

حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ جیسے جامع کمالات انسانیت شخص (جو میرے مکرم استاذ اور مشفق شیخ سب ہی کچھ تھے) کی پوری زندگی پر قلم اٹھانا میرے بس کی بات نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ میری ہمہ قسم کی بے بضاعتی تو حضرت مرحوم کی زندگی کے کسی ایک ہی پہلو پر کچھ لکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔ لیکن اتنا ضرور سمجھتا ہوں کہ حضرت اقدس کی "حیاتِ طیبہ" کا وہ حصہ جو مالٹا کی واپسی کے بعد سے لے کر ہندوستان کی آزادی سے چند ماہ پہلے ۱۹۴۷ء تک تقریباً ہر سال رمضان شریف میں سلہٹ صوبہ آسام میں گذرا ہے اس کی بعض خصوصیات کو پیش کروں۔

یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھ کو بھی حضرت مرشد قدس سرہٗ کی ہمرکابی میں سلہٹ کے آخیر سفر میں وہاں جانے کا شرف حاصل ہوا اور ۳۰ رمضان المبارک سے لے کر ۸ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء تک خدمت میں حاضر رہنے کا موقع ملا۔ اس طرح بارگاہ حسینی کی جلوت وخلوت کے تمام مناظر سامنے آئے، آنکھوں نے دیکھا اور قلب نے لذت محسوس کی۔

آج اس موقع پر کہ ان مناظر کو دوبارہ دیکھنے کا امکان ختم ہو گیا ہے ان کا کچھ تذکرہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے بقول حافظ رح ؎

کشتی شکستہ گانیم اے باد شرطہ بر خیز
شاید کہ باز بینیم آں یار آشنا را

قیامِ سلہٹ کے اجمالی حالات

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کبھی اپنے متعلقین اور رفقائے کے ساتھ اور کبھی صرف رفقاء اور خدام کے ساتھ اواخر شعبان میں دیوبند سے چل کر رمضان شریف کی بالکل ابتدائی تاریخوں میں سلہٹ پہنچ جاتے تھے سلہٹ میں نئی سڑک پر جناب داروغہ عبدالستار صاحب مرحوم کے گھر آپ کا قیام ہوتا تھا۔

نئی سڑک کی بڑی مسجد قیام گاہ سے تقریباً دو فرلانگ جانب شمال واقع ہے حضرت مرحوم اسی مسجد میں نماز پنجگانہ ادا فرماتے تھے اور بہ نیت اقامت کی وجہ سے اکثر امامت بھی فرماتے تھے زائرین اور معتقدین دور دراز مقامات سے آکر مسجد کے کونہ کونہ میں بھرے رہتے تھے ظہر کی نماز کے بعد حضرت کا یہ معمول ہوتا کہ مصلے کے ارد گرد رکھے ہوئے پانی کی بوتلوں اور شیشیوں پر دم کرتے بعد ازاں لوگوں کی درخواستیں پڑھ کر ان کی حاجتیں دعا و تعویذ وغیرہ سے متعلق پوری کرتے جن لوگوں کی درخواستیں بیعت سے متعلق ہوتیں ان کو علیحدہ بیٹھنے کا حکم ملتا۔ درخواستوں سے فارغ ہو کر حضرت بیعت فرماتے۔ پھر کچھ ارشاد و نصیحت کے بعد قیام گاہ پر تشریف لے جاتے اگر کسی مریض کی خبر پاتے تو اسی درمیان میں اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے۔ قیام گاہ پر جاتے ہی لیٹ جاتے۔ یا فوراً مشغول تلاوت ہو جاتے۔ اور اگر ڈاک کا کام باقی رہ گیا ہے تو اس کو بھی پورا فرماتے، مشغولیت کے اسی دوران میں خصوصی ملاقاتوں کا بھی سلسلہ جاری رہتا اور اتنے میں عصر کی اذان ہو جاتی حضرت مسجد روانہ ہو جاتے۔ نماز عصر کے بعد سے مسجد ہی میں مولانا حافظ محمد جلیل صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرماتے۔ اتنے میں مغرب کا وقت آجاتا۔ وہیں معمولی سا افطار فرما کر مغرب کی نماز پڑھاتے اور سنت پڑھنے کے بعد دو رکعت نفل تقریباً نصف گھنٹہ میں ادا فرماتے بعد ازاں قیام گاہ پر تشریف لا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ پھر تھوڑی دیر تک وہیں مجلس میں تشریف فرما ہوتے، کبھی گفتگو میں حصہ لیتے ورنہ خاموشی سے لوگوں کی باتیں سنتے رہتے۔ پھر اپنے حجرہ میں جا کر ذرا دیر کے لئے لیٹ جاتے۔ ابھی لوگ باتوں ہی میں مشغول ہوتے کہ عشاء کی اذان ہو جاتی حضرت وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر مسجد تشریف لے جاتے، عشاء کی نماز اور تراویح تقریباً دو ڈھائی گھنٹہ میں ختم ہوتی۔ پھر مسجد میں ایک گھنٹہ تک وعظ فرماتے اس کے بعد قیام گاہ پر تشریف لاتے اور معمولی سا ناشتہ تناول فرما کر چائے نوش کرتے اور پھر سیاسی مجلس شروع ہو جاتی۔ جس کا سلسلہ پون گھنٹے تک جاری رہتا۔ اب گھڑی میں رات

کے ۱/۲ ۱ بجے کا وقت ہوجاتا۔ اس کے بعد حضرت اپنے کمرہ میں نصف گھنٹہ یا کبھی پون گھنٹہ آرام فرماتے۔ پھر بہت خاموشی سے اٹھ کر استنجا خانہ تشریف لے جاتے۔ اور وضو سے فارغ ہوکر تہجد کے لئے باہر تشریف لے آتے۔ تہجد کی نماز وہیں قیام گاہ پر جماعت کے ساتھ بغیر کسی مداعی اور بلاوے کے ہر جایا کرتی تھی۔ طلوع صبح صادق سے تقریباً پون گھنٹہ پہلے تہجد سے فراغت ملتی۔ اور لوگ سحری کھانے میں مشغول ہوجاتے۔ سحری کا آخری لقمہ ہوتا یا چائے کا آخری گھونٹ۔ اور ادھر مسجد میں اول وقت پر فجر کی اذان ہوجاتی حضرت سحری کھا کر ذرا سا لیٹ جاتے، پھر استنجا اور وضو سے فراغت کے بعد اکثر قیام گاہ پر سنت پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے نماز فجر ختم ہوتی اور رخصت ہونے والے حضرات اجازت سفر کے لئے حضرت سے ملاقات کرتے اور شب میں نئے آنے والے مہمان زیارت اور مصافحہ سے مشرف ہوتے اس کے بعد حضرت قیام گاہ پر تشریف لے آتے اور حجرہ اقدس میں داخل ہوکر پہلے آنکھوں میں سرمہ لگاتے اور مخصوص خدام سے مختصر باتیں کرتے۔ اور تقریباً دو گھنٹے کے لئے سو جاتے پھر اپنے وقت پر از خود بیدار ہوتے اور وضو وغیرہ سے فارغ ہوکر مشغول تلاوت ہوجاتے اس درمیان میں لوگ رشد وہدایت اور نجی ملاقاتوں کے لئے آتے رہتے۔ ڈاک کا بھی کام ہوتا رہتا۔ اسی حالت میں ظہر کی اذان ہوجاتی اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نماز کی تیاری میں مشغول ہوجاتے۔

قیام سلہٹ کے اس اجمالی پروگرام کی تفصیلات پیش کرنے کے لئے جس میں ۲۴ گھنٹہ میں حضرت کو ۵، ۷ دفعہ ملاکر مشکل سے ۳ گھنٹہ آرام کو میسر آتے تھے۔ بڑا دفتر چاہیے اور اس سلسلہ کے حالات اور واقعات کو جاننے کے بعد اندازہ ہوگا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سنت کی پیروی کا کتنا خیال تھا اور زندگی کا کوئی لمحہ بھی ذکر اللہ سے خالی نہیں گزرتا تھا حتیٰ کہ نیند کی حالت میں بھی مختلف دعائیں حضرت پڑھتے رہتے تھے الحمد اللہ کہ دوسروں کی طرح اس فقیر کے کان بھی اُن دعائیہ الفاظ سے لذت آشنا ہیں۔

نماز ظہر کے بعد کی درخواستیں اور حضرت کا مشفقانہ طرز عمل

حضرت شیخ رح چونکہ بنگلہ زبان سے اچھی طرح واقف نہیں تھے اس لئے درخواستیں لوگ اردو زبان میں پیش کرتے تھے، باشندگان آسام کی بالخصوص دیہات سے آئے ہوئے لوگوں کی اردو جیسی کچھ ہے اس کا اندازہ لگائیے اس لئے بعض دفعہ درخواستوں کا مفہوم سمجھنے میں دقت ہوتی تو پھر گردوپیش کے ترجمانوں سے کام لیا جاتا۔

اللہ اللہ اس مشفق شیخ کی کرم فرمائیاں کتنی بلند وبالا کس کس انداز کی تھیں کہ جب کوئی عرض گذار اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو زبان میں عرض مدعا کرتا تو حضرت والا نفسیات کے ماہر کی حیثیت سے بالکل اسی کے انداز میں جواب دیتے تاکہ وہ محسوس نہ کرے کہ میں اردو زبان کے ایک ماہر اور اہل زبان کے حضور غلط سلط بول رہا ہوں۔

درخواستیں ہر طبیعت اور ہر مذاق کی ہوتیں، جیسے ہم لوگ تو بعض درخواستوں کو ناقابل التفات سمجھ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے۔ مگر یہ تو حضرت کا عالی ظرف اور قلب کی وسعت تھی کہ سب کی سنتے اور سب کی دلجوئی فرماتے۔ دوست ودشمن کی اس میں تمیز نہ ہوتی۔ ہاں جن درخواستوں کا مضمون خلاف شریعت ہوتا۔ تو حضرت مرحوم درخواست دہندہ کو پاس بلا کر اس کی اصلاح فرماتے اور محبت بھرے لہجہ میں نصیحت فرماتے۔ ایسا بھی ہوا جب کسی نے کوئی بات بالکل ہی خلاف شرع پوچھی تو پیشانی پر شکن آگئی، چہرۂ نور سرخ ہوگیا پھر گفتگو تو درکنار صحیح مخاطب اور مواجہت کی بھی ہمت نہ پڑی۔

دو درخواستیں

ایک روز بنگال سے آتے ہوتے ایک صاحب نے درخواست پیش کی۔ درخواست پڑھنا تھا کہ حضرت کا نورانی چہرہ تلملا اٹھا، آنکھیں سرخ ہوگئیں حضرت کی یہ حالت دیکھ کر مجمع سہم گیا۔ سب کی زبانیں گنگ اور آنکھیں نیچی ہوگئیں۔ حضرت نے فرمایا۔

"میں خدا نہیں ہوں مغیبات کا علم اور اس کے حصول کا طریقہ باری عزاسمہٗ جانتا ہے۔ کسی بندۂ محتاج سے ایسا سوال کرنا عاقبت کی بربادی کا باعث ہے اور بھائی اگر میں تسخیر قلوب کا عالم اور حامل ہوتا تو آج ہندوستان میں نہ کوئی لیگی ہوتا۔ اور نہ ہی کوئی ہندوستانی برطانیہ کا خیر خواہ۔ سب کے قلوب کو جمعیۃ علماء "ہند"، اور "کانگریس"، کی طرف پھیر دیتا۔

دوسری درخواست ایک اہل علم کی جانب سے خدمت میں پیش ہوئی تھی جس میں انھوں نے پوچھا تھا کہ کوئی مرید اپنے غیر عالم دین مرشد کی موجودگی میں کسی دوسرے اہل علم شیخ کامل سے مرید ہوسکتا ہے ایسا معلوم ہوا کہ حضرت شیخ رح نفس واقعہ اور اس کی تفصیلات سے واقف ہیں پھر کیا تھا جلال آگیا۔ چہرہ کی رنگت متغیر ہوگئی اللہ اللہ جو چہرہ ہمہ وقت متبسم رہا کرتا تھا۔ اب اس کی طرف نگاہ اٹھانا دشوار ہوگیا۔

حضرت نے فرمایا:۔

"اہل بنگال کی طرح یہ کیا عادت ہے کہ بیک وقت کئی کئی پیر کئے جائیں۔ یہ کس نے کہہ دیا ہے کہ پیر کے لئے عالم ہونا ضروری ہے بھائی؟ بس صاحب نسبت اور متبع شریعت ہونا کافی ہے خدا چاہے گا تو اسی بارگاہ سے فیض پہنچے گا۔ مشائخ کی تاریخ پڑھو۔ کتنے اہل اللہ ایسے ملیں گے جو اگرچہ امی تھے۔ مگر روحانیت کی معراج تک پہنچے ہوئے پاک باطن گزرے ہیں اور ماشاء اللہ لوگوں کو ان سے فائدہ بھی پہنچا ہے۔

افطار کے وقت حضرت کی کیفیت

حدیث میں ہے "للصائم فرحتان فرحۃ عند الافطار وفرحۃ عند لقاء ربہ" روزہ دار کے لئے دو وقت بڑی خوشی کا ہوتا ہے ایک افطار کے وقت، دوسرے روزہ کے صلہ میں اپنے پروردگار سے ملاقات کا وقت۔ اس لئے سلہٹ کی مسجد میں بھی افطار کے وقت تمام لوگ شاداں وفرحاں نظر آتے۔ تمام مسجد افطاری اور اس کے وقت کے چرچے سے گونجتی رہتی۔ عام روزہ داروں کی طرح یہاں بھی افطار کے وقت مغرب کی اذان کا بڑی بے چینی سے انتظار کیا جاتا۔ اور کان مؤذن کی آواز پر اور آنکھیں

دسترخوان کی طرف جھکی رہتیں۔ لیکن اس وقت خاص میں حضرت رحپر جب بھی نگاہ پڑی تو دیکھا کہ آنکھیں بند اور ساکت وصامت مراقب ہیں۔ محویت کا عالم اور استغراق کی سی کیفیت طاری ہے حضرتؒ کا دسترخوان اگرچہ اذان گاہ سے بہت قریب ہوتا مگر پھر بھی اذان کی آواز سے حضرت کو مطلع کرنا پڑتا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ حضرت مولانا کے کان کسی اور کی بات سننے میں مشغول اور آنکھیں کسی پوشیدہ ذات کی تجلیات دیکھنے میں مصروف ہیں۔

حضرت رح کے دسترخوان پر

سور المومن شفا کا نظارہ

یہ تو مسلم کلچر کا ایک بنیادی مسئلہ ہے سور المومن شفاء مومن کا جھوٹا شفا ہوتا ہے مگر اس کی عملی شکل جیسی سلہٹ میں حضرت کے دسترخوان پر دیکھنے میں آئی۔ اس کی نظیر کہیں مشکل ہی سے ملے گی۔ حضرت کے دہن اقدس سے مس کی ہوئی گوشت کی بوٹی ہو یا روٹی کا ٹکڑا۔ پانی کا گلاس ہو یا اور کوئی چیز اس کے تبرک اور موجب شفا ہونے میں تو خیر کوئی شبہ ہی نہیں۔ وہاں حالت یہ تھی کہ ہر ایک دوسرے کا جھوٹا بڑے ذوق اور رغبت سے کھاتا پیتا۔ نہ کوئی تامل ہوتا۔ اور نہ کوئی جھجک۔ اور نہ مغربیت زدہ ذہنیت کے مطابق اس کو کوئی نظافت اور پاکیزگی کے خلاف سمجھتا۔

اس ذیل میں حضرت شیخؒ کی کسر نفسی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بارہا دیکھا گیا کہ دسترخوان پر گری ہوئی ان تمام چیزوں کو کھانا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے جس کو لوگوں نے اس خیال سے دسترخوان پر ڈال دیا ہو کہ یہ کھانے کے قابل نہیں ہے اگر کوئی شخص دسترخوان پر اپنی رکابی بطریق سنت صاف نہیں کرتا تو حضرت بے تکلف اس کو اپنی پاکیزہ انگلیوں اور مبارک زبان سے صاف کر دیتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ پھر شخص مذکور سے اس طرح کی غلطی نہ ہوتی۔ دسترخوان پر گرے ہوئے چاول اور روٹیوں کے ٹکڑے بلا تکلف حضرت تناول فرماتے اور ارشاد فرماتے۔
خدا کی نعمتوں کی اس طرح بے قدری نہیں کرنا چاہیے۔

تراویح میں حضرت شیخؒ کی ختم قرآن کی نئی مثال

حضرت کے پیچھے نماز تراویح پڑھنے میں ہم نے یہ عجیب بات دیکھی کہ حضرت مرحوم ہر سورہ کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم بھی جہراً پڑھتے ہیں مسلسل چند روز ایسا دیکھنے کے بعد آخر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے بارگاہ میں عرض کر دیا:۔ حضرت والا ایسا کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا:۔

میں تراویح میں حفص کی قراءت پڑھتا ہوں ان کی یہ تحقیق ہے کہ بسم اللہ ہر سورہ کا جزء ہے اس لئے میں اس کی پابندی کرتا ہوں لیکن چونکہ مسئلہ بہرحال مختلف فیہ ہے اس لئے میں فرائض میں ایسا کرنے سے احتیاط کرتا ہوں مگر نوافل میں حفص کی تحقیق پر اس لئے عمل کرتا ہوں کہ ان کے نزدیک بھی پورا قرآن ختم ہو جائے۔ ورنہ خواہ مخواہ ایک ایک آیت ہر سورہ میں تلاوت سے رہ جایا کرے گی۔ اور اس طرح کچھ لوگوں کے نزدیک پورا قرآن شریف بھی ختم نہ ہو سکے گا۔

پھر فرمایا:۔
”مجھے حیرت ہے کہ لوگ علیہ اللہ اور بسم اللہ مجریھا ومرسٰہا میں تو حفص کی قراءت کا لحاظ کر کے عام قاعدہ کے خلاف پڑھتے ہیں پھر بسم اللہ کی جہراً قراءت میں اور وہ بھی نوافل میں کیوں تامل کیا جاتا ہے۔ پس میں تراویح میں پورے قرآن کے ختم کے خیال سے حفص کی تحقیق پر عمل کرتا ہوں۔ اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔

وعظ کی مجلس!

سلہٹ میں جہاں دور دراز مقامات سے اگر لوگ حضرت کے ساتھ نماز پنجگانہ اور تہجد و تراویح کی شرکت سے مالا مال ہوتے وہیں ان کے سامنے حضرت کے ارشادات عالیہ اور روحانی و علمی مجالس سے بھی اپنی اصلاح مقصود ہوتی۔ اس لئے تراویح کے بعد روزانہ مسجد میں وعظ کی مجلس ہوتی اور اس کے لئے بڑا اہتمام کیا جاتا۔ چنانچہ نئی سڑک کی مسجد میں تراویح

تاریخ

از
مولانا حکیم سید نور العین راغب چھپاروی

حسین احمد کہ بودے شیخ الاسلام — چو از دار فنا سوئے جناں رفت
بوقت دعوت وصل الٰہی، — ہمہ بگذاشتہ خندہ کناں رفت
ز گلزار رشیدؒ و شیخ محمودؒ — دریغا، حسرتا، آں باغباں رفت
بفوتش گفت از راغب سروشے — جنید وقت و ہادئ زماں رفت

۱۳۷۷ھ

قطعہ تاریخ

آہ رحلت کرد از دنیا امام المسلمین
یعنی مولانا حسین احمدؒ سراج علم دیں
سال تاریخ وفاتش چوں بجستم عیسوی
از سروش آمد بگوشم سن سحر بس این چنیں
وا، در فردوس رضواں کرد چوں با احترام
حکم باری آمد اورا ادخلوہا خالدین

از
محمد محمود عالم سحر
مکاروی

۱۹۵۷ء

ختم ہوتے ہوتے شہر کے مختلف محلوں کے لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں تراویح پڑھ کر مجلس میں شرکت کے لئے آنے لگتے اس طرح وتر ختم ہوتے ہی تمام مسجد بھر جاتی۔ جو لوگ بیٹھنے میں جلدی نہ کرتے ان کو مشکل سے جگہ ملتی۔ پھر بھی کچھ لوگوں کو سڑک پر کھڑا رہنا پڑتا۔

حضرت کا وعظ

حضرت علیہ الرحمۃ کا وعظ بالکل اصلاحی ہوتا۔ تقریر میں کہیں کہیں سیاسیات اور مسائل حاضرہ کی چاشنی بھی ہوتی پہلے دن سورہ و التین تلاوت فرماکر عالم روحانیات اور مادیات پر مفصل تقریر فرمائی پھر انسان کی روحانی اور مادی زندگی اور جسم کی طرح روح کے بھی مریض اور تندرست ہونے کے متعلق حکمت و فلسفہ سے ڈوبی ہوئی تقریر بہت دل نشین پیرایہ میں فرمائی۔ اسی سلسلہ میں طریقت و تصوف کے بہت سے پر پیچ مسائل حضرت کی صاف اور سادہ زبان اور موثر انداز بیان میں اس طرح سامنے آئے کہ اس سے پہلے کہیں سننے کی نوبت نہیں آتی تھی۔

ماہ رمضان المبارک کی فضیلت، روزہ کی حکمتیں اور اس کا فلسفہ کئی دنوں تک بیان ہوتا رہا۔ و نیز عام اصلاحی امور مثلاً عقائد کی درستگی، شریعت کی پابندی مناہی اور منکرات سے اجتناب۔ اعلاء کلمۃ اللہ۔ ذکر الٰہی میں انہماک اور مداومت۔ توبہ و انابت اور استغفار کی کثرت وغیرہ وعظ میں بیان فرماتے رہے۔

سیاسی مجلس!

وعظ کی مجلس کے بعد کوئی ایک بجے شب کو حضرت اپنی قیام گاہ پر تشریف لاتے اور اس حال میں بیٹھ جاتے جہاں کھانا کھایا جاتا حضرت کے ساتھ اور بھی بہت سے حضرات اس اہم مجلس کی شرکت کے لئے تشریف لاتے پہلے ہلکا سا ناشتہ پیش کیا جاتا جس کو شفیق مرشد قدس سرہ اپنے تمام خدام اور حاضرین کے ساتھ تناول فرماتے پھر اس مجلس کا آغاز ہو جاتا اور وہ اس طرح کہ حاضرین میں سے جس کسی کو سیاسی اور جماعتی مسائل کے بارے میں تبادلہ خیالات کرنا ہوتا تو وہ حضرت سے بلا تکلف سوال کرتا اور حضرت مرحوم اس کا جواب دیتے اس طرح بہت سے اہم سیاسی اور ملکی و جماعتی مسائل حل ہو جاتے جو عام جلسوں کو دھواں دھار تقریروں سے شاید اس طرح نہ حل ہو سکتے ہوں جس طرح یہاں دو چار جملوں میں ان کی گرہیں کھل جاتی تھیں اور سائل کو اطمینان ہو جاتا تھا۔ چنانچہ بعض اہم مسائل کو حضرت چند تفریحی جملوں میں اس طرح بیان فرماتے کہ مسلسل بحث سے بھی وہ اس طور پر ذہن نشین نہ ہوتے۔

ڈیلی گیشن کی سفارشات اور گروپ بندی

چنانچہ ایک روز مولوی مزمل علی صاحب سابق رکن مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند نے ڈیلی گیشن کی سفارشات پر بحث کرتے ہوئے حضرت سے پوچھا؟

یہ گروپ بندی کیا بلا ہے اس وقت تو یہ موضوع بحث بنا ہوا ہے کیا یہ واقعی جاندار چیز ہے؟"

حضرت نے مسکراتے ہوئے انداز میں فرمایا:۔

بھائی یہ ایک ہوائی گھوڑا ہے اس کی پرواز کی اصلیت کے متعلق ان کی عقلیں ضرور پرواز کریں گی۔ جو ہوائی باتوں کے پیچھے اصل حقیقت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔"

قیام سلہٹ میں حضرت شیخ کا قیام اللیل

احادیث میں قیام اللیل اور نماز تہجد کی جو فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے اس کے پیش نظر مولانا مدنی کے قیام سلہٹ میں رات کے پچھلے پہر کا یہ قیام اور شب کی خاموش اور پرسکون فضا میں تھکے ماندے بندگان خدا کی یہ مخصوص عبادت اپنی گوناں گوں خصوصیات و کیفیات اور معنوی لذات و برکات کے اعتبار سے بہت نمایاں اور ممتاز تھی۔ یقیناً خیر و برکت کی ان پُر انوار ساعتوں کا پورا نقشہ کھینچنا بالخصوص حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محویت اور نماز میں خشوع و خضوع کا بیان بس سے باہر ہے اور میرے پاس الفاظ نہیں کہ اس چشم دید نورانی منظر کو تحریر میں لا سکوں کہ کس طرح خدا کا محبوب بندہ خالق الارض والسموٰات کی جناب میں حاضر ہو کر کمال الحاح و زاری کے ساتھ اپنے انتہائی عجز و ضعف اور اپنی پوری عبدیت کا اظہار و اعتراف کر رہا ہے اور بلا حس و حرکت دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اپنے پالن ہار کی حمد و ثناء میں ہمہ تن مصروف ہے اس کے پاؤں کی انگلیوں کے زخم کا یہ عالم کہ ایک قدم پیدل چلنا دشوار جسمانی ضعف اور کمزوری کی یہ حالت کہ عمر کی تقریباً ستر (۷۰) منزلیں طے کر چکا ہے۔ کثرت کار کی یہ کیفیت کہ سونے اور لیٹنے تک کی فرصت نہیں مگر اللہ اللہ ان تمام جسمانی کلفتوں اور اذیتوں کے ہوتے ہوئے اپنے رب کی یاد اور اس سے ہم کلامی کے ذوق میں کھڑا گھنٹوں خدا کی کبریائی کے گن گا رہا ہے۔ اور اس کے پیچھے خدا کے سینکڑوں بندے ہزاروں کی تعداد میں بارگاہ احدیت میں ہاتھ باندھے صف بستہ کھڑے اس کا کلام سن رہے ہیں۔

پچھلے پہر کی وہ خاموش ساعتیں اور شب کی تاریک مگر پرسکون فضائیں ہمیشہ یاد رہیں گی جب کہ ہزاروں مجرموں کی جانب سے خدا کا محبوب بندہ اور حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا لاڈلا حسین احمد مدنی جھوم جھوم کر پوری محویت اور کمال استغراق کے ساتھ اپنے مخصوص مدنی لہجہ اور حجازی لے میں خدا کا کلام پڑھ رہا ہے اور اپنی ابھری ہوئی پیشانی کو نیازمندی سے رب العلمین کی چوکھٹ پر بار بار رگڑ رہا ہے تو کیا وصل و لقاء کے اس وقت خاص کے احوال قلم بند کئے جا سکتے ہیں۔ اور کون ہے جو عشق محبت کے اس نورانی منظر کو تحریر کے ذریعہ دوسروں کو دکھلانے اور سمجھانے میں کامیاب ہو جائے۔

تہجد کی دعا اور حاضرین کی صدائے

الا و بکا

تہجد کی نماز ختم ہونے کے بعد کوئی چار بجے شب میں حضرت مرحوم جب دعا کے لئے

ہاتھ اٹھاتے تو اس وقت حضرت کے چہرے سے عبدیت اور نیازمندی کے جو آثار نمایاں ہوتے تو ان کو لکھنا ممکن نہیں۔ اور نہ ہی دعا کا وہ پر درد لہجہ ہی بیان کیا جا سکتا ہے جس کے نتیجہ میں ساری مسجد صدائے آہ و بکا سے گونج جاتی تھی۔ جب ہزاروں بندگان خدا حضرت مدنیؒ کے ساتھ قاضی الحاجات کی بارگاہ بے نیاز میں دست سوال دراز کرتے تو گناہوں کے تصور اور آخرت کی یاد سے ان کی آنکھیں نم ناک اور قلوب متالم ہوتے۔ اور اس اجتماع عظیم میں ایک آنکھ بھی ایسی نہیں ہوتی جس کی پلکیں اشک ندامت سے تر نہ ہوتیں۔ خدا ان سب کی حاجتیں پوری کرے۔ آمین۔

حضرت کا اعتکاف اور خلق کا ہجوم

عشرۂ آخیر اور اعتکاف کی حالت میں زائرین اور معتقدین کے علاوہ خلق اللہ کا اتنا ہجوم ہوا کہ اس کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے ستائیسویں رمضان کو جب حضرت تراویح کے بعد مصلے کے چاروں طرف رکھے ہوئے پانی، تیل کی بوتلوں وغیرہ پر دعا پڑھ کر دم کرنے لگے تو صرف پھونکنے پھونکنے میں کامل بیس منٹ لگ گئے، اس اژدہام کی وجہ سے حضرت کے مشاغل میں بھی کافی اضافہ ہوگیا۔ بالخصوص مرید ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی پھر مخصوص ارباب باطن جو اپنے احوال و واردات حضرت کو سنا کر ہدایات و تعلیمات حاصل کرتے ان کی تو اتنی کثرت ہوگئی کہ تخلیہ کا مستقل انتظام کرنا پڑا اور حضرت شیخ الاسلام رحہ سے ملاقات کے لئے لوگوں کی باری مقرر کرنا پڑی۔ تاکہ بارگاہ رشد و ہدایت میں ہر صاحب باطن حاضر ہو کر اس قطب وقت کے فیوض و برکات سے مالامال ہو سکے۔

حضرت کے قلب کی وسعت اور

مخالفین کیلئے دعا کی بارش

حضرت کے اس آخری سفر سلہٹ میں وہ منحوس دن بھی پیش آیا جب کہ پورے ملک کی طرح یہاں بھی مسلم جماعت کے حکم پر "ڈائریکٹ ایکشن ڈے" منایا گیا جس میں اپنے ایک "خاص مطالبہ" کے ساتھ قوم پرور مسلمانوں پر وحشیانہ حملہ کرنا بھی شامل تھا چنانچہ سلہٹ میں نئی سڑک کی مسجد میں نماز جمعہ سے فراغت پاتے ہی اس فتنہ کا آغاز ہوا پوری مسجد نمازیوں کے خون سے لت پت ہو گئی۔

خدا کی براہ راست نگرانی نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو محفوظ رکھا ورنہ اسباب و علل کی دنیا میں حضرت کی زندگی کے آثار نہیں تھے۔ میں نے ہنگامہ فرو ہونے کے بعد حضرت سے تنہائی میں عرض کیا۔

آج تو کربلا کی یاد تازہ ہو جاتی۔ مگر خدا نے خیر کی اور حضرت پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہو سکی یقیناً اس قوم نے ظلم کی انتہا کر دی ہے اگر حضرت نے اس پر صبر کیا تو خدا خود اپنی گرفت میں لے کر اس قوم کو تباہ کر دے گا خدا را ان کو اللہ کی گرفت سے بچائیے۔

ارشاد ہوا کیا چاہتے ہو۔؟ میں نے عرض کیا کہ ان ظالموں کے حق میں بددعا فرما کر ان سے بدلے لیں تا کہ براہ راست خدا اپنی گرفت میں نہ لے لے۔ عجیب لہجہ میں فرمایا۔

"بھائی! جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بدلہ نہیں لیا تو میں ان کا غلام ہو کر کیا بدلہ لوں۔ اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں وہ اس قوم کو ہدایت دے۔ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

جود و سخا کا ایک واقعہ

حضرت مرحوم کی طبیعت رمضان کے عشرۂ آخیر میں خراب ہو گئی تھی جس کا سلسلہ عید کے بعد تک رہا۔ عید کے دن غیر مسلم پوسٹ مین جو رمضان میں ڈاک کے سلسلے میں برابر آتا تھا فرصت پا کر حضرت کی مزاج پرسی کو آیا مجھ سے خیریت دریافت کر کے چلا گیا۔ حضرت کو پوسٹ مین کے آنے اور چلے جانے کی خبر ہوئی تو فرمایا آج اس کو انعام دینا ضروری تھا تم نے ناحق واپس کر دیا۔ اس کا مجھ کو بڑا افسوس ہے میں نے اور دوسرے حضرات نے بار بار حضرت کو یقین دلایا کہ وہ محض عیادت کے لئے آیا تھا۔ مگر حضرت کی بے چینی دور نہ ہوئی اور شام تک کئی بار فرمایا کہ عید کے دن بھی اگر انعام نہ دیا جائے تو افسوس ہے۔

خدا پر توکل کا ایک واقعہ

حضرت مرحوم کے ساتھ افطار کرتے وقت اگر کوئی چیز کھانے پینے کی اٹھا کر رکھ دی جاتی کہ مغرب کے بعد اطمینان سے کھائی جائے گی تو حضرت خفا ہوتے اور فرماتے کہ اصحاب مائدہ کی طرح یہ کیا بری عادت ہے کہ ذخیرہ جمع کرتے ہو۔ جس خدا نے مغرب سے قبل یہ نعمت دی ہے وہی خدا کیا مغرب کے بعد نہیں دے سکتا۔ بالآخر جب تک اس چیز کو دوسرے حضرات کو خاص کر بچوں کو کھلا نہ دیتے چین نہیں آتا۔

خاتمۂ سخن

اب تو ان مجالس کی صرف یاد ہی باقی رہ گئی ہے پھر حضرت نے اپنی زندگی میں علم و عمل کے بہت سے روشن کارنامے چھوڑے ہیں۔ خدا کرے کہ ہم لوگ اس عمل اور کامیاب زندگی کی صحیح نقل کریں کہ اسی طرح حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ العزیز کی روح کو مطمئن کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح سے حضرت کے متوسلین ان کی پاک روح سے فیضیاب ہو سکتے ہیں۔

قطعۂ تعزیت

مراد ٹونکی

شیخ الاسلام ان کو کہتا تھا زمانہ واقعی — اب کہاں انسان ایسے بے عدیل و بے مثال

آہ ان کی موت علم دیں کا وہ نقصان ہے — جس کو کہیے آفتاب ملک و ملت کا زوال

کم نہیں ہے یوم عاشورہ سے یہ بھی اے مراد

ہے جو مولانا حسین احمد کا یوم ارتحال

اتباعِ سنّت پر ایک نظر

حکیم سیّد مشتاق احمد

دنیا میں ہر قوم نے اپنے ماضی کے ان واقعات وحوادث کی ہمیشہ تعظیم وتکریم کی ہے جن کے اندر ملک وقوم کے لئے کوئی غیر معمولی تاثیر یا عبرت پائی جاتی تھی۔ اور ہمیشہ ان انسانی بڑائیوں اور عظمتوں کو زندہ رکھنا چاہا ہے جن کے اندر خود اس قوم کی کوئی عظمت اور بڑائی پوشیدہ ہے لیکن کسی کی یاد کا اصلی مقصد کسی واقعہ کو محض یاد رکھنا یا کسی نام کو فراموش نہ ہونے دینا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس سے اصلی غرض یہ ہی ہوتی ہے کہ جو اعمال حسنہ، عزائم دینیہ مواعظ جلیلہ اس بزرگ کی زندگی سے وابستہ ہیں ان پر عمل پیرا ہوں تاکہ آئندہ نسلیں ان اعمال حسنہ کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔

یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ دنیا میں جو تعظیمیں وتقدیسیں کی جاتی ہیں وہ اعمال حسنہ کی وجہ سے ہوتی ہے ورنہ اصل تعظیم میں تقدیس خدائے عزوجل کے لئے یا پھر خدا کی سچائی اور اس کے قرار دئے ہوئے اعمال حسنہ کے لئے ہے یہ ہی وہ مقامات رفیع ہیں جو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ العزیز کو بکمال اتم حاصل تھے اور آج ہم بصد رنج والم ان واقعات کو منصۂ شہود پر لا رہے ہیں جس سے دل لرزتا ہے اور ہاتھ لکھتے ہوئے کانپتے ہیں ہمارے سامنے تو اس وقت صرف ایک سنت کا تذکرہ کرنا مقصود ہے تاکہ اعمال حسنہ کا یہ بھی گوشہ صفحہ قرطاس پر آجائے بے شک حضرت اقدس کا علم عارفانہ اور عمل مجاہدانہ اور اخلاق درویشانہ تھا اور جامع العلوم ہی نہ تھے بلکہ جامع شئون بھی تھے مگر ان تمام صفاتِ قدسیہ کے ساتھ اتباع سنت کا یہ عالم تھا کہ قدم قدم پر احیائے سنت واتباع سنت پر گامزن رہتے تھے۔ چنانچہ ہر جمعرات کو دینی وتبلیغی اسفار فرمانا معمولات زندگی میں تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ ایسے ایسے صعوبات سفر برداشت فرماتے تھے جو ناقابل برداشت ہوتے تھے مگر ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔ غرض جس طرح زندگی میں دینی اسفار سنت کے مطابق ہوتے تھے اسی طرح سفر آخرت بھی جمعرات ہی کے دن ہوا اور اسی طرح واصل بحق ہوئے۔

انا للہ و انّا الیہ راجعون

ہمیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فوائد عظیمہ کو ضائع نہ ہونے دینا چاہیئے اور حضرت کی زندگی کے نقوش کو اس طرح قائم رکھنا چاہیئے جو ہمارے لئے مشعل راہ ہو اور موجب نجات رب غفور حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کو جوار رحمت میں جگہ بخشے، اور ہمیں حضرت کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق رفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

ایک ایسی شخصیت، ایک ایسی ذات ایسی ہستی جس کی حیات کا ہر ہر گوشہ ہر ہر زاویہ بجائے خود جامعیت کاملیت کا مظہر اتم ہو، اور کیوں نہ ہو، جب کہ قدرت نے اپنی صنعت تخلیق میں جس کی موزونیت طبع اور عالم کی سیادت وہدایت کے لئے امام ومقتدا بنانا ہی ازل سے مقدر اور پھر آغاز آفرینش تادم حیات اتباع سنت وشریعت فاتح عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی فکر ونظر کا مرکز ومحور قرار دیا ہو، اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ نظام کائنات کی اصلاح وتحسین کی خاطر مفاسد وجراثیم تخریب کے ازالہ کے لئے اعتصام سنت وکتاب کو وقت کا اہم تقاضہ اور واحد علاج بتایا خود کو مجسمہ عمل بنایا افراد انسانی کو اپنے مختلف اوقات اور بدلتے ہوئے حالات میں علمی اور تعلیمی طور پر درس دیا۔ انقلابات زمانہ وحوادث دہر کا عزم محکم اور جوان ہمتی سے مقابلہ کیا۔ جادہ استقامت سے نہ ہٹے، ایک سخت چٹان کی طرح اپنی جگہ استقلال عزیمت کے سہارے ڈٹے رہے کہ قلب نور توحید سے جلاء لازوال حاصل کر چکا تھا۔ درگاہ رسالت کا باہوش صاحب خرد ہوشیار ودیوانہ رشک صد ہزار فرزانہ تھا۔ جس کی خلوت ہم آغوش جلوت اور جلوت خلوتوں سے ہمکنار، جس کے ظاہر وباطن میں رابطہ اتحاد اور تلازم لاینفک قول وعمل میں اتفاق والصاق، صبر میں صبر ایوبی سے مقتبس، جلال میں جلال موسوی کا محصل جمال میں جمال یوسفی کا پرتو، ایمان میں ایمان ابراہیمی کا مظہر، سخاوت میں حاتم زماں، شجاعت میں تلمیذ علی رضی اللہ عنہ، حکمت وحذاقت میں لقمان دوراں، سیاست میں فاروق وقت عمر، رحمت ورافت، میں رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا خوشہ چین، بھلا ان کلی اوصاف کے ہوتے ہوئے کسی گوشہ اور زاویہ زندگی میں قصور اور کوتاہی کا تصور ممکن ہے؟

ہرگز نہیں، یہ بکھرے ہوئے مختلف و متضاد شعشہائے حیات کبھی انفرادی شکل میں کبھی اجتماعیت کے ساتھ ہر ایک اپنی اپنی طرف کھینچ رہے ہیں، اشارے کر رہے ہیں اور چمک دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ہی نوک قلم کا نشانہ اور زینت صفحات قرطاس بننے کا زیادہ مستحق ہوں اور نقوش افکار میں پورے طور رنگ بھر سکتا ہوں اب ایسے کش مکش میں فکر قاصر کے لئے فیصلہ امتیاز و ترجیح ایک پیچ در پیچ مسئلہ ہی کہا جا سکتا ہے ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

لیکن بموجب ارشاد نبوت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ بمشکل اعتذار اپنے محسن کا شکریہ اپنا اہم فریضہ سمجھتا ہوں یوں تو حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کی زندگی کے ہر ہر پہلو خواہ وہ تصوف ہو یا تدریس، تبلیغ ہو یا سیاست سبھی نمایاں اور اجاگر ہیں بلکہ اظہر من الشمس اور زبان زد ہر خاص و عام ہیں لیکن اس صحبت میں ہم ایک ایسے پہلو پر قلم اٹھانا مناسب اور لائق ترین تصور کرتے ہیں جس کا تعلق عوام و خواص دونوں ہی کی زندگی اور مصالح حیات کے ساتھ نہایت ہی گہرا اور استوار تھا۔ اور اپنے اندر ایک صدی کی مستقل تاریخ چھپائے ہے۔

ہندوستان کی تاریخ سیاست میں ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم میں باشندگان مغرب کا دنیائے انسانیت پر جو نا قابل فراموش جبر و استبداد ظلم و تعدی بعنوان آخر بہیمیت و بربریت کی شکل میں احسان عظیم ہے وہ ایک اہم اور مستقل باب ہے عربوں نے جس طرح ایک طویل مدت تک عہد جاہلیت کے انسانیت سوز مظالم و شدائد اور پرفتن ماحول میں سانس لی ہے۔ اسی طرح انگریزوں کے زیر اقتدار تمام ممالک نے عموماً ہندوستان نے خصوصاً عہد انگریزیت کی ہولناک ستم ظریفیوں اور رو رسیدہ ذہنیوں کا با چشم نم نظارہ کیا ہے غارتگران انسانیت نے یہ تصور کیا تھا کہ یہی صیقل شدہ اور ملمع شدہ تصویریں حواس باختہ نادانوں کو دکھاتے رہیں گے اور یوں ہی ٹکٹکی باندھے مجنونانہ دیکھتے رہیں گے اور شاید یہی سوچا تھا کہ ع چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے، لیکن حق کا شعلہ غضب، کب تک خموش رہتا۔

ملک کی تعمیر جدید اور علماء ہند

عادۃ اللہ ازل سے یہ جاری ہے کہ جب بھی خلاف عدل کوئی ظلم کی جمعیت سر اٹھاتی ہے تو اس کے کچلنے اور نظام عالم کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ ایک مصلح جانباز کو اس کے مقابلہ میں مقرر فرماتا ہے اور یہ عقلاء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جب کوئی شے اپنی انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو اس کا رد عمل شروع ہو جاتا ہے چنانچہ مجاہدین کی ایک جماعت اسی مقصد کی تکمیل اور آبیاری کے لئے سر سے کفن باندھے عالم وجود میں آئی جس جماعت کے سرخیل اور سید الطائفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عظیم المرتبت شخصیت تھی جن کے علوم و افکار کا محور ہی سراسر انسانیت اور خلق اللہ کی خدمت عدل و انصاف کی ترویج اشاعت حقانیت تھا اسی سلسلہ کے بزرگوں میں قاسم النانوتوی کا بھی نام نامی ہے جنہوں نے خدمت خلق اور رفاہ عام کی خاطر زندگی وقف کی تھی "جہاد حریت" کا نعرہ بلند کیا تھا اور بالآخر قربانی دی اور اسی سلسلہ کے دوسرے بزرگ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی گرانقدر شخصیت تھی۔ جنہوں نے اپنی خاموش اور ایک بے آواز بے صدا سے سارے ملک کو للکارا عالم سیاست میں ایک ہیجان اور طوفان برپا کر دیا۔ قلوب انسانی میں وہ عظیم الشان انقلاب رونما کیا کہ ملک کا بچہ بچہ طالب حریت نظر آنے لگا۔ اور ایک محدود مدت میں مجاہدین کی ایک کثیر التعداد صف منظم ہو گئی۔ جن میں سب سے اول اول شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی ذات گرامی تھی۔ حریت وہ پودا تھی جس کی محدث دہلوی رحمۃ نے داغ بیل ڈالی، قاسم النانوتوی نے آبیاری کی شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے تہذیب کی اور حوادث ایام سے بچایا۔ اور بالآخر جانشین و جان نثار شیخ الہند شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد المدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے قربانی دے کر پروان چڑھایا اور یہی وہ ذات تھی جس نے ملک کو انگریزوں کی سالہا سال کی غلامی سے نجات دلانے اور آزادی کامل کے لئے تن من کی بازی لگا دی اور ہندوستان کی آزادی کو انگریزوں کے زیر تسلط دیگر ممالک کی حریت کے لئے تمہید اور توطیہ قرار دیا، چنانچہ راقم الحروف نے خود جشن آزادی کے ایک اجلاس کے موقع پر عوام کو خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام قدس سرہٗ العزیز سے سنا ہے کہ انڈونیشیا ملایا مصر اور دیگر ممالک ہندوستان ہی کی آزادی کے طفیل میں آزاد ہوتے ہیں اور ہندوستان کی قدیم تاریخ پر طویل اور مفصل روشنی ڈالی آخر میں عوام کو اتفاق اور اتحاد باہمی کی طرف دعوت دی صرف یہ دیوبند کا ایک چھوٹے پیمانہ پر جشن آزادی کا اجلاس نہیں بلکہ حضرت ممدوح کی عمر مبارک کے تقریباً ۵۵ یا ۶۰ سال جس رستاخیز ہنگامہ آرائی کے گزرے ہیں وہ ایک عظیم الشان ریکارڈ ہے

حضرت شیخ اور جہاد حریت کی سرگرمیاں

آپ نے ایسے وقت میں قوم کی زمام قیادت سنبھالی جب کہ ہندوستان کی زمین اور اس کا آسمان بدلا ہوا تھا، انگریزی جابرانہ تسلط اور تشدد کی مسموم ہواؤں نے فضاء کو تیرہ و تار بنا رکھا تھا۔ انسانیت نیم جان بلکہ لب جان ہو چکی تھی، یہ بے باک مجاہد آیا اور ملک و قوم کو خلاف فطرت شاطران مغرب کی غلامی سے آزاد کروانے کا بیڑا اٹھایا۔ اور آزادی ہند کو اپنا فرض منصبی سمجھا جو خواب حریت کہ شیخ الہند نے کبھی دیکھا تھا حسین احمد کی سعی پیہم اسے شرمندۂ تعبیر کر کے رہی۔ ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ کر قوموں میں زندگی کی روح پھونکی بیدار کیا۔ احساس حریت کی اہمیت بتلائی چنانچہ شیخ الاسلام کی اکثر وبیشتر مکاتب جو اطمینان روحانی ایثار آفرینی پر مشتمل ہیں خصوصاً ایام اسارت کے خطوط تو ایک مستقل درس حیات اور جذبۂ عمل کا پیغام اور پرخلوص تعلیمات ہیں۔ وہ ایک صداقت کیش، جفاکش وفا شعار مجسمہ اخلاق اور پیکر عمل تھا جس کے جذبۂ عمل میں کبھی ضعف اور لاغری بڑھاپا آیا ہی نہیں۔ وہ جوان تھا اس کی ہمت جوان تھی۔ اس کا

جذبۂ ایثار پر شباب تھا ہر قدم انقلاب آفرین تھا۔ جس نے کراچی جیل سے قوم کے نام وہ پیام بھیجا جو روح پرور بھی تھا۔ اور انقلاب آور بھی ہم اس موقع پر مکتوبات کے کچھ اجزاء افادۂ ناظرین کے مدنظر تحریر کرتے ہیں "ہم کمزور ہیں ہم میں اتفاق نہیں ہم ہتھیار نہیں رکھتے۔ ہم مال نہیں رکھتے ہمارا دشمن قوی ہے اس کے پاس ہر قسم کا سامان۔ ہم کو اس کو سیدھا کرنا اس سے بدلہ لینا ضروری ہے۔ لیکن ہمیشہ مقابلہ سمجھ اور طاقت کے ساتھ کرنا ہوتا ہے یہی طریقہ قرآن حدیث اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ اسی لئے ہم کو جب تک کہ ہمارے مقاصد حاصل نہ ہو جائیں۔ یعنی خلافت کی آزادی جزیرہ العرب کی آزادی، پنجاب کی تلافی، اس وقت ہم کو چین سے نہ بیٹھنا ہے اور نہ بیٹھنے دینا ہے۔ مکتوبات کا آخری جز وقند مکرر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ھوالمسک ماکررتہ یتضوع" ہم روز اپنے مقصد یعنی آزادی ہند اور دیگر مذہبی مقاصد کے قریب ہوتے جا رہے ہیں الحمد للہ ملک اور قوم کا قدم نہایت تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے خداوند کریم مدد کرے گا۔ ہم ضعیف ہیں مگر انشاءاللہ العزیز پلیگ کے کیڑے ہو کر گورنمنٹ کے موجودہ طریقہ اور جماعت کو وبا میں مبتلا کر کے ڈھائی گھڑی کی لگا دیں گے بعون اللہ تعالے۔

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

(از حیات شیخ الاسلام) اگر یہ واقعہ ہے بموجب ارشاد صاحب الشریعۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ اسماء کا نزول آسمان سے ہوتا ہے الاسماء تنتزل من السماء تو شیخ الاسلام کے تاریخی نام "چراغ محمد" کا اثر افعال وحرکات واقدامات میں جلوہ گر ہے اور اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی روح سے معافی کے ساتھ اس شعر میں ادنیٰ تصرف کیا جائے اور یوں کہا جائے۔ ؎

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کر دوں تو چراغ نام نہیں

مجاہد جانباز بجائے خود اپنے قول میں صادق ہے۔

حضرت شیخ اور ہمہ گیر حریت کا تصوّر

حضرت مدنی کی نظر میں صرف ہند کا مسئلہ حریت نہیں تھا صرف جزیرہ العرب کی آزادی کا خیال نہیں تھا صرف پنجاب کی تلافی کا منصوبہ نہیں تھا بلکہ یہ انسانیت کا خادم اور داعی تھا اس کی نظر میں عالم انسانیت تھا اس نے جہاں بانی جہان بانیٔ انسانیت رحمت دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے سیکھی تھی جس میں استحکام ہے بے مثال صداقت ہے بے لاگ حق پسندی ہے تو بیباک، مغربی شعبدہ بازیوں کو یہ سیاست کا معزز لقب نہیں دے سکتے تھے۔ اور ناپسند کرتے تھے ہزار افسوس ہے کہ ان تملق پسند جفا شعار اور قوم وملک کے ان کلنک کے ٹیکوں پر جنہوں نے ذاتی مفاد کے پیش نظر یا ایک جماعت مخصوصہ کے مفادات کی خاطر ایک ملکی وملی مفاد کا خون کرنا، اپنا نظریہ سیاست اور قانون جماعت قرار دیا اور میدان منازعت ومخاصمت گرم کر دیا۔ اور بے جرم مادر وطن کے ہزارہا افراد انسانی کو موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ علماء حقانی اور خدام ملک وقوم کی دل کھول کر پگڑیاں اچھالیں اور العوام کالانعام انجام سے بے بہرہ قوم کو بے زاد راہ بلا تعین منزل ایک گم کردہ راہ راہبر کی حیثیت سے لے چلا۔ لیکن حضرت مدنی نے جہاں حریت ہند کو وقت کی سیاست کا اہم مسئلہ قرار دیکر موضوع حیات بنایا وہیں قرب وجوار کے دیگر ممالک جو انگریزوں کی غلامی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے اس کی آزادی کو مقصد اصلی ثابت کر دیا اور ہندوستان کی حریت کو ان کی حریت کے مفتاح وکلید بتلایا۔ اور افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر کے صبر آزما فریضہ کو حیرت انگیز جرأت کے ساتھ ادا کیا اور یہ اعلان کیا تھا کہ اس ملک کی آزادی میں قرب وجوار کے اسلامی ممالک مثلاً یاغستان، افغانستان ایران وغیرہ بہت سے مصائب اور خطرات سے محفوظ ہو جائیں گے مقامات مقدسہ اور دیار عرب، مصر شام فلسطین سوڈان شمالی ہند وغیرہ جن میں اسلامی آبادی ہے اور ہندوستان کی غلامی کی وجہ سے یہ سب غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے گئے ہیں آزاد ہو سکیں گے (حیات شیخ الاسلام)

مظلوم اقوام اور اتحاد باہمی کی اہمیت

آپ نے حصول آزادی کی خاطر تمام ہندی اقوام میں اتحاد باہمی کی وجہ کو لازمی اور ضروری قرار دیا جو کہ قدیم زمانہ سے ہندو مسلم اور دیگر ہندی قوموں کے مابین چلی آرہی تھی اور ساتھ ہی دشمنان مذہب وملک وقوم کی مخالفت کی ہر ممکن تدابیر خود بھی اپنے اوپر فرض کر لیا اور قوموں کے لئے بھی فرض قرار دیا۔ اور ان کی موافقت وموالات کے اسباب کو بہم کرنا بالکل حرام قرار دیا اور ببانگ دہل اعلان کیا چنانچہ اسی زمانہ میں ایک فتویٰ شائع کیا جس کے خلاف بعض جماعتیں برافروختہ ہوئیں لیکن جبل العزم کی عزیمت وجرأت تھی کہ حدیث رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں تمام اہل باطل کا مقابلہ کیا اور یوں اعلان کیا کہ میں ڈنکے کی چوٹ اعلان کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے برطانوی فوج میں ملازمت حرام ہے (حیات شیخ الاسلام) یہ اعلان قرآن وسنت شریعت کے بالکل مطابق تھا۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن نے ہمیں اولی الامر کی اطاعت اور بادشاہ وقت کی وفاشعاری کی تعلیم دی ہے لیکن ایسی اطاعت کو حرام قرار دیا گیا ہے جس میں خالق کی معصیت اور بغاوت لازم آتی ہو۔ یہ وہ کلی اصول ہے جو حضرت شیخ الاسلام کا اس باب میں مطمح نظر اور بے باک مبنی بر صداقت نظریہ تھا۔

قومیت متحدہ کا تصور اور اسکی حقیقت

یہ اتحاد باہمی کا مسئلہ صاحب الشریعۃ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اس پراعجاز ارشاد کی واضح تفسیر تھی کہ جب فخر دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنوں اور بیگانوں کی سرزمین مکہ کے بسنے والوں سے کبھی سنگباری اور کبھی نیزہ کی شکل میں اور کبھی توہین آمیز فقروں اور سب وشتم کی صورت میں ایذائیں اٹھائیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مصائب وشدائد کا خوشی خوشی استقبال کیا اور ان کے حق میں دعائیں کیں جنہوں نے پتھر برسائے تھے آپ

صلے اللہ علیہ وسلم نے ان پر پھول برسائے اور فرمایا اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون آپ نے تمام عرب کو اپنی قوم بنایا اور اپنے آپ کو ان میں سے ایک فرد شمار کیا لعینہٖ یہی صورت حال ہندوستان میں مسلم و غیر مسلم تعاون باہمی اور اتحاد کا تھا۔ چنانچہ وطن کی حفاظت اور ترقی کے لئے صاحب الشریعۃ نے متحد ہو کر دشمنوں اور مخالفوں سے مقابلہ کرنے اور دفاع کے لئے ہر ممکن قوت کو بروئے کار لانے کی اجازت دی ہے اور جا بجا ارشادات نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں اس کی نظیر موجود ہے اسکی مشکوۃ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی روشنی اور تائید کے بل بوتے پر حضرت مدنی نے ہندوستان میں متحدہ قومیت کا اعلان کیا۔ بلا پس و پیش ہندوستانیوں میں کیا اور مادی طاقتوں کے بل بوتے پر اترانے والی طاقتوں کے مقابلہ میں اسے ایک مجرب نسخہ اور کار آمد حربہ بتلایا اس مقام پر ہم اس شبہ کا ازالہ ضروری سمجھتے ہیں جو اکثر دلوں میں شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کے دور سیاست میں بھی اور آج بھی اکثر اذہان میں کھٹکتا نظر آتا ہے اور اس شبہ کی برکت تھی کہ نظریہ متحدہ قومیت کے خلاف وہ منظم مخالف جماعتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور راہ مقصد میں آڑے آئیں اور سدِ حائل بن کر سامنے آئیں جن کا وجود حصول مقصد اور آزادی کے لئے سم قاتل تھا جسے تاریخ کی زبان میں مسلم لیگ اور شدھی سنگھٹن کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے حضرت مدنی نے دہلی کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں قومیں وطنوں سے بنتی ہیں تمام باشندگان ہند خواہ ہندو ہوں یا مسلمان سکھ ہوں یا پارسی یا عیسائی بیرونی طاقتوں کے مقابلہ میں ایک قوم ہیں متحدہ قومیت کا سوال ایک ایسا سوال تھا جو ہر سنجیدہ شخص کے سامنے آ رہا تھا۔ اور معترضین محسوسات اور مشاہدات و تجربات کی دنیا کی سیر کرتے اور متحدہ قومیت کے خلاف مثالیں ڈھونڈھتے کبھی اقبال کی شاعرانہ بندشوں اور فلسفیانہ موشگافیوں سے استدلال پکڑتے اور بصد مسرت اقبال کا مشہور شعر لوگوں کے لبوں پر گونجتا نظر آتا ؎

قوم مذہب سے ہے جو نہیں تم بھی نہیں
جذبۂ باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

اور کبھی جرمن و فرانس کی وحدت مذہب اور دوسری طرف تفریق قومیت اور دو جداگانہ نیشن کہے جانے میں استعجاب کرتے نظر آتے لیکن یہ متبع سنت اور نبض شناس قوم کب اصول شریعت میں غلط بینوں اور مصنوعی سیاست دان کہلانے والوں سے مرعوب ہو کر ادنیٰ ترمیم کو گوارا کر سکتا تھا آپ نے اسے غلط توہم اور خدشہ قرار دیا اور سنت کے پیش نظر اپنے قول کی تشریح کی اور اطمینان قلوب کا سامان بہم پہنچایا چنانچہ حضرت موصوف رحمۃ نے فرمایا کہ ہماری مراد قومیت متحدہ سے اس جگہ وہی قومیت متحدہ ہے جس کی بنیاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ میں ڈالی تھی۔ یعنی ہندوستان کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں بحیثیت ہندوستانی ایک قوم ہو جائیں اور اس پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتے ہوئے سب کو فنا کر رہی ہے جنگ کر کے اپنے حقوق حاصل کریں اور اس ظالم و بے رحم قوت کو نکال کر غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھوڑ ڈالیں ایک دوسرے سے کسی مذہبی امر میں تعرض نہ کرے۔ بلکہ ہندوستان کی بسنے والی قومیں اپنے مذہبی اعتقادات اخلاق و اعمال میں آزاد ہیں۔ (حیات شیخ الاسلام) اس تشریح اور تفصیل کے بعد یقینی طور پر ازالہ خدشات ہو جاتا ہے حضرت مدنی کو بھی تائید شارع حاصل تھی کہ جس کے سہارے مذہب و سیاست میں ہم آہنگی پیدا کر کے عمل پیرا ہونا لائحہ عمل اور اپنی سعادت اور قوم کی فلاح تصور کرتے رہے میری نظر میں مسئلہ متحدہ قومیت ایک شرعی مسئلہ ہے یہ شریعت کا کھلا اصول ہے کہ معاملات اور زواجر سیاسیہ میں مسلم اور غیر مسلم دونوں مساوی ہیں ورنہ انسانی مصالح حیات کا نظام درہم برہم ہو جائے تخریبی عناصر مادر وطن کے بطن سے پیدا ہو ہو کر پھیل جائیں ظلم و جبر کا بازار گرم ہو جائے۔ اگر ہم تجارت میں، اقتصادیات میں غذا کی بہم رسانی کے معاملات میں غیر مسلم کے لئے مذہب اسلام میں کوئی صورت نہیں ثابت کریں تو یہ دین اسلام کا نقص شمار ہو گا۔ کیونکہ دوسری طرف یہی شریعت نفوس انسانیہ کے قتل و خون کو ظلم عظیم قرار دیتی ہے تو اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو گا۔ کہ ہم کسی پر باب رزق مسدود کر دیں اور فقر و فاقہ پر مجبور کریں خواہ ایسا معاملہ کسی فرد مسلم کے ساتھ ہو یا یہ سلوک کسی غیر مسلم کے ساتھ برتا جائے۔ اور اگر ظالموں اور باغیوں کو ان کے جرائم و معاصی پر کما حقہٗ سزا نہ دی جائے۔ اور نقصان رساں عناصر کو کیفر کردار کو نہ پہنچایا جائے تو عالم میں عدل و انصاف اور حقانیت کا قیام دشوار بلکہ محال ہو جائے اور رنگا رنگ نقائص اور عیوب کا ظہور ہونے لگے۔ دلائل عقلیہ کے علاوہ جب خود حکیم الامۃ طبیب روحانی رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد رہنمائی کرے تو پھر ہمارے لئے متحدہ قومیت کے مسئلہ کو ایک شرعی مسئلہ کہنے میں کوئی عذر باقی نہیں رہتا بلکہ ہم کہنے پر مجبور ہیں جب یہ مسئلہ مؤید بالنقل والعقل ہو کر مسلم ہے تو پھر وقت اور ماحول کے تقاضوں کے پیش نظر متحدہ قومیت کا اعلان شیخ مدنی رحمۃ کا ایک مبارک اور نیک اقدام تھا اور عجیب بات ہے کہ دیگر ماہرین سیاست جب دنیائے سیاست میں قدم رکھتے ہیں تو سیاست کو ایک مستقل موضوع شریعت اور مذہب سے جداگانہ مسلک عمل تصور کرتے ہیں لیکن شیخ الاسلام حضرت مدنی کو فطرۃً مافوق العادت جرات اور فہم رسا عطا کی گئی تھی اس لئے اپنے لئے جس جماعت کو انتخاب کیا اس کے اصول بھی فی نفسہٖ نہایت پاکیزہ اور خلوص پر مبنی تھے۔ چنانچہ مسئلہ متحدہ قومیت کانگریس کا بھی پہلا اور ضروری مقصد بتایا گیا اور کانگریس نے پہلے اجلاس منعقدہ ۱۸۸۵ء میں اپنا پہلا اور ضروری مقصد حسب ذیل الفاظ میں ظاہر کیا تھا۔ ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متصادم عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متحدہ و متفق کر کے ایک قوم بنانا (روشن مستقبل)

قطعۂ تاریخ برِ وصالِ پُرملال حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ

تیرہ و تار شد ہمہ عالم | چشمہائے تمام شد پُر نم
گفت سال وفات او صادق | باغ جنت نصیب شد آدم

۱۹ ۶ ۵۷

از: صادق علی صادق

وطن عزیز کی تعمیر و ترقی کا جذبۂ صادق

حضرت موصوف کی حب الوطنی اور ارتقاء ملکی کا نظریہ بھی ایک ایثار اور جذب خالص تواریخ ماضیہ اور سیاست حاضرہ کے عین مطابق تھا وہ اپنے وطن عزیز کو خوشحال اور معراج ارتقاء پر دیکھنے کے متمنی تھے۔ غیروں کی دست برد، کو ایک ظلم اور ناجائز تصرف سمجھتے تھے اسے اپنا آبائی وطن تصور کرتے تھے اسے بام عروج پر پہنچانا اپنا حصہ اور حق سمجھتے تھے چنانچہ تمام تر مساعی اور جد و جہد اس دعوے پر کافی شہرت ہیں ۳۷ء کا پر فتن ماحول تھا۔ ایک طرف ایک تحریک حریت جاری تھی۔ تو دوسری طرف شدھی اور سنگھٹن کی تحریک مقصد آزادی ہیں ناکام بنانے کے لئے پورے جوش و خروش کے ساتھ سرگرم عمل تھی اور ہموار او خوشگوار ہونے والی فضا کو مکدر بنا رہی تھی ایسے وقت میں سیاست حاضرہ کا تقاضہ تھا کہ امن قائم کیا جائے مرافق فضا اور ماحول پیدا کیا جائے، عوام کو اتحاد و اتفاق کی دعوت دی جائے اور روح انقلاب پھونک کر اس ساعتِ سعید کا شدت سے انتظار کریں کہ عروس آزادی آراستہ پیراستہ زینت آغوش بنے ایسے ناسازگار دور ہیں شیخ الاسلام ہی جیسے جانباز مجاہد کی ضرورت بھی تھی بالآخر وطن عزیز کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا اور مسلم حلقہ ہیں اتحادی اور امن پرور جماعت کانگریس کے ممتاز رہنما اور اس جد و جہد کے مجاہد اعظم شیخ مدنی رح ہی رہے اور مسلم نوجوانوں ہیں عموماً جماعت علماء ہیں خصوصاً درس انقلاب دیتے رہے یہ تھی پیارے وطن کی حریت کی تمہید جس حب الوطنی کی تعلیم درگاہ رسالت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے حاصل کی تھی۔ چنانچہ سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم خود بھی سرزمین مکہ کا احترام کرتے اور امت پر تا ابد اس مقدس سرزمین کا احترام اور اس کی عظمت واجب قرار دیا جب آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کو توحید کی دعوت دی اور خدائے واحد کی طرف بلایا وہ آغاز اسلام کا دور تھا۔ اسلام عرب کی سرکش قوم کے لئے ایک اجنبی دین تھا۔ اصنام پرستی کے علاوہ ہر آواز پر دعوت ایک جرم عظیم بلکہ موت کو دعوت دینا تھا چنانچہ مکہ کا ہر فرد بشر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کا پیاسا نظر آنے لگا۔ اور جان کا گاہک بن گیا اور انواع اقسام کے مصائب و شدائد کے پہاڑ آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر توڑے جانے لگے مکہ کی وسیع و عریض آبادی تنگ کر دی گئی تھی غرض وسعت انسانی ہیں جو امکانی صورت ایذاء رسانی کی ہو سکتی ہے آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائی گئی بالآخر حکم خداوندی اور وحی ربانی کے بموجب مکہ مقدسہ کی مفارقت کا عزم کیا الوداع کے وقت مکہ کی فضا پر بار بار نظر ڈالتے اور حسرت کے ساتھ فرماتے۔ ما اطیبک من بلدٍ واحبک الی لولا ان قومی اخرجونی منک ما سکنت غیرک اور کبھی محبوب وطن مکہ مکرمہ کو ان الفاظ میں یاد فرماتے انک لخیر ارض الی اللہ واحب ارض الی اللہ ولولا انی اخرجت منک ما خرجت کہ اے زمین مکہ میری قوم مجھے تیرے اوپر رہنے نہیں دیتی۔ تیرے فرزند مجھے نکالتے ہیں ورنہ تیری مفارقت مجھے کسی صورت گوارا نہیں یہ وہ تعلیم حب الوطنی تھی جسے شیخ الاسلام نے تاجدار مدینہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھ کر اہل وطن کو سکھایا۔ کیا سنت و سیاست کی یہ ہم آہنگی قابل تحسین و ستائش اور لائق صد رشک نہیں جو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا روشن کارنامہ ہے۔

عظیم الشان قربانیوں کا اصلی محرک

یہ سنت نبویہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسلمہ اصول ہے کہ احراء اور اعزاز مکارہ اور لقب کو برداشت کر کے اولوالعزمی اور جوانہمتی کا ثبوت پیش کرتے ہیں ہے چنانچہ سیاسی خدمات کا سلسلہ اور اس زندگی کے دوران قید و بند مصائب و شدائد مظلومیت و بے لبی کی زندگی حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز کی حیات مبارکہ ہیں ایک بلند مینار اور روشن نشان ہے۔ اور از خود تائید غیبی سُنت یوسفی کی ادائیگی کا حصول سعادت ہے۔

آپ نے تحریک حریت ہیں متعدد مرتبہ سیاسی مجرم ہونے کی حیثیت سے ظالموں اور غدار انسانیت کے ہاتھوں سخت سے سخت قید و بند کی زندگی گزاری جن میں ہر ایک واقعہ بجائے خود ایک مستقل تاریخی حیثیت رکھتا ہے لیکن ان ہیں اسارت مالٹا اور اسارات کراچی حضرت موصوف کی زندگی کے زریں سیاسی کارنامے ہیں۔ چونکہ آپ کی نظر ہیں ہندوستان کی ماضی کی تاریخ اور حال کی تباہ کاریوں اور بربادیوں دونوں ہی کا نقشہ مرتسم تھا اس لئے آپ نے آزادی ہند کو ایک بنیادی اور اساسی مسئلہ قرار دیکر اس کی ضرورت اور اہمیت کو مذہبی دلائل اور شواہد سے ثابت کیا۔ اور اقتصادی اور معاشی نقطہ نظر سے بھی ضروری بتلایا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے عظیم الشان لیڈروں اور رہنماؤں کے قدم جادۂ عزیمت سے اکھڑ گئے اور شاطران مغرب کی شعبدہ بازیوں عیاریوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور ہندوستانی عوام کو شدھی اور سنگھٹن جیسا ترش اور تلخ جام پلایا مگر یہ خمخانۂ قاسمی کا بادہ نوش دیوانہ اپنے دماغ ہیں وہ نشہ رکھتا تھا۔ جسے دنیا کی کوئی ترشی نہ اتار سکی۔ آپ کی باطن بین نگاہیں اگر ایک طرف دولت عثمانیہ کے مسئلہ انحطاط و ارتقاء پر تھیں تو دوسری طرف ہندوستان کی آزادی پر تحریک خلافت نے کم و بیش ۵۰، ۵ سال کی عمر پائی اس دور ہیں بھی آپ کی جد و جہد اور سعی مسلسل ہے وہ نوک قلم پر آنے کی محتاج نہیں آپ نے خدمت قوم کا بلند حوصلہ اس لئے پیدا نہیں کیا تھا کہ جیل کے دروازوں اور پھانسی کے تختوں یا برسر خلق رسوائیوں سے مرعوب ہو کر غداروں کی تسخیری طاقتوں کے سامنے سر نیاز خم کر دیں گے یا سرنگوں ہو کر ان کی حلقۂ غلامی میں اپنا نام لکھوائیں گے بلکہ آپ کے سامنے فخر رسالت کی پیش کردہ صداقت کی وہ آواز تھی جو آگے بڑھا رہی تھی من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان آپ چونکہ ایک غیرت دار ماں کے جگر گوشہ اور جوانہمت باپ کے فرزند تھے اس لئے آپ اضعف الایمانی پر قناعت نہیں کر سکتے تھے نہ اسے اپنا شیوہ سمجھتے تھے۔ لامحالہ دست و زبان کو عمل ہیں لانا پڑا اور عیش و عشرت کی پرسکون اور قابل رشک زندگی پر دار و رسن کو ترجیح دی، یہ خدمت ملک و قوم کے سلسلہ میں آپ کی عالی حوصلگی تھی یہ آپکا جذبۂ ایثار تھا۔ ھما خطتا اما اسار وذلۃ

وہمارا دی و القتل بالحراحدک

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

یہ ساری قربانیاں کیوں تھیں یہ حوصلے کیا تھے۔ یہ ایثار کیا تھا یہ سب صدقہ اور طفیل تھا تعلیمات پیغمبر اسلام آخری نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جن کی فکر کا نقطۂ آغاز اور منتہائے پرواز تخلیق عالم کی رازدانی اور خالق کائنات کی معرفت پر مذکور تھا شیخ الاسلام رحمۃ نے بھی اصول فطرت کو اپنایا تھا، مذہب و سیاست کا صحیح مفہوم مشکوٰۃ نبوت کی روشنی سے حاصل کیا تھا۔

ایک مشہور عام نظریہ کی تقلید

جس طرح پیغمبر انسانیت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم کے لئے ایک عظیم الشان مربّی اور معلّم اخلاق تھے حضرت مدنی رحمۃ نے بھی شان مربیت و معلمیت پیدا کی تھی اور ایک مثال قائم کی تھی کہ پھر کسی کا منہ یہ کہنے کے لئے نہ کھل سکے کہ لا حظ للعلما فی السیاسۃ۔ حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کا یکہ و تنہا وجود مورخ کو اپنے غیر صائب قول سے رجوع کروانے کے لئے سو دلیل کی ایک دلیل ہے آپ کی مبارک زندگی کا یہ نمایاں عنوان اور روشن پہلو جو مختصر سی مہلت میں سپرد قلم کیا گیا۔

حوصلہ شکن حالات کے
مقابلہ میں بلندی حوصلہ

واضح رہے کہ خدمت قوم کا علم ہندوستان کے دیگر بڑے بڑے رہنماؤں نے بھی بلند کیا تھا اور مصائب و شدائد کے نشانہ بنے تھے۔ لیکن شیخ الاسلام مدنی قدس اللہ سرہ العزیز اور دیگر رہنماؤں کی خدمت ملک و قوم میں آسمان و زمین کا فرق ہے اگر کوئی جیل جا رہا تھا تو جے اور "زندہ باد" کے نعرے بھی لگائے جا رہے تھے اور شاباشیاں بھی دی جا رہی تھیں حوصلہ افزائیاں کی جا رہی تھیں مگر کوئی منصف مزاج مورخ زمانہ کی یہ بوالعجبی نظر انداز نہیں کر سکتا کہ جانباز مجاہد کو خدمتِ ملک کے صلہ میں جوتوں کا ہار پہنایا جا رہا تھا اور مظالم و شدائد کا تختہ مشق بنایا جا رہا تھا سنگباریاں تھیں اور گالیوں کے تحفے اور یہ کہا جا رہا تھا کہ یہ ہندوؤں کے ہاتھ بک گیا ہے کانگریس کافروں کی جماعت میں مل گیا ہے ایسے نازک ترین وقت میں استقلال و عزیمت کا دامن نہ چھوڑنا اور اولوالعزمی کا ثبوت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ کی مافوق العادت وہ جرات رندانہ تھی جو ہندوستانی خادموں اور اہل سیاست کی صف میں آپ کو ممتاز رکھتی ہے اور آپ کی خدمت کی قدر و قیمت دیگر رہنماؤں کی خدمتوں کے مقابلہ میں گراں مایہ اور بیش بہا ہو جاتی ہے یہ آپ کے اس خاص پہلو کی مختصر روئیداد تھی ؎

کوتہ نہ تواں کرد کہ ایں قصہ دراز است

ان تمام دراز نفسیوں کو آئندہ خامہ فرسائیوں کی
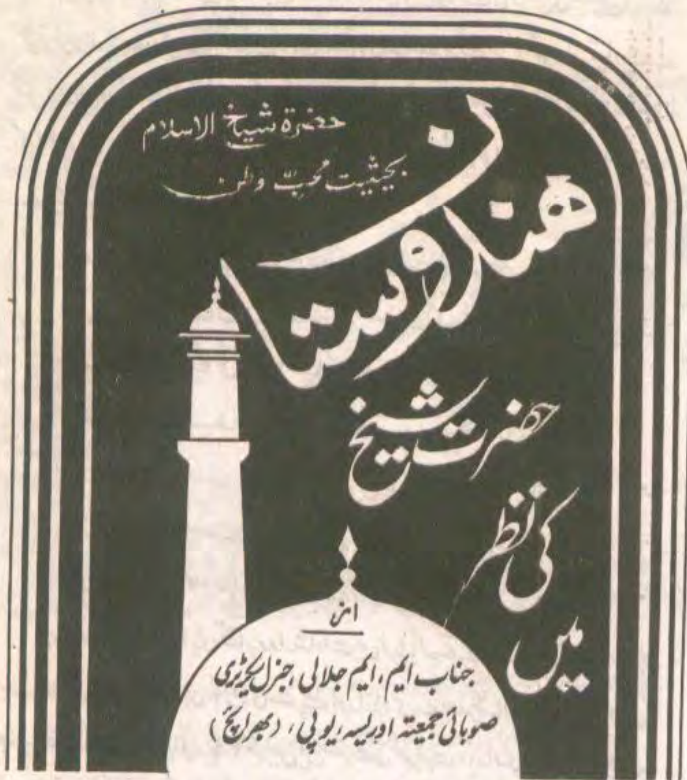
حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی مجموعہ کمالات تھی وہ نہ صرف دنیائے اسلام کے واجب التسلیم رہنما علم حدیث و فقہ، ادب و معانی، فلسفہ و منطق کے زبردست و متبحر عالم تھے بلکہ ہر ملک و ہر قوم کی تاریخ انھیں از بر تھی یہی وجہ ہے کہ وہ سارے ہندوستان کے لئے بیک وقت بلا تفریق و امتیاز مذاہب و ملل محبوب ترین رہبر اعظم تھے۔

حضرت نے آزادی وطن کی خاطر جو قربانیاں پیش کیں اور جس اولوالعزمی اور فراخدلی سے اہل ہند کو برطانوی سامراج کے پنجوں سے چھڑانے کی تگ و دو کی، وہ ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ میں جلی حروف سے لکھی جائیں گی، ہر قوم، ہر جماعت اور ہر فرد و بشر کو اس کا اعتراف ہے کہ حضرت جنگ آزادی کی صفِ اول کے رہبر اعظم تھے وہ آزادی کا آفتاب تھے انہوں نے اپنی زندگی کو ملک کی آزادی کے لئے وقف کر دیا تھا۔

حضرت کو سرزمین ہند سے قلبی محبت تھی فطری انس تھا حضرت کا نظریہ حب الوطنی دنیا کی تمام قوموں سے ممتاز تھا، وہ ہندوستان کو صحیح معنوں میں اپنا وطن تسلیم کرتے تھے ہندوستان اور پاکستان کے سوال نے جب بہت سے مسلمانوں کو باندازِ دگر مشتعل کیا اور مسلم لیگ کے نام پر ملک کے گوشہ گوشہ میں تقسیم ہند کے ولولے پیدا کئے وہ ایسا نازک وقت تھا کہ کانگریس نے بھی تقسیم ہند کی قرارداد منظور کر لی۔ مگر یہ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی جذبہ حب الوطنی تھا کہ آپ نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر نہیں کی مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو جیسے مدبرین اعظم نے مولانا رح کی حب الوطنی پر اظہار تعجب و آفریں کیا یہ انہیں کا عطیہ ہے کہ آج تک مسلمانوں کے قلوب میں ہندوستان کی عظمت و محبت دوسری قوموں کے مقابلہ میں بدرجہا ارفع ہے مولانا کا عقیدہ تھا کہ وہ ہندوستان

کومسلمانوں کے قدیم ترین وطن ہونے پر یقین کامل رکھتے تھے۔

جب مطالبہ پاکستان کا اختراع کیا گیا اور مسلمانوں کو انتقال وطن کی "تلقین" کی جانے لگی تو مولانا رشد وہدایت کی شمع لے کر ان مسلمانوں پر مسلط ہو گئے جن کی گمراہ کن قیادت نے قتل وخون اور غارت گری کا باب کھول کر مسلم عوام کو قعرِ مذلّت میں پھینکنے کا تہیہ کیا تھا مولانا کی اعجاز بیانی و بلیغ الاثری نے حب الوطنی کا صحیح جذبہ قلوب عوام میں راسخ کیا حضرت نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

"ہندوستان کی عظمت وفضیلت جو قرآن وحدیث اور مورخین اسلام کی روایات سے ثابت ہے ان کے زیر نظر مسلمان ایک لمحہ کے لئے بھی ہندوستان سے بیگانگی نہیں اختیار کر سکتا، وہ سرزمین جو خلیفۃ اللہ کا سب سے پہلا مہبط ہو۔ جو انسانیت کا سب سے پہلا دار الخلافہ ہو جو سرزمین نبوت کا سب سے پہلا مشرق بن چکی ہو۔ جس بقعہ مبارک پر روح القدس کا سب سے پہلے نزول ہو چکا ہو۔ صحیح معنوں میں وہی سرزمین مسلمانوں کا اصلی پاکستان ہے۔"

یہ الفاظ اکثر حضرت اپنی تقاریر وارشادات میں فرمایا کرتے تھے حضرت کو جو محبت سرزمین ہند سے تھی وہ آخر تک رہی۔ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد یکساں طور پر حب الوطنی کا جذبہ حضرت کے دل میں باقی رہا۔ کانگریس میں حضرت کی شمولیت، آزادی کی تحریکوں میں آپ کی جانبازانہ شرکت ان کے جذبہ حب الوطنی کی آئینہ دار ہے۔

مولانا کے نزدیک ہندوستان کے باشندوں میں صرف مسلمانوں کو حق ہے کہ وہ اس ملک کو اپنا قدیم ترین آبائی وطن کہہ سکیں۔ مولانا نے اپنی ایک تصنیف میں جو "ہمارا ہندوستان اس کے فضائل" کے عنوان سے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ۱۹۴۵ء میں شائع کی گئی تھی اس کے دلائل یہ بیان کئے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے انسان اور ہم سب کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام جو مسلمانوں کے سب سے پہلے پیغمبر ہیں اسی سرزمین پر تشریف لائے۔

(۲) توسیع نسل انسانی کا آغاز سب سے پہلے اسی سرزمین پر نورِ اسلام سے ہوا۔

(۳) اس کے علاوہ صدیوں تک پیغمبروں کا سلسلہ اسی سرزمین پر جاری رہا۔

(۴) حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام وغیرہ نے صدیوں تک اسی سرزمین پر نعرہ توحید بلند کیا ہے جیسے جمہور مورخین مانتے ہیں۔

انھیں وجوہ کی بنا پر حضرت رح نے ہمیشہ مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ ہندوستان کی سرزمین سے محبت کریں۔ یہ ان کا پاکیزہ وطن ہے انھوں نے بسا اوقات ارشاد فرمایا۔

"وہ ہوسکتا ہے کہ غیر مسلم ہندوستانی بہ آسانی ایک وطن سے منتقل ہو کر دوسرے وطن کو چلے جائیں مگر مسلمانان ہندوستان کو یہاں سے منتقل ہونا از بس مشکل ہے۔ نہ وہ اپنی مساجد سے بیگانگی اختیار کر سکتے ہیں نہ اپنے مقابر سے، نہ اپنی زمینوں سے، نہ اپنے گھر بار سے اور نہ ان میں اس قدر استطاعت ہے۔"

سرزمین ہندوستان ہی وہ مقدس سرزمین ہے جہاں رشد وہدایتِ خداوندی معرفت قرب الٰہی ونجات اخروی اور نور وفلاح ابدی کے استحصال کے لئے انبیا علیہم السلام والصلوٰۃ سے عہد وپیمان ہوا سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ نور مقدس جو سب سے پہلے پیدا کیا گیا تھا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صلب مقدس سے منتقل ہو کر اپنے اپنے زمانہ کے بہترین آباو اور بہترین امہات کے ذریعہ سے جملہ منازل طے کرتا ہوا، افق مکہ سے طلوع ہوا۔ اس لحاظ سے بجا طور حضرت رح نے فرمایا۔

"نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور افضل سرمدی کا سب سے پہلا مطلع ارض ہند اور سب سے آخری مشرق حجاز ہے۔"

الغرض مذہبی، سیاسی، ملکی، وطنی ہر حیثیت سے سرزمین ہندوستان مسلمانوں کے لئے واجب الاحترام ہے اور یہی وہ نظریہ ہے جس نے حضرت رح شیخ کی ذات پاک صفات کو حیات ابدی بخشی۔

وہ کبھی کش مکش اور تذبذب میں نہیں رہے، انھوں نے جس مسلک کو اپنایا قرآن واحادیث کی روشنی میں اس کی صداقت کا جائزہ لیا اور مستقل مزاجی سے اس پر چلے اور عوام کو اس پر چلنے کی ہدایت کی، ایسے دور کش مکش میں بھی آپ نے جذبہ حب الوطنی کو اپنے دل میں برقرار رکھا جب کہ کانگریس ہی کے کچھ فرقہ پرست ذہنیت والوں نے آپ کے دل کو ٹھیس پہنچائی، انہوں نے اپنا راستہ کبھی نہیں بدلا اور کانگریس کا ساتھ آخر تک نہ چھوڑا اصول کی پابندی، راست بازی، صداقت عدل وانصاف کے موڑ پر بڑے بڑے رہنما کترا گئے مگر آپ نے کبھی صحیح راستہ سے روگردانی نہیں اختیار فرمائی۔ وہ اسی سرزمین مقدس پر پیدا ہوئے اسی سرزمین ہند کے مایہ ناز اور قابل فخر رہنما بنے، اسی سرزمین کی محبت اور عظمت کا جذبہ لے کر زندگی کے بیش قیمت اوقات گزار دیئے اور آخر میں اسی سرزمین میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے پردہ فرما گئے۔ خدا ان کے نقوش پہ چلنے کی توفیق عنایت فرمائے
آمین ثم آمین

آہ غمِ شیخ
۱۹۵۷ء

پاک باطن، حق پسند، اہلِ رضا جاتا رہا
عاملِ و پرہیزگار، باصفا جاتا رہا
ایک کاملِ مردِ مومن پارسا جاتا رہا
عاملِ حق، پاک دل، حق آشنا جاتا رہا
راہبرِ صادق، اسیرِ مالٹا جاتا رہا
حیف اُس دُنیا سے وہ حق آشنا جاتا رہا

نتیجۂ افکار سوگوار ناچیز حکیم عزیز قدسی کامٹی
۱۹۵۷ء

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جب تک صوبہ سرحد کو اصلاحات نصیب نہیں ہوئی تھیں تب تک اس صوبہ کی سیاہ و سفید قسمت کے مالک (چیف کمشنر) نے ہر سیاسی لیڈر کا داخلہ ممنوع قرار دے رکھا تھا گویا اس نے اس صوبہ کو اپنے "باوا کی جاگیر" بنا رکھا تھا اور اس جاگیر میں شیر پنجاب لالہ راجپت رائے مولانا ظفر علی خاں، علی برادرس، پٹیل تحقیقاتی کمیٹی کے ممبران وغیرہ کے علاوہ کئی اور سرکردہ رہنماؤں کو روکنے کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں. لیکن جوں ہی اصلاحات نے اس صوبہ میں قدم رکھا تو اکثر لیڈروں کو بھی اس ممنوعہ بہشت یا طلسم خانہ میں قدم رکھنے کا موقعہ ملا۔

خدا خدا کر کے جہاں مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو سبھاش چندر بوس وغیرہ کے خیر مقدم کا اس صوبہ کو شرف حاصل ہوا۔ وہاں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی صاحب کی تشریف آوری سے بھی اس کا سر فخراً اور زیادہ بلند ہوا۔

یورپ کی دوسری جنگ عظیم ختم ہونے پر صوبہ سرحد کو تیسری بار انتخابات کا میدان سرکرنا پڑا تھا۔ اس سے پہلے دوبار کانگریس نے بھاری اکثریت حاصل کرنے پر اپنی وزارت کا جھنڈا لہرایا تھا۔

تیسری بار بھی کانگریس ہی جیت میں رہی مسلم لیگ اور سرکار پرست جماعتوں کو سخت منہ کی کھانی پڑی مخالفوں کی شکست کا زیادہ تر سبب مولانا مدنی صاحب کی تشریف آوری ایک خاص وزن رکھتی ہے۔

آپ کی آمد پر آپ کا ناقابل فراموش جلوس آپ کا عظیم الشان جلسہ جس میں قبائلیوں نے بھی شرکت کی تھی اور آپ کی معرکۃ الآرا اور جادو اثر تقریر کی دلکش تصویر بھی آنکھوں کے سامنے موجود ہے پہلے دن آپ کی خدمت اقدس میں مجھے کانگریس کمیٹی کے سیکرٹری کی حیثیت سے سپاسنامہ پیش کرنے کی کیفیت پوری طرح یاد ہے۔

دوسرے دن نواب آف ڈیرہ کی عالیشان کوٹھی کے وسیع گراؤنڈ میں جو عالمانہ اور مورخانہ تقریر آپ نے فرمائی تھی اس کا ایک ایک لفظ آج تک کانوں میں گونج رہا ہے آپ کی پراثر تقریر آپ کا جادو اثر طرز ادا، آپ کی وسیع ترین معلومات کے ساتھ ساتھ آپ کی لاثانی قوت یادداشت پر تمام سامعین مبہوت و ششدر تھے اور ہر زبان سے سبحان اللہ اور جزاک اللہ سنائی دے رہا تھا اگر اس زمانہ کے مطابق وہ تقریر نہایت جامع اور موزوں تر اور مستند حوالجات سے مرصع تھی تو آج بھی وہ انگریزی حکومت کے اعمال نامہ کا منہ بولتا فوٹو ہے جسے پڑھے لکھے آدمی دیکھ کر یہ بخوبی جان سکتے ہیں کہ انگریزوں نے اپنی پالیسی کے نام پر بے حد زریں اور پر فریب جال بچھا رکھے تھے

اس تقریر کا خلاصہ ناظرین کرام کی آگاہی کے لئے پیش کرتا ہوں، افسوس ہے ان دنوں میرا ہفتہ وار اخبار نشیر سرحد، حکومت سرحد کی قہر آلودہ نگاہوں کا شکار ہو چکا ہے وگرنہ آج مولانا موصوف کی تاریخی اور ہنگامہ پرور تقریر پیش کرنے کے قابل ہو سکتا۔

مدت سے یہ میری تمنا تھی کہ زندہ دلان سرحد کے میل ملاقات سے اپنی بے قرار آرزوؤں کو سکون و طمانیت بہم پہنچا سکوں خدا کا شکر ہے کہ میری یہ دیرینہ آرزو بار آور ہوئی اور آج میں آپ بھائیوں کی طرف سے محبت و اخلاص، قدر افزائی اور مہمان نوازی کے انتہائی جذبات دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا ہوں کہ آپ کے لئے شکریہ کے الفاظ تلاش کر رہا ہوں جس کے آپ بجا طور مستحق ہیں یقیناً آپ یہ سن کر مسرور ہوں گے کہ یہاں بھاگے بھاگے آنے کے لئے میری مصروفیات اور میری ضعیف العمری بھی سد راہ نہ ہوتی تھی۔

صوبہ سرحد کا یہ مشہور و معروف شہر ڈیرہ اسمٰعیل خاں، جو علم و عمل میں باقی اضلاع کے مقابلہ میں اپنے قدم بہت آگے بڑھائے ہوئے ہے اور جس کے باشندوں نے میرے

استقبال اور مدارات میں کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھی انہیں موجودہ چناؤ میں آزمودہ قومی پروانوں کو کامیاب کرانے کے لئے کہنا بے سود معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے کے انتخابات میں یہاں کی سو فیصدی کامیابی ایک زندہ ثبوت ہے شہادت کے طور پر موجود ہے

شاطران برطانیہ جن چالوں سے بٹوارہ کی اسکیم کامیاب کرنے کے لئے اپنی ترچھی ٹیڑھی چالیں چل رہے ہیں اور اس مقصد کے لئے انہوں نے جس طرح مسلم لیگ کو اپنا آلۂ کار بنا رکھا ہے اس کے علاوہ برطانوی ڈپلومیسی کی مشنری در پردہ جس طریقہ سے کام کر رہی ہے اور ان انتخابات میں اپنے پٹھوؤں کے لئے جو طریقے اختیار کر رہی ہے ان حقائق پر سے اب بہت کچھ پردہ اٹھ چکا ہے آپ لوگ اچھی طرح چوکنے اور محتاط ہو چکے ہیں اس لئے اب اس تفصیل اور وضاحت میں جانا چنداں سود مند نہیں۔

انگریزوں نے ہر چند ہندوستانی سیاست کی سطح پر فرقہ پرستانہ ذہنیت کو ابھارنے کی کوشش کئے رکھیں مگر صوبہ سرحد نے مجموعی طور پر ان کے منصوبوں کو ملیامیٹ کئے رکھا اور منافقات و منافرت انگیز شعلوں کی لپیٹ میں آنے سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔

صوبہ سرحد نے قومیت متحدہ کا آج تک جو قابل تعریف ثبوت دیا ہے دشمن بھی اس کے قائل ہیں اور کانگریس بھی معترف ہے اس لئے یہ کہنا ہرگز غلط نہیں کہ یہ صوبہ آل انڈیا نیشنل کانگریس کے لئے صحیح طور پر ریڑھ کی ہڈی بنا ہوا ہے سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں برطانوی گرگوں کی فتنہ انگیزیوں کا شکار نہیں ہو سکا۔ حالانکہ اس صوبہ کی حکومت نے کانگریس خلافت سرخ پوش اور جمعیۃ کی تحریکوں کو بار بار کچلنے کے لئے فرزندان سرحد کو بے دریغ قتل کرنے اور قصہ خوانی بازار میں دوسرا جلیاں والا باغ بنانے میں کوئی وقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس قسم کے ظلم و ستم کی آندھیوں کے باوجود یہ صوبہ کانگریس کے دوش بدوش آزادی وطن کی تحریک میں آج تک ڈٹا رہا ہے اور اپنی روایتی جرأت اور شاندار استقلال کا جھنڈا بلند کئے رکھا ہے۔

حالیہ چناؤ میں مسلم لیگ پاکستان کے اشو پر میدان میں کودی ہے مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ مسلم لیگ دانستہ یا نادانستہ طور پر برطانوی سیاست کا آلہ کار بنی ہوئی ہے جمعیۃ العلماء کے کارہائے نمایاں اور اصولوں سے آج کون ناواقف ہے دوسرا وہ اپنی پر عظمت روایات سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں وہ ہمیشہ سے متحدہ قومیت کی حامی و دعوے دار رہی ہے اسی متحدہ قومیت کی حمایت میں نہ صرف غیروں سے بلکہ اپنوں سے ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کر رہی ہے تو بھی اپنی جدوجہد میں برابر مصروف ہے۔

جب یورپ کے چند ساہوکار ہندوستان پہنچے اور قدرت نے موافقت کرتے ہوئے ان کو ہندوستان کا حکمران بنایا تو ان مٹھی بھر انسانوں کو جو اخلاق اور روحانیت سے یکسر خالی تھے کروڑوں انسانوں پر مشتمل رعایا کو برسرپیکار کرنے کے لئے ایسی اندرونی الجھنوں اور جزوی تنازعوں میں الجھا دیا کہ وہ تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو "کی پالیسی کو اپنا کر اپنی حکومت کی بنیادیں مضبوط بنا سکیں۔

۱۸۲۱ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی تمام ہندوستان پر قابض ہو چکی صرف پنجاب کشمیر یا دہلی کے لال قلعہ میں جو ایک مہرہ شہنشاہ ہند کے نام سے بٹھایا گیا تھا۔ انہیں ختم کر دینے پر در پے ہوئی۔

ایشیاٹک جرنل میں لکھا ہے۔

ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر صیغہ کو خواہ وہ خارجی تعلقات سے واسطہ رکھتا ہو یا عدالتی اور حربی نظم و نسق سے یہ اصول ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو۔

سر جان میلکم کہتا ہے:۔ اس قدر وسیع ملک میں ہماری حکومت اس امر پر منحصر ہے کہ ہماری عملداری میں جو بڑی جماعتیں ہیں ان کی عام تقسیم ہو اور ہر ایک جماعت کے ٹکڑے مختلف ذاتوں۔ اور قوموں میں ہوں جب تک یہ لوگ اس طریقہ سے جدا رہیں گے اس وقت تک غالباً کوئی بغاوت اٹھ کر ہماری قوم کے استحکام کو متزلزل نہ کر سکے گی۔

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس نے ہندو مسلمانوں کی تاریخوں کو مسخ کیا فرضی داستانیں داخل کیں واقعات کو توڑ مروڑ کر ایسی طرح لکھوایا گیا کہ پریم اور محبت کی بجائے بغض و عداوت پیدا ہو۔ دوستی کی بجائے دشمنی ترقی کرے اردو اور ہندی کا مسئلہ پیدا کیا گیا اور اس کو ہوا دے کر اس حد تک پہنچایا گیا کہ اس نے ہندوستان کے ذاتی جذبہ کی حیثیت اختیار کر لی اس قسم کے حربوں کو جب ناکافی سمجھا گیا تو جداگانہ انتخاب کا شگاف پیدا کیا گیا۔

جداگانہ انتخاب کا مطالبہ اگرچہ ۱۹۰۶ء میں ایک خاص اور مشہور ڈیپوٹیشن کے ذریعہ خود مسلمانوں کی طرف سے مخصوص انداز میں کرایا گیا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ہندو سے زیادہ مسلمانوں کے لئے تباہ کن تھا۔"

"اس نے ہندو مسلمانوں کے امتیاز ابھار کر اقلیت اور اکثریت کا سوال پیدا کیا جداگانہ انتخاب ہی نے مسلمانوں کے دلوں میں احساس کمتری اور ہندوؤں کے دماغوں میں عظمت اور برتری کا زعم پیدا کر دیا"

جداگانہ انتخاب ہی نے ایک ملک ایک شہر ایک قصبہ اور ایک گاؤں کے رہنے والوں کو دو مخالف اور جنگ جو کیمپوں میں تقسیم کر دیا بہر حال جداگانہ انتخاب کے ذریعہ جو خلیج پیدا کی گئی تھی اس کو وسیع کرنے کے لئے ٹو نیشن "Twonation" کی تھیوری بروئے کار لائی گئی۔

قصہ کوتاہ یہ کہ آپ کی طویل تقریر نہ صرف تاریخی حوالہ جات کا مرصع تھی بلکہ وسیع معلومات اور ٹھوس واقعات کی بناء پر نہایت مؤثر اور قابل پذیرائی تھی اس کا نتیجہ یہ دیکھا کہ سرحد اسمبلی کے وہ امیدوار جنہیں کانگریس اور جمعیۃ نے ٹکٹیں دے رکھی تھیں نہایت شان کے ساتھ کامیاب ہوئے افسوس ہے نامراد تقسیم نے ان سے ہمیں جدا کر دیا ہے لیکن وہ زمانہ اور وہ میٹھی یادیں ابھی تک نقش بر دماغ ہیں۔

میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے دست مبارک پر ۱۱۔محرم الحرام ۱۳۶۰ھ یوم پنجشنبہ بعد مغرب یوسف پور کی مسجد میں بیعت سے مشرف ہوا۔

میں اس سے قبل کہ حضرت مولانا کی زیارت بھی نہیں کی تھی غائبانہ ان کی جانب سے میں بدظن تھا صرف بدظن ہی نہیں تھا بلکہ میں ان کا سخت مخالف تھا۔ موصوف کو کیسے الفاظ سے یاد کرتا تھا۔ مگر حضرت کا مجھ پر غائبانہ تصرف ہوا اور میں والہانہ طور پر حضرت کے قدموں میں جا گرا۔ مفصل حالات جن حضرات کو معلوم کرنا ہوں وہ میرا رسالہ ''صبح صادق مدنی آفتاب'' منگوا کر مطالعہ کریں اس سے خوب معلوم ہو گا کہ حضرت کے مجھ پر کیسے کیسے غائبانہ تصرفات ہوئے اور میں کیونکر حضرت کی خدمت میں پہنچا اور مجھ پر کتنی جلد حضرت اقدس کی نظر کرم ہوئی اور میں حضرت اقدس کی خدمت سے فیضیاب ہوا جب حضرت اقدس مراد آباد کی جیل میں تھے تو میں نے ایک خواب دیکھا کہ حضرت اقدس ایک بڑے کمرے میں فرش زمین پر ایک گاڑھے کی چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہوئے ہیں اور میں حضرت اقدس کا پاؤں دبا رہا ہوں یہ خواب میں نے اس زمانہ میں دیکھا کہ اس کے ایک ڈیڑھ ہفتہ کے بعد حضرت اقدس مراد آباد جیل سے منتقل کر کے نینی جیل لائے گئے یہ خواب دیکھتے ہی میں نے فوراً جناب مکرمی مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ العلماء کو یہ لکھ بھیجا اس خواب کی تعبیر حضرت سے دریافت فرما کر لکھیئے۔ جناب مکرمی، مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء نے مجھے جواب میں تحریر فرمایا کہ اب حضرت کے پیر دباؤ تمہارا خواب صحیح ہوا اس خواب کی یہی تعبیر ہے وہ مکتوب اب تک میرے پاس محفوظ ہے اس خواب سے ہفتہ عشرہ کے بعد حضرت اقدس سرہ العزیز کو مراد آباد جیل سے ٹرانسفر کر کے نینی جیل الہ آباد بھیج دیا گیا۔

مراد آباد جیل سے منتقل ہو کر جب نینی جیل کو حضرت روانہ ہوئے تو راستہ میں لکھنو اسٹیشن پر ڈاکٹر عبدالعلی سے ملاقات ہوئی۔ جس کی خبر پہلے سے ہو گئی ہو گی حضرت اقدس نے میرے نام ڈاکٹر عبدالعلی صاحب سے تار دلوایا کہ حضرت الہ آباد اسٹیشن پہ پہنچ رہے ہیں تم وہاں ملو، مگر یہ تار تار گھر میں روک لیا گیا اور حضرت اقدس دو گھنٹے تک اسٹیشن پر ٹھہرے رہے جب حضرت کو اسٹیشن سے گھوڑا گاڑی پر بٹھا کر نینی جیل پہنچا دیا گیا تو مجھے تار ملا میں تار پاتے ہی اسٹیشن پہنچا تمام پلیٹ فارموں اور ویٹنگ روموں کو دیکھ ڈالا کچھ پتہ نہ چلا اسٹیشن سے شہر آیا شہر کے ان تمام مقامات کو دیکھا جہاں حضرت اقدس کا قیام کرنا ممکن تھا جب کہیں پتہ نہ چلا تو میں تھک کر محروم ہو کر رہ گیا اور یہ معمہ سمجھ میں نہ آیا رات بھر غور و فکر میں پڑا رہا صبح ہوئی پھر تلاش شیخ میں نکلا جس سے پوچھتا ہوں وہ کہتا ہے کہ کیا مجنوں کی سی باتیں کرتے ہو وہ تو مراد آباد کی جیل میں ہیں کسی صاحب نے تمہارے پاس یہ تار مذاق سے بھیجا ہو گا مگر میں اس خیال میں غلطاں و پیچاں رہا۔

الہ آباد کے الفریڈ پارک کی مسجد میں میں جمعہ کی نماز پڑھایا کرتا تھا میرے کالج کے تمام طلباء اسی مسجد میں نماز پڑھتے تھے حسب معمول بعد نماز سنت خطبہ دینے کے لئے ممبر پر جا رہا تھا کہ ایک شخص سائیکل پر سوار مسجد کے سامنے آیا اور اس نے پوچھا کہ مولوی ابوالحسن حیدری کون صاحب ہیں اس کے اس استفسار پر بعجلت تمام اس کے پاس پہنچا اس نے جیب سے نکال کر ایک لفافہ مجھے دیا میں نے چاک کیا تو دیکھا کہ حضرت شیخ قبلہ کی تحریر نص تنویر ہے یہ پہلا خط ہے جو حضرت اقدس نے نینی جیل سے اس خادم کے پاس جیل کے آدمی کی معرفت بھیجا تھا۔ وَھُوَ ھٰذَا

محترم المقام جناب مولوی ابوالحسن صاحب حیدری زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج شریف

غالباً آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ۲۳ جنوری بروز شنبہ مجھ کو مراد آباد جیل سے

ٹرانسفر کر کے نینی جیل میں بھیج دیا گیا۔ میں ۲۴ جنوری بروز یک شنبہ ایک بجے دن کی گاڑی سے یہاں پہنچا راستہ میں لکھنؤ اسٹیشن پر میں نے ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کو روپیہ دے کر کہا تھا کہ آپ حیدری صاحب کو الہ آباد میں تار دے دیں کہ وہ مجھ سے اسٹیشن پر ملیں کیوں کہ آپ سے ملاقات بھی کرنی تھی اور بعض ضروری باتیں بھی کرنی تھیں مگر الہ آباد کے چھوٹے اسٹیشن پر بھی آپ نظر نہ آئے اور نہ بڑے اسٹیشن یعنی جنکشن پر نظر آئے حالانکہ اسٹیشن پر تقریباً دو گھنٹہ ٹھہرنا ہوا۔ بہرحال یہ میری قسمت تھی کہ آپ سے شرف زیارت حاصل نہیں ہوا اور پھر میں گھوڑے گاڑی میں روانہ ہو کر ڈھائی بجے نینی جیل میں داخل ہو گیا اب آپ سے میں چند چیزوں کے متعلق مندرجہ ذیل امور کو دریافت کرتا ہوں اگر بخوشی اور انشراح قلب کے ساتھ ان کو انجام دے سکیں فبہا ونعمت ورنہ آپ صاف انکار کر دیں مجھ کو کوئی شکایت نہ ہوگی۔ کسی قسم کا تکلف اور حجاب نہ ہونا چاہیئے ضمیر کے خلاف کوئی بات نہ کیجئے۔

(۱) ہم کو قانوناً خط و کتابت کی اجازت نہیں ہے نہ اپنے اہل و عیال سے اور نہ احباب و اجانب سے اس لئے بجز خفیہ طریقے کے خط و کتابت نہیں ہو سکتی ضروریات مجبور کرتی ہیں کہ یہ سلسلہ جاری کیا جائے تو کیا اس میں حسب استطاعت میری مدد فرمائیں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ میں آپ کے پاس خطوط بھیجوں گا آپ ان کے وہ پتے جو سرنامہ پر لکھے ہوئے ہوں گے لفافوں پر انگریزی یا اردو یا ہر دو میں لکھ کر ڈاک خانہ کے لیٹر بکس میں ڈلوا دیا کریں۔ اور ٹکٹ وغیرہ پر جو کچھ خرچ ہو اس کو میرے حساب میں لکھیں اور پھر اس کو مجھ سے وصول کر لیا کریں نقد آپ کے پاس پہنچے گا اس کو اس سے مجرا فرمایا کریں۔ اس صورت میں آپ کو حساب لکھنا ہوگا۔ اور علیحدہ رکھنا ہوگا آدمی یہاں سے پانچویں ساتویں دن پہنچا کرے گا اور یہ ضروری کام آپ کو انجام دینا ہوگا۔

(۲) باہر سے آپ کے پاس میرے خطوط آئیں گے ان کو لفافہ سے نکال کر جمع رکھا کریں مگر لفافوں کو پھاڑ کر جلا دیا کریں اور جب ہمارا آدمی پہنچے تو اس کو یہ سب خطوط ایک لفافہ میں رکھ کر دے دیا کریں اور اگر اب بھی کچھ خطوط آئے ہوں تو اس کو دے دیں۔

(۳) اگر ایسا کوئی پارسل وغیرہ آئے تو اس کو بھی اگر ہمارا آدمی لا سکے فبہا ورنہ بذریعہ سپرنٹنڈنٹ جیل ڈاک میں ہمارے پاس بھیج دیا کریں۔

(۴) میں بحمد اللہ یہاں بہت آرام اور خیریت سے بلکہ بعض باتوں میں مراد آباد سے بھی بہتری ہے۔

(۵) چند خطوط بھیج رہا ہوں اگر آپ کو امور مذکورہ بالا منظور ہوں تو ان خطوط کو ڈاک میں ڈلوا دیں ورنہ سب کو تلف کر دیں۔

(۶) یہ تمام کارروائی بصیغہ راز نہایت احتیاط سے جاری رہنی چاہیئے ہر ایک دوست کو بھی معلوم نہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ

یار را یارے بود از یار یار اندیشہ کن

والسلام۔ دعوت صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

اس نامۂ گرامی کے جواب میں فوراً میں نے لکھ کر سائیکل سوار کے حوالے کیا کہ یہ خادم خدمت کے لئے ہر طرح سے تیار ہے متواتر دو سال تک نینی جیل کی اسارت کے زمانہ میں بے خوف ہو کر خدمت انجام دیتا رہا اور فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا رہا۔ میرے پاس حضرت اقدس کے دست مبارک سے لکھے ہوئے خطوط معرکۃ الآراء سو ڈیڑھ سو موجود ہیں۔ جس میں تصوف کے نکات اور علمی مباحث مرقوم ہیں۔ اور ان میں سے قدرے خطوط مکتوبات شیخ الاسلام میں شائع ہو چکے ہیں نینی جیل کی اسارت کے زمانہ میں حضرت اقدس کی نظر کرم بہت زیادہ بھی خط کے ذریعہ اسرار الٰہیہ سے نوازتے رہے اپنی دعاؤں سے میری بلاؤں کو دور فرماتے رہے۔

اسارت کا زمانہ میرے لئے موجب رحمت تھا جیل میں رہ کر حضرت اقدس باطمینان اپنے متوسلین کی اصلاح فرماتے تھے روزانہ میرے پاس مریدین اور متوسلین کے متعدد خطوط آتے تھے ان کو میں حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجتا تھا اور حضرت ان خطوط کے جواب لکھ کر میرے پاس بھیجتے تھے میں ان کو ہر پتے پر روانہ کرتا تھا حضرت اقدس جیل میں رہ کر یوں لوگوں کی اصلاح فرما رہے تھے قید و بند میں بھی لوگوں کی اصلاح جاری تھی بعض بعض خطوط بڑے لمبے ہوتے تھے میں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت اقدس اتنے طول طویل خط لکھنے کے لئے جیل میں کہاں سے وقت نکالتے تھے اور پھر ایک دو خط نہیں بلکہ روزانہ حضرت کم از کم دس قطعہ خط لکھتے تھے ان میں اکثر رموز و نکات متصوفانہ ہوتے تھے۔ باہر سے ہدایا اور تحائف بھی میرے پاس آتے تھے میں ان سب کو حضرت کی خدمت میں بھیجدیتا تھا جیل میں بہتیرے مسلمان جو قید و بند میں تھے اور اسلام سے کوسوں دور تھے حضرت نے ان کو اسلام سے روشناس کرایا۔ ان کی ایسی اصلاح کی کہ وہ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہو گئے جیل کے مسلمان ملازمین بھی حضرت سے فیض حاصل کر کے صحیح معنوں میں مسلمان بن گئے۔ اکثر نے بیعت کر لی۔ جیل میں غیر مسلموں کی بھی اخلاقی اصلاح ہوئی حضرت کے اخلاق اور کردار کا ان پر ایسا اثر پڑا کہ وہ کہتے تھے کہ یہ منش نہیں دیوتا ہیں رہائی کے بعد دوران سفر میں جب حضرت الہ آباد کی جانب سے گزرتے تھے تو اس خادم کو حضرت بذریعہ تار اطلاع دیتے تھے مجھے اتنا موقعہ نہیں ملتا تھا کہ میں حضرت کی آمد کی کسی کو خبر دوں مگر نہ جانے کیسے لوگوں کو خبر ہو جاتی تھی کہ اسٹیشن پر شمع ہدایت کے سامنے تمام پروانے اکٹھے ہو جاتے تھے حتیٰ کہ جیل کے ملازمین بھی پہنچ جاتے تھے دوران سفر میں آتے جاتے جب کبھی الہ آباد میں قدرے قیام کی صورت پیدا ہو جاتی تھی تو حضرت اقدس اس خادم ہی کے پاس قیام فرماتے تھے اسارت کے زمانے میں میں بالکل نڈر ہو کر خدمت کرتا تھا میرے پیچھے برطانوی خفیہ لگے رہتے تھے مگر حضرت قدس اللہ سرہ العزیز کی دعاؤں سے کبھی مجھے ان سے کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا ایک مرتبہ میں نے حضرت کی خدمت میں لکھا کہ میرے اور برادر محترم حاجی شیخ ولی محمد صاحب کے پیچھے سی آئی ڈی لگے ہوئے ہیں تو حضرت نے اس کے جواب میں لکھا۔ وہو ہذا۔

محترم المقام جناب حیدری صاحب و شیخ ولی محمد صاحب زید مجدکما

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف

مراسلات حسب تحریر پہنچ گئیں۔ جواب حلف نامہ ارسال ہے ملاحظہ فرمائیں اور

اعتماد اللہ تعالٰی پر رکھیں بندہ کا فریضہ صرف جدوجہد اور عمل ہے متصرف فی الاکوان جناب باری عز اسمہ ہے قلوب خلائق بین الاصبعین ہیں وہ ہمارے ساتھ رؤف ورحیم ہے نہ گھبرانا چاہیے نہ مایوس ہونا چاہیے اور نہ مطمئن علی غیر اللہ ہونا چاہیے اور اس کی رضاجوئی ہمیشہ مطمح نظر رہنا چاہیے۔

وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہ وھو الولی الحمید۔

آپ دونوں کے ساتھ سی آئی ڈی اور سرخ پگڑی کا ہونا پریشانی اور اضطراب کا موجب نہ ہونا چاہیے اور ان آیات میں غور کرنا چاہیے۔

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین ما کان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ ذلک بانھم لا یصیبھم ظمأ ولا نصب ولا مخمصۃ فی سبیل اللہ ولا یطئون موطئاً یغیظ الکفار ولا ینالون من عدو نیلا الا کتب لھم بہ عمل صالح ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ولا ینفقون نفقۃ صغیرۃ ولا کبیرۃ ولا یقطعون وادیا الا کتب لھم لیجزیھم اللہ احسن ما کانوا یعملون۔

(سورۃ توبہ)

آیات مذکورہ میں ظما، نصب، مخمصہ، موطئاً، نیلا، نفقۃ، وادیاً یہ تمام الفاظ نکرہ سیاق النفی ذکر کیے گئے ہیں جن کا مفاد عموم واستغراق ہے ان امور میں سے کوئی بھی درجہ چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا یا متوسط پایا جائے تو انعامہائے مذکورہ کا استحقاق ہونا یقینی ہے آپ حضرات کی یہ کوششیں اغاظۃ اعداللہ معمولی درجہ پر نہیں کر رہی ہیں بلکہ ان کے دلوں میں گھاؤ اور گہری گھاؤ ڈال رہی ہیں پھر کیوں پریشانی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من اعان غازیا فقد غزی من خلف غازیا فی اہلہ بخیر فقد غزا الحدیث، اس صحیح حدیث کی بموجب آپ حضرات مفت میں غازی فی سبیل اللہ بن رہے ہیں افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر الحدیث کیا آپ کے ذہن سے اتر گیا ہے بہرحال خوش رہیئے شکر کیجئے اطمینان اور تدبیر سے کام لیجئے دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است ہرگز ہراساں نہ ہو جیے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ

اس نامہ گرامی کو بنظر تعمق دیکھیے کہ اس میں کیا اصلاح کی گئی ہے اس میں کتنے اصلاحی گوشے نکل رہے ہیں اس سے قبل ہمارے دل میں کچھ خطرے گزرے تھے مگر اس تحریر فیض تنویر کے بعد میں بالکل نڈر ہو کر خدمت بجالانے لگا برطانوی خفیے میرے اور برادر محترم حاجی شیخ ولی محمد صاحب کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہتے تھے مگر ہم لوگ اللہ تعالٰی پر بھروسہ کرتے ہوئے بے دھڑک حضرت کی خدمت کرتے رہے ہر ہفتہ میں جناب حاجی شیخ ولی محمد صاحب جون پور سے پان وغیرہ لیکر الہ آباد میرے پاس آیا کرتے تھے ہم لوگوں کے ایک طرف یہ خفیے لگے رہتے تھے۔ دوسری طرف رحمت کے فرشتے رہتے تھے اور حضرت کی دعائیں ساتھ ساتھ تھیں پھر یہ برطانوی گرگے ہمارا کیا کر سکتے تھے۔

وہ اسارت کا زمانہ بھی ایک عجیب خیر و برکت کا زمانہ تھا حضرت جیل میں ہیں ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں مگر اصلاح تمام دنیا کی ہو رہی ہے وہ زمانہ بھی ایک پر لطف زمانہ تھا۔ بڑے بڑے مسائل احادیث وفقہ کے اور تصوف کے نکات ورموز اسی زمانہ اسارت میں، میں نے حضرت سے حل کئے وہ سب خطوط میرے پاس محفوظ ہیں حضرت جیل میں سنت یوسفی پر عمل پیرا تھے ائمہ اطہار کی سنتوں کو ادا کر رہے تھے ہمارے اور حضرت کے درمیان ایک جیل کا پردہ حائل تھا مگر ہم یہ امید رکھتے تھے کہ ایک دن یہ پردہ بیچ سے ہٹے گا ہم حضرت کو دیکھیں گے ہم کو حضرت دیکھیں گے۔ ہم امید قوی رکھتے تھے کہ حضرت کو زنداں سے باہر لائیں گے ان کی زیارت سے مشرف ہوں گے ان کی زبان مبارک سے عالمانہ ومتصوفانہ نکات سنیں گے وہ دن بھی آیا اور ہم حضرت کو زنداں سے باہر لائے اور ہم سب حضرت اقدس سے اب تک فیضیاب ہوتے رہے مگر افسوس اب دست اجل نے ایسی تمام تمناؤں کے امکانات ختم کر دیئے

انا للہ وانا الیہ راجعون

سبحانہ یقضی فی عبادہ مایشاء

تاثرات

(زبیر احمد جونپوری متعلم دار العلوم دیوبند)

گلستاں میں عجب افسردگی معلوم ہوتی ہے
پریشاں گل ہیں رنجیدہ کلی معلوم ہوتی ہے
کسی کی موت کی شاید غمی معلوم ہوتی ہے
جو نرگس آج یہ روتی ہوئی معلوم ہوتی ہے
ستارے نوحہ کن ہیں آسماں مصروف ماتم ہے
زمیں پر ایک ہلچل سی مچی معلوم ہوتی ہے
ہر اک لب پر فغاں ہے اور فریادیں ہیں نالے ہیں
جدھر دیکھو صف ماتم بچھی معلوم ہوتی ہے
حسین احمد تمہاری موت سے دنیا کو صدمہ ہے
جہاں میں آج اک بھاری کمی معلوم ہوتی ہے

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رح دنیائے علم کے آفتاب تھے جہاں آپ نے چمنستان روحانیت کو تازگی بخشی اور علم کے سبزہ زاروں کو سینچا، سیاسی دنیا کو بھی صبر واستقلال، متانت فکر۔ اصابت رائے یقین محکم اور جہد مسلسل کا سبق دیا۔ سیاست کو ایک بلند کردار اور پاکیزگی دی مذہب کو ایک نیا جوش اور نئی امنگ دی۔ زندگی کو عظمت اور وقار عطا کیا۔ مولانا رح کی مقدس زندگی کی یہی وہ نمایاں پہلو ہیں جن پر دنیا کی نگاہ پڑتی ہے لیکن آپ متبحر عالم ممتاز سیاست دان، قومی رہنما اور روحانی دنیا کے امام ہونیکے ساتھ۔ "صاحب قلم" بھی ہیں انھوں نے اپنے قلم کے ذریعہ جو علمی مذہبی روحانی اور سیاسی خدمات انجام دی ہیں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جو لوگ مولانا کی زندگی سے قریب تر رہے ہیں اور ان کے حالات و معمولات سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ خالی نہیں رہا۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک مشاغل کے سلسلے جاری رہتے تھے درس وتدریس بجائے خود ایک مستقل اور مسلسل کام تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے کچھ اوقات ملکی قومی اور سیاسی مسائل و معاملات کے لئے بھی نذر کیئے اس طرح انہوں نے قوم ووطن کی بھی خدمت کی اور اللہ کے حقوق بھی پورے کئے ان کی مصروف زندگی اور کثرت مشاغل نے انھیں اتنی فرصت ہی نہ دی کہ وہ مستقل طور پر اپنے قلم سے کام لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا کی تصنیفات تعداد کے اعتبار سے چند ہی دکھائی دیتی ہیں یہ تصنیفات ابھی اس لئے وجود میں نہیں آئیں کہ انھیں لوگ پڑھیں اور تعریف کریں۔ بلکہ قلم اسی وقت ہاتھ میں لیا گیا۔ جب اس کی شدید ضرورت محسوس کی گئی اور لوگوں نے مسلسل اصرار اور بار بار تقاضے کئے تصنیفات میں اسیر مالٹا، متحدہ قومیت، نقش حیات، الشہاب الثاقب ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ رسائل اور خطبات بھی ہیں جو شائع ہو کر لوگوں تک پہنچ چکے ہیں ہمارے سامنے اس وقت اسیر مالٹا اور نقش حیات کی دونوں جلدیں ہیں، اس لئے ہم اپنے تبصرے کو انھیں دو کتابوں کے دائرہ میں رکھنے پر مجبور ہیں اور مکتوبات شیخ الاسلام جو میرے مطالعے میں آچکی ہے اس پر بھی اپنی بساط کے مطابق روشنی ڈالوں گا۔

"اسیر مالٹا" غالباً سب سے پہلی تصنیف ہے یہ کتاب اس وقت لکھی گئی۔ جب مولانا رح کا قلم جوان تھا اس وقت تمام ہندوستان میں برطانوی سامراج کے خلاف ایک لہر دوڑ رہی تھی۔ اور عوام جابرانہ نظام کے خلاف صف آراء ہو کر آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے، علماء دیوبند خصوصیت کے ساتھ رضا کارانہ طور پر ملک وملت کی نمایاں خدمات میں مصروف تھے اور یہی وہ قائد تھے جو ظلم وتشدد کی آندھیوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھے جا رہے تھے نہ انہیں جیل کی دیواریں روک سکیں نہ پھانسی کے پھندے وہ صرف اپنے ملک کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے ان کی تمام تحریکات اور تمام جد وجہد کا مقصد صرف اتنا تھا کہ انگریز ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں اور ہم اپنی مرضی کے مطابق اپنے ملک کا نظام مرتب کریں ان حالات میں "اسیر مالٹا" لکھی گئی ہر تصنیف اپنے گرد وپیش کے ماحول میں جنم پاتی ہے اور اس میں اپنے ماحول کی لکیریں اور احساسات کے نقوش ہوتے ہیں آپ کا قلم ایک طرف شمع آزادی کے پروانوں کو جد وجہد کی دعوت دے رہا ہے اور دوسری طرف اس کی نوک سامراجیت کے قلب میں پیوست ہو رہی ہے اسیر مالٹا میں مادر علمی دار العلوم دیوبند کے سابق صدر اور انقلابیوں کے امام حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کی فداکارانہ زندگی کا ایک گوشہ نمایاں کیا گیا ہے اور ان کی منظم تحریک کے ایک اہم واقعہ کا جائزہ لیا گیا ہے اسیر مالٹا کے شروع کے چند اوراق میں بہت دلکش اور پسندیدہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں کا گلدستہ اس قابل ہے کہ اسے بار بار دیکھا جائے اس کے لفظ لفظ میں خلوص ہے اور تڑپ اس کے جملے جملے میں محبت اور عقیدت کی پیچ وتاب کھاتی ہوئی لہریں جذبات کا گرجتا ہوا بادل اور انقلاب کی گونج ہے اس کے نقطے نقطے

ہیں احساسات کی دبی ہوئی چنگاریاں اور اس کی آنچ محسوس ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ غور و فکر کی دعوت صبر و استقلال کا درس، یقین محکم اور عمل پیہم کی تلقین تشکیل سیرت اور تعمیر حیات کا ایمانی پہلو بھی ہے

اس نے بحر امدادی سے فیوض حاصل کئے لیکن ڈکار نہ لی اس نے قاسمی نہریں پی لیں مگر ہضم کر گیا اس نے رشیدی گھٹاؤں اور دھواں دھار بادلوں کو چوس لیا مگر بے اختیار نہ ہوا دعویٰ نہ کیا شطحیات نہ سنائیں استقامت سے نہ ہٹا شریعت کو نہ چھوڑا عشق میں گھل کر لکڑی ہو گیا مگر دم نہ مارا۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

یہ انداز صرف شروع کے چند اوراق میں اختیار کیا گیا ہے اس کے بعد مولانا کا قلم حالات و کوائف اور تجربات و مشاہدات کی انتہائی گہرائیوں میں بہت احتیاط کے ساتھ اتر گیا ہے اور پھر مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی روانگی حجاز سے لے کر اسارت مالٹا اور ہندوستان کی واپسی تک مسلسل واقعات کی ایسی تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ ہندوستان، عرب ممالک، ترکی کی مظلومیت اور اتحادیوں کے ریشہ دوانیاں کرشمے اور ظالمانہ رویے کھل کر سامنے آگئے ہیں۔

نقش حیات یوں تو مولانا کی خود نوشت سوانح ہے لیکن اس میں تجربات کے علاوہ سیاسی معلومات کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہے اس میں آپ کا خاص اسلوب نگارش ہے جو بہت ہی سنجیدہ بہت ہی جامع اور بہت پاکیزہ ہے آپ کا قلم بس وہیں تک چلتا ہے جتنا اسے چلنا چاہیئے۔ نہ اتنی تفصیلات اور جزئیات ہوتی ہیں کہ پڑھتے پڑھتے قاری کا جی اکتا جائے۔ اور نہ اتنا اختصار کہ مطلب ہی خبط ہو جائے جس بات کی تفصیل ضروری ہوتی ہے اسے پھیلا کر لکھتے ہیں اور جس بات میں اختصار ہونا چاہیئے اسے مختصر ہی لکھتے ہیں اور سب سے بڑا کمال تو یہ ہے کہ وہ اپنے مطلب کو بہت واضح طور پر سمجھا دیتے ہیں اس طرح قاری میں یقینی کیفیت پیدا کر کے اس کے دل میں احساس و تحریک کی ایک ہلکی سی آنچ پیدا کر دیتے ہیں۔

صاحب قلم چاہے تو کسی معمولی سے واقعہ کو پھیلا کر اسے ایک مکمل کتاب کی صورت میں پیش کر سکتا ہے لیکن یہ خوبی کوئی پسندیدہ چیز نہیں کہی جا سکتی ہے بے ضرورت اور بلاوجہ تحریر کے پھیلاؤ سے قاری اکتا جاتا ہے اور تمام کتاب مشکل سے ختم کرنے کے بعد اس کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ نقش حیات میں یہ بات نہیں اس میں بڑے سے بڑے واقعات کو بھی اختصار و جامعیت کے ساتھ لکھا گیا ہے اور یہ ایک صاحب قلم کی خوبی اور زبان میں مہارت و قدرت کی کھلی ہوئی دلیل ہے نقش حیات میں کہیں الجھاؤ نہیں ملتا مولانا نے عملی زندگی میں جس طرح ایک واضح اور صاف اور متعین راہ اختیار کر لی تھی ان کی تحریروں میں بھی یہی بات ملتی ہے شروع سے آخیر تک ایک ہی رنگ ایک ہی اسلوب اور ایک ہی نشان ملتی ہے اور کہیں بھی کوئی ایسا موڑ نہیں ملتا جہاں قلم نے اپنے حدود سے تجاوز کیا ہو، ادائیگی مطلب کے لئے جن الفاظ کی ضرورت محسوس کی گئی ہے وہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں مولانا جو کچھ کہنا چاہتے تھے اور جس مقصد کے ماتحت انہوں نے قلم کو جنبش دی قاری اسے بخوبی سمجھ لیتا ہے۔ نہ کہیں کوئی گوشہ تشنۂ تکمیل ہے نہ کہیں شک و ارتیاب کی کوئی گنجائش۔

نقش حیات میں کثرت سے انگریزی اور اردو تاریخی کتابوں کے حوالجات پیش کئے گئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو حدیث، تفسیر، فقہ، معقولات کے علاوہ فن تاریخ پر بھی عبور ہے وہ جب کوئی بات لکھتے ہیں تو بے دلیل نہیں لکھتے۔ مذہبی اور علمی مضامین ہوں تو ان میں جا بجا آیات و احادیث پیش کی جاتی ہیں اور تاریخی حالات کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے تو تاریخی کتابوں سے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قاری کے ذہن میں یقینی کیفیت پیدا ہو جائے اور نتیجہ پر پہنچ کر کسی قسم کا شک و تردد باقی نہ رہے اس کے سامنے ایک متعین اور کشادہ راہ کھول دی جائے نقش حیات میں زیادہ تر انگریزوں کی تصنیفات اور تحریروں کا حوالہ دیا گیا ہے جن لوگوں نے ہندوستان پر ظلم کیا اس کی دولت لوٹی اور پھر اپنے احسانات بھی جتائے۔ اور ہر طرح اپنے عیب و جرم چھپانے کی کوشش کی مولانا نے خود ان کی ہی تحریروں سے انہیں بے نقاب کر دیا۔ اور ان کی تمام قلعی کھول کر رکھ دی۔ اور یہ بات ثابت کر دی کہ انگریز ظالم تھے۔ انہوں نے ہندوستان کا خون چوسنے میں اپنی خونخواری کا پورا ثبوت دیا۔ مولانا کے انداز میں اگرچہ ایک طرح کا روکھا پن ضرور محسوس کیا جاتا ہے لیکن ہمیں یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہیئے کہ نقش حیات کوئی ناول نہیں افسانوں کا مجموعہ نہیں، شعر و ادب کی کوئی کتاب نہیں بلکہ خود نوشت سوانح ہے اور ہندوستان کی سیاسی تاریخ پر ایک مکمل کتاب تاریخ کے میدان میں ایک مورخ کے قلم کو تجربہ کار با شعور، افادیت پسند باوزن اور ہر طرح سلجھا ہوا ہونا چاہیئے مورخ کے لئے یہ بات ضروری نہیں کہ وہ ادب تاریخ دونوں کو ایک ہی شاہراہ پر لے چلے ادب اور تاریخ دونوں کی راہیں مقصد اور فن کے لحاظ سے الگ الگ ہیں۔ اگر دونوں کو ایک ہی فن سمجھ کر اختیار کر لیا جائے۔ تو اس صورت میں نہ تاریخ کا امتیاز باقی رہ سکتا ہے نہ ادب اپنے کو منفرد رکھ سکتا ہے مولانا کو نہ مورخ کہا جا سکتا ہے نہ ادیب لیکن اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ پر آپ کو انتہائی عبور حاصل تھا اور انہیں اتنی وافر معلومات تھیں جتنی ایک مؤرخ کے لئے ضروری ہیں۔ اسی طرح انہیں اردو زبان میں بھی زبردست ملکہ تھا اپنے مقصد کو جس طرح چاہا زبان و قلم کے ذریعہ لوگوں کو سمجھایا زبان کی سادگی واقعات کا تسلسل تفصیل و اختصار کا خوشگوار امتزاج خیالات کی صفائی صداقت کا اظہار نظریہ کا شکوہ ضمیر کا خلوص یقین و عزم کی تابندگی قاری کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے یہی وہ چیزیں ہیں جو ذوق کی پاکیزگی و تسکین فکر کو دعوت سرفرازی دیتی ہیں۔ اور صلاحیتوں کو بیدار کر کے ان میں اُمنگ کی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں۔

بسا اوقات میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا کتاب پڑھاتا ہوتا تھا اور آدمی آتا کہ والد صاحب بلا رہے ہیں طلبہ کو رخصت کر کے حاضر ہوتا تو فرماتے کہ مٹی اٹھانے والا یا اینٹ اٹھانے والا مزدور نہیں آیا تم اس کام کو انجام دو۔ مجبوری تمام دن یہ کام کرنا پڑتا اور تمام اسباق کو معطل کرنا پڑتا۔ بسا اوقات ایک ایک دو دو ہفتہ اسباق کو معطل کر کے تمام اوقات

اسی تعمیری خدمات میں صرف کرنا پڑے۔ صفحہ ۱۷ ج اول

یہ کسی ناول یا افسانے کی زبان نہیں ہے اپنی زبان ہے لیکن اس کے باوجود آپ کے قلم نے جو نقوش ثبت کئے ہیں وہ کتنے گہرے کتنے جاذب اور کتنے سادہ ہیں پڑھتے چلے جایئے نگاہ آگے کی سطروں پر خود بخود اشتیاق اور حیرت لئے بڑھتی چلی جائے گی اتنی سی مختصر تحریر میں انہوں نے اپنی زندگی کا ایک نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے لیکن اخلاص و انکسار کے ساتھ زندگی یہی وہ کٹھن منزل ہوتی ہے جسے عبور کرنا سخت دشوار ہوتا ہے مولانا نے ایسے نازک موقعہ پر بھی سیرت کی تعمیر کا خیال رکھا اخلاقی قدروں کو بلند کیا اور خود اخلاص و انکسار اطاعت و ایثار جفاکشی و استقامت اور سنت و سعادت کی مثالی تصویر بن گئے۔ چند سطروں نے ہمیں یہ بتادیا کہ انہیں کتابوں سے فطری تعلق اور دلی رابطہ تھا لیکن والد صاحب کا حکم پہنچا فوراً اس کی تعمیل کی ایک طرف اطاعت والدین کا حق ادا کیا اور دوسری طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت بھی ادا کی۔ مزدور نہ ملنے پر یہ ہوسکتا تھا کہ تعمیر کا کام روک دیا جاتا جب مزدور آتے مکان کی تعمیر ہوتی عجلت کی کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن افلاس اور طرح طرح کی مجبوریوں نے انھیں مسلسل ایک ایک دو دو ہفتہ تک مٹی اور گارے سے کام کرنے پر مجبور کر دیا وہ برابر اپنے کام پر لگے رہے۔ اکتاہٹ، کاہلی، اور دلی کمزوری کے بجائے عزم و حوصلہ محنت و جفاکشی صبر و تحمل جہد و یقین سے کام لیتے رہے سیدھی سادھی بات تھی مولانا نے بے تکلف اور سادہ انداز میں پیش کر دیا۔ نہ کہیں تصنع دیکھائی دیتا ہے نہ الجھاؤ نہ کہیں بھاری بھرکم الفاظ ہیں نہ پیچیدہ اور مشکل ترکیبیں حقیقت تو یہ ہے کہ نقش حیات میں مولانا نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہت کم ہے مولانا کی ذات گرامی اس سے کہیں برتر کہیں بلند اور ممتاز تھی۔ وہ خود اپنے قلم سے ایسی باتیں کیسے لکھتے جن سے خود ان کی تعریف کا کوئی پہلو نکلتا ہو"

مولانا کی تحریروں میں پاکیزگی ستھرائی کے علاوہ یقین و عزم کی کیفیت ہر جگہ ملتی ہے ہمیں کوئی ایسا مقام نظر نہیں آیا جہاں بزدلی خوف اور تذبذب کا احساس ہو ہر نقطہ میں ایک ٹھہراؤ ہے ہر جملے میں ایک وزن اور وقار ہے ہر سطر میں ایک تجربہ اور مشاہدہ ہے جیتی جاگتی زندگی کی ایک تصویر ہے ہم تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ مولانا صاحب طرز ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کی تحریر میں ایک خاص انفرادیت جھلک رہی ہے ادھر ادھر کی باتوں کے علاوہ انھوں نے اپنے مقصد اور موضوع کے دائرے میں رہ کر ٹھوس باوزن اور اصل باتیں پیش کی ہیں حقائق کی نقاب کشائی مقصد کے اظہار اور صداقت کے اعلان میں ایک خاص اسلوب کو اپنایا اور تاریخ کے ضمیر کو نچوڑ کر چند قطرے سامنے رکھ دیئے۔

اسیر مالٹا، نقش حیات الشہاب الثاقب، متحدہ قومیت کے علاوہ آپکے مکتوبات کو جمع کیا گیا ہے مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی نے اسے مکتوبات شیخ الاسلام کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا ہے مکتوبات خالص علمی فقہی اور باطنی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں یہ علم و معلومات کا ذخیرہ ہے اور رشد و ہدایت کا ایک سرچشمہ ان مکتوبات میں مولانا کی مقدس شخصیت اور شخصیت کا بلند کردار کھل کر سامنے آگیا ہے مکتوبات کا کون سا اسلوب پسندیدہ ہے اور کون نہیں یہ تو اپنے اپنے ذوق کی باتیں ہیں کسی نے غالب کے خطوط کو ان کی سادگی بے تکلفی اور ظرافت کی وجہ سے پسند کیا کسی نے مولانا ابوالکلام آزاد کی غبار خاطر کو اس وجہ سے پڑھا کہ اس میں ایک خاص قسم کی ادبی چاشنی ہے الفاظ کی سجاوٹ ہے جملوں کی خوبصورت ترتیب ہے اور خیالات کی رنگینی کے ساتھ معلومات کا دریا موجزن ہے اور مکتوبات شیخ الاسلام کو اس لئے پسند کیا جاسکتا کہ اس میں خالص علمی اخلاقی روحانی باتیں ہیں ایسے خطوط جن میں صرف زبان و بیان کی خوبی ہو اور اس میں کوئی بنیادی افادیت نہ ہو ان کے مطالعہ سے قاری کو ایک لذت تو مل سکتی ہے لیکن اس کی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔ ہمارے اس نقطہ نظر پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ معلومات حاصل کرنے کے لئے بہت سے ذرائع ہیں پھر خطوط و مکاتیب میں اس کا کیا سوال یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے اور ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم دوسروں کے مکتوبات کیوں پڑھتے ہیں اور کسی کے مکتوب پڑھتے وقت ہمارے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا ہے وقت اور دماغ صرف کرنے کے بعد ہمیں کیا ملتا ہے دوسروں کے مکتوبات ہم اسی لئے پڑھتے ہیں کہ ان سے ہمیں کسی قسم کا فائدہ حاصل ہو جو تحریر ہمارا وقت اور دماغ لے کر بھی کچھ نہ دے سکے تو اسے پڑھنے سے کیا حاصل کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ خطوط و مکاتیب الفاظ و تراکیب کا حسین مجموعہ تو ہوں مگر ساتھ ہی ساتھ ان میں افادیت بھی ہونا چاہیئے مکتوبات شیخ الاسلام میں تمام تر ایسے مکاتیب ہیں جو تعلیم و ہدایت کے آئینہ دار ہیں اور کسی نہ کسی کے استبصار پر لکھے گئے ہیں وہ خطوط جن میں علمی اخلاقی فقہی اور باطنی مباحث ہوں، انہیں ان سے زیادہ رنگ نہیں دیا جاسکتا۔

کہا جاتا ہے کہ مکاتیب شخصیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں جس کی شخصیت معلوم کرنی ہو تو اس کے خطوط دیکھے جائیں خطوط کے آئینہ میں شخصیت کی تصویر اپنے اصلی خدوخال میں صاف دکھائی دیتی ہے مکتوبات شیخ الاسلام کے مطالعہ کے بعد ہر شخص حضرت مولانا کی شخصیت کا قائل ہوجائے گا اور ان سے نظریاتی اختلافات رکھنے والوں کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولانا داخلی اور خارجی دونوں اعتبار سے بہت محتاط بہت معروف اور بلند کردار کے حامل تھے مکتوبات زبان کے اعتبار سے بوجھل ضرور ہے اور ہونا بھی چاہیئے جن مکاتب سے تعلیم و ہدایت کا کام لیا جائے۔ علمی فقہی اور باطنی مسائل کو سلجھایا جائے۔ ان میں عربی کے مخصوص الفاظ اور مصطلحات کا پایا جانا ناگزیر ہے

قطعہ سال وفات

رحمت بلند شہری
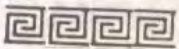
صد حیف رحلت کرد شیخ الاسلام
فیضان علمش بود بحد مشہور
رحمت بگو تاریخ مرگ مرحوم
در ظل رحمت ایست آں مغفور

۱۳۷۷ھ

لقب شیخ الاسلام کا تاریخی پس منظر اور اس کی تاریخی حیثیت

از : حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

دنیائے اسلام میں سب سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اس لقب کے ساتھ موصوف ہوئے یہی دونوں یکے بعد دیگرے شیخ الاسلام کہلائے۔ ان کے زمانے کے بعد سلف صالحین میں چار صدی تک اس خطاب کی شہرت نہ ہوئی پانچویں چھٹی صدی میں اس خطاب نے شہرت عامہ اختیار کر لی۔ پھر سینکڑوں اس لقب کے ساتھ موصوف ہو کر دنیا میں مشہور ہوئے جس پر تاریخ شاہد ہے۔

شیخ الاسلام ابو الحسن علی السعدی، شیخ الاسلام عطاء بن حمزۃ السعدی، شیخ الاسلام علی بن محمد الاسبیجابی، شیخ الاسلام عبد الرشید البخاری جد صاحب خلاصۃ الفتاویٰ کے دادا تھے۔ شیخ الاسلام برہان الدین علی المرغینانی صاحب ہدایہ، شیخ الاسلام نظام الدین عمر بن صاحب الہدایۃ، شیخ الاسلام محمود الاوزجندی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ، نیز شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام زکریا الانصاری وغیرہما یہ سب حضرات فقہاء اعلام اساطین دین، امت اسلامیہ کے دینی و دنیاوی رہبری کرنے والے مدار اسلام تھے۔ احکام شرعیہ کا انہیں پر مدار تھا۔ یہ آئمہ حدیث وفقہ ہیں جو اپنے اپنے دور میں اپنی نظیر خود تھے، ساتویں اور آٹھویں صدی میں اس نے اور عموم اختیار کر لیا مذاہب اربعہ مشہورہ میں پانچویں صدی سے لے کر آٹھویں نویں صدی تک سینکڑوں شیخ الاسلام ہوئے۔ سلف میں یہ لقب ایسے شخص کو دیا جاتا تھا جو فقیہ وقت جامع معقول ومنقول، فقہی علمی، نزاعی مشکلات کا حل کرنے والا منصب افتاء پر فائز اور متبحر فی العلوم ہو، کتائب اعلام الاخیار میں کفوی کا بیان ہے۔

کان العرف علی ان شیخ الاسلام یطلق علی من یصدر الافتاء وحل المشکلات فیما شجر بینھم من النزاع والخصام من الفقھاء العظام والفضلاء الفخام وقد اشتھر بھا من اخیار المائتہ الخامسۃ والسادسۃ اعلام منھم شیخ الامام ابو الحسن علی السعدی۔ وشیخ الاسلام عطاء ابن حمزۃ السعدی و شیخ الاسلام علی بن محمد الاسبیجانی و شیخ الاسلام عبد الرشید النجاری جد صاحب الخلاصۃ و شیخ الاسلام برھان الدین علی المرغینانی صاحب الھدایۃ و شیخ الاسلام نظام الدین عمر بن صاحب الھدیۃ و شیخ الاسلام محمود الاوزجندی وغیرھم کذا ذکرہ الکفوی فی ترجمتہ شیخ الاسلام محمود الاوزجندی۔ (تعلیقات الفوائد ص۱۶)

ایسے شخص کو بھی شیخ الاسلام کا لقب دیا جاتا تھا جس کی زندگی اسلام میں گزری ہو اور اسلامی خدمات انجام دیتا رہا ہو۔ ایسے شخص کو بھی شیخ الاسلام کا لقب دیا جاتا تھا جو درجہ ولایت پر پہنچا ہوا ہو، ایسے شخص کو بھی شیخ الاسلام کے نام سے پکارا جاتا تھا جو متبع کتاب وسنت اور متبحر فی العلوم ہو شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ میں حافظ سخاوی نے کتاب الجواہر فی مناقب العلامۃ ابن حجر میں ذکر کیا ہے جس کو شہاب خفاجی احمد بن محمد المنصری الحنفی نے عنایۃ القاضی حاشیہ تفسیر بیضاوی میں نقل کیا ہے جس کو صاحب تعلیقات

الفوائد نے ص۱۰۱ میں کتاب مذکور کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔

وفی حواشی تفسیر البیضاوی المسماۃ بعنایتہ القاضی الشہاب احمد بن محمد الخفاجی المنصری الحنفی عند قولہ تعالیٰ واذا لقوالذین اٰمنوا قالوا اٰمنا الاٰیتہ قال السخاوی فی کتاب الجوھر فی مناقب العلامتہ ابن حجر۔ شیخ الاسلام اطلقتہ السلف علی المتبع الکتاب اللہ وسنۃ رسولہ مع التبحر فی العلوم من المعقول والمنقول وربما یوصف بہ من بلغ درجۃ الولایتہ وقد یوصف بہ من طال عمرہ فی الاسلام فدخل فی عداومن شاب شیبۃ فی الاسلام کانت لہ نورا ولو تکن ھذہ اللفظتۃ مشہورۃ بین القدماء بعد الشیخین الصدیق رض والفاروق رض فانہ ورد وصفھا بذالک ثم اشتھر بھا جماعۃ من علماء السلف حتی ابتذلت علی رأس المائۃ الثامنۃ فوصف بھا من لایحطی وصارت لقبا لمن ولی القضاء الاکبر ولو عری عن العلم والسن فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتھی کلام السخاوی۔ قلت ثم صارت الامن لقبا لمن تولی منصب الفتوی وان عری عن لباس العلم والتقوی انتھی۔ دکلام الخفاجی)

ہمارے دور میں یہ لقب مولانائے مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات کے ساتھ ایسا خاص ہوا کہ ہر خاص وعام اسی لقب سے انہیں یاد کرتا ہے شیخ الاسلام مولانائے مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ متبحر عالم، جامع علوم وفنون، محدث، مفسر، فقیہ متکلم، حاوی شریعت وطریقت، درجہ ولایت پر فائز، روحانی وشرعی مقتدا اختلافی مسائل کی الجھنوں کو دور کرنے والے، حلال مشکلات، ظاہری وباطنی، مجاہد فی سبیل اللہ، احیاء سنت میں مساعی، کتاب اللہ اور احادیث نبی کریم کے متبع سنت پر عامل، حق گوئی پر جری، اخلاق حسنہ اور تواضع وانکسار کا مجسمہ، خدمت خلق طبیعت ثانیہ، پیشوائے قوم، مقتدائے سالکین، زبدۂ عارفین، دنیائے اسلام میں حیات گزارنے والے ذاکر لیل ونہار متقی وپرہیزگار حب فی اللہ وبغض فی اللہ کی تصویر۔ جوانی وپیری اسلام میں گزارنے والے مبلغ دین و احکام شرعیہ، طبیب امراض دلی۔ علماء سلف کی یادگار، اپنے زمانے کے بایزید وشبلی وغیرہ اوصاف کے حامل تھے۔ جس پر نقش حیات ومکتوبات شیخ الاسلام شاہد ہیں

بنا برعبارات بالا کی تشریحات کے اس خطاب کے شایان اور مستحق تھے اس لئے خداوند عالم جل مجدہ نے مقبولیت بارگاہ ایزدی ظاہر فرمانے کے لئے ہر خاص وعام کی زبان پر اس خطاب کو جاری کرادیا آج دنیائے اسلام ان کو شیخ الاسلام کے لقب سے پکارتی اور یاد کرتی ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

کم قسمتی سے میں ایسا بے بضاعت ونابکار انسان ہوں جسے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات والا صفات سے ادنیٰ نسبت ووابستگی ظاہر کرنے میں بھی شرم آنی چاہیئے مگر جس طرح ایک تناور درخت کے سایہ میں ہر طینت وفطرت کا انسان آرام لے سکتا ہے ایسے ہی یہ نالائق ونامراد بھی ہے جو اسارت مالٹا کے بعد حضرت شیخ الاسلام کی ہر سال ایک دوبار نگینہ تشریف آوری اور غریب خانہ پر قیام سے متمتع ومفتخر رہا ہے، میرے سب سے بڑے چچا مولوی شوکت علی صاحب مرحوم اور والد مولوی حاجی محمد عنایت علی صاحب مرحوم چونکہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے پاپوش برداروں میں تھے اس لئے حضرت شیخ الاسلام کو ان سے محبت تھی اور وہ حضرت شیخ الاسلام سے عشق وعقیدت رکھتے تھے۔ مولوی شوکت علی صاحب مرحوم جب بھی حضرت شیخ الاسلام صاحب کی خدمت میں نگینہ تشریف لانے کے لئے لکھ دیتے تھے۔ میں نے نہیں سنا کہ اس شاہ گدا نواز نے ان کی درخواست نظرانداز فرمادی ہو یا تشریف نہ لائے ہوں؟ اس طرح ہوش سنبھالنے کے ساتھ ہی جو باتیں اپنی خاندانی روایات وشعائر سے ورثہ میں ملیں اور دل پر نقش ہوئیں انہیں بزرگان دیوبند سے عقیدت وعشق کا مرتبہ سب سے اول ہے۔ آخر ۱۹۳۱ء میں وہ دن بھی آیا۔ جب مدرسہ قاسمیہ عربیہ نگینہ کو خیرباد کہہ کر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ شرف نصیب ہوا اور اب تک

جو کچھ سنا تھا اسے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس وقت جانشین شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سفر حج میں تھے۔ مراجعت ہوئی تو کرایہ کے مکان سے کتب خانہ دارالعلوم کے جنوب اور مسجد چھتہ سے متصل دارالاقامہ میں ایک حافظ خانہ کو ایک حجرہ میں منتقل کرا کے مجھے اور مولوی محمود احمد گل کو عنایت فرمایا یہ حضرت کی اس شفقت کا ادنیٰ نمونہ تھا جس کی دوسری انواع کی موجودگی میں نہ جانے کتنے دلوں کو شفقت پدری و مادری یاد نہ رہتی تھی آہ۔ بہرکیف دن اور سال گزرتے گئے۔ ۱۳۵۴ھ میں دارالعلوم کو خیرباد کہنا پڑا اس زمانہ تک حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو جانشین شیخ الہند کے علاوہ کچھ لوگ "امیر الہند" کہتے اور لکھتے تھے۔ اگرچہ جانشین شیخ الہند کے خطاب کی جامعیت اور معنوی وسعتوں کا ٹھکانہ نہیں، مگر میں یہ عرض نہیں کر سکتا کہ حضرت کے نام کسی عریضہ وغیرہ میں صرف یہی القاب لکھ کر مجھے تسکین نہیں ہوتی تھی حسن اتفاق سے ۱۷/اگست ۱۹۳۷ء کو دیوبند حاضر ہوا تو میں نے "تحریک خاکسار" کی نسبت پنجاب ـــ کے کسی خاکسار کے ایک اخباری بیان کے حوالہ سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ جناب والا کو "تحریک خاکسار" کا حامی کہا جا رہا ہے تو حضرت نے جواباً حسب ذیل الفاظ فرمائے جنہیں میں نے لکھ کر حضرت کے روبرو پیش کیا حضرت نے اپنے قلم سے دستخط کئے جو میرے پاس بجنسہٖ محفوظ ہے۔

میں نے تحریک خاکسار ان کی حمایت میں کہیں بھی کوئی بیان نہیں دیا۔ میری نسبت سے نہایت غلط اور ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ میں اس تحریک کو مسلمانوں کے لئے مضر سمجھتا ہوں اور بانی تحریک ہرگز قابل اطمینان شخص نہیں مسلمانوں کو اس سے اور اس کی تصانیف سے بہت بچنا چاہیئے۔

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ ۲۹ ۵/۵۶ ھ

حضرت سے اجازت کے بعد میں نے یہ بیان اپنے ایک نوٹ کے ساتھ بغرض اشاعت اخبارات کو بھیج دیا جس کی سرخی یہ تھی۔

فتنہ خاکسار اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی

اس طرح جہاں تک میرے علم و مطالعہ کا تعلق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ "شیخ الاسلام" کا خطاب پہلی بار اخبار میں طبقہ کے سامنے آیا۔

اس کے بعد ۱۷/دسمبر ۱۹۳۸ء کو بجنور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے شرف نیاز حاصل ہوا تو سلہٹ (آسام) میں "امامت عید" اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی جلاوطنی کی نسبت میرے استفسار پر حضرت شیخ الاسلام نے "امامت عید" کی نسبت ایک بیان عطا فرمایا اور مولانا سندھی کا ایک خط مورخہ ۸ نومبر ۱۹۳۸ء از مکہ معظمہ دکھایا۔ ہر دو امور کو میں نے مفصل طور پر ضبط تحریر میں لا کر حسب ذیل سرخیوں کے ساتھ اخبارات کو بھیج دیا۔

۱) "سلہٹ میں شیخ الاسلام کی امامت عید پر اخباری اطلاعات بے بنیاد ہیں"

۲) "شیخ الاسلام کے نام مکہ معظمہ سے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کا خط"

بقول حضرت شیخ سعدیؒ

گاہ باشد کہ کودکے ناداں
بغلط بر ہدف زند تیرے

یا بقول کسے: "دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے"۔

سنجیدہ نگار اخبارات اور حضرت کے عشاق متوسلین نے لفظ "شیخ الاسلام" کو بے ردو قدح اپنا لیا اور آج وہ ایسا لفظ ہے جس کے بغیر حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا نام نامی ادھورا سا معلوم ہوتا ہے۔ گویا یہ ایک ایسا خطاب ہے جسے کسی نمائندہ اجتماع نے طے کر کے اختیار کیا ہوا اور اس میں چوں وچرا کی گنجائش ہی نہ دی ہو اور جس سے تسکین کے لئے راقم کی روح کو تلاش تھی! اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے میرا قلم تھرا رہا ہے کہ مبادا کوئی صاحب اس کو اپنی تشخص و تفنن طبع کی اشاعت کا ذریعہ نہ سمجھ لیں۔ حالانکہ یہ عشق و مستی کی باتیں ہیں اور انہیں وہ لوگ بھی معذور و منصور ہوتے ہیں جو خواب و بیداری میں اپنے شیخ و مرشد کو محیر العقول احوال میں دیکھتے اور ان کے بیانات ان کے شیوخ کی سوانح کا جزو بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح امیدوار ہوں کہ مجھے بھی عفو و درگذر سے نوازا جائے گا۔

ضروری گذارش از محمد میاں عفی عنہ

خاکسار تحریک کا قصہ عرصہ ہوا تمام ہو چکا۔ اس وقت اس کا تذکرہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ البتہ اس سے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے تدبر بصیرت اور آپ کی فراست ایمانی کی شہادت ضرور مہیا ہوتی ہے کما قال صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ یری بنور اللہ۔ (اوکما)

ہاں خطاب شیخ الاسلام کی بحث ضرور دلچسپ ہے۔ حضرت مولانا خورشید عالم صاحب ہاشمی کے ارشادات بجا و درست! مگر ہمیں بھی عرض کرنے کا موقع ملنا چاہیئے۔ قومی خطابات ایک داستان رکھتے ہیں۔ یہ داستان تفصیل سے تو نہیں اختصار کے ساتھ ضرور آ جانی چاہئیں۔ یہ خطابات جو وفاداری حکومت کا نہیں، بلکہ خیر خواہی ملک و ملت کا طغراء امتیاز تھے ان کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب قوم نے سرکاری خطابات کا بائیکاٹ طے کیا۔ یہ وقت تھا جس کو ہم تحریک خلافت کا دور کہتے ہیں جو ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۲ء تک جذبات ملت پر حکمرانی کرتا رہا۔ گاندھی جی کو مہاتما کا خطاب اسی وقت ملا۔ حکیم اجمل خان صاحب

ئے سرکاری خطاب واپس کیا تو قوم نے ان کی دستار حذاقت پر طرۂ "مسیح الملک" اس طرح چسپاں کیا کہ وہ ان کے نام نامی کا جزو اعظم بن گیا۔

حضرت مولانا محمود الحسن صاحب صدر المدرسین دار العلوم دیوبند مالٹا سے رہا ہو کر ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ، ۸ جون ۱۹۲۰ء کو ساحل بمبئی پر ورود فرما ہوئے تو ان کا اصلی اور قدیمی نام تعارف کے لئے ناکافی ہو گیا۔ اب جو لفظ آفتابِ فضل و کمال کے لئے شعاع کا کام دے رہا تھا۔ وہ شیخ الہند کا خطاب تھا جو برقی قوت نہیں بلکہ ایٹمی قوت کے ساتھ آناً فاناً پوری دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا۔

اس وقت استقبال کرنے والوں میں حضرت شیخ الہند کی انجمن سیاست کے نوخیز رفیق مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی رحمہما اللہ پیش پیش تھے۔ یہ ان کی قیادت کا وہ دور تھا کہ مہاتما گاندھی بھی اس پر ناز کرتے تھے کہ وہ محمد علی کی جیب کا ایک سکہ ہیں۔

اس خطاب کو شائع کرنے میں جس نے پوری قوم کے جذبات کی ترجمانی کی وہ بظاہر مولانا محمد علی جوہر تھے۔ رحمۃ اللہ۔

مگر افسوس حضرت شیخ الہند کا یہ آفتابِ عرفان دہدیٰ، غروب کے وقت ہندوستان پر ضیاء افشاں ہوا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد جب یہ غروب ہو گیا۔ تو جس ماہتاب پر لوگوں کی نگاہیں آکر ٹکتی تھیں۔ وہ یہی حضرت قدسی صفات مولانا حسین احمد مدنی تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کے فراق سے مرجھائے ہوئے دلوں نے آپ کو جانشین شیخ الہند کہہ کر اور سمجھ کر تازگی حاصل کی۔

احقر کو خوب یاد ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد جب حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی غالباً کلکتہ سے واپس دیوبند تشریف لائے تو خلافت کمیٹی کی طرف سے ایک جلسہ "ضیاء الحق کے ٹر" پر کیا گیا۔ منتظمین جلسہ نے تعارف کراتے ہوئے آپ کو "جانشین شیخ الہند" کہا اس کے بعد جانشین شیخ الہند تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو تقریر کا ابتدائی حصہ اس خطاب کی مدلل تردید میں صرف ہوا۔ تردید کا بیشتر حصہ حضرت شیخ الہند کے اعلیٰ مناقب اور اپنے انکسار و تواضع اور نااہلیت کے بیان پر مشتمل تھا اس احقر کو اپنے بچپن اور ابتدائِ شعور کے اس دور میں جو دلیل سب سے زیادہ وزنی معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ جانشین خلیفہ کو کہا جاتا ہے اور مجھے خلافت حضرت گنگوہیؒ کے دربار سے ملی ہوئی ہے۔ لہٰذا مجھے جانشین شیخ الہند کہنا غلط ہے

بہرحال ایک عرصہ تک جانشین شیخ الہند کا خطاب چلتا رہا۔ پھر لفظ جانشین تکلف معلوم ہونے لگا تو سیدھا سیدھا شیخ الہند کہا جانے لگا۔

۱۹۲۹ء کانگریس کی تحریک آزادی نے کروٹ لی تو حضرت مدنی کے تعارف کے لئے جانشین کا لفظ کم اور شیخ الہند کا خطاب زیادہ استعمال ہوتا تھا۔ تین چار سال یہی صورت چلتی رہی اور قلم اس تکلف کو برداشت کرتے رہے، مگر دشواری یہ تھی کہ اسی زمانے میں مدینہ پریس حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ مولانا عثمانیؒ کے فوائد و تفسیر کے ساتھ شائع کر رہا تھا اور اس کی طرف سے پوسٹروں اور اخبارات میں شیخ الہند کا خطاب حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز کے لئے استعمال کیا جا رہا تھا، تو یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ کچھ تحریروں میں حضرت مدنی رح کے لئے شیخ الہند ثانی کا خطاب استعمال کیا گیا۔ اب ۱۹۳۵ء کا وہ دور آیا جس میں جدید انڈیا ایکٹ نافذ ہوا اور قوم میں انتخابات کے ولولے اُمنڈنے لگے۔

مولانا شوکت علی زندہ تھے۔ وہ اپنے ضعف اور پیری کے باوجود میدان میں آگے آئے۔

جناح صاحب نے کاشانہ وکالت سے نکل کر جمعیت علماء صوبہ دہلی کے اجلاس میں شرکت کی اور ایک نئے سیاسی مؤقف کے لئے لیگ نے جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم کو اپنایا اس وقت تو اس کو بھی "کانگریس کا بچہ نوزائیدہ" کا خطاب خود اپنے چھوٹے ہوئے ساتھیوں کی زبان سے سننا پڑا یہی چھوٹے ہوئے ساتھی تھے۔ جنہوں نے انتخابات کے بعد پھر لیگ کو پرانے مؤقف کی طرف کھینچ لیا، بہرحال اس اشتراک و تعاون باہمی کی ہماہمی میں دو خطاب اس طرح منصۂ شہرت پر جلوہ گر ہوئے اور وہ اپنے مخاطبین کے پیشانیِ فضل و کمال کا اس طرح جھومر بن گئے جیسے گاندھی جی کے لئے مہاتما اور باپو اور مولانا محمود الحسن صاحب کے لئے شیخ الہند کا خطاب،

جب ۱۹۱۷ء و ۱۹۱۸ء میں تحریک خلافت شروع ہوئی تھی اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب ابھی مالٹا سے تشریف نہیں لائے تھے تو اس وقت کانگریس اور خلافت کمیٹی کی تجویزوں کے پوسٹران پر یہ لکھا جاتا تھا۔ مہاتما گاندھی کا فیصلہ اور مولانا عبدالباری کا فتویٰ ۱۹۳۵ء و ۱۹۳۶ء کے زمانے کے پوسٹروں میں ایسے پوسٹر بھی ملیں گے جن پر چھپا ہوا ہوگا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کا فیصلہ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا ارشاد۔

بس اب اس موضوع پر زیادہ لکھنا طول لاطائل ہے، البتہ ایک بات اور یاد دلا دی جائے کہ اسی زمانے میں ایک ماہانہ رسالہ مراد آباد سے شائع ہوا تھا اس کا نام "قائد" تھا اور اس پر ایک شخص کے لئے "قائد التحریر" بھی لکھا جاتا تھا اس سے پہلے قائد کا لفظ صرف ایک جگہ ملتا تھا۔ یہ سہ روزہ الجمعیۃ کے کالم تھے جن میں محی الدین صاحب نائب ایڈیٹر الجمعیۃ کے مضامین "قائد کے اشارہ" کے ساتھ شائع ہوا کرتے تھے، کیونکہ قائد محی الدین صاحب کا تخلص تھا۔

احقر شیمی صاحب کی تردید نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے شیخ الاسلام کا خطاب اخبار بیں طبقہ کے سامنے "اخبار" کے ذریعہ پہلی بار اسی وقت آیا ہو جس کا حوالہ مولانا شیمی صاحب نے دیا ہے۔

ہاں اس موقع پر یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ خود حضرت شیخ الاسلام

جس طرح اپنی شان میں کوئی بھی تعریفی جملہ سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے اسے بھی جب کبھی کسی کی زبان پر حضرت کے سامنے یہ لفظ آجاتا تھا تو پیشانی مبارک پر فوراً شکن پڑجاتی تھی۔

ایک مرتبہ مجلس عاملہ جمعیت علماء ہند کا اجلاس ہو رہا تھا، سابق اجلاس کی کارروائی سنائی جارہی تھی اس میں حضرت کے نام کے ساتھ شیخ الاسلام کا لفظ لکھا گیا تھا، ہمارے بہت بڑے دلیر مقرر مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ نے جب کارروائی سناتے ہوتے لفظ شیخ الاسلام ادا کیا تو خود شیخ الاسلام کے عتاب کی انتہا نہ رہی۔ جب تک ریکارڈ سے اس لفظ کو نکلو نہیں دیا۔ آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی۔

مجاہد ملت کے دلائل کی بھی ترکی تمام ہوگئی۔ لامحالہ حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔

تدابیر صحت اور مولانا مدنیؒ

از

مولانا حکیم مولوی سید مختار احمد صاحب

کامل انچارج تصنیف و تالیف طبیہ کالج علیگڑھ

تاریخ اسلام کا دامن بے شمار علماء و فضلاء، حکماء و اطباء سے بھرا پڑا ہے۔ ان میں بعض ہستیاں جامع الصفات تھیں۔ یہاں تک کہ ان کو مجدد اسلام کا خطاب دیا گیا۔ چنانچہ حجۃ الاسلام ابو حامد الغزالی رحمۃ اللہ۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ۔ امام فخر الدین رازیؒ۔ علامہ ابن تیمیہ (احمد بن عبد الحلیمؒ) اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ایسی ہی شخصیتیں تھیں۔

علامہ شبلی مرحوم نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ اگر حدیث کو صحیح مان لیا جائے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد پیدا ہوگا تو اب تک تیرہ مجدد اسلام پیدا ہونے چاہیئں۔ آگے چل کر شبلی مرحوم نے لکھا ہے کہ مجدد یا ریفارمر کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں۔

۱۔ مذہب یا علم یا سیاست میں کوئی مفید انقلاب پیدا کر دے۔
۲۔ جو خیال اس کے دل میں آیا ہے کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو، بلکہ اجتہاد ہو۔
۳۔ جسمانی مصیبتیں اٹھائی ہوں، جان پر کھیلا ہو، سرفروشی کی ہو۔

ان شرائط کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو مولانا مدنیؒ میں یہ تمام شرائط بیکجا پائی جاتی ہیں۔

گو مولانا مدنیؒ درس حدیث اور تعلیم قرآن کو اپنا مطمح نظر تصوّر فرماتے تھے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ مولانا مرحوم نے مسجد نبوی صلعم میں بیس سال تک اپنے اس مشغلہ کو انجام دیا تھا اور یہ بھی روشن ہے کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں آپ کے مواعظ کا مقصد —— قال اللہ اور قال الرسول، ہی ہوتا تھا۔

لیکن مولانا مدنیؒ نے دیگر علماء کی طرح اپنا فرض منصبی صرف تعلیم و عبادت کو ہی قرار نہیں دیا تھا، بلکہ مہمات سیاست اور انقلابات ملکی میں دخل دینا اور ان کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانا بھی اپنا فرض سمجھتے تھے۔ آپ کی پوری زندگی سیاست ملکی یا ملی سے وابستہ رہی، آپ کی عمر کا بیشتر حصہ قید و بند کے مصائب میں گزرا۔

آپ کی اس سیاسی زندگی پر بڑے بڑے اہل قلم، علماء و فضلاء مضامین تحریر فرما رہے ہیں جن سے مولانا کی شخصیت ہر پہلو، علم و فضل، راہنمائی و رہبری سیادت و سیاست اور بحیثیت ریفارمر اور مجدد اسلام ہونے کے امور واضح ہوجائیں گے۔

میں اس وقت مولانا مرحوم کی تعلیمات کے ایک اہم گوشہ کی جانب توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جس پر اگر ملت اسلامی نے توجہ دی ہوتی تو دور گذشتہ کے بہت سے مصائب پیش ہی نہ آتے اور اگر پیش آتے تو وہ اس قدر ہلاکت خیز نہ ہوتے اور اب بھی اگر توجہ دی جائے، اور اس تعلیم کو اصول زندگی میں شامل کرلیا جائے۔ اور بطور ایک فریضۂ ملی اس کو اختیار کرلیا جائے تو حفظ صحت توانائی اور دنیاوی سرخ روئی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں اور پھر وہی اگلا سا اطمینان قلب و سکون ذہنی۔ فارغ البالی اور راحت جسمانی میسّر آسکتی ہے، ان صفات کا لازمی نتیجہ حسنِ اخلاق اور شرافتِ نفس ہے جس سے ملّتِ اسلامی سرفراز ہو سکتی ہے۔

مولانا مرحوم علمی رہنما تھے آپ نے "ورزش و تدابیر صحت" کے لئے صرف مواعظ پر ہی اکتفا نہیں فرمائی، بلکہ اس تعلیم کو عملی جامہ بھی پہنایا۔ مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جب آپ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لائے۔ تو ان تین امور پر بھی زور دیا جو دارالعلوم کے لئے ایک نئی چیز تھے، لیکن مولانا مرحوم کی شخصیت نے ان تینوں امور کو منظور

کرادیا۔ ان چیزوں کا مرکز تعلیم دارالعلوم دیوبند میں قائم کرنا مولانا کی دوربین نگاہوں کا ایک بین ثبوت ہے۔

مولانا مدنیؒ نے دوسری تبدیلیوں کے علاوہ تین شعبہ جات تعلیم نئے کھلوائے اور ان کے لئے فوراً ہی معلمین کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ چنانچہ انگلش تعلیم کے لئے ایک معلّم (؟)، ہندی تعلیم کے لئے دوسرا معلم اور تیسرا معلم جسمانی ورزش اور تدابیر صحت کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

جسمانی ورزش اور تدابیر صحت کے اس نگراں کو استاد فن کہا جاتا تھا اس شعبہ کے لئے استاد محمد ظہیر مظفر نگری کو مقرر کیا گیا۔ تعلیمی اوقات کے علاوہ کھلے میدان اور تازہ ہوا میں ورزش جسمانی کے اوقات صبح بعد نماز فجر اور شام کو بعد نماز عصر مقرر تھے

پہلی جماعت یا بیج جو جسمانی ورزش میں شریک ہوا تھا ان کے چند نام مجھے یاد ہیں۔ ان میں حامد میاں غازی۔ یعقوب بہاری۔ علیم الدین آردی قاضی جواد کرت پوری۔ سید ارتضیٰ علی نگینوی اور راقم الحروف (سید مختار احمد) وغیرہ شامل تھے۔

مولانا مدنیؒ کو اس شعبۂ ورزش سے اس قدر دلچسپی تھی کہ کچھ عرصہ کے بعد مولانا موصوف چند بیرونی حضرات کے ساتھ معائنہ کے لئے تشریف لائے اور اس سے پہلے بیج کی ورزش دیکھ کر اپنی جیب خاص سے پانچ روپے بطور انعام دے کر جناب استاد محمد ظہیر اور شاگردوں کی ہمت افزائی فرمائی۔

سیاست کی طرح مولانا مرحوم اپنے اس نظریہ تدابیر صحت میں بھی یگانہ و تنہا تھے۔ یعنی آپ سے قبل کسی عالم و مبلغ نے ملت اسلامی کو اس جانب متوجہ نہیں کیا تھا۔ ورزش جسمانی اور تدابیر صحت کو مولانا مرحوم کس قدر اہم خیال فرماتے تھے اور مولانا کے قلب و ذہن میں یہ نظریہ کس قدر جاں گزیں تھا خود مولانا کے ارشادات سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس وقت میں ایک مختصر حوالہ مولانا کے مکتوب کراچی سے نقل کر رہا ہوں جو روزنامہ الجمعیۃ مورخہ ۹، دسمبر ۵۷ء میں مولانا کی وفات کے بعد شائع ہوا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"میرے عنایت فرما بزرگو! ہم کمزور ہیں، ہم میں اتفاق نہیں، ہم ہتھیار نہیں رکھتے، ہم مال نہیں رکھتے۔ ہمارا دشمن قوی ہے۔ اس کے پاس ہر قسم کا سامان ہے، ہم کو اسے سیدھا کرنا اور اس سے بدلہ لینا ہے، مگر ہمیشہ مقابلہ سمجھ اور طاقت کے ساتھ کرنا ہوتا ہے۔ یہی طریقہ قرآن۔ حدیث اور انحضرت صلعم نے بتایا ہے اس لئے ہم کو جب تک ہمارے مقاصد حاصل نہ ہو جائیں، یعنی خلافت کی آزادی، جزیرۃ العرب کی آزادی، ہندوستان کی آزادی، پنجاب کی تلافی اس وقت تک ہم کو نہ چین سے بیٹھنا ہے نہ بیٹھنے دینا ہے۔ آپ یہ سوال کریں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ میں کہوں گا کہ آپ پر شرعاً فرض ہے کہ اگر ایک مری ہوئی چیونٹی کی طرح آپ کاٹ سکتے ہیں تو ضرور کاٹ لیجئے۔ اس کے معنی یہ نہ سمجھئے کہ خلاف امن کوئی بات کریں، خونریزی کریں۔ نہیں نہیں، صلح اور مشورہ کے ساتھ جس قدر ممکن ہو، نقصان پہنچائیں دوسروں کو آمادہ کر دیں۔ دشمن کی قوت کو کمزور کریں، ان کی تجارت کو گھٹائیں ان کی صنعت کو گھٹائیں۔ ان کی محبت ان کے خوف کو دلوں سے دور کریں لوگوں میں جرأت پیدا کریں۔ سچ کہنے سے نہ جھینپیں، لوگوں کو نرمی اور حکمت عملی سے سمجھائیں۔ شدت کو کام میں نہ لائیں۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کو ملائیں، ملے ہوؤں کو نہ توڑیں۔ اسی دُھن میں رات دن لگے رہیں۔

لوگوں میں سپہ گری پھیلائیں۔ بانک۔ پٹہ۔ لکڑی۔ تلوار۔ گھوڑے کی سواری وغیرہ، جو ہمارے بزرگوں کا طریقہ تھا۔ جس کو تمام شریف خاندانوں کے لوگ سیکھنا اپنا فخر سمجھتے تھے۔ اس کی طرف لوگوں کو ترغیب دیں۔ کم از کم روزانہ ایک آدھ گھنٹہ اگر یہ عمل جاری رہے تو ہم خرما و ہم ثواب کا کام دے جسمانی صحت حاصل ہو۔ ایک فن ہاتھ میں رہے۔ وقت بے وقت کام آئے اور مال و اولاد کی حفاظت ہو"۔

شیخ الاسلامؒ

انعام تھانوی

اف عارف و محدّثِ ذیشاں نہیں رہا / یکتائے عصر و فاضلِ دوراں نہیں رہا
عالم تھا جس سے بقعہ انوار و پُر ضیا / وہ علم و فن کا مہرِ درخشاں نہیں رہا
جس کی "صدائے خوش" پہ رواں تھا کارواں / وہ دشتِ معرفت کا حدی خواں نہیں رہا
حاصل تھی جس کو دولتِ عرفاں و آگہی! / وہ ماہرِ طریق، مسلماں نہیں رہا
بزمِ فنا میں جس کی بقا سے تھیں رونقیں / افسوس اس سرا میں وہ مہماں نہیں رہا
رحمتِ ہر اک صغیر پہ توقیر ہر کبیر / رتبہ شناسِ خورد و بزرگاں نہیں رہا
انسانیت کو ناز تھا جس نیک ذات پر / افسوس اس جہاں میں وہ انساں نہیں رہا
باطل کا دیو لرزہ بر اندام جس سے تھا / وہ صدق و حق کا شیرِ نیستاں نہیں رہا
جو تھا جہاں میں عالم و صوفی و متّقی! / وہ کاربندِ تقویٰ و احساں نہیں رہا
وہ جس سے کشتِ قلب تھی شاداب و پربہار / فیض و کرم کا ابرِ بہاراں نہیں رہا

انعامؔ کیوں نہ دل کو تاثر ہو بے پناہ
اک جامع و بزرگ تر انسان نہیں رہا

حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا مقولہ ایک واسطے سے سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ہوتی ہے حضرت مدنیؒ کے بارے میں فرمایا ولنعم ما قال کہ ان میں دو خصوصیتیں ممتاز ہیں۔ ایک "تواضع" دوسرے "ہمت"۔

بندہ کا تاثر بھی یہی ہے کہ حضرت کے بے انتہا اوصاف میں جو مرکزی اور بنیادی خصوصیات ہیں۔ ان میں آپ کی بیحد تواضع اور بلند ہمتی بھی ہے کہنے کو تو من تواضع لِلّٰہ رفعہ اللّٰہ پڑھ بھی دیا جاتا ہے اور سن بھی لیا جاتا ہے، لیکن اس پر عمل کر لینا اور وہ بھی اس حد تک کہ بلا تصنع اور بے تکلف درجہ حال تک پہنچ جائے۔ وہ حضرت مولانا ہی کو دیکھا ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے بارے میں سنا تھا کہ وہ خود کو در و دیوار سے کمتر سمجھا کرتے تھے، لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے رات دن کے مشاغل اور ہر نقل و حرکت میں اس کا تجربہ ہوا کہ وہ خود کو اس سے بھی زیادہ بدتر سمجھتے تھے۔ "ننگ اسلاف" کو انہوں نے اپنے نام کا ایک جزو بنا لیا تھا۔ کوئی دستخط اس سے خالی نہیں ہوتے تھے۔ ہر جگہ مجلس میں اس کی کوشش رکھتے تھے کہ اپنے لئے بیٹھنے میں کوئی امتیازی صورت نہ رہنے پائے۔ دارالعلوم دیوبند کا روایتی طریقہ قوموا السیّد کم کے مطابق یہ رہا ہے کہ بڑوں کی آمد و رفت کے وقت ادباً چھوٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن حضرت مولانا نے بذاتِ خود اپنے لئے کھڑے ہونے کو کبھی کسی مجلس میں پسند نہیں فرمایا، بلکہ سختی سے ڈانٹ کر فرماتے لا تقوموا کالاعاجم۔ کبھی اگر ناواقفیت یا تقاضا طبعی سے مجبور ہو کر اہل مجلس کھڑے بھی ہو جاتے تو لطیف پیرایہ میں عجیب علاج فرماتے کہ خود بھی خاموش کھڑے رہتے، تا آنکہ کھڑے ہونے والے متنبہ ہو کر خود ہی بیٹھنے پر مجبور ہو جاتے۔ ایک دفعہ [illegible]

سلام پھیرنے کے بعد حضرت کے بازو میں بیٹھنے والے صاحب ادباً پیچھے کو کھسک گئے۔ حضرت بھی خاموشی سے پیچھے کھسک گئے، وہ اور کھسکے، تو حضرت بھی کھسک کر برابر ہو گئے اور زبان سے کچھ نہیں فرمایا۔ عمل سے بتلا دیا کہ دربارِ خداوندی میں یہ طریقہ بے ادبی ہے۔ وہاں چھوٹے بڑے سب چھوٹے ہیں حضرت کے بڑوں اور معاصرین کا تو خیر کیا ہی پوچھنا، چھوٹوں اور چھوٹوں کے تخاطب ان الفاظ سے فرماتے۔ کہیئے حضور کیا حکم ہے؟ کیسے تشریف لانا ہوا۔ دعوت کے لئے اگر کوئی عرض کرتا تو فرماتے "گدھے کا کھلایا پاپ نہ پن" اپنے غلاموں کو خط لکھتے تو القاب و آداب سے معلوم ہوتا کہ بڑے کو خط لکھا جا رہا ہے۔ یہ وہی کر سکتا ہے جس نے علم کے بعد اخلاق و ملکات فاضلہ کا مقام اعلیٰ حاصل کر لیا ہو مکائدِ نفس پوری طرح سمجھتے ہوں۔ نفسِ امارہ کو مقہور کر کے نفسِ مطمئنہ بنا لیا ہو ورنہ تواضع کی ایک خطرناک قسم تواضع نما کبر بھی ہے جس سے الا ماشاء اللہ بہت کم لوگ بچے ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا کی منکسر المزاجی کو اس وقت اور بھی چار چاند لگ جاتے ہیں۔ جب ہم ان کی سیاسی ہنگامہ آرائیوں پر نظر ڈالتے ہیں اس میخانہ میں اچھے اچھوں کی پگڑی اچھلتی دیکھی گئی ہے۔ شاندار جلسے جلوس، پھولوں کے گجرے اور ہار، مصافحوں کی بھرمار، نعروں کے طومار، دماغ بہک جانے کے لئے کافی ہتھیار ہیں، لیکن مولانا کا کسی خوش فہمی اور مغالطہ کا شکار ہونا تو درکنار انہوں نے تو کبھی اپنی ادنیٰ تعریف سننا بھی کسی طرح گوارا نہیں کیا۔ تعریف کرنے والوں کو مشتعل ہو کر اس بری طرح جھاڑتے کہ غریب کو پیچھا چھڑانا ہی بھاری پڑ جاتا۔

ابھی دو سال کی بات ہے جب آخری حج سے واپس ہوئے تو طلباء نے

شوق میں تہنیتی جلسہ کیا اور حضرت مہتمم صاحب کے توسط سے قصائد پڑھنے کی اجازت چاہی تو فرمایا کہ میری تعریف کا اگر کوئی لفظ بھی آیا تو میں اٹھ کر چلا جاؤں گا۔ حضرت مہتمم صاحب نے بے ساختہ کہا۔ حضرت تعریف نہیں اظہار واقعہ ہوگا بہر حال اصرار کے بعد کسی طرح راضی ہوئے۔ مگر جب جلسہ ہوا تو وہاں اس طرح تشریف فرما ہوئے کہ نیند آگئی۔

طلباء نے نثر ونظم میں سب کچھ کہا مگر حضرت کو مطلق خبر نہیں اس طرح طلباء کے جذبات بھی پورے ہوگئے اور اپنے نفس کی حفاظت بھی کرلی۔

مولانا کی بلند ہمتی کے بارے میں حضرت مہتمم صاحب کی تعبیر بہت صحیح ہے کہ ان کی ہمت کے سامنے نوجوانوں کی ہمت بھی شرماتی ہے۔ آرام و راحت تو ان کے لغت میں آیا ہی نہیں۔ پھر تماشہ یہ کہ ہر کام اس قدر اطمینان اور انہماک سے کرتے کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ آپ کو اس کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں، کثرت کار کے باوجود ایک کام کا بوجھ دوسرے کام پر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

تنہا کسی ایک وصف میں انسان کا کمال حاصل کر لینا مستبعد نہیں لیکن تمام میدانوں میں گوئے سبقت لے جانے والے نفوس کاملہ یقیناً کم گزرے ہیں ناچیز کے خیال میں تیسرا مرکزی اور ممتاز وصف مولانا کا یہ ہے کہ وہ نہ صرف جامع بلکہ جامع اضداد تھے۔ اسی لئے ان کی وجہ سے بہت سے فتنے بند تھے مختلف الخیال حضرات کا منتہیٰ ان کی ذات تھی سب ان کو اپنا بڑا اور مقتدر مانتے تھے ایک طرف وہ سیاسی ہنگامہ آرائیوں میں نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف درس وتدریس اور ورد و وظائف کی خلوت پسندیوں میں منہمک معلوم ہوتے ہیں۔ معروفات اور بھلائیوں میں منکسر المزاج تھے، لیکن باطل اور طاغوتی طاقتوں اور منکرات کے مقابلہ میں جبار و متشدد تھے۔ شیخ درس شیخ طریقت شیخ سیاست ہونے کے ساتھ بہترین مربی بہترین دوست، بہترین خادم بہترین انسان تھے، رزم بزم دونوں کے شہسوار، صاحب السیف والقلم اپنے نفس کے لئے بخیل اور دوسروں کے لئے جواد و سخی دن میں بے نظیر شجاع اور مجاہد رات کو رہبان وزاہد۔ ہم فی النہار فرسان وبالليل رهبان۔ غرضیکہ خلوت در انجمن اور باہمہ بے ہمہ تھے۔

در کفے جام شریعت در کفے سنداں عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

چوتھا تاثر بندہ کا حضرت کے حق میں یہ ہے کہ اہل اللہ، ذوقی خصوصیات اور گرد وپیش کے مخصوص حالات اور خدمات کے پیشِ نظر انبیاء کی نسبتوں پر ہوتے ہیں۔

مجھے اگر کسی قدر بصیرت ہوتی حضرت مولانا کے بارے میں یہ عرض کرتا کہ وہ سیدنا ابراہیمؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم نسبتوں کے جامع تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرت میں تین باتیں نظر آتی ہیں ایک عظیم مقصد اور نبوت کے مشن کو لے کر کھڑا ہونا دوسرے مقصد کی اہمیت کے پیش نظر عظیم الشان قربانیاں دینا اور تیسرے امتحان وآزمائش کی کامیابی پر امامت وسیادت سے سرفراز ہونا۔

عظمت مقصد!

حضرت مدنی قدس سرہٗ کی زندگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ہمیں یہی تین باتیں نظر آتی ہیں۔ اللہ نے عام مخلوق کے مفاد کے پیش نظر انگریز جیسی ظالم وجابر حکومت کے پنجۂ استبداد کو توڑنے کا جو منصوبہ، خانوادہ ولی اللہی کے لئے تجویز و مقدر کیا تھا اس کی تکمیل اس مرد مجاہد اور حق آگاہ شیخ کے ہاتھوں کرانی تھی چٹائیں اور بوریوں پر بیٹھنے والا یہ مرد درویش ایک ایسے شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہوتا ہے جس کا بلیشہ حکومت میں ۲۴ گھنٹے آفتاب طلوع ہونے پر مجبور رہتا تھا۔ شیر پھر اغرایا اس بوریا نشین کو ختم کرنا چاہا بالآخر وہ خود اپنا بوریا سمیٹنے پر مجبور ہوگیا۔

قدرت جب کسی سے کوئی کام لینا چاہتی ہے تو اس پر اس قسم کی دھن سوار کردیتی ہے۔ مولانا اور ان کے ساتھی اپنی دھن کے پکے تھے۔ انگریز بھی اپنے تمام سیاسی حریفوں میں ان کو دشمن نمبر ۱ سمجھتا تھا ان کو نیچا دکھانے اور ان کے لئے انگریز نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا۔

قربانی

مولانا کو بڑی سخت آزمائشوں اور کٹھن راستوں سے گزرنا پڑا۔ ان کے سامنے دار ورسن پیش ہوئے۔ مالی مشکلات اپنے اور بیگانوں کی سرتوڑ کوششیں تیز تر ہوئیں اور اس درجہ ان کو بدنام کیا گیا کہ اس سرزمین پر ان سے زیادہ کوئی مقبوض نظر نہیں آتا تھا، مگر مولانا کے پائے استقامت میں ادنیٰ جنبش نہیں ہوئی اس عظیم جدوجہد میں ان کا مقصد اپنا ذاتی مفاد یا صرف مسلمانانِ ہند اور اہلِ ہند کا دنیوی مفاد نہیں تھا، بلکہ پورے ایشیا کا دنیاوی مفاد اور کل عالم اسلام کا دینی مفاد پیش نظر تھا اس لئے انہوں نے کبھی بڑی سے بڑی قربانی دینے میں دریغ نہیں کیا، تا آنکہ وطن آزاد ہوا اور ہندوستان کے ساتھ تمام ایشیا کے دوسرے ملکوں نے بھی انگڑائیاں اور کروٹیں لیں، آزادی وطن کے بعد مولانا کا کام ختم ہوگیا۔ قدرت نے جو مقصد ان سے وابستہ کیا تھا اس میں وہ ناکام نہیں رہے کامیابی نے ان کے قدم چومے اور مقبولیت وامامت کا خلعت ان کو پہنا دیا گیا۔ جنہوں نے بلا وجہ ان کو ستایا تھا وہ آکر قدموں میں گرے۔ معافی چاہی انہوں نے لا تثریب علیکم الیوم فرما کر سب کو گلے لگایا۔ کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا، ہمیشہ اینٹ، پتھر گالی، گلوچ کا جواب حسن اخلاق سے دیا۔ ادفع بالتی ھی احسن فاذ الذی بینک وبینہ عداوۃ

كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ

آج وہ ہم سے ایسی حالت میں رخصت ہوئے کہ اللہ کی اس سرزمین پر لوگوں کی نظروں میں شاید ان سے زیادہ محبوب کوئی نہ ہوگا۔ کل شی ھالک الا وجهه۔

آج نہ صرف ہندوستان اور پاکستان اور اس کے کروڑوں باشندے ان کو رو رہے ہیں بلکہ پورا ایشیا اور عالم اسلام ماتم کر رہا ہے۔ یہ رونا طبعی نہیں بلکہ عقلی ہے اور عقل ہی کا یہ فیصلہ ہے کہ اب ہم اس رونے اور غم کو لے کر نہ بیٹھ جائیں، ورنہ یہ غم ہم کو لے بیٹھے گا، بلکہ اس غم کو مداوا بنائیں اور حضرت کے کام کو زندہ رکھیں آگے بڑھائیں۔

اصل اور فرع کے اس اتحاد کو دیکھئے کہ جس وقت اور جس دن جس تاریخ اور جس مہینہ میں حضرت نانوتویؒ کا وصال ہوا ٹھیک اسی وقت حضرت مدنیؒ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ حضرت نانوتویؒ کے قدموں اور حضرت شیخ الہند کے پہلو میں آرام گاہ ملی۔ گویا جن قدموں سے ساری عمر لپٹے رہے۔ لائق فرزند حسین آخرت میں بھی شفیق باپ کی اسی آغوش اور قدموں میں رہے۔ حق یہ ہے کہ رفیق مالٹا نے حق رفاقت خوب ادا کیا۔

حاجی بدرالدین صاحب رئیس انچولی ایک لحیم شحیم طمطراق کے نوجوان مگر حضرت شیخ کے دست مبارک میں ہاتھ دینے کے بعد جذبات کی دنیا ہی بدل گئی۔ اب جو کچھ تھا آستانہ شیخ تھا۔ ان کو حضرت سے عشق۔ اور حضرت کو ان سے انس اور لطف یہ کہ الفت و انسیت کی یہ دلکشی صرف ان دونوں کے لئے کیف آفریں نہیں ہوتی تھی، بلکہ پوری مجلس کو پُر کیف کر دیتی تھی۔

وفات سے چند روز بعد پہلے راقم الحروف کو حاضری کی اجازت ملی تو احقر کے ساتھ یہ حاجی بدرالدین صاحب بھی تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ میرٹھ کے ایک اور صاحب بھی تھے۔

احقر مصافحہ سے مشرف ہونے کے بعد حسب ہدایت برابر کی چوکی پر بیٹھ گیا پھر حاجی بدرالدین صاحب آگے بڑھے مصافحہ کیا۔ حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں حاجی بدرالدین صاحب کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ کیوں آئے؟ ابھی یہ فقرہ پورا نہیں ہوا تھا کہ میرٹھ کے دوسرے صاحب کا ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھ گیا تو فوراً اسی کمزوری اور نقاہت کی حالت میں مسکراتے ہوئے ان مصافحہ کرنے والے صاحب سے فرمایا۔

"آپ سے نہیں پوچھ رہا۔ ان سے کہہ رہا ہوں کیوں آئے" اور پھر ایک لطیف مسکراہٹ نے وہ کیفیت پیدا کی کہ تھوڑی دیر کے لئے یہ مزاج پُرسی کی مجلس خوش طبعی کی محفل بن گئی۔

انہی حاجی بدرالدین صاحب کا یہ بیان ہے جو سادگی کے باوجود رقص بسمل کی جھلک اپنے اندر رکھتا ہے۔

دوگونہ رنج و عذاب ست جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

ہمارے حضرت شیخ صاحب جن کی پوری زندگی مجاہدہ و ریاضت میں گزری

تھی اپنی گرتی ہوئی صحت کے باوجود سفر کا سلسلہ جاری رکھا اور کسی وقت بھی ہار نہیں مانی۔ عبادت و ریاضت کی دنیا بھی آباد رہی۔ مہمانوں کی تواضع سے بھی غافل نہ رہے۔ ارشاد و ہدایت کا فیض بھی جاری رکھا۔ حاضر غائب کے تخاطب میں بھی فرق نہ آیا اور جب سفر آخرت کا وقت قریب آیا تب بھی نہ ہمت نے منہ موڑا اور نہ آپ آرام کرنے پر آمادہ ہوئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سے جو لوگ واقف ہیں وہ قیامت کے دن شہادت دیں گے کہ آپ اخلاص و ایثار عبادت و ریاضت، تقویٰ و طہارت سخاوت و مروّت، خدا پرستی و مردم شناسی، خودداری و علم دوستی کا پیکر متحرک تھے۔ دنیا کے گوشہ گوشہ سے لوگ اٹھے اور اپنی دامن مراد بھر کر واپس ہوئے۔

آپ ہندوستان کی جنگِ آزادی کے ایک بہت بڑے مجاہد تھے۔ آپ شروع سے کانگریس کے حامی رہے۔ بار بار قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں اور آزادی کے لئے وہ وہ کام کئے جن کا آج تصور کرنا بھی مشکل ہے، لیکن پھر بھی آپ کبھی کسی عہدہ کے طلب گار نہیں ہوئے۔ عزم و استقلال حضرت کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت تھی ؎

برکفِ جام شریعت برکفِ سندانِ عشق
ہرہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

۵ دسمبر بروز جمعرات میں دیوبند ہی تھا۔ دیوبند گئے ہوئے تقریباً مجھ کو ایک ماہ ہوگیا تھا، چونکہ اسعد میاں کے تنہا ہونے کی وجہ سے حضرت کی دوائی لانے کے لئے مجھ کو میرٹھ، مظفرنگر، سہارن پور جانا پڑتا تھا۔ دوسرے اسعد میاں کو بھی مجھ سے کافی انسیت ہے۔ انہوں نے بھی مجھ سے رکنے کے لئے اصرار کیا۔ میں بھی حضرت کا قرب حاصل کرنے کے لئے اور اسعد میاں کی تکلیفوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہاں مقیم رہا۔

۱۴ دسمبر کو میرا مقدمہ تھا اور مجھ کو میرٹھ آنا تھا۔ میں نے اسعد میاں سے کہا کہ میں آج میرٹھ جا رہا ہوں اگر حضرت سے ملاقات ہوجاتی تو اچھا تھا مگر بدقسمتی سے ملاقات نہ ہوسکی۔ کیونکہ حضرت آرام فرما رہے تھے۔ میں مایوس ہوکر میرٹھ پہنچا۔ یہاں پر لوگوں نے حضرت کی مزاج پرسی کی۔ میں نے جیسا کہ میں دیکھ کر آیا تھا۔ بتایا کہ پہلے سے بہت بہتر ہے۔

میں نے مغرب کی نماز میرٹھ میں ہی ادا کی اور پھر موٹر اسٹینڈ پہنچا، کیونکہ میں ایک چھوٹے سے گاؤں انچولی کا رہنے والا ہوں۔ وہاں پر موٹر تیار تھی، مگر بھر چکی تھی۔ میں نے ڈرائیور سے جانے کے لئے کہا مگر اس نے منع کر دیا۔ کافی دیر اس سے جھڑپ رہی۔ میں نے دوسری موٹر کا ٹکٹ خریدا اور اس میں بیٹھ گیا اور جب جانے والی تھی کہ اتنے میں میرے دوست جو بہت پریشان اور گھبرائے ہوئے تھے میرے قریب آئے اور مجھے بتایا کہ حضرت کا وصال ہوگیا۔

اچانک حضرت کے وصال کی خبر سنی تو دل بیٹھ گیا اور کسی طرح طبیعت ماننے پر تیار نہ ہوئی کہ اتنی جلدی ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ ایک دم میں سکتہ میں رہ گیا۔ قریب تھا کہ گر پڑتا بخیر بمشکل تمام میں ہی جانتا ہوں کہ لاری سے کس طرح اترا اگر میں پہلی لاری سے چلا جاتا تو مجھ کو ۶ دسمبر کو خبر ملتی اور میں ہمیشہ حضرت کے لئے تڑپتا۔ مگر خدا جانتا ہے کہ مجھ کو حضرت سے سچا عشق لگاؤ اور محبت تھی۔ اس وجہ مجھ کو نہیں جانا تھا۔ میں گھڑی کی چوتھائی میں دیوبند پہنچنا چاہتا تھا ایک منٹ بھی مجھ کو دو بھر ہو رہا تھا۔ مگر مجبور تھا۔ تھوڑی بہت مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا اس کے بعد لاری سے قریب دس بجے دیوبند پہنچا۔ وہاں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ خدا کا لاکھ لاکھ احسان اور شکر ہے کہ مجھ کو زیارت ہوگئی میرے لئے تو یہ ہی بہت ہے۔ ورنہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ زیارت سے محروم رہ گئے۔

میرا تعارف صرف اتنا ہی کافی ہے کہ جو لوگ حضرت سے آشنا ہیں۔ وہ یقیناً مجھے پہچانیں گے۔ میرا زیادہ وقت دیوبند ہی گزرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک ایک ماہ ہوجاتا۔ اور میرے گھر والے میرے لئے پریشان ہوجاتے اور میری تلاش ہوجاتی ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ میرے لڑکے تاج الدین نے دیوبند وغیرہ خط بھیجا جب وہاں سے کوئی جواب نہ ملا تو "الجمعیۃ" اخبار میں خبر شائع کر دی۔ الجمعیۃ میں موٹی سرخیوں میں تھا کہ "الحاج بدرالدین جہاں بھی ہوں گھر پہنچیں"۔ میں بہت زیادہ پریشان اور گھبرایا۔ حضرت بھی یہ پڑھ کر مسکرائے اور کہا فوراً گھر جاؤ۔ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عشق میں اس قدر مدہوش تھا کہ مجھ کو خود اپنا اپنے گھر والوں اور کاروبار کا کوئی فکر نہ تھا۔ میں تو صرف حضرت کو چاہتا تھا مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ آفتاب دین جو کہ تمام دنیا میں روشنی پھیلا رہا ہے اتنی جلدی غروب ہوجائے گا۔

اے موت تو نے قاسم رحمۃ اللہ علیہ اور محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ مگر پھر بھی تجھے صبر نہ آیا اور اب ہمارے حسین احمدؒ کو لے کر تجھے کیا ملا کاش وہ دن بھی آج ہی آجاتا کہ مجھ کو بھی انہیں کے ساتھ لے لیتی۔ آج دیوبند اپنی جگہ پر مگر افسوس وہاں کی وہ بہاریں جو پہلے تھیں وہ اب کہاں۔ سارا دیوبند سونا نظر آنے لگا ؎

اب وہ پہلی سی کائنات نہیں
پہلے اک بات تھی اب وہ بات نہیں

زندگی کا تاج اب وہ مزا ہی کہاں
رند بھی وہی میخانہ وہی مگر وہ ملاقات نہیں

اللہ تعالیٰ کی میرے اوپر اس قدر مہربانیاں ہیں کہ حضرت مجھ پر بہت زیادہ مہربان تھے۔ میں ایک ناچیز غلام بھلا کس قابل تھا مگر حضرت کی شفقتیں اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ دنیا کی اتنی بڑی ہستی جو دنیا کے شیخ الاسلام تھے وہ مجھ ناچیز سے مذاق فرماتے۔ میں تعجب کرتا۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم کو حضرت سے اتنا مذاق نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر جب حضرت ہی مجھ پر مہربان تھے

تو بھلا میں کیا کرتا۔

یہ سب کچھ خدا کی طرف سے تھا ورنہ میں تو کسی بھی قابل نہیں۔ حضرت فرماتے کہ حاجی صاحب آپ مٹھائی کیوں نہیں لائے تو میں عرض کرتا حضور میرے پاس پیسے ہی نہیں ہیں تو حضرت طالب علموں کو حکم دیتے کہ ان کی تلاشی لی جائے پھر کیا تھا جتنے بھی طالب علم ہوتے سب کے سب میرے اوپر ٹوٹ پڑتے اور جو رقم میرے پاس ہوتی سب کی مٹھائی منگائی جاتی اور حصہ سے تقسیم ہوتی۔ کبھی کبھی تو حضرت میری شیروانی مذاق سے چھین کر اپنے پاس رکھ لیتے اور کہتے کہ جب واپس ہو گی جب مٹھائی کے واسطے پیسے دو گے۔ تب مجھ کو پیسے دینے پڑتے۔

حضرت کو بھلا کس بات کی کمی تھی۔ آپ کے پاس ہزاروں من مٹھائیاں تھیں اور ہزاروں روپیہ تھے۔ مگر خدا کی قدرت کہ حضرت مجھ پر بہت مہربان تھے۔ جب حضرت زیادہ موڈ میں ہوتے تو اپنی چھوٹی بچی عمرآنہ سے یہ شعر پڑھواتے۔

کہیں ہے روس کا بٹوا کہیں ہے چین کا بٹوا
ہے حضرت شیخ کی محفل میں بدرالدین کا بٹوا

اور بھی ہزاروں کی تعداد میں مریدین تھے۔ مگر کسی کی یہ ہمت نہ ہوتی کہ حضرت سے بات کرے مگر حضرت کی مجھ پر کس قدر شفقتیں تھیں کہ میں بھری محفل میں حضرت کے قریب ہوتا۔

دنیا جانتی ہے کہ حضرت کا علمی حیثیت سے ہندوستان کے علماء میں سب سے زیادہ اونچا مرتبہ تھا، مذہبی زندگی کے لحاظ سے آپ مسلمانوں کے ایک بہت بڑے پیشوا اور رہبر تھے۔ دنیا کا کوئی بھی خطہ ایسا نہیں جہاں آپ کے شاگرد موجود نہ ہوں۔ اسی لئے آپ اسلامی دنیا کی سب سے بڑی مذہبی یونیورسٹی (دارالعلوم دیوبند) کے پرنسپل اور شیخ الاسلام تھے جب کبھی اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی اہم یا دشوار سوال پیدا ہو جاتا تو آپ کا قلم حرکت کرتا اور علمائے دین اسلام کے لئے سامان اطمینان پیدا کرتا۔

میں اکثر سفر میں بھی حضرت کے ساتھ ہوتا اسی لئے میں آپ کے روزمرہ کے معمولات سے بخوبی واقف ہوں۔ آپ کے معمولات تقریباً صبح تین بجے سے شروع ہو کر رات کے بارہ بجے اختتام پذیر ہوتے آپ کا وقت زیادہ تر سفروں ہی میں گزرتا، کیونکہ ہندوستان بھر کی مذہبی اور قومی جماعتوں کی ضرورتیں متواتر سفر پر مجبور کرتی رہتی تھیں کسی کی دل شکنی کرنا آپ کی وسیع الاخلاق طبیعت کے لئے محال ہو جاتا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کی نمازیں دورانِ سفر بھی باجماعت ادا ہوتی تھیں اور اسی طرح تمام معمولات۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آپ جتنے بھی دن دارالعلوم میں درس دیتے اتنے ہی دن کی تنخواہ لیتے۔ مثلاً آپ نے ایک دن درس دیا تو آپ ایک ہی دن کی تنخواہ لیتے۔ اللّٰہُ اکبر۔

آپ کی چھوٹی سے چھوٹی سنّت بھی کبھی قضا نہ ہوتی۔ آپ بہت بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ کا دسترخوان ہمیشہ وسیع رہا۔ کھانے پر عموماً بیس پچیس مہمان ضرور ہوتے۔ سب سے بڑی اور لطف کی بات یہ تھی کہ اگر کوئی مہمان رات کے بارے بجے پہنچتا تو اس کے لئے بھی تازہ کھانے کا انتظام ہوتا۔ گھر میں عورتیں بھی کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کرتیں کیونکہ وہ اس جفاکشی کی عادی ہو گئی تھیں

تین بجے صبح آپ تہجد کی نماز وظائف وغیرہ پڑھتے۔ پھر فجر کی نماز اور تلاوت قرآن شریف وغیرہ اس سے فارغ ہو کر آپ مہمان خانہ تشریف لاتے اور مہمانوں کے ساتھ ناشتہ کرتے پھر بارہ بجے تک دارالعلوم میں درس دیتے اور بحیثیت پرنسپل دوسرے کام دیکھتے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد آپ تھوڑی دیر آرام فرماتے، پھر ظہر کی نماز ادا ہوتی۔ اس کے بعد ڈاک اور لوگوں سے گفتگو وغیرہ۔ اس سے فارغ ہو کر عصر کی نماز ادا ہوتی اور پھر درس دیتے۔ مغرب کی نماز کے بعد ایک سواپارہ تلاوت فرماتے اور بیعت کا سلسلہ رہتا پھر مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اور عشاء کی نماز کے بعد بخاری شریف کا درس دیتے۔ اور قریب بارہ بجے آرام فرماتے۔

بہرحال بطور خلاصہ یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ آپ کی زندگی کا ہر ایک دن تاریخ آزادی کا ایک ایک ورق بنتا ہے۔

مسلمانوں کو بیدار کرنے اور تحریک آزادی میں مصروف عمل کرنے میں آپ کا، میں تو یہی کہوں گا، حصہ ہندوستان بھر کے ان تمام لیڈروں میں سب سے زیادہ اونچا اور نمایاں ہے۔ جنہوں نے جنگِ آزادی میں حصہ لیا۔

جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے۔

قطعہ سال وفات

رحمت بلند شہری

شیخ اسلام حسین احمد کہ بود
مہر دین زیر سمائے آسماں
از سر آہ بگو رحمت سنین
شیخ اکبر رفت از دنیائے دوں
۱۹۵۷ء

آہ مشرق و مغرب کا آفتابِ رشد و ہدایت نہایت ہی آب و تاب کے ساتھ افق مشرق سے طلوع ہوا، ابھرا، بلند ہوا اور محیر العقول تابانی کے ساتھ مشرق ہی میں غروب ہوگیا۔ ؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا ۔ صُبَّتْ علی الایام صِرْنَ لیالِیاً ؎

کامل چوتھائی صدی تک جس پاکیزہ اور برگزیدہ ہستی کی خدمت سراپا برکات میں زبان قلم دامت برکاتہم کے مبارک عنوان سے خراج عقیدت پیش کرتی رہی آہ آج میرا سوگوار قلم اس مسیح الامتہ کے لئے نور اللہ مرقدہ کا دعائیہ جملہ پیش کرنے پر مجبور ہے۔

رباعی

اک یاد کا شیشہ کل جگر میں ٹوٹا
اک دل کا حباب چشم تر میں ٹوٹا
اک غرق جزیرہ حافظے میں ابھرا
اور بیند کا آبگینہ سر میں ٹوٹا

خواب یا حقیقت !

جمعہ جمعہ آٹھ دن کی بات ہے کہ شب کے آخری حصہ میں ایک اندوہگیں خواب دیکھا کہ آفتاب عالمتاب اپنی پوری تابانی کے ساتھ افق مشرق سے نکلا ابھرا، بلند ہوا، اور کامل ضیاء باریوں کے ساتھ رفتہ رفتہ مشرق ہی میں غروب ہو گیا۔ غروب کے وقت اس میں ڈوبنے کے کوئی آثار نمایاں نہ تھے، نہ تو چہرہ پر زردی اور نہ ہی واماندگی کے اثرات بلکہ جن جلوہ آرائیوں کے ساتھ جلوہ گاہ عالم میں طلوع ہو کر ابھرا۔ اسی رفعت شان کے ساتھ غروب ہوا۔ اس حیرت انگیز منظر کو دیکھتے ہی خواب ہی میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ خدایا! آثار قیامت تو یہ ہیں کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہو کر مغرب ہی میں غروب ہوگا۔

سو کیا قیامت سے بھی بڑھ کر کوئی بڑا حادثہ دنیا کو پیش آنے والا ہے کیا دنیا کسی عظیم الشان انقلاب کا انتظار کر رہی ہے۔ اسی ادھیڑ بن میں آنکھ کھل گئی۔

طبعی طور پر میں اپنے دیکھے ہوئے خواب سے بہت جلد متاثر ہو جایا کرتا ہوں اور بیدار ہوتے ہی خواب کے تمام اجزا اور تعبیری پہلو دماغی اعصاب میں گھومنے لگتے ہیں۔ چنانچہ آنکھ کھلتے ہی احساسات کے دریا میں بھرتی شروع ہوئی کہ اللہ میاں! کیا بات ہے ؟ آج نظام شمسی میں یہ حیرت انگیز انقلاب کیوں؟ یہ دنیا آنے والی قیامت سے بھی زیادہ کسی سختی اور ہولناک گھڑی کا انتظار کر رہی ہے۔؟

مگر طبعی تقاضا یہ بھی ہے کہ کسی خواب کے اجزاء اور اس کے تعبیری پہلوؤں میں ذاتی طور پر کوئی رنج والم کے آثار نمایاں دیکھوں تو اس خواب کو حتی الامکاں بھول جانے کی کوشش کیا کرتا ہوں۔ چنانچہ ایک دو دن کے بعد یہ خواب بھی لوحِ دل سے محو ہوگیا۔

آہ ۵ر دسمبر کا قیامت کا دن اور اس کے سہ پہر کی صبر آزما گھڑی! سوئے اتفاق کہ اسی شب کو بمبئی جانے کا داعیہ درپیش تھا۔ سو رخت سفر باندھ کر روانہ ہوا، مگر کچھ خبر نہ تھی کہ زمانے نے ایک بدنما کروٹ بدلی۔ پوری دنیا ایک بلاخیز انقلاب سے دوچار ہے۔

۶؍دسمبر کی صبح کو بمبئی پہنچا قیام گاہ پر کچھ دیر سُستا لینے اور ضروری حوائج سے فراغت کے بعد شب کی تکان اور نیند کا خمار اتارنے کی غرض سے میری نگاہ التفات قیام گاہ کے حصہ پائیں کے ہوٹل میں چائے کی پیالی پر پڑی۔ ادھر چائے کی پیالی کا میز پر آنا تھا کہ ادھر دوسری جانب بمبئی کے روزنامہ "انقلاب" کے انقلابی صفحہ پر ایک ہلاکت آفریں اور قیامت خیز سرخی پر نگاہ گڑی کی گڑی رہ گئی۔

پیکر علم وعمل ...... بطل حریت ضیغم اسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ ...... جوار رحمت ...

آہ دل کی کائنات میں شدید زلزلہ آیا، دل ودماغ مفلوج زبان ساکت آنکھوں میں اندھیرا۔ ہاتھ میں چائے کی پیالی اٹھانے کی سکت نہیں رہی۔

کچھ دیر کے بعد سنبھلا۔ دماغ نے عقل کا سہارا ڈھونڈا۔ آناً فاناً اس خواب کی جانب ذہن منتقل ہوا۔ جسے ایک ہفتہ قبل دیکھا گیا تھا اس کے تمام اجزاء کی تعبیر نظروں کے سامنے آگئی۔ افق مشرق آفتاب۔ طلوع تابانی، ابھار، بلندی اور پھر اسی شان کے ساتھ غروب۔ تعبیر ظاہر تھی، حقیقت واضح ہوگئی۔ خواب محض خواب نہ تھا، بلکہ حقیقت تھا۔

آہ آج ہم شب فراق کی اندھیریوں میں چاک گریباں ہیں اور وہ مسکراتا ہوا۔ اللھو بالوفیق الاعلی کی راحتوں سے ہمکنار و لطف اندوز ہے

یاد داری کہ وقت زادن تو ہمہ خنداں بدندد تو گریاں
آں چناں ای کے وقت مردن تو ہمہ گریاں بوندد تو خنداں

یہ احساس پیدا ہوا، پھر خدا جانے کیا ہوا کہ میں دیوانہ وار مسجد جامع میں پہنچا جہاں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی خطیب نے خطبہ پڑھا۔ دوگانہ ادا کیا۔ نماز غائبانہ پڑھی گئی۔ ختم کلام پاک ہوا۔ تعزیتی جلسہ ہوا اور میں بت بنا یہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا رہا۔

آج کا دن عجیب وحشت میں گزرا۔ عروس البلاد بمبئی ویرانہ معلوم ہو رہا تھا۔ دل کی گھبراہٹ نے سمندر کی طرف دوڑایا۔ اپالو بندر پہنچا۔ جب وہاں بھی چین نہ ملا۔ تو واپس قیام گاہ پر آیا۔ میرے ساتھ ساتھ شب تاریک نے بھی پر کھول دیئے۔ سونے کا وقت گیا۔ مگر ؎

کسی کی شبِ وصل روتے کٹے ہے کسی شبِ وصل سوتے کٹے ہے
الٰہی! یہ شب، شب ہے کیسی ہماری جو روتے کٹے ہے نہ سوتے کٹے ہے

تمام شب اختر شماری کے بعد فریضہ صبحگاہی ادا کیا۔ سامان اٹھا کر اسٹیشن پہنچا۔ دن ٹرین میں گزرا۔ شام کو اپنے کلبۂ احزان میں آکر دم لیا۔ قدم رکھتے ہی نگاہِ اولین میز پر پڑی۔ جہاں اپنے یوسف گم گشتہ کا آخری نامہ وپیام رکھا پڑا تھا جو ۵؍دسمبر ہی کو جب کہ مزاج اقدس میں کچھ سکون تھا۔ لکھوا کر ڈاک میں ڈلوا دیا تھا۔ لکھا تھا کہ چار یوم سے مرض میں تو افاقہ ہے۔ مگر ضعف بدستور ہے۔ فقط والسلام۔

کرامت نامہ کی اس آخری جھلک اور دیدار سے دل پر کیا گزری۔ یہ کس سے کہوں ٹوٹے ہوئے دل پر پھر اک شدید چوٹ لگی۔ شیشہ دل چور چور ہو گیا احساسات اور واردات کی شدہ، اس قدر کہ زبانِ نطق گنگ تھی۔ ہاتھ پیروں میں رعشہ محسوس ہوتا تھا، دل بیٹھ جاتا تھا کچھ کہہ سکتا تھا نہ سن سکتا تھا آج جب کہ ہوش سنبھالا عقل وخرد نے رہبری کی تب میرا سوگوار قلم لوح قرطاس سے لپٹ لپٹ کر آنسوؤں کا بے پناہ سیلاب بہا رہا تھا۔

حضرت نور اللہ مرقدہٗ سے روحانی تعلق اور رشتہ غلامی کی ابتدا

حضرت قدس سرہٗ کی عادت شریف تھی کہ اکثر اوقات اپنے خواص خدام اور غلاموں کو اپنے مخصوص اندازِ مزاح اور چھیڑ چھاڑ سے مسرور فرمایا کرتے تھے۔ اس دوران میں اگر کسی خادم کی جانب سے رشتۂ غلامی میں منسلک ہونے کی خواہش کا اظہار کیا جاتا تو چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ اور بھی بڑھ جاتا، مگر بیعت ضرور کر لیتے، لیکن عوام کو برعکس اس کے فوراً توبہ کروا دیا کرتے۔"

۱۹۳۲ء میری تکمیل کا آخری سال تھا۔ اس وجہ سے وطن کی آتشِ یاد تیز تر ہو جاتی تھی۔ مگر ظاہری علوم سے فراغت کے بعد باطنی اور روحانیت کے باب کی ابتداء۔ اور بسم اللہ از بسکہ ضروری تھی۔ خانقاہ امدادیہ کے حکمت کدۂ الٰہیہ سے حضرت حکیم الامت اور خانقاہ قدوسیہ کے شفاخانہ رشیدیہ کے حضرت "مسیح الامتہ" کے سوا ...... کسی اور پر نظر نہیں جمتی تھی۔ میری نظر انتخاب ان ہر دو ہادیان برحق کی کفش برادری کی کش مکش میں مبتلا تھی۔ نوبت استخارہ کی پہنچی، مگر قبل اس کے ایک خواب دیکھا کہ یہ غلام اپنے آقا سید حسین احمد کے ساتھ ایک جیل خانہ کی کوٹھڑی میں بندھے"۔ بس پھر کیا تھا اس بر وقت مبارک خواب نے استخارہ کا مقصد حاصل کر دیا اور اس کی طرف رہنمائی کی مقصد بلا استخارے ہی کے حاصل ہو گیا۔

تکمیل وفراغت کے بعد حضرت مسیح الامتہ نور اللہ مرقدہٗ کی جوتیوں میں زانوئے ادب خم کیا اور نہایت ہی عاجزانہ اور فقیرانہ دامن پھیلا کر غلامی کی بھیک مانگی۔ حسبِ معمول چھیڑ چھاڑ کے بعد غلامی کے صدقہ وخیرات سے میرے دامن کو بھر دیا۔"

حضرت مسیح الامتہ سے وارفتگی وعشق کی ابتداء

حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی خدمتِ اقدس میں ایک معتدبہ زمانہ تک کی باریابی کی بارہا آرزو رہی، مگر حضرت اقدس سرہٗ راقم الحروف کی بدحالی اور اہل وعیال کی خدمت اور اس کے فریضہ کو ترجیح دیتے رہے۔ البتہ سلسلۂ مراسلت میں حد سے سوا وسعت دی گئی۔

شوریدگی اور جیل خانے مجسّم ڈاک گھر

مراسلت کی ابتدا ویسے تو ۱۹۳۲ء ہی سے ہوئی، مگر زیادہ نہیں حقیقی ابتداء ۱۹۴۰ء سے ہوئی۔ اس سال سے آتش عشق اس درجہ تیز ہوتی گئی کہ اپریل

۱۹۴۲ء تا اگست ۱۹۴۳ء مراد آباد جیل اور الہ آباد جیل گویا میرے خطوط کے ڈاک گھر بن گئے۔ ہر ہفتہ کئی کئی دفاتر اپنی شوریدگی اور جنون کے لکھے گئے مراد آباد جیل میں محترم حکیم انتظار احمد صاحب کا توسل کام کر گیا مگر مراد آباد سے حضرت کو نینی جیل الہ آباد میں منتقل کیا گیا تو اس وقت بیں نہایت ہی کشمکش میں تھا۔ بالآخر ہمت کر کے ایک عریضہ براہ راست الہ آباد نینی جیل میں لکھ ہی ڈالا۔ وہاں سے اپنے مسیحا کا جواب آیا کہ ہفتہ میں صرف ایک ہی خط کی اجازت ہے۔ اب تو حالت دگرگوں تھی وہاں تو ہم جیسے ہزاروں فدائیوں کے خطوط جاتے ہوں گے۔ میرے خط کو پہچانے کی نوبت بھلا جیلر کو کب آئے گی۔

مگر کسی شوریدہ سر دیوانے اور سر پھرے حوالدار کو زندان عشق کے فولادی طوق اور زنجیروں کی کیا پروا اور شمشیر جلاد اور تختہ دار و رسن کا کیا ڈر؟ ؎

خانہ زاد عشق ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں
ہیں گرفتار وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا؟

اور

؎ کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ تا ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

جان کی بازی لگا کر ہر ہفتہ صرف ایک نہیں کئی کئی دفتر لکھنے شروع کر دیتے۔ خیال ہوا کہ ویسے تو کوئی سبیل اپنے محبوب کے دیدار و زیارت کی اور باریابی کی نظر نہیں آتی۔ یہی ایک حربہ اور بہانہ کامیابی کا نظر آرہا ہے شاید "اسیر مالٹا" کے ساتھ اسیر نینی بن کر ہم بھی لہو لگا کر شہیدوں میں نام کر لیں گے

؎ آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا

مگر میرے قاتل کو میری یہ ادا بھی نہ بھائی۔ اور تہیدستان قسمت کو یوسف کنعانی کی سنتہ بھی میسر نہ آئی۔ البتہ میرے مسیحا کی مسیحائی اور معجزہ سمجھئے کہ ہر ایک ہفتہ میں اپنی شوریدگی اور داستان کے دفاتر کے دفاتر حضرت شیخ الامتہ کی بارگاہ اقدس میں پہنچ جاتے اور چونکہ یہ جیل خانہ مجسم خانقاہ بنا ہوا تھا۔ وہاں فراغت کلی حاصل تھی۔ اس وجہ سے جوابات کے بھی دفتر کے دفتر ذوق و شوق اور سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے ہر ہفتہ بہ سہولت میرے تایئں پہنچ جایا کرتے تھے۔ البتہ میرا ٹکٹ چپاں جوابی لفافہ گورنمنٹ اپنے پاس رکھ لیا کرتی تھی اور یہ تمام دفتر کا دفتر سرکاری لفافوں میں بند ہو کر مجھے پہنچ جاتا۔ اسی اثنا میں صرف ایک کرامت نامہ ضائع ہوتے پایا اور اس کا علم بھی مجھے اس وقت ہوا جب اس کے بعد کے کرامت نامہ میں قدرے خفگی کے ساتھ استفسار فرمایا کہ میری وہ تحریر پہنچی کہ نہیں؟ نہ معلوم یہ خط گورنمنٹ ہی نے رکھ لیا۔ (حالانکہ اس میں کوئی پوشیدہ سیاست تو نہ تھی) یا محکمہ ڈاک کی بدنظمی کی نذر ہوگیا، مگر آہ، آہ، یہ میرا طبعی بخل سمجھئے شومئی قسمت یا غفلت شعاری سمجھیں کہ سال ہا سال کا خصوصاً دوران قید و بند کا ایک معتدبہ ذخیرہ اور حضرت "مسیح الامتہ" کا خود نوشت روحانی خزانہ مجھ بدبخت کی ناقدر شناسی کی نذر ہو کر ضائع ہوگیا جو تشنگان علوم نبوی صلعم اور عاشقان طریق مستقیم کے لئے سیرابی کا ایک خوش منظر سرچشمہ اور رہبر کامل کا زرین مرقع تھا۔ اب بمشکل اس قسمت زدہ کے پاس صرف ایک سو انتالیس خورد و کلاں کرامت نامے موجود ہیں۔ جن میں سے ۷، مکاتیب صرف اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے خود نوشت باقیات صالحات کی صورت میں مکتوبات کی جلد دوم میں اشاعت پذیر ہوئے ہیں۔ سو یہ بھی صاحبزادہ مولانا سید اسعد میاں صاحب سلمہ کے ہاتھ نہ لگ جاتے تو یہ شاید ان کا شمارہ بھی بخل طبعی کی فہرست میں ہو جاتا اور ایک سو ۳۲ کرامت نامہ جات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے دیرینہ خادم و خلیفہ خاص مخدومی، قاری، سید اصغر علی صاحب کے قلم سے ہیں جو فائل میں محفوظ ہیں اور غیر مطبوعہ حالت میں ہیں۔

حضرت مسیح الامتہ کا دورہ گجرات اور فیض عمیق کے معجزانہ مظاہری

۱۹۴۷ء کی تقسیم سے قبل حضرت والا نے گجرات کا کوئی خاص دورہ نہیں فرمایا۔ گاہے گاہے بعض مخصوص اور مانوس مقامات ڈابھیل، راندیر وغیرہ تشریف لے گئے۔ ایک بار احمد آباد جیل سے رہا ہونے کے بعد کٹھور بھی حضرت مولانا سید مرتضیٰ الحسن صاحبؒ کی معیت میں ورود مسعود فرمایا تھا۔ یہ زمانہ میرا اگلا دوڑھی یا دیوبند کا زمانہ تھا البتہ ۴۷ء کی تقسیم کے بعد گجرات حضرت مسیح الامتہؒ کی توجہ خاص کا مرکز بن گیا۔ اس کے بعد پے در پے دورے گجرات کے ہونے لگے اور ہزارہا ارادات مندوں کو اپنے سلسلہ غلامی میں منسلک فرما لیا۔ اس دوران میں شاذ و نادر ہی کوئی دورہ ہوگا جس میں چوتھائی صدی کے اس کفش غلام کے خانۂ تاریک کو توجہ خاص کا مرکز نہ بنایا ہو۔ اسی اثنار میں میری اکلوتی بیٹی طول عمرہ پر توجہ خاص فرما کر متبرک تحفہ تحائف اور خوش طبعی و مزاح سے اس کے دل کو باغ باغ فرما دیتے۔ اور یہ حضرتؒ کی توجہ خاص کی برکت ہی تھی کہ اس بچی نے صرف سات سال کی عمر میں نو ماہ کی قلیل مدت میں قرآن شریف ختم کر لیا۔ پھر جب سال آئندہ ورود مسعود ہوا تو بہشتی زیور کی بسم اللہ بھی حضرت مسیح الامتہ کی شیریں زبانی ہی سے ہوئی و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

مگر اب آہ میرے مسیحا دنیا میں تو اس وقت قیامت برپا ہے۔ امتہ مرحومہ کا تو یہی ایک آخری سہارا تھا۔ سو قیامت میں لینے کا وعدہ کر کے چلا گیا کیا خوب؟

ے جاتے ہوئے کہتے ہیں قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

بار خدایا! جانے والے کی تربت پاک پر رحمت کے پھول برسا۔ درجاتِ عالیہ عنایت فرما اور ہم فرقت زدوں کے مجروح دلوں کو صبر و سکون عطا فرما۔
(آمین) (سوگوار حوالدار)

●●●●●●

روا رہی ہے آج ایک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

آہ۔ وہ قدسی الاصل جس کے نفس قدسی سے تقریباً ساٹھ سال، حدیث و قرآن کے زمزمے بلند رہے اور جس کے دہن مبارک میں حرکت کرنے والی زبان اس طویل عرصے میں قال اللہ و قال الرسول کی مبارک تشریحات و تفسیر سے تر رہی۔ جس کی ذات گرامی معرفت و طریقت کی درس گاہ تھی اور جس کی محفلِ علم و عرفان میں ملائکۃ اللہ بصد فخر و ناز شرکت کرتے تھے۔ جس کو ابھی ابھی قلم مدظلہ العالی اور دامت برکاتہم کی دعائیں دیتا تھا، آج اشکبار آنکھیں اس کے جسم اطہر کو تودۂ خاک کے نیچے دیکھتی ہیں اور لکھنے والا قلم نور اللہ مرقدہٗ و قدس اللہ سرہ العزیز کے ماتمی نوحے اس کے لئے تیار کر رہا ہے۔ یعنی حضرت الاستاذ، شیخنا الاکبر مولانا سید حسین احمد مدنی تغمدہ اللہ بغفرانہ جن کی ذات سے علم و عرفان کی محفل منور و تاباں تھی اور جنہوں نے اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں سے دنیا کو حریت پسندی و انقلاب آفرینی کا گہرا سبق دیا تھا اس خاکدان ارضی سے اُٹھے اور بچشم زدن، صدیقین، شہداء و صالحین کی مقدس جماعت میں جا بیٹھے۔

حضرت مرحوم کی زندگی علم و عمل، زہد و اتقا، استغناء و توکل، عفاف و پاک بازی کی ایک ایسی مرتب اور مبسوط کتاب ہے جس کی ہر ہر سطر آنے والوں کے لئے درس عمل ہے اور جس کے ابھرے ہوئے نقوش پچھلی نسلوں کے لئے اسوہ و نمونہ ہیں، بیس پچیس سال نہیں، نہ چالیس پچاس برس بلکہ پون صدی تک اپنے خدا کا یہ برگزیدہ بندہ، اپنے گھر کی زندگی سے باہر تک خلوت و جلوت میں نشست و برخاست میں سونے اور جاگنے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس مبارک و مسعود سنت کی خاموش تعلیم دیتا رہا۔ اب اس کی مثال مشرق و مغرب کی وسعتوں، جنوب و شمال کی پہنائیوں میں ڈھونڈھے سے بھی نہ ملے گی۔ ع

اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رُخِ زیبا لے کر

ان کی زندگی کا نشیب و فراز پھر ان کے مستقبل کا اٹھان دیکھنے کے بعد بڑی آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ قدرت کے عطا بخش ہاتھ، ان کی تربیت میں برابر مصروف رہے۔ نسیم سحر گاہی کے جھونکے۔ ان کی زندگی کے گیسو کو سنوارنے اور بنانے میں ہمیشہ معروفِ عمل رہے۔ وہ اپنی ابتدائی عمر میں عالم اسلام کی عظیم الشان یونیورسٹی دار العلوم دیوبند میں تعلیم کے لئے وارد ہوئے اور اپنے وقت کے ایک شیخ کامل کے تلمیذ و شاگرد ہی ہونے کی صرف سعادت ان کو میسر نہ آئی، بلکہ ان صاحب باطن، روشن ضمیر، کہن سال کی تمام توجہات کا مرکز یہی محبوب شاگرد بن گیا۔ دینی تعلیمات سے فراغت کے بعد رمز آشنائے حقیقت و معرفت حضرت گنگوہی کی روحانی توجہات ان کے شامل حال ہوگئیں اور باطنی دولتوں سے دامن مراد بھر کر، عرب کا یہ بانکا نوجوان، دیار عرب کے منوّر علاقوں اور تابناک ریگستانوں میں پہنچ کر امداد اللہی درس گاہ میں شامل ہوگیا۔ محمد عربی روحی فداہ کی مسجد مسعود و مبارک میں سالہا سال علم و عرفان کے موتی لٹاتے اور ہر خاص و عام پر علم کی گوہر پاشیاں کیں، حریت پسندی کے رجحانات اور مجاہدانہ زندگی کے درس، مالٹا کی اسارت میں اسی جواں عزم خضر صورت کے لئے، جس کے سامنے تعلیمات نبوی کو حاصل کرنے کے لئے زانوئے ادب طے کئے تھے، گویا کہ ہر قسم کی تعلیم کی ابتداء محمود الحسن کی درس گاہ سے ہوئی اور اس کی تکمیل قدرت کے خاموش ہاتھ کرتے رہے۔ اس طرح اپنی ابتدا سے انتہا تک قدم قدم پر، تعلیم و تربیت کے جن مواقع سے وہ سرفراز کئے جاتے رہے۔ بڑے انسانوں کی تاریخ میں اس کی مثال خال ہی خال ملے گی۔ اس تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں، ان کی ذات میں مختلف علوم و کمالات، متضاد

صفات وخوبیوں کی یکجائی کچھ اس طرح ہوگئی تھی کہ لکھنے والا قلم ان کی زندگی کے کسی ایک گوشہ کو متعین نہیں کرسکتا۔ اگر ان کی حیات پاک کا تجزیہ کیا جائے تو علم وعرفان، عمل واخلاص، شہنشائی وگدائی، تمکنت وانکسار، عالمانہ انداز اور فقیرانہ طور وطریق کے سینکڑوں نقوش اس طرح ابھر کر آپ کے سامنے آجائیں گے کہ آپ بے اختیار کہہ اٹھیں گے ؎

کرشمہ دامن دل می کشد اینجا است

آپ ہرگز نہیں بتا سکتے کہ ان پر کون سا رنگ غالب تھا اور نہیں کہا جا سکتا کہ یہ فقیر منش انسان کون سی افتاد طبع لے کر پیدا ہوا تھا، ابھی رات کا سناٹا ہے۔ سفر ہو یا حضر، لیکن فضا، اس مرد خود آگاہ کی ذکر جہری سے لبریز ہے، شب کا آخری حصہ ہے اور یہ فقیر گوشہ نشین، سر بسجود، صبح کی پو پھٹی تو ہاتھ خدا کے سامنے ہیں اور دردمند اُمّت کا یہ خادم، اسلام اور مسلمانوں کے لئے مصروف دعا، مسجد کے اونچے مناروں سے موذن کی آواز بلند ہوئی تو یہ عابد شب بیدار خدا کے دربار میں صف اولیٰ میں موجود، کلام ربانی کی تلاوت سے فراغت ہوئی تو عقیدت مندوں اور مہمانوں کے جم غفیر کے ساتھ چائے کے دستر خوان پر، صبح کے نو بجے ہیں، تو علم کا یہ کوہ گراں دارالعلوم کی دارالحدیث میں بیٹھ کر بخاری شریف کے درس میں منہمک، دن کے بارہ بجنے کو آئے تو وسیع دسترخوان پر، چہ دشمن چہ دوست، سب کی تواضع کرنے کے لئے یہ سراپا نیاز میزبان، سب کو کھلا رہا ہے۔ سب کو بٹھا رہا ہے۔ ظہر کی نماز سے فراغت ہوئی تو انسانوں کو یہ غمگسار ان کی ضرورت سن رہا ہے اور دل سوزی سے ان کی گزارشیں سنی جارہی ہیں۔ عصر سے لے کر مغرب تک واردین اور صادرین سے ملاقات اور ہر ایک کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا جارہا ہے۔ مغرب کے بعد ایک کمرہ میں اندھیرا ہے، لیکن اس شیخ وقت کی تلاوت کلام ربانی کے انوار اس کو بقعۂ نور بنائے ہوئے ہیں۔ بیعت وارشاد کا سلسلہ چلتا ہے۔ کھانے کی محفل جمتی ہے اور پھر قال الرسول اللہ کی تشریحات مترنم لہجہ میں شروع ہوجاتی ہیں۔ غرضیکہ ۲۴ گھنٹے اور ہر ساعت کے ساٹھ منٹ میں برابر مصروف ومشغول رہنے والا یہ کامل ومکمل انسان کیا تھا؟ یہ ایک معمہ ہے۔ جس کو مورّخ کا قلم ہر پہلو سے کھول کر رکھے گا۔ اور قلم کی تشریحات بتائیں گی کہ وہ اپنے ظاہر وباطن، جسم وروح کے اعتبار سے، ایک مافوق الفطرت ہستی تھی جس کا اب مثل بھی صدیوں میں پیدا نہ ہو سکے گا۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

درس حدیث

بخت بیدار کی دولتوں میں سے اس خاکسار کی ایک یہ بھی پیروز بختی وسعادت ہے کہ بخاری شریف وترمذی شریف کا درس حضرت مرحوم کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر حاصل کرنے کا موقع ملا [illegible] ذات گرامی سے پڑھنے کا موقع ملا۔ جو علم وعمل کا حسین پیکر اور عارفین کے حلقہ کا شاہ تخت نشین تھا، ان کی درسی تقریریں نہایت بسیط اور بڑی پھیلی ہوئی ہوتی تھیں، مذاہب کا بیان امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تحقیق وتنقیح، حدیثی نکات سند ورجال کی پُرمغز بحثیں، تصوف کے اسرار ورموز، کلام وحکمت کی دقیق باتیں سب کچھ ہی سبق میں زیر بحث آجاتا۔ خصوصاً بخاری کی جلد ثانی میں سیر ومغازی سے متعلق بڑی لمبی چوڑی تقریر فرماتے اور تاریخی واقعات شگفتہ لب ولہجہ میں دلنشین کردیتے اور پھر درس کے تمام حصہ کو اس اخلاص کے ساتھ طلباء کے لئے مفید بنانے کی کوشش کی جاتی کہ جب تک طالب علم مطمئن نہ ہوجاتے تو سبق شروع نہ ہوتا، طلباء کی دل داری کے لئے ان کے مہمل سوالات پر بھی بڑی بشاشت وانشراح کے ساتھ جواب عنایت فرماتے، تھکے ہوئے دماغوں کو ازسرنو تازہ کرنے کی خاطر اور ذہنوں کو خشک علمی باتوں کے قبول کرنے کے لئے درمیان میں سنجیدہ مزاح اور شگفتہ تفنّن کا موقع بھی آتا۔ خصوصاً اگر کوئی طالب علم سوتا اور حضرت کو اطلاع دی جاتی، تو پھر پُرشکوہ لہجہ اور متبسمانہ انداز میں "اٹھتے اٹھتے جائیے، اور منہ دھو کر آیئے" کی آواز سے تمام درس گاہ زعفران زار بن جاتی۔ سونے والا طلباء کے ہجوم سے شرمندہ ہوکر اٹھتا تو ع

ہائے کیا بھری محفل میں رسوائی ہوئی

کے تازیانے اس کا تعاقب کرتے۔ تین تین گھنٹے اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ مسلسل سبق ہوتا، لیکن حضرت کی درس گاہ میں یہ طویل وقت بڑے نشاط وفرحت کے ساتھ ختم ہوجاتا اور طلباء کے دل ودماغ پر اتنی طویل مشغولیت قطعاً گراں نہ گزرتی بدشوق طالب علم بھی ان کے درس میں جس ذوق وشوق سے شرکت کرتے تھے۔ اس کو دیکھ کر نظیری کا یہ شعر یاد آجاتا تھا کہ ؎

"درس حدیث" اگر بود زمزمۂ محبتے

جمعہ مکتب آورد، طفل گریز پائے را

طلباء کے ساتھ ان کا معاملہ، ایک شفیق باپ کا تھا جو شفقت ومحبت کے ساتھ اولاد کی کوتاہیوں پر اصلاح بھی کرتا رہتا ہو، وہ طلباء کی تمام ضرورتوں کو غور سے سنتے اور پھر ان کے وکیل ہوکر، ارباب مدرسہ کے مقابلہ میں کھڑے ہوجاتے اور طالب علموں کی تمام خواہشات کو خود بھی پورا کرتے، دوسرے ذمہ داروں کو بھی باربار اس طرف توجہ دلاتے رہتے۔ آہ کہ طلباء وعلماء کا یہ غمگسار اب دنیا سے رخصت ہوگیا۔

"نظافت پسندی"

لباس اگرچہ نہایت معمولی زیب تن رہتا، لیکن صاف اور اجلے کپڑے پہننے کے عادی تھے، عطر بیحد استعمال فرماتے، خوشبو کے عاشق اور گل ریحان کے شیدائی تھے۔ سبزے سے خاص انس تھا، گھر تو اچھا خاصا چمنستان تھا، لیکن [illegible] اپنے اصرار سے ایک خیاباں بنائے ہوئے تھے۔ جب پھولوں سے

لدے ہوئے درختوں کے قریب سے گزرتے اور دل آویز روشوں سے چکر آتے تو مسرت وابتہاج ان کے نورانی چہرہ پر پھٹا پڑتا تھا۔ گرمیوں میں دوپلی ٹوپی، کھدر کا کرتا، جس کا گریبان ہمیشہ کھلا رہتا اور کھدر ہی کا پاجامہ حضرت ہی کی پوشاک تھی ہاں پاؤں میں جوتا سلیم شاہی یا جے پوری قیمتی سے قیمتی ہوتا۔

سردیوں میں پاؤں میں جرموق، سر پر عربی رومال اور ان کے چوڑے چکلے جسم پر عبا عجیب بہار دیتی تھی۔ جب یہ لباس پہن کر سبک گامی فرماتے تو عرب وہند کی روایات کا حسین امتزاج، ان کی ذات میں نظر آتا اور یہ نیم ہندی و نیم عربی انسان دیکھنے والوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتا۔ نظریں اٹھتیں اور ان کے سادہ لیکن پرعظمت جسم وجثہ پر ٹھہر جاتیں۔

"ماکولات ومشروبات"

حضرت مرحوم خوش خوراک تھے۔ پھلوں میں آم سے خاص رغبت تھی اور مٹھائی کا بھی کافی شوق تھا، بلکہ بے تکلف احباب و دوستوں سے زبردستی مٹھائی کا مطالبہ فرماتے، دسترخوان نہایت وسیع تھا جس پر دوست و دشمن کی کوئی تمیز نہیں تھی جس کا جی چاہے کھائے اور جو چاہے شریک ہوجائے۔ ان کا دولت کدہ صحیح معنوں میں ایک مسافرخانہ تھا جس میں ہروقت مسافر اترتے رہتے اور پھر لطف یہ تھا کہ نہ بادشاہ کا اہتمام نہ غریب سے سرسری معاملہ نہ رؤساء کا امتیاز، نہ غربائسے بے نیازی، سب مل جل کر ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ جاتے اور عربی طریقہ کے مطابق بڑی بڑی پلیٹوں میں کھانا شروع ہوجاتا۔ حضرت مرحوم بھی مہمانوں کے ساتھ تناول فرماتے اور مہمانوں سے علیحدہ کھانے کی عادت نہ تھی، تمام کو زعفرانی چائے کا دور چلتا جس کے جرعے حضرت کی فیض صحبت سے دوآتشہ بلکہ سہ آتشہ ہوجاتے۔

"قدامت پرستی"

حضرت مرحوم بڑے قدامت پسند اور قدیم روایات کے زبردست دلدادہ تھے۔ موجودہ دور کی نوتجدد پسندیاں ان کو چھو کر بھی نہیں نکل تھیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان حدود میں بھی لکیر کے فقیر بنے رہتے۔ جہاں آج قدامت پرستی، دقیانوسی کا دوسرا نام ہے انہیں جائز حدود تک مناسب جدت، ان کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ ہاں مغرب پرستی اور یورپ نوازی کے خواہ مخواہ جنون میں اپنی تہذیب وتمدن کو چھوڑ کر دوسروں کے مکتب فکر سے ہر غلط سی غلط روایت کو قبول کرلینا ان کا شیوہ نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ قدامت پرستی اور تجدد نوازی کی یہ ملی جلی صورت کسے ناگوار وگراں ہوسکتی ہے۔

"امر بالمعروف"

ان کی زندگی کا سب سے بڑا امتیاز یہ تھا کہ وہ اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں بڑے نڈر واقع ہوئے تھے۔ یہ ان کا ایک ایسا وصف تھا کہ علماء کی جماعت میں بڑے بڑے ارباب جبہ ودستار ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے

کیا مجال کہ داڑھی منڈا کر کوئی ان کے سامنے آجائے۔ کس کی جرأت کہ سر پر انگریزی طرز کے بال ہوں اور حضرت شیخ کے روبرو پہنچ جائے، ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ان کی گرفت سے نہ رؤسا بچ سکتے تھے، نہ ممتاز طبقہ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی اس ادا کے نتیجہ میں ہزارہا چہروں پر متقطع داڑھیاں نظر آنے لگیں اور ہزارہا سروں پر سے انگریز پرستی کا بوجھ اتر گیا۔ معروف کی اشاعت اور منکرات سے اس شدت سے روکنے والا جماعت علماء میں اب کاہے کو پیدا ہوگا! باطل پرست جماعتوں کا مقابلہ جس پامردی سے کرتے اور اس راہ میں ہر سب وشتم طعن وتعریض کو جس خندہ پیشانی سے قبول کرتے، یقیناً اس کے اجر مضاعف سے عالم اخروی میں ان کا دامن مراد بھر دیا جائے گا۔ عمل وہمت کی ایک چٹان تھی۔ جس نے کبھی تھکنا نہ جانا، عزم وبلند حوصلگی کا ایک کوہ گراں تھا، جس کو حوادث روزگار اور انقلاب زمانہ اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکتے تھے۔

"سلوک وتصوف"

یوں اگرچہ حضرت مرحوم بڑے جامع تھے۔ سیاسی سرگرمیوں میں ان کی شہرت تھی۔ ہندوستان کے ممتاز رہنماؤں میں ان کا شمار ہوتا، مگر پھر بھی ان پر جو رنگ غالب تھا اور جو مذاق ان کی پوری زندگی پر چھایا ہوا تھا، وہ ان کی معرفت ربانی اور سلوک وتصوف کا ذوق کامل تھا۔ بلاریب اس آخری صدی میں ہندوستان کے پورے علاقہ میں اس شان کا کوئی بزرگ پیدا نہ ہوسکا، جس کی ذات سے سلوک وتصوف کے جابجا چراغ روشن ہوگئے ہوں اور جس کے نفس قدسی سے تزکیہ وتطہیر کی سنتیں زندہ ہوگئی ہوں۔ لاکھوں گمراہوں کو ان کے حق پرست ہاتھوں پر عقائد کے صحیح کرنے کا موقع ملا اور ہزاروں انسان شریعت کے منقش سانچے میں ڈھل گئے اپنے اس خاص رنگ میں اگرچہ تالیفات کا بہت کم ذخیرہ انہوں نے اپنے پیچھے چھوڑا، لیکن چلتے پھرتے، جیتے جاگتے افراد کی ایک ایسی بڑی جماعت چھوڑ گئے ہیں جن کی خانقاہوں سے صدیوں تک اسلامی تصوف کا درس بھولے بھٹکے ہوئے لوگوں کو ملتا رہے گا اور علم وعرفان کی مشعلیں قدم قدم پر جلتی ہوئی ملیں گی

"وفات حسرت آیات"

تقریباً آج سے آٹھ ماہ قبل جب حضرت بالکل تندرست اور تروتازہ تھے راقم الحروف کی والدہ محترمہ نے ایک خواب دیکھا جس میں امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا مدنی مرحوم کے ہارٹ فیل ہونے کی دردناک اطلاع سنائی تھی۔ صبح کو یہ خواب والدہ مدظلہا نے سنایا تھا تو سنتے ہی ماتھا ٹھنکا۔ پھر جیسے ہی حضرت کے مرض وعلالت کی خبریں کان میں پڑنے لگیں، تو دل کی بے قراریاں بڑھتی جاتیں اور ہوش وحواس اڑے جاتے اور دل کی دھڑکنوں کا واقعی یہ حال ہوتا کہ ؎

دل کی دھڑکن کا یہ عالم ہے کہ بامنت دست
پرزے پرزے ہو ہو کے گریبان اڑا جاتا ہے

آخرکار یہ جامِ غم لبریز ہوگیا اور زہر کا یہ پیالہ منہ کو لگانا ہی پڑا یعنی ان کانوں نے ان کی وفات حسرت آیات کی خبر سُنی اور آنکھوں نے شیخ عالم کی میت کو طوعاً وکرہاً دیکھا۔ جس دارالعلوم میں ربع صدی تک ان کی ذات سے قال اللہ وقال الرسول کے زمزمے بلند ہورہے تھے اسی درس گاہ میں ان کی نعش آخری زیارت کے لئے رکھ دی گئی۔ تقدس وعظمت ان کی بلائیں لیتے تھے۔ انوار الٰہی جسم اطہر کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ چہرہ انور پر وہ مسکراہٹ ومسرت موجود تھی جس کو دیکھ کر معلوم ہوتا کہ مسافر منزل پر پہنچ کر تھکا ہوا نہیں، بلکہ اپنی منزل تک پہنچ جانے کی بے پناہ مسرتیں اس کو حاصل ہورہی ہیں ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسّم برلب اوست

ان کے چہرہ پر جو طمانیت وسکون تھا۔ بشاشت ونشاط کی جو نورانی کیفیات رقصاں تھیں۔ ایسے انوار اور تجلیات، حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کسی اور میت پر دیکھنے میں نہیں آئیں۔ جنازہ اٹھا اور خاص اسی دروازہ سے جس سے تیس سال تک وہ حدیث کا درس دینے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ تو دارالعلوم کا ذرہ ذرہ چیخ کر کہہ رہا تھا ؎

کون اس باغ سے اے بادِ صبا جاتا ہے
رنگ رخسار سے پھولوں کے اڑا جاتا ہے

ان کی موت سے شریعت وطریقت کی عظمت مٹ گئی، علم وعرفان کی بزم سونی ہوگئی۔ سلوک وتصوف کی خانقاہ اجڑ گئی اور عزم واستقلال کے بلند منارے زمین کے برابر ہوگئے۔ وہ اپنی زندگی میں عمر فاروقؓ سے بڑے مشابہ تھے۔ دینی امور میں ان کی شدت، ان کا دینی تصلب، حمیت اسلامی، غیرت مومنانہ، ان کی شخصیت کو فاروق اعظمؓ کی پرعظمت ہستی سے قریب کردیتی تھی۔ اس لئے آج اشکبار قلم کی زبان پر بے اختیار وہی کلمات تھوڑے سے تصرف کے ساتھ لوٹ لوٹ کر آرہے ہیں۔ جو علی کرم اللہ وجہہ نے ابن خطابؓ کے غم انگیز حادثۂ موت پر کہے تھے، یعنی:۔

اِنَّ موت حسین احمد ثلمۃ فی الاسلام لاترتق الی یوم القیامہ

میں کیا اور میری بساط کیا میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی خلد آشیاں کی بے مثال شخصیت کے بارے میں کیا اظہار رائے کرسکتا ہوں۔ البتہ حضرتؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کی وجہ سے میری نگاہوں کے سامنے چند چیزیں گردش کررہی ہیں اور بار بار مجھے خیال آرہا ہے الٰہی حضرت مدنیؒ جیسی جامع صفات شخصیت اس دنیا میں آیا اس وقت کوئی موجود بھی ہے یا ان جیسا انسان پھر پیدا ہوسکتا ہے۔ ہونے تو دنیا کا کوئی کام بند نہ ہوگا، لیکن وہ شان کہاں سے آئے گی، ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں جو جاتا ہے جگہ خالی کرجاتا ہے۔ بھرنے والے اس جگہ کو بھرتے ضرور ہیں، لیکن صرف خانہ پُری کی حد تک اور ہر آنے والا جانے والے سے کمتر ہی ہوتا ہے۔ کم از کم روحانیت واسلام کے بارے میں تو ہم اس بات کو سولہ آنے درست پا رہے ہیں۔ آج جس نقطہ نظر سے دیکھئے حضرت مدنیؒ خلد آشیاں کو کامل ہی پائیں گے۔ اگر ہم حضرت پر ایک روحانی مربی اور ایک مرشد سالک کی حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں تو آپ کا فیض عرب وعجم میں پھیلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کیا ہند وپاک اور کیا تاشقند وبخارا آپ کے تاب دیئے ہوئے ذرات آج بھی ہر جگہ چمک رہے ہیں اور خود ہندوستان کی کوئی بھی بستی شاید ایسی نہ ہو جہاں آپ کے عقیدت کشِ نہ پائے جاتے ہوں۔

اور اگر اس کے ساتھ تلامذہ کے سلسلہ ذہب کو بھی جوڑ دیا جائے تو آپ سے وابستگان کی تعداد اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے۔ سلوک وتدریس کے علاوہ حضرت عوامی تبلیغ واشاعت میں بھی ان تھک کوشش فرماتے رہے۔ کوئی جمعہ

شاید ایسا ہوتا ہو کہ حضرت جمعہ کے دن دیوبند تشریف رکھتے ہوں۔ ورنہ باہر ہی سفر میں رہتے تھے اور مسلمانوں کی اصلاح معاشرت و درستگی سماج میں انتھک کوشش فرماتے تھے۔ بالخصوص شادی کی تقریبات میں جہاں آپ احیائے سنت اہانت بدعت پر زور دیتے تھے خاص طور پر مہر فاطمی کی بہت زیادہ پابندی فرماتے تھے اور قریب سے قریب متعلقین میں بھی اس معاملہ میں گنجائش نہیں دیتے تھے اگر کوئی مہر مثل وغیرہ پر زور دیتا تھا تو حضرت اس نکاح کو خود نہیں پڑھاتے تھے کسی اور سے پڑھوا دیتے تھے۔

اور کچھ عرصہ سے اسلامی کلچر خصوصاً داڑھی رکھنے پر بہت زیادہ زور دینے لگے تھے اور بڑے بڑے آدمی کو نہایت بے باکی اور ترشروئی کے ساتھ جھڑک دیتے تھے اگر وہ شرعی داڑھی رکھنے کا پابند نہیں ہوتا تھا تو بعض اوقات تو داڑھی منڈے مسلمان سے مصافحہ بھی نہیں فرماتے تھے اور سخت ناراض ہوتے تھے باوجود کثیر مشاغل کے حضرت نے داڑھی کی اہمیت و افادیت "بإعفاء اللحیۃ" کے نام سے ایک مختصر مگر جامع رسالہ بھی لکھا ہے جس میں داڑھی کی ضرورت اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس کی حیثیت اور یونی فارمیت (UNIFARMIAT) پر خاص زور دیا ہے آپ چونکہ ایک مذہبی جید عالم تھے اس لئے مسلمانوں کی اصلاح معاشرت کو اپنا فرض منصبی خیال فرماتے تھے اور ہر وہ کام کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے جس میں مسلمان قوم کی فلاح و بہبود ہو۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ غیر مسلموں سے نفرت کرتے ہوں یا ان کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوں، بلکہ غیر مسلموں پر بھی الخلق عیال اللہ کے نقطۂ نظر سے کچھ کم شفیق و مہربان نہ تھے۔ بالخصوص اپنے سیاسی عقیدے۔ یعنی سالمیت ہند اور نظام جمہوریت کے سلسلہ میں تو آپ کو ہندو مسلم اتحاد کا دیوتا یا اس صدی کا مجدد کہنا چاہیئے، بلکہ اس سے بھی بلند اگر کوئی درجہ ہو تو میں وہ بھی دینے کے لئے اس لئے تیار ہوں، کیونکہ مجددیت کا تصور ہمارے ناقص ذہنوں میں ابھی تک یہ تھا کہ مجدد دین صرف مذہبی سدھار کرتے ہیں۔ شیخ کی زندگی اور آپ کے رفیع و دقیع کردار نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کو خدمت قوم و وطن پر لگانا اور ان میں اس راہ کا صحیح اور کار آمد شعور بیدار کرنا یہ بھی فرائض مجددیت میں سے ہے۔

یہ کہنے کی مجھے اس لئے جرأت ہو رہی ہے تھوڑی دیر کے لئے مان لیجئے وہ طوفان رست و خیز جو مسلم لیگ کے رہنماؤں نے دو قومی تھیوری کا برپا کیا تھا۔ اگر وہ پورے طور پر کامیاب ہو جاتا اور حضرت کی مجاہدانہ انتھک یورشیں اس کے مقابلہ پر اگر مورچہ نہ لگا دیتیں تو ہند کا گلشن وطن یعنی حضرت چشتیؒ خواجہ اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین کاکیؒ، محبوب الٰہیؒ، صابر کلیریؒ کی یہ سرزمین ہند اسلام کے نام لیواؤں سے خالی ہو چکی ہوتی اور آج اس سرزمین ہند میں اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ ہوتا۔ پھر یہاں کے اسلامی معابد و مشاعر کا کیا بنتا اور یہاں پر اسلامی کلچرل نشانات پر کیا بیتتی اور آٹھ کروڑ مسلمانوں کا یہ طوفان بلا کہاں جا کر پناہ لیتا جب کہ نام نہاد پاکستان مٹھی بھر پناہ گزینوں کو بھی ابھی تک صحیح معنوں میں آباد نہیں کر سکا ہے۔

حضرت کے سیاسی شعور اور رہنمایانہ بصیرت نے مسلمانوں کی بروقت صحیح رہنمائی فرمائی، لیکن پھر بھی مسلمانوں کی ایک مخصوص جماعت خود غرض اور ابن الوقت لیڈروں کے ورغلانے سے پاکستان کی صورت میں کٹ کر الگ ہو گئی ہندو مسلم اتحاد کے زمانے میں حضرت نے جس قدر انتھک اور انمٹ جد و سعی فرمائی ہے، وہ تاقیام قیامت قائم و دائم رہے گی۔ نہ صرف اغیار بلکہ اس سلسلہ میں حضرت کو اپنے قریبی حلقوں سے کافی دکھ پہنچا اور ایک زمانہ تو وہ تھا کانگریس کی حمایت میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور شیخ ہی کا نام لیا جاتا تھا اور دوسرے حامی یا تو جدا ہو گئے یا مسلم لیگ کے زہریلے پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر خاموش ہو بیٹھے تھے۔

ایسے آڑے اور نازک وقت میں ایک مجدد ہی کی ہمت و بصیرت ہی کام کر سکتی تھی۔ ایسے ہمت شکن لمحات میں حضرت کے مستحکم ارادوں اور غیر متزلزل قوت ارادی میں ذرہ برابر بھی کمزوری پیدا نہیں ہوئی اور راہ کی تمام رکاوٹوں اور دشواریوں کے باوجود آپ اپنی قوت بصیرت اور نور ایمانی سے سوچی ہوئی راہ پر برابر مضبوطی اور استقلال کے ساتھ گامزن رہے اور بالآخر ہندوستان کو ترنگے جھنڈے کے زیر سایہ جمہوری بنیادوں پر آزادی دلائی اور آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے ہندوستان کے نظام کو سیکولر شپ (غیر مذہبیت) نصیب ہوئی۔

حضرت کی ریشمی رومال کی تحریک کو لوگ فرقہ واریت سے تعبیر نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں اگر ایک طرف حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا منصور انصاری نظر آتے ہیں تو دوسری طرف ہردیال اور راجہ مہندر پرتاپ بھی دکھائی دیتے ہیں بلکہ آپ کی اس زمانہ کی مجوزہ گورنمنٹ میں صدارت جمہوریت کے لئے راجہ مہندر پرتاپ ہی کو منتخب کیا گیا تھا اور یہ ایک مجدد ہی کی شان ہے کہ حضرت مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ اور حضرت مولانا سید احمد صاحب بریلوی مرحوم و مغفور کی تحریک جہاد حریت جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے ابھر کر بالاکوٹ تک پہنچی تھی۔ فرقہ واریت سے خالی اور جمہوری طرز کی سعی و جہد و جہد (EFFORT) تھی اس حقیقت کو جب شیخ وقت نے آشکارا کیا ہے تو دنیائے فرقہ واریت میں ہلچل مچ گئی۔ لیکن حقیقت اپنی جگہ پر پھر بھی حقیقت ہے۔ جس پر حضرت کی خود نوشت سوانح حیات "نقش حیات" کے زرین صفحات بین ثبوت اور کھلے ہوئے شاہد عدل موجود ہیں۔ حضرتؒ نے ہندوستان کی آزادی کی جہد میں یوں تو ساری عمر ہی صرف کر دی، لیکن خالص سیاسی شہرت یافتہ زمانہ بھی آپ کی عمر کا چھانٹا جائے تو ۴۵۔ ۵۰ سال سے کم نہیں ہے عمر عزیز کے بیس سال آپ نے جیل میں بسر کیے۔

آج ہندوستان کی گورنمنٹ پر نظر ڈالیئے، جنگ آزادی کے سپاہیوں میں

سے کوئی بھی شاید ایسا نہ ملے جو گوشۂ گمنامی میں صبر و سکون کے ساتھ بیٹھا ہوا ور اس کے دل میں جہد آزادی کا صلہ لینے کی تڑپ موجود نہ ہو، تحریک حریت کا ہر سپاہی حکومت کی کسی نہ کسی کرسی پر یا تو بیٹھا نظر آئے گا اور یا بیٹھنے کی جدوجہد میں مصروف دکھائی دے گا اور کسی نہ کسی طرح اپنی سابقہ خدمات کا صلہ وصول کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہوگا لیکن ہمیں صرف ایک ہی ذات ایسی نظر آتی ہے جس نے ہندوستان کی آزادی کی بے لوث اور مخلصانہ خدمت کی اور ہندوستان کی آزادی کے بعد جب صدر جمہوریہ کی جانب سے ان کو ایک بہت بڑا خطاب دیئے جانے کی تجویز ہوئی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے اس لئے جدوجہد نہیں کی تھی کہ صلہ اور انعام پاؤں۔

(بحوالہ ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے آفیشل آرگن نیو ایج کا خراج عقیدت۔ الجمعیۃ ۲۴؍ دسمبر، ۵۷ء ص$\frac{5}{1-2-3}$)

اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے اور آپ کو مراتب عالیہ عنایت فرمائے۔

آمین۔ اللّٰھم ثم آمین

"الجمعیۃ" میں "شیخ الاسلام نمبر" کی اشاعت کا اعلان پڑھ کر اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کے باوجود بے اختیار جی چاہا کہ مجاہد اعظم، اسیر مالٹا، بطل حریت، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کی مبارک زندگی پر ایک مختصر مضمون قلم بند کر کے اس پاک باز انسان کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کروں۔ اس بڑھیا کی طرح جو چند دھاگے لے کر خریداران یوسفؑ کی صف میں شامل ہونے گئی تھی۔ احقر بھی چند سطور کے ساتھ "شیخ الاسلام نمبر" کی بزم عقیدت و نیاز میں حاضر ہو رہا ہے۔

کاش الجمعیۃ کو یہ نمبر کچھ دن اور نہ شائع کرنا پڑتا اور ہم اس نمبر کی بجائے خود اس فرشتہ خصلت انسان سے براہِ راست اکتساب فیض کرتے رہتے جس کا آج ہم ماتم کر رہے ہیں اور اس کی جدائی پر خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ آہ! آج علم و عمل کا روشن آفتاب غروب ہو گیا۔ صد آہ کہ سیاست و سیادت کے ماہتاب نے اپنی کرنیں چھپا لیں۔ ہندوستان کا مسلمان بے سہارا ہو گیا۔ عرب کا مسلمان غمگین ہے پاکستان، مصر، عراق، شام، یمن، انڈونیشیا غرضیکہ پورا عالم اسلام ایک خلا سا محسوس کر رہا ہے۔ افغانستان، برما، ملایا، سیام، سماترا، جاوا، تاشقند، سمرقند، بخارا، افریقہ اور ہند چین سب جگہ صف ماتم بچھ گئی ہے۔

کون ہے جو اس زبردست خلا کو پُر کر سکتا ہے؟ کوئی نہیں۔ کیا یہ بھی کسی ملک کی وزارت عظمیٰ یا صدارت کی کرسی ہے جس پر کود کر پہنچ جانے کے لئے ہر سیاسی لیڈر بے چین رہتا ہے اور جلد ہی یہ کرسی کسی نہ کسی کے سپرد کر دی جاتی ہے؟ جی نہیں، یہ ایک ایسا خلا ہے جو جلد نہیں پُر ہوا کرتا۔ اس قسم کا خلا پُر کرنے والی شخصیتیں آرام و آسائش کی متلاشی نہیں ہوا کرتیں اور نہ پارٹی پالٹکس کی پابند ہوا کرتی ہیں، بلکہ حق گوئی، راست بازی، خدمت خلق اور احیائے دین کے لئے جدوجہد کرنا ان کی امتیازی خصوصیات میں شامل ہوا کرتا ہے اور ایسی شخصیتیں خدا کا انعام ہوا کرتی ہیں ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ نے دین کی، مسلمان کی اور وطن عزیز کی

کیا خدمت کی اور کسی قسم کی قربانی دی، یہ مورخ بتلائے گا۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں اور صحیح جانتے ہیں کہ آپ کی ذات سے اسلام اور مسلمانوں کو کثیر فوائد پہنچے اسلام کے رُخ زیبا پر اس کے دشمنوں اور نادان دوستوں نے غلط فہمی اور الزامات کے جو پردے ڈال رکھے تھے وہ اس "مردِ مومن" نے ہٹائے۔ مسلمانوں پر جو جمود طاری تھا اسے ختم کیا۔ علماء اسلام کو منظم کیا۔ مسند درس و تدریس کو آباد رکھنے کے ساتھ ساتھ میدان سیاست کی شہسواری بھی کی۔ دن میں خدا کے بندوں کی خدمت کی تو راتیں قیام و سجود میں گزار دیں۔ "مسلم خوابیدہ" کو جھنجھوڑ کر جگایا، تو دوسری طرف برادران وطن کو صحیح انداز فکر سے روشناس کرایا۔ جوانی کے وہ لمحات جو عام طور سے آرام و آسائش کی نذر کر دیئے جاتے ہیں۔ اس مرد مومن نے "اسوۂ یوسفی" کو زندہ کرنے میں صرف کر دیئے، بڑھاپا آیا تو اس مرد مجاہد کو اور بھی تیز گامی اختیار کرنی پڑی، کیونکہ یہ وہ دور تھا جو قوموں کی موت و زیست کے فیصلہ کا دور ہوا کرتا ہے اور ایک لمحہ کا سکوت کسی بد قسمت قوم کو ہمیشہ کے لئے موت کی میٹھی نیند سلا دیا کرتا ہے۔

شیخ الہندؒ سے تعلیم دین حاصل کرنے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سے تعلیم سلوک اور خلافت اور پھر قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ سے اجازت پانے کے بعد شیخ الاسلامؒ کی زندگی کا انقلابی دور شروع ہوتا ہے اور استخلاص وطن کی جدوجہد کی جو امانت حضرت سید احمد شہیدؒ سے سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آ رہی تھی اس کا امین اگر کوئی تھا تو وہ تھے حضرت شیخ الاسلامؒ اور حق تو یہ ہے کہ آپ نے امانت کا حق ادا کر دیا۔

آج تو جماعتوں اور لیڈروں کی کھیپ ہر مہینہ میں تیار ہو کر سامنے آتی رہتی ہے، لیکن ذرا تصور کی نگاہوں سے "زندان مالٹا" کی طرف تو دیکھئے۔ جہاں حسین احمد مدنیؒ نے اپنے استاد کے ساتھ چار سال کی اسارت کا طویل زمانہ گزارنے کے لئے دار و رسن کو دعوت دی۔ ذرا "خالق دینا ہال" کی طرف نظر اٹھاؤ جس کے اندر صبح سویرے پولیس کے ڈیڑھ سو مسلح سپاہی داخل ہو گئے ہیں۔ ہال کے احاطہ کے چاروں طرف خاردار تار لگا دیئے گئے ہیں اور سڑک پر بھی پولیس کا دستہ موجود ہے تاکہ عوام قریب جانے سے خوف زدہ ہوں۔ تقریباً دس بجے ڈھائی سو ہندوستانیوں کے مسلح فوجی دستہ نے گولہ بارود کے کافی ذخیرہ کے ساتھ ہال کے عقبی حصہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ ٹھیک گیارہ بجے ملزمین کی گاڑی ہال کے احاطہ میں داخل ہوتی ہے مسلح پولیس کی لاریاں گاڑی کے آگے آگے ہیں، ملزمین ہال میں پہنچا دیئے گئے ہیں اور مقدمہ پیش ہے۔ الزام یہ ہے کہ ملزمین نے کراچی کانفرنس میں ایسی تقریریں کی ہیں جن سے ملک معظم کی فوج میں بغاوت پھیل سکتی ہے۔ جنگ عظیم کا زمانہ ہے۔ اس تحریک کے محرک اور روح رواں حضرت شیخ الاسلامؒ ہیں اور عدالت کے سامنے ڈنکے کی چوٹ پر اعلان فرما رہے ہیں کہ "برطانیہ کی فوج میں مسلمانوں کی شرکت حرام ہے، کیونکہ لائڈ جارج اور چرچل نے اعلان کر دیا ہے کہ یہ جنگ اسلام اور برطانیہ کی جنگ ہے" مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا گیا اور دو سال قید بامشقت کی سزا دیدی گئی، لیکن شیخ الاسلامؒ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا اور ہنسی خوشی زنداں کی طرف چل پڑے کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں

آزادی کا پھل دونوں ہاتھوں سے اپنے جیب و دامن میں بھرنے والے آئیں اور دیکھیں کہ ۲۱ء کے ہمت شکن ماحول میں جنگ آزادی کے اس جانباز سپاہی نے کس طرح اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر آزادی کا نعرہ بلند کیا تھا جس کی گونج آج بھی ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں سنی جا سکتی ہے۔ ملک کی سالمیت اور تحفظ کے دعویدار سامنے آئیں اور اس مرد مجاہد کی خدمات کے آئینہ میں اپنی تصویر دیکھیں۔ ملک کو تباہی سے بچانے والا حسین احمدؒ کے سوا کیا کوئی دوسرا بھی ہو سکتا ہے؟ وہ حسین احمدؒ ہی تو تھا جس نے ہندوستان کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک شمع آزادی کے ہزاروں پروانے پیدا کر دیئے اور لاکھوں انسانوں کے دلوں میں آزادی وطن کی تڑپ پیدا کر دی اور صحیح معنوں میں شیخ الہندؒ عبید اللہ سندھی اور منصور انصاریؒ کے خواب کی تعبیر پوری کر دکھائی۔ کیا کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے آزادی کی راہ میں حسین احمدؒ سے زیادہ صعوبتیں برداشت کی ہیں اور اپنی قوم کے طعنے سنے ہیں، بلکہ ہم تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہیں کہ اگر کوئی دوسرا اس جگہ ہوتا تو کبھی کا جادۂ حق سے ہٹ گیا ہوتا، ہم آج اس پوزیشن میں ہیں کہ شیخ الاسلامؒ کی حب الوطنی، وطن پروری اور حق کوشی کی قسم کھا سکتے ہیں۔

اس مرد مجاہد نے اس وقت آزادی کا علم بلند کیا۔ جب ہندوستان اگر سو نہیں رہا تھا تو پوری طرح بیدار بھی نہیں ہوا تھا۔ کانگرس مکمل آزادی کے مطالبہ سے گریزاں تھی اور مکتب آزادی میں اس نے بیٹھنا شروع کیا تھا۔ خلافت کی تحریک قربانی کا مطالبہ کر رہی تھی اور شدھی و سنگھٹن کے فتنے سر اٹھا رہے تھے۔ غرضکہ ملک کی فضا پورے طور پر مسموم تھی اور کام کرنے والے ہمت ہار بیٹھے تھے۔ لیکن شیخ الاسلامؒ کے پائے استقامت میں لغزش تک نہ آئی۔ آپ برابر جدوجہد فرماتے رہے اور تحریر و تقریر کے ذریعہ اپنا پیغام عوام تک پہنچاتے رہے بالآخر وہ دن آیا کہ ہندوستان آزاد ہوا اور غیر ملکی اقتدار کا جنازہ اٹھ گیا۔ بد قسمتی سے ملک آزاد تو ہوا لیکن دو حصوں میں تقسیم ہو کر جس کا نتیجہ خود حضرت شیخ کے الفاظ میں یہ نکلا کہ

> " وطن عزیز کا صرف آٹھواں حصہ کٹ کر
> جدا ہوا ہے، لیکن مسلمانوں کا نصف سے
> زائد حصہ جدا ہو گیا ہے اور مسلمانوں کا
> تناسب ۱/۳ سے گھٹ کر ۱/۲ رہ گیا ہے "

۱۵ اگست ۴۷ء کی تاریخ اگر ہمارے لئے مسرت و شادمانی کا پیغام لے

کر آئی۔ اس لئے کہ اس دن ملک آزاد ہوا تو دوسری طرف یہی تاریخ ہمارے لئے رنج والم کا سبب بھی بنی، کیونکہ بعض رہنماؤں کی عجلت پسندی سے اسی دن وطن عزیز کے دو ٹکڑے بھی ہوئے جس کا خمیازہ آج تک پوری قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ملک کی تقسیم کی ہمیشہ مخالفت فرمائی اس لئے کہ برطانوی ڈپلومیسی کی کامیابی و ناکامی کا مدار اسی ایک مسئلہ پر تھا۔ افسوس کہ اس مرد بزرگ کی ایک نہ سنی گئی۔ ملک کی تقسیم ہو کر رہی اور مصائب و آلام کے گہرے بادل اس دیس کی دھرتی پر ٹوٹ ٹوٹ کر برسے۔ بدقسمت مسلمان اپنی قسمت کو روتا رہا۔ افسوس کہ شیخ وقت کا پیغام مسلمان کو اس وقت یاد آیا۔ جب قدرت کے انتقام کی گھڑیاں شروع ہو چکی تھیں۔

لائق مبارکباد ہیں وہ ہستیاں جو ایسے آڑے وقت میں سامنے آئیں۔ اور ناسازگار حالات کا مقابلہ کیا۔ ۴۷ء میں جب کہ جگہ جگہ فسادات ہو رہے تھے اور زبان کھولنا دشوار تھا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے پوری جرأت ایمانی اور ہمت مردانہ کے ساتھ اعلان فرمایا کہ "مسلمان کا اس ملک پر اتنا ہی حق ہے جتنا کسی دوسرے شہری کا ہو سکتا ہے۔ اسلام اور بزدلی ایک جگہ نہیں جمع ہو سکتے۔ مسلمانوں کو پامردی اور استقلال کے ساتھ مشکلات کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور اپنے اخلاق و کردار میں بلندی پیدا کرنی چاہیئے"۔

۴۷ء سے ۵۷ء تک دس سال کے عرصہ میں نہ جانے کتنی تقریریں حضرتؒ نے فرمائی ہوں گی۔ ان میں سے ہر تقریر اس لائق ہے کہ اسے حرز جان بنا کر رکھا جائے کاش وہ تمام تقاریر قلم بند کی گئی ہوتیں۔

بہر حال ہمارے عظیم المرتبت رہنما نے جاتے جاتے بھی ہماری رہنمائی فرمائی۔ اور ہمیں وطن عزیز میں باعزت زندگی گزارنے کے گُر بتائے اگر ہمیں اس ملک میں ایک باوقار مسلمان کی زندگی گزارنی ہے تو انہیں کے نقش قدم پر چلنا ہو گا خداوند عالم ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ تو تھا حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی سیاسی زندگی کا ہلکا سا خاکہ، اب آیئے مذہبی زندگی پر بھی اچٹتی سی نگاہ ڈال لیں۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد حجاز مقدس تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں مسجد نبوی میں بیٹھ کر سالہا سال تک درس حدیث دیتے ہیں اور آپ کے درس میں بلاد اسلامیہ کے طلباء شامل ہوتے ہیں ایک عرصہ تک ممالک عرب پر اپنے علم و عمل کا پرچم لہرانے اور تشنگان علم حدیث کو سیراب کرنے کے بعد جانشین شیخ الہندؒ وطن تشریف لاتے ہیں اور اسی شان کے ساتھ مسند درس و تدریس پر متمکن نظر آتے ہیں۔ کلکتہ، سلہٹ، اور پھر دنیائے اسلام کی عظیم دینی درسگاہ "دارالعلوم" دیوبند میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے حدیث کا درس دینا شروع کیا جس کا مبارک سلسلہ اخیر عمر تک جاری رہا۔ دن تو دن رات کے وقت بھی درس دیتے۔ طویل اسفار سے واپسی پر اسی طرح درس کا نظم فرمایا کرتے جیسے کوئی مستقل کیا کرتا ہے درس و تدریس کی اہم ذمہ داری،

دارالعلوم کی مجلس علمی کی صدارت کے فرائض رشد و ہدایت کا سلسلہ، جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کی زبردست ذمہ داری اور دوسرے اہم ملکی و ملی مسائل پر غور و فکر مہمانوں کی فیاضانہ مدارات خطوط و مسائل کے جوابات، دعا تعویذ کا سلسلہ، نجی معاملات میں صائب مشورے۔ اتنی زبردست مشغولیت اور انہماک کے باوصف سفر ہو یا حضر۔ آپ کے روزمرہ کے معمولات میں ذرا برابر فرق نہ آتا۔ کانفرنسوں میں شرکت بھی ہو رہی ہے۔ جمعیۃ علماء کی مجالس میں بڑے بڑے مسائل پر بحث مباحثہ اور قیمتی مشورے بھی پیش فرما رہے ہیں ہر مشتاق زیارت کو ملنے اور کھل کر گفتگو کرنے کی پوری اجازت بھی ہے۔ جب چاہیے جیسی چاہیے گفتگو کر لیجئے۔ ان سب کے باوجود عبادت و ریاضت کے پروگرام میں سرمو فرق نہ آنے پاتا۔

ضعف و ناتوانی کا یہ عالم کہ اٹھنے بیٹھنے میں تکلف ہوتا، مگر کسی کی درخواست رد نہیں فرماتے جس نے بلایا اور جہاں تکلیف دی تشریف لے جاتے تھے نہ یہ مطالبہ کہ فلاں درجہ میں سفر کریں گے اور نہ یہ خواہش کہ یہ کھائیں گے اور وہ نہیں کھائیں گے۔ خدام کی یہ درخواست کہ حضور والا عام طور سے سفر سے احتراز فرمائیں اور خاص خاص موقعوں پر تکلیف گوارا فرمائیں۔ لیکن سفر اب بھی اسی شان کے ساتھ ہو رہا ہے۔ کہیں ٹرین کے ذریعہ تو کہیں رکشہ اور یکہ کے ذریعہ۔ اگر کچھ نہیں تو بیل گاڑی پر ہی منزلیں طے ہو رہی ہیں۔ ضرورت پڑی تو پیدل بھی چل رہے ہیں۔ اللہ اللہ ایک ہم ہیں کہ ایک قدم چلنا عار سمجھتے ہیں ؎

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

اللہ والوں کی یہی پہچان ہے کہ دین کی سربلندی کے لئے ہر تکلیف خندہ پیشانی کے ساتھ اٹھا لیتے ہیں بقول سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب "جیل انسان کے اخلاق اور کیرکٹر کی کسوٹی ہے کہ وہاں بڑے سے بڑا متواضع بد اخلاق نظر آیا۔ لیکن شیخ الاسلام (رحمۃ اللہ علیہ) کے کردار کی بلندی وہاں بھی اسی شان سے قائم نظر آتی ہے، بلکہ اس میں کچھ بھی زیادتی ہی ہے۔ ملازمین جیل کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی اور شفقت کا برتاؤ اور ساتھیوں کی خدمت کرنا اپنا معمول بنا رکھا ہے۔ اپنے کھانے میں سے جیل کے ملازمین کو دینا اور ان پر کسی قسم کی سختی و زیادتی کا نہ برداشت کرنا کیا معمولی باتیں ہیں؟ درحقیقت یہی وہ چیزیں ہیں جن سے کسی انسان کی سیرت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے"۔

بے غرضی، انکساری، حلم، تواضع کی صحیح تصویر اگر دیکھنی ہو تو شیخ الاسلامؒ کی سیرت کا مطالعہ کرو۔ خلوص، للہیت اور خدمت دین کیا چیز ہے۔ یہ بھی ان کی کتاب سیرت کے جلی عنوانات ہیں۔

علماء ہم نے بھی بہت دیکھے ہیں خطیب، ادیب بھی دیکھے ہیں شعرائے اسلام سے بھی ملے ہیں۔ تقریریں سنی ہیں اور مضامین بھی پڑھے ہیں۔ دور و نزدیک

سے کتنے ہی مبلغین اور واعظین کو دیکھا ہے، لیکن ہم بلا خوف و تردید کہہ سکتے ہیں کہ جو خلوص اور بے غرضی شیخ الاسلامؒ کی ذات میں نظر آئی، وہ کہیں نہیں ملی ان کی تقریر دلپذیر میں جو زورِ بیان اور گہرائی پائی وہ آج تک کسی دوسرے کے کلام میں نہ مل سکی۔ تاریخی واقعات وحقائق کا جو تسلسل اور کلام میں جو پختگی اور صداقت ان کے ہاں ہے وہ مشکل ہی سے کہیں اور مل سکتی ہے۔ نہ خواہ مخواہ گفتگو اور تحریر میں طوالت اختیار فرماتے اور نہ ادبی چاشنی کے لئے دامن صداقت واعتدال کو ہاتھ سے جانے دیتے۔ ظاہر و باطن کی یکسانی اگر دیکھنی ہو تو وہ آپ کی ذات میں ملے گی۔ خلوص و دیانت دیکھنا ہو تو آپ کے ہاں ملے گی۔ حق گوئی اور حق کوشی کا سبق لینا ہو تو آپ ہی کی کتاب سیرت کی ورق گردانی کرنی ہوگی الغرض اس دور پر فتن میں اگر ہمیں اسلاف کے نقش ہائے قدم ڈھونڈ نے ہوں تو ہمیں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ کن کن اوصاف کا شمار کیجئے اور کیونکر اس داستان کو ختم کر دیجئے۔ حضرتؒ کی کتاب فضائل کا ایک ایک ورق اپنے اندر حکمت وموعظت کی ہزار داستانیں لئے ہوئے ہے ؎

کبھی جب ذکر چھڑ جاتا ہے ان کا
زبان دو دو پہر ہوتی نہیں بند

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت بالکل اس معالج کی طرح ہے جو سرجری سے بھی واقف ہے۔ ایکسرے بھی کر لیتا ہے۔ خون اور دوسری چیزوں کا امتحان بھی اس کی دسترس سے باہر نہیں ہے اور ایک معالج کو ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے تاکہ بوقت ضرورت اپنے مریض کے حسب حال تدابیر عمل میں لا سکے۔ صورت حال یہ ہے کہ کسی کے ہاں صرف سلوک وطریقت کی گرم بازاری ہے تو کہیں صرف درس گاہ ہی کل کائنات ہے۔ کہیں سیاست ہی اوڑھنا بچھونا بن گئی ہے، لیکن حضرت شیخ کے ہاں ان تمام کا خوشگوار مزاج نظر آتا ہے ؎

در کفے جام شریعت در کفے سنداں عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

آپ کی پوری زندگی بالکل سنت نبوی کے پاک سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اور آپ کی زندگی کا مشن ہی یہ تھا کہ لوگوں کو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے رہیں اور آپ اپنے مقصد میں کامیاب بھی رہے۔ آپ شعائر اسلامی کی پابندی پر ہمیشہ زور دیتے رہے۔ اور جہاں کسی شخص میں اس قسم کی خامی نظر آئی فوراً بزرگانہ شفقت کے ساتھ تنبیہہ فرمائی۔ یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک بار ایک صاحب کو غیر شرعی داڑھی رکھنے پر اس شدت کے ساتھ ڈانٹا کہ وہ لرز اٹھے اور انہوں نے اسی وقت معافی کے ساتھ آئندہ احتیاط کا وعدہ کیا۔ تب کہیں خفگی دور ہوئی ایک طرف دین وشریعت کے معاملہ میں سختی کا یہ عالم اور دوسری طرف نرمی کا یہ حال کہ ہر کس وناکس اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ہر شخص یہی سمجھتا کہ حضرت مجھ پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔

تقریباً چار سال قبل خدام جمیعۃ غازی پور کی طرف سے درخواست بھیجی گئی کہ حضرت ایک دن کے لئے غازی پور تشریف لاکر متوسلین کو زیارت سے مشرف فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے منظور فرما لیا، لیکن تحریر فرمایا کہ اسی زمانہ میں ادوی میں اضلاع شرقیہ کا اجتماع ہو رہا ہے اس لئے اجتماع کی کیا ضرورت ہے" اس تحریر سے یہ ثابت ہوا کہ آپ جلد بازی کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ ضرورت کی حد تک اس کی اجازت دیتے تھے اور اجتماعیت کو ہمیشہ عزیز رکھتے تھے۔

یادگار سفر

شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے غالباً غازی پور کا پہلا سفر اسارت مالٹا سے رہائی کے بعد فرمایا تھا جس میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمراہ تھے اور آخری سفر گذشتہ شوال کے مہینہ میں جو کبھی بھولا نہیں جا سکتا۔ الجمیعۃ میں جو پروگرام آسام سے روانگی کا چھپا تھا اسی کی بنیاد پر ہم لوگ آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت آج فلاں مقام پر ہوں گے۔ جمعہ کا دن تھا۔ تقریباً شام کے ساڑھے تین بجے اچانک ایک کار رکی۔ گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس میں حضرت شیخ تشریف رکھتے ہوں گے۔ دروازہ کھلا اور ایک مولوی صاحب باہر آئے اور فرمانے لگے کہ شیخؒ بنارس سے تشریف لائے ہیں اور فوراً مئو واپس ہو جائیں گے ادھر ہماری نگاہیں کار کی اگلی سیٹ پر جا لگیں اور یہ دیکھ کر کہ واقعی رہنمائے اعظم تشریف فرما ہیں دل کی عجیب کیفیت ہوئی۔ مسرت وشادمانی کا سیلاب امنڈ چلا آ رہا تھا۔ فوراً ڈرائیور کو مسجد تک کار لے چلنے کا اشارہ کیا گیا۔ کار کے پہنچنے میں دیر ہی کیا لگتی۔ حضرت اتر کر روانہ ہوئے۔ احقر نے آگے بڑھ کر سلام اور مصافحہ کیا اور پیچھے ہو لیا۔ ادھر والد صاحب کو خبر ملی تو فوراً ملے۔ اسی وقت بیت الخلاء تشریف لے گئے اور مسجد میں عصر کی نماز ادا فرمائی اور باہر تشریف لائے۔ ہم خدام نے انتہائی عجلت کے ساتھ ہلکے سے ناشتہ اور چائے کا انتظام کر لیا تھا کہ نماز بعد فوراً پیش کر سکیں، لیکن حضرت نے وقت کم ہونے اور ٹھیک وقت سے مئو پہنچنے کا عذر فرمایا۔ چار و ناچار شیخؒ کا عذر ماننا ہی پڑا بغیر کسی خاص اطلاع اور پروگرام کے معتقدین کی خاصی تعداد اکٹھی ہو گئی تھی۔ سب نے مصافحہ کیا اور باچشم پرنم شیخ کو رخصت کیا۔ اس گنہگار نے بھی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور معاً نگاہ چہرۂ مبارک کی طرف اٹھ گئی۔ لبوں پر مسکراہٹ کے آثار تھے۔ میں اس وقت کے نورانی منظر کا کیا حال بیان کروں۔ زبان وقلم عاجز ہیں اس غیر متوقع ورود پر دل مسرتوں کے اتھاہ سمندر میں ڈوبا جا رہا تھا۔ اور واپسی کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا کہ ہم تھوڑی دیر کے لئے کسی دوسری دنیا میں پہنچا دیئے گئے تھے۔

اس واقعہ کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد یہ بتلانا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محبت اور شفقت ہر ایک کے ساتھ یکساں تھی اور کسی کو مایوس نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں جب کہ حضرت بانس کنڈی میں قیام پذیر تھے۔ والد صاحب نے غازی پور کے لئے کچھ وقت نکالنے کی درخواست پیش کی تھی جس کے لئے حضرتؒ نے معذرت فرمائی تھی، لیکن ان کے جذبات شفقت و محبت نے گوارا نہ کیا کہ بنارس سے مئو جاتے ہوئے غازی پور درمیان میں گذر رہے اور معتقدین ہاتھ ملتے رہ جائیں۔ معلوم یہ ہوا کہ حضرتؒ کی کار مئو روڈ پر جا لگی تھی لیکن اسے شہر کی طرف موڑا گیا ؏

شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد

میں نے جو کچھ بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے وہ صرف یہ مشتے نمونہ از خروارے۔ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ورنہ علم و عمل کے اس عمیق سمندر سے بے شمار نایاب موتی نکالے جا سکتے ہیں۔

کسی انسان کا عمر طبعی پا کر اس دنیائے فانی سے کوچ کر جانا کوئی افسوسناک واقعہ نہیں ہے۔ محض اس خیال سے کہ ایک شخص ایک طویل عرصہ تک ہمارے ساتھ رہا اور اب ہمیشہ کے لئے ہماری نظروں سے اوجھل ہو رہا ہے۔ دل کچھ بے چین سا ہو جاتا ہے۔ ایک رقت پیدا ہو جاتی ہے اور آنکھیں اشکبار ہونے لگتی ہیں۔ اس سے زیادہ اس قسم کے حادثات کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب سے کچھ دن پہلے یو پی کے ایک چھوٹے سے شہر میں اسی قسم کا ایک حادثہ پیش آتا ہے، تو نہ صرف یو پی اور ہندوستان بلکہ ساری دنیا کے مسلمان تڑپ اٹھتے ہیں۔ یہ حادثہ ان کے دل و دماغ پر ایک ایسا نقش چھوڑ جاتا ہے کہ رفتار زمانہ کے ساتھ یہ نقش بجائے ہلکا ہونے کے اور گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ دماغ سوچتا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ ایک تسلیم شدہ حقیقت کے خلاف ایسا کیوں ہو رہا ہے، لیکن دل کہتا ہے۔ یہ دماغ کے بس کی بات نہیں، دماغ، دل کی آنکھیں کہاں سے لائے گا۔

دنیا میں ۸۳ سال کی عمر کے بوڑھے روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں مرتے ہیں اور مرتے ہی ان کی جگہ لینے کے لئے ہزاروں لوگ ان کے پیچھے تیار رہتے ہیں، لیکن ان عام مرنے والوں میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز جیسی شخصیت کا شمار کرنا اور یہ سوچ کر خاموش رہ جانا کہ یہ بھی روزانہ ہونے والے حادثات کا ایک جزو ہے۔ ہماری بڑی نادانی ہوگی نہ صرف نادانی ہوگی بلکہ ہم میں سمجھنے کی صلاحیت کا جو فقدان ہوگا اس پر بھی ماتم کرنے کو جی چاہے گا۔

شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ پاک کی ایک رحمت کی حیثیت سے اس دنیا میں تشریف فرما تھے۔ یو پی کی ایک بستی میں اللہ نے رشد و ہدایت کی ایک چھوٹی سی شمع روشن کی تھی جس کی کرنیں اس دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلنے لگی تھیں اور اللہ رسولؐ کے پیغام کی یہ روشنی ہر متلاشیٔ حق کے دماغ کے تاریک ترین گوشے کو بھی منور کر رہی تھی۔ جب اللہ اور اس کے رسولؐ کا پیغام لے کر ہمارے دماغوں کو دستک دینے اور دلوں کی گہرائیوں تک پہنچنے والی طاقت اچانک طور پر ہم سے چھن جاتی ہے تو وہ کون بدبخت ہوگا جس کے دل سے بے اختیار "موت العالم موت العالم" کی چیخ نہ نکلے گی!

مولانا کی شخصیت یقیناً اللہ کی ایک رحمت تھی جس سے مسلمان محروم ہو گئے ہیں اور جب ایک ایسی انمول دولت اور اللہ کی نعمت سے ہم محروم ہو رہے ہیں تو کون پتھر دل ہوگا جس پر اس محرومی اور بدبختی کا اثر روز بروز زیادہ گہرا نہ ہوتا جائے گا۔

افسوس ہے کہ مجھ جیسے بدنصیب کے دل میں ایک حسرت ہی رہ گئی کہ مولانا مرحوم کو قریب سے دیکھنے اور کچھ عرصے کے لئے آپ کی صحبت بابرکات میں رہنے کا شرف حاصل کر سکوں۔ یہ بڑی بدبختی تھی کہ ایسا نہ ہو سکا۔ اب اگر ہزاروں سال بھی اس حسرت کے پورا کرنے میں بسر ہوتے تو اس میں کامیابی ناممکن ہے۔ کیا یہ بدقسمتی عمر بھر ماتم کرنے کے قابل نہیں۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۰ء تک وطنی سیاست کے ایک ہنگامہ خیز دور میں جب کہ روزنامہ آزاد کے بانی کی حیثیت سے اس کے ادارتی فرائض بھی میرے ذمہ تھے۔ ملک کے بہت سارے مسلمانوں کی طرح میرا دل بھی حضرت قبلہؒ سے دور دور رہا۔ مذہبی حیثیت

سے بھی ہمارا مسلک کچھ ایسا رہا کہ آپ سے قریب تر ہونے کے لئے کوئی کشش نظر نہیں آرہی تھی تاہم چند سال قبل جب آپ پہلی مرتبہ بنگلور تشریف فرما ہوتے تو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ مولانا کے چہرے پر تقویٰ کے جلال نے دل کی حالت کچھ دگرگوں سی بنادی تھی۔ اس موقع پر آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی تو دل نے بے ساختہ التجا کی کہ "یا اللہ ان بزرگ کے اعمال صالح اور ان کے اونچے تقویٰ کے طفیل میرے کردار میں بھی بلندی پیدا کر اور اعمال میں پاکیزگی عطا فرما، دل کی تڑپتی ہوئی اس آواز کا اللہ تک پہنچنا یقینی ہے اگرچہ کہ اس وقت تک مجھ گنہگار میں بظاہر کوئی خاص تبدیلی معلوم نہیں ہو رہی ہے، لیکن اللہ پاک کے دربار میں اس التجا کا مستجاب ہونا یقینی امر ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ بزرگوں سے ہماری توقعات میں ناکامی نہیں ہوتی۔

کچھ عرصہ کے بعد شیخ الاسلام آخری مرتبہ رونق افروز بنگلور ہوئے۔ اس وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اچانک طور پر سارے بنگلور میں ابر رحمت چھا گیا ہے۔ سارے ماحول اور ساری فضاؤں میں تقدس کی ایک عجیب وغریب کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ کسی کے سامنے اس کیفیت کا اظہار نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن دل ہی دل میں اس کی لذت محسوس ہونے لگی تھی۔ اس موقع پر بالکل اچانک طور پر دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ بنگلور سٹی میں جو جامع مسجد برسوں سے زیر تعمیر ہے۔ اگر اس میں مولانا ایک مرتبہ نماز پڑھادیں اور اس طرح مسجد کا (گو بینا مکمل سہی) افتتاح ہو جائے تو مسلمانان بنگلور کے لئے ایک قابل فخر بات ہوگی۔ الحمدللہ!

دوسرے ہی دن شہر میں یہ آواز گشت کرنے لگی کہ شیخ الاسلام نے اس شرط کے ساتھ نماز جمعہ پڑھانا منظور فرمالیا ہے کہ اگر ایک مرتبہ یہاں نماز باجماعت پڑھا دی گئی تو پھر ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ جاری رکھنا پڑے گا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب یہاں برابر پنجوقتہ نماز باجماعت ہونے لگی ہے۔

جنوب میں۔ شیخ الاسلام کے دورے کے موقع پر مجھے کچھ ایسے واقعات کا علم بھی ہوا ہے کہ اگر حضرت قبلہ کی زبان کھلتی تو، لاکھوں روپے نچھاور کرنا معمولی بات ہے۔ لوگ اپنی جانیں تک نذر کرنے کو تیار ہو جاتے۔

یہ سب صاف سیدھی اور معمولی سی باتیں ہیں۔ ان میں کوئی فوق الفطرت واقعہ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ پھر بھی ان باتوں سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ کہ آپ کی زبان کا جادو، آپ کی موجودگی کے اثرات، اور آپ کی نظر و توجہ کا اعجاز کس قدر اہمیت رکھتا تھا، لیکن آج جب کہ اس قسم کی عظیم شخصیت ہم سے روپوش ہو جاتی ہے تو ہم کیسے تڑپ نہیں سکیں گے اور اس حادثۂ عظیم سے ہمارے دلوں پر جو زخم لگ چکے ہیں، وہ کب مندمل ہوں گے؟

آج جب کہ دنیائے اسلام میں قحط الرجال ہے۔ مولانا کا انتقال فرمانا ملت اسلامیہ کے لئے ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی مدت دراز تک نہیں ہو سکے گی۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے ہمارے سامنے نہ صرف دینی اور روحانی ترقی کے راستے کھولے ہیں، بلکہ اپنے عمل کے ذریعہ واضح طور پر بھی ہدایت فرمادی ہے کہ ملکی خدمات، سیاسی شعور، اقتصادی تنظیم اور تعلیمی ترقی کے میدان میں بھی ہمیں تیز گامی کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیئے اور اگر ضرورت پڑے تو کسی قسم کی قربانی دینے کے لئے بھی پس وپیش نہیں ہونا چاہیئے۔

اب خدائے بزرگ و برتر کی جناب میں مخلصانہ دعا ہے کہ ملت اسلامیہ کو مولانا کا صحیح نعم البدل عطا ہو اور مولانا نے اپنے اعمال صالح اور گرانقدر تصانیف وغیرہ کے ذریعہ رشد وہدایت کی جو میراث ہمارے لئے چھوڑی ہے اس سے ہمیں پورا پورا فائدہ اٹھانے کا موقع نصیب ہو اور آپ کے مشن کو کامیاب بنانے کی توفیق عطا ہو اور یہ دلی تمنا ہے۔

ابر رحمت ان کے مرقد پہ گہرباری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

آمین۔ عبدالعظیم خان عربی۔ ۶ر جنوری ۱۹۵۸ء

تحفۂ عقیدت ونیاز

(از محمد عبدالرحمن فوتاب۔ رام پور۔ پورنیہ)

بحق شیخ دعا گفتنم شعار آمد ... ازاں زماں کہ سلامے ازاں دیار آمد
نبود ہیچ سکوں در ضمیر من زیں پیش ... جمال شیخ چو دیدم بجاں قرار آمد
نکرد شیخ فراموش چاکر خودرا ... زراہ لطف وکرم سوئے خاکسار آمد
گماں نبود کہ شیخ اندریں دیار آید ... خلاف شان وگماں اندریں دیار آمد
تصورم نبود گر غلط علی گو تم ... بشکل شیخ دریں بزم روزگار آمد
کرا بظاہر وباطن چنیں کمال بود؟ ... بہر مقام چو خورشید آشکار آمد
زمہر او نتوانم کہ لب فروبندم ... دلم ز رحلت آں شیخ اشکبار آمد

چہ خواہی ای دل رحماں دریں سرائے سپنج؟
کہ لالہ نیز دریں باغ داغدار آمد

کل من علیها فان و یبقیٰ وجه ربک ذوالجلال والاکرام ؟

یہ سن کر الجمیعتہ حضرت شیخ الاسلام مولانا و سیدنا قطب عالم السید حسین احمد المدنی نَضَّرَاللّٰهُ وَجْهَهٗ یوم المحشر کے تذکار میں شیخ الاسلام نمبر نکال رہا ہے۔ میرے دل میں بھی آیا کہ مرض وفات کے کچھ حالات جن کا علم خود مجھ کو ہے یا جس کی تفصیل صاحبزادہ مولانا اسعد سلمہ کے ذریعے سے مجھ کو معلوم ہے قلم بند کر دوں۔ شاید کہ شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے متوسلین کے زمرہ میں قیامت کے دن اس ناکارہ کا بھی نام آجائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز کو حق تعالیٰ نے اس قدر کمالات نبوت کا جامع پَرتَو بنایا تھا کہ انسان حیران ہو جاتا ہے کہ کیا کیا لکھے۔ زہد واتقا فقر و فاقہ، غنا و استغنا، عزم و استقلال، سخاوت و شجاعت، صلہ رحمی یتامٰی، بیواؤں اور اہل مساکین حاجت مندوں، غریبوں، بیکسوں کے ساتھ ہمدردی، علوم شریعت و طریقت میں کمال، عزیمت صادقہ، قوت قلب، حیرت انگیز سیاسی بصیرت، ریاضات و مجاہدات، مجاہدانہ زندگی، تواضع و انکسار، ایثار و خاکساری، اخفائے احوال، مہمان نوازی، اکرام ضیف "من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ" پر مکمل عمل مدنی زندگی مسجد نبویؐ میں سالہا سال درس قال اللہ و قال الرسول، اسارت مالٹا، مختلف جیلوں میں سالہا سال قیام کر کے مجاہدات و مراقبات، تعلق مع اللہ واستغراق فی اللہ، دنیائے اسلام کی مرکزی درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں ۳۳ سال تک اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی صحیح بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس چھوٹوں کے ساتھ غایت لطف و کرم، بڑوں کا نہایت درجہ ادب و احترام یہ اس قدر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات ہیں۔ اگر صرف عنوانات ہی شمار کرائے جائیں تو ان ہی کی فہرست بہت طویل ہو۔ تفصیل کے لئے تو دفاتر کی ضرورت ہے۔ پھر اہل قلم اور اہل بصیرت حضرات ضرور کچھ نہ کچھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ان فضائل پر روشنی ڈالیں گے۔ اس لئے یہ احقر فخر الحسن چند مخصوص امور جن کا تعلق مرض وفات سے ہے۔ قلم بند کر رہا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے پہلے قلب کا دورہ مدراس کے سفر میں پیش آیا جس کی وجہ سے حضرت شیخ صاحبزادہ مولانا اسعد سلمہٗ کے ساتھ جلد دیوبند واپس تشریف لے آئے۔ شروع شروع میں یہ خیال کیا گیا کہ یہ تنفس کا دورہ ہے جو جلد ہی انشاء اللہ جاتا رہے گا، لیکن اسی کے ساتھ پھر حوالی قلب میں درد محسوس ہونے لگا۔ شروع میں یہ تکلیف خفیف سی تھی لیکن آئے دن یہ تکلیف ترقی کرتی رہی۔ سب سے پہلے دیوبند کے مشہور ڈاکٹر اور ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر سبحان علی صاحب نے معائنہ کر کے قلب کا پھیلاؤ تجویز فرمایا۔ پھر مزید اطمینان کے لئے وہ خود حضرت والا کے ساتھ اس سفر میں جس میں حضرت والا بھٹ اور رائے پور تشریف لے جا رہے تھے، ہمراہ تشریف لے گئے۔ تاکہ درمیان میں سہارن پور پہنچ کر ایکسرے لے لیا جائے اور سہارن پور کے سول سرجن صاحب سے بھی مشورہ لیا جائے۔ چنانچہ سہارنپور میں ایکسرے کرایا گیا اور بھی ٹیسٹ کئے گئے۔ پوری طرح معائنہ کے بعد ڈاکٹر سبحان علی صاحب اور سول سرجن صاحب سہارن پور اس پر متفق ہو گئے کہ قلب کا پھیلاؤ شروع ہو چکا ہے۔ حضرت شیخؒ کے پروگرام کے مطابق قصبہ بھٹ کے مشہور رئیس جناب شاہ مسعود صاحب کی کار آئی ہوئی تھی۔ حضرت سہارنپور سے بھٹ تشریف لے گئے۔ ایک شب وہاں قیام فرمایا۔ اس سے پہلے ایک شب کے لئے حضرت مولانا عبد القادر صاحب دامت برکاتہم کے یہاں رائے پور

میں قیام فرمایا۔ وہاں حضرت رائے پوری مدظلہ اور دوسرے اکابر کی یہ رائے ہوئی کہ واپسی میں سہارن پور کے مشہور ڈاکٹر برکت علی صاحب کو (جو کہ حضرت رائے پوری مدظلہ کے عرصہ سے معالج اور کامیاب معالج ہیں اور اپنے تجربہ کے اعتبار سے بڑی شہرت رکھتے ہیں)، دکھلایا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر برکت علی صاحب نے معائنہ کرکے پہلے ڈاکٹروں ہی کی رائے سے اتفاق فرمایا اور مزید اطمینان کے لئے (الکٹرو کارڈیو گرام) لیا گیا اور خون وغیرہ کا بھی ٹسٹ کرایا گیا اور پوری تحقیق اور اطمینان کے بعد جناب ڈاکٹر برکت علی صاحب سہارنپوری کا علاج شروع کرا دیا گیا۔ مقامی طور پر ڈاکٹر سبحان علی صاحب بھی معاون رہے اس کے بعد محترمی مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب ناظم دارالعلوم ندوہ کو لکھنؤ سے بذریعہ تار بلایا گیا۔ تاکہ وہ طبی اور ڈاکٹری دونوں کے ماتحت حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے علاج اور طریقۂ علاج پر نظر فرمائیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اور ان کے ساتھ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی لکھنؤ سے تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب نے تشخیص اور تجویز دونوں سے اتفاق فرمایا اور معمولی ترمیم کے بعد بھی ڈاکٹری علاج ہوتا رہا۔ اس علاج سے درمیان قدرے افاقہ ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اور مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب نے لکھنؤ پہنچ کر یہ خواہش کی کہ یوپی کے مشہور اور تجربہ کار ڈاکٹر عبدالحمید صاحب کو بھی معائنہ کرایا جائے۔ چنانچہ محترم ڈاکٹر عبدالحمید صاحب موصوف کو ٹیلیفون کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب ممدوح جن کے متعلق مشہور رہے کہ وہ باہر کسی مریض کو مشکل ہی سے دیکھنے جاتے ہیں، لیکن مولانا اسعد صاحب سلمہ کی طلب پر بہت جلد دیوبند تشریف لے آئے۔ ہم خدام کو یہ حیرت تھی کہ ابھی تو باہم مشورہ ہو رہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب تشریف بھی لے آئے۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب ممدوح نے اولاً حضرت شیخ کا معائنہ زنان خانہ میں جاکر ہی فرمایا کیونکہ حضرت شیخ کو تمام ڈاکٹروں نے نقل و حرکت اور باہر آنے سے قطعاً روک روک دیا تھا اور تمام خدام اور متوسلین تقریباً ایک ماہ سے شرف دیدار سے محروم تھے۔ یہ خادم بھی اسی طرح مشتاق زیارت تھا۔ دوپہر کو ایک بجے کے قریب میرے پاس ایک خادم پہنچا۔ جس کو مولانا محمد ازہر صاحب دربھنگوی خلیفہ حضرت نے میرے پاس بھیجا کہ اگر آپ حضرت شیخ کی زیارت کرنا چاہیں تو ظہر کی نماز آج حضرت شیخ اپنے مہمان خانہ میں ادا فرمائیں گے، کیونکہ ڈاکٹر عبدالحمید صاحب ممدوح نے یہ چاہا ہے کہ حضرت کو چند قدم چلا کر بلڈ پریشر کا جائزہ لیا جائے۔ حالانکہ یہ خبر نہایت پوشیدہ اور مخفی رکھی گئی تھی۔ مگر دیدار شیخ کے شیدائی جو عرصہ سے اس کے منتظر تھے کہ کسی صورت زیارت نصیب ہو جائے۔ شمع کی محفل میں آنے سے قبل ہی پروانہ وار مہمان خانہ میں جمع ہونے لگے اور بقول امیر خسرو؂

خرم رسیدہ امشب کہ نگار خواہے آمد
سر من فدائے راہے کہ سوا[illegible]

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

چنانچہ حضرت شیخ کے مہمان خانہ میں تشریف آوری کے بعد تشنگان دیدار کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مہمان خانہ کے دروازوں کو بند کرا دینا پڑا اور بہت سوں سے ناگواری اور جھگڑا مول لینا پڑا۔ مہمان خانہ میں نماز ظہر ادا ہوئی۔ یہ مجلس اگرچہ مختصر تھی، مگر اتنی پر کیف اور مشتاقان زیارت کے لئے ایسی ولولہ انگیز کہ صاحبزادہ عزیز مولوی رشید الوحیدی دنبیرہ حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ کے جذبات ارادت نے فوراً یہ شعر موزوں کر دیئے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا اے شاہد مستانانہ
محفل میں نظر آیا وہ جلوۂ جانانہ ....

جو غنچہ و گل اب تک محروم تبسم تھے
ہے ان کے لبوں پر بھی خوشیوں کا اک افسانہ

مے نوشوں نے بڑھ بڑھ کر پھر جام اٹھائے ہیں
ساقی تری آمد سے گردش میں ہے پیمانہ

وہ کون سی ہے دیدی دیوانے پکار اٹھے
یارب رہے محشر تک باقی ترا میخانہ

بے ہوش یہاں کوئی تقدیر سے ہوتا ہے
اس در کا بہکنا بھی منزل کو ہے پا جانا

گم کردہ منزل کو کیا شوق جہاں بینی
بہتر ہے دو عالم سے اک رہبر فرزانہ

کیا شوق تماشا ہے ساقی ترے رندوں کا
اک جذب کا عالم ہے اور خود سے ہیں بیگانہ

اب تک تھی نگاہوں پر پابندیٔ نظارہ
اب جلوہ نما خود ہے وہ جلوۂ جانانہ

ہے جس کی نگاہوں میں پیغام عمل کوشی
راس آتی ہے مومن کو وہ جرأت رندانہ

تنہائی میں سوچا ہے میں نے یہ رشید اکثر
ہے ان کی غلامی بھی اک رتبۂ شاہانہ

بہر حال نماز ظہر ہوئی۔ باجماعت ہوئی اور حضرت قدس اللہ سرہ العزیز نے باوجود ڈاکٹروں کے منع کرنے کے نماز کھڑے ہو کر ادا فرمائی۔ سبحان اللہ اللہ اکبر۔

اس غایت نقاہت اور کمزوری میں اتباع عزیمت و سنت کی کیسی مثال قدم قدم پر [illegible] فرمائی۔ آہ آج اس شیدائی سنت کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ہمیشہ

کے لئے محروم ہو گئیں۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب ممدوح نے معائنہ فرمایا اور پہلے ڈاکٹروں کی رائے سے ہی اتفاق فرمایا۔ غرضیکہ ڈاکٹری علاج برابر جاری رہا اور پوری توجہ کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ ماہ کامل یہ علاج چلتا رہا، لیکن معمولی تخفیف کے بعد جو مرض ٹھہر گیا تھا اس میں فرق نہیں ہوا۔ یہ امتداد مرض خود پریشان کن تھا۔ تب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور اور دوسرے اکابر اور صاحب رائے حضرات کا مشورہ ہوا کہ حضرت کو دہلی یا لکھنؤ لے جایا جائے۔ آخر میں دہلی کے لئے رائے قرار پائی اور دہلی میں قیام وغیرہ کا انتظام بھی ہو گیا۔ مولانا اسعد صاحب سلمہ جواب تک بے دریغ روپیہ حضرت شیخ کے علاج پر صرف کر رہے تھے۔ آپ کا اصرار تھا کہ دہلی میں جو ڈاکٹر امراض قلب کے ماہر ہیں ان کو دیوبند بلا کر حضرت کا معائنہ کرایا جائے اور جو بھی ان کی فیس ہو وہ پیش کی جائے۔ مگر خود ڈاکٹروں نے جواب دیا کہ جب تک ہسپتال میں داخلہ نہ ہو اس طرح جا کر دیکھ آنا بیکار ہے، کیونکہ دیوبند میں وہ آلات اور وہ ضروریات جو علاج کے لیے ضروری ہیں مہیا نہیں ہو سکتیں۔ بہر حال رائے یہی ہوئی کہ حضرت کو دہلی لے جایا جائے۔ تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم حضرت شیخ (نور اللہ مرقدہ) کو رخصت کرنے کے لئے سہارنپور سے تشریف بھی لائے تھے، لیکن اسی دن اچانک مولانا حکیم عبدالجلیل صاحب اپنے بڑے بھائی مولانا حکیم محمد جمیل صاحب ممبر شوریٰ دارالعلوم کے مشورہ اور اصرار سے دیوبند پہنچے اور انہوں نے مقامی اطباء کے ساتھ حضرت شیخ کا معائنہ کیا۔ نبض دیکھی۔ نبض میں کمزوری بے حد تھی۔ اس حالت میں سفر کرنے کی سختی سے مخالفت کی۔ خواہ جس قدر سہولتیں بھی سفر میں مہیا ہوں، لیکن سفر سفر ہی ہے، ضرور تکلیف دہ حرکات کا سامنا کرنا پڑے گا اور مظنون راحت کے لئے متیقن تکلیف کو خریدیں ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔

اس طرف ڈاکٹری علاج سے کوئی معتد بہ افاقہ نہیں ہوا تھا تو جناب محترم سید محمد شفیع صاحب اور دوسرے مخلصین اور اکابر کی یہ رائے ہوئی کہ جب کہ موجودہ حالات میں حضرت شیخ کو دہلی نہیں لے جانا ہے تو پھر علاج بجائے ڈاکٹری کے یونانی تجربتاً کرا کر دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ اس ذیل میں جناب حکیم ذکی احمد صاحب مالک جید برقی پریس دہلی، محترم جناب حکیم عبدالحمید صاحب متولی ہمدرد دواخانہ دہلی اور جناب حکیم محمد صدیق صاحب امروہوی ثم بریلوی کے اسمائے گرامی سامنے آئے لیکن یہ خیال کر کے کہ یہ دہلی کے دونوں حضرات نہ مستقل وقت دے سکتے ہیں نہ یہاں دیوبند میں قیام فرما سکتے ہیں۔ بہتر ہو کہ جناب حکیم محمد صدیق صاحب بریلوی جو اپنی حذاقت اور مہارت فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ان کو بلایا جائے۔ نیز حکیم عبدالجلیل صاحب کو بھی تکلیف دی جائے اور بعدہ ان حضرات کو

سے دیوبند آنے کی تکلیف دی جائے۔ چنانچہ جناب حکیم صاحب موصوف کو بریلی سے لینے کے لئے جناب حکیم رمضان الحق صاحب بکھیم پوری کو بہمراہی مولانا نسیم اللہ خان صاحب فیض آبادی روانہ کیا گیا۔ حکیم صاحب ممدوح از راہ کرم فوراً ان کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ حکیم صاحب ممدوح اور دیوبند کے دوسرے اطباء جناب مولانا حکیم محمد عمر صاحب طبیب خاص دارالعلوم اور جناب حکیم محمد شفیق صاحب و مولانا حکیم عبدالجلیل صاحب دہلوی صاحبزادہ مولانا حکیم جمیل الدین صاحب رحمۃ اللہ ان سب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ مشورے کئے اور جناب حکیم محمد صدیق صاحب بریلوی نے نسخہ تجویز فرمایا جس کو سب نے پسند فرمایا۔ اب یہ دوسرا علاج یونانی شروع ہو گیا۔ اس علاج کے دوران میں حضرت شیخ کو کافی افاقہ ہوا اور کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ رح نماز ظہر کے لئے برابر مسجد میں تشریف لانے لگے۔ اس کے بعد عصر کے بعد بھی اپنے دولت کدہ پر جہاں عصر کے بعد روزانہ تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ جلوہ افروز ہونے لگے۔ مشتاقان دیدار کا نہ پوچھئے کہ کس طرح ہجوم رہا۔ دور و نزدیک کے لوگ بھی یہ خوش خبری پا کر تشریف لانے لگے۔ وہی پرانی مجلس فیض و افادہ پھر شروع ہو گئی حتیٰ کہ سلوک و طریقت کے زیر تربیت مرشدین اپنے حالات لکھ کر پیش کرنے اور راہنمائی پانے لگے۔

محترم جناب مولانا حکیم محمد صدیق صاحب بریلی سے اور عزیز مکرم جناب مولانا حکیم عبدالجلیل صاحب دہلی سے کئی بار تشریف لائے اور کئی کئی دن قیام فرمایا۔ اس سلسلۂ علاج و آمد و رفت و مہمان نوازی میں بھی جس فراخ حوصلگی کا ثبوت صاحبزادہ مولانا اسعد سلمہ نے دیا وہ بے مثال و بے نظیر ہے۔

قیمتی دواؤں، علاج کی سہولتوں اور اطباء و ڈاکٹروں کی آمد و رفت پر ہزاروں روپیہ صرف کر ڈالا، لیکن مرض میں پھر شدت ہوئی تو دہلی کے طبیب حاذق اور تجربہ کار حکیم عبدالحمید صاحب کو بذریعہ ٹیلی فون تکلیف دی گئی۔ حکیم صاحب قبلہ بمعیت مولانا قاضی سجاد حسین صاحب تلمیذ حضرت رحمۃ اللہ علیہ دیوبند تشریف لائے۔ معائنہ کیا۔ سابق نسخے دیکھے اور مفید مشورے دیئے نتیجہ میں افاقہ محسوس ہوا۔ خدام کی طبیعت پھر شگفتہ ہو گئی۔

اسی اثنا میں جناب حکیم محمد یٰسین صاحب نگینوی لکھنوی ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ حضرت شیخ قدس سرہ اب نماز صبح کے لئے بھی مسجد میں جانے لگے تھے۔ حکیم یاسین صاحب نے شدت سے منع کیا، لیکن حضرت کی ہمت خداداد کو کوئی پابند نہیں کر سکتا تھا۔ ایک دن اہل خانہ میں سے کسی نے فرط محبت میں یہ جرأت کی کہ حضرت کے کمرہ کا دروازہ باہر سے بند کرا دیا حضرت شیخ چپکے سے اٹھے تاکہ نماز فجر کے لئے باہر تشریف لے جائیں۔ دیکھا کہ دروازہ باہر سے بند ہے۔ نہایت ناراضگی اور خفگی کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد ناشتہ کے وقت جو کچھ اطباء نے بتلا رکھا تھا، اہلیہ محترمہ مدظلہا اور صاحبزادی

ریحانہ سلمہا لے کر آئیں تو اس ناراضگی سے ہاتھ مارا کہ تمام برتن بھی گر کر ٹوٹ پھوٹ گئے۔ بڑی معافی کے بعد اس شرط پر ناشتہ کیا کہ مجھ پر نماز کے لئے کوئی پابندی نہیں لگائی جائے گی۔ یہ سب کچھ اتباع سنت کے غایت جذبہ کے ماتحت تھا اسی کو آج آنکھیں ڈھونڈ رہی ہیں اور رو رہی ہیں مرض میں چونکہ مد و جزر برابر جاری تھا۔ مرض میں پھر شدت ہوئی اور یہاں تک تکلیف بڑھی کہ حضرت شیخ کو نہ دن کو چین تھا نہ شب کو آرام۔ نہ دائیں طرف سہارا لے کر چین ملتا تھا اور نہ بائیں طرف نہ سامنے کو تکیہ پر جھک کر سکون نصیب ہوتا تھا نہ پیچھے کو سہارا لے کر۔ غرضیکہ اس طرح کی بے چینی اور اضطراب میں جس میں دس منٹ کے لئے بھی حضرت کو مسلسل کئی رات نیند نہ آسکی۔ تقریباً یہ حالت حضرت پر گیارہ دن مسلسل گزری۔ مزید یہ تکلیف ہوئی کہ حضرت کو ابکائیاں برابر آنے لگیں۔ کوئی چیز معدہ قبول نہیں کرتا تھا۔ کوئی دوا کوئی غذا ان دو دن میں حضرت کے معدہ تک نہیں پہنچی۔ اس کرب و بے چینی کے ایام میں ایک دن جو غالباً پہلا دن تھا۔ جب کہ میں اپنے گھر حسب معمول عشاء کے بعد سو گیا تھا۔ تو تقریباً دس بجے شب کو مولانا ازہر صاحب دربھنگوی پہنچے کہ مولانا اسعد آپ کو بلا رہے ہیں۔ حضرت شیخ کی طبیعت زیادہ ناساز ہے۔ یہ بات سن کر یقین فرمایئے کہ چند منٹ کا راستہ طے کرنا دشوار ہو گیا۔ حضرت کے مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ مولانا اسعد صاحب سلمہ اور مولوی رشید الدین صاحب داماد حضرت و مولوی رشید الوحیدی سلمہ و سعید الوحیدی سلمہ حافظ ارشد میاں سلمہ سب موجود ہیں اور باری باری حضرت کا جسم مبارک دبا رہے ہیں، لیکن اللہ اکبر کس قدر کرب و بے چینی ان آنکھوں نے دیکھی کہ کسی کل چین ہی نہیں پڑتا تھا۔ جس صبر و استقلال کے کوہ گراں نے کبھی تکلیف کو تکلیف ہی نہیں سمجھا تھا۔ اس کی زبان پر کراہنے کی کیسی آواز تھی جس کو سن کر کلیجہ پھٹا جاتا تھا۔ کسی درد بھری آواز سے اس ذات زبان پر بار بار جاری تھا جس کا کیف سننے ہی سے متعلق رکھتا ہے۔ جب رات کے بارہ بجے تو حضرت اقدس کو قدرے سکون ہوا، تو احقر اس کے بعد اپنے گھر چلا آیا، لیکن نیند کس کو آتی تھی۔ ان گیارہ دنوں میں دعائیں اور دوائیں سب ہی بیکار ثابت ہوئیں، کتنی بار حضرات اساتذہ دار العلوم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم معہ دوسرے اساتذہ و طلباء مخلصین کے جمع ہوئے۔ بخاری شریف کے ختم کئے گئے اور طلباء و محبین نے دھاڑیں مار مار کر الحاح و زاری کے ساتھ جناب رب العزت میں صحت کے لئے دعائیں کیں، لیکن ان ایام میں مرض کا اشتداد بڑھتا ہی گیا۔

چنانچہ اس پریشانی میں جناب حکیم ذکی احمد خان صاحب دہلی کے مشہور طبیب کو دہلی سے بلایا گیا۔ مولانا وحید الدین صاحب قاسمی حکیم صاحب ممدوح اور جناب حکیم عبد الجلیل صاحب تینوں حضرات بذریعہ کار تشریف لائے۔ حضرت کا معائنہ فرمایا۔ سابقہ تمام یونانی نسخوں کو دیکھا جن میں [illegible]

کے اول نسخہ کو پسند فرمایا، لیکن ابکائی کی شدت کی وجہ سے ایک خوراک بھی دوا نہیں دی جا سکی۔ جب یہ حالت حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سہارنپور کو معلوم ہوئی تو وہ بذریعہ کار محترم ڈاکٹر برکت علی صاحب کو ہمراہ لے کر تشریف لائے اور پھر مجبوراً ڈاکٹری علاج شروع کرا دیا گیا جس سے ابکائی بھی رک گئی اور سکون ہونا شروع ہو گیا اور نیند بھی آنے لگی۔ دو دن کے بعد حوالی قلب میں درد شروع ہوا، لیکن وہ بھی دوسرے دن کم ہوتا گیا۔

حضرت شیخ کے وصال سے چھ دن قبل سے روزانہ صاحبزادہ مولانا اسعد صاحب سلمہ کی کرم فرمائی سے اس احقر کو بعد مغرب آدھ گھنٹہ حاضری کا موقعہ حضرت کے پاس مل جاتا تھا۔ ایک دن میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت اب کیا تکلیف ہے"۔ حضرت نے فرمایا کہ بس تکلیف یہی ہے کہ میں نکما یہاں پڑا ہوا ہوں اور تم سب لوگ کام کر رہے ہو۔ پڑھ رہے ہو اور میں نے ساری عمر ضائع ہی کی۔ ساری عمر برباد کی۔ کچھ بھی نہیں کر سکا۔ گریہ کا عالم طاری ہو گیا۔ اللہ اللہ جس شیخ مقدس کی علمی و عملی زندگی اس قدر کامیاب گزری ہو کہ اس کا کوئی بھی لمحہ خدمت خلق اور تعلق مع اللہ سے خالی نہ ہو۔ جس کا سونا جاگنا عبادت ہو لیکن خشیتہ اللہ کا اس پر یہ عالم ہے۔ چنانچہ وفات سے دو روز قبل جناب مولانا قاری اصغر علی صاحب خادم خاص و خلیفۂ خاص حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ شاہی مراد آباد جن کو حضرت نے اپنی حیات میں درس بخاری شریف کے لئے عارضی طور پر بلا لیا تھا۔ ان دونوں کی موجودگی میں تذکرہ فرمایا کہ میری چند نمازیں جو تیمم سے ہوئی ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ بیٹھے بیٹھے بلا وضو گزار رہا ہوں اس لئے مجھ کو اس کا بڑا قلق ہے اور پھر یک دم گریہ کا عالم طاری ہو گیا اور حضرت شیخ اس قدر روئے کہ رونا رکتا ہی نہیں تھا جس شجاع، قوی دل، استقلال و عزم کے کوہ گراں نے بڑی سے بڑی مصیبت پر کبھی ایک آنسو تک کسی کے سامنے نہیں گرایا تھا وہ آج کس طرح بلک بلک کر اللہ کے ڈر سے اس طرح رو رہا تھا کہ سارا جسم کانپ رہا تھا۔ بیم و رجا مومن کی شان ہے جب بیم و خشیتہ کا غلبہ ہو تو گریہ کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ایسے وقت ان خاصان خدا پر مشاہدۂ حق کا اس قدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ وہ گرد و پیش سے بالکل بے خبر ہو کر بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی لاتعداد نعمتوں اور بے شمار احسانات کی بارش کے مقابلہ میں وہ اپنی طاعات اور خدمات کو ذرۂ بے مقدار سے زیادہ نہیں جانتے۔ بہرحال یہ روحانی کیفیات کا مد و جزر تھا مگر مرض میں بالکل تخفیف تھی نہ کرب و بے چینی تھی نہ کسی خاص تکلیف کا اظہار تھا۔ ہاں اشتہا کئی دن سے نہ تھی اور بار بار ابکائیاں آتی تھیں۔ آخر میں یہ ابکائیاں بھی چار دن قبل بالکل بند ہو گئی تھیں۔ منگل کے دن ۳ دسمبر ۱۹۵۷ء کو طبیعت کافی سکون پر تھی۔ بدھ [illegible] احقر بعد مغرب حاضر خدمت ہوا۔ طبیعت کو بہت

خوش پایا۔ مولانا اسعد سلمہ نے "القول الجمیل" سے چند ایات کی نشان دہی چاہی تو حضرت شیخؒ اٹھ کر بتلانے کے لئے تیار ہو گئے، لیکن اصرار کے بعد آپ نے لیٹے لیٹے بہت جلد ان آیات کو بتلا دیا جن کی تلاش تھی۔ ہائے اب ایسا جامع شیخ کہاں سے لائیں جو اپنی ادنی توجہ سے مشکلات علمی کو حل فرما دیا کرتا تھا۔

اس کے بعد مولانا اسعد سلمہٗ اور مولوی رشید الدین صاحب حضرت کے داماد رشید الوحیدی اور سعید الوحیدی سلمہا خدمت میں لگ گئے اور اس سارے گھر نے حضرت کی اس قدر خدمت کی کہ حضرت شیخؒ ان سب سے خوش دنیا سے رخصت ہوئے بالخصوص مولانا اسعد صاحب سلمہ قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے تو حضرت شیخؒ کو اپنے سے اس قدر خوش دنیا سے رخصت کیا کہ شاید ہی کوئی بیٹا اپنے محترم باپ کو اس طرح رخصت کر سکے۔ جزاہم اللہ عنا وعن سائر المسلمین

میں اس شب میں جو جمعرات کی شب ہے۔ یہ سمجھ کر کہ آج حضرتؒ کی طبیعت ماشاءاللہ بہت اچھی ہے۔ جلد چلا آیا۔ مجھ کو کیا معلوم تھا کہ حضرت شیخؒ کی اس عالم میں یہ رات آخری رات ہے۔ چنانچہ جمعرات کی صبح کو حضرتؒ تقریباً دس بجے دن اپنی جگہ سے اٹھ کر چھڑی کے سہارے گھر کے صحن میں جہاں حضرت کی اہلیہ محترمہ، صاحبزادی ریحانہ سلمہا۔ بہو بیٹیاں سب موجود تھیں تشریف لے آئے اور دھوپ میں تھوڑی دیر آرام فرمایا۔ گھر والوں نے جہاں اس قدر کمزوری میں چلنے سے تشویش محسوس کی۔ وہاں اس کی بھی خوشی ہوئی کہ حضرتؒ اب خود چھڑی کے سہارے سے چلنے لگے۔ اس کے بعد حضرتؒ اپنی چارپائی پر تشریف لے آئے۔ تقریباً بارہ بجے دن کو حضرت شیخؒ نے کچھ کھانے کی اشتہا کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ غذا پیش کی گئی۔ طبیعت اس وقت نہایت ہشاش بشاش تھی، چنانچہ حضرتؒ نے جو خط مولانا احمد شفیع صاحب اسلام آبادی کو جو یہ تصوّر شیخ پر لکھا تھا اس پر دستخط فرمائے اور مولانا طاہر علی کلکتوی کے خط کو ملاحظہ فرمایا۔ گھر والے بھی بڑے خوش تھے کہ آج تو حضرتؒ نے غذا بھی قبول فرمائی ہے اور یہ کام بھی تھے۔ بس حضرتؒ کا مرض تو دور ہو گیا۔ ضعف ہی ضعف باقی ہے۔ چنانچہ حضرت تقریباً بارہ بج کر ۴۵ منٹ پر قیلولہ کے لئے لیٹ گئے اور صاحبزادہ اسعد سلمہٗ حضرت کی کمر اور بدن دبانے لگے۔ اسی اثنا میں حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کی چھوٹی صاحبزادی جو مولانا اسعد سلمہٗ کی رضاعی والدہ بھی ہوتی ہیں۔ کچھ بات مولانا اسعد سلمہٗ سے بات کرنے لگیں، تو اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کون ہے۔ کیا بات ہے؟ گویا ہوش وحواس بالکل بجا تھے۔ اب ایک بج چکا تھا اس کے بعد بھی مولانا اسعد سلمہٗ بدن دباتے رہے۔ جب دیکھا کہ حضرت سو گئے ہیں تو وہاں سے ہٹ گئے اس کے بعد بھی ایک بجکر ۳۰ منٹ تک کوئی نہ کوئی اس کمرہ میں جاتا رہا۔ جہاں حضرت اقدسؒ آرام فرما رہے تھے لیکن بدن حرکت یا بیداری کا کوئی اثر نہیں پایا۔ جب دیکھا کہ ڈھائی بج چکے ہیں اور ظہر کی نماز کا وقت مولاناؒ کے معمول سے زیادہ ہو رہا ہے تو حضرتؒ کے گھر میں سے تشریف لے گئیں اور اٹھانا چاہا۔ بار بار آواز دی۔ لیکن کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی، نہ آنکھ کھول کر دیکھا نیند ہے کہ وہ ٹوٹتی ہی نہیں۔ اب گھبراہٹ شروع ہوئی باہر سے مولانا اسعد سلمہٗ کو بلایا گیا۔ انہوں نے نبض کو دیکھا تو نبض نہیں تھی۔ اس کے بعد فوراً قاری اصغر علی صاحب کو بلایا گیا۔ مجھے بھی دارالحدیث میں سید راحت میاں سلمہ نے جب کہ میں ابوداؤد شریف کا سبق پڑھا کر تین بجے حاضری لے رہا تھا۔ یہ خبر دی کہ حضرتؒ کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔ جلد چلئے۔ خدا کی شان میں اور مولانا محمد حسین صاحب بہاری مدرس دارالعلوم دیوبند اسی وقت بذریعہ کار جلال آباد ضلع مظفر نگر کے مدرسہ مفتاح العلوم کے سالانہ جلسہ کی شرکت کے لئے سوار ہو کر روانہ ہونے والے تھے۔ حق تعالیٰ کا بڑا احسان ہے اور شکر ہے کہ پہلے ہی یہ اطلاع مل گئی۔ فوراً گھبرا کر زنان خانہ میں پہنچا۔ دیکھا کہ حضرت بالکل سو رہے ہیں۔ موت کے کوئی آثار نمایاں نہیں ہیں، نہ آنکھیں کچھ کھلی ہیں اور نہ منہ پر کچھ آثار پرواز روح کے ہیں۔ نہ چہرہ پر مردنی ہے۔ اس حالت کو دیکھ کر حیران ہوا۔ نبض دیکھی تو نبض بالکل ساقط تھی صدعین پر ہاتھ رکھے تو کچھ نہ پایا۔ دل گھبرا گیا۔ اتنے میں حکیم محمد عمر صاحب اور اس کے بعد ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے اور انہوں نے قلب پر آلہ لگا کر وہ خبر سنائی کہ جس کے سننے کے لئے کوئی کان اور باور کرنے کے لئے کوئی دل تیار نہ تھا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

اس وقت مولانا سلطان الحق صاحب ناظم کتب خانہ دارالعلوم مولانا سعید احمد صاحب نبیرہ حضرت مولانا گنگوہیؒ مدرس دارالعلوم میں پہنچ چکے تھے چارپائی کو درست کیا گیا۔

مگر عجیب شان دیکھی ہے۔ اب نہ آنکھیں بند کرنے کی ضرورت پیش آئی نہ لبوں کو سمیٹنے کی یہ باتیں خود بخود ہو گئیں۔ آنکھیں اس طرح بند کہ اوپر کی پلک نیچے والی سے پیوست، دہن مبارک اس طرح بند کہ اوپر کا ہونٹ نیچے کے ہونٹ سے بالکل ملا ہوا، چہرہ قبلہ رُخ۔ چہرہ پر آثار مسرت اور بشاشت کے نمایاں اثرات، یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ حضرت اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں۔ جس سے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوا کہ حضرتؒ نے مراقبۂ ذات اور مشاہدۂ ذات کی حالت میں آنکھیں بند کر کے ہم سب کو چھوڑ کر اپنے رفیق اعلیٰ سے دائمی ملاقات کی دولت پائی۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم جو ۵ دسمبر جمعرات کی شام کو چھ بجے سہارنپور پہنچ کر بذریعہ کار جلال آباد تشریف لے جانے والے تھے۔ خدا کی کارسازی ملاحظہ فرمایئے اور قلب کے فیصلہ کی داد دیجئے کہ وہ مراد آباد سے پروگرام کے خلاف چل پڑے اور ٹھیک ساڑھے تین بجے دیوبند تشریف لے آئے۔ جس کے لئے سہارنپور اسٹیشن پر کار بھی جا چکی تھی مغرب

کے وقت حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم بھی سہارنپور سے تشریف لے آئے مغرب سے پہلے یہ تذکرہ رہا کہ حضرت کو کس وقت دفن کیا جائے۔ احقر کی یہ رائے تھی کہ جمعہ کی صبح تک کم از کم ضرور تاخیر فرمائی جائے، لیکن صاحبزادہ اسعد میاں سلمہٗ اور جناب قاری صاحب خادم خاص دونوں کی شدت سے یہ رائے تھی کہ چونکہ حضرت شیخؒ اپنی زندگی میں دفن میں تاخیر کے (فرمان نبوی) کے پیش نظر بالکل مخالف تھے تو میں یہ نہیں چاہتا کہ ان کے دفن میں تاخیر کی جائے تاہم بات سب کے مشورہ سے یہ طے پائی کہ ۹ بجے کے بعد ۱۰ بجے تک نماز جنازہ ہو جائے گی۔ اس درمیان میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا ٹیلیفون مراد آباد سے موصول ہو گیا کہ وہ تشریف لا رہے ہیں تو کام کرنے والوں نے اس کی کوشش کی کہ وہ شریک نماز جنازہ ہو سکیں۔ اس سلسلہ میں روڑکی کے ریلوے اسٹیشن پر کار بھیجی گئی تاکہ مولانا موصوف کو جلد دیوبند لایا جا سکے۔ مغرب کے بعد غسل کے لئے تیاری شروع ہو گئی۔ حضرتؒ کو اسی کمرہ میں غسل دلایا گیا جس میں علالت کے زمانہ میں حضرتؒ آرام فرما رہے تھے۔

غسل حضرت شیخ الحدیث اور حضرت قاری محمد طیب صاحب کی ہدایت سے مولانا عبدالاحد صاحب مدرس دارالعلوم، مولانا راشد حسن صاحب دے رہے تھے۔ ان کے معاون مولانا محمد حسین صاحب بہاری، مولانا شوکت علی خان مولانا عزیز احمد صاحب بی اے فیض آبادی اور دو حضرتؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے مولوی محمد عثمان ہزاروی و مولوی محمد زکریا کراچوی تھے۔ اور یہ احقر فخر الحسن بھی اول سے آخر تک موجود رہا۔ ان کے علاوہ مولانا بشیر احمد خان صاحب و مولانا نصیر احمد صاحب و مولانا محمد ہارون صاحب بھی کچھ وقت کے لئے موجود تھے۔ اکابر کی ہدایت کے مطابق نیز حضرتؒ کی خواہش کے موافق اس تولیہ کی جس میں حضرتؒ نے یہ آخری حج بیت اللہ کا احرام باندھا تھا کفن کی قمیص بنائی گئی اور اس قمیص میں ان تبرکات کو جو حضرتؒ کے نزدیک جان سے زیادہ عزیز تھے۔ قلب کی جانب پیوست کر کے کفنا دیا گیا۔ تبرکات کی تفصیل میں قصداً نہیں ذکر کر رہا۔ جس کا جی چاہے مولانا اسعد سلمہٗ سے معلوم کر سکتا ہے۔ اور بقول حضرت شیخ الحدیث مدظلہ جو انہوں نے اس وقت ہی یہ جملے مجھے خطاب کرتے ہوئے فرمائے کہ "یہ شیخ" جو سراسر تبرک ہیں۔ ان کو تبرکات کی حاجت نہیں، لیکن تم اپنی تمنائیں پوری کر لو۔ جنازہ اب تیار ہو گیا رات کے آٹھ بج چکے ہیں۔ اب باہر لے جانے کی فکر ہے۔ سب غیر مرد باہر ہو گئے۔ اب گھر کی عورتوں نے حضرتؒ کے چہرۂ اقدس کی زیارت کی اور یہ ان کے لئے اب آخری دیدار تھا۔ اس میں کافی وقت صرف ہو گیا۔ ۹ بجے کے قریب جنازہ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم کے نظم سے اس دروازہ سے باہر لایا گیا جو زنانخانہ کا دوسرا دروازہ کہلایا جاتا ہے جو بڑے دروازہ اور پھاٹک کی طرف ہے۔ جنازہ کی چارپائی میں باہر لا کر لانبی لانبی دائیں بائیں دو بلّیاں باندھی

گئی تھیں، تاکہ جنازہ اٹھانے کی سعادت زیادہ سے زیادہ محبین کو مل سکے، لیکن مجمع اس قدر تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ بار بار مجھ سے کہا گیا کہ نظم کیا جائے میں نے عرض کیا کہ میں آج نظم سے عاجز ہوں۔ یہ مجمع میرے بس کا ہرگز نہیں ہے آخر بڑا پھاٹک کھلا۔ میں پھاٹک کھلنے سے پہلے باہر پہنچا۔ مولانا محمد عثمان صاحب نبیرہ حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا راشد حسن صاحب ہم تینوں نے چلا چلا کر سب کچھ کہہ لیا۔ لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر میں مجمع نے کچھ جگہ دی اور جنازہ مولسری کے احاطہ میں نودرہ کے سامنے لے جانے کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں بھی آگے آگے تھا، لیکن میں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے مجمعوں کے انتظام کئے ہیں، لیکن اس رات تو اس قدر مجھ پر دھکے پڑے اور مجھ پر ہی کیا نہ معلوم کتنے دبے۔ کتنے پسے۔ کتنوں کو دھکے دیئے گئے۔ بوڑھوں کو ان کے بڑھاپے کا خیال کئے بغیر دھکوں کا شکار کیا گیا۔ الامان الحفیظ مشکل سے یہ پانچ منٹ کا راستہ پچاس منٹ میں طے کیا گیا۔ نودرہ کے سامنے جنازہ پہنچا تو اب جنازہ رکھنے کی جگہ میں جو لوگ پکڑے ہوئے تھے۔ وہ چھوڑنے کو تیار نہیں۔ بڑی مشکل سے دس منٹ کے بعد جنازہ نودرہ کے سامنے رکھا گیا۔ اس کے بعد جہاں پر اذان پنج وقتہ دی جاتی ہے۔ وہاں لاؤڈ سپیکر کو کھلوا کر اعلان کیا اور بار بار چلایا تب جا کر مجمع کچھ سکون پر آیا۔ اور سب لوگ جہاں جہاں تھے اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

اس کے بعد حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا جنازہ دارالحدیث کے زیریں ہال میں رکھا گیا اور انتظام کے ساتھ اس کا موقعہ دیا گیا کہ لائن وار لوگ جائیں اور حضرت شیخؒ کا آخری دیدار کر لیں۔ یہ سلسلہ تقریباً ۱۲ بج کر ۳۰ منٹ تک جاری رہا۔ بہت سا مجمع اوپر کی گیلری سے جا کر جو چاروں طرف ہے جس میں ہزاروں آدمی بیک وقت زیارت کر سکتے ہیں۔ زیارت کر رہے تھے۔ آ رہے تھے اور جا رہے تھے۔ آخر کار بارہ بج کر ۴۰ منٹ پر نماز جنازہ شروع ہوئی۔ نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی۔ نمازیوں کا مجمع اس قدر تھا کہ میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ سینکڑوں کی تعداد میں دیوبند کے برادران وطن اہل ہنود بھی شامل تھے۔ جنہوں نے یک دم وفات کی خبر پاتے ہی اپنی اپنی دکانیں بند کر دی تھیں اور شوگر مل بھی فوراً بند کر دیا گیا تھا اور مل کے ذمہ داران اور مالکان برابر شریک رہے۔

ایک بجے شب کے قریب جنازہ شمالی دروازہ سے دار جدید ہو کر قبرستان لے جایا گیا۔ یہ مسافت قریبہ جو زیادہ سے زیادہ آٹھ منٹ میں جنازہ کے ساتھ عموماً طے کر لی جاتی ہے اس میں پورا ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوا۔ جنازہ کے قبرستان میں پہنچنے کے بعد جہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب۔ مولانا محمد یوسف صاحب (امیر التبلیغ)، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب و حضرت مولانا مفتی

عتیق الرحمن صاحب و دیگر اکابر بھی موجود تھے۔ قبر میں جناب مولانا عبدالاحد صاحب، صاحبزادہ مولانا اسعد صاحب سلمہ، مولانا راشد حسن صاحب، مولانا شوکت علی خان صاحب نے اتارا اور قیامت تک کے لئے اس خزینۂ علم و معرفت کو آرام سے سلا دیا۔

منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃ اخریٰ

جمعرات کی اس رات میں اور جمعہ کے دن بھر کوئی گاڑی ٹرین، لاری، بس، پرائیویٹ کار ایسی نہ تھی جو حضرت شیخؒ کے جنازہ کی شرکت کے لئے سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں متوسلین کو دیوبند نہ پہنچا رہی ہو اور یہ سلسلہ تو آج ۱۳ دسمبر کو ان سطور کے لکھنے تک برابر جاری ہے اور نہ معلوم کب تک جاری رہے گا۔

جمعہ ۶ دسمبر کو حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دامت برکاتہم کی زیر قیادت ایک تعزیتی جلسہ دارالعلوم کے بڑے ہال میں ہوا جس میں رقت آمیز تعزیتی کلمات حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے فرمائے اس کے بعد حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب مدظلہ کے لئے فرمایا گیا کہ وہ اپنی قوت قلبی کو کام میں لا کر کچھ ارشاد فرمائیں، لیکن مولانا موصوف تو کھڑے ہوتے ہی بے اختیار ہو گئے۔ کچھ کہنا چاہیں نہ کہا جائے آخر دل پر قابو پایا اور آپ نے ایک مختصر اور جامع عالمانہ تقریر فرمائی اس کے بعد جلسہ دعا پر برخاست ہوا۔

اساتذہ اور طلبہ کی پژمردگی میں تو آج تک تخفیف نہیں، لیکن شریعت مطہرہ نے صرف تین دن عزا کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ تین روز مسلسل قرآن خوانی، تسبیح و تہلیل اور ایصال ثواب ہوتا رہا۔ اسباق بند رہے۔ اساتذہ، طلبہ اور جملہ کارکنان دارالعلوم دیوبند اس مشغلہ پاک سے دل بہلاتے رہے اس کے بعد اسباق شروع ہو گئے، مگر ایصال ثواب کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور انشاء اللہ تا قیامت تک جاری رہے گا۔

اللهم ارفع درجات الشیخ فی جنات النعیم لعنك وكرمك برحمتك یا ارحم الراحمین۔

حضرت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز کا ادنیٰ تلمیذ احقر فخر الحسن مدرس دارالعلوم دیوبند۔ ۲۰ رجادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ جمعۃ المبارک۔

اکوڑہ خٹک (مغربی پاکستان)، پختون رہنما اور جنگ آزادی کے ایک بہت بڑے لیڈر اور تحریک شیخ الہندؒ (ریشمی رومال) کے سرگرم ممبر خان عبدالغفار خان صاحب نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ کو زبردست الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ بادشاہ خان کی اکوڑہ خٹک آمد کے موقع پر رات کو جمعیت الطلباء دارالعلوم حقانیہ کے ایک وفد نے بادشاہ خان سے ملاقات کی بندہ اور جناب سمیع الحق صاحب صاحبزادہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ، مہتمم دارالعلوم حقانیہ نے بادشاہ خان سے حضرت شیخ الہند کی تحریک اور ان کے عظیم مجاہدانہ کارناموں اور خفیہ گوشوں پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی اور اس سلسلہ میں جناب سمیع الحق صاحب نے چند سوالات بادشاہ خان کے سامنے رکھے۔ چنانچہ بادشاہ خان نے نہایت خوشی سے ڈیڑھ گھنٹہ تک مسلسل تحریک حریت اور حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک استخلاص وطن کے مخفی گوشوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ انہوں نے جناب سمیع الحق صاحب کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید

حسین احمد مدنیؒ کے سانحہ ارتحال سے ہندوستان ایک عظیم شخصیت سے محروم ہوگیا اور ہم سے حضرت شیخ الہندؒ (نوراللہ مرقدہ) کے جانشین جدا ہوگئے۔

انہوں نے رقت آمیز انداز میں کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت تو یقیناً فرما چکے ہوں گے، لیکن پسماندگان کو دعائے صبر و استقامت کی ضرورت ہے۔ بادشاہ خان نے حضرت شیخ الہندؒ اور ان کی تحریک کے ساتھ اپنی وابستگی کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جنگ آزادی کے سلسلے میں حضرت شیخ الہندؒ کو دیوبند میں مقیم افغانی طلبہ کے ذریعے میری سرگرمیوں (سرحد میں تعلیمی شعور بیدار کرنے اور مدارس قائم کرنے اور دیگر کوششوں) کا علم ہوا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے طلب فرمایا اور میرے ساتھ تفصیلی گفتگو کی اور مجھے اپنی تحریک میں شامل کرلیا۔ اس لئے کہ ہمارا مقصد ایک ہی تھا حضرت شیخ الہندؒ چونکہ یاغستان (آزاد قبائل) میں ایک مستحکم مرکز قائم کرنا چاہتے تھے اور اس کے لئے وجہ موزوں مقام کی تلاش میں تھے۔ اس لئے انہوں نے ہمیں مامور کیا کہ مرکز کے قیام کے لئے یاغستان چلے جائیں اور وہاں قیام مرکز کے لئے جد وجہد کریں اور فرمایا کہ آپ لوگوں کے پاس مولانا عبیداللہ سندھی کو بھی عنقریب بھیج دوں گا جب تک وہ آپ کے ساتھ نہ ملیں، آپ لوگ واپس نہ ہوں۔ چنانچہ وہاں سے واپس ہوکر حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی گفتگو ہوئی اور حضرت شیخ الہندؒ دیوبندی کی ہدایات کے مطابق ضروری امور سے انہیں مطلع کیا۔ اس کے بعد میں اور مولانا افضل محمود صاحب مخفی (جو ریاست دیر کے سیند علاقہ کے رہنے والے بڑے مجاہد تھے) مرکز کے سلسلے میں یاغستان گئے۔ اگرچہ انگریز کی نگرانی انتہائی سخت تھی جس کی وجہ سے ایسے اہم کام اور خطرناک اقدام کا تصور کرنا بھی مہلک تھا، لیکن ہم نے ہمت نہ ہاری۔ ہر جگہ جاسوسی کا ایک جال پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے ہم اجمیر شریف کے بہانے سے سفر پر نکلے اور مالاکنڈ کے راستہ پیدل روانہ ہوئے اور قبائل کو جناب مخفی صاحب کے چچازاد بھائی کی امداد واعانت سے وہاں پہنچے وہاں حالات دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ قبائل میں صرف دو قبیلے ایسے ہیں جن پر فرنگیوں کا اثر نہیں۔ سلارزئی اور مہمند۔ چنانچہ ہم نے کافی صعوبت اٹھانے اور تگ ودو کے بعد ان ہر دو قبائل کی حمایت واعانت سے مقام "زیگی" ریاست باجوڑ کو مرکز بنانے میں کامیابی حاصل کی اور مسلسل دو مہینہ تک مولانا سندھی صاحبؒ کا انتظار کیا۔ لیکن جب وہ نہ آئے تو ہم اپنے علاقہ واپس ہوکر دیوبند گئے اور شیخ محمود حسن دیوبندی کو تمام حالات وکارگزاری سے مطلع کردیا۔ چنانچہ انہوں نے بھی "زیگی" کا مرکز ہونا پسند فرمایا جس کے مضبوط و مستحکم ہونے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ خود یہاں تشریف لانے والے تھے اس اثناء میں جناب مولانا سیف الرحمٰن صاحب مہتمم مدرسہ فتح پوری بھی حاجی صاحب ترنگ زئی کی خدمت میں حضرت شیخ الہند کی جانب سے بطور قاصد خاص آئے گئے۔ (میں نے خود ان کے درمیان خط وکتابت کے کافی فرائض انجام دیئے ہیں، لیکن قبل اس کے کہ کوئی عمل درآمد شروع کیا جائے۔ پہلی عالمگیر جنگ چھڑ گئی۔

حالات کی نزاکت کے باوجود حاجی صاحب مرحوم اور ہم نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ اور حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں آمد و رفت جاری رہی۔ بادشاہ خان نے اس سوال کے جواب میں کہ جب انگریز کی نگرانی اتنی کڑی تھی تو اتنی آمد ورفت اور دیوبند میں قیام کیسے ممکن تھا۔ فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ مجھے اپنے مکان میں خفیہ رکھے تھے اور کئی کئی دن اس گھر سے باہر نہ نکلتے اور اس کے علاوہ حضرت شیخ الہندؒ دیوبند سے باہر کسی غیر معروف اسٹیشن پر مجھ سے مل جاتے جس سے سی آئی ڈی کو بمشکل پتہ لگ سکتا اور وہ مجھے ضروری ہدایات سپرد کر دیتے۔

جنگ عظیم چھڑنے پر حاجی صاحب ترنگ زئیؒ علاقہ بنیر چلے گئے اور وہاں سے سرفروشوں کی ایک جماعت تیار کرکے انگریزوں پر حملہ کردیا اور کافی عرصہ تک نہایت جواں مردی، بہادری اور کامیابی کے ساتھ انگریز کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ جناب سمیع الحق صاحب نے حاجی صاحب مرحوم کے اس جہاد کی ناکامی کی وجوہات کے متعلق استفسار کیا تو بادشاہ خان نے فرمایا کہ ایک اہم وجہ تو حاجی صاحب مرحوم کی اپنی اجتہادی غلطی تھی اور وہ یہ کہ انہوں نے اس جہاد کے لئے پوری تیاری نہیں کی تھی، بلکہ ایک مختصر سی جماعت کو لے کر انگریز جیسے جابر اور مضبوط طاقت سے ٹکر لی۔ اگرچہ حاجی صاحب کے جانفروش سپاہیوں نے ذرّہ برابر دریغ نہ کیا، لیکن مجاہدین کو بالآخر سامان رسد کی قلّت اور کمک نہ ملنے کی وجہ سے سخت مصیبت کا سامنا ہوا۔ حالانکہ شیخ الہندؒ کے پروگرام کے مطابق پہلے سارے سرحدی علاقوں کو منظم اور متحد کرنا اس کو مضبوط محاذ جنگ بنانا ضروری تھا۔ اس کے بعد دشمن پر حملہ کرنا تھا اس کے علاوہ جہاد میں شکست کی ایک وجہ ان نام نہاد مولویوں اور خوانین کی گدّیاں بھی ہوئیں۔ جو صرف اپنے معمولی اقتدار، گدیوں کے بچاؤ اور انگریز کے کٹھ پتلی بننے کی وجہ سے سخت مخالفت کرتے تھے۔

بادشاہ خان نے کہا کہ اس کے بعد حاجی صاحب کی گرفتاری کا سخت خطرہ تھا اور حضرت شیخ الہند کی ہدایت بھی تھی، اس لئے آپ آزاد قبائل یاغستان ہجرت کرگئے۔ ان ایام میں مجھے بھی حراست میں لے لیا گیا تھا اور صرف مجھ کو اور میرے گاؤں والوں کو ایک لاکھ جرمانہ ادا کرنا پڑا اور سارے مدارس بند کر دیئے گئے تھے۔ جمعیۃ الطلباء دارالعلوم حقانیہ کے وفد سے بادشاہ خان نے حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی جماعت کے مجاہدین کے متعلق کہا کہ حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر زعماء (آپ نے مولانا ابوالکلام آزاد کا

نام بھی لیا گیا ان مجاہدین سے جو تعلقات وابستہ تھیں وہ زیادہ تر حسن عقیدت اور ان کی سابقہ شاندار روایات اور ان سے دور رہنے کی وجہ سے تھیں۔

بادشاہ خان نے مولانا عبیداللہ سندھی کے متعلق بتایا کہ انہوں نے حضرت مولانا محمد میاں صاحب عرف منصور انصاری نے حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر کابل ہجرت کر کے وہاں کام شروع کر دیا، چنانچہ جب ہندوستان سے عام ہجرت کے سلسلے میں ہم نے کابل ہجرت کی تو وہاں ان حضرات کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔

ریشمی خطوط کے متعلق بادشاہ خان نے کہا کہ ریشم کے بیل بوٹوں کی شکل میں کپڑوں پر خطوط لکھ کر حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں بھیجے جا رہے تھے جن کے نام سے یہ تحریک مشہور ہوئی۔

بادشاہ خان نے کہا کہ اس تحریک حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ قدس سرہ، حضرت حاجی ترنگ زئی صاحبؒ، مولانا فضل محمود صاحب مخفیؒ، مولانا عبدالعزیزؒ، مولانا عزیر گل صاحب مولانا محمد میاں صاحبؒ عرف منصور انصاری مہاجر کابل، مولانا سیف الرحمٰن نے علی الخصوص کارہائے انجام دیئے۔ ان کے علاوہ کئی قابل ذکر حضرات بھی تھے جو اس وقت ذہن میں نہیں۔ جمیعتہ الطلباء دارالعلوم حقانیہ کے وفد سے بادشاہ خان نے فرمایا کہ میں باقاعدہ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت بھی ہو چکا ہوں۔ وہ مجھ سے بہت خصوصیت رکھتے تھے۔ خان عبدالغفار خان نے کہا کہ تحریک کے ساتھ ربط و تعلق اور میری سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۱۱ء ۱۹۱۲ء سے ہوا۔ جب کہ میں نے ابھی شادی بھی نہیں کی تھی۔ بادشاہ خان نے راقم الحروف (عزیز حیدریؒ) کے ایک جواب میں کہا کہ میں نے تقریباً ۳۵ برس تک جیل کاٹی ہے۔

بادشاہ خان نے آخر میں حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات پر دلی جذبات کا اظہار فرمایا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔ اس سے قبل انہوں نے اکوڑہ خٹک کے ایک عام جلسہ میں بھی حضرت شیخ مدنیؒ کے لئے دعائے مغفرت کی اور کہا کہ ابھی حال ہی میں ہم اس عظیم شخصیت سے محروم ہوئے جنہوں نے ساری عمر انگریز کو مصیبت اور پریشانی میں رکھا۔ جنہوں نے ملک وملت کیلئے عظیم قربانیاں دیں۔ بادشاہ خان نے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی خود نوشت سوانح نقش حیات پر دستخط کرتے ہوئے لکھا کہ مذہب، پیار، محبت، سچائی اور مخلوق خدا کی خدمت کا نام ہے
بادشاہ خان نے جمیعتہ الطلباء دارالعلوم حقانیہ سے صحیح انکشاف کیا کہ میں نے تحریک حریت کے آغاز سے لے کر اس وقت تک کے واقعات اور اپنی سوانح میں ایک مبسوط کتاب لکھی ہے جس میں میں نے تحریک حریت اور تحریک شیخ الہندؒ اور دیوبند کے ساتھ اپنے روابط و تعلق پر بھی تفصیل سے بحث کی ہے اور تمام گوشے قیام پاکستان تک واضح کئے گئے ہیں۔ صرف ترتیب اور نظر ثانی باقی ہے جو وقت کی قلت کی وجہ سے ادھوری پڑی ہے۔ میں نے اس موقع پر کہا کہ اگر گستاخی نہ ہو تو میرے خیال میں یہ کتاب آپ کے دوروں سے تو گیا خود آپ سے بھی زیادہ قیمتی اور جلد قابل توجہ ہے انہوں نے ہنس کر فرمایا۔ میں خود اسے محسوس کر رہا ہوں اور انشاءاللہ عنقریب اس کے لئے فرصت نکالوں گا۔

آخر میں انہوں نے جمیعتہ الطلباء دارالعلوم حقانیہ کو ایک پیغام میں کہا کہ وہ بیدار رہ کر اکابر کے نقش قدم پر چلیں اور ان کے طریق کار اور کارناموں سے سبق لیں۔ کیونکہ غفلت کا انجام ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

دارالعلوم حقانیہ اور جمیعتہ الطلباء نے اپنے مقدس شیخ کے سانحہ وفات پر انتہائی رنج وغم کا اظہار کیا۔ تعزیتی جلسے کر کے ریزولیوشن پاس کرائے۔ نیز کئی دن تک ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی و فاتحہ خوانی کی گئی۔ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم وبانی حضرت مولانا عبدالحق صاحب سابق استاذ دارالعلوم دیوبند نے ایک تعزیتی مکتوب میں ان تمام متوسلین شیخؒ و متعلقین کا شکریہ ادا کیا ہے جو حضرت شیخ الاسلامؒ سے نسبت کی وجہ سے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے یا تعزیتی خطوط و پیغامات ارسال کئے۔ نیز حضرت شیخؒ کے نقش قدم پر چلنے کی اپیل کی ہے۔

ضروری نوٹ

اس تحریک میں ریشمی رومال کو تحریک کا جز یا پروگرام جیسی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ اسی بناء پر ریشمی رومال کی تفسیر وتشریح میں خود عمائدین تحریک کے بیان مختلف ہیں۔

مولانا محمد اسحاق صاحب قاسمی وگیاوی حضرت شیخ الاسلامؒ کے حوالہ سے یہ تحریر فرماتے ہیں کہ رومال پر ریشم سے حروف لکھے جاتے تھے اور خاص خاص لوگوں کو پہاڑوں کے راستے بھیجے جاتے تھے۔

سب سے زیادہ صحیح بات وہ ہے جو صاحبزادہ محترم مولانا اسعد صاحب نے تحریر فرمائی۔ صاحبزادہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"یہ نام انگریزوں کی تحقیقاتی کمیٹی کا دیا ہوا ہے اس لئے کہ ہدایات قبائل میں ریشمی رومال کے ذریعہ گئی تھیں، بلکہ احقر کو یاد ہے کہ ایک بوڑھے شخص (جن کا اب انتقال ہو گیا ہے) حضرت قدس سرہ کے پاس آتے تھے۔ وہ کاغذ کے پھول بہت عمدہ بناتے تھے۔ وہ کاغذ کے گلدستے بناتے انہیں دیوبند سے جاری شدہ ہدایات کا خط رکھا ہوا ہوتا۔ پھر وہ گلدستہ پشاور جا کر بکتا۔ اس کی قیمت بہت

بتائی جاتی تاکہ صرف وہی تاجر خریدیں کہ جو کابل لے آئے ہیں اور اس راز میں شریک ہیں اور اس طرح وہ خط حضرت مولانا عبید اللہ مرحوم تک پہنچتا تھا۔
ایک صاحب اور دیوبند کے قریب گاؤں میں رہتے ہیں موصوف کے ذریعہ ایک مرتبہ ایک خط شیخ الہندؒ نے سرحد بھیجا تھا اور پیدل سفر کرایا تھا ایک تلوار بھی موصوف کو دی تھی وغیرہ۔ غرض ہدایات مختلف اوقات میں مختلف ذرائع سے گئیں۔ مگر انگریزوں کے ہاتھ صرف وہ ریشمی رومال والی بات لگ گئی جس کو انھوں نے عنوان بنا لیا۔"
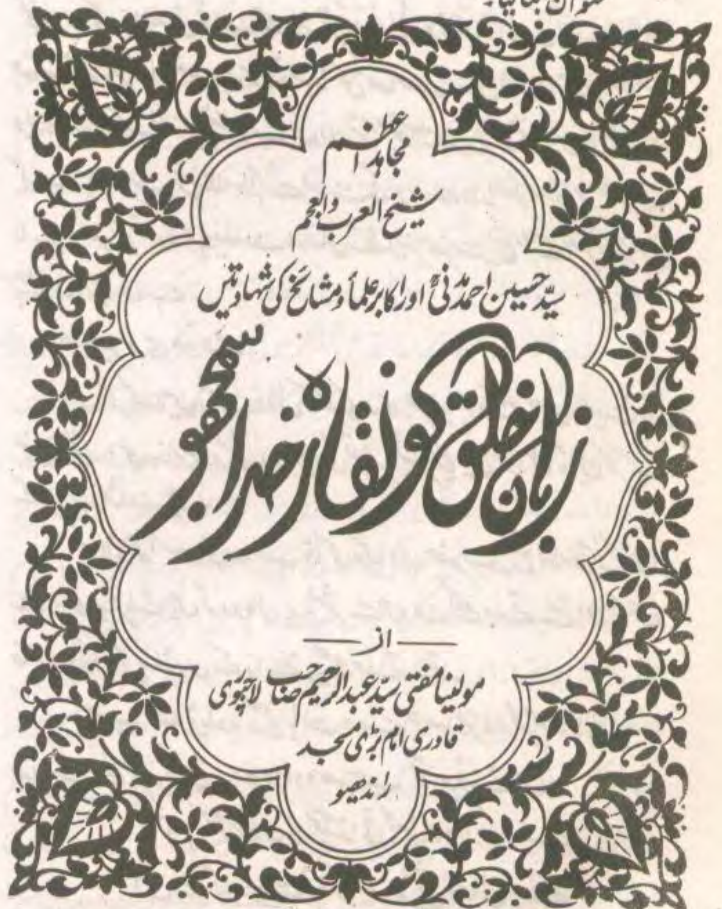
موت التقی حیات لا نفاذ لہا
قدمات قوم وھم فی الناس احیاء

(ترجمہ) متقی اور پرہیزگار کی موت غیر فانی زندگی ہے۔ یہ لوگ بظاہر مر چکے ہیں۔ حالانکہ عالم انسانیت میں دراصل زندہ یہی ہیں۔
جب عالم مخلوقات کی زبان نقارہ خدا ہوتی ہے تو غور فرمایئے اس کی شان کتنی بلند ہوگی جس کے لئے اکابر علماء اور مشائخ دل کی گہرائیوں سے شہادتیں پیش کریں۔ اسی اصول پر شیخ الاسلام حضرت [illegible] علیہ کے متعلق اکابر علماء اور مشائخ کی چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت شیخ الہندؒ اور شیخ الاسلامؒ

شیخ الہندؒ نے بجائے اپنے شیخ الاسلام کو دار العلوم کلکتہ کی صدارت سے نوازا اور کلکتہ رخصت کرتے وقت شیخ الہندؒ نے شیخ الاسلامؒ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا سینے سے چمٹایا اور تمام بدن پر اس کو پھیرا اس وقت کا عالم ہی اور تھا۔ (دیباچہ مکتوبات شیخ الاسلامؒ صہ ۱۸/۱۷)

(۲) حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ

حضرت مولانا حسین احمد صاحب بہت شریف طبیعت کے ہیں باوجود سیاسی اختلافات رکھنے کے بھی کوئی کلمہ خلاف حد ودان سے نہیں سنا گیا (اشرف العلوم) میں اپنی جماعت میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب حسن تدبر اور مولانا حسین احمد صاحب کے جوش عمل کا معتقد ہوں ایک صاحب نے حضرت مدنی کے کسی مجاہدانہ عمل کا حوالہ دیتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت آپ کا اس پر عمل نہیں ہے۔ فرمایا" بھائی میں ان جیسی (مولانا مدنی جیسی) ہمت مردانہ کہاں سے لاؤں" (مقدمہ و دیباچہ مکتوبات شیخ الاسلام)

(۳) حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ

حضرت مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی ثم المدنی آسمان علم ہدایت کے آفتاب اور زہد ورع میں یگانہ اور جہاد تخلیص وطن کے ایک ممتاز شہسوار ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان ان کی ذات گرامی پر جس قدر فخر کریں بجا ہے۔

(۴) حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور

میرے نزدیک ابو حنیفہؒ زمانہ بخاریؒ اور جنیدؒ و شبلیؒ عصر، حضرت اقدس شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مدظلہ کی مدح میں کچھ لکھنے والا مادح خورشید مداح خود است کا مصداق ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ مولانا کی اسارت کی خبر پر حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نے کس قدر رنج و حزن کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، مجھے خیال نہیں تھا مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے" مختصر یہ کہ اس ناکارہ کے نزدیک حضرت مدنی ہی رشد و ہدایت اور علم و فضل کے درخشاں آفتاب ہیں۔

(۵) عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر صاحب مدظلہ رائپوری

بھائی حضرت شیخ مدنی کا ذکر کیا پوچھتے ہو پہلے تو ہم یونہی سمجھتے رہے مگر

وقت کی نزاکتوں اور ہنگامہ آرائیوں میں جب ہم نے اس مرد مجاہد کو آنکھ اٹھا کر دیکھا تو جہاں شیخ مدنی کے قدم تھے وہاں اپنا سر پڑا دیکھا۔ اجی حضرت اس وقت ہر دو منصب پر فائز المرام ہیں اور ملک وملت کی خاطر باطل کے مقابلہ میں حق کا دامن تھام کر جس مردانہ صورت میں استقامت اور استقلال کے ساتھ قربانیاں پیش فرما رہے ہیں یہ شان حیثیت کا مظاہرہ ہے۔

(۶) حضرت مولانا الیاس صاحبؒ

حضرت مولانا مدنی وہ دریا ہضم کئے جن کا ایک جرعہ بھی بے خود کرنے کے لئے کافی ہے۔ (مولانا احتشام الحسن صاحب)

(۷) مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی مدظلہ

حضرت مولانا مدنی مدظلہ نے وطن وملت کے لئے عموماً اور لکھنؤ میں مدح صحابہؓ و آزادی ہند کے سلسلہ میں خصوصاً جو بے غرض خدمات انجام دی ہیں ان کی شرح محال ہے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہی ہے مسلمانان عالم کا سچا رہنما جو الحاد کدۂ ہند میں مشعل اسلامی لئے پھر رہا ہے۔ مسلمانو! اپنے اس شیر دل انسان کی رہنمائی سے فائدہ حاصل کرو زندہ باد حسین احمد مدنی

(۸) حضرت مولانا عزیز گل صاحب مدظلہ

مدنی آقا کے پیارے، شیخ الہندؒ محمود الحسنؒ کے سچے جانشین، حضرت مولانا —— سید حسین احمد مدنی مدظلہ العالی کے اوصاف کوئی کیا لکھ سکتا ہے کسی کی کیا ہمت اور کیا مجال! پھر اگر کوئی جرأت بھی کرے اور دن رات ایک کرے مدت دراز گزر جائے دفاتر پر سو جائیں، مگر حسین احمد مدنی کے اخلاق وعادات، عمل وعبادات اور مجاہدانہ خدمات پر پھر بھی روشنی نہیں ڈال سکتا۔ درحقیقت وہ قابل فخر ہستی ہے کہ جس کی اطاعت میں مسلمانان عالم کی دین اور دنیا کی بھلائی اور آزادی ہند کا راز مضمر ہے۔

(۹) شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ

شیخ العرب والعجم امام الاحرار حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی ذات گرامی اور مقدس حالات کوئی کیا لکھ سکتا ہے! یہ خدا کا بندہ ہر آن اور ہر دم ملک وملت اور مسلمانان ہند کی فلاح وبہبود کی خاطر اپنا عیش وآرام وقف کئے ہوئے ہے۔ دنیا کو اس وقت مولانا کی سخت ضرورت ہے، خدا اس شیر دل مجاہد کو تادیر قائم رکھے۔

نوٹ:۔ یہ تمام آرائیں حسین احمد نمبر مرتبہ محمد یوسف صاحب جوہر ٹمٹور ضلع بجنور اور مقدمہ ودیباچہ مکتوبات شیخ الاسلام سے ماخوذ ہیں۔

نذر عقیدت از رحمت نجمی صاحب میرٹھ

وہ جن کو شیخ حرم العرب والعجم اور شیخ الاسلام کے پیارے اور مبارک خطابات سے دنیا تقریباً نصف صدی سے یاد کر رہی تھی - وہ علوم دینیہ کے بحر ناپیدا کنار اور مسند درس کی زینت تھے۔ ہر ملک کے تشنگان علوم دینیہ اپنی خاطر خواہ پیاس بجھاتے تھے۔ خانقاہوں کی وہ رونق تھے سلوک وطریقت کی بادیہ پیمائی کرنے والوں کو آپ کی ذات سے روحانی غذا ملتی تھی اور معرفت وحقیقت کی راہیں کشادہ ہوتی تھیں۔ محراب ومنبر کو ان کے دم سے زینت تھی، خطیب اعظم اور امام المسلمین تھے۔ ان کا خطبہ جوش وجلال سے لبریز ہوتا تھا اور سامعین کے قلوب میں گرمی وحرارت پیدا کرتا تھا۔ وہ میدان سیاست میں ایک مجاہد اعظم کی حیثیت سے آئے اور ملت کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کیا اور اس کے اندر آزادی وطن کے لئے ایک جوش ایک ولولہ اور ایثار وقربانی کا ایک ایسا جذبہ صادقہ پیدا کر دیا اور ایسا غیر فانی جذبہ جس نے برطانوی شہنشاہیت کی تمام مادی وقہرمان طاقتوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح وارث تھے۔ موصوف نے وراثت کے فرائض کو کما حقہٗ پورا کیا۔ ہاں آج ساری ملت گواہ ہے کہ آپ نے جانشینی کے فرائض کو کما حقہٗ پورا کیا۔ انہوں نے کلمہ حق بلند کرنے کے صلے میں اینٹیں اور پتھر کھائے۔ گالیاں سنیں۔ طعنے اور الزام تراشیاں برداشت کیں۔ بے عزتی کے شرمناک مظاہرے دیکھے، مگر کبھی ان کی پیشانی پر بل نہ آیا۔ وہ اپنے ستانے والوں اور ایذا پہنچانے والوں کو ہمیشہ درگذر اور معاف کرتے رہے اور کسی وقت بھی انتقام لینے کا جذبہ پیدا نہ ہوا۔ ان کا دن اور رات کا اول حصہ خدمت ملک وقوم کے لئے وقف تھا اور شب کے آخری حصہ میں "صوفی شب زندہ دار" کی حیثیت سے مصلےٰ پر کھڑے ہو کر اپنے مولیٰ سے دل لگاتے اور راز ونیاز کی باتیں کرتے رہتے۔

آپ کے اندر قدرت نے حضور صلعم کا عفو وکرم حضرت صدیق اکبرؓ کا خلوص حضرت عمر فاروقؓ کا جوش وجلال حضرت عثمان غنیؓ کی حیا اور انکساری اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم وکمال موجود تھا۔

قدرت نے صدیوں بعد آپ کی ذات کو ہمارے اندر پیدا کیا تھا۔ مگر صد حیف کہ اتنے جلدی واپس بلا لیا کہ ہم سب حیرت زدہ اور از خود رفتہ ہو کر رہ گئے۔

حضرت شیخ الاسلام نے نصف صدی کے قریب تک جو قربانیاں پیش کیں۔ ہندوستان کے واسطے تھیں، مگر بد قسمتی سے آزادی کے وقت ملک کے حصے بخرے ہو گئے۔ ہزاروں لاکھوں بندگان خدا کا ناحق خون بہا۔ وطن سے بے وطن ہوئے۔ اس طرح اچانک تقسیم کا حضرت شیخ پر جو اثر تھا اس کا اندازہ لگانا ہم

خدام کے واسطے وہم وگمان و فہم و قیاس کی پرواز کی بلندیوں سے بہت دور ہے دیگر علمائے اکابر کی بھی یہی کیفیت تھی ۔ بہر حال قدرت کو منظور تھا وہ ہو گیا اور ہو چکا۔

اب حضرتؒ آخری عمر میں ضعیفی و بیماری اور کمزوری کے باوجود ملت اسلامیہ کو جس تعمیر کی جانب لے جا رہے تھے وہ کسی پر مخفی نہیں ہم سب خدام کا فرض ہے کہ حضرت کی آخری خواہش کے مطابق ملت اسلامیہ میں اسلام کی روح پھونک دیں تاکہ حضرت کی روح پاک کو دائمی سکون حاصل ہو۔

دلِ صد پارہ کی داستان قاش فروشی و تیمارداری
چشمِ گریاں کے چند آنسو
سوختہ جان فراق نوکیسے رقم ہو — ایام علالت اور مرض اور وفات کی تفصیلات

اثر: مولوی رشید احمد صاحب وحیدی فیض آبادی نبیرہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

اس مضمون سے صرف حضرت قطب عالم شیخ الاسلام ہی کی یاد تازہ نہیں ہو گی، بلکہ یہ مضمون پرانے رفیق مولانا وحید احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد بھی تازہ کر رہا ہے جو تقریباً بیس سال ہوئے وفات پا چکے۔ مولانا وحید احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز کے برادر زادے تھے چونکہ اپنے والد کی وفات کے بعد بچپن سے حضرت شیخ الاسلام کی زیر تربیت اور حضرت قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ہمدم رہے تھے۔ حتیٰ کہ اسارت مالٹا کے زمانہ میں بھی ساتھ نہیں چھوٹا۔ اس لئے حضرت کو ان سے بہت زیادہ تعلق خاطر تھا۔

یہ مضمون نگار (مولوی رشید احمد صاحب وحیدی) انہیں کے صاحبزادے ہیں۔ آپ معاف فرمائیں اگر کہیں اس مضمون میں بے ربطی اور انتشار محسوس کریں۔ ایک نو یخسز فراق زدہ جس کا دل و دماغ صدمہ سے پراگندہ ہے۔ جمیعۃ خاطر کہاں سے لائے۔ البتہ جن کو محبوب کی طرح ذکر محبوب بھی محبوب ہے وہ اس کی قدر کریں کہ بلا تصنع نہایت سادگی کے ساتھ وہ حالات ان کے سامنے آئیں گے جن کے وہ مشتاق ہیں اور جو ایک سوانح نگار کے لئے انمول موتی کی قیمت رکھتے ہیں۔

(ادارہ)

جمعہ کا دن تھا اور اگست کی ابتدائی تاریخیں کہ ڈیڑھ ماہ کا پروگرام صرف ۲۲ دن میں ختم فرما کر حضرت مدراس سے واپس ہوئے۔ ہمیں خوشی بھی تھی، مگر خوشی سے زیادہ حیرت اور تعجب۔ اپنی زندگی کے ۲۵ سال اسی در پر گزرے حضرتؒ کو قریب و دور سے دیکھا، نہ قریب جاکر مقام کی بلندی کا کچھ پتہ چلا نہ دور سے اس آفتاب عالمتاب کی منور کرنوں کی ماہیت کا اندازہ ہوا، لیکن ظاہر بیں نگاہوں نے جو کچھ بھی مشاہدہ کیا۔ اسی بنیاد پر یہ چند سطور سپرد قلم کر رہا ہوں۔ زندگی کے منجملہ اور حیرت انگیز گوشوں کے ایک گوشہ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ کیسے سخت سے سخت موقع ہو، گھر میں مریض جاں بلب ہو، برسات کی لگاتار جھڑی یا موسم سرما کی طوفانی سرد ہوائیں ہوں، غرض کوئی بھی چیز امام زمانہ، شیخ وقت حضرت اقدسؒ کے طے شدہ پروگرام میں رخنہ نہیں ڈال سکتی تھی اور نہ ہی متعینہ پروگرام میں کبھی تنسیخ کا سوال پیدا ہوتا تھا۔ اس صورت میں تقریباً بیس تیس دن قبل واپسی پر ہم سب کا متحیر ہونا لازمی تھا مگر جلد ہی یہ حیرت ختم ہو گئی اور اس کے بجائے فکر نے دل و دماغ کے ہر گوشے پر تسلط کر لیا، کیونکہ رفیق سفر مولانا اسعد صاحب مدظلہ، سے معلوم ہو گیا

کہ حضرت کی طبیعت اس درجہ خراب ہوگئی کہ آئندہ سفر جاری رکھنا نہ صرف دشوار تھا بلکہ خطرناک بھی تھا۔ اس وقت شکایت صرف یہ تھی کہ زیادہ چلنے یا تقریر کرنے سے سانس پھولنے لگتا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ مجبور ہوکر بیٹھ جاتے تھے۔ اگرچہ اس خبر وحشت اثر سے دلوں کو تکلیف ضرور پہنچی، مگر یہ کہ حضرت مدظلہ العالی کو اب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کہنا پڑ گیا اس کا تصور بھی ذہن کے کسی گوشہ میں نہیں آسکتا تھا۔ مدراس سے واپسی پر دہلی ہی سے حکیم ظہیرالدین صاحب برکاتی ٹونکی اور حکیم جلیل صاحب و حکیم اسمٰعیل صاحب کا تجویز کردہ نسخہ حضرت ساتھ لائے تھے۔ ان حضرات نے پوری توجہ سے معائنہ فرماکر نسخہ تجویز فرمایا تھا۔ دیوبند پہنچ کر اس کا استعمال شروع کردیا تین چار روز بعد حکیم برکاتی صاحب اور حکیم جلیل صاحب دیوبند تشریف لائے اور دوبارہ معائنہ فرماکر نسخے میں ترمیم فرمائی۔ مگر کوئی خاطر خواہ افاقہ محسوس نہ ہوا۔ اس کے علاوہ بُعد مسافت کے باعث وقت پر مشورہ بھی ناممکن تھا، لہٰذا مقامی سول ہسپتال کے ڈاکٹر جناب سبحان علی صاحب کی طرف رجوع کیا گیا۔ حضرت نے باوجود اس تکلیف کے سفر سے آتے ہی سبق شروع فرمادیئے تھے یوں تو ہمیشہ ہفتوں اور مہینوں کے سخت ترین سفر کے بعد کبھی دیوبند پہنچ کر سبق یا دوسرے معمولات میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ انتہا یہ کہ اگر کبھی خاص سبق کے وقت تشریف لاتے اور طلباء دورہ حدیث درس گاہ میں موجود نہ ہوتے۔ تب بھی فوراً طلب فرماتے اور دس بیس جو کچھ پہنچ جاتے درس شروع فرمادیتے، مگر اس سفر کے بعد مولانا اسعد صاحب و اہلیہ محترمہ اور سب خدام کا اصرار یہی تھا کہ حضرت کچھ دن آرام فرمائیں اور مکمل آرام کے بعد سبق پڑھائیں۔ مولانا اسعد صاحب نے باصرار حضرت سے گزارش کی، مگر حضرتؒ برابر سبق پڑھاتے رہے آخر کار آٹھ نو دن کے بعد جب تنفس کی شکایت سے بالکل مجبور ہوگئے تو بڑے دکھ کے ساتھ مدرسے سے باضابطہ چھٹی لے لی۔ ڈاکٹر سبحان علی صاحب ہی کی تجویز سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سہارن پور تشریف لے گئے تاکہ وہاں ایکسرے کرائیں۔

اسی سفر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری سے ملاقات کے لئے رائے پور تشریف لے گئے اور واپسی میں بھٹ جناب شاہ مسعود صاحب رئیس بھٹ کے اصرار پر ایک شب قیام فرمایا، دوسرے دن واپس تشریف لائے۔

ایکسرے کے نتیجے میں یہ بات صاف ہوگئی کہ پھیپھڑے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ البتہ گردے میں خرابی ہے جس کی وجہ سے نہ قلب کو صاف خون ملتا ہے اور نہ قلب پوری طرح عمل کرتا ہے جس کی وجہ سے بلڈ پریشر بھی ہائی ہے۔ اس درمیان میں حضرتؒ اسباق و سفر کے علاوہ خطوط کے جوابات تصنیف مطالعہ وغیرہ کچھ کرتے رہے اور نماز کے لئے مسجد تشریف لے جاتے رہے۔ جملہ معمولات بدستور جاری رہے۔ لیکن بعد میں ڈاکٹروں کے شدید اصرار پر مشاغل ملتوی فرمائے۔ حضرتؒ کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ اور کوئی چیز نہ تھی کہ ان کو ان مشاغل سے روک دیا گیا۔ جن کو آپ حاصل زندگی تصور فرماتے تھے۔ کڑوی سے کڑوی دوا آپ کے لئے قابل برداشت تھی۔ ایک خاص قسم کا نمک جو قلب کے لئے مفید سمجھا جاتا ہے جس کی شوریت کا یہ عالم کہ ایک لقمہ منہ میں رکھنا کام و دہن کی آزمائش تھی۔ وہ سب برداشت مگر ترک مشاغل ناقابل برداشت، بہرحال بیٹھ کر نماز پڑھنے کی شرط تو ایک روز کے لئے بھی تسلیم نہیں کی، باقی اور مشاغل پندرہ روز کے لئے ترک فرمادیئے۔
آج جب کہ یہ صحیح حالات قلم بند کئے جارہے ہیں تو عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ اس پندرہ روزہ آرام کے زمانہ میں بھی یہ کتابیں جو قریب کی الماری میں رکھی تھیں، مطالعہ فرمائیں۔ یعنی حکیم الامت (از مولانا عبدالماجد صاحب)، محمد علی کی ذاتی ڈائری (از مولانا عبدالماجد صاحب)، حیات شبلی (از سلیمان صاحب ندویؒ)، کا مکمل مطالعہ فرمایا۔ اس کے علاوہ مختلف شروح ترمذی و بخاری اور علم عقائد میں نبراس وغیرہ کا مطالعہ فرماتے رہے۔ ایک بار حاضر ہوا تو چھوٹے صاحبزادے

عزیزم ارشد سلمہٗ کی درسی کتابوں میں سے مرقات (منطق) مطالعہ فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ اسے بھی مکمل کرلیا۔ ایک میز چارپائی کے پاس رکھوالی تھی۔ اس پر خطوط وغیرہ اور تعویزوں کا فائل تھا۔ مطالعہ سے فراغت پاتے ہی خطوط لکھتے بعض تصانیف اور طلباء دارالعلوم کی درخواستیں مطالعہ فرماتے اس پر حسب ضرورت سفارش اور نوٹ لکھتے تھے۔ غرضیکہ کسی وقت بھی اس آرام کے زمانہ میں ایسا نہ دیکھا کہ حضرتؒ چپ چاپ تکیہ پر سر رکھ کر آرام فرمارہے ہوں۔ ہم میں سے ہر ایک حاضر ہوتا اور دل میں یہ تمنا ہوتی کہ کوئی ضرورت یا کسی چیز کی حاجت ہو تو پوری کرکے شرف خدمت حاصل کرے مگر دس بارہ منٹ خاموش کھڑے رہنے کے بعد بھی جب مخاطب کرنے کی ہمت نہ ہوتی تو زور زور سے سانس لیتا یا آہستہ سے کھانستا۔ مگر مطالعہ کی ہمہ تن مشغولیت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ کتاب سے نظر ہٹتی ہی مشکل تھی۔ بڑی ہمت سے اگر کوئی پوچھ لیتا کہ حضرت مزاج کیسا ہے تو حسب عادت فرماتے۔ الحمدللہ بہت اچھا ہوں اور پھر کتاب دیکھنے لگتے۔

ایک ہفتہ بظاہر محنت اور کہنے کو آرام کے بعد باہر تشریف لانے کا ارادہ ظاہر فرمایا، مگر معالجین کو اس معمولی آرام پر اطمینان نہ ہوا تو انہوں نے ۵ ادن کی میعاد اور بڑھادی۔ جسے منظور فرمالیا۔ مگر اس آرام کے زمانہ میں برابر چارپائی سے اٹھ کر اپنے حجرۂ مبارک تک تشریف لاتے اور وہاں گھنٹوں کام کرتے اس کے علاوہ تخت پر نماز کے لئے تشریف لاتے، یہی نہیں بلکہ برابر

کھڑے ہو کر فرائض کے علاوہ سنت نفل اور تہجد ادا فرماتے رہے، دو ہی چار دن گزرے ہوں گے کہ باہر تشریف لانے پر پھر اصرار شروع فرمایا۔ اہلیہ محترمہ اور صاحب زادہ مولانا اسعد صاحب برابر اصرار فرماتے رہے کہ کچھ دن انتظار فرمائیں۔ طبیعت کچھ ٹھیک ہونے پر ضرور باہر تشریف لے جائیں، لیکن اگر ایک طرف مہمانان کرام کے سینوں میں شوق زیارت کا شعلہ جوالہ سلگ رہا تھا۔ اگر ایک طرف دور دراز سے آنے والی بیتاب نگاہیں اپنے پیر و مرشد کے منور چہرے کی بے تحاشا متلاشی تھیں۔ اگر ایک طرف مخلصین و محبین کا سینہ محبت و عقیدت، جدائی کی بھٹی میں سلگ سلگ کر صرف ایک نظر دیکھ لینے کی آرزو کر رہا تھا، تو دوسری طرف مہمان نوازی میں سنت ابراہیمیؑ کا حامل، اخلاق و محبت کا پیکر، مخلصین کے اخلاص کا قدردان۔ محبین کے مرض روحانی کا معالج خود بھی ان سے ملنے کو بے قرار تھا، پھر کیوں وہ اس نقصان کو خاطر میں لاتا جو ہماری ظاہر بیں نگاہیں باہر نکلنے میں محسوس کر رہی تھیں، ویسے تو صبح ہی صبح نماز و وظائف سے فارغ ہو کر مطالعہ فرماتے رہتے اور ملنے والوں میں سے جس کو اندر جانے کا موقع ملتا۔ بڑے درد سے فرماتے" دیکھو بھائی مسجد کس قدر قریب ہے۔ مگر مجھے ڈاکٹر اور حکیم نے مسجد تک جانے سے روک دیا ہے۔ یہاں تک کہ باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے کہ میں مہمانوں کے ساتھ باہر ہی جماعت کر لیا کروں۔ ایک دن ظہر کی نماز پڑھ کر بغیر کسی کو اطلاع کئے ہوئے چپکے سے باہر آ گئے۔ بجلی کی طرح یہ خبر پھیل گئی اور تھوڑی ہی دیر میں مہمانوں کے علاوہ شہری حضرات اور طلباء کرام کا ہجوم ہو گیا۔ حضرت نہایت شفقت سے فرمارہے تھے۔ بھائی بیٹھ جاؤ۔ کھڑے نہ رہو، لیکن اتنے دنوں کے بعد حضرت کو دیکھ کر کس کو ہوش تھا جو آپ کا فرمان سنتا۔ اس کے بعد برابر حضرت اقدسؒ عصر کے وقت مہمانوں کی خاطر تشریف لاتے اور مغرب تک قیام فرماتے، اس کے علاوہ مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔ غرضیکہ حالت بہت اطمینان بخش ہو گئی تھی۔ ہم سب بیماری کو تقریباً فراموش کر چکے تھے۔ خود حضرتؒ نے ایک وقت متعین فرمایا تھا کہ فلاں دن سے سبق پڑھاؤں گا۔ رشد و ہدایت کا سلسلہ یوں تو آخر دم تک جاری رہا۔ جیسا کہ آگے آئے گا، مگر کبھی کبھی خصوصی طور پر عام مجلس میں بہت زور دے کر مختلف طریقے سے لوگوں کو سمجھاتے رہے اس درمیان میں ایک مرتبہ جناب ڈاکٹر عبد العلی صاحب اور ان کے برادر ہندوستان کی مشہور ہستی جناب محترم مولانا ابو الحسن علی میاں ندوی اور ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے محترم محمد حسنی تشریف لائے۔ درمیان گفتگو میں حضرتؒ نے محمد حسنی صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علی میاں صاحب سے مخاطب ہوئے۔" آج کل آپ کیا کر رہے ہیں"۔ حضرتؒ اپنے مخصوص محبین کے اخلاص و محبت کو بڑی حد تک محسوس فرماتے تھے اور ایسے لوگوں سے جب ملاقات ہوتی، تو عورتوں بچوں تک کے بارے میں اطمینان بخش طریقے سے خیریت دریافت فرماتے۔ ایک بار جس نے دامن پکڑ لیا۔ پھر وہ خواہ کتنا ہی کھینچتا چلا جائے یا کسی قدر تغافل برتے۔ سالہا سال کے بعد بھی صورت دیکھ کر دیدہ و دل فرش راہ کرنے کو تیار ہو جاتے تھے، یہی نہیں بلکہ جیسا کہ دنیا دیانت داری اور ایمانداری سے اس بات کی معترف ہے کہ حضرتؒ لوگوں کی اصلاح اور ان کے معاملات کی درستگی، اخلاق کی پاکیزگی، عقائد کی صحت یہاں تک کہ ان کے آپس میں اتفاق و محبت کی خواہش میں حرص کی حد تک بے قرار و مضطرب رہتے۔ قارئین کرام پھر اصل واقعے کی طرف آئیں۔ محترم علی میاں ندوی نے عرض کیا کہ حضرت ان کو میں نے کچھ عربی وغیرہ سکھادی تھی۔ اب ماشاءاللہ ایک رسالہ عربی ہی" البعث" کے نام سے نکال رہے ہیں۔ حضرت نے پوچھا:۔ اس کی اشاعت کا کیا حال ہے علی میاں نے عرض کیا حضرت ہندوستان میں تو کم، مگر غیر ممالک اور بالخصوص عرب ممالک میں اشاعت کافی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا ان کو اپنے مدرسے (ندوۃ العلماء) میں کیوں نہیں لے لیتے۔ آج کل مدرسوں کی بقا اور ترقی کا خیال نہایت ضروری ہے ماشاءاللہ یہ اس قابل ہیں کہ کتابیں پڑھا سکیں۔ علی میاں نے عرض کیا، مگر حضرت میں اس دن سے ڈرتا ہوں کہ لوگ طعنہ دیں۔ جیسا کہ بالعموم اس صورت میں بعض سنجیدہ طبقے میں بھی اس پر چہ میگوئیاں ہوتی ہیں کہ اپنے ہی اہل خاندان کو قومی ادارہ سے فائدہ پہنچایا جا رہا ہے۔ یہ سن کر حضرتؒ ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئے اور ہمہ تن متوجہ ہو کر فرمایا کہ بھائی قوم و ملت کے لئے اور ان کی فلاح و بہبود کی خاطر سب کچھ برداشت کرنا چاہیئے۔ بیشک دین کی اشاعت پیش نظر ہونی چاہیئے پھر کسی کے کہنے کی مطلق پرواہ نہ ہونی چاہیئے۔ دنیا والوں کی زبان کون بند کر سکتا ہے۔ آپ اپنے مدرسے کی خدمت اور اس سے ہونے والی دین کی اشاعت کا جائزہ لیں اور فوراً صاحبزادے کے سپرد کچھ کتابیں کر دیں۔ علی میاں نے عرض کیا خیال ہے کہ بلا معاوضہ شروع کرا دوں۔ یہ سنتے ہی حضرت نے چونک کر فرمایا ہرگز نہیں، بلا معاوضہ خدمت لینے سے مدرس کو ذمہ داری کا احساس مطلق باقی نہیں رہتا۔ آپ ہر طرف سے بے نیاز ہو کر ان کو کتابیں دے دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیروں کے علاوہ اپنوں سے کب محفوظ رہے۔ اس کے بعد عربی کا یہ جامع شعر پڑھا۔

ما نجا اللہ والرسول معاً
من لسان الوریٰ فکیف انا

بھائی ہماری تو کوئی حیثیت نہیں ہے۔ دنیا تو اللہ اور رسول پر زبان درازی کرنے سے نہیں چوکتی، غرض کہ اس قسم کی محفلیں طالبان ہدایت کے لئے روزانہ ہی قائم ہونے لگی تھیں، مگر آہ، کیسا بدنصیب تھا وہ وقت، وہ ماحول، وہ لمحہ جب کہ اچانک دوبارہ تنفس کا حملہ ہوا۔ صد حسرت صد افسوس۔ اس بار کا حملہ جان لیوا ہی ثابت ہوا۔ ویسے تو اس درمیان میں بھی برابر اثر رہا، مگر صرف اس حد تک کہ صبح کو پندرہ بیس منٹ کے لئے ہو گیا اور پھر دن رات آرام رہتا تھا۔ ایک

بار حکیم صدیق حسن صاحب بریلوی کا علاج شروع ہوا۔ موصوف کے نسخے سے مرض میں کافی افاقہ ہو گیا۔ حکیم صاحب نے بھی آرام ہی پر زیادہ زور دیا۔ اس لئے حضرتؒ نے باہر نکلنا ترک فرمایا اور اندر ہی رہ کر تمام معمولات پورے فرماتے رہے۔ نماز اب بھی باہر پڑھتے تھے۔ مگر بجائے مسجد جانے کے باہر ہی مہمان خانے میں کافی لمبی جماعت ہو جاتی تھی۔ مگر حضرت مدظلہ برابر اظہار تاسف فرماتے تھے اور اکثر فرماتے افسوس مسجد اتنی قریب ہے پھر بھی مجھے روکا جا رہا ہے حالت بہتر صورت اختیار کر رہی تھی۔ حکیم صدیق صاحب دو چار روز رہ کر واپس تشریف لے گئے۔ اسی وقت میں مجھے دارالعلوم کے کتب خانے سے کوئی کتاب غالباً (اشعتہ اللمعات شرح مشکوٰۃ) نکلوانی تھی۔ حضرتؒ اپنے کمرے میں مصروف مطالعہ تھے، میں حاضر ہوا۔ ڈرتے ڈرتے عرض کیا۔ حضرت ایک سفارش لکھ دیں کتاب مل جائے گی۔ آہ اپنے اپنے مخصوص انداز میں تیز مگر نہایت شفقت آمیز اور ملائم لہجہ میں فرمایا۔ گدھا ہو گیا ہے۔ میرے نام پر کتابیں لیتا ہے اور گم کر دیتا ہے (گذشتہ سال یہ واقعہ ہو چکا تھا، مگر پھر گمشدہ کتاب مل گئی تھی)، میں نے عرض کیا۔ حضرت اب میں پوری ذمہ داری کے ساتھ حفاظت کروں گا۔ حضرت نے درخواست لے لی، پڑھی دستخط فرمائے کتاب مل گئی۔ آہ! بیدرد موت تو نے ہم سے کس قدر انمول خزانہ چھین لیا۔ تو نے اپنے دامن علم و عمل۔ کمال و ہنر۔ فضل و تقویٰ کے جواہرات سے بھر لیا اور ہم تشنگان تہذیب و اخلاق کو روتا تڑپتا چھوڑ کر اپنی سنگ دلی کا ثبوت دیا۔ اب نہ محبت سے وہ ڈانٹ سننے کو ملے گی۔ نہ دل جوئی اور خاطرداری کرنے والی نگاہیں۔ ایک عجیب مسکراہٹ کے ساتھ جس میں ایک طرف لطف اندوزی کی کیفیت ہوتی تو دوسری جانب اصلاح کا خیال پوشیدہ۔ چھوٹی بڑی باتوں پر فرماتے گدھا کہیں کا۔ بیوقوف ہو گیا ہے۔ صاحبزادہ ارشد سلمہٗ کوئی ضد کرتے اور مچل مچل کر اے اباجی! میرے اباجی" اور اباجی ہاتھ سے ہٹاتے ہوئے فرماتے، ہٹ جا بے وقوف کہیں کا، کبھی کبھی فرماتے، جا اپنی آپا (والدہ محترمہ) سے مانگ لے۔ صاحبزادے اس پر بھی ضد کرتے۔ اچھا آپ ان سے کہہ دیں۔ میں بلا کر لاتا ہوں اور جھٹ جا کر کہتے آپا، اباجی بلا رہے ہیں۔ اتنی دیر میں حضرت مطالعہ میں مصروف ہو جاتے اور جب آپا آ جاتیں تو فرما دیتے، دیکھو یہ گدھا کیا کہتا ہے۔ مجھے تنگ کر رہا ہے۔ آپا اسے زور سے گھور دیتیں، مگر ضد اور اصرار کا اتنا بڑا سہارا، اتنا خلیق باپ جس کو نصیب ہو۔ وہ کسی کی کب پرواہ کرتا۔ قیمتی سے قیمتی بڑی سے بڑی چیز ذرا سے اصرار پر حضرت بچوں میں سے کسی کے حوالے فرما کر اپنے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیتے تھے، ایام علالت میں افریقہ سے کوئی صاحب گھڑی لائے جو وہیں سے کسی نے دی تھی۔ یہ گھڑی کم از کم اس ماحول میں عجیب تھی۔ حضرت نے قبول فرمالی اور تکیہ کے نیچے رکھ لی، عزیزم ارشد سلمہٗ کو پسند آ گئی اور بلا کسی پس و پیش کے تکیہ کے نیچے سے نکال کر جیب میں لگا لی، حضرت کو خیال بھی نہیں تھا۔

آہ! حضرتؒ کی مبارک زندگی کے کس کس پہلو کو یاد کیا جائے۔ کس کس گوشے کو اجاگر کیا جائے۔ صحیح معنوں میں صحابہؓ کے اخلاق، ایثار، طہارت و عبادت حب الوطنی، فرنفیگیٔ دین کا نمونہ دیکھنا ہوتا تو اس دور میں نائب رسول اکرم شیخ العرب والعجم، امام حدیث حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھ لیتے۔ ان ایام میں جب حضرت باہر تشریف لانے لگے تھے۔ نماز ظہر جماعت سے ادا کرنے کے بعد، مغرب کے بعد تک باہر قیام فرماتے تھے۔ عصر بعد عام اجتماع ہو جاتا تھا۔ اور اس اجتماع میں ہر شخص کو حق تھا کہ اپنی صلاحیت یا اپنے ذوق کے مطابق جو ضرورت پیش کرنی چاہیے پیش کر دے۔ ایک صاحب نے عرض کیا۔ حضرت بہت دنوں سے تمنا ہے کہ آپ ہمارے گاؤں تشریف لے چلیں۔ حضرت نے بہت آہستگی سے فرمایا۔ بھائی میری خوش نصیبی ہے کہ اللہ پاک نے مجھے آپ لوگوں کی خدمت کا موقع دیا ہے، مگر میری مجبوری اس سعادت میں مانع ہے فرمایا بھائی میں تو خود مجبور ہو رہا ہوں۔ انشاء اللہ بشرطِ صحت زندگی ضرور آپ کے یہاں آؤں گا۔ اس محبت بھرے جواب سے وہ ایسا محبت و عقیدت اور مسرت و سرور سے بھرپور مجلس سے اٹھا کہ اس وقت کی لذت تاحیات فراموش نہ کر سکے گا۔ بعض مخلصین جس میں سے مولانا اسعد صاحب مولوی سلطان الحق صاحب ناظم کتب خانہ دارالعلوم وغیرہ کو درخواستوں کی بے موقع اور بے محل کی تکلیف نہایت شاق گزرتی تھی۔ یہ اشاروں سے منع کرتے تھے۔ ایک روز جب اشارے بھی کام نہ چلا تو مولانا سلطان صاحب نے ہمت کر کے زور سے فرمایا۔ بھائی اب تو حضرت کو آرام کر لینے دو۔ آہ! صرف ایک جواب جو حضرتؒ نے خدام کی محبت کو ملحوظ رکھ کر نہایت شفقت سے عنایت فرمایا تھا اور روزانہ کی کش مکش کے لئے کافی اور آئندہ کے لئے مسکت ہو گیا۔ فرمایا بھائی دنیا آرام کی جگہ تھوڑی ہی ہے۔ یہاں آرام کے لئے نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ اس ایک جواب میں نصیحت تھی۔ طالب علم کے لئے تالیف قلب کا سہارا تھا اور خدام کی خدمت خلق اور محبت خلق کا ایک سبق تھا۔ ان دنوں میں ہندو اور مسلمان ضرورت مند تعویذوں کی درخواست بھی پیش فرماتے رہے۔ حضرت غایت محبت و شفقت سے اس قسم کی درخواستیں مولانا اظہر صاحب بہاری فاضل دارالعلوم (مجاز حضرتؒ) کے حوالے فرما کر نقش کے متعلق کچھ ہدایات فرما دیتے۔ وہ حسب ضرورت تعویذ عنایت فرما دیتے۔ اللہ اللہ آخری وقت تک بیماری کی شدت کے باوجود اخلاق و محبت کا یہ پیکر۔ انسانیت و شرافت کا حامل سیرت محمدی کا نمونہ پیش کرتا رہا۔ بعض اوقات سانس کی تکلیف، بیٹھنے کی وجہ سے سخت ہو جاتی، مگر مغرب تک بیٹھنا ضروری تھا۔

بہر حال مقدرات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ معالج خوش تھے کہ علاج کامیاب ہے۔ صحت دن بدن ترقی کر رہی ہے۔ اب ترقی صحت کی رفتار تیز کرنے کے لئے نسخہ میں ترمیم کرنی چاہیئے۔ ترمیم کی گئی۔ مگر کیا معلوم تھا کہ مقدرات

میں کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی۔ دفعتاً مرض میں زیادتی ہوئی اور اس قدر زیادتی ہوئی کہ دن رات کا چین ختم ہوگیا۔ آہ جس شخص کی لغت میں "آرام" محض مہمل اور بے کار لفظ تھا۔ وہ اب مجبور اور لاچار تھا اور غیر اختیاری طور پر چارپائی پر پڑا رہنے پر مجبور تھا، مگر یہ مجبوری صرف ان کاموں میں تھی جن کا تعلق اسباب دنیا سے تھا، کیونکہ جس مقدس مشغلہ میں حضرت کی زندگی کا ایک ایک سانس گزرتا تھا وہ اب بھی بدستور، بلکہ روز افزوں ترقی پر تھا اور ہمہ وقت ذکر و تسبیح توبہ و استغفار میں گزرتا تھا۔ سنتوں اور مستحبات تک کی پابندی بدستور تھی۔ اب کمزوری کا یہ عالم ہوگیا تھا کہ سہارے بغیر نہ اٹھ سکتے تھے اور نہ بیٹھ سکتے تھے۔ مگر غذا کے وقت تکیہ سے الگ ہوجانا ضروری تھا۔ سب کا اصرار ہوتا کہ ٹیک ہی لگا کر کھانا تناول فرمالیں، مگر صاف فرما دیتے "نہیں بھائی یہ چیز سنت کے خلاف ہے" اور اپنے سہارے پر کھانا تناول فرماتے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب تشریف لائے۔ اندر آتے ہی ان دونوں بزرگوں نے نظروں ہی نظروں میں کیا باتیں کیں۔ ان کو تو خدا جانے یا خدا کے یہ ولی، ہم نے تو اتنا سنا کہ حضرتؒ نے فرمایا، حضرتؒ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ آپ کی وہاں سے دعا ہی کافی تھی۔ شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نے فرمایا۔ حضرت اللہ پاک آپ کا سایہ مبارک قائم رکھے۔ کوئی تکلیف مجھے نہیں ہوتی حضرتؒ ایام علالت میں کبھی راضی نہ ہوتے کہ بستر پر نماز پڑھیں۔ نہ تیمم کے لئے کبھی تیار ہوتے، مگر ڈاکٹر اور گھر والے برابر اصرار کر رہے تھے، جب حضرتؒ نے اصرار کی شدت دیکھی۔ تو شیخ الحدیث صاحب سے فرمایا۔ دیکھئے ان لوگوں نے مسجد چھڑا دی۔ جماعت چھڑا دی۔ اب بستر پر نماز کے لئے کہہ رہے ہیں، کیا حکم ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ حضرت میرے خیال میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ سطح برابر ہے اور نماز کے لئے اتنی شرط کافی ہے۔ پھر تیمم کے لئے حضرتؒ نے دریافت فرمایا اس پر انہوں نے فرمایا کہ پانی سے چونکہ نقصان نہیں ہوتا صرف نقل و حرکت میں دقت ہوتی ہے اس لئے مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اللہ اللہ الحب للہ کی اس سے اچھی مثال اور کہاں ملے گی جو ہمارے بزرگ پیش کرسکتے ہیں، عشق و محبت کے حدود شریعت و احکام خداوندی کے حدود سے کبھی متجاوز نہیں ہوسکتے۔ ۲۷ نومبر کو طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی تو مولانا اسعد صاحب نے حکیم ذکی احمد صاحب دہلوی کو فون کیا، موصوف شام تک تشریف لائے۔ حضرتؒ نے پوری تفصیل سے تمام احوال سنائے۔ انہوں نے حکیم صدیق صاحب کے ایک نسخہ سے موافقت فرمائی، مگر غذا میں دو ایک چیزیں اور بڑھا دیں۔ اس کے علاوہ حکیم جلیل صاحب دہلوی کے مشورے سے دو ایک طاقت کی دوائیں بھی تجویز فرمائیں۔ اگلے روز شیخ الحدیث حضرت مولانا ذکریا صاحب ڈاکٹر برکت علی صاحب کو سہارن پور سے اپنے ہمراہ لے کر تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب نے پون گھنٹہ تک معائنہ کیا۔ نسخہ تجویز کیا، مگر ان کو حیرت تھی کہ حضرت

کس طرح زندہ ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک طبی لحاظ سے زندہ رہنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بہرحال یہ تو معلوم ہی ہوچکا کہ اس تمام عرصہ میں کبھی چارپائی پر نماز نہیں پڑھی۔ بڑی دقت اور مشکل سے جب کہ کروٹ لینا سخت دشوار تھا۔ قریب کی چوکی پر تشریف لے جاتے اور وضو فرما کر بڑی بڑی سورتوں سے نماز ادا فرماتے۔ ۳ نومبر کا واقعہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ غالباً فرض کی دوسری رکعت تھی۔ میں قریب ہی کوئی کام کر رہا تھا۔ مولانا اسعد صاحب کہیں باہر سے تشریف لائے اور اندر قدم رکھتے ہی چیخے، دیکھو دیکھو۔ میں گھبرا کر مڑا اور ایک عجیب افسوسناک واقعہ دیکھا کہ ایک لمحہ میں جب تک ہم دوڑ کر قریب پہنچے حضرتؒ تخت کے نیچے گر چکے تھے۔ میں نے اور مولانا اسعد صاحب نے بڑھ کر اٹھایا۔ زبان مبارک پر اللہ اللہ جاری تھا۔ کھانسی کی شدت سے سانس رکنے لگا تھا۔ مولانا عزیز احمد قاسمی نے پیر پر اور جلدی جلدی میں نے پشت پر اور مولانا اسعد صاحب نے سینے پر ہاتھ پھیرا اور جب کچھ سکون ہوا تو مولانا اسعد صاحب نے عرض کیا حضرت چارپائی پر تشریف لے چلیں پوچھا نماز کا وقت ہے۔ عرض کیا گیا جی ہاں ہے۔ فوراً نیت باندھ لی اور اطمینان سے اسی طویل قرأت اور طویل رکوع و سجدوں کے ساتھ فرض ادا کر کے بستر پر تشریف لے گئے۔ مولانا عزیز احمد صاحب نے پوچھا حضرت آپ کو کچھ محسوس ہو رہا تھا۔ فرمایا بھائی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا اس لئے میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ صرف اتنا یاد پڑتا ہے کہ تخت زور زور سے گھوم رہا ہے۔ ادھر مدراس سے واپسی ہی پر صاحبزادے مولانا اسعد صاحب نے ایک خیال یہ بھی ظاہر فرمایا تھا کہ حضرت پر جادو کا اثر ہے۔ پھر مختلف قرائن سے یہ چیز پایہ ثبوت کو پہنچتی رہی۔ اس سلسلے میں بھی مختلف عامل لگے ہوئے تھے اور برابر عمل کر رہے تھے۔ پندرہ نومبر کے بعد جب سانس کی تکلیف اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ تمام رات سیدھے بیٹھ کر گزرتی تھی۔ اگر ذرا سی بھی دائیں بائیں آگے پیچھے ٹیک لگا لیتے تو فوراً سانس تیز ہوجاتا تھا اور جب کچھ دیر سیدھے بیٹھ جاتے تو نیند کا ایسا جھونکا آتا کہ سنبھل نہ پاتے آہ ایسی قابل رحم حالت دیکھ کر کوئی ایسا سنگدل بھی نہ ہوگا جس کا دل نہ پسیجے جب حالت زیادہ خراب ہونے لگی۔ تو مولانا اسعد صاحب نے رات میں اوقات مقرر فرمائے۔ تاکہ کسی وقت تنہائی نہ رہنے پائے۔ چنانچہ ایک بار اپنے وقت پر میں حاضر ہوا۔ فرمایا کیوں آیا۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت میں تو روز ہی آتا ہوں فرمایا اچھا تیری ڈیوٹی کا وقت ہوگیا ہے۔ اچھا تجھ سے پہلے جو شخص تھا اس کو بھیج دے وہ جا کر سو جائے۔ اس پراگندہ بیانی میں ایک واقعہ اور سن لیجئے، محترم مولانا قاری اصغر علی صاحب دام ظلہم العالی سے اکثر و بیشتر حضرات واقف ہیں قاری صاحب یوں تو دارالعلوم میں مدرس ہیں، مگر شروع ہی سے حضرت کے گھر پر مقیم ہیں۔ حضرتؒ سے مجاز بھی ہیں۔ گھر کی تمام تر ذمہ داری موصوف پر رہی ہے اور انہوں نے نہایت نظم و ضبط سے کام کو سنبھال رکھا ہے۔ خطوط کے جوابات

اور گھر کے خرچ کا حساب انہی سے متعلق رہتا تھا۔ موصوف نے ہر قسم کے خانگی اخراجات وسامان کے فراہمی کی پوری ذمہ داری خود ہی سنبھال رکھی تھی۔ حضرت مہینے کے شروع میں روپے عنایت فرمادیتے اور وہ علی الحساب خرچ کرتے۔

۳ر دسمبر کی بات ہے کہ صبح کے وقت قاری صاحب کی قیام گاہ میں جانے کا ارادہ کرلیا۔ ہم نے عرض کیا حضرت کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ ہم بلا لاتے ہیں، چنانچہ قاری صاحب تشریف لائے۔ فوراً دریافت فرمایا حساب مکمل کرلیا۔ قاری صاحب نے فرمایا۔ جی ہاں! ہر ماہ تقریباً ڈیڑھ ہزار کا حساب معمولی بات تھی، حضرتؒ نے بہت معمولی رقم عنایت فرمائی۔ جو مشکل سے ایک دکاندار کے حساب کو کافی ہوسکتی تھی۔ قاری صاحب نے فرمایا حضرت اس میں کیا ہوگا۔ حضرت نے بڑے اطمینان و وقار استغناء و بے پرواہی سے فرمایا لے جاؤ۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ وہی پورا کرنے والا ہے، قاری صاحب اٹھ کر اپنے کمرے میں تشریف لے گئے پھر کچھ خیال آیا، مجھ سے فرمایا، دیکھو شیروانی میں سے بٹوا لے آؤ۔ میں نے بٹوا پیش کردیا۔ اس کو بالکل خالی کرلیا۔ شاید بیس پچیس روپے نکلے ہوں گے۔ فرمایا "لے جا قاری صاحب کو دے آ" میں نے قاری صاحب کو دے دیئے۔ اس وقت حضرت سے اگر کوئی چند آنے پیسے مانگ لیتا، تو ظاہری اسباب کے طور پر چند آنے بھی نہ ملتے۔ مگر اس قسم کی کمی کا احساس ہم جیسے مادی اسباب پر سہارا رکھنے والوں کو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ولی کی نگاہ حقیقت میں ان تمام مادی وسائل سے بالاتر تھی اور یہی توکل اور استغناء اس کے لئے طرۂ امتیاز تھا۔ اللہ اللہ اس عالم میں بھی حقوق کا اتنا پاس ولحاظ تھا کہ بچوں کی بڑی سے بڑی خواہش کو نہایت خندہ پیشانی سے پورا فرمادیتے اور بچوں ہی پر کیا ہم ایسے خوش نصیب جو والد مرحوم (مولانا وحید احمد صاحب مدنی مرحوم اسیر مالٹا) کے انتقال کے بعد بہت کمسنی میں اُن کے سایہ عاطفت اور دامن شفقت میں آگئے تھے جس شاہانہ طور پر زندگی بسر کررہے تھے۔ کبھی ذہن پر کسی فکر وپریشانی کا سایہ بھی نہ پڑسکا تھا۔ یہی نہیں بلکہ گھر کا تمام خرچ علاوہ اس کے جو ہمارے قیام دیوبند کے سلسلہ میں ہوتا تھا۔ حضرت ہی کے ذمہ تھا، ہمارے لئے حکم تھا کہ کبھی چھوٹی بڑی کوئی ضرورت ہو مجھ سے کہہ دو، اس میں خورد ونوش کے علاوہ سامان تعیش کے طور پر ہر چیز شامل تھی۔ ایک روز کا واقعہ ہے۔ طبیعت کچھ سنبھلی تھی۔ حجرہ مبارک میں کچھ تحریر فرمارہے تھے۔ میں حاضر ہوا ایک دم نظر اٹھائی، جیسے کسی کے منتظر ہوں، فرمایا لے یہ لے جا اور چار عدد منی آرڈر فارم عنایت فرمائے جو مختلف جگہ جارہے تھے۔ ایک صاحبہ نے اپنی پوری کیفیت اور مفلسی کے ذکر کے بعد لکھا تھا کہ میں یہاں مسلم نسواں اسکول میں تعلیم حاصل کررہی ہوں۔ اس ماہ فیس نہ ہونے کی وجہ سے ڈر ہے کہ نام خارج ہوجائے، آپ مدد فرمادیں تو میں بہت بڑی دشواری سے بچ جاؤں۔ حضرتؒ نے ان کو تسلی دلائی تھی اور فیس مع کچھ زائد روانہ فرمادی۔ ایک صاحبہ نے سردی کے سامان کے لئے مدد طلب کی تھی۔ انہیں مکمل سردی کا سامان تیار کرنے کے لئے خرچ روانہ فرمایا ایک منی آرڈر ان کے نام تھا۔ اس کے علاوہ وہ جو سلسلے مستقل امداد کے تھے، بیماری کے شدید سے شدید زمانے میں بھی کبھی ذہن سے فراموش نہ ہوئے۔

بعض اوقات سخت حیرت ہوتی۔ جب پوری غفلت اور نہایت کرب وبے چینی کے باوجود جب بھی ذرا سا ہوش آتا تو فوراً دریافت فرماتے۔ مہمانوں نے کھانا کھالیا۔ اسعد کہاں ہے اس سے کہو کہ مہمانوں کے ساتھ کھانا کھائے۔ ان کے آرام کا مکمل خیال رکھے۔ ایک بار مولانا اسعد صاحب کہیں چلے گئے۔ اتفاق سے ایک مہمان کھانا کھانے سے رہ گئے تھے۔ فوراً مولانا اسعد صاحب کو بلوایا، جب وہ آئے تو سخت غضب ناک تھے۔ فرمایا تو کہاں ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے، مہمان بھوکے رہیں اور تجھے پتہ نہ چلے۔ اس دن سے آج تک موصوف نے اپنی ہمیشہ کی عادت کے خلاف کبھی باہر کھانے پر مہمانوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔

مولانا یوسف صاحب قبلہ امیر تبلیغی جماعت اور ان کے رفیق خاص مولانا انعام اللہ صاحب ان کے ہمراہ مولوی عبدالمنان صاحب تینوں حضرات مزاج پرسی کو تشریف لائے۔ حضرتؒ نے بڑے تاثر کے ساتھ فرمایا۔ آپ حضرات نے بڑی تکلیف فرمائی۔ میں تو بالکل اچھا ہوں۔ باہر نکلنے کو ڈاکٹروں نے منع کردیا ہے۔ آپ حضرات کی دعائیں ہی کافی ہیں جو وہاں سے رہ کر ہوسکتی ہیں۔ اس کے بعد مولوی عبدالمنان صاحب سے مخاطب ہوئے۔ کہیئے والد صاحب کا مزاج کیسا ہے اشارہ مولوی عبدالسبحان صاحب میواتی کی طرف تھا، موصوف اپنے وقت کے جید عالم زاہد، صوفی، متقی اور بہت نیک آدمی ہیں۔ آج کل سخت بیمار ہیں۔ حضرتؒ کو ان سے ہمیشہ تعلق خاطر رہا ہے۔ دونوں بزرگ آپس میں ایک دوسرے کا اس طرح احترام فرماتے رہے کہ اللہ اکبر! ایک عام آدمی اس آداب و تعشق سے یقیناً بے بہرہ ہوگا۔ حضرتؒ ہمیشہ ملاقات کے وقت کھڑے ہوکر استقبال فرماتے تھے۔ مولوی عبدالمنان نے اپنے آپ سے مخاطب پاکر قریب ہی بیٹھتے ہوئے عرض کیا۔ حضرت دعا فرمایئے، حالت بہت خراب ہے۔ حضرتؒ نے ان کے درد اور تاثر کو جو ان کی گفتگو سے ظاہر تھا محسوس فرمایا اور نہایت شفقت سے سمجھانا شروع کیا۔ بھائی ویسے بھی وہ ہمیشہ پاک وصاف رہے۔ اب بالکل ہی پاک ہوکر جانے کا خیال ہے اور بھائی بظاہر یہ ضرور ہے کہ تمہارے لئے یہ انتہائی غم وپریشانی کا موقع ہے، مگر بیماری تو خدا کی رحمت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور خاص بندوں پر ڈالتا ہے۔ جب وہ کسی پر اپنا فضل فرمانا چاہتا ہے تو اسے دنیا کی تکلیف ومصائب میں ڈال کر آخرت کی تکلیفوں سے نجات عطا فرماتا ہے پھر والد صاحب قبلہ پر تو خدا کی خاص نگاہ کرم ہمیشہ ہی رہی ہے۔ ان کو جس قدر اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے نوازے کم ہے۔ بیماری میں پریشان ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ خدا سے ہر لحظہ بہتری اور بھلائی کی توقع رکھنی چاہیئے۔ اس سے استغفار طلب کرنی چاہیئے۔ یہ ایک آزمائش آپ کے لئے ہے۔ جہاں تک ہوسکے اس

کی رضا طلب کرنی ضروری ہے۔ ہر لمحہ اس کے ذکر میں صرف ہونا چاہیئے۔ جہاں تک ممکن ہو ان کی خدمت کیجئے۔ یہی چیز سعادت دارین و فلاح کا باعث ہے ان کو خوب آرام پہنچایئے۔ ماشاءاللہ آپ عقلمند ہیں کبھی بیماری و تکلیف میں جذبات کو عقل پر غالب آنے نہ دیں۔ تقریباً آدھ گھنٹہ اسی قسم کی اطمینان بخش تقریر فرماتے رہے یہ تینوں حضرات اس جامع و بلیغ نصیحت سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ آنکھوں میں محبت و عقیدت کے آنسو لے کر اجازت چاہی اور باہر آگئے۔ دروازے پر آتے ہی تینوں کی رائے اس پر متفق تھی کہ حضرت نے اپنے بارے میں بہت دور دور تک اشارہ فرما دیا ہے اور تینوں کے قلوب اس مایوسانہ تجویز پر فکر آمیز تائید پیش کر رہے تھے۔ آہ، کیا خبر تھی کہ یہ خیال اس درجہ صحیح ثابت ہوگا۔ حضرت رح کی تکلیف کے خیال سے ملنے والوں کو حتی الامکان ملنے سے روکا جا رہا تھا کہ گفتگو و سلام و مصافحہ سے حضرت والا کو تکلیف کا اندیشہ تھا، مگر کوئی چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا شخص بھی اگر کسی کی معرفت چپکے سے اطلاع کروا دیتا تو ناممکن تھا کہ بغیر بلائے اس کو جانے دیں۔ ایک بار جناب حاجی بدرالدین صاحب نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت نے طلب فرمالیا، وہ گئے۔ بہت دنوں کے بعد حضرتؒ کو دیکھ کر بے اختیار رونے لگے۔ حضرت کمال محبت و شفقت سے جیسے کوئی بچے کو سمجھائے دیر تک سمجھاتے رہے۔ باہر مہمانوں کی خدمت کے لئے ایک خادم سلیم اللہ رہتے ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ میں روزانہ صرف آدھ گھنٹے کی اجازت چاہتا ہوں کہ پردہ کرا کر حاضر ہو جایا کروں اور کچھ خدمت کیا کروں اللہ اکبر کس قدر یگانگت اور محبت سے فرمایا۔ بھائی تمہارے لئے یہ بہت کافی ہے کہ تم میرے مہمانوں کی خدمت کرتے رہو۔ سلیم اللہ تمہارا مجھ پر بڑا احسان ہے جو تم میری غیر حاضری میں مہمانوں کا خیال رکھتے ہو۔ بس تمہیں اور خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔

ششماہی امتحان دے کر میں نے سوچا حضرتؒ کی حالت کچھ ٹھیک ہے میں وطن چلا جاؤں۔ ہمت کر کے اجازت نامہ پیش کر دیا، مگر آہ خدائے رحمٰن و رحیم کا مجھ روسیاہ پر کتنا احسان ہے کہ اس نے آخری ایام میں خدمت کی سعادت میری قسمت میں لکھی تھی۔ حضرت نے ڈانٹ دیا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ گھر جانے سے تعلیم کا نقصان ہوگا اس کے بعد دبے لفظوں میں ناگواری کے ساتھ اجازت بھی مرحمت فرمادی، مگر خدا کا لاکھ احسان مجھ میں یہ سعادت اس وقت پیدا ہوگئی اور میں باوجود گھر والوں کے اصرار کے اس اجازت پر مطمئن نہ ہوا اور ارادہ ختم کر دیا۔ آہ اسی دن شام کو حضرت کی طبیعت خراب ہوئی اور ایسی خراب ہوئی جس کے نتیجہ میں یہ گھڑی دیکھنی پڑی۔ اسی زمانہ میں ایک صاحب بہار سے جو کسی لائن پر گارڈ تھے تشریف لائے۔ اللہ پاک نے انہیں اس سعادت سے مشرف فرمایا کہ وہ مرید ہوگئے۔ پانچ چھ روز خدمت اقدس میں رہے۔ جب جانے لگے تو بہت متاثر تھے۔ حضرتؒ نے انہیں نصیحت فرمائی۔ بھائی ہمیشہ ذکر اللہ کرتے رہنا۔ عمر کا جو حصہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزرے وہی حاصل زندگی ہے باقی ہر لمحہ بے کار ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اٹھتے بیٹھتے خدا کا ذکر کرتے رہنا۔ شریعت کی اتباع، خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کی تابعداری ایک مسلمان پر انتہائی ضروری ہے۔ نماز کا پوری طرح خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

وصال سے دو چار دن قبل تنفس کی شکایت تو قطعی ختم ہو چکی تھی۔ ایک نئی تکلیف سینے میں درد کی شروع ہوگئی تھی۔ ایک دن ظہر کے وقت جب پہلی بار یہ تکلیف شروع ہوئی، مگر مطلق نہ کسی سے فرمایا اور نہ کسی طرح اظہار ہونے دیا شام کو جب بے چینی زیادہ بڑھی تو اہلیہ محترمہ نے دریافت فرمایا کہ کوئی تکلیف ہے آخر بہت مجبور ہو کر فرمایا ہاں! آج دوپہر سے سینے میں درد ہے۔ وہ پریشان ہو گئیں۔ فوراً مولانا اسعد صاحب کو اطلاع کرائی۔ وہ باہر ہی تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر سبحان صاحب کو بلوا کر نیند کا انجکشن لگوا لیا۔ جس سے کافی سکون ہوا، مگر اس کے اثر کے بعد اکثر حصہ دعا و استغفار میں گزرتا۔ ہر وقت فرماتے رہتے یا الٰہ العالمین درماندہ ام اللھم لک الحمد والشکر۔ رات میں ۳ بجے چار بجے، کبھی دو بجے نوافل پڑھتے۔ ہم میں سے کوئی حاضر ہوتا جو وضو کراتا۔ نماز پڑھواتا اس کے بعد ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور دعائیں پڑھتے رہتے۔ ایک بار میں نے عرض کیا۔ حضرت تکلیف بہت زیادہ ہے؟ فرمایا، دیکھو بھائی میں کس قدر مجبور ہو گیا ہوں کہ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ اتنا کمزور ہو گیا ہوں کہ مجھ میں ذرا بھی صبر و ضبط و تحمل کی طاقت نہیں رہی۔ اتنی ذرا سی تکلیف برداشت نہیں ہوتی، ہر لمحہ ہاتھ پہ ہاتھ ملتے رہتے اور فرماتے جاتے ہائے افسوس عمر ضائع ہوئی، کبھی کبھی بے تحاشہ حسرت و افسوس کی ماری ہوئی ایک آہ نکلتی اور فرمانے لگتے۔ یا اللہ کیا منہ دکھاؤں گا۔ یا اللہ من مسکینم، رحم کن بر من بیچارہ و مسکین۔ برادر مکرم فریدالوحیدی صاحب حاضر خدمت ہوتے اور قریب کھڑے ہوگئے، فرمایا، کیا ہے؟ وہ بولے ہمیں تو کچھ طبیعت آج نسبتاً بہتر معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا۔ الحمد للہ۔ عرض کیا، خود جناب کو اپنی طبیعت کیسی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا تم چلتے ہو، پھرتے ہو، کام کرتے ہو۔ میں پڑا ہوا ہوں بس۔ اس سے بڑی تکلیف کیا ہوگی۔ تمام عمر بے کاریوں ہی ضائع ہوئی۔ اب آخر عمر میں بھی پڑا رہتا ہوں۔ بھائی صاحب نے فرمایا حضرت آپ یہ نہ فرمایئں۔ انشاءاللہ تعالیٰ چند دنوں میں آپ بھی کام شروع فرما دیں گے اور جو کام ہم تمام عمر ادھورا بھی نہ کر سکے، وہ جناب صرف دو گھنٹے میں پورا فرمالیں گے۔

رکاوٹ کے باوجود کبھی جب کوئی ملنے آتا تو باوجود ہزار وقت و پریشانی کے فوراً اٹھ کر مصافحہ فرماتے تھے اور بار بار فرماتے تھے۔ بھائی ناحق تکلیف فرمائی ہے۔ آپ حضرات کی دعا ہی بہت کافی ہے۔ بیمار کون نہیں ہوتا۔ مجھے ڈاکٹروں نے منع کر دیا ہے۔ نہ مسجد تک جانے کی اجازت ہے، نہ باہر جا کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

اللہ اللہ عقیدت مندوں کا اس درجہ خیال تھا کہ جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب قبلہ ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ ان سے گفتگو کے دوران فرمایا۔ مولانا عبدالحلیم صاحب کے بارے میں آپ کیا کر رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا میں پوری کوشش کر رہا ہوں۔ فرمایا۔ اگر آپ کا کوئی سفر بمبئی کی طرف کا ہو تو بذاتِ خود کوشش فرمائیں، ورنہ تار دے کر کوشش کریں۔ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی بہرحال حضرت کے پرانے متوسلین میں سے ہیں۔ ان کے معاملات سے تعلق خاطر زیادہ تعجب انگیز نہیں۔ جناب صاحبزادہ مستحسن الدین صاحب فاروقی مالک و مدیر رسالہ آستانہ و پیام مشرق کی نظربندی سے حضرت کو اتنی ہی تکلیف تھی، انہیں ایام میں مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماء ہند مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے تو ان سے فاروقی صاحب کے بارے میں اس انداز سے گفتگو فرمائی جس میں تاثر کے ساتھ برہمی بھی نمایاں تھی۔ حضرت کو غالباً یہ خیال تھا کہ صاحبزادہ صاحب کے بارے میں کوشش نہیں کی گئی۔ جب مولانا محمد میاں صاحب نے تفصیل سے بیان کیا کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کس طرح ہر ایک ممکن کوشش کو عمل میں لا چکے ہیں تو یہ برہمی تو شفقت سے بدل گئی، مگر صاحبزادہ صاحب کی نظربندی سے جو قلب مبارک پر گہرا اثر تھا وہ پھر بھی بدستور باقی رہا۔

بیماری سے ۶، ۷ دن قبل میں نے والدہ محترمہ کو بعض رشتہ داروں کو فیض آباد سے بلا لیا تھا۔ مغرب کے قریب یہ قافلہ پہنچا۔ والدہ کے بارے میں ان کو معلوم تھا کہ ان کی طبیعت بھی خراب ہے چنانچہ جس وقت وہ سلام کرنے کے لئے حاضر ہوئیں دیکھتے ہی فرمایا۔ کب آئیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ ابھی حاضر ہوئی ہوں۔ فرمایا کیا گاڑی لیٹ آئی ہے، کیونکہ گاڑی کا وقت کافی دیر پہلے گزر چکا تھا۔ اس کے بعد فرمایا۔ بلاوجہ کیوں تکلیف کی۔ تمہاری طبیعت تو خود ہی خراب تھی۔ دادی محترمہ داہلیہ حضرتؒ، نے عرض کیا۔ آپ نے رشید کو نہیں جانے دیا تھا۔ اس نے گھر والوں کو یہیں بلا لیا۔ اس پر مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

وصال سے تین دن قبل تنفس اور سینے کے درد کی شکایت مطلق ختم ہو چکی تھی۔ اب عام خیال یہ تھا کہ بالکل صحت ہو چکی ہے۔ صرف کمزوری باقی ہے۔ مگر آہ کسے خبر تھی کہ حق تعالیٰ نے ہر طرح کے معمولی سے معمولی تزکیہ کے بعد حیات مقدس کی شمع کی لو کو بھڑکا دیا ہے اور اب کچھ دیر بعد اس تاریک دور میں علم و عرفان کا یہ چراغ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو کر ہم بے کسوں کو تاریکی میں روتا چھوڑ دے گا۔

تین چار دن قبل از قسم طعام تمام چیزوں سے حضرت کو بالکل بے رغبتی ہو گئی تھی۔ پہلے معمولی طور پہ ایک چمچہ یا کچھ کم و بیش دلیا نوش فرما لیا کرتے تھے۔ مگر اب اصرار کے باوجود بھی اس کو قبول کرنے پر راضی نہ ہوتے۔ کچھ عجیب اتفاق ہے کہ عموماً تمام مشائخؒ اور خصوصاً مولانا محمد قاسمؒ نے آخر وقت میں پھل کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے لکھنؤ سے ککڑی منگائی گئی تھی۔ حضرتؒ نے بھی آخر میں سردے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ اور منجانب اللہ اسلاف کی سنت پر طبیعت اس درجہ مصر ہوئی کہ جب مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا محمد شاہد صاحب فاخری ملاقات کو تشریف لائے تو فرمایا کہیے کیا آج کل سردا نہیں مل سکتا۔ انہوں نے عرض کیا ضرور مل جائے گا۔ چونکہ اس سے قبل مولانا اسعد صاحب مولانا فریدالوحیدی صاحب وغیرہ نے دہلی، سہارنپور، میرٹھ ہر جگہ تلاش کیا، مگر کہیں دستیاب نہ ہوا۔ اس لئے حضرت نے فرمایا کہاں مل سکتا ہے۔ مولانا وحیدالدین صاحب قاسمی نے عرض کیا۔ انشاء اللہ دہلی سے مل جائے گا۔ مولانا شاہد صاحب نے عرض کیا۔ جی ہاں تلاش کے بعد بہت امید ہے کہ مل جائے۔ پھر فرمایا زندگی میں پہلی بار کسی چیز کی خواہش کی تھی، وہ بھی پوری نہ ہوئی۔ اللہ اللہ بڑی بات فرمائی دراصل زندگی اس قسم کی خواہشات و تمناؤں سے بہت بلند و بالا رہی مگر اس وقت آخری بار خواہش فرمائی تھی تو کون سمجھ سکتا ہے کہ اس خواہش میں سنت اسلاف اور طلب رضائے الٰہی کا کہاں تک جذبہ تھا اور اپنی خواہش طبعی کا کیا حصہ تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ حضرت نانوتوی کے لئے لکھنؤ سے ککڑی منگوائی گئی تھی تو حضرت کے لئے مولانا سجاد حسین صاحب کی معرفت کراچی سے اور مولانا حامد میاں صاحب نے لاہور سے سردا بھیجا۔ ہزار تکلیف کے باوجود بھی تیمارداروں کی تکلیف کا اس درجہ خیال ہوتا تھا کہ ہمہ وقت فرماتے رہتے۔ تم لوگ جاؤ آرام کرو میں بالکل اچھا ہوں۔ ایک بار رات کو آنکھ کھلی سب جمع تھے۔ نہایت بے چینی سے فرمایا۔ بھائی میں تو پریشان ہوں، تم لوگ کیوں اپنی نیند خراب کرتے ہو جاؤ سو جاؤ بعض اوقات جب زیادہ پریشان ہوتے تو دادی محترمہ سے فرماتے۔ دیکھو ان لوگوں سے کہہ دو کہ چلے جائیں اور جا کر آرام کریں۔ ایک بار ان تک کسی طریقے سے خبر پہنچی کہ ارشد سلمہٗ رات کو ۴ بجے مسجد میں دیگر مخلصین کے ساتھ دعا میں شریک ہوتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔ مولانا اسعد صاحب کو بلا کر سخت تاکید فرمائی کہ اس سے کہہ دو کہ یہ حرکتیں چھوڑ دے۔ اس کا یا تمہارا جاگنا مجھے بچا نہیں سکتا اور اگر قسمت میں کچھ نہ ہو گا تو بھی جاگنا فضول ہے۔ غرضیکہ اس طرح تیمارداروں کا خیال رکھتے، مگر پھر بھی بچے موجود ہی رہتے۔ اکثر اوقات بچیوں میں سے عمرانہ سلمہا، صفوانہ سلمہا موجود ہوتیں۔ آپ ان سے مذاق فرماتے۔ ایک بار صفوانہ نے پوچھا کہ ابا جی آپ کس کی طرف ہیں۔ فرمایا میں تو عمرانہ کی طرف ہوں۔ عمرانہ نے اسے ایک طمانچہ مار دیا حضرت نے فوراً فرمایا۔ اب میں صفو کی طرف ہوں، کیونکہ عمرانہ نے اسے مار دیا ہے۔ اس طرح اپنا اور بچوں کا دل خوش کرتے رہتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کا طبعی طور پر ہمیشہ نمونہ دیکھنے میں آیا کہ اپنے بچوں کے ساتھ ملازموں کے بچوں سے برابر تلطف و مہربانی کا برتاؤ رکھتے تھے۔ دو بچے عبدالصمد اور شمس العارفین حضرتؒ سے بہت ہل گئے تھے۔ عبدالصمد کے بارے میں اکثر فرماتے یہ سیٹھ ہے۔ اس کا نام مت لیا کرو۔ یہ سیٹھ ہے ایک بار شمس ادھر سے گزرا۔ دیکھتے ہی

فرمایا کیوں بھائی آج کھانا نہ کھلاؤ گے، بھوکا ہی رکھو گے۔ اسی طرح دوسرے محلہ کے بچے جب نظر پڑتے فوراً کچھ نہ کچھ کھانے کو دیتے یا کم از کم مدینے کی کھجوروں سے نوازتے۔ آخر وقت تک اس چیز پر زور دیتے رہے کہ اس سال بشرطِ زندگی عبید برادرشد و سعید کی شادی ضرور کروں گا۔ دادی محترمہ سے بار بار فرماتے کہ انتظام مکمل رکھو۔ اس مرتبہ ٹانڈے چل کر ان دونوں کی شادی کرنی ہے۔

آج حضرتؒ کا یہ فرمان جو وہ اپنی طرف زندگی کی شرط کے ساتھ منسوب کر رہے تھے پورا نہ ہو سکا۔ مگر ہمارے لئے ایک آخری اور نہایت ضروری وصیّت ضرور حاصل ہوگئی۔ اللہ پاک اس وصیّت پر عمل کر کے ان کے حکم کی تعمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ وِصال کی آخری رات تھی عشاء کی نماز پڑھ کر تخت ہی پر بیٹھ گئے۔ حالت بہت اچھی تھی۔ باقاعدہ مسکرا مسکرا کر گذشتہ لوگوں کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ والدہ سے پوچھا کیا اب بھی ٹانڈے میں تمہارے مکان پہ اُلّو بولتا ہے (ہمیشہ صبح کے وقت ایک مخصوص مقام پر بیٹھ کر وہاں اُلّو بولتا رہا ہے) والدہ نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا ہاں ہمارے بچپن میں اس جگہ املی کا بہت بڑا درخت تھا۔ اس پر ہمیشہ ایک اُلّو بولتا تھا وہ حسب عادت آج بھی بولتا ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت یہ کیا ضروری ہے کہ جو اس وقت بولتا تھا آج بھی وہی ہو۔ فرمایا ہاں بھائی ان کی عمریں چھ چھ سو سال تک ہوتی ہیں۔ پھر والدہ سے مخاطب ہوئے۔ اللہ داد پور ہمارے بچپن میں اس قدر آباد تھا کہ حیرت ہوتی ہے۔ وہ سب لوگ کہاں گئے۔ فرمایا کہ والدہ کہتی تھیں کہ ایک زمانہ میں ہر طرف بڑے بڑے لوگوں کی چار پائیاں بچھی ہوئی ہوتی تھیں اور مال و دولت کی فراوانی تھی۔ لوگوں کی کثرت تھی۔ پھر والدہ سے اظہار رائے کے طور پر فرمایا کہ اس اُلّو کے بارے میں سنا ہے کہ یہ بہت منحوس ہوتا ہے۔ والدہ نے کہا جی ہاں! جہاں یہ بولتا ہے وہ جگہ اجاڑ ہو جاتی ہے فرمایا کہ سب تو مر گئے۔ اب کسے لے جانا چاہتا ہے۔ پھر ٹانڈے میں اپنے خاندانی مزار کے بارے میں گفتگو شروع فرمائی والدہ نے کہا کہ اس پر بعض لوگوں نے عرس شروع کر دیا ہے۔ یہ سن کر انتہائی غضب ناک ہو کر فرمایا۔ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کون لوگ ہیں وہ برادر مکرم فرید الوحیدی اور چچا فضل الرحمٰن صاحب نے تفصیل سنائی، تو فرمایا کہ ان کو جس طرح ہو سکے روکنا چاہیئے۔ بھائی صاحب نے کہا کم از کم اس وقت ایک حکم امتناعی حکومت کی طرف سے جاری ہو جائے۔ پھر آگے کارروائی ہوتی رہے گی۔ اس قسم کی باتیں دیر تک ہوتی رہیں۔ مجھ کو چونکہ رات میں حاضر ہونا تھا اس لئے میں سونے چلا گیا۔ رات کو تقریباً ڈھائی بجے حاضر ہوا اور حتی الامکان بہت آہتگی سے کہ آنکھ نہ کھل جاتے، سرہانے جا کر بیٹھ گیا۔ محسوس ہوا کہ حضرت برابر اللہ اللہ کر رہے ہیں اور کروٹ لے رہے ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت آج کچھ تکلیف زیادہ ہے فرمایا۔ ہاں بھائی، لو مجھے اٹھا دو! میں نے سہارا دے کر اٹھا دیا۔ فرمایا پانی لاؤ، جلدی سے پانی پیش کیا۔ ایک گھونٹ لے کر فرمایا۔ اچھا رکھ دے۔ سر دا کاٹ لے۔ میں کاٹنے لگا۔ فرمایا تھوڑا ہی کاٹنا، اتنی دیر میں میں نے طشتری میں چند قتلے پیش کئے۔ فرمایا تم بھی ساتھ ہی کھاؤ، میں نے عرض کیا حضرت آپ کھالیں۔ آخر کار وہ قتلے چھوڑ دیئے اور فرمایا کہ لے کھالے۔ میں نے عرض کیا کہ رکھ دوں پھر کسی وقت کھا لیجئے گا۔ بہت سختی سے منع فرمایا، نہیں کھالے۔ خبردار رکھنا مت، میں نے اسے کھالیا، پھر فرمایا دیکھ ڈبے میں اناناس ہو تو شربت لے آ۔ میں سمجھ نہ سکا اور بجائے شربت کے قتلے پیش کر دیئے۔ فرمایا یہ نہیں۔ شربت، جب تک میں شربت گلاس میں لے کر آیا ایک قاش منہ میں رکھ لی تھی۔ اسے تھوکنا چاہا اشارہ فرمایا سلفچی لاؤ۔ میں نے ہاتھ آگے کر دیا۔ کچھ پس و پیش کے بعد ہاتھ پر تھوک دیا اور اس کا رس چوس لیا تھا۔ میں نے شربت پیش کر دیا۔ بجائے شربت پینے کے میری طرف دیکھتے رہے۔ میں نے چاہا کہ اس کو میں رکھ لوں۔ یہ محسوس فرماتے ہی بہت زور سے ڈانٹا پھینک اس کو۔ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر تعمیل حکم کے سوا اور میرے لئے کوئی راستہ نہ تھا۔ اس لئے اس کے سامنے سلفچی میں ڈال دیا۔ شربت پی کر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ میں نے پان اور دودھ کے بارے میں پوچھا دودھ کا نام سنتے ہی متلی آنے لگی۔ سلفچی لے کر میں تیار ہو گیا، مگر قے نہیں ہوئی فرمایا دیکھو بھائی نام سے تو متلی ہوتی ہے۔ دودھ کس طرح پی لوں۔ میں بدن دبانے لگا تو حضرت کچھ پڑھنے لگے۔ جب کچھ دیر ہو گئی تو ترنم کے ساتھ فرمانے لگے ؎

الٰہی میری زندگی ہے یہ کیسی
نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

میں نے طبیعت کے بہلنے کی غرض سے عرض کیا کہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب مقدمہ مشکوٰۃ میں روایت و درایت کے مسئلہ میں فلاں بحث کی اس بارے میں جناب کی رائے کیا ہے۔ اس کے جواب میں دیر تک حضرت سمجھاتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا لٹا دو۔ میں نے آہستہ سے لٹا دیا۔ تقریباً ۴ بجے سعید الوحیدی کا وقت ہو گیا تھا۔ اسے جگا کر میں سونے چلا گیا۔ صبح کو معلوم ہوا کہ خلاف عادت اس سے بہت باتیں کیں۔ ویسے رات کو فرما چکے تھے جبکہ کسی نے اس کی محنت نہ کرنے کی شکایت کی تھی کہ یہ اس کا بچپن ہے۔ بڑا ہو کر انشاء اللہ یہ سب کو شریعت پر چلائے گا، لیکن یہ بیوی کا غلام نہ بن جائے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صبح کو اذان کے بعد فوراً وضو فرما لیا۔ جب کہ روزانہ اذان کے کافی دیر کے بعد وضو کرتے تھے۔

نماز کے بعد ... حاضر ہوا تو نماز پڑھ کر وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ میں آہستہ سے گیا اور فوراً واپس آ گیا۔ ۱۲ بجے کے قریب پھر حاضر ہوا تو حضرت کو صحن میں دیکھا، دل بہت خوش ہوا۔ بہت دنوں کے بعد یہ انتقال مکانی ہوا تھا، مگر آہ کیا خبر تھی کہ وہ مقبول و مقرب بندہ جس نے محبت نبیؐ اور سنت سے فریفتگی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے میں اپنی پوری عمر صرف کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مقبول و محبوب بندے کی یہ شان اس آخری وقت میں کس

طرح بالاکی ۔ اگرچہ یہ فعل غیر ارادی اور غیر اختیاری تھا، مگر عجیب اتفاق یہ ہے کہ نبی اکرم فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی انتقال سے چند گھنٹے قبل دو صحابیوں کے سہارے پر حجرہ مبارک سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے تھے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ وفات کا وقت بھی تقریباً وہی تھا جس وقت سرور کائنات نے اس دنیا سے حجاب فرمایا۔

یہ امر واقعہ ہے کہ حضرتؒ کے کسی فعل وعمل سے اس قسم کا خیال بھی نہ گزرا کہ اب چند گھنٹوں میں کیا ہونے والا ہے۔ میں باورچی خانہ میں عزیزم ارشد سلمہ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا حضرت صحن میں سو کر اٹھے تھے اور بیٹھ کر ہماری طرف دیکھ رہے تھے ۔ میں نے ارشد سے کہا۔ ماشاء اللہ ارشد اباجی ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ انشاءاللہ عنقریب اسی طرح وہ کھانا تناول فرمائیں گے۔ اتنی دیر میں مولانا اسعد صاحب ایک رسالہ جو حضرتؒ نے تصور شیخ کے بارے میں ایام علالت ہی میں تصنیف فرمایا تھا۔ لے کر آئے اور دستخط کے لئے پیش کیا۔ اس پر دستخط فرما کر اندر تشریف لے گئے۔ ہم دونوں کھانا کھا کر خدمت میں حاضر ہوئے تو کھانا تناول فرما رہے تھے۔ میں مورچھل ہاتھ میں لے کر مکھی اڑانے لگا۔ اس وقت محسوس کیا کہ بہت بے دلی سے چند لقمے تناول فرمائے۔ وہ بھی اس طرح کہ ذرا سامنہ میں لے کر کچھ سوچنے لگتے اور فضا میں گھورنے لگتے ۔ یہ گھورنا، یہ سوچنا، کھاتے کھاتے رکنا اس وقت جب کہ دردناک حادثہ گزر چکا ہے، بامعنے معلوم ہوتا ہے کھانا کھا کر سردے کا شربت طلب فرمایا۔ شربت پی کر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور مولانا اسعد صاحب سے فرمایا کہ آنکھوں کے سامنے کچھ دھندلاپن محسوس ہوتا ہے مگر چونکہ اس دن ابر تھا۔ اس لئے مولوی اسعد صاحب اور سب نے یہی سمجھا کہ ابر کی اندھیری کے سبب سے یہ احساس ہے اور حضرت کو مطمئن کر دیا۔ دادی محترمہ نے عرض کیا کہ اب آپ لیٹ جائیے۔ فرمایا ہاں لیٹ جاؤں گا، تم جاؤ کھانا کھاؤ۔ بڑی لڑکی ریحانہ سلمہا کی طرف اور مولانا اسعد صاحب کی اہلیہ محترمہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ دیکھو بچیاں بھوکی ہیں۔ جاؤ یہ تمہارے بغیر نہ کھائیں گی۔ انہوں نے عرض کیا مجھے بھوک نہیں ہے۔ میں تو دیر میں کھالوں گی اور بچیوں کو اگر بھوک ہوگی تو وہ بھی کھالیں گی فرمایا نہیں تم سب کی بڑی ہو سب تمہیں ہر کام میں آگے رکھنا چاہتی ہیں۔ عرض کیا یہ سب گستاخ ہیں کہنا نہیں سنتی ہیں۔ اس پر بہت زور سے قہقہہ لگایا۔ آہ! ذات اقدس کا یہ آخری بڑا طویل اور بہت زمانے کے بعد قہقہہ سنا تھا۔ کیسے نہ کہوں کہ یہ قہقہہ موت کے استقبال کے لئے تھا۔ اس قہقہے کے بعد فرمایا۔ تم سب کی بڑی ہو۔ سب پر نگاہ رکھو، ان کو نصیحت کرو، ان سے کام لو۔ اگر کبھی انکار کریں یا کچھ بے ادبی کر دیں تو معاف کر دو۔ سب سے حسن اخلاق کا برتاؤ رکھو۔ دنیا کی باتوں کا خیال کبھی نہ کرنا چاہیئے۔ بڑا کچھ کہے تو خاموشی سے سن لو، ہر ایک سے محبت کا معاملہ ہونا چاہیئے۔ چند دن کی زندگی میں کسی سے ناراض ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ ہر ایک کے کام آنا چاہیئے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی سے توقع اور امید نہ رکھنی چاہیئے۔ اگر کسی سے امید نہ رکھو گی تو کسی سے شکایت نہ ہوگی نہ کسی سے کوئی تکلیف پہنچے گی۔ ہر بات میں خدا سے مدد مانگنی چاہیئے۔ اس کا ذکر کثرت سے کرو۔ اس قسم کی نصیحت فرمائی اور مسکرا مسکرا کر ہنس ہنس کر اس طرح فرماتے رہے کہ کسی کا گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ یہ نصائح آخری ہیں یا اب یہ میٹھے بول سننے کو نہ ملیں گے۔ اس کے بعد خود ہی بستر پر تشریف لے گئے اور لحاف اوڑھ کر دائیں کروٹ لیٹ گئے۔ مولانا اسعد صاحب بدن دبانے لگے۔ ہم سب کمرہ بند کر کے نکل آئے۔ حضرت کی زندگی میں میری یہ آخری حاضری تھی۔ اس کے بعد کیا کیفیت گزری۔ میں معلوم نہ کر سکا۔ کیونکہ وہاں سے آکر سیدھے کمرے میں سو گیا۔ تقریباً تین بجے کا وقت تھا۔ ایک دم شمس روتا ہوا آیا۔ بھائی رشید، بھائی رشید اباجی کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا انتقال بھی جمادی الآخر کے مہینہ میں ظہر کی نماز کے بعد یوم جمعرات کو ہوا اور ان کے شاگرد بالواسطہ کا انتقال بھی عین اسی مہینے میں ظہر کے بعد جمعرات کو ہوا۔ جیسا کہ جناب حامد الانصاری غازی اور مولانا جمیل الرحمٰن صاحب نائب مفتی دارالعلوم دیوبند کی تحقیق سے یہ بات سوانح قاسمی میں مذکور پائی گئی ہے۔

دارالحدیث راچہ مدار العلوم رفت

اشک خامۂ اصغر سیوھاروی

واحسرتا کہ زینتِ دارالعلوم رفت
دارالحدیث راچہ مدارالعلوم رفت
از فرطِ حزن نیست بجا لرزشِ قلم
یاراں داشت اینکہ نگارد حدیثِ غم
مرحوم را بہ قربتِ خویش آر یا کریم
واجعل لہ المساکن فی الجنّتِ النعیم
شیخ الحدیث چوں سفرِ آخرت نمود
ہجری ۔ ہزار سہ صد و ہفتاد و ہفت بود
از اشکِ خامہ ۔ اصغرِ غمدیدہ دل گداز
میرورہِ سدادو قدم نہ ۔ بہ امتیاز

۵ دسمبر کی شام کو ساڑھے تین بجے کے قریب جب بذریعہ ٹیلی فون دیوبند سے بطل حریت مجاہد اعظم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے انتقال پر ملال کی خبر وحشت اثر سہارن پور میں پہنچی تو لوگ دم بخود رہ گئے اور انہیں یقین نہیں آیا کہ حضرت والا اس دار فانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے ہیں۔ لوگ بازاروں اور محلوں میں تحقیق حال کے لئے مضطرانہ انداز میں بھاگے بھاگے پھرنے لگے۔ ساڑھے چار بجے کے قریب دارالعلوم دیوبند کو شہر کے مختلف مقامات سے فون کئے گئے جس سے اس اندوہناک حادثہ کی مزید تحقیق ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت والا کی تجہیز و تکفین آج شب میں ہی عمل میں آئے گی۔ اس واقعہ ہائلہ کی تصدیق ہو جانے کے بعد یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور مسلمانوں کے بازار محلے، گلیاں اور مکانات ماتم کدوں میں تبدیل ہو گئے۔ پورے شہر کے مسلم دکان داروں کی دکانیں آناً فاناً بند ہو گئیں۔ ہر شخص کے چہرے پر حزن و ملال اور رنج و غم کے آثار صاف جھلکنے لگے۔ ہزاروں آنکھوں سے اشکہائے غم ٹپکنے لگے۔ گھروں میں ہزاروں دخترانِ اسلام ہچکیاں لے لے کر رونے لگیں۔ بچوں کے پھولوں کی طرح شگفتہ چہرے مرجھا گئے۔ غرض پورے شہر کے مسلم علاقوں کے در و دیوار سے ماتم کی صدائیں آنے لگیں اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ آج شہر کے ہر مسلمان مرد، عورت اور بچے کا شفیق باپ مر گیا ہے وہ آج یتیم ہو گیا ہے اور اس کی تمام مسرتیں چھین لی گئی ہیں۔ اس وقت فضائے آسمانی پر ایک عجیب قسم کی سرخی نما اندھیری چھا گئی تھی جس نے دلوں کے اندھیرے کو اور زیادہ گھبرا کر دیا تھا، پورے ماحول پر ایک عجیب ڈراؤنی اور وحشت ناک حالت طاری ہو گئی تھی اور ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ آج اس شہر میں رہنے والے انسانوں ہی کا نہیں بلکہ پورے ملک، پورے ایشیا، اور پورے عالم انسانی کا سرمایہ سکون و طمانیت لٹ گیا ہے۔!

لوگ تحقیق حال ہونے پر ایک عجیب دحشت و سراسیمگی اور بد حواسی کے عالم میں دیوانہ وار دیوبند کی طرف چل پڑے جو شخص جس حال میں تھا اسی حال میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ہزاروں افراد ٹرینوں کے ذریعہ گئے اور ہزاروں نے موٹر بسوں کاروں حتیٰ کہ موٹر ٹھیلوں میں سفر اختیار کیا۔ بہت سی اسپیشل بسیں چلائی گئیں اور بہت سی دوسری لائنوں پر چلنے والی گاڑیاں اپنے اپنے مقامات کا رخ چھوڑ کر دیوبند کی طرف ہو لیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت سے قافلے اپنی منزل مقصود کی طرف بھاگے چلے جا رہے ہیں اور قافلہ کا ہر فرد اس کا خواہش مند ہے کہ وہ پہلے منزل سے ہمکنار ہو جو لوگ ٹرینوں سے گئے ان کی تعداد بھی کئی ہزار تھی۔ دیوبند کے سٹیشن پر جب ہزار ہا دیوانگانِ حسین احمد کا یہ قافلہ پہنچا تو دیوبند اسٹیشن کے عملہ نے حضرت شیخ الاسلام سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کیا۔ لوگ تانگوں میں اور پیدل مدرسہ کی طرف چل دیئے۔ ان جانے والوں میں سے شاید ایک آدھ شخص ہی ایسا ہو گا جو آہستہ چل رہا ہو، ورنہ کوئی نہایت تیزی کے ساتھ جھپٹ رہا تھا اور کوئی دیوانوں کی طرح بھاگ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں سب لوگ دنیائے اسلام کی اپنے طرز کی واحد یونیورسٹی اور ہندوستان کے جہاد حریت کی سب سے بڑی چھاؤنی دارالعلوم دیوبند میں پہنچ گئے۔ جہاں ہزار ہا انسانوں کا جم غفیر اپنے محبوب اور مقدس رہنما کے جنازے کے گھر سے باہر لائے جانے کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ پورے دیوبند کی ہزار ہا برقع پوش مسلم عورتیں اپنے روحانی باپ اور پیر و مرشد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے مکان پر

آجارہی تھیں۔ کوئی سسکتی جاتی تھی تو کوئی ہچکیاں لیتی ہوئی آئی تھی۔ یہ عجیب دلدوز اور صبر آزما منظر تھا۔ بعد نماز عشاء تقریباً ساڑھے نو بجے اس مقدس اور عظیم ہستی کا جنازہ باہر آگیا جس کے تقدس و عظمت کے سامنے اس صدی کی بڑی سے بڑی اور اہم سے اہم شخصیت نے سر نیاز خم کیا ہے۔ انسانوں کا بے پناہ سمندر اس وقت موجود تھا۔ درجنوں اشخاص اس موقع پر کچلے گئے اور بمشکل تمام اٹھ سکے۔ شیخ الاسلام کا جنازہ دارالعلوم کے صدر دروازہ سے احاطہ دارالعلوم میں داخل ہوا اور پھر ہزار وقت دارالحدیث کے شاندار ہال میں اس جگہ پہنچادیا گیا۔ جہاں حضرت شیخ الاسلام نے سالہا سال حدیث نبوی کا درس دیا ہے اور ان کے ہزارہا شاگردوں نے اس چشمہ علم وعمل سے فیضان حاصل کیا ہے اس کے بعد اس آفتاب علم دین اور ماہتاب سیاست وحریت کا دیدار شروع ہوگیا خدا کی قسم اس وقت کا نقشہ کھینچنے سے میرا قلم بالکل قاصر وعاجز ہے اور میں ہی کیا کوئی بھی اہل قلم خواہ اسے اپنے قلم پر کتنا ہی ناز کیوں نہ ہو۔ ان کیفیات کا صحیح نقشہ نہیں کھینچ سکتا جو اس وقت وہاں طاری تھیں۔!

میں نے بڑے بڑے لوگوں کے جنازوں میں شرکت کی ہے۔ بہت سے علماء و صلحاء کا سفر آخرت دیکھا ہے، لیکن جو بات میں نے اس وقت دیکھی وہ کبھی نہ دیکھی تھی۔ ایک عجیب کیفیت تھی، ایک عجیب عالم تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج زندگی کی تمام مسرتیں چھن گئی ہیں۔ آج محفل ہستی بالکل اجڑ گئی ہے۔ آج باغ عالم کا گوشہ گوشہ ویران ہوگیا ہے دل پوچھ رہا تھا کہ ع

اٹھ گیا کون یہ محفل سے کہ جس کے غم میں
در و دیوار سے آتی ہے صدا ماتم کی
سوگ کس کا ہے زمیں اور فلک کو اتنا
اوڑھ رکھی ہے انہوں نے جو ردا ماتم کی

اور میں روشن صدیقی کے الفاظ میں دل سے کہہ رہا تھا کہ اے نادان —!

آج اٹھ گیا ہے اک مرد عظیم، انسانیت کی آبرو، عرفان وایقان کا تجمل شریعت کا ہادی طریقت کا مرشد، مدرسہ وخانقاہ کی رونق، جرأت وہمت کا کوہ گراں جنگ آزادی کا عظیم رہنما، حب وطن کا بحر مواج، عزم واستقلال کا ہمالہ، علم وانکسار کا سدا بہار گلستان، جود وکرم کا ابر گہر بار، علم وعمل کے افق کا آفتاب خطیب شعلہ فشاں، ہادی اعظم کا دلدادہ وشیدائی، دنیائے اسلام کا مخدوم دین حنیف کی شمع جاوداں، حریم چشتیاں کا چراغ ابد فروز، شاہ ولی اللہ کے علم وایقان کا امین، ارشادات رشیدیہ کا محرم، اخلاص امدادیہ کا نقش کامل شیخ الہند اسیر مالٹا کی زندہ تصنیف، مسجد نبوی کا شیخ التدریس دیوبند کا صدر دارالعلوم اور شیخ الحدیث۔

اس مجاہد اعظم۔ قربانی کے پیکر مجسم، زاہد پاک باطن، مظہر اخلاق وانسانیت آفتاب شریعت وطریقت، قائد عالم، اسلام و رہنمائے اعظم کا جسد مبارک دارالعلوم کے مرکزی ہال میں اس جگہ رکھا گیا۔ جہاں بیٹھ کر سالہا سال تک اس چشمہ علوم دینیہ نے سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تشنگان علوم کی پیاس بجھائی تھی اور انہیں سیراب کیا تھا۔ اللہ اللہ کیا تعلق خاطر تھا اس مرد مومن کو اس پاک قطعۂ ارضی سے کہ جہاں بیٹھ کر اپنی قیمتی زندگی گزاری تھی وہاں موت کے بعد بھی آئے بغیر چین نہ پڑا اور اس طرح ایک بار پھر اس مکان کو موقع ملا کہ وہ جی بھر کر اپنے مکین کو دیکھ سکے اور اس کے در و دیوار اس کا آخری دیدار کر سکیں۔!

حضرت شیخ کا جسم مبارک دودھ کی طرح سفید اور آب زمزم میں دھلے ہوئے کھدر کے کفن میں لپٹا ہوا تھا۔ آپ نے زندگی بھر کھدر پہنا، کھدر ہی کا استعمال کیا اور مرنے کے بعد بھی کھدر ہی کا کفن آپ کے حصہ میں آیا۔!

جنازہ قبلہ رو رکھ دیا گیا تھا اور ان تیس چالیس ہزار مشتاقان دید کو جو دارالعلوم کے وسیع احاطۂ مولسری واحاطۂ دفتر میں اور باہر سڑک پر کھڑے ہوئے تھے۔ قطار در قطار ہال کے اندر آنے کی اجازت دی گئی۔ تاکہ وہ ہال کے ایک دروازہ سے داخل ہوکر اس گنجینۂ علم اور پیکر عمل پر آخری نگاہ ڈالتے ہوئے خاموشی سے دوسرے دروازے سے باہر نکل جائیں۔

میں نے دارالعلوم کی چھت پر چڑھ کر دیکھا ہے کہ نیچے لوگوں کی بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ جو شخص جہاں پھنس گیا تھا وہ نکلنا تو درکنار اپنا ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ لوگ آپس میں اس قدر ملے اور بھچے ہوئے کھڑے تھے کہ اگر اوپر سے کوئی بہت ہی چھوٹی چیز بھی نیچے پھینک دی جاتی تو وہ ہرگز زمین تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔!

جس وقت ایک کونے سے ریلا آتا تھا تو دوسرے کونے تک کے لوگ اس طرح ہلتے تھے جیسے کسی بڑے تالاب یا سمندر میں لہریں ہلتی ہوئی چلی جاتی ہیں میں نے دارالحدیث کی بالائی منزل کے جنگلے پر کھڑے ہوکر حضرت شیخ الاسلام کا خوب دیدار کیا۔ اگرچہ وہاں بھی بہت بھیڑ تھی اور آسانی سے دیکھنا بہت مشکل تھا لیکن میں کسی نہ کسی طرح دیکھتا ہی رہا۔ کبھی اپنے طویل القامت ہونے کا فائدہ اٹھا کر اور پنجوں کے بل کھڑے ہوکر لوگوں کے سروں سے دیکھتا اور کبھی لوگوں کے پاؤں میں بیٹھ کر ان کی ٹانگوں کے درمیان سے جھانکنے لگتا۔ کبھی ایک جنگلے پر سے دیکھتا، کبھی دوسرے سے، لیکن اس کے باوجود دل نہیں مانا اور میں بھی نیچے جاکر انسانوں کے اس انبوہ میں مل گیا جو اندر جانے کے لئے ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور آخر کار کسی نہ کسی طرح میں بھی اس ہال میں داخل ہو گیا۔ جہاں یہ آفتاب شریعت محو خواب تھا اور بجائے دوسرے دروازے سے باہر نکلنے کے ہال ہی میں رک گیا۔ مجھے چند لوگوں نے جو دو رویہ لائن بنا کر کھڑے ہوئے تھے بازو سے پکڑ کر باہر نکالنا چاہا، لیکن میں فیصلہ کر چکا تھا کہ میں ہرگز باہر نہیں جاؤں گا اور آج نہایت قریب سے جی بھر کر اس آفتاب شریعت و

طریقت کو دیکھوں گا جس کی طرف آج سے پہلے دیکھنے کی جرأت نہ کر سکا تھا۔!

بقول اسعدی صاحب۔ بشر چونکہ اس وقت سویا ہوا تھا اس لئے انہیں بھی اچھی طرح دیکھنے کی جرأت ہوگئی ورنہ بیداری کے وقت وہ بھی کبھی اس طرح دیکھنے کی جرأت نہ کر سکے۔

میں جوں جوں حضرت شیخ کے منور چہرے کو دیکھتا تھا۔ مجھے اپنے خانۂ دل میں روشنی ہوتی نظر آتی تھی اور بخدائے لایزال میں نے اس موقع پر جتنا کسب نور کیا۔ نہ آج تک کبھی کیا نہ آئندہ کر سکوں گا۔ اس وقت شیخ الاسلام کی زیارت کا جن ہزاروں خوش بختوں کو شرف حاصل ہوا ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ ایسا نور اتنا سکون اور چہرے پر اس قدر تازگی و شگفتگی انہوں نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ آنکھیں بند، منہ بند لیکن لبوں پر ایسی مسکراہٹ کہ جس پر دل خود بخود نثار، سفید نورانی داڑھی اور پیشانی پر چمکتا ہوا سجدہ کا نشان۔!

حسن کا ایک گلزار کھلا ہوا تھا اور جی چاہتا تھا کہ اس گلزار کو تمام عمر یونہی دیکھتے رہیئے۔ اسی طرح اس کی بہاریں لوٹتے رہیئے۔! تین گھنٹے کے بعد نماز جنازہ کے لئے صفیں لگنے لگیں۔ اگرچہ اس وقت بھی دہلی اور میرٹھ وغیرہ سے آنے والوں کا تانتا بندھ رہا تھا، لیکن زیادہ دیر ہو جانے کی وجہ سے نماز شروع ہوگئی اور ٹھیک ۱۲ ۱/۲ بجے الحاج حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر العلوم سہارن پور نے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایما پر نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز کے بعد حضرت شیخ کا جنازہ دارالعلوم کے دار جدید سے ہوتا ہوا شمالی دروازہ سے باہر لایا گیا اور حضرت شیخ کے مکان کے سامنے سے ہوتا ہوا قبرستان لے جایا گیا۔ قبرستان اگرچہ وہاں سے بمشکل ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ہوگا۔ لیکن مجمع کی کثرت کے باعث یہ فاصلہ دو گھنٹے میں طے ہوا۔ اس وقت بعض اخباری نمائندوں نے فوٹو بھی لئے۔ میں بھی ایک اونچے ٹیلے پر کھڑا ہو کر جائزہ لینے لگا۔ لوگوں کی بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ جنازہ کا آگے لے جانا دشوار ہو رہا تھا۔ میں نے اس بلند ٹیلے پر سے جب جنازہ کو دیکھا تو بالکل ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی سمندر میں روشنی کا مینار نظر آ رہا ہو اور رفتہ رفتہ یہ مینارۂ روشنی وہاں پہنچ گیا۔ جہاں بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام کے استاد محترم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا انتظار کر رہے تھے اور پھر عین اس وقت جس وقت کہ روزانہ شیخ الاسلام تہجد میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوتے تھے، ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حاضر ہوگئے۔ میں نے بہت سے بزرگوں کو اس موقع پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ آج تک ہم نے یہ دیکھا نہ سنا کہ خاص تہجد کے وقت جو خدا کا اپنے بندوں سے ملاقات کا خصوصی وقت ہے کوئی شخص دفن ہوا ہو۔ یہ اعزاز حضرت شیخ ہی کو حاصل ہوا کہ وہ اس خاص وقت میں روزانہ کی طرح اپنے آقا کی خدمت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حاضر ہوگئے ۔

این سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اہل ایمان اور صالح الاعمال بزرگ حضرات بہت سے دینی و دنیوی انعام و اکرام سے تو نوازے ہی جاتے ہیں کبھی قضاء و قدر کے تحت ان کے مناسب حال ایک مہتم بالشان فیضان ونوال کا انتظام ظہور میں لایا جاتا ہے۔ قرآنی آیت میں اس عظیم القدر فیضان کا نام وُدّ بتلایا گیا ہے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ہ

یعنی باایمان و صالحین کو بڑی رحمت والا خدا وُدّ عطا فرمائے گا۔ اس آیت میں نوازنے والے نے اپنے کو رحمٰن نام سے ظاہر فرمایا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کی وُدّ کی بخشش ایک بہت بڑی رحمت کے تحت ہو رہی ہے اور اس موہبت عظمیٰ کا نام یہی وُدّ "محبت" ہے۔ محبت کے معنی میں تشکیک ہے۔ محبت کے فرد کامل کو عربی میں وُدّ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب اس کے معنیٰ شدت محبت کے ہوگئے۔ جب اسی لفظ وُدّ کو صفت مشبہ کے معنیٰ میں لیا جائے تو حسب تصریح قاموس اس کے معنی کثیر الحب کے ہوں گے۔ پرستاران صنم کو صنم سے آخری درجہ کا تعلق محبت ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک صنم کا نام بھی وُدّ سے تجویز کر رکھا تھا۔ یہ مقام وُدّ (شدت محبت) انعاماً مخصوص بندوں کے حصے میں اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ ہر طرف سے خدا کی محبت میں مر مٹنے والے بندہ کے لئے محبت ہی محبت کی پکار ہوتی ہے۔ جب کہ وہ خود فنا فی المحبۃ تھا۔ اب اللہ کی محبت اس کے لئے۔ فرشتوں کا پیارا وہ۔ زمین پر بسنے والے ایمان دار اس کی محبت میں بے قرار غرضیکہ ہر چہار طرف سے اس پر محبت کی بارشیں برسنے لگتی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین

میں روایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کوئی دیندار بندہ جب اللہ کی نظر قبول میں آتا ہے تو پہلے جبرائیل کو اس کی محبت کا حکم دیا جاتا ہے۔ پھر جبرائیل حسب الحکم ملاء اعلیٰ والوں کو اس کی محبت کے لئے منادی کرتا ہے تو جملہ فرشتگان اور وہاں کی ارواح طیبہ کا یہی وہ محبوب ہوجاتا ہے اس کے نتیجہ میں زمین کے ایمان والوں کے دلوں میں اس کی محبت کے ولولے پیدا ہوجاتے ہیں اب وہ ارض وسماء کے بسنے والوں کے دلوں کا پیارا ہوجاتا ہے۔ درحقیقت صالحین کی محبت خداوندی محبت کی مخبر ہوتی ہے۔ ہرمز ابن حسین کا قول ہے کہ ما اقبل عبدٌ بقلبه الی اللّٰه عزوجل الا اقبل اللّٰه بقلوب اهل الایمان الیه حتی یرزقه مودتهم۔

یعنی اللہ کی طرف کوئی بندہ دلی توجہ رکھتا ہے تو خدا بھی اہل ایمان کے دلوں سے اس کی طرف اس طرح توجہ فرماتا ہے کہ اہل ایمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اس انعامی محبت کے مقام کا خصوصی وقت کون سا ہے میرے خیال میں یہ مقام وہی مقام بشریٰ ہے جو اہل استقامت کے لئے آیت تتنزل علیهم الملائکة ان لا تخافوا الخ میں بتایا گیا ہے۔ یہ مقام بشریٰ تین موقع پر ظاہر ہوتا ہے۔ موت کے وقت، قبر میں، قیامت میں، وکیع ابن الجراح کی اس کیلئے تصریح ہے کہتے ہیں۔ البشری تکون فی ثلث مواطن عند الموت وفی القبر و عند البعث جب صالحین کی زبان بے اختیار عالم غیب ہی کی نہیں بلکہ عالم الغیوب کی زبان ہوتی ہے ان کی زبان سے مدح خدا کی جانب سے مدح ہے۔ ان کا اظہار مذمت خداوندی مذمت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک جنازہ سامنے آیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس میت کی تعریف کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا بس اللہ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ پھر ایک دوسرا جنازہ گزرا انہوں نے اس میت کے خلاف کلمات بولے آپ نے فرمایا اللہ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ پھر فرمایا انتم شهداء اللّٰه فی الارض اس ارشاد کے مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں مگر ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں المؤمنون شهداء اللّٰه فی الارض معلوم ہوا کہ اس کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعیین ضروری نہیں اہل صلاح ہونا کافی ہے کوئی بھی ہو چونکہ یہ مقام بڑی عظمت کا مقام ہے اس لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید موتیٰ کے مفاد کے لئے ارشاد فرمایا اذکروا محاسن موتاکم اپنے موتیٰ کی خوبیاں بیان کیا کرو تاکہ تمہاری زبان خدا سچی کر دے۔ برگزیدہ بندوں کا یہ مقام صرف ایک اعتقادی ہی چیز نہیں، بلکہ یہ مقام سب کی آنکھوں میں لایا جاتا ہے۔ شاہد اور عینی ہوتا ہے صلحاءِ امت کے موت وزندگی کے حالات اس کا جواب اور دلیل ہیں، ایسوں کے وصال کے موقع پر اہل ایمان کے قلوب میں ایسا محبتی ہیجان پیدا ہوجاتا ہے کہ گویا فزع اکبر کا نمونہ سامنے آگیا۔ بالخصوص جب حادثہ ارتحال ایسے خدا پرست ہستیوں کا پیش آئے جو حق کے سلسلہ میں مطعون کئے گئے ہوں۔ مضروب ہوئے ہوں مظلوم رہے ہوں۔ محبوس بنے ہوں پر آہ نہ کی ہو زبانوں کے طعن قلموں کے برچھے، جلادوں کی ضربیں، سجن کے قلعوں کی قیدیوں کو پرکاہ نہ سمجھتے ہوئے حق پر اڑے رہے ہوں۔ ایسے اولوالعزم ثابت قدم متبع سنت حضرات کا انجام سب کی نظروں میں خدا لے آتا ہے یہی وہ پہلا موقع آتا ہے جس پر اہل بدعت اور ارباب باطل کی آنکھیں دنیا ہی میں پھٹی رہ جاتی ہیں امام احمد بن حنبل نے اس موقع کی نشاندہی اپنی زندگی میں ان الہامی لفظوں سے کی تھی۔ بیننا وبین اهل البدع یوم الجنائز۔ دیکھو یہ احمد بن حنبل حکام اور علماء اور قضاۃ کی جانب سے مطعون بھی تھے، مضروب بھی ہوتے، محبوس بھی ہوئے، مگر جنازہ کی شان وہ تھی کہ سب مخالفین دنگ رہ گئے۔ یہ ایک خداوندی انعام اور بشریٰ تھا آپ کے جنازہ میں شہر بغداد اور قرب وجوار کی بستیوں میں سے بیمار تک اٹھ کر چلے آئے۔ بڑے اور چھوٹوں میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ شرکاء جنازہ کا تخمینہ ۸ لاکھ تک مردوں کا اور ۶۰ ہزار تک مستورات کا بیان کیا گیا ہے۔ ابن خلکان نے بتایا ہے کہ امام احمد کی وفات کے دن غیر معمولی مقبولیت کے اثرات سے بیس ہزار یہودی عیسائی مجوسی مشرف باسلام ہوئے واللہ اعلم اس امام سے ملتے جلتے حالات حیاتاً ومماتاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تھے آج تک بھی یہ مرد مجاہد نادان اہل بدعت کے یہاں مطعون ومطروف ہے۔ ساری اپنی زندگی نشر دین اور اشاعت قرآن وسنت کی راہ میں شدید امتحانی منزلوں سے گزاری۔ دو سال کے آخیر میں متواتر قلعہ میں محبوس تھے وہیں دو تین دن سے بیمار تھے۔ بیماری کی کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اچانک ۲۰ ذی قعدہ ۷۲۸ھ دوشنبہ کی پچھلی رات میں دنیاوی مصائب سے رہائی پا کر بشریٰ اور وُدّ کے انعام کے مستحق قرار پائے۔ اس وقت قلعہ کے موذن اور پاسبانوں نے بروج قلعہ پر آپ کی وفات کو پکار دیا۔ دم کے دم میں دمشق شہر الٹ پڑا قرب وجوار کی بستیاں ٹوٹ پڑیں۔ دو لاکھ مرد اور ۱۵ ہزار عورتوں کا جنازہ میں تخمینہ لگایا گیا ہے۔ جنازہ کے اس بے مثل اجتماع اور کیفیت مقبولہ کے زیر اثر کوئی بندۂ خدا چلا اٹھا هذا یکون جنائز ائمة السنة یہ تو دمشق میں ہوا۔ حافظ ابن ناصر نے کتاب الرد الوافر میں اور الفاضل السید عنفی الدین الحنفی البخاری نے کتاب القول الجلی میں اور علامہ ابن رجب نے خبر دی ہے رثاه خلق کثیر من العلماء والشعراء بقصائد کثیر من بلدان شتی واقطار متباعده وصلی اللّٰه علیه وصلوٰة الغائب فی غالب بلاد الاسلام القریبة والبعید حتی فی الیمن والصین واخبر المسافرون انه نودی باقصی الصین الصلوٰة علی الجمعة الصلوٰة علی ترجمان القرآن ایک موقع پر لکھتے ہیں یوجد فی اسلام من اجتمع فی جنائزہ نتہ غیر الامام احمد۔ ایسی ہی محبوبانہ شان سے اسلامی رہروانوں کی رخصتی دھوم دھام سے قدرۃً منوائی جاتی رہی۔ اسی چودھویں صدی کے نصف اول میں مجدد وقت حضرت مرشدنا وسیدنا شیخ الہند طاب ثراہ علم وعمل کی ایک تصویر تھے۔ آپ کی عظمت وجلالت اور ہر گونہ صلاحیت و

شہادت پر آپ کے یہ بے مثل عظیم المرتبت تلامیذ کا وجود شہادت کے لئے کافی ہے طریق وارشاد میں جنید وقت حضرت تھانوی تبحر و معصومیت میں ثانی ابن حجر حضرت السید الشریف الشاہ الکشمیری سیاسی تدبیر و نظریات میں حضرت العلامہ السندھی۔ فقہی تدقیقات میں حضرت مفتی اعظم دہلوی اور دیگر کمالات کے ساتھ ایثار و قربانی میں حضرت شیخ الاسلام مدنی نورت مراقدہم۔ انگریز کی فرعونیت کا شباب تھا۔ انگریز کی مکائد کی تمام رکاوٹیں آپ کی راہ میں ہیچ تھیں۔ آپ کی ظاہری و باطنی جامعیت کے پاک اثرات عامۂ مومنین اپنے دلوں میں پاتے تھے حجاز سے گرفتاری۔ مالٹا میں اسیری کی خبریں کچھ دیر سے ہند میں پہنچی تو ہر کلمہ گو کی آنکھیں نم تھیں۔ سحری دعاؤں میں آہ و بکا تھا اس زمانہ میں کسی مخلص خادم نے ایک طویل عربی قصیدہ میں اپنے گھٹے ہوئے جذبات کا دھواں نکالا یہ چند شعر صرف حافظہ میں رہ گئے۔

الا یا مالطہ طوبیٰ و بشریٰ
نوئی بک من الحق آثار کفر
سن رے مالٹا تجھ کو بشارت ہو تجھ میں ایک کفر مٹانے والا آ کر مقیم ہوا۔
ولم تک قبلۂ الاخر ابا
خمولاً غیر معروف بخیر
اس سے قبل تو ایک ویران مقام تھا کسی خیر کی بات میں مشہور نہ تھا۔
فلما حلها عادت ریا ما
منضرہ من التقویٰ و ذکر
جب مالٹا میں یہ ہستی پہنچی تو پھر تقویٰ اور ذکر کا وہ سرسبز باغ بن گیا۔
مکللۃ بازہار العزایا
وازہار المزایا خیر زھر
فضائل کے پھولوں سے آراستہ ہوگیا اور بہترین فضائل ہی پھول ہیں
الا یا مالطہ کونی سلاما
علی محمود منا الراضی بقدر
اے مالٹا خدارا ہمارے راضی بقضاء اللہ محمود پر مجسمہ سلامتی ہو جانا۔
امام الخلق قدوتہم جمیعا
لہ کرم الی الآفاق یسری
یہ محمود خلقت کا امام اور پیشوا ہے اس کا فیضان دور دراز تک جاری ہے۔
ذکرنا یوسف الصدیق لما
اسرت من غیر استحقاق اسر
جب آپ بلا وجہ اسیر کرلئے گئے تو ہم کو یوسف صدیق علیہ السلام کی یاد آگئی۔
اشد الناس امثلہم جلاءً
فیا شمس الہدیٰ یا طود صبر

اے آفتاب ہدایت اور اے صبر کے پہاڑ وہ حدیث (ہمارے سامنے ہے) کہ آزمائش سب سے زیادہ نبیوں کی ہوتی ہے پھر ان کی جو نبیوں سے زیادہ مشابہ ہوں۔

حضرت کی وفات کا المیہ ایسا تھا کہ خبر سننے پر گھروں کے چولہے پھٹ پڑ گئے تھے۔ اخبارات کے کالم ہفتوں سیاہ رہے۔ علماء اور لیڈر اور فقرا اور امراء سب کا غم میں ایک سا حال تھا بازار بالکل بند جنازہ پر اتنی نمازیں پڑھی گئیں کہ اس کی نظیر تاریخ ہند میں نہیں ملتی اطراف قریبہ و بعیدہ میں ختمات کا سلسلہ مہینوں جاری رہا۔ غائبانہ نماز کے مجوزین اور غیر مجوزین میں کوئی تمیز نہ تھی۔ صدہا جگہ پر نماز غائبانہ پڑھی گئی۔ شاہ کابل نے عوام کے ساتھ ختمات میں حصہ لیا۔ اسلامی ملکوں سے برابر یہ خبریں آتی رہیں۔ کچھ خیال سا ہے کہ اخبار میں تھا مصطفےٰ کمال پاشا کے حسب الحکم ترکیہ میں سوگ منایا گیا۔ اس نمونۂ صحابہ شیخ الہند کا یوم الجنائز اس شان سے موافق و مخالف کو بتلایا گیا۔ ہمارے اکابر سلف کے یہاں نصاً و وصیتاً رسمی جانشینی کا سوال کبھی پیدا نہیں ہوا صرف غلبی اور قدرتی طور سے صالحین کے قلوب خود بخود کسی ایسے محبوب خدا کی طرف نسبتہً زیادہ مائل و راغب ہو جاتے ہیں جو مرحوم بزرگ کے منتسبین میں محبوب ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام المعالی کی اس میں خصوصیت ہے کہ حضرت شیخ الہند کے معتقدین و تلامیذ میں بکثرت وقت کے آئمہ اور اقطاب۔ صحیح معنیٰ میں موجود تھے اور شیخ الاسلام سے معمر بھی تھے، مگر حضرت کے وصال کے وقت ہی سے جانشین شیخ الہند کے لقب کا نقارۂ خدا سے آوازہ بلند ہوا اور سب آئمہ وقت نے عملاً اس کا اعتراف کیا۔ دوسری بڑی خصوصیت حضرت شیخ الاسلام کی یہ ہے جیسے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خصوصی تعلق شیخین رضی اللہ عنہما سے تھا جو صحابہ میں سے کسی سے بھی نہ تھا اور جیسے امام ابوحنیفہ النعمان کو اپنے ذہین و ذکی تلامیذ میں سے صاحبین سے ممتاز تعلق تھا اور جیسے ناشر العلوم قاسم الہدیٰ نانوتوی کو اپنے ممتاز معتقدین اور تلامذہ میں سے مشفقانہ تعلق بہر سہ حسن استاذ برادران سے (حضرت مولانا احمد حسن، حضرت مولانا محمود حسن، حضرت مولانا فخر الحسن) ایسا ہی مخصوص تعلق بلا شرکت غیرے حضرت شیخ الہند کو مولانا مدنی سے تھا حضرت کے حلقہ درس میں حضرت الاستاد حافظ علوم شاہ صاحب بھی عند الضرورت حاضر ہو کر بڑی روانی سے قراۃ حدیث کرتے تھے، مگر مولانا مدنی کی قرأت کے وقت اس درجہ انبساط شیخ الہند پر کہ مشہور شارحین کے افادات کے ساتھ اپنے مشائخ کرام کی تحقیقات پر بارشیں برسنے لگتی تھیں۔ دو گھنٹہ درس کے بجائے بعض دفعہ ۳۔ اور ۳½ گھنٹہ تک درس جاری رہتا۔ محبوب شاگرد بھی اس قدر لاڈلا تھا کہ بسا اوقات حلقہ درس حلقہ مناظرہ بن جاتا تھا۔ یہ حضرت کے انبساط میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ مولانا مدنی کا یہ خصوصی تعلق حضرت

سے تو تھا ہی پر آپ کی یہ بھی مزید خصوصیت کہ اس زمانے کے جملہ مشائخ وقت کے یہاں بھی آپ ایسے ہی بے تکلف اور لاڈلے تھے کبھی مظاہر العلوم میں آنکلے اور حدیث کا درس ہو رہا۔ جھٹ حلقہ درس میں شامل ہو کر قرأۃ اپنی طرف کر لیتے۔ وہاں کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ بھی یہ فرماتے ہوئے کہ بدو آگیا سنبھل کر بیٹھ جاتے۔ کسی ثقہ بزرگ سے سنا ہے ایک بار ایسی ہی شکل ہوئی تو حضرت امروہی نے ان کی بے تکلف مراجعت اور سوالوں پر فرمایا کہ یہ مولوی محمود حسن کے یہاں کا بگڑا ہوا ہے اسی طرح تمام اکابر کے درباروں میں اپنے عین شباب کے زمانہ میں باادب بے تکلف تھے۔ آپ کے خلوص۔ تدین۔ علمی و عملی کمالات کی وجہ سے سب کی آنکھوں کے تارے تھے اور آپ کے معاصرین بھی بجائے معاصری چشمک کے سب آپ کو بہت محبوب اور محترم نظر سے دیکھتے تھے۔ بہت سے واقعات یاد ہیں، مگر طول کے خوف سے گنجائش نہیں۔ جب وہ وقت آیا جس میں خود مولانا مدنی کو بھی ان لفظوں میں اقرار کرنا پڑا کہ میری موت الکبری بڑوں کی موت نے مجھے بڑا بنا دیا تو پھر آپ کے حالات جو سب کے سامنے ہیں۔ اکابر کی موت پر برابر کچھ متوقع ہستیاں موجود رہتی تھیں جن کو اکابر کے کمالات کا آئینہ دار اور سلف صالحین کی جامعیت کا بجا طور سے امانت دار سمجھتے ہوئے عند الصدمۃ الاولی محزون قلب کے لئے وہ صبر و تسلی کا ذریعہ ہو جاتی تھیں۔ تاسف کل التاسف کہ اب شیخ الاسلام کی وفات پر یہ چیز ختم ہے لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔ خیر ہمارا موضوع بھی اس پر ختم ہے کہ آپ کے سیاسی یا مذہبی نہیں بلکہ نفسیاتی مخالفین آپ کی خداوندی مقبولیت و محبوبیت سے جو آپ کے یوم الجنائز سے آشکارا ہے۔ آنکھیں کھولیں اور تائب الی اللہ ہو کر امت الاسلامیہ میں تفرقہ بازی سے دستکش ہو جائیں و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وان ینور مرقدہ و اعلاث امثالہ علی ارضہ الی یوم الدین بجاہ سید الاولین والآخرین علیہ الف الف صلوات علی اعداد نجوم السماء و ذرات ارضین ۔

جذبات غم
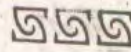
(بر وصال شیخ الاسلام مدنیؒ)

(از امیر احمد صاحب حزیں ہاپوڑی)

اف ستم، وہ شیخ الاسلام آج دیکر دام غم
ہو گئے افسوس ہیں اب راہیٔ ملک عدم
فکر تھی تاریخ کی نکلا یہ کہتا تھا ماہتاب
اب چھپا علم و عمل کا ہائے روشن آفتاب
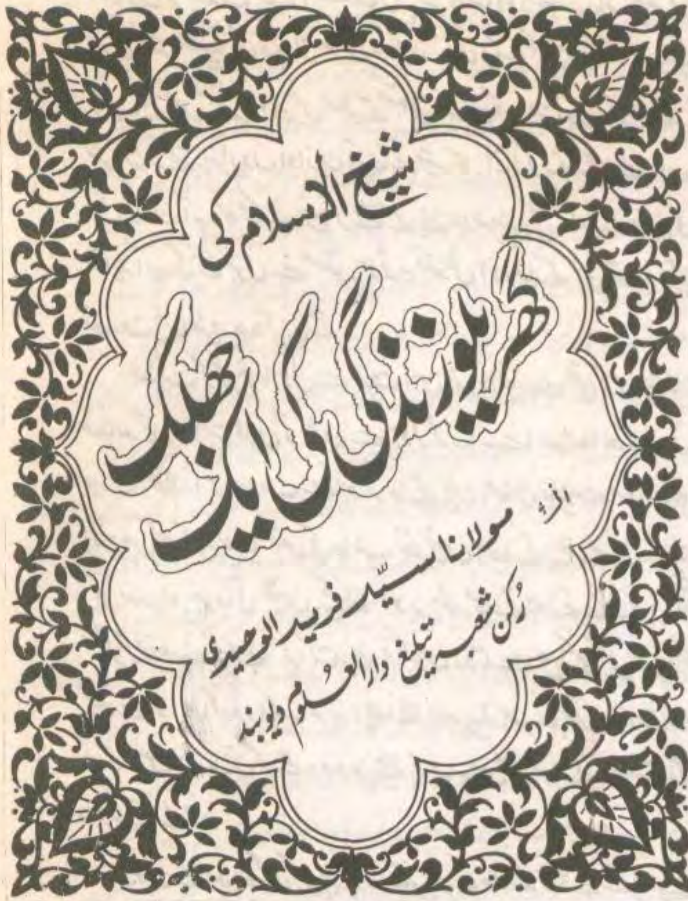
زیر نظر سطور میں حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی گھریلو اور خانگی زندگی کی ایک تصویر پیش کرنی مقصود ہے۔ انسان کی زندگی کا یہ وہ گوشہ ہے جس میں تکلف کے بجائے بے تکلفی، قیود کی جگہ آزادی اور طبع رواں کی بلا روک ٹوک سرگرمیاں ہوتی ہیں۔ ایک شہنشاہ زندگی کے اس میدان میں گدا نظر آتا ہے علماء و فضلاء یہاں پہنچ کر علمی وقار اور فضیلت کی شان سے مبرا دکھائی دیتے ہیں بڑے بڑے جرنیل امیر کارواں اس دروازے میں داخل ہوتے ہوئے اپنے امتیازات و ملبوسات منصبی آثار پھینکتے ہیں۔ سیاسیین و مدبرین یہاں عامی و عمومی رنگ اختیار کر لیتے ہیں، مگر دنیا اور زندگی کی اس کمزور ترین منزل میں بھی جن کا ظاہر و باطن یک رنگ نظر آتا ہے جو جلوت و خلوت میں یکساں زندگی کے مالک ہوتے ہیں وہ عارفین و واصلین الی اللہ ہی ہوتے ہیں ان کی زندگیوں کا جو خاکہ آپ کو لاکھوں انسانوں کے بحر مواج میں معتقدین و متوسلین کے بے پناہ اور عقیدتمندانہ ہجوم میں کانفرنسوں اور اجلاسوں کی مسند نشینی میں نظر آئے گا۔ بعینہٖ یہی نقوش گھر کی آزاد چہار دیواری میں بچوں اور اہل خانہ میں رونق افروز ہوتے ہوئے آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہی بڑائی کا معیار اور عظمت و عزیمت کا راز ہے۔ حضرت شیخ مدنی قدس سرہٗ کی پوری زندگی خلوت و جلوت میں یکساں رہی اور یوں سمجھئے کہ حضرت "کن فی الخلوات کما انت فی الجلوات" کے مکمل مصداق تھے، بحمداللہ کہ حضرت کی زندگی کا کوئی گوشہ راز یا پوشیدہ نہیں ہے

بیاسی برس کا طویل زمانہ سفر، حضر، جیل، خانقاہ، مدرسہ، کانفرنیس، لاکھوں انسانوں کا عقیدت مندانہ استقبال بے تحاشا اور غضب ناک ہجوم کی خشت باری طنز وتشنیع کی بوچھاڑ، غرض پوری زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے جس باب میں جس صفحہ پر اور جس سطر کے متعلق شبہ ہو کھو لئے اور باآواز بلند پڑھنا شروع کیجئے۔ ہزاروں آوازیں آپ کے شبہ کا ازالہ کرنے کے لئے اور بے شمار مشاہدات آپ کا شک رفع کرنے کے لئے حاضر ملیں گی، گھر کے اندر کی زندگی شاید آپ کی نگاہوں سے مستور ہو تو یہ نقوش اور خاکے کسی قدر واقفیت و تعارف میں ضرور مدد کریں گے۔

حضرت کو گھریلو ماحول سے صرف اس قدر واقفیت تھی کہ مہمان خانہ سے مطالعہ گاہ کا راستہ فلاں گوشوں سے ہو کر گزرتا ہے اور مطالعہ گاہ سے بیت الخلا۔ اس جانب سے ہو کر جاتے ہیں۔ مہمان خانہ سے مطالعہ گاہ کے راستہ میں کبھی کسی چیز یا شخص کی جانب نظر نہیں اٹھاتے تھے۔ صرف دو چیزیں کبھی کبھی سد راہ ہو جاتی تھیں۔ کھیلتے اور شور مچاتے ہوئے ننھے بچوں کو کبھی کبھی مسکرا کر مخاطب فرماتے "کیا کہتا ہے؟" "کیوں روتا ہے؟" یا کبھی کبھی کسی بالکل ہی ننھے بچے کو اٹھا کر دو ایک مرتبہ اچھالتے اور پیار بھرے لہجہ میں "اللہ الا اللہ" کہہ کر اس سے باتیں کرتے دودھ پیتے بچوں سے بھی سوائے "الا اللہ کے کچھ نہ فرماتے تھے"۔

بچوں کے علاوہ کبھی کبھی چڑیوں کے پنجرے ملاحظہ فرماتے تھے، اپنے دستِ مبارک سے ان کو دانہ پھل یا چاول کھلاتے اور پانی ڈالتے۔ چڑیاں اس میزبانی اور تواضع کی عادی ہو جاتی تھیں اور جونہی حضرت داخل ہوتے تمام چڑیاں اُچھل اُچھل کر پیاری پیاری آزوں میں حضرت کو متوجہ کرتیں۔ خصوصاً جب پہاڑی مینائیں بھاری پر رعب اور مردانہ لہجہ میں کہتیں "حضرت اللہ اللہ کہو الا اللہ کہو، تو حضرت بے ساختہ ان کی جانب لپکتے تھے۔ چڑیوں میں عموماً مینائیں کوئل، شاما، لال، قمری وغیرہ رہتی تھیں۔ طوطا کبھی گھر میں نہیں رہا، مادی اشیاء میں صرف چند چیزیں حضرت کو بیحد مرغوب تھیں اور ان کے حصول کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار فرماتے تھے۔ بلا خوف تردید میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی عمر میں خوشبو، پھولوں کے پودے چڑیوں اور مہمانوں کے علاوہ کسی سامان قیمتی سے قیمتی اور کسی عجیب سے عجیب تر مفید چیز کی طرف حضرت کو توجہ کرتے کبھی نہ دیکھا، چڑیاں اور پودے مدراس، آسام، بنگال، کیرالا وغیرہ سے صرف کثیر خرچ کر کے منگوایا کرتے تھے اور بڑی رغبت اور خوشی سے ان کی حفاظت کرتے تھے۔ دارالعلوم کے چمن کی ساری ترتیب اور اس میں نادر پودے حضرتؒ ہی کی توجہ کے مرہون کرم ہیں۔ بیشتر حضرت ہدایا اور تحائف کی طرف توجہ فرماتے تھے اور عموماً ہر چیز تقسیم فرما دیا کرتے تھے، مگر پودے چڑیاں اور عطر بڑی رغبت سے قبول فرماتے تھے اور کئی منٹ تک اسے ہاتھوں میں لئے محظوظ ہوتے رہتے ایک مرتبہ ایک صاحب نے ایک پودا پیش فرمایا۔ جو بظاہر کوئی گھاس معلوم ہوتی تھی، حضرت فوراً اٹھے اور اسی وقت اپنے سامنے اس کو کیاری میں لگوایا اور پانی دیا میرے ذہن میں اس وقت یہ بات آئی کہ یہ صاحب بہت ذہین ہیں۔ رغبت کا انہیں علم ہوگا ملاقات کرنے چلے تو راستہ کے کسی کھیت سے یہ گھاس اکھاڑ لائے۔ مہمان خانہ کے صحن میں ایک درخت تھا حضرتؒ مدینہ طیبہ سے لائے تھے اور بڑے شوق اور چاہت سے اس کے نیچے بیٹھتے تھے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اسی جنس کا وہ درخت تھا کہ جس کے نیچے وہ عظیم الشان بیعت ہوئی تھی جس کو اسلامی تاریخ میں "بیعت رضوان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اب وہ درخت تو ختم ہو گیا ہے لیکن شہر اور دارالعلوم میں اس نسل کے کئی درخت اور ہو گئے ہیں یوں تو اتنی فرصت کبھی میسر آتے نہ دیکھی کہ چند ساعتیں ان مرغوب ترین اشیاء سے محظوظ ہونے کے لئے مل جائیں۔ صرف آتے جاتے چند سیکنڈ چڑیوں اور پودوں کی نظر ہو جاتے تھے خوشبو سے رغبت کا یہ عالم تھا کہ کپڑے بدلنے سے پہلے ان کو اگر کی خوشبودار لکڑی کا دھواں دیا کرتے تھے، عطر تیل کی طرح شیشی سے ہتھیلیوں پر انڈیلتے اور پھر کپڑوں پر لگاتے تھے۔ راستہ میں اگر کوئی پودا پھولوں کا نظر آتا تو فوراً ٹھہر کر پھول توڑتے اور جب تک ممکن ہوتا ہاتھوں میں لئے رہتے اور وقتاً فوقتاً سونگھتے رہتے، مشغولیت کے وقت یہ پھول احتیاط سے ٹوپی میں رکھ کر ٹوپی زیب سر فرما لیتے۔ حتیٰ کہ رات کو استراحت فرماتے وقت بھی یہ مرجھائے ہوئے پھول جدا نہ ہوتے اور سرہانے جگہ پاتے۔ مطالعہ کے لئے کوئی مخصوص کمرہ یا لائبریری نہ تھی۔ ایک بڑے کمرہ کا درمیانی حصہ کتابوں کی معمولی الماریوں سے گھر کر خود بخود الگ سا ہو گیا تھا اس میں ایک چٹائی پر ہرن، چیتل یا پہاڑی بکرے کی کھال بچھی ہوتی تھی اور چمڑے کا ایک گاؤ تکیہ سہارے کے لئے رکھا ہوتا تھا جس میں کھجور یا تاڑ اور ناریل کی چھال بھری ہوتی تھی چاروں طرف کتابوں کے ڈھیر ہوتے تھے اور سامنے کاغذات کا ایک انبار ہوتا تھا جو درخواستوں، خطوط، مضامین دارالعلوم کی فائلوں اور دوسری یادداشتوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اسی چٹائی کے نیچے کی جانب ایک لکڑی کے تختہ پر معمولی سا ایک اسٹیل کا بکس ہوتا تھا جس میں چند جوڑے موٹے کھدر کے معمولی کپڑے ہوتے تھے اور اسی بکس کے قریب ایک کھونٹی پر حضرت اپنی شیروانی عبا اور عمامہ ٹانگ دیا کرتے تھے۔ یہی مطالعہ گاہ حضرت کا عبادت خانہ بھی تھی۔ تہجد، نوافل، ذکر مراقبہ اور دوسرے اذکار و اوراد کو جانی یہیں ادا فرماتے تھے اور دنیا کی ۸۲ سالہ زندگی میں صرف یہی کمرہ اور اس کی اشیاء جو کتابوں پر مشتمل تھیں حضرت کا مال و متاع تھا اور اس متاع کی حفاظت اس طرح فرماتے تھے کہ احقر راقم الحروف اکثر کتابیں نکال کر لے آتا تھا اور اس پر بہت برہم ہوتے تھے فرمایا کرتے تھے "تو میری کتابیں لے جاتا ہے اور واپس نہیں لاتا، میرا قلم کیوں لیتا ہے"۔ مرض

وصال میں مولانا سید عبدالحیٔ مرحوم ناظم سابق ندوۃ العلماء لکھنؤ کی کتاب نزہۃ الخواطر تلاش فرمائی نہ ملی تو مجھے طلب فرمایا گویا جب کوئی کتاب نہ ملتی تو فوراً میری طرف ذہن منتقل ہو جاتا۔ وصال سے ایک ماہ قبل مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف "مختارات" ملاحظہ فرما رہے تھے۔ میری نظر پڑی میں نے اس کے لئے اصرار کیا اور ایک حد تک ضد کی مگر فرمایا کہ

" آپ اپنے لئے علیحدہ منگوا لیجئے میں کیوں دوں" اس مطالعہ گاہ کے ایک جانب حضرت کی چارپائی تھی اور دوسری جانب وضو کی چوکی تھی چارپائی ہمارے بچپن تک خالی پڑی رہتی تھی اور چٹائی ہی پر استراحت فرمایا کرتے تھے مگر کم و بیش ۱۵ برس سے چوبیس گھنٹوں میں صرف تین گھنٹے کے لئے یہ چارپائی استعمال میں آنے لگی تھی، مگر یہ تین گھنٹے مسلسل و متواتر نہ تھے، بلکہ دوپہر کے کھانے کے بعد آدھ گھنٹہ اور رات کو ساڑھے بارہ یا ایک بجے کے بعد تقریباً ڈھائی گھنٹہ پر منقسم تھے گھر کے افراد ——— میں سے جس کو کچھ عرض کرنا ہوتا وہ مطالعہ گاہ میں حاضر ہوتا اور حضرت ہمیشہ اسے وظیفہ پڑھتے مطالعہ فرماتے یا کچھ تحریر کرتے ہوئے ملتے تھے بچے تو آواز دے کر" ابا جی یا دادا میاں" کہہ کر مخاطب اور متوجہ کر لیتے تھے، مگر ہم لوگ یا حضرت دادی صاحبہ دام مجدھا کھڑی رہ کر منتظر ہوتیں کہ حضرت توجہ فرمائیں تو عرض مدعا کیا جائے۔ عموماً سر اٹھا کر دریافت فرماتے "کیوں آیا" اور کبھی کبھی انتظار بسیار کے بعد ہمیں واپس بھی آنا پڑتا۔ گھر میں بلا ضرورت کسی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے اور جب گفتگو کرتے تھے تو بہت ٹھہر ٹھہر کر چھوٹے چھوٹے جملوں میں ایسا لگتے جیسے روزمرہ کی گھریلو زبان آتی ہی نہ ہو بچوں سے کبھی کبھی خوش طبعی اور مزاح کی گفتگو فرماتے تھے جس میں اکثر ہم نوجوانوں کو بھی شریک کر لیتے تھے ابھی عرض کر چکا ہوں کہ گھر کے کسی سامان سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ حتیٰ کہ وقت بے وقت مہمانوں کے ہجوم خصوصاً عین وقت پر پندرہ یا بیس مہمانوں کا کھانا طلب کر لینے کا مسئلہ جب ریفریجریٹر کے ذریعے حل کیا گیا تو مہینوں ریفریجریٹر غالباً دیکھا بھی نہیں ایک روز اتفاقاً نظر پڑ گئی کہ وہ گزرگاہ پر رکھا ہوا تھا تو دادی صاحبہ مدظلہا سے دریافت فرمایا کہ" یہ کیا ہے، کیسے کھلتا ہے اس میں چیزیں کیسے تازہ اور بلا خراب ہوئے رہتی ہیں" اکثر فرماتے تھے کہ میری خواہش ہے کہ میرے گھر میں مہمانوں کی ضروریات کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہو۔

مرض وصال میں چارپائی پر آرام فرماتے ہوئے ہر کھانے اور چائے کے وقت عم گرامی مولانا اسعد صاحب کو تاکید فرماتے اور دادی صاحبہ مدظلہا العالی سے دریافت فرماتے کہ مہمانوں نے کھانا کھا لیا، چائے پی لی۔

جو کچھ نوش فرماتے تھے صرف مہمانوں کے مجمع میں نوش فرماتے۔ گھر میں کوئی چیز تناول نہ فرماتے تھے حتیٰ کہ حالت مرض میں بھی ہمیشہ مہمانوں کے ساتھ کھانے کے لئے باہر بہزار دقت اور سب کے منع کرنے کے باوجود تشریف لاتے تھے۔

اگر کبھی کوئی شخص خادم یا گھر کا کوئی فرد کسی مہمان سے بدخلقی سے پیش آتا تو بیحد غضب ناک ہوتے تھے ایک صاحب ایک مرتبہ دو ماہ تک مقیم رہے نہ نماز پڑھتے اور نہ حضرت کی مجالس میں شریک ہوتے خادم مہمان خانہ نے ان سے کہا تم دو ماہ سے مقیم ہو۔ حضرت سے کوئی مقصد بھی عرض نہیں کرتے، نماز نہیں پڑھتے اگر تمہارا کوئی کام نہیں ہے تو جاؤ اپنا گھر بار دیکھو، اتفاق اور شومئ قسمت سے جس وقت خادم یہ کہہ رہا تھا میں بھی وہیں موجود تھا۔ بات رفت و گذشت ہو گئی۔ وہ مہمان بھی رخصت ہو گئے مجھے اور کسی کو یہ واقعہ یاد بھی نہ رہا، مہینوں کے بعد کسی موقع پر حضرتؒ کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ راقم الحروف حاضر ہوا۔ حضرت مطالعہ فرما رہے تھے جونہی میری طرف نظر ڈالی ڈانٹنا شروع کیا" کس نے مہمان سے کہا کہ" چلے جا" مردک! گدھے تو اسی لئے پیدا ہوا تھا۔ یوں تو عموماً حضرت میری غلطیوں پر تنبیہ فرمایا کرتے تھے، لیکن جب کبھی یہ تنبیہ زبان و بیان کی حد سے گزر کر دست مبارک اور سراپا پاک کی حد تک پہنچنے والی ہوتی تو راقم الحروف کو پہلی ہی نظر میں اس کا اندازہ ہو جایا کرتا تھا۔ آج جونہی حضرتؒ نے میری طرف نظر فرمائی میں نے فوراً صورت حال کی نزاکت کا اندازہ کر لیا اور نہایت صفائی کے ساتھ اپنا بے قصور ہونا ثابت کیا، فرمایا" تو وہاں موجود تھا تو نے روکا کیوں نہیں" میں نے جرأت کر کے عرض کی کہ وہ مہمان دو ماہ سے مقیم تھے۔ تارک صلوٰۃ تھے۔ اس لئے میرا خیال تھا کہ صوفی جی کچھ بیجا نہیں کر رہے ہیں۔ فرمایا۔ ترک صلوٰۃ ہمارا نہیں خدا کا قصور ہے۔ اس پر ان کو سمجھانا چاہیئے تھا اور دو ماہ رہے کوئی مہمان چاہے سو ماہ رہے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ کوئی ٹیڑھی نظر سے دیکھے یہ نہ سمجھنا کہ میں سفر پر رہتا ہوں، مجھے علم نہیں ہوتا۔ اگر کسی نے مہمانوں کو تکلیف پہنچائی تو میں قیامت کے دن دامن گیر ہوں گا۔

بہت سے مہمان بدویت محض کا کامل نمونہ ہوتے تھے اور اپنے سیدھے پن سے ایسی حرکتیں کرتے تھے کہ معمولی اشخاص کے لئے بھی یہ حرکتیں قابل برداشت نہ ہوتی تھیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب دسترخوان پر حضرت سے اپنے کسی ذاتی تنازعہ کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اپنے فریق مخالف کی زیادتیوں کا اعادہ کرتے ہوئے غصہ میں بھر گئے اور اسے چند عریاں ترین گالیاں دے ڈالیں۔ اس موقع پر حق میزبانی اس طرح ادا ہوا کہ حضرتؒ نے بلطائف الحیل گفتگو کا رخ موڑ دیا۔

چند حضرات کسی گاڑی سے تشریف لائے اور حضرت کو مدعو کرنا چاہا حضرتؒ کے عذر فرمانے پر انہوں نے اصرار اور زیادہ کر دیا۔ حتیٰ کہ صورتحال یہ ہو گئی کہ جوں جوں حضرتؒ کے اعذار مدلل ہوتے جاتے تھے۔ ان حضرات

کا بلا دلیل اصرار بڑھتا جاتا تھا۔ آخر حضرتؒ نے کسی قدر بلند آواز میں فرمایا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ کیا ملازمت چھوڑ دوں، اسی طرح مارا مارا چلوں، ان حضرات نے نہایت برجستگی سے فرمایا کہ "ملازمت چھوڑ دے یا نہ چھوڑ۔ مار دے چاہے گاڑ دے۔ مگر بحبرت ہم تو بھے لے کے ہی ٹلیں گے" مسکرا کر ان سے وعدہ فرمایا اور مقررہ تاریخ ڈائری میں نوٹ کر کے انہیں ہنسی خوشی رخصت کیا۔

اب سے دو تین سال پہلے جب ضعف بھی طاری وحاوی ہو چلا تھا۔ گھٹنوں میں اٹھتے بیٹھتے تکلیف بھی ہوتی تھی۔ ایک صاحب نے تعویذ کی فرمائش کی، حضرت اندر تشریف لے جا رہے تھے، ان سے فرمایا کہ آپ تشریف رکھیں میں ابھی لاتا ہوں" یہ کہہ کر مطالعہ گاہ میں تشریف لاتے۔ اور بیٹھ کر تعویذ لکھا میں ساتھ تھا عرض کیا مجھے دے دیجئے میں ان صاحب کو دے دوں گا، فرمایا تو ترکیب نہیں سمجھا سکے گا۔ چنانچہ باہر تشریف لائے اور تعویذ دے کر نہایت تفصیل کے ساتھ اس کی ترکیب سمجھائی اور جونہی واپسی کی جانب متوجہ ہوئے اس شخص نے دوبارہ آگے بڑھ کر کہا حضرت! ایک تعویذ مجھے اپنے لڑکے کے لئے بھی چاہیئے فرمایا بہت اچھا! اور پھر گھر میں تشریف لائے اس مرتبہ پھر میں نے جرأت کر کے کہا میں دیدوں گا، مگر انکار فرمایا اور خود ہی تشریف لائے اور تعویذ مرحمت فرمایا، اب اس کی جرأت اور بھی قوی ہوگئی تھی اور اس نے اپنی بہو کے لئے بھی ایک تعویذ کی فرمائش کی دریافت فرمایا کہ بہو کو کیا شکایت ہے اس نے عرض کی اور اسی خندہ پیشانی کے ساتھ حضرت نے اسے تیسری مرتبہ اندر جا کر لکھ کر تعویذ لا کر دیا۔ راقم الحروف بھی بطور مشاہدہ اس مجاہدہ وریاضت میں برابر کا شریک رہا اور حضرت نے جب نہایت نرمی اور ملاطفت کے ساتھ اس سے رخصتی سلام ومصافحہ کیا تو میں اپنی حیرت اور تکلیف کو بڑی مشکل سے روک سکا۔

اسی سلسلہ کا ایک اور واقعہ جسے میں نے خود نہیں دیکھا، مگر بڑے تواتر اور ثقہ حضرات سے سنا ہے یہ کہ ایک رات حضرت رات کے بارہ بجے درس حدیث سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو مہمان خانہ میں ایک مہمان نے آرڈر دے کر پوچھا کون ہے؟ حضرت نے اپنا نام نہ بتایا اور بڑی نرمی سے دریافت کیا کہ آپ کو کچھ کام ہے۔ مہمان نے کہا ذرا حقہ بھر دو تعمیل حکم کے لئے حضرت بڑی آہستگی سے چارپائی کی طرف بڑھے۔ رات کے بارہ بجے کا عمل تھا خواب وبیداری کی کش مکش یہ عالم تھا۔ مہمان کچھ ضعیف العمر تھے۔ حضرت چارپائی کے پاس پہنچے تو قدموں کی چاپ سن کر بھی مردِ خدا نے آنکھیں نہ کھولیں اور لیٹے لیٹے فرمایا میاں صاحب چلم بھر رہے ہو تو حقہ بھی تازہ کر لینا نہ جانے کب سے تازہ نہیں ہوا ہے کچھ مزا نہیں آیا۔ حضرت حقہ لے کر زنان خانہ میں تشریف لائے، اہلِ خانہ محوِ خواب تھے، حقہ تازہ کیا آگ بنائی انگارے تیار کئے۔ چلم بھری اور لے کر حاضرِ خدمت ہوئے اور ادھر بڑے میاں نے سوچا کہ آنکھ کھل گئی ہے، تو لگے ہاتھوں پیشاب سے بھی فارغ ہو لیں۔ چنانچہ وہ پیشاب سے فارغ ہو کر آئے ادھر سے مہمان نواز میزبان حقہ لئے پہنچے۔ مہمان نے میزبان کی صورت دیکھی تو نیچے کا سانس نیچے اور اوپر کا سانس اوپر رہ گیا۔ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا حضرت نے بکمال شفقت انکسار سے فرمایا "آپ کی عنایت ہے کہ آپ نے خدمت لی۔ ہمارے والد مرحوم حقہ کے بڑے شوقین تھے اس لئے مجھے تو عادت ہے اور مہمان کی خدمت بڑا شرف وامتیاز ہے"

دسترخوان پر اگر کوئی مہمان موجود نہ ہوتے تو فوراً دریافت فرماتے، نام تو سب کے کیسے یاد رہتے، علامات بتلا کر دریافت کرتے تھے "وہ جو سیاہ شیروانی پہنتے تھے یا جو صاحب لاہور سے آئے تھے"۔ وغیرہ وغیرہ اگر مہمان کہیں مسجد یا قریبی جگہ پر ہوتے تو ان کا انتظار فرما کر شروع کرتے تھے

غیر مسلم مہمان کے لئے اس سے دریافت کر کے سبزی بکواتے یا بازار سے غیر مسلم کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا منگوا کر اپنے ساتھ شریک کرتے تھے۔ اگر غیر مسلم مہمان گوشت خور ہوتا تو اسی عام دسترخوان اور عام برتن میں جس میں سب کھا رہے ہوتے اسے شریک فرماتے تھے۔ کھانا گول دسترخوان پر ہوتا درمیان میں ایک قاب میں سالن یا ایک طشت میں چاول رکھے جاتے جس کے چاروں طرف مہمان مع میزبان رونق افروز ہوتے۔ خوب ذہن میں رہے کہ فقیر کے اس دسترخوان پر امیر وغریب رئیس ورعایا وزیر وکسان دوش بدوش بیٹھتے تھے۔

کھانے سے پہلے حضرت اپنے دونوں ہاتھ خوب اچھی طرح دھوتے تھے اور تولیہ سے نہیں صاف کرتے تھے لقمے چھوٹے ہوتے اور خوب چبا کر کھاتے تھے۔ میں نے اکثر کھانے کی مقدار کو بغور دیکھا ہے۔ ڈھائی چپاتیوں سے زیادہ کبھی میرے اندازے میں نہیں آئیں۔ لطف یہ کہ یہ مقدار پوری اس وقت ہوتی تھی۔ جب ایک ایک کر کے سب مہمان فارغ ہو جاتے کھانے کے بعد روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور کنارے جو دوسرے شرکاء دسترخوان چھوڑ کر اٹھ جاتے تھے۔ حضرت والا انہیں چن چن کر کھانے کے عادی تھے۔ پلیٹ میں اگر سالن کم مقدار میں ہوتا تو اسے پوری طرح صاف کرتے تھے کبھی کبھی دسترخوان کی چار چار پلیٹیں صاف کرتے تھے اگر سالن زیادہ ہوتا تو شوربہ ذرا سا عموماً تین جرعہ پی لیا کرتے تھے پھر وہ سالن دوسرے خدام تبرکاً پی لیتے تھے اور برتن صاف ہو جاتا تھا۔

پانی ہر موسم میں نہایت ٹھنڈا چھوٹے چھوٹے گھونٹ کر کے چند سانسوں میں پیتے تھے گرمیوں میں عموماً کئی مرتبہ پانی پیتے تھے مگر مقدار [illegible]

سے سخت پیاس میں بھی بہت کم ہوتی تھی۔

کھانے کے ساتھ بیشتر بڑی رغبت سے شہد استعمال فرمایا کرتے تھے، اچار اور چٹنیوں سے بھی شوق فرماتے تھے کبھی کسی کھانے کی یا کسی خاص چیز کی فرمائش کرتے میں نے نہ دیکھا اور نہ سنا نہ کسی کھانے یا مٹھائی وغیرہ کی تنقیص کرتے تھے اور نہ تعریف کرتے تھے۔ حتیٰ کہ گھر کے لوگ اندازہ سے مرغوب اشیاء کا پتہ چلایا کرتے تھے۔

دادی صاحبہ مدظلہا جب رغبت وشوق کی کوئی خاص چیز تیار فرمائیں تو ہم لوگوں سے دریافت فرمائیں کہ حضرتؒ نے فلاں چیز زیادہ مرتبہ لی یا کم مرتبہ اور اس طرح پسندیدگی یا عدم پسندیدگی کا پتہ چلتا تھا۔

ہاں پھلوں میں آم اور خربوزے بے حد مرغوب تھے۔ بالخصوص آم تو بہت ہی رغبت سے کھاتے تھے اور کھانے سے زیادہ شوق سے تیسرے چوتھے دن اساتذہ وعمائدین دارالعلوم کو کھلایا کرتے تھے۔

طبیعت میں فطری طور پر نفاست اور لطافت تھی اس لئے آم کی اگر زیادہ قسمیں سامنے ہوتیں تو ہر ایک دانہ میں سے ایک ایک یا دو، دو قاشیں ملاحظہ فرماتے تھے اندازہ یہ ہوتا تھا کہ کھانے سے زیادہ ہر آم کا حسب ونسب و تاریخ پیدائش ووفات اور ابتدائی جائے پیدائش معلوم کرکے محظوظ ہوتے تھے

جناب شاہ محمد مسعود صاحب رئیس بہٹ جن سے حضرت کو اور حضرت سے جن کو بے حد تعلق خاطر تھا اور حاجی احمد حسین صاحب لاہر پوری اس ذوق تاریخ میں خوب خوب لطافتیں پیدا کرتے تھے کہ شاہ صاحب کے باغوں میں نایاب اور نفیس ترین پھل پیدا ہوتے ہیں۔

ان کی خوش نصیبی ملاحظہ ہو کہ مرض وفات میں جب ڈاکٹری معائنہ کے لئے سہانپور تشریف لائے تو موصوف کی درخواست پر بہٹ ایک شب کے لئے رونق افروز ہوئے اور شاید آخری مرتبہ شاہ صاحب کے باغ کے "رٹول" آم ملاحظہ فرمائے۔

کھانا کھانے کے بعد ہاتھ اور منہ ہمیشہ صابن سے دھوتے تھے اور تولیہ سے صاف کرتے تھے کھانے کے بعد اگر کوئی میٹھی چیز میسر آجاتی تو رغبت سے نوش فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔ زنان خانے میں بھی خواتین مہمان بکثرت ہوتی تھیں۔

ہر طبقہ کی خواتین ہر قسم کی درخواستیں اور اپنی پریشانیاں گوش گزار کرنے کے لئے حاضر ہوتی تھیں۔ عموماً اہل خانہ کے واسطہ سے درخواستیں سنتے تھے اور جوابات، دعائیں مشورے اور تعویذات مرحمت فرماتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ بعض حالات میں حضرت پس پردہ تشریف فرما ہوتے۔ درخواستیں سماعت فرماتے اور براہ راست پند ونصائح ومشوروں سے مستفید کرتے خواتین کو بیعت کرنے کا بھی یہی طریقہ تھا۔ پس پردہ سے ایک لمبا کپڑا عمامہ وغیرہ کا ایک سرا خود پکڑتے، دوسرا سرا خاتون پکڑتیں اور کلمات بیعت تلقین فرماتے۔

گاؤں کی خواتین کبھی کبھی اہل خانہ کی نظریں بچا کر مطالعہ گاہ تک پہنچ جاتیں اور سامنے کھڑی ہو جاتی تھیں۔ ایسی صورت میں حضرت بہت پریشان اور سراسیمہ ہو کر اپنا رُخ دوسری جانب پھیر لیتے تھے اور ملازم لڑکے صاحبزادیوں یا دادی صاحبہ مدظلہا کو آواز دیتے تھے جو فوراً منشاء سمجھ جاتیں تھیں اور یہ صورت ختم کراتی تھیں۔

گھر میں بھی شریعت کی پابندی کا بیحد لحاظ رکھتے تھے اور سب ہی افراد خاندان کو تاکید بلکہ ضرورت کے وقت تنبیہہ فرماتے رہتے۔ اس باب میں کسی کی ادنیٰ رعایت ملحوظ نہ تھی۔

میری ہمشیرہ عزیزہ صفیہ خاتون سلمہا کے شوہر ضیاء الحسن صاحب فاروقی لیکچرار جامعہ طبیہ کالج جو آج کل ڈاکٹریٹ کے لئے مانٹریال یونیورسٹی (کناڈا) گئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے شادی کے بعد داڑھی صاف کرادی۔ رشتہ بھی نازک ہے اور حضرت فی الجملہ ہمشیرہ مذکورہ کی خاطر بھی عزیز رکھتے تھے لیکن ایک موقع پر عزیز مذکور سے خفا ہو گئے اور جب انہوں نے داڑھی رکھ لینے کا وعدہ کیا تو خوش ہوئے اور دعا کرنے کا وعدہ کیا۔

عموماً یتامیٰ اور بیواؤں کی امداد فرماتے تھے۔ ایسے بھی متعدد افراد میری نظر میں ہیں جنہیں بے روزگاری اور بیکاری کے دور میں مستقل امدادیں دیتے رہتے تھے۔ ان میں مسلم وغیر مسلم کی قید نہ تھی۔ عیسائی ہندو اور دوسری اقوام کے مجبور وبیچارہ افراد سب ہی کی کاربرادی فرماتے تھے۔ اعزا واقارب میں جو لوگ مفلوک الحال ہوتے تھے۔ ان کی تو نہایت باضابطگی کے ساتھ امداد فرمایا کرتے تھے عید وبقرعید کے مواقع پر جب کبھی آبائی وطن ٹانڈہ ضلع فیصل آباد میں ہوتے تھے تو نماز سے پہلے اعزا کے ہر گھر میں بنفس نفیس تشریف لے جاتے اور ہر ہر فرد کو عیدی تقسیم فرمایا کرتے تھے۔

میرے والد اسیر مالٹا مولانا وحید احمد مدنی مرحوم حضرت کے بڑے بھائی مولانا صدیق احمد رحمۃ اللہ علیہ کے لڑکے تھے، مگر بڑے بھائی کی حیات ہی میں بھتیجے کی پرورش ونگہداشت اپنے ذمے لی تھی۔ مالٹا میں نظر بند ہوتے تو یہ بھتیجا وہاں بھی ہمرکاب رہا۔ مدینہ طیبہ سے ہندوستان منتقل ہوتے تو یہ بھی برادر زادہ آغوش شفقت سے جدا نہ ہوا۔ تعلیم وتربیت شادی غرض سب کچھ اپنے تکفیل میں کیا کم وبیش پچیس ہزار روپے کے صرف سے ایک عالیشان مکان تعمیر کروایا اور عین عالم شباب میں جب مرحوم اللہ کو پیارے ہوئے اور تین بھائی اور دو بہنیں یتیم ہوتے تو حضرت رحمۃ اللہ نے اس طرح ہمارے سروں پر ہاتھ رکھا اور دلوں سے داغ یتیمی مٹایا کہ ۵۔ دسمبر، ۵۷ء کی منحوس دوپہر تک ہمیں کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ ہمارے سروں پر باپ کا سایہ نہیں

ہے۔ بچپن میں تو عام طور پر لوگ حتیٰ کہ بعض باشندگان دیوبند تک مجھے حضرت ہی کا فرزند سمجھتے رہے اور بہت سے ناواقف حضرات آج تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے تھے۔

لڑکپن میں چھوٹی سی سائیکل آئی تھی تو اس میں مجھے اور صاحبزادہ عم گرامی اسعد کو برابر کا شریک بنایا تھا۔ سواری کی تربیت کے لئے گھوڑا منگوایا تھا تو ہم دونوں کی سواری کے لئے ایک ایک دن مقرر فرمایا تھا۔ بڑے ذوق و شوق سے ہم سب کی شادیاں کی تھیں۔ اب صرف ایک بھائی عزیزی سعید الوحیدی سلمہٗ باقی رہ گیا تھا۔ وصال سے ایک روز پہلے والدہ ماجدہ مدظلہا سے فرمایا کہ اگر اس مرتبہ میں زندہ رہا تو رمضان بعد سعید اور ارشد (صاحبزادہ) دونوں کی شادیاں کر دوں گا۔

غرض اس دور نفسی نفسی میں حقیقی پوتوں کے سروں پر اس طرح شفقت کا ہاتھ اور مہر و محبت کی نگاہ رکھنی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اور پھر بھتیجے یا بھتیجے کی اولادوں کے لئے اس طرح اغوش شفقت وا کر دینے کی مثال تو شاید ڈھونڈے سے بھی نہ ملے۔

صاحبزادگان صاحبزادیاں اور ہم سب بہن بھائی عموماً مختلف چیزوں کی فرمائش کرتے تھے جن میں ۹۹ فی صدی حضرت پوری کرتے تھے اور نہایت عمدہ اور کارآمد اشیاء خرید فرماتے تھے۔ صاحبزادیاں عموماً کپڑوں کی فرمائش کرتی تھیں جن کو مہیا کرنے میں بڑے ذوق کا ثبوت دیتے تھے۔ صاحبزادیوں کو نسبتاً زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ان کی فرمائشیں اور ضدیں بااحسن وجوہ پوری فرماتے بچپن میں ہماری فرمائشیں کبھی زیادہ ہو جاتی تھیں تو اکثر فرمایا کہ "تم گدھوں کو فضول خرچی کی عادت ہو گئی ہے۔ ہمارے میاں ہم کو دیوبند صرف ایک روپیہ ماہوار بھیجا کرتے تھے اسی میں کھانے کے علاوہ سارے مصارف پورے کرنے پڑتے تھے۔

گھر کے افراد سے کبھی اپنے کام کے لئے نہ فرماتے تھے۔ بدن دبانے سر پر تیل لگوانے یا گرمیوں میں پنکھا کرنے یا سخت سے سخت گرمیوں میں بجلی کا پنکھا کھولنے کی کبھی فرمائش نہیں کی۔ از خود اگر کوئی ان خدمات کے لئے حاضر ہوتا تھا تو منع فرماتے تھے، مگر اصرار پر اجازت مرحمت فرما دیتے تھے۔ پڑھے لکھے حضرات سے پنکھے کے لئے منع فرماتے ہوئے کہتے کہ "حضور سے کبھی پنکھا کروانا ثابت ہے؟" جب کبھی مجامع اور مجالس میں تشریف آوری پر لوگ تعظیماً کھڑے ہوتے بر ہمی سے بیٹھنے کا حکم فرماتے اور خفا ہوتے اس وقت تک تشریف نہ رکھتے جب تک ایک ایک فرد بیٹھ نہ جاتا۔ کبھی کھڑے ہونے والوں میں علماء و طلباء ہوتے تو حدیث پڑھتے تھے "لا تقوم کما تقوم الاعاجم لکبراھم او کما قال"، کبھی کبھی مجالس میں شگفتگی و مزاح کی گفتگو بھی فرماتے تھے۔ کسی شخص کے یہاں بچی یا بچہ ہوتا تو فرماتے آپ پر مٹھائی واجب ہے۔

مٹھائی کے سلسلہ میں قصبہ ایچولی ضلع میرٹھ کے حاجی بدرالدین سے کافی مزاح فرماتے تھے اور مختلف دلائل سے وجوب فرماتے۔ حاجی صاحب کو حضرت کی زبان سے اصرار سننے کا شوق بھی تھا اور مٹھائی کھلانے کا بھی وہ عذر کرتے رہتے اور عدم وجوب کے دلائل دیتے آخر میں حضرت فرماتے "دیکھئے یہ حضرات پھر زبردستی وصول کریں گے" ادھر مولانا سلطان الحق صاحب ناظم کتب خانہ مولانا محمد عثمان صاحب چیئرمین دیوبند و استاذ دارالعلوم مولوی محمود احمد گل ناظم شعبہ تنظیم دارالعلوم اور دوسرے حضرات اس پر تیار بیٹھے رہتے کہ حضرت ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں۔ ادھر حضرت کی زبان سے مذکورہ جملہ نکلتا ادھر یہ حضرات حاجی بدرالدین سے بزار وقت روپیہ برآمد کر والیتے تھے۔ حضرت حکیم اسحاق صاحب کٹھوری حضرتؒ کے معاصر بھی تھے اور بے تکلف رفیق بھی مرحوم کو حضرت سے عشق کے درجہ میں محبت تھی ہر مرتبہ جب ان سے ملاقات ہوتی تو حضرت مٹھائی کا اصرار فرماتے۔ موصوف انکار فرماتے۔ آخر حضرت خود ان سے چھین لیتے اور جو کچھ جیب میں سے نکلتا کرایہ کی رقم واپس ہو کر سب کی مٹھائی آجاتی تھی۔ واضح رہے کہ مرحوم ہمیشہ اپنی جیب میں اس مد کی رقم لے کر ہی حاضر ہوتے۔

کسی کو گلاب جامن سے چڑ تھی تو اس سے مزاح فرماتے۔ تقاضا کرتے کہ تم خود لے کر آؤ۔ وہ لے آتے اور فرماتے حضرت دل پر پتھر رکھ کر بازار سے لے تو آیا ہوں، مگر اب آگے حکم نہ فرمایا جائے۔ آخر میں حضرت اس نکتہ پر آتے کہ آپ کو کھانی پڑے گی اور وہ ابکائیاں (مصنوعی) لیتے ہوئے کہتے کہ حضرت! اپنے ہاتھ سے نہ کھاؤں گا چاہے جان رہے یا جائے بدقت حضرت خود اپنے ہاتھوں سے ان کو گلاب جامن کھلاتے اس مرحلہ پر آکر ان صاحب کو ساری چڑھ بھول جاتی اور نہایت مسرور ہو کر کئی گلاب جامنیں چٹ کر جاتے!

سوتے وقت ہمیشہ داہنی کروٹ سوتے تھے۔ چت بہت کم لیٹتے تھے اگر کبھی لیٹتے تو ایک پیر دوسرے پیر پر رکھ لیتے تھے۔ خراٹے کی آواز میں نے کبھی نہیں سنی، انگڑائی لیتے بھی کبھی نہیں دیکھا۔ جمائی کو پوری قوت کے ساتھ روک لیتے تھے اور اگر کبھی آ ہی جاتی تو دونوں ہونٹ ملانے کی کوشش کرتے کرتے منہ کھولتے تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہر متعلق و متوسل سے بچوں کی شادی کے سلسلہ میں عجلت کی تاکید فرماتے تھے، لیکن اپنے گھر کے بچوں کے سلسلے میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیدائش کے دن ہی سے دن گننا شروع کر دیتے تھے جونہی کوئی بچہ حد بلوغ کو پہنچا پھر کوئی حجت کام نہ دیتی تھی۔

راقم الحروف اور عم گرامی صاحبزادہ اسعد صاحب کی شادیوں کے لئے نینی جیل سے ۱۹۴۴ء میں جناب قاری اصغر علی صاحب معتمد خاص کو تحریر فرمایا کہ میری رہائی کا ہرگز انتظار نہ کرتے ہوئے ان دونوں کی شادیاں کر دی

جائیں حسن اتفاق اور خوش نصیبی سے میری شادی کے سلسلے میں شاید کوئی عذر پیش آگیا، مگر عمی اسعد کی پہلی شادی مجبوراً تعمیلاً للحکم ان کو اور دادی صاحبہ دام مجدہا کو حضرت کی عدم موجودگی میں کر دینی پڑی جیل سے رہا ہوتے تو علم ہوا کہ میری شادی کے تمام مراحل (خطبہ وغیرہ) جیل ہی سے بذریعہ خط وکتابت میرے بڑے ماموں جناب سید توکل حسین صاحب وکیل ضلع سہارن پور کے یہاں طے کر کے آئے ہیں اور اب صرف نکاح باقی ہے میں نے گھر میں والدہ ماجدہ مدظلہا اور دادی صاحبہ مدظلہا سے عرض کی کہ میں زیرِ تعلیم ہوں اور فی الحال تیار نہیں ہوں تو فرمایا:" اس کو اس معاملہ میں بولنے کی کیسے جرأت ہوئی۔ اگر پھر میں نے سنا تو سر توڑ دوں گا"۔ یہ پیغام سن کر میری ہر جرأت ہمیشہ ہی رخصت ہو جایا کرتی تھی وہی اس مرتبہ بھی ہوا اور بڑے ہی شفقت بھرے جذبات سے سب گھر والوں کو دیو بند سے گھر سے جا کر میری شادی فرمائی۔

اس بات کا تذکرہ غالباً تحصیل حاصل ہے کہ گھر کی شادیوں اور دوسری تقریبات میں کسی حالت میں رسمیات اور فضول خرچی گوارا نہ کرتے تھے، ہر بات پر بات نہ نکلتی ہے ایک واقعہ مشتے نمونہ از خروارے عمتی ریحانہ سلمہا کی شادی کا ہے۔ ابھی تک گھر کے کسی فرد کا ذہن بھی اس جانب نہ گیا تھا کہ اچانک فیصلہ فرمایا اور وقت کا تعین اس طرح کیا کہ اس مرتبہ جب رمضان شریف میں گھر جانا ہوگا تو ریحانہ کی شادی عمل میں آئے گی۔ خیال رہے کہ یہ وہ صاحبزادی ہیں کہ جنہیں پیارے چاند، سورج ریحانہ فرمایا کرتے تھے۔ جیل سے اکثر خطوط صغر سنی کے باوجود انہیں کے نام آتے تھے اور کبھی کبھی مٹھائی بذریعہ پارسل آتی تھی۔ سفرِ حج میں یہ کسی وجہ سے ہمراہ تشریف نہ لے جا سکیں تو اپنے دست مبارک سے طویل، مفصل اور تسلی بخش خطوط ان کے نام ارسال فرمایا کرتے تھے، مگر شادی کا وقت آیا تو صرف اسی قدر تعین کر کے خاموش ہو رہے اور کوئی توجہ زیور، کپڑوں یا جہیز کی ضروری اشیاء کی جانب نہ فرمائی۔ کسی وقت دادی صاحبہ نے فرمایا کہ" بچی رخصت ہوگی۔ کیا آپ کا کوئی تعلق نہیں جو انتظامات کی جانب توجہ نہیں" تو نہایت جوش کے عالم میں فرمایا کہ" مجھے سوائے اپنے اللہ کے اور کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کے بندوں سے صرف اس قدر اور محض اس لئے تعلق ہے کہ قیامت میں مواخذہ سے بچ جاؤں" چنانچہ ٹانڈہ تشریف لے گئے تو ایک روز بعد عصر حاضرین نے بیٹھنے کا ارشاد فرمایا اور بلا کسی اہتمام و انصرام کے خالہ زاد بھائی اور مولانا حمید الدین صاحب مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صاحبزادے مولوی رشید الدین صاحب سے نکاح ہو گیا اور اسی دن رخصتی ہو گئی اس طرح ایک امتی نے اپنی لخت جگر کو ٹھیک آقا کی نورِ نظر کی طرح اپنے غربت کدہ سے رخصت کر دیا۔

بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں سخت اور حکیمانہ انداز تھا ضرورت پیش آتی تھی تو مارتے بھی تھے۔ راقم الحروف اور عم گرامی مولانا اسعد اپنے اپنے بچپن میں اس شرف سے کافی فیض یاب ہوتے ہیں خود تو اسفار کی کثرت اور مشاغل کے ہجوم کی بنا پر اتنی فرصت نہ تھی۔ ہماری تربیت اور نگرانی حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب مدظلہم معتمد خصوصی کے سپرد تھی۔ موصوف ہی ہمارے استاد بھی ہیں حضرت کے اشارے پر ہم کو بلا ضرورت وا ذن گھر سے باہر نکلنے کی اجازت بھی نہ تھی۔ ضروریات کی ہر چیز اور تفریحات کا ہر سامان ہمیں گھر پر مہیا کیا جاتا تھا باہر سے آئے ہوئے مہمانوں، مریدین و معتقدین سے ہمیں گفتگو کرنے اور ملاقات کی اجازت حضرت قاری صاحب مدظلہم نہ دیتے تھے۔ مبادا ان حضرات کی عقیدت و شیفتگی ہمارے لئے عجب، نخوت یا دوسرے ذمائم کا سبب بن جائے۔ ان حالات و قیود ات میں ایک مرتبہ مجھے اور عمی اسعد کو بہت ہی مغتنم فرصت میسر آئی۔ قاری صاحب بیمار ہو کر اپنے وطن سہنسپور ضلع بجنور چلے گئے تھے۔ حضرت کے متعلق یہ علم تھا کہ وہ آج ۱۰ بجے صبح کی ٹرین سے سفر پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہم چند دوسرے احباب کے ساتھ جن میں ہمارے ایک مرحوم دوست اور ساتھی جنہوں نے زمانۂ طالب علمی ہی میں انتقال فرمایا۔ مولوی محمد امین سیتاپوری بھی تھے۔ پک نک کے طرز کی ایک تفریح کے لئے جدھر منہ اٹھا چل نکلے۔ صبح گئے شام کو ۳ بجے واپس ہوتے ۴، ۵ میل کا پیدل سفر کیا تھا تھک کر چور ہو گئے، مگر طبیعت مطمئن تھی کہ اب کھانے اور کھیلنے کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہ تھی، مگر جوں جوں آبادی کے قریب ہوتے گئے۔ یہ طلسم ٹوٹتا گیا جو شخص بھی ملتا حیرت سے ہمیں دیکھتا اور یہ اطلاع دیتا کہ تمام شہر میں حضرت نے تم لوگوں کی تلاش میں آدمی دوڑائے ہیں۔ القصہ ہم پہنچے۔ حضرت باہر مجلس عام میں تشریف فرما تھے۔ اندر تشریف لائے اتفاق سے میں پہلے سامنے پڑا اور مجھ پر چار بنتیں پڑیں اور فرمایا کہ" تو نے یہ سمجھ لیا ہے کہ میں سفر پر رہتا ہوں تو تو آزاد ہو گیا ہے جس دن میں قبر میں چلا جاؤں اس دن سمجھنا تو آزاد ہو گیا ہے اس سے پہلے میں تجھ کو زندہ درگور کر دونگا یہی حال عمی اسعد کا بھی ہوا عموماً ڈانٹتے ہوئے یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے مردک، گدھے دوزخ کا کندہ بنتا ہے کیا اسی لئے پیدا ہوا تھا؟ یہ ڈانٹ اور خفگی صرف گھر کے بچوں تک محدود تھی دوسرے افراد کو اوّل تو خفگی سے کچھ کہتے ہی نہ تھے، کسی بڑی سے بڑی بات اور تقصیر پر بھی درگزر کر جایا کرتے تھے۔ اگر شاذ و نادر صراحتاً خلافِ شرع امور پر کچھ کہتے بھی تھے تو تعظیمی الفاظ میں فرماتے تھے" آپ کو ہر وقت میں اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔ شریعت کے احکام اور جناب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اسوۂ کا اتباع کرنا چاہیئے" وغیرہ وغیرہ استاذ قاری اصغر علی صاحب سے میں نے سنا کہ ایک مرتبہ کسی خادم نے شکوہ کیا کہ میں ادنیٰ غلام ہوں اور آپ مجھے آپ اور جناب کہہ کر مخاطب کرتے ہیں تو فرمایا کہ" بھائی میں دنیا میں سب سے حقیر اور چھوٹا ہوں۔ وحید اور اسعد کے سوا کوئی مجھ سے چھوٹا نہیں ہے" (اس وقت والد مرحوم بقید حیات تھے)

اپنے گھر کے سب ہی بچوں سے محبت تھی مگر اس محبت کو ہمیشہ بکمال وقار

مخفی رکھتے تھے۔ عزیزہ عمنی ریحانہ سلمہا سے تعلق خاطر کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے ان سے چھوٹی ایک بچی حسانہ مرحومہ تھی۔ اسے پیار سے "حسانہ بیٹا" فرمایا کرتے تھے وہ تتلائی ہوئی زبان سے کہتی تھی کہ "ابا جی مجھے آن بیٹ کہتے ہیں" تو اس کی زبان میں شریک ہوکر اسے آن بیٹ ہی کہہ کر پکارا کرتے تھے، گیارہ برس کی عمر میں چیچک میں مبتلا ہوکر وفات پاگئی۔ بڑی ہونہار ذہین فہیم اور پیاری بچی تھی۔ مغرب سے کچھ پہلے انتقال ہوا میں نے گھر میں سے آکر انتقال کی اطلاع دی عصر کے بعد کی مجلس عام میں رونق افروز تھے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر خاموش ہو گئے اور مجلس جاری رہی۔ تدفین کے بعد حسب معمول کھانا طلب فرمایا میں نے عرض کی کہ کھانے کا انتظام مولانا سید مبارک علی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم نے کیا ہے فرمایا انہیں کس نے اجازت دی میں نے عرض کیا میں نے "اس پر بہت برہم ہوتے فرمایا کہ چھوٹی سی بچی تھی، سنت کی حکمت یہ ہے کہ موتی کے متعلقین مصروف ہوتے ہیں اس میں کیا مصروفیت تھی۔ جاکر گھر میں جو کچھ دن کا بچا کھچا ہے۔ لے آؤ" چنانچہ وہی سب مہمانوں میں پیش کیا۔ سب سے چھوٹی صاحبزادی رضوانہ اس وقت چار برس کی تھی ہے۔ ماشاء اللہ بڑی بھولی بھالی اور سیدھی نیک ہے اسے پیار سے "قطعو" کہا کرتے تھے۔ عمنی ریحانہ کا بچہ دو برس کا ہے۔ وہ بیمار ہوا تو بہت تشویش لاحق ہوئی اور بڑے ہی فکر سے اس کے علاج کی طرف توجہ فرمائی۔ اس کی زندگی سے مایوسی ہو گئی تھی۔ سہارن پور کے ڈاکٹر محمد نعیم کے علاج کے ذریعہ حق تعالیٰ نے اسے حیات نو بخشی تو ڈاکٹر صاحب موصوف کے بہت مشکور ہوتے اور ایک معقول رقم پیش کی اسے گھر کے لوگ پیار سے بادشاہ کہتے تھے۔ چنانچہ حضرت بھی اسے بادشاہ ہی فرمایا کرتے تھے۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے نور دیدہ و دل عمی میاں اسجد سلمہٗ صورت و اعضا میں حضرتؒ سے بہت مشابہ ہیں۔ چال ڈھال بھی بالکل وہی ہے۔ ماشاء اللہ سردی گرمی بارش، پانی سے بے پرواہو کر ہر وقت کھیلتے رہتے ہیں۔ ڈیڑھ برس کی عمر ہے ان کی بے نیازانہ ادائیں وآثار و علامات دیکھ کر ان کو مستانہ شاہ کا لقب ملا تھا۔ منجھلے صاحبزادے میاں ارشد سلمہٗ سے بھی بیحد تعلق خاطر تھا ان کی ہر ضد پوری کرتے تھے۔ موقع بہ موقع ان کے لئے دعائیہ کلمات ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ حضرت دادی صاحبہ مدظلہا کبھی ان پر سختی فرماتی تھیں تو بہت تکلیف کے ساتھ ان کو منع فرمایا کرتے تھے، انہوں نے گذشتہ سال پہلی مرتبہ بانسکنڈی (آسام) میں محراب سنائی تو بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا اور ۵۰ روپے انعام دیا۔ میرے سب سے چھوٹے بھائی سعید الوحیدی سلمہٗ پر بیحد شفقت تھی۔ ایک دن میں نے کسی بات پر اسے مار دیا۔ علم ہوا، تو فرمایا تیری ہمت کیسے ہوئی کہ تو نے اس پر ہاتھ اٹھایا، تو نہیں شرارت کرتا تھا کیا ہم اسی طرح ہر وقت تجھے مارا کرتے تھے۔ اگر اس کی شرارتیں برداشت کرنی ہوں تو کر ورنہ گھر سے نکل جاؤ۔"

اس کے پیر پیدائشی ٹیڑھے تھے گھر والوں کی حفاظت کے باوجود ہزاروں خرچ کر کے بمبئی میں اس کا اپریشن کرایا، وصال سے ایک دن پہلے والدہ ماجدہ مدظلہا کی شکایت پر فرمایا کہ "یہ سب سے اچھا بیٹا ہے۔ انشاء اللہ سب کو شریعت پر چلائے گا"۔

اپنے پوتے عمی اسعد کے صاحبزادے نور چشم امجد سلمہٗ سے بھی غایت تعلق کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ مدینہ تشریف لے گئے تو ان کے لئے اچھا اچھا سامان خرید کر دیتے تھے اس کو گود میں بٹھاتے تھے اور خوب باتیں کرتے تھے۔ وہ مدینہ ہی میں پیدا ہوا اور اب تک ہندوستان نہیں آیا ہے اس لئے ہمیشہ اس کو بلانے کی فکر کرتے رہے مگر مقدر میں نہ تھا کہ وہ حیات میں آسکے۔

غلام زادہ عبدالوحیدی سلمہ بعمر چار سال سے بہت خوش ہوکر باتیں کرتے وہ ہمیشہ پیسہ اور چیزیں طلب کرتا اور خوش ہوکر اسے دیتے اور لوگوں سے خوش ہو ہوکر اس کی باتوں کا تذکرہ کرتے الحمد للہ علیٰ حسانہ کہ وصال سے تین ماہ پیشتر اسے چمکار کر سمجھا کر اور ڈانٹ کر خود بسم اللہ کرائی۔

اگر گھر کے بچے، خواتین یا متعلقین کوئی سوال کرتے تو بہت سمجھا کر اس کا جواب مرحمت فرماتے، گھر والوں کا دستور تھا کہ مسائل و معاملات کی تحقیق حضرت سے کرتے رہتے تھے، ان سب کا تذکرہ بڑی طوالت چاہتا ہے۔ مگر وہ سوالات اور ان کے جوابات کا تذکرہ کرنا افادہ عوام اور تاریخ سے تعلق رکھتا ہے اس لئے پیش کرتا ہوں۔

مہمان خانہ میں کچھ لوگ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ان کی مجددیت پر بحث کر رہے تھے۔ کچھ رائیں مخالف تھیں کچھ موافق کسی نے مخالفت میں دلائل دیتے ہوئے کوئی سخت بات کہی مجلس میں ایک سامع کی حیثیت سے راقم بھی شریک تھا اور بحمد اللہ مخالفت میں سخت بات سن کر مجھے تکلیف گزری اسی دن بارہ بجے رات کو حضرت جب درس بخاری شریف سے فارغ ہو کر تشریف لائے اور گھر میں تشریف لے گئے تو میں نے پوری گفتگو نقل کر کے سوال کیا کہ حضرت حکیم الامت میں شان مجددیت تھی؟ نہایت وقار اور سنجیدگی سے فرمایا کہ "بے شک وہ مجدد تھے انہوں نے ایسے وقت میں دین کی خدمت کی جب دین کو بہت احتیاج تھی" یہ الفاظ مجھے اس طرح یاد ہیں گویا اسی وقت میں نے سنے ہیں"۔ نوابزادہ لیاقت علی خان مرحوم شہید ہوئے تو بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہوا کہ "من یقتل فی سبیل اللہ" میں ان کا شمار نہیں ہے۔ اس لئے ان کی شہادت ثابت نہیں ہے۔ راقم الحروف نے ظہر کے بعد کی مجلس میں جب معترضین بھی تشریف فرما تھے بآواز بلند تفصیل کے ساتھ استفسار کیا۔ حضرت نے فرمایا: کون جاہل اس میں شک کرتا ہے۔ بیشک وہ شہید ہوئے۔

بات بڑھتی ہی جاتی ہے۔ زندگی کے تیس برس اسی آستانہ پر حضرت شیخ الاسلام مدنی کی معیت میں نہیں، بلکہ اپنے دادا میاں کے قدموں میں گزرے ہیں جس میں

سے پچیس برس تو یقیناً شعور کے مٹنے ایک ایک منٹ اور ایک ایک دن آج نظروں کے سامنے ہے اکثر سفر میں اور حضر میں تو ہمیشہ ہی اندر باہر خلوت وجلوت اور ہر لمحہ دماغ و دل میں بسا ہوا ہے ارحم الراحمین کے دربار میں سسکتے بھی دیکھا ظالموں کے سامنے غضب ناک بھی دیکھا۔ سجدوں میں گڑگڑاتے بھی دیکھا۔ باطل کے آگے شعلہ بار بھی دیکھا۔ مدرسوں خانقاہوں اور اپنوں میں متواضع اور منکسر بھی دیکھا۔ غیروں میں گردن فراز بھی دیکھا کیا کیا لکھوں کہاں تک بیان کروں یہ اخبار ہے اس میں اتنا بھی زیادہ ہے۔ آئندہ اگر موافق حالات نے موقعہ اور منقلب زمانہ نے فرصت اور موفق حقیقی خدا نے توفیق بخشی تو پچیس تیس برس کی آنکھوں ہی دیکھی، بلکہ بیاسی برس کی کانوں سنی بھی لکھوں گا اور خوب خوب حسرتیں نکالوں گا۔

آہ کس زبان سے اس بات کا اقرار کروں اور کیسے نوک قلم سے یہ تسلیم کروں کہ حضرت قدس اللہ سرہ العزیز ہمارے درمیان سے تشریف لے جاچکے ہیں حضرت قدس اللہ سرہٗ برابر اسفار میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور مہینے ڈیڑھ مہینے کیلئے تشریف لیجایا کرتے تھے ساری چیزیں اسیطرح رکھی رہتی تھیں جیسے کہ تشریف فرما ہونیکی صورت میں ہوتی تھیں باہر تشریف لے جانا اور تشریف لے آنا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مگر آہ یہ سوچ کر کہ اس مرتبہ کا سفر آخری سفر ہے اور اب رہتی دنیا تک اس سفر سے واپسی نہ ہوگی۔ دل پر کیا گزر رہی ہے اور یہ ساری کی ساری چیزیں اسی طرح ہجر اور فراق کے عالم میں اپنی اپنی مدتیں گزار دیں گی۔ پھر بھی وصال سے محرومی رہے گی۔ آہ عجیب عالم ہے۔ باہر جاؤ اور مہمان خانہ کی طرف رُخ کرو، تو وہاں کی ایک ایک روشنی پکار کر کہہ رہی ہے کہ اے ظالم سنگدل انسانوں تم نے کہاں اس گنج گراں مایہ کو اپنے ہاتھوں سے چھپایا۔ وہ چمڑے کا تکیہ جس پر مہمان خانہ کے اندر ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوتے تھے۔ اب تک اپنی اس جگہ پر پڑا ہوا اس بات کا منتظر ہے کہ کب تشریف لائیں اور میں اپنی خدمات پیش کروں۔ اس بیوقوف کو کون سمجھائے کہ اب تو اگر قیامت تک بھی اسی طرح پڑا رہے تو پھر واپسی نہیں ہوگی۔ مسجد میں پہنچئے تو پہلے صف کی وہ جگہ کہ جہاں حضرت قدس اللہ سرہٗ العزیز پڑھا کرتے تھے۔ جماعت کے شروع ہونے کے آخر وقت تک انتظار کرتی رہتی ہے۔ بالآخر تکبیر اس کے انتظار میں حائل ہوجاتی ہے۔ مسجد کے نمازی اور مل کر ساتھ دعائیں مانگنے والے تشریف آوری کے زریں لمحات کے تصور کے ساتھ آخر وقت تک بیٹھے رہتے ہیں۔ نسیم صبا کا ہر آنے والا جھونکا اور کسی بھی چیز کی کھڑکھڑاہٹ ان کے چونکا دینے کے لئے کافی ہوتی ہے مگر تابہ کے آخر مسجد کے اندر لٹکے ہوئے گھنٹے کی سوئی اپنی متعینہ گردش پر پہنچ کر انتظار کے اختتام کا اعلان کرتی ہے۔ نماز کے بعد مسجد سے نکل کر مہمان خانے میں پہنچے تو یہاں اس سے بھی حسرت ناک منظر ہوتا ہے۔ اندر جایئے تو چاروں طرف الماریوں میں رکھی ہوئی کتابیں حسرت سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہیں۔ جہاں کوئی پہنچا فوراً ان کی نظریں اٹھ جاتی ہیں۔ پھر مایوسی کے عالم میں ایک دوسرے سے کہتی ہیں کہ کہاں گیا ہمارا رفیق کیا اب ہمارا قدر دان نہ آئے گا۔ عبا اور شیروانی وغیرہ اب تک اسی طرح کھونٹی پر ٹنگی ہوئی انتظار کر رہی ہیں۔ لکڑی اپنی مخصوص جگہ رکھی ہوئی ہے ہر آنے والے سے یہ کہہ رہی ہے کہ بھائی مجھ سے تو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت سہارا لیا کرتے تھے۔ آخر اب کیا ہوا کیوں مجھے چھوڑ دیا۔ وہ مخصوص جگہ جہاں کہ فجر کی نماز کے بعد اور پہلے بیٹھ کر اپنے مالک حقیقی سے باتیں ہوا کرتی تھیں۔ وہ کہتی ہے کہ پہلے میں یہ سمجھا کرتی تھی کہ مجھ سے بڑھ کر خوش نصیب کوئی نہیں کیونکہ مجھ پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ایک برگزیدہ بندہ بیٹھا تھا جس کے انوار و برکات سے میں بھی مستفیض ہوتی رہتی تھی، مگر اب معلوم ہوا کہ مجھ سے زیادہ خوش نصیب وہ جگہ ہے جس نے اس مجسمہ انوار و برکات کو اپنی گود میں لے لیا اور اب قیامت تک وہ اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتی رہے گی۔ آہ وہ جوتا عجیب انداز میں کہہ رہا ہے کہ اے لوگو!

کہاں تو تم جھپٹتے تھے اور آپس میں اس بات پر لڑتے تھے کہ مجھ کو کون اٹھائے گا۔ کوئی کہتا تھا کہ اب کے میں اٹھاؤں گا کوئی کہتا تھا کہ نہیں میں۔ مگر اب تم دیکھتے بھی نہیں میں کس حال میں ہوں۔ وہ بستر جو ایک سفر سے واپس آنے کے بعد ہمیشہ دوسرے سفر کے لئے مستعد رہتا تھا آج بھی اسی طرح مستعد ہے، مگر اس کو بھی اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع کرنی پڑے گی۔ شیروانی کی جیبی گھڑی بھی انتظار کرتے کرتے تھک کر رک گئی ہے۔

عصر کے بعد کی مجلس بھی دیدہ و دل فرش راہ کئے ناقابل بیان ہیئت میں بیٹھی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ مغرب سے مالک الملک کے جاہ و جلال کی صدائیں گونج اٹھتی ہیں۔ وہ چڑیاں انتہائی اضمحلال اور پریشانی کے ساتھ اپنے محسن اور مشفق اعظم کا انتظار کر رہی ہیں جو ہر روز صبح و شام ان کی خبرگیری کیا کرتے تھے۔ سفر سے واپسی ہوتی جو کچھ پھل وغیرہ کنڈی میں ہوتا اس کو خود نکال کر اپنے دست مبارک سے کھڑے ہو کر اس وقت تک کھلاتے رہتے جب تک کہ ان کا پیٹ نہ بھر جاتا۔ اگر لمبے سفر میں تشریف لے جاتے تو جو خطوط اپنی بڑی صاحبزادی کے پاس بھیجتے۔ اس میں صراحتاً تاکید فرماتے کہ دیکھو پرندوں کا خیال رکھنا۔ ایک مرتبہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ پار سال جب کہ رمضان شریف میں بانسکنڈی آسام میں قیام تھا۔ وہاں سے ایک خط تحریر فرمایا اس میں لکھا کہ معلوم ہوتا ہے تم لوگ کوئل کی صحیح طور پر خبرگیری نہیں کرتیں۔ کیونکہ اس نے ہم سے خواب میں شکایت کی ہے اس کا پنجرہ بدل دو مجھے یاد پڑتا ہے کہ پار سل کا آیا ہوا ایک نیا پنجرا امچان پر رکھا ہوا ہے۔ حکم کی تعمیل کے بعد یہاں سے جواب روانہ کیا گیا تو جواب تحریر فرمایا کہ کوئل کے پنجرے کو بدلنے اور تمہاری توجہ کی خبر سے خوشی ہوئی مگر تم کہتی ہو کہ کوئل تو چغل خور ہے وہ بے چاری بے زبان کیا کرے تم سب تو اس کے کھانے پینے کا خیال نہ رکھو، وہ ہم سے خواب میں بھی شکایت نہ کرے۔ اللہ اللہ یہ ہے انسانی عظمت اور شرافت کا شاہکار انسان تو انسان جانور کا بھی اس درجہ خیال"۔

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح جانشینی اور نائب رسول ہونے کا مرتبہ اب ایسی صورت میں کون ان پرندوں کو اندوہناک خبر سنائے۔

دار الحدیث کے ایک ایک گوشہ سے حسرت و یاس ٹپک رہی ہے اس کے در و دیوار جو ۳۲ برس تک مسلسل شیخ حرم کی دریائے علم و معرفت کی روانی دیکھ چکے ہیں اس کے انوار و برکات کا بھی نظارہ کر چکے ہیں۔ اس کی عظمت اور شرافت کا بھی منظر دیکھ چکے ہیں اس کی پند و نصائح بھی سن چکے ہیں اس کی بلندی اخلاق و عفو کی شہادت بھی دے سکتے ہیں وہ کیسے اس کو اتنی جلد بھلا سکتے ہیں۔ ہاں ہم بھول سکتے ہیں۔ مگر دار العلوم اور بالخصوص دار الحدیث اس کی ایک ایک اینٹ کبھی نہیں بھول سکتی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اس کے علم اور فضل پر ناز کرتی رہے گی۔ دار العلوم اس وقت محو حیرت بنا کھڑا ہے۔

یہ تمام چیزیں عجیب کیفیت پیدا کر دیتی ہیں

جانے لگتا ہے، مگر یہ خیال کر کے کہ دنیا کی کوئی جاندار شے اس سے بچنے والی نہیں تو کافی تسکین ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ باری سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "کل شئ ھالک الا وجھہ" اور "کل نفس ذائقۃ الموت" اور "لکل امۃ اجل اذا جاء اجلھم فلا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون"۔

اور دوسری سب سے بڑی تسکین دینے والی چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مبارکہ ہے اور بہر حال اب ہمارے لئے سوائے صبر کے چارہ ہی اور کیا ہے۔ صبر کریں گے تو انشاء اللہ اجر ہی ملے گا اور حضرت قدس اللہ سرہ کی تاکید بھی یہی تھی اب تک تو ہم حضرت قدس اللہ سرہٗ کے واسطے صحت و عافیت اور درازی عمر کی دعائیں کرتے تھے۔ لیکن آہ اب ہم ان کی ترقی درجات اور اعلیٰ علیین میں جگہ دیئے جانے کی دعا کرتے ہیں۔

"ان اللہ یفعل مایشاء و یفعل ما یرید"۔

اے اللہ ہم تمام متعلقین و منتسبین معتقدین حضرت قدس اللہ سرہٗ کو ان کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اور قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت والا قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ساتھ نصیب ہو۔ (آمین)

قطعات تاریخ

(از جناب مولانا ادریس صاحب نسیم صدیقی تاریخ گو)

تھے یہ شیخ الہند محمود الحسن کے جانشیں
ان سے ملنے کے لئے جب دارِ فانی سے چلے
دی ندا رضوان نے مجھ کو اے نسیم دہلوی
لکھ کہ۔ اُف یہ خلد میں جا شیخ سے اپنے ملے
۱۹۵۷ء

دیگر

عالم و عارف و سالک و راہبر
موت ہے جن کی اُف ایک عالم کی موت
قلب نے دی ندا خستہ جاں اے نسیم
داخل خلد حق، کر رقم سال فوت
۱۳۷۷ھ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا حاجی شاہ سید حبیب اللہ صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ خلیفہ مجاز حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی قدس اللہ سرہٗ کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حاجی سید صدیق احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ خلیفہ مجاز حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

۲۔ ان سے چھوٹے حضرت مولانا شاہ حاجی سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے، مگر حضرت گنگوہیؒ رحمۃ اللہ کے وصال کے بعد انہیں بیعت کی اجازت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ دیوبندی نے عطا فرمائی۔ آپ نے مدینہ منورہ میں مدرسہ علوم شرعیہ قائم فرمایا جو آج تک نہایت ترقی کے ساتھ جاری ہے۔

۳۔ ان سے چھوٹے حضرت قطب الاقطاب قدوۃ العارفین سراج العارفین سراج السالکین راس المحدثین شیخ الاسلام مولانا الحاج الحافظ شاہ سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ العزیز، خلیفۂ مجاز حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وخلیفۂ مجاز حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی وخلیفۂ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز تھے۔

۴۔ ان سے چھوٹے حضرت مولانا الحاج سید محمود احمد صاحب سابق قاضی القضاۃ حکومت سعودی عرب وموجودہ سرپرست مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ دامت برکاتہم ہیں۔

۵۔ سب سے چھوٹے حضرت مولانا سید جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

۶۔ ان پانچ بھائیوں میں صرف ایک بہن ریاض فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا تھیں۔

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب قدس سرہٗ کی پہلی شادی جناب سید عابد حسین صاحب ساکن شہزاد پور قصبہ اکبر پور۔ ضلع فیض آباد کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ جن سے صرف ایک صاحبزادے مولانا سید وحید احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اسیر مالٹا تھے۔ ان اہلیہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی مولانا عبد الحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن سے ہوئی، مگر ان اہلیہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، ان اہلیہ کی موجودگی ہی میں حضرت مولانا صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا۔ مولانا سید وحید احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی نشوونما مدینہ طیبہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی ہوئی۔ مالٹا میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ صغر سنی میں اسیر رہے۔ تعلیم وتربیت بھی ان ہی دونوں بزرگوں کی زیر نگرانی دار العلوم دیوبند میں ہوئی۔ دار العلوم دیوبند میں معین مدرس بھی رہے اور آخر میں مدرسہ عزیزیہ بہار شریف ضلع پٹنہ میں استاد ادب مقرر ہوگئے۔ ۴۵ سال کی عمر میں بمقام ٹانڈہ ضلع فیض آباد وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ موصوف عربی، فارسی انگریزی، فرانسیسی، ترکی، ہندی، بنگلہ، پشتو اور بعض دوسری زبانوں کے ماہر تھے۔ مولانا سید وحید احمد صاحب کی شادی حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ماموں زاد بہن کی لڑکی سے ہوئی تھی، انتقال کے وقت آپ نے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں سب سے بڑے صاحبزادے عزیزم حافظ سید فرید الوحیدی سلمہٗ ہیں جو دار العلوم دیوبند میں مبلغ اور ناظم شعبہ امور خارجہ ہیں موصوف نے عربی اور دینیات کی تکمیل دار العلوم دیوبند سے کی ہے اور انگریزی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی اے

کے پہلے سال کا امتحان پاس کرلیا اور دوسرے سال کی تیاری کر رہے ہیں نہایت اچھے مقرر اور انشا پرداز ہیں۔ آپ کی متعدد کتب بھی شائع ہو کر مقبول عوام و خواص ہو چکی ہیں۔ ان سے چھوٹے عزیزم حاجی حافظ سید رشید الوحیدی سلمہٗ دارالعلوم کے آخری درجوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ نہایت نیک صالح اور اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔ بہت اچھے شاعر اور انشا پرداز ہیں۔ پاکستان و ہندوستان کے اکثر رسائل و اخبارات میں ان کی نظمیں اور مضامین شائع ہوتے ہیں۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے عزیزی سید سعید الوحیدی سلمہٗ دارالعلوم کے درجۂ وسطیٰ میں پڑھ رہے ہیں۔ ذہین طباع اور ذہین ہیں۔ بڑی صاحبزادی عزیزہ صفیہ سلمہا کی شادی اعزہ ہی میں جناب مولوی رضا حسین صاحب ساکن قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد کے صاحبزادے جناب ضیاء الحسن صاحب فاروقی ایم اے (علیگ) سے ہوئی ہے۔ موصوف اس وقت جامعہ ملیہ اسلامیہ کالج میں سیاسیات کے لیکچرار ہیں اور آج کل راک فیلر فاؤنڈیشن کی جانب سے وظیفہ یاب ہو کر میکگل یونیورسٹی مانٹریل (کناڈا) میں اسلامیات پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ ان سے چھوٹی صاحبزادی عزیزہ رضیہ سلمہا کی شادی عنایت اللہ صاحب منتظر اعظمی سے ہوئی ہے۔ جنہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم اے کے پہلے سال کا امتحان پاس کرلیا ہے اور دوسرے سال کے امتحان کی تیاری میں مشغول ہیں یہ بھی اعزہ ہی میں سے ہیں اور ہونہار محنتی، اچھے شاعر اور انشا پرداز ہیں۔ موصوف بھی آج کل جامعہ ملیہ میں استاد ہیں۔

عزیزی سید فرید الوحیدی کی شادی راقم الحروف کے برادر بزرگ سید توکل حسین صاحب بی اے۔ ایل ایل بی (علیگ) وکیل کادی پور ضلع سلطان پور کی صاحبزادی عائشہ سلمہا سے ہوئی ہے۔ عزیز مذکور کے ایک لڑکا نورچشم حمید الوحیدی سلمہٗ عمر چار سال اور ایک لڑکی نورچشمی جویریہ سلمہا بعمر ایک سال ہے عزیزی رشید الوحیدی سلمہٗ کی شادی راقم الحروف کے چھوٹے بھائی سید مشتاق احمد سلمہٗ کی صاحبزادی بشریٰ سلمہا سے ہوئی ہے عزیزم سعید الوحیدی ابھی غیر شادی شدہ ہیں۔

مولانا سید احمد صاحبؒ کی پہلی شادی ان کی ماموں زاد بہن سے ہوئی تھی مگر ان اہلیہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی مولانا صدیق احمد صاحبؒ کی بیوہ سے ہوئی۔ جو مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن تھی۔ اس شادی کے بعد خاندان کے افراد پر مدینہ منورہ میں بہت زیادہ مصیبتیں آئیں۔ تقریباً سات افراد خاندان انہیں مصائب کا شکار ہو کر انتقال فرما گئے (ظاہر ہے یہ خاندان ہندوستان سے منتقل ہوا تھا۔ یہ جنگ کا زمانہ تھا۔ برطانیہ ترکوں سے برسرپیکار تھا۔ غالباً اس بنا پر کہ یہ حضرات برطانیہ کی رعایا رہ چکے تھے، مولانا سید شاہ حبیب اللہ صاحبؒ اور ان کے دو صاحبزادے مولانا سید احمد صاحبؒ اور مولانا محمود احمد صاحب مدظلہ گرفتار کر کے ایڈریانوپل روانہ کر دیے گئے تھے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مالٹا میں نظر بند تھے۔ ان پریشان کن حالات میں مولانا سید احمد صاحبؒ کی دوسری اہلیہ مولانا سید محمود احمد صاحب کی موجودہ اہلیہ اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی صاحبزادی یہ تینوں عورتیں مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ کے ساتھ ترکی جانے کے لیے روانہ ہوئیں۔

اثنائے سفر میں مولانا سید احمد صاحبؒ کی دوسری اہلیہ یعنی مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ کی بہن کا ریل گاڑی ہی میں انتقال ہو گیا۔ مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ شام میں کسی ضرورت سے ٹھہر گئے تو بقیہ دو عورتوں کا تنہا قافلہ بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کر کے ایڈریانوپل پہنچا۔ ایڈریانوپل میں مولانا سید حبیب اللہ صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد جب واپسی کی اجازت ہو گئی تو مولانا سید احمد صاحبؒ، مولانا محمود احمد صاحب مدظلہٗ اور ان کی اہلیہ اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی مدینہ منورہ واپس لوٹیں تو شام میں حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا اور شام ہی میں حضرت مولانا سید احمد صاحبؒ کی تیسری شادی ہوئی۔ یہ اہلیہ اب تک حیات ہیں اور مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔ ان سے مولانا سید احمد صاحبؒ کے ایک صاحبزادی عائشہ مرحومہ ہوئیں جن کی شادی صاحبزادہ مولانا اسعد سلمہٗ ابن حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تھی۔ ان سے ایک صاحبزادہ نورچشم امجد سلمہٗ ہے جس کی عمر اس وقت سات سال ہے۔ یہ صاحبزادہ مدرسہ علوم شرعیہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے اور اپنی نانی کی زیر پرورش ہے۔ جس وقت عائشہ مرحومہ کا انتقال ہوا اس بچے کی عمر صرف دس ماہ تھی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی شادی موضع قتال ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی تھی جن سے دو لڑکیاں ہوئیں، جن میں سے ایک کا انتقال شام میں ہوا (جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں) اور دوسری کا انتقال صغر سنی میں ہو گیا۔ ان اہلیہ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری شادی قصبہ بچھراؤں ضلع مراد آباد میں قاری حکیم غلام احمد صاحب کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی۔ جن سے دو صاحبزادے، اخلاق احمد و اشفاق احمد ہوئے۔ صاحبزادہ اخلاق احمد کا انتقال بعمر ۸ سال اور اشفاق احمد کا بعمر ڈیڑھ سال مدینہ منورہ ہی میں ہو گیا۔ ان بچوں کی ماں کا انتقال بھی مدینہ منورہ ہی میں ہوا۔ ان تینوں افراد کا انتقال بھی اس زمانہ میں ہوا، جب کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحبؒ مالٹا میں اسیر تھے۔ ان اہلیہ کے انتقال کے بعد حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری شادی دوسری اہلیہ کی چھوٹی بہن سے ہوئی۔ جن سے دو بچے ہوئے۔ ایک صاحبزادہ عزیزم مولانا اسعد سلمہٗ اور دوسری صاحبزادی ماجدہ خاتون مرحومہ، ماجدہ خاتون کا انتقال بزمانۂ صغر سنی سلہٹ میں ہو گیا۔ اسعد سلمہٗ کی پہلی شادی کا ذکر اوپر آچکا

ہے۔ دوسری شادی مولانا حمید الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ کی صاحبزادی بریرہ خاتون سے ہوئی۔

صاحبزادہ اسعد سلمہٗ کی والدہ ۱۳۵۵ھ میں انتقال فرما گئیں۔ ان کی قبر دیوبند ہی میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پائیں ہے۔ پھر حضرت شیخ الاسلام کی چوتھی شادی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چچا زاد بھائی سید بشیر الدین صاحب مرحوم کی منجھلی لڑکی سے ہوئی جن سے دو صاحبزادے عزیزم ارشد سلمہٗ اور عزیزم اسجد سلمہٗ اور پانچ صاحبزادیاں عزیزہ ریحانہ سلمہا عزیزہ حسانہ مرحومہ، عزیزہ عمرانہ سلمہا، عزیزہ صفوانہ سلمہا اور عزیزہ فرحانہ سلمہا ہوئیں حسانہ مرحومہ کا انتقال بعمر ۸ سال ہوگیا۔ اس طرح حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے کل تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں بحمد اللہ بقید حیات ہیں۔ زادھم اللہ مجداً و سعادۃً فی الدارین وطال بقاءھم۔

صاحبزادہ عزیزم اسعد سلمہٗ نے دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور آج کل دار العلوم ہی میں مدرس ہیں۔ موصوف بہت اچھے مقرر نیک صالح ہیں۔ مہمان نوازی، تواضع و انکسار اور اخلاق و ایثار میں اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح جانشین ہیں۔ موصوف اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں اور اشغال باطنی میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی پوری جدوجہد کی۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مجاز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رح نے اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر خلفاء نے صاحبزادہ اسعد سلمہٗ کو بیعت کرنے کی اجازت دی۔

صاحبزادی عزیزہ ریحانہ سلمہا کی شادی عزیزم رشید الدین سلمہٗ ابن مولانا حمید الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادے احمد سلمہٗ ہیں۔

صاحبزادے عزیزم ارشد سلمہٗ بعمر ۱۶ سال دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ موصوف نے ۸ سال کی عمر میں حفظ قرآن پاک جناب مولانا قاری اصغر علی صاحب مدرس دار العلوم دیوبند و مجاز حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے ختم کیا۔ نہایت سعید و ہونہار ہیں۔ خوش قسمتی سے گذشتہ سال آسام میں ایک تراویح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں سنا چکے ہیں۔ ذکر قلبی اور وظائف سے ابھی سے لگاؤ ہے۔

تین صاحبزادیاں عزیزہ عمرانہ و عزیزہ صفوانہ و عزیزہ فرحانہ سلمہن اور ایک صاحبزادے عزیزم اسجد سلمہٗ ابھی صغیر سن ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی جناب حاجی سید محمود احمد صاحب اس وقت مدینہ منورہ میں صدر مجلس اوقاف اور بہت با اثر ذی ثروت شخصیت ہیں۔

اس سے قبل گورنر مدینہ کی کیبنٹ کے ممبر اور مختلف سرکاری کمیٹیوں کے ممبر اور رجسٹرار دفاضی القضاۃ رہ چکے ہیں، مگر اب خرابیٔ صحت اور دیگر مشاغل کی بناء پر تمام سرکاری کاموں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ان کے ایک صاحبزادے عزیزم سید حبیب صاحب اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ تینوں صاحبزادیاں ابھی غیر شادی شدہ ہیں۔ صاحبزادہ سید حبیب کی شادی ہو چکی ہے جن سے تین صاحبزادے نور چشم احمد۔ محمود عرفان سلمہم اور دو صاحبزادیاں مریم و فائزہ سلمہا ہیں۔ ایک تیسری بچی بھی ابھی حال ہی میں ہوئی ہے۔ مگر اس کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔ صاحبزادہ سید حبیب نہایت دانش مند، جفاکش اور قابل ہیں۔ موصوف عربی کے علاوہ ترکی اور اردو زبان بھی بہت اچھی طرح بولتے اور سمجھتے ہیں۔ حکومت سعودی عرب میں کافی اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ گورنر مدینہ کی کیبنٹ کے نیز دیگر سرکاری کمیٹیوں کے ممبر ہیں۔ بعض اوقات گورنر مدینہ کی عدم موجودگی میں گورنری کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے بھائی مولانا سید جمیل احمد صاحب تھے۔ جنہوں نے صرف پچیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ عمر کی اس قلیل مدت میں مرحوم نے ترکی عربیہ کالج میں تعلیم پائی اور آخری امتحان میں سب سے اول آئے۔ حکومت ترکی نے مخصوص وظیفہ بھی دیا۔ مگر عمر نے وفا نہ کی۔

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے (جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے) صرف ایک بہن ریاض فاطمہ مرحومہ تھیں۔ ان کی شادی راقم الحروف کے حقیقی ماموں جناب سید فاروق احمد صاحب ساکن بستور ضلع فیض آباد سے ہوئی تھی۔ جن سے دو لڑکیاں ہوئیں، مگر حاجی سید فاروق احمد صاحب کو مدینہ منورہ میں اپنے وطن کی یاد نے ستایا اور وہ اپنے بیوی بچوں کو مدینہ منورہ ہی میں چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے آئے۔ ان کے آنے کے بعد ان کی اہلیہ اور بچیوں کا انتقال ہوگیا۔

یہ حضرت شیخ الاسلام کے اخلاف اور صلبی اقارب کا تذکرہ تھا۔ اسلاف اور سلسلہ نسب کے متعلق مولانا عزیز احمد صاحب کا مکتوب ملاحظہ فرمائیے۔ جو بطور تکملہ پیش کیا جا رہا ہے۔

محترم و مکرم زید عنایتکم۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شجرۂ نسب کے بارے میں آنجناب نے تذکرہ فرمایا تھا۔ میں نے آکر اسعد میاں سے عرض کیا تو اسعد میاں نے نقش حیات کا وہ نقشہ دکھایا جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہتا تھا اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ص ۸ پر خاندانی شجرۂ طریقت کے اختتام پر جو عبارت تھی اس پر ایک کاغذ چپکا کر ایک عبارت تحریر فرمائی ہے جس سے شجرۂ

نسب پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ وہ عبارت بعینہٖ نقل کر کے خدمت میں روانہ کر رہا ہوں نئی دنیا نے جو شجرہ شائع کیا ہے اس شجرۂ نسب کے ساتھ خاندانی شجرۂ طریقت کو مخلوط کر دیا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر یہ۔ وہ عبارت حسب ذیل ہے۔

• یہ شجرہ شاہ نور الحق صاحب تک شجرۂ طریقت بھی ہے اور نسب نامہ بھی، مگر ان کے بعد کا نسب نامہ شجرۂ طریقت سے جدا ہوتا ہے۔ نسب نامہ اور دیگر احوال کی تفصیل حضرت شاہ ولایت احمد صاحب مرحوم لاہرپوری کی مساعی جمیلہ سے حسب ذیل حاصل ہوئی ہے جن کے ہم نہایت شکر گزار ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء

عہد سلطان مبارک شاہ جون پوری (یہ دوسرا بادشاہ جون پور کا تھا) ۸۰۲ھ لغایتہ ۸۰۴ھ اس کے مختصر عہد میں اکثر سادات مستقر خلافت جون پور میں تشریف لا کر بحصول علوفہ و جاگیر علیٰ قدر مراتب بادشاہ مرحوم سے مواضعات مفصلۂ ذیل میں مسکن گزیں ہوئے۔

مورثان سادات ٹانڈہ ضلع فیض آباد۔ و سادات مسوی و سادات کچھو کرو سادات طولپور پرگنہ کاوی پور۔ ضلع سلطان پور۔ و سادات وردے پور و سادات کمال پور تکھی و سادات منڈیا ہو پرگنہ خاص و سادات ویو گاؤں پرگنہ خاص۔

ذکر سادات ٹانڈہ

سادات آں بسیار نجیب اند واکثر در قبائل ایشاں۔ صاحب جلال بودہ اند۔ و در سیادت ایشاں ہیچ شکے نیست۔ اور سادات یوی و خرسواں بھی نہایت صحیح النسب تھے۔ وصلت و مصاہرت ان کی سادات ٹانڈہ سے تھی۔ سادات ٹانڈہ وغیرہ حضرت سید احمد توختہ تمثال رسول (علیہ السلام) کے اولاد میں ہیں۔ اس طرح سید شاہ[1] زید بن سید[2] شاہ احمد زاہد ابن سید[3] شاہ حمزہ سید[4] شاہ ابو بکر۔ بن سید شاہ[5] عمر بن سید شاہ[6] محمد ابن حضرت مخدوم[7] سید شاہ احمد توختہ تمثال رسول (علیہ السلام) بن سید[8] علی ابن سید[9] حسین بن سید[10] محمد مدنی المعروف بسید ناصر ترمذی بن سید حسین[11] بن سید موسیٰ[12] حمصہ بن سید[13] علی بن سید حسین[14] اصغر بن حضرت امام[15] علی زین العابدین علی جدہٖ وعلیہم السلام۔ سید محمد مدنی عرف سید ناصر تشریف لائے اور ان کی اولاد سے حضرت مخدوم سید احمد توختہ تمثال رسول (علیہ السلام) لاہور تشریف لائے اور ۶۰۲ھ میں وصال ہوا۔ لاہور میں مزار ہے۔ ان کی اولاد میں سے سید شاہ زید بن سید شاہ احمد زاہد مورث سادات ٹانڈہ وغیرہ کے ہیں۔ ان کی اولاد میں سے ایک بزرگ سید شاہ عبد الوہاب قدس سرہٗ کا مزار بمقام شاہ وہورا متصل جون پور ہے۔ ان کی ایک کرامت یہ تھی کہ ان کے مکان کے سامنے سے جس کسی کافر کا جنازہ نکلتا تھا تو پھر چل نہ سکتا تھا۔ یہ بزرگ چشتی تھے۔ حضرت سید احمد توختہ تمثال رسول (علیہ السلام) کے کوئی اوپر کے اجداد سے حضرت سلطان الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ کے خلیفہ تھے، ان کو حضرت نے دعا دی تھی کہ تمہاری اولاد میں بکثرت اولیاء اللہ ہوں گے اور ہمیشہ ایک قطب ہوا کرے گا۔

(نوٹ) توختہ ترکی لفظ ہے اس کے معنیٰ بہت دیر تک کھڑا رہنا ہے ان کے پیر و مرشد نے آپ کو اندر حجرہ میں بلایا اور ذکر و شغل میں مشغول ہو گئے آپ جب حجرہ میں جانے لگے تو حجرہ اندر سے بند پایا۔ آپ اس کی دہلیز پر کھڑے ہو گئے اور رات بھر کھڑے رہے۔ علی الصباح جب شیخ نے حجرہ کھولا تو آپ کو کھڑا دیکھ کر توختہ کا لقب عنایت فرمایا اور تمثال کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے ہم عصر کسی بزرگ نے واقعہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس زمانہ میں حضورؐ کی اولاد میں کوئی حضورؐ کی شبیہہ موجود ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سید احمد توختہ کی زیارت کرو۔ وہ میرا ہم شبیہہ ہے۔ اس کو دیکھا تو گویا کہ مجھ کو دیکھا۔ اسی لئے آپ تمثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملقب ہوئے۔

حضرت مخدوم سید نور الحق چشتی ٹانڈوی قدس اللہ سرہٗ العزیز حضرت سید احمد توختہ تمثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (قدس اللہ سرہٗ) کی اولاد سے تھے اور وہ سید محمد مدنی المعروف بہ سید ناصر ترمذی کی اولاد سے تھے اور وہ سید حسین اصغر بن حضرت امام زین العابدین بن شہید کربلا حضرت امام حسین علی جدہ وعلیہم السلام کی اولاد سے تھے۔ متفق علیہ نسابین ہے (عمدۃ الطالب منبع الانساب)، کنز الانساب، ائمۃ الہدیٰ، تاریخ آئینہ اودھ)

شاہ ولایت احمد صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں۔ بڑی محنت اور تحقیق سے جو حالات شجرۂ نسبی حضرت شیخ الاسلام . . . دریافت ہوئے وہ پیش کئے جاتے ہیں۔ افسوس کہ سید شاہ زید بن سید شاہ احمد زاہد کے نیچے کا سلسلہ نہ دریافت ہو سکا۔"

(نوٹ) حضرت شاہ نور الحق تک شجرہ نسب اور اس کے بعد ان اسلاف کے اسمائے گرامی کا سلسلہ اس نمبر کے ابتدائی صفحات میں شجرہ مشائخ چشت کے اختتام پر پیش کر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایا جاوے۔

داغِ جُدائی

کفیلہ خاتون نکہت کیرانوی

بزمِ ہستی پر اُداسی چھا گئی
ہو گیا گل اہل مِلّت کا چراغ
آنکھ نم ہے اور دل ہے بے قرار
مٹ نہیں سکتا جُدائی کا یہ داغ

مکہ مکرمہ کے نہایت کامیاب اور مشہور رسالہ "المنہل" کے مدیر محترم مولانا عبدالقدوس انصاری نے حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز کی وفات پر ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے یہ مقالہ اردو ترجمہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے۔"

ان السیّد حسین علَمٌ شامخ من اعلام العلم والاصلاح سطع نجمه اولاً فی جزیرة العرب وفی المدینة المنورة بالذات ایام الحکم العثمانی ثم تألق باهرًا فی دیار الهند فاضاء آفاقها۔

وکان مرشدًا دینیًا موهوبًا ذا سیاسة وکیاسة وعقل راجحٍ وفطرة عربیة اسلامیة وقد درّس الحدیث النبوی فی الهند وفی جامعة ـــ دیوبند ـــ وغیرها زهاء نصف قرن ۔

وقاوم الاستعمار الغربی فی الهند مقاومة هائلة وایقظ النوام ونبه الغافلین وازجی بسفینة الحیاة الیٰ ساحل الاستقلال ۔

وقد ادخل السجن مرارًا فما وهنت عزیمتهٗ البتارة فی سبیل مکافحة الاستعمار البغیض ۔

وکانت لهٗ مقاومة روحیة ناجحةٌ یتمثل فی اعداده جمهورًا واعیًا وطبقة ممتازه مستنیرة من علماء الدین نبذر بذور الاصلاح والیقظة والتوجیه الراشد فی ـــ شتیٰ مسلمی بلاد الهند ۔

فاذا عد زعماء الاصلاح فی العالم الاسلامی کان السیّد

ترجمہ :۔ حضرت محترم سیّد حسین احمد صاحب علم و عمل کے سربلند پہاڑ تھے آپ کے فیوض کا ستارہ سب سے پہلے جزیرۃ العرب میں اور خاص طور پر مدینہ منورہ میں۔ ترکی حکومت کے زمانہ میں چمکا۔ پھر ماہ تاباں بن کر ہندوستان میں درخشاں ہوا۔ جس نے ہندوستان کے تمام آفاق و اطراف کو روشن کر دیا۔ آپ شیخ کامل تھے جن کو رشد و ہدیٰ کی نعمتیں من جانب اللہ عطا ہوئی تھیں۔ اور ساتھ ہی ماہرِ سیاست اعلیٰ مدبر و دانش مند تھے جن کی عقل و دانش جذبات پر غالب اور قابو یافتہ رہتی تھی آپ کو خالص عربی اسلامی فطرت عطا ہوئی تھی۔ آپ ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند میں اور اس سے پہلے دوسرے مقامات پر تقریبًا پچاس سال تک حدیث کا درس دیتے رہے آپ نے یورپین سامراج کا بہت شدت سے نہایت زبردست مقابلہ کیا۔ سونے والوں کو بیدار اور غفلت میں پڑے ہوئے انسانوں کو ہوشیار کیا اور اس طرح آزادی اور آزاد زندگی کی کشتی کو ساحلِ استقلال پر پہنچایا۔ آپ کو بار بار جیل خانوں میں ڈالا گیا مگر آپ کی ہمت کبھی بھی پست نہیں ہوئی اور وہ عزم مصمم جو تلوار سے بھی زیادہ تیز تھا اس قابلِ نفرت مغربی استعمار کے مقابلہ میں کبھی بھی ڈھیلا نہیں ہوا۔ آپ کا یہ کامیاب مقابلہ اخلاق اور زبردست روحانی قوت کے ذریعہ تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ اپنے معاصرین میں بھی ہردلعزیز راہنما، دین و ملت کے محافظ کی بہترین شان اور اعلیٰ مثال رکھتے تھے۔ گویا آپ کی تنہا ذات علماء دین کی ایک ممتاز اور پُرنور جماعت تھی جو پورے ہندوستان میں منتشر مسلمانوں کی جماعتوں اور ان کے مختلف طبقات میں اصلاحِ بیداری اور صحیح راہنمائی کے بیج بکھیر رہی تھی پس جب بھی عالمِ اسلام کے زعماء اصلاح اور اصحاب دعوت و عزیمت کا شمار کیا جائے حضرت مولانا حسین احمد کا درجہ ان میں ممتاز ہو گا۔ آپ ہراول دستہ میں سب سے آگے نظر آئیں گے کہ آپ کو نہ کوئی لالچ کسی وقت کمزور کر سکتا ہے اور نہ کوئی خوف آپ کے اندر کوئی لچک پیدا کر سکتا ہے آپ راستہ کی تمام

حسین احمد احد اولئك الزعماء الاعلام وفی الطليعة
منهم لم یوهنه رغبة ولا رهبة ـ ازاء شق الطريق
بمن يقودهم الى ذرى الاصلاح والاستقلال والارشاد۔
وکان شیخ مدرس جامعة دیوبند العظيمة التی
تقارن فی الهند فی نشر الاسلام والدين والمحافظة ۔
الاسلامی بجامعة الزیتونة فی تیونس وجامعة القرویین فی المغرب
وجامعة ازهر فی مصر وکان برأس اکبر حزب للمسلمین
فی الهند۔
الا هو جمعية العلماء المسلمین وهکذا ظل نبراسًا رضاءً فی آفاق
الهند بعد ماکان نبراسًا وَضَّاءً فی هٰذه البلاد ۔

نسبه ومجمل حياته

ولد السيّد حسين احمد ابن السيّد حبيب الله فی قرية
"بانکرمو" بالهند۔
وتنتهی سلسلة نسبه الیٰ سیّد نور الحق الذی رحل مع
الفاتحین من سلاطین الغزنويين الى الهند نشر تعاليم
الاسلام وتنتهی سلسلة نسب السيّد نور الحق الى الحسين بن
علی رضی الله عنهما

وحينما دخل نور الحق اقليم الهند طاف بارجائه واستقر
به المطاف اخرًا فی قرية "الٰه داد بور" من اعمال "فیض آباد"۔
فاستوطنها اسرته جيلاً بعد جیل حتیٰ رجع منها حفيده
السيد حبيب الله الى الحجاز فی سنة ۱۳۱۶ھ ومعه ابنه الثالث
السيد حسين احمد ـ وله السيد حسين احمد فی ۲۹ شوال ۱۲۹۶ھ
فی قرية "بانکرمو" مثل اخيه الاكبر المرحوم السيد احمد الفیض
آبادی مؤسس مدرسة العلوم الشرعية ـ وتلقی العلوم بجامعة
ديوبند وبرز فيها وهاجر مع والده الى المدينة تلقیٰ عليه العلم
اناسٌ كثيرون وانتفع الطلاب من تعليمه ـ
وکان من تلاميذه مدرسون وقضاة وحکام ومدیرون
ورؤساء ـ فذكر منهم المرحومين المشائخ ـ
عبد الحفيظ کردی الکورانی عضو المحكمة الكبرىٰ بالمدينة
واحمد البساطی نائب القاضی بها سابقًا ومحمود عبد الجواد رئیس
بلدية المدينة سابقًا وكذالك الشيخ محمد بشیر الابراهیمی
العالم الجزائری المجاهد فی سبیل التطويح بغاث الاستعمار من

مستقیں برداشت کرتے ہوئے ان کے پیشوا رہتے تھے جن کو آپ اصلاح، استقلال
اور رشد وہدایت کی بلندیوں پر پہنچا رہے تھے۔
آپ دیوبند کے اس عظیم الشان دارالعلوم کے صدر مدرس تھے جو ہندوستان
میں اسلامی علوم کی نشر واشاعت اور دینی علوم کی حفاظت وترقی میں وہی
شان رکھتی ہے جو "ٹیونس" میں جامعہ زیتونیہ کو مغرب
میں جامعہ قرویین کو اور مصر میں جامعہ ازہر کو حاصل ہے اسی کے ساتھ آپ مسلمانانِ ہند
کی سب سے بڑی جماعت یعنی جمعیۃ علماء ہند کے صدر بھی تھے۔ مختصر یہ کہ آپ جس طرح
پہلے بلادِ عرب میں ایک شمع درخشاں تھے ایسے ہی آپ ممالکِ ہند میں شمع درخشاں رہے۔

نسب شریف اور مختصر سوانح

ہمارے یہ سید محترم مولانا حسین احمد (صاحب) خلف رشید سیّد حبیب اللہ
صاحب ہندوستان کے ایک قریہ "بانگرمو" میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ مولانا
نورالحق صاحب تک پہنچتا ہے۔ مولانا نورالحق رحمۃ اللہ علیہ محمود غزنوی کی فتوحات کے زمانہ
میں تبلیغ وتعلیم کے بلند مقاصد لے کر ہندوستان پہنچے تھے۔ مولانا نورالحق صاحب کا
سلسلۂ نسب سیدنا الامام حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما تک پہنچتا ہے
مولانا نورالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان پہنچ کر اول ہندوستان کے مختلف
اطراف کا دورہ کرتے رہے۔ پھر آپ نے "اللہ داد پور" میں سکونت اختیار کرلی۔ یہ اب
فیض آباد کے مضافات میں ہے۔ مولانا نورالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان نسلاً بعد نسل
اسی علاقہ میں آباد ہوتا رہا۔ یہاں تک سید حبیب اللہ صاحب نے ۱۳۱۶ھ میں حجاز کا رخ کیا
انہی کے ساتھ آپ کے تیسرے صاحبزادے یعنی مولانا حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی
مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔
حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی کی تاریخ پیدائش ۲۹ شوال ۱۲۹۶ھ
ہے۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا سیّد احمد صاحب جنہوں نے مدینہ منورہ میں مدرسہ علوم شرعیہ
قائم کیا تھا وہ بھی یہیں پیدا ہوئے۔
حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی نے دارالعلوم دیوبند میں علوم شرعیہ کی تعلیم
حاصل کی اور آپ وہاں کے ہونہار فضلاء میں سب سے ممتاز رہے پھر آپ نے والد ماجد
کے ساتھ مدینہ طیبہ ہجرت کی اور یہاں درس وتدریس کا سلسلہ قائم کیا۔ حلقہ تعلیم وتدریس
میں آپ کو مقبولیت حاصل رہی۔ تشنگانِ علوم آپ کے دریائے فیض سے خوب خوب سیراب ہوئے۔

عرب کے چند ممتاز شاگرد

آپ کے شاگردوں میں سے بہت سے تعلیم، تدریس، قضاء اور انتظامی محکموں کے
بڑے بڑے منصبوں پر فائز ہوئے۔ چند ممتاز تلامذہ اس وقت وفات پاچکے ہیں۔ ان کے
نام یہ ہیں مولانا عبدالحفیظ کردی جو مدینہ منورہ میں محکمہ کبریٰ (ہائی کمانڈ) کے رکن تھے۔

الجزائری العربیة العریقة۔ اقام السید حسین احمد بالمدینة مواظبا
علی التدریس بالمسجد
النبوی حتی نشبت الحرب العالمیة الاولی وسافر الی مکة والطائف
وطلب الیه ان یفتی بالخروج علی الحکومت العثمانیة ولم یکن
ذالک من رایه فکان جزاءه النفی الی جزیرة (مالطه) من
جزیرة البحر الابیض المتوسط ومکث بها حتی ضعف الحرب
العالمیة الاولی اوزارها فاطلق سراحه ومن ثم رحل الی الهند
وعکف علی نشر العلم هناک وقام بایقاظ الهمم الخالدة وقام
بالدعوة الی الاصلاح الدینی والاجتماعی وناهض الاستعمار
الغربی بقلبه وقالبه وسعی سعیا حثیثا الی اقتلاع جذوره
من بلاد الهند بایقاض النفوس الخاملة وتوجیهها التوجیه
الراشد ولاقی العنت من جراء ذالک وسجن مرارا وکان
آخر الامر ان نجح مع الناجحین فی اقتلاع جذور شجرة
الاستعمار من قارة الهند وبقی حیا حتی شاهد آخر جندی
استعماری یخرج من الهند۔

ثم عکف علی تنظیم شؤون المسلمین ورعایة مصالحهم
فی دولة الهند وکان مسموع الکلمة محترم الجانب
کزعیم الاسلامی عظیم۔

وکان یتردد علی هذه البلاد التی شغفت بها من
صمیم قلبه للحج والزیارة ثم للاستأناس بالاحبة
والاقارب لقد حج فیما اذکر بعد غیابه المدید فی الهند ۱۳۵۸ھ
وقد توفی اخوه الاکبر السید احمد رحمه الله فی اوائل ذالک
الموسم وکنت وقتها مدرس الادب بمدرسة العلوم الشرعیة
وقد سررنا کثیرا بقدومه وطلبنا الیه کما طلب الکثیرون
ان یلقی علینا محاضرة دینیة اجتماعیة فارتجل محاضرة
مسهبة فی المدرسة استمر تدفقه بها باللغة العربیة
الفصحی بها ساعة ونصف الساعة وکان موضوعها
تحدید موقف المسلمین من الاستعمار الغربی اذ ذالک وقد
نشرت المحاضرة فی عدة اجزاء متتالیة من مجلة «المنهل»
آنذاک

والسید حسین احمد لطیف المحضر والمعشر ادیب عربی
عمیق الادب علاوة علی علمه الغزیر یحفظ الکثیر من الشعر
والنثر یجیس تخیر العبارات العربیة الرائعة فی احادیثه
ومحاضراته ودروسه۔

مولانا احمد بساطی جو مدینہ طیبہ میں نائب قاضی رہے۔ محمود عبد الجواد مدینہ میونسپلٹی کے چیئرمین
شیخ محمد بشیر ابراہیمی جو الجزائر کے مشہور عالم تھے جو الجزائر کی جنگِ آزادی اور عربی جزیرہ دل
سے سامراجی جنرلوں کو بھگانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

تعلیمی، سیاسی اور اصلاحی خدمات

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مسجدِ نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں عرصہ دراز تک بڑی مستعدی اور پابندی سے درس دیتے رہے یہاں تک کہ پہلی جنگِ عظیم کا طوفان اٹھا اور آپ مکہ معظمہ اور طائف تشریف لے گئے۔ وہاں آپ سے ترکی حکومت کے برخلاف بغاوت کے جواز کا فتویٰ طلب کیا گیا۔ آپ کی رائے اس کے برخلاف تھی آپ نے فتویٰ دینے سے انکار کر دیا تو آپ کو یہ سزا دی گئی کہ جزیرۃ العرب سے آپ کو جلا وطن کر کے مالٹا بھجوا دیا گیا جو بحرِ ابیض متوسط کا ایک جزیرہ ہے خاتمۂ جنگ تک آپ کو اسی جزیرہ میں محصور کیا گیا جب رہائی ہوئی تو آپ مالٹا سے ہندوستان تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نشرِ علوم کی خدمت میں مصروف ہو گئے اس کے ساتھ عوام میں پائیدار بیداری پیدا کرنے، دعوت و تبلیغ اور دینی و معاشی اصطلاحات میں سرگرم جد و جہد کرتے رہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ جان کی بازی لگا کر یورپین سامراج کو مٹانے اور سرزمینِ ہند سے انگریزی شاہنشاہیت کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دینے کی زبردست کوشش شروع کر دی اس کے لیے پست شدہ ہمتوں کو ابھارا۔ حوصلوں کو بلند کیا۔ ان میں ایثار و قدامت کے جذبات بیدار ہو گئے اور ان تمام بلند مقاصد میں ان کی کامیاب راہنمائی فرمائی۔ اس کی پاداش میں آپ کو کافی نقصانات اور بار بار قید و بند کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ آخر کار نتیجہ وہ کامیابی اور کامرانی ہے جو آپ کو اور آپ کے حریت نواز قوم پرور ساتھیوں کو نصیب ہوئی کہ برطانوی استعمار کی جڑیں جو سرزمینِ ہند میں بہت گہری ہو چکی تھیں اکھڑیں اور آپ کی زندگی میں ہی وہ وقت بھی آیا کہ آپ نے انگریزی سامراج کے آخری لشکر کو ہندوستان سے نکلتے ہوئے دیکھا۔

آزادی کے بعد آپ کی خدمات کا رُخ

جیسے ہی آزادی کی اس ہیبت ناک جنگ سے آپ فارغ ہوئے آپ کی تمام تر توجہ منتشر مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور ان کی شکستہ حالی کی اصلاح اور ہندوستانی نظامِ حکومت میں ان کے لیے مناسب موقف اور مقام کے حاصل کرانے کی طرف منعطف ہو گئی۔ آپ کی انہیں عظیم الشان خدمات اور بے نظیر قربانیوں کا یہ اثر تھا کہ حکومت کے حلقوں میں آپ کی بات کا وزن تھا اور آپ کی وہی تعظیم کی جاتی تھی جو ایک بہت بڑے اسلامی راہنما کی ہونی چاہیے۔ ہندوستان اور اہلِ ہندوستان کی ان تمام سیاسی، ملی اور روحانی خدمات کی بے پناہ مصروفیت کے باوجود آپ حج اور زیارتِ حرمِ نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) اور اپنے احباب اور اقارب سے ملاقات کے لیے ان مقدس دیار میں (حجاز شریف) حاضری کا وقت بھی بار بار نکالتے رہے۔

وهو يجيد الاردوية علاوة العربية وهو ورع وتقى يراعم علمه عمله ويريد ان تواتم اعمال المسلمين فى حياتهم الخاصة والعامة تعاليم دينهم الحنيف لكى ينهضوا من سقطهم التى سقطوها بسبب تهاونهم فى الاخذ بعروة الدين۔

ولا بدان له مذاكرات ومؤلفات نرجو من ابنه السيّد اسعد ان يتحفنا بها على شحط الدار فان مذاكرات والده ومؤلفاته قد اصبحت حقا من حقوق المسلمين ولا بد انها اذا نشرت ستكون من صوى الارشاد الخالدة لحياة العالم الاسلامى ذالك الارشاد الذى كان والده يتوخاه طيلة حياته۔

والسيّد حسين احمد كان حركة دائبة فى الهند كان شعلة وضاءة دائم الانتقال بين ارجاء الهند الواسعة يخطب هنالك ويحاضرهنا ويتحدث هنالك ويرشد هنا ويقوم الامور المنادة طورًا ويشجع على المضى فى سبيل الاصلاح طورًا آخر علاوة على عكوفة على نشر العلوم على الطلاب فى جامعة ديوبند وغيرها وله من تقواه وصلاحه ومن فصاحته باللغتين خير سبب يوصله الى تحقيق غاياته الكبرٰى۔

والسيد اسمر اللون ربعة القوام واسع العينين ادعجها عريض الجبهة كث اللحية ذوانف متوسط فى الارتفاع والطول واسع الفتحتين وكان بدينا شثن الاصابع واقفًا حياته على نشر مبداء الاصلاح الدينى وايقاظ الهمم الخاملة وكان يجلل الوقار مجلسه وترى النّاس فيه صامتين الامن كان لديه سوال اوكلمة مقصودة يريد ان يقولها فليسمع جوابها من الشيخ فى تواضع وحنان ووقار ويذكرنا موقفه هٰذا بمن قال فيه الشاعر قديمًا

ادب الوقار وعز سلطان التقى ...
فهو المهيب وليس ذا سلطان.

مرضه ووفاته

مازال الشيخ يقوم باداء رسالته الاصلاحية برغم شيخوخته وبرغم ما يعتريه من امراض وقد رائته فى

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے حجاز شریف سے ایک طویل عرصہ تک غیر حاضر رہنے کے بعد سب سے پہلی بار آپ ۱۳۵۸ھ میں تشریف لائے۔ اسی سال کے آغاز میں آپ کے بڑے بھائی مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات (مدینہ طیبہ میں) ہوئی تھی۔ میں اس زمانہ میں مدرسہ العلوم الشرعیہ میں تدریسی خدمات انجام دیا کرتا تھا۔ ہمیں آپ کی تشریف آوری کی بے حد مسرت ہوئی۔ بہت سے لوگوں کیطرح ہم نے بھی درخواست کی کہ آپ ہمارے سامنے دینی اجتماعی خیالات پیش فرمائیں۔ یہ درخواست منظور کرتے ہوئے فوراً ہی مدرسہ کے اجتماع میں ایک تقریر شروع فرمادی۔ آپ کی یہ برجستہ تقریر نہایت فصیح عربی میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی تقریر کا موضوع یہ تھا کہ اس وقت مغربی استعمار (یورپین سامراج) کے مقابلہ میں مسلمانوں کا موقف کیا ہے اور ان پر کیا فرض عائد ہوتا ہے؟ آپ کی یہ تقریر اسی رسالہ "المنہل" میں کئی نمبروں میں مسلسل شائع ہوتی رہی۔

اخلاق واوصاف

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح کی مجلس بہت پر لطف اور آپ کے تعلقات نہایت خوش گوار ہوتے تھے۔ آپ عربی کے بہت پختہ ادیب تھے۔ بے پناہ علمی تبحر کے ساتھ آپ کو بے شمار اشعار اور مقولے بھی یاد تھے جن کی نہایت پاکیزہ عربی عبارتوں کو اپنی گفتگو میں عام تقریروں اور درسی خطابات میں بہت خوبصورتی اور موزونیت کے ساتھ چسپاں کیا کرتے تھے۔ مزید براں آپ کو اردو زبان پر بھی یہی قدرت حاصل تھی۔ مجالس درس، عام خطابات اور تقریروں اور مجلسی زندگی میں اردو اور ہندی کے اشعار، کہاوتیں اور مثالی جملے برجستہ طور پر چسپاں کر دیا کرتے تھے۔ ان علمی کمالات کے ساتھ سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ متقی، پرہیزگار اور پاکباز تھے۔ آپ کا عمل علم کے موافق تھا اور آپ کی آرزو یہ تھی کہ اسی طرح عام مسلمانوں کا عمل دینِ حنیف کی تعلیمات کے موافق ہو تاکہ وہ اپنی موجودہ پستی سے نجات پائیں جس کا واحد سبب یہ ہے کہ وہ دین کی کڑیوں کو سنبھالنے میں بہت زیادہ کمزور اور سست ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے آپ کے بہت سے ملفوظات قلم بند تقریریں اور آپ کی تصانیف بھی ہوں گی ہم آپ کے فرزندِ رشید (مولانا) سید اسعد صاحب سے توقع رکھتے ہیں کہ بُعدِ مسافت کے باوجود یہ علمی تحفے ہمیں ہدیہ فرمائیں گے۔ کیونکہ ان کے والد ماجد کے علمی تبرکات تمام مسلمانوں کا مشترک حق ہیں اور یہ بھی لازمی بات ہے کہ جب ان کی اشاعت ہوگی تو وہ رُشد و ہدٰی کے پائیدار منارے ہوں گے۔ جن سے عالمِ اسلامی نئی زندگی اور وہی راہنمائی حاصل کرے گا جس کے لیے ان کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ عمر بھر کوشاں اور سرگرداں رہے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سرزمینِ ہند میں مستقل حرکت تھے آپ ایک نورانی شعلۂ جوالہ تھے۔ آپ ہندوستان جیسے وسیع ملک کے طول و عرض میں ہمیشہ گردش کرتے رہتے تھے کہیں عام جلسوں میں تقریر فرما رہے ہیں اور کہیں علمی مجلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کر رہے ہیں۔ کبھی ملکی اور ملی مصالح پر گفتگو کر رہے ہیں کہیں اختلافی معاملات طے کر رہے ہیں اور آپس کے جھگڑے مٹا رہے ہیں اور کبھی لوگوں کے حوصلے بلند کر رہے ہیں کہ وہ اصلاح کے

موسم عام ۱۳۷۵ھ فلاحظت علیه ضعفاً طارئاً فقد كانت خطواته ثقيلة ولكنه مع كل ذالك يجاهد ويجهد ماضيا فى اداء مهمته لانها قطعة من حياته لها وبها يحيىٰ وفى جوها العبق يرتاح واليها وبها ينشط۔

حتىٰ سمعت قبل بضعة اسابيع من بعض اقاربه انه اعتراه مرض طارئ فاشفقت عليه اشفاقاً عظيمًا وسألت الله ان يشفيه ويطيل عمره ليطل فى سبيل اداء مهمته الكبرىٰ۔ اعوامًا مديدة أخر۔ ولكن المرض لازمه وساعده عليه ضعف فى القوىٰ الجسمانية بسبب الكفاح الطويل فانتقل الىٰ رحمة ربه يوم الخميس الموافق ۱۳ جمادى الاولىٰ ۱۳۷۷ھ

وهكذا سار فى جهاده واستمراره على الجهاد الىٰ آخر عمره سيرا مماثلا لسير اخيه المبرور السيد احمد الفيض آبادى رحمة الله رحمة الابرار والمجاهدين فى سبيله الراغبين فى مرضاته واسكنه فسيح جناته مع النبيين والشهداء والصالحين اللهم زريه ومريده وعارفى فضله فى اقطار الدنيا الصبر و السلوان وعوض المسلمين عنه خيراً انه سميع الدعاء قريب مجيب۔

عبد القدوس الانصارى

راستہ پر تیزی سے چلیں۔ ان تمام آفاقی معاملات کے باوجود دارالعلوم دیوبند جیسے علمی مرکز کی مسندِ درس سے اشاعتِ علم میں مصروف اور منہمک ہیں۔ آپ کا تقویٰ، آپ کی اعلیٰ صلاحیت اور سلامتیٔ طبع اور فصیح اردو اور عربی پر قدرت یہ بڑے اسباب تھے جنہوں نے آپ کو کامیاب زندگی کے بلند ترین مراتب پر پہنچایا۔

حلیہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ گندمی تھا۔ قد درمیانہ گٹھا ہوا مضبوط جسم، آنکھیں بڑی بڑی سیاہ، چوڑی پیشانی، گھنی داڑھی، ناک نہ زیادہ اٹھی ہوئی اور نہ زیادہ لانبی، متوسط اور درمیانی، سینہ نہایت چوڑا، دوہرا بدن۔ انگلیاں پُر گوشت، ہمیشہ دینی اصلاح، اشاعتِ علوم اور پست ہمتوں کو ابھارنے اور پسماندہ طبقوں کو آگے بڑھانے میں چست و مستعد۔

آپ کی مجلس نہایت باوقار ہوتی تھی، لغو اور بے ہودہ بات کوئی نہیں، سب خاموش اور مؤدب وہی شخص بولتا تھا جس کو کچھ پوچھنا ہوتا تھا یا کوئی خاص بات کہنی ہوتی تھی تو وہ اس کا جواب تواضع، انکسار اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ حضرت شیخ کی طرف سے سنتا تھا ہمیں اس موقعہ پر شاعر کا شعر یاد آتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے: یہاں سنجیدگی اور وقار بھی بادب ہے اور تقویٰ کا اقتدار مسلط ہے شاہی شان و شوکت کچھ نہیں پھر بھی رعبِ شاہانہ ہے۔"

مرض اور وفات

حضرت شیخ الاسلام بوڑھے ہو چکے تھے دو سال پہلے ۱۳۷۵ھ میں حج کے موقعہ پر مجھ کو شرفِ زیارت حاصل ہوا تھا تو میں نے دیکھا تھا کہ مختلف عوارض دامنگیر ہو چکے ہیں ضعف طاری ہے۔ اٹھنے بیٹھنے میں بھی دشواری ہوتی ہے قدم بھی بہت گرانی سے اُٹھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کمزوریوں اور عوارض کے تقاضوں کے برخلاف حضرت موصوف آخر تک اپنے اصلاحی مقاصد کو کامیاب بنانے میں پوری مستعدی سے مصروفِ عمل رہے اور اس جہادِ مقدس کی تمام دشواریاں برداشت کرتے رہے کیونکہ یہ آپ کی زندگی کا جزوِ اعظم بن گیا تھا اسی کے لیے آپ کا جینا تھا اور اسی تبلیغ و اصلاح اور تلقین و ارشاد کی پاکیزہ فضاء میں آپ کی روح مسرت محسوس کرتی تھی اور اسی سے آپ کی طبیعت کو نشاط حاصل ہوتا تھا انتہا یہ کہ چندے ہفتے گزرے کہ آپ کے ایک عزیز کی زبانی آپ کی بیماری کا علم ہوا۔ اسی وقت سے مجھے سخت تشویش لاحق ہو گئی۔ میں برابر دعا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا عطا فرمائے۔ آپ کی عمر دراز کرے تاکہ آپ اپنے عظیم الشان نصب العین کو سالہا سال تک کامیاب بناتے رہیں لیکن مرض بدستور رہا اور طویل مجاہدہ کے سبب سے جو کمزوری جسمانی قویٰ میں پیدا ہو گئی تھی۔ وہ مرض کے لیے ممد و معاون ثابت ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہی ہوا کہ ۱۳، جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ جمعرات کے روز آپ نے اپنے رب کی حفاظت اور اس کے جوارِ رحمت کی جانب انتقال کیا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح آپ کے برادر بزرگ مولانا سید احمد صاحب آخر عمر تک قوم و ملت کی اصلاحی جد و جہد میں مصروف اور جہاد، تلقین و ارشاد میں منہمک رہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر [illegible] پاکباز بندوں پر نازل فرماتا ہے جو آخر تک اس کے

نذرِ عقیدت

از:۔ محمد عثمان اعظمی

نہیں موتِ عالم یہ ہے موت عالَم — کہ پُرنم میں چشمِ جہاں دیکھتا ہوں
شریعت، طریقت، ریاضت میں یکتا — فضائل برون از بیاں دیکھتا ہوں
سیاست میں ماہر، تصوف میں کامل — میں ثانی ترا اب کہاں دیکھتا ہوں
خلا ہو گیا جو ترے بعد پیدا — میں تجھ سا کسی کو کہاں دیکھتا ہوں

راستہ میں جہاد کرتے رہے اور ان کی تمنا اور رغبت یہی رہی کہ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو اپنی وسیع جنت میں انبیاء علیہم السلام اور شہداء اور صلحاء کی رفاقت عطا فرماتے اور ان کی اولاد، ان کے مریدوں اور ان تمام لوگوں کو جو دنیا کے مختلف گوشوں میں حضرت موصوف کے فضائل سے واقف ہیں۔ ان سب کو صبر و سکون عطا فرمائے اور مسلمانوں کے لیے کوئی بہتر صورت پیدا کرے وہی دعاؤں کا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

(عبدالقدوس انصاری)

رثين الرّثاء

للفاضل الاستاذ صدر المدرسين في مدرسه نور الاسلام

بقلم، یم۔ کے۔ عبدالرّحمٰن الغضنفری

كيف السّلو وفى اكبادنا نار ترمى كقصر الى الاجسام ذا النّار
والجسم مُحرّق منها وليس لها وان تضرم فى الاجواف انوار
واى حادثةٍ للدّين والعلماء من ظلمةٍ عميت للنّاس ابصار
للّهِ درك يا عينى ولا تبقى قطرا من الدم الا هو مدرار
ياعاذلا لاح يلحانى على الجزع اليك عنى فلى فى القلب افكار
فظ غليظ علوف انت ليس له هم سوى بطنه اوانت مكار
اما ترى ما جرى فى الناس من ظلم من بعد ما كملت بالضوء اقمار
فالقوم ذو قلق والقلب متصدع مما الم ولا يحصه مقدار
فالله يعلم ما فى القلب من الم لا يلنينه ولا ليلى وديار
ما ذاك من صرم تبديه فاطمة اونيلزها كل ان يسويه اخبار
وصدر دار علوم شمسا غربت منها دعا الى الرضوان غفار
الشيخ مدنى رئيس العلم والكرما شيخ الحديث لأ ثار النبى دار
فى سكره مقام كل حبى فاتهم حاوى العلوم دليل الله لو حاروا
لو جئ ذو عقل من ذاك حق له اذ كان للذين شمسا مالها حار
فيما سمعنا دليل الحق معدنه يمشى على قدم الاسلاف معيار
ذو الباع من كل فى راسخ قدم محدث الدهر فاضت منه آثار
وكم له من كرامات تفوق هدى وكم تلاميذه فى الارض طيّار
بر تقى روف متق ورع منار حق عليه القوم قد دار
كانه مركز الاسلام فوقهم فى شدة الظما فوت مالها ثار
حبر عظيم وحيد حاذق تقى من كل فى علوم قبه او قار
ولا اطيل كلا مالا مر له وليس يبلغ ما فى الشيخ اكثار
دار العلوم غدت من بين مدرسة فى الارض ذا فخر من نيد انهار
كم من علوم الى الدنيا يفيض بها ثمارها ابحث للناس لو ماروا
منها افتخار ليو، بى قد تباهى بها الى جناها من الاطراف قد طاروا
يغنيك عن ذكر هدى الدار شهرتها مدرسوها نجوم الدين ازهاروا
شموس نور كنوز العلم من علسها فهولهم فاق كل ثم احرار
فما ظنكم برئيس كانه عهدته صدارة الدرس فى تيكم وعمار
وكيف هيل على كنز العلوم عسى ان خبلو ذاك كنز المال اذواروا
يوم الخميس وما يوم الخميس به قد حل فى القوم امرها رصبار
لثالث العشر من اولى الجمادى ومن مولد، يغفر، التاريخ فجار
(٨٢ ، ١٣٩٥)
كم من خلائق فوجا بعد فوجهم اتو جنازته فضاق اقطار
(١٣٧٧)
صلوا عليه مرار غاص امكنه عن مرة ودعوا للشيخ انصار
وكم جرت من صلوٰة الغائبين الى ما قاله الشافعى فى ذاك قد صاروا
لا زال يقرأ قرأ ويتلى صحيحه للبخارى هنا مذ كان ماثاروا
ومن نواحى بلاد نحو مرقده يثور فوج توالى فيه زوار
ينصب عفو من المولى ومغفرة عليه ما دام اعلان واسرار
لا زال مهبط اعيان الكرام ولا مستغفرين له مافر مسمار
ازكى الصلاة مع التسليم ينسكب على الرسول وآل ثم اطهار
وصحبه ثم اتباع وينهطل عفو علينا من المولى وينهار

منا السّلام عليكم ايّها العلماء
الى ابو سالم وطن مليبار

الرّجل الذی لن انساه

بقلم حضرة الاستاذ الفاضل مولانا عبد المنعم النمر رکن
بعثة الازهر والموتمر الاسلامی بدار العلوم دیوبند
(زاد اللّٰہ شرفا)

لیس علی اللّٰہ بمستنکر : ان یجمع العالم فی واحد

پیکر اخلاص ومحبت، منبع رشد وہدایت، محب وطن و انسانیت کی وفات سے کون صاحب دل متاثر نہیں

اس سانحۂ عظیمہ کے لرزہ خیز اثرات صرف سرزمین ہند تک ہی محدود نہ رہے بلکہ پورے عالم اسلامی پر چھا گئے ہم وطنوں کے خرمن صبر وسکون پر بجلی گر رہی تھی۔ غیر اہل وطن بھی اپنی جگر خراش آہ ضبط نہ کر سکے۔ ذیل کا مضمون استاذ مکرم شیخ عبد المنعم النمر مدظلہ کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ سانحۂ فاجعہ کے موقع پر آپ حیدر آباد تھے۔ سفر سے واپسی کے بعد موصوف مزار شیخ پر حاضر ہوئے تو اپنے امنڈتے ہوئے آنسوؤں کی روانی نہ روک سکے۔ جب اس منظر کا تصور کرتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ مضمون ہذا بانداز دیگر انہیں جذبات وعقیدت ومحبت کی تفسیر ہے جو مزار شیخ پر اشکوں کی صورت میں اُبل پڑے تھے۔

(مترجم)

فی الشهر الماضی انطوت صفحة مجيدة لرجل عظيم قل ان يجود بمثله الزمان بعدنا ظل يشغل التاريخ ويتعبه فی تتبع اعماله اکثر من نصف قرن، والتاريخ لا يفتح صفحاته ولا يعنی الا بالنوادر من الرجال ولقد كان مولانا المدنی عليه رحمة الله نادرة من نوادر التاريخ واعجوبة من اعاجيب الرجال فی هذا الزمان و من اجل ذالك يجد المورخون متاعب فی تدوين صفحات اعماله كما يجد الكاتب الذی يريد ان يكتب عنه صعوبته فی الكتابت خفی اية ناحية يكتب وای جانب من جوانبه يسجل، وجوانبه كلها لامعة مشرقة عرفته عن قريب منذ جئت الی دیوبند من عامين و تكشفت لی جوانب من شخصيته فكانت تاخذ فی الدهشة ان يوجد فی مثل هذا الزمان رجل كهذا الرجل، وقد سررت باشياء كثيرة عرفتها منذ قدمت الی الهند ولكنی كنت سرورا بمعرفتی بهذا الرجل النادر الذی اعادلی ذكرتی ذكری رجال عظماء من سلفنا الصالح كنت اقرء عنهم فی بطون الكتب واقول لقد انقضی هو لاء بانقضاء زمانهم فاذابی اجد فی الهند رجلا علی غرارهم علماء غزيرا وتقوی صادقة وصوفيه صافية وجهادا مخلصا وكل ذالك فی صمت وتواضع وانكار ذات يخيل لك انه رجل عادی وما كان الا عظيما و نادرا۔

كان يحرص علی ان يكتب فی توقيعه ننگ اسلاف وليس ذالك كله الاسمة الرجال الصالحين

گذشتہ ماہ ایک عظیم ہستی ہم سے رخصت ہو گئی۔ ایسی ہستی جس کے لیے زمانہ صدیوں چشم براہ رہتا ہے قلوب سراپا آرزو اور نگاہیں تصویر انتظار بنی رہتی ہیں تب کہیں جہاں نصیبوں کی قسمت جاگتی ہے تقریبا نصف صدی کی علمی، سیاسی اور قومی تاریخ خود اپنے فن پر نوحہ خواں ہے کیونکہ آج وہ رخصت ہو گیا جو اس میں آئے دن نت نئے ابواب کا اضافہ کرتا رہتا تھا۔ تاریخ پر اپنے کارناموں کی چھاپ لگانا دشوار سہی مگر مولانا مرحوم اپنے غیر معمولی عزائم کی بدولت اس کے صفحات پر انمٹ گہرے اور روشن نقوش چھوڑ گئے آپ کی عظمت اور عبقریت مورخ کے لیے حیران کن ہے۔ لکھنے والا یہی سوچا رہ جاتا ہے کہ وہ آپ کی زندگی کے کس پہلو کو اجاگر کرے اور کس سے اغماض برتے۔ جب کہ آپ کے کردار کا ہر رخ یکساں تابناک اور جاذب نظر ہے

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

قیام دیوبند کے دو سال کی مختصر مدت ہی میں مجھے مولانا مرحوم سے قریب ہونے اور ان کی شخصیت کو پوری طرح پہچاننے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ سے جتنا قریب ہوتا گیا میری حیرت اور میرے استعجاب میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہا اور بالآخر انگشت بدنداں مجھے یہ سوچنا پڑا کہ کیا اس گئے گزرے دور میں ایسی گراں مایہ اور بے بہا ہستیاں ارض ہند میں موجود ہیں۔

یہاں آکر بہت سی قابل قدر اور مسرت افزا چیزیں ہمارے علم میں آئیں لیکن اس برگزیدہ ہستی کی زیارت اور ملاقات سے ایک روحانی کیف اور عظیم قلبی سرور میں نے محسوس کیا کیونکہ آپ نے ہمارے اسلاف کی یاد تازہ کر دی جن کے حالات ہم نے صرف کتابوں میں پڑھے تھے اور کچھ ایسا محسوس ہوا تھا کہ وہ لوگ زمانہ کے ساتھ گزر گئے اور اب ان جیسوں کا ظہور اسی طرح دشوار ہے جیسے کہ زمانہ کی واپسی لیکن ہم نے مولانا مرحوم کو علم تقوی، تصوف وجہاد، خلوص وللّٰہیت ہر شئی میں سلف صالحین کی جیتی جاگتی تصویر اور ان کا سچا نمونہ پایا اور اس عظمت کے باوجود آپ میں اسی قدر طبعی فروتنی اور سچی خاکساری، نام ونمود سے گریز اور اپنی خوبیوں کی پردہ داری کہ لفظ

المخلصين الذين يندر وجودهم في هذا الزمان فلقد تعودنا من الزعماء والعظماء ان يتحدثوا عن انفسهم ويزيدوا في اقوالهم عن اعمالهم ولكن عظيمنا لم يكن من هؤلاء ولاشئ الا لانه مدفوعًا في حياته بايمانه الصادق واخلاصه الوافر لربه في وطنه فلم يكن يتحدث الى الناس ولكنه كان يناجي الله ويتجه اليه في كل خطوة من خطرات نفسه لانه لم يكن يرجوا من احد جزاء ولا شكورا۔ قد تجد عظيمنا نبغ في السياسة و حمل عب الجهاد مع المجاهدين ولكن لم يكن له الا هذه الصفحة في تاريخه وقد تجد عظيمًا نبغ في العلم واصبح من افذاذ ولكن لم يكن له الا هذه الصفحة في تاريخه وقد تجد صوفيا تبحر في التصوف وهدى الكثير من الناس الى طريق الله المستقيم ولكنه اقتصر على محرابه ودعواته ولم يكن له الا هذه الصفحة من التاريخ وكل جانب من هذه الجوانب كاف لان يجعل صاحبه في عداد العظماء وكان العجب في مولانا

ایک معمولی اور عام شخص نظر آتے تھے لفظ "ننگِ اسلاف"، کو تو آپ نے جزو دستخط ہی بنالیا تھا ایسے دور میں جبکہ ہر شخص اپنے معمولی سے معمولی کام کو کارنامہ کی شکل دینے کے درپے ہے آپ کا اخفاءِ کمالات اور اپنے عظیم کارناموں کو ہیچ تصور کرنا، بے نفسی، حب الوطنی اور اخلاص فی النیت کا بین ثبوت ہے چونکہ آپ کا ہر عمل آپ کی تمام تر جدوجہد آپ کا جذبۂ حب الوطنی اور خدمتِ خلق سب کچھ اپنے مولیٰ کی رضا جوئی کے لیے تھا اس لیے کہیں بھی اور کسی وقت بھی آپ کے ذہن میں داد طلبی یا مدح سرائی کی خواہش کا تصور بھی پیدا نہ ہوا اور ہوتا بھی کس طرح۔ جب کہ آپ کا ذہن ہمیشہ تصورِ الٰہی سے پرنور، دل اس کی محبت سے سرشار اور کردار آیۃ "لا نرید منکم جزاء ولا شکورا" کا آئینہ دار رہا۔

تاریخ کے اوراق پر ہمیں بے شمار صورتیں ابھرتی اور دھندلاتی ہوئی نظر آتی ہیں کوئی ماہر سیاست داں کی حیثیت میں ظاہر ہوتا ہے تو کوئی دلیر مجاہد کے روپ میں، کوئی علمی حیثیت سے یکتائے روزگار ہے تو کوئی تقویٰ و پرہیزگاری میں یگانۂ زمانہ، لیکن ایک طویل مدت سے اوراقِ تاریخ کسی ایسی ہستی کے تذکرہ سے خالی تھے جو مختلف خوبیوں کا سنگم اور ان اسلاف کا پورا نمونہ ہو جو رھبان فی اللیل وفرسان فی النہار" کے صحیح مصداق تھے غرض کہ قدرت نے مولانا علیہ الرحمۃ کے ذریعے سیاست کو نوازا، مسندِ علم کو رونق بخشی، خلوص و للّٰہیت کو آشکارا کیا۔ جذبۂ جہاد و حریت کو عزت دی اور تاریخ و تصوف میں ایک ...

المدني في انه يجمع في شخصيته كل هذه الجوانب وتلك هي ميزته النادرة بين العظماء

وليس على الله بمستنكر ان يجمع العالم في واحد

كان رجلاً سياسيا نظيفا ولم يكن في سياسته ينظر تحت اقدامه ويقتصر على شؤون وطنه وانما كان سياسيا بعيد النظر يربط بين سياسة بلاده وسياسة الامم الاسلامية و الشرقية ويفهم تياراتها المختلفة ويعمل من اجل بلاده والبلاد اسلامية كلها وقف في اجتماع "سورت" في اكتوبر سنه ۱۹۵۶ء يثني على مصر وعلى جمال عبد الناصر في وقفة المجيدة من المغرب في تاميم القناة ويدعو المسلمين في كل مكان الى تائيد مصر قلعة الاسلام وحصنه المنيع وشد ازرها ضد المغرب وحين وقع الاعتداء الغاشم عليها صدر ندائه المعروف لاهل الهند جميعا كي يساعدوها ويتبرعوا عن المنكر بها وزرته مرة بعد ذالك فبا تئغ في اكرامي وقال نعم انتم اهل مصر لقد اذ للتم الغرب ورفعتم من شاننا وشان الشرق ... كيف

مولانا حسین احمد بے نظیر سیاست داں تھے ایسی سیاست جس میں اتھاہ سمندر کی سی وسعت گہرائی اور سکون ہو۔ نہایت پاکیزہ زمزم کے چھینٹوں سے دھلی ہوئی حرم نبویؐ کی فضاؤں میں پروان چڑھی ہوئی سیاست، وہ سیاست جو شیخ الہند علیہ الرحمۃ کی حب الوطنی کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی مولانا علیہ الرحمۃ دوررس نگاہ اور صائب الرائے کے مالک تھے آپ کی نگاہ صرف ہندوستان ہی کے بدلتے ہوئے حالات پر نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلامی بلاد شرقیہ اور امم عربیہ کے احوال پر مرکوز رہتی تھی۔ آپ حالات کے دھارے کے صحیح رُخ کو خوب سمجھ کر ایسا قدم اٹھاتے جو وقتی جذبات اور عارضی ہیجان بے معنی جوش و خروش کے بجائے انصاف و عدل اور جذبۂ فلاحِ انسانی پر مبنی ہوتا تھا گزشتہ اجلاس سورت کے موقع پر آپ نے سیاستِ مصر کی تائید اور جمال عبدالناصر کے موقف کی پوری پوری حمایت کی۔ ہر موقع پر نہر سویز کے قومیائے جانے پر مسرت اور مرکزِ اسلام مصر کی تقویت کے جذبہ کا اظہار فرمایا صرف یہی نہیں بلکہ جب کئی ایک استعماری طاقتوں نے مل کر مصر پر انسانیت سوز اور تباہ کن مظالم کا آغاز کیا تو آپ نے اہلِ ہند سے مصر کے لیے ہر ممکن اعانت اور مالی چندہ کی پُرزور اپیل کی، جب جنگ بند ہو گئی اور اہلِ مغرب کو مصر کے مقابلہ میں منہ کی کھانا پڑی۔ اس کے چند دن بعد میں حضرت مولانا مرحوم کی خدمت میں بغرض ملاقات حاضر ہوا۔ آپ نے حسبِ عادت نہایت محبت کا اظہار فرماتے ہوئے خاکسار کے اکرام و احترام میں بہت زیادہ مبالغہ فرمایا اور میری کم مائیگی کے اظہار پر فرمانے لگے کہ

لانكرمكم »، واحسست منه عليه رحمة الله روح الفرح والـزهو زهو المؤمن المجاهد الذى يرى ذلة عدوّه الغاشم الذى طالما تجبر وظلم اهل الشرق۔

وكان رجلا متبحرا فى العلم اغترف من دار العلوم ديوبند فى مستهل شبابه ثم رحل الى المدينة واشتغل بالعلم وجلس فى الحرم النبوى يدرس وليفيد محتسبا لوجه الله وحين وجد عمله فى المدرسة التى كان تتقاضى منها اجراً تتعارض مع تدريسه فى الحرم النبوى ترك وظيفة المدرسة وجلس ليلاً ونهارا۔ يدرس الحديث و التفسير واللغة العربية فى الحرم دون ان ينتظر جزاء الا من الله۔

حتى اذا عاد الى الهند بعد الاعتقال لم ينقطع عن التدريس والافادة۔ بل جعل اهم عمله فى ساحة الدرس لا يمنعه من التدريس الا سجن او اعتقال۔ حتى اصبح نابغة عصرة فى العلوم ولا سيما علوم الحديث وكان يتحدث

اہلِ مصر کا احترام کیوں نہ کیا جائے جب کہ انہوں نے سامراجی قوتوں کے مقابلہ میں بلادِ شرقیہ ہی نہیں بلکہ تمام انصاف پسند ممالک کی لاج رکھ لی۔ حضرت نے یہ فرمایا اور آپ کے چہرے پر ایسی مسرت کی لہر دوڑ گئی جو مسرت کسی مردِ مجاہد کو ظالم کی پسپائی اور ذلت و رسوائی دیکھ کر حاصل ہوتی ہے۔

موصوف علیہ الرحمۃ کی پوری زندگی جذبۂ جہاد اور خدمتِ خلق علوم دینیہ کا پرتو ہے۔ اوائل عمر میں دیوبند سے علمی سیرابی حاصل کی اور فراغت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہیں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے آپ نے بھی مسجد نبویؐ میں تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا اور جب دیکھا کہ حرمِ نبوی کے اوقات درس سے اس مدرسہ کے اوقات متعارض ہوتے ہیں جس میں آپ باقاعدہ ملازم تھے تو آپ نے مدرسہ کی ملازمت ترک فرما دی اور حرمِ نبویؐ میں خالصۃً لوجہ اللہ تدریس حدیث و تفسیر اور تعلیم ادب عربی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے صرف مدینہ ہی میں رہتے ہوئے نہیں بلکہ جہاں بھی تشریف لے گئے تدریسی سلسلہ کو مدت العمر تک اپناتے رکھا۔

اس راہ میں قید و بند کی صعوبتوں کے سوا اور کوئی شے ظاہری رکاوٹ نہ بن سکی۔

عربی زبان پر آپ کو ایک عربی نژاد شخص جیسی قدرت تھی اور فنِ حدیث میں ہر شخص آپ کی مہارت کا لوہا مانتا تھا رسول علیہ السلام ہی سے نہیں بلکہ حدیث رسولؐ سے بھی آپ کو عشق تھا۔ طویل سفر سے واپسی کے بعد بغیر آرام کیے ہوئے

كنت اراه حين يعود من رحلاته الطويلة المتعبة ليلا يتجه الى ساحة الدرس المجيبة لديه ويجلس لطلابه يدرس حتى منتصف الليل برغم تعب السفر ومشقاته على رجل كبير السن مثله وكان فى بدء مرضه يخرج الى الدرس برغم نصح الاطباء له بعدم الخروج والكلام ويدرس البخارى ويقضى لساعات مع حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يشق على نفسه ولا يبالى بمرضه ولا يريح جسمه فكنت اعجب لهذا الرجل الذى لا يعرف طعم الراحة واردد قول الشاعر وكانه عناه حينما قال

واذا كانت النفوس كبارًا
تعبت فى مرادها الاجسام

وكان صوفيا بالمعنى اسامى لهذه الكلمة ـــــ تعاليم دينه نبراسا لهداية الناس ويتمسك بسنة رسول الله لا يحيد عنها جعل همه وغايته توجيه الخلق الى الخالق وتربيتهم تربية روحية صافية لا بدع فيها ولا خرافات لا ينام الليل الا غرارًا ويجعل اكثر وقته لربه يتلو كلامه ويتهجد ويناجيه والناس نيام حتى اذا رأيته كذالك او سمعت عنه ظننت انه رجل

اور درس کا سلسلہ عموماً نصف شب تک جاری رہتا۔ مرض اور پیرانہ سالی کے باوجود آپ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ مرض وفات کے ابتدائی زمانہ میں اطبا کی ممانعت کے باوجود صحیح بخاری کا درس دیتے رہے حالانکہ ڈاکٹروں نے بات چیت کرنے اور مکان سے باہر نکلنے کی بھی سخت ممانعت کر رکھی تھی۔ بخاری شریف کا یہ درس کئی کئی گھنٹے جاری رہتا آپ کو نہ اپنے جسم کی پروا تھی نہ مرض کی۔ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ یہ شخص راحت و آرام کے مزے سے گویا آشنا ہی نہیں ہے۔ آپ کو جب دیکھتا تو زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا تھا

ترجمہ شعر

”جب کہ نفوس باعظمت ہو جاتے ہیں تو ان کے مقاصد بلند ہو جاتے ہیں کہ جسم ان کے سامنے چور ہو جاتے ہیں۔“

مولانا مرحوم بہت بڑے صوفی تھے لیکن آپ کا تصوف بدعت و خرافات سے بہت بلند سنتِ رسولؐ کے سانچہ میں ڈھلا ہوا اور دینِ متین کا آئینہ تھا۔ رات کو ذرا سی دیر آرام فرماتے اور باقی وقت رات اذکار و تہجد میں مشغول رہ کر گزارتے لیکن رات کی ریاضتِ شاقہ دن کے معمولات پر قطعاً اثر انداز نہ ہوتی۔ ادھر دن نمودار ہوتا ادھر آپ گوشۂ ریاضت سے باہر آتے۔ مہمانوں کی خدمت متوسلین کی تربیت، فرائض تدریس و نظامت غرض کہ اپنی تمام ذمہ داریوں سے اس طرح عہدہ برآ ہوتے ہوئے نظر آتے کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا۔

الناس عن سواعدهم لاعمالهم رايته يسبقهم الى العمل والى الدرس فى بيته وفى المدرسة وفى رحلاته الكثيرة كانت تشغل جل اوقاته فتعجب لهذه الطاقة فى رجل كبير بلغ هذه السن ولكن عجب فتى كان الاخلاص هو الذى يقود الانسان للعمل فانه لا يحس التعب بل يستعذ به فى سبيل غاياته واهدافه وكان مجاهداً يوم جهيهه دينه الى جهاده ولا يدفعه اليه الا الايمان به وتصديق لرسله وقف فى محاكمة كراتشى سنه ۱۹۲۲ والانجليز فى اوج عظمتهم خرجوا من الحرب الاولى منتصرين بقول وسيف الحكم مصلت على رقبته انى رجل دين ودينى يامرلى بجهادكم اذا تعاونت معكم اوهادنتكم او قصرت فى دعوة قلوبى للجهاد ضدكم فانكم اعدائى واعداء بلادى ولا معاونة مع العدو واسمع الانجليز بذالك مالم يسمعوه من غيره حتى ذهلوا۔ واسمع رجالات الهند مالم يسمعوه من مجاهد غيره واراهم من جرأته والخلوصه آية وقف امامها اخوانه المجاهدون متعجبين حتى ان مولانا محمد على وكان زعيماً مجاهداً مشتركا معه فى المحاكمة طأطأ على رجله يريد تقبيلها وهو يقول ما رأيت من قبل وما سمعت من مجاهد ما سمعته منك الآن، نعم ولا يعرف

ہے جس نے مقدمہ کراچی کے موقعہ پر ایک جابر حکومت کے سامنے دلیری سے فرمایا کہ "میں ایک دیندار آدمی ہوں میرا دین مجھے تمہارے ساتھ ترک تعاون اور جہاد کا حکم دیتا ہے" یہ وہ دور تھا جب کہ انگریزی سامراج کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ انگریز قوم پہلی جنگِ عظیم کی فتح کے نشے میں چور تھی۔ ہمہ وقت حکومت کی آبدار سنگینیں اور رائفلوں کی جگر پاش گولیاں وطن پرستوں کے سینوں میں پیوست ہونے کے لیے بے تاب رہتی تھیں۔ آپ کی اسی بے مثال جرأت پر مجاہدِ اعظم مولانا محمد علی مرحوم نے قدم بوسی کے لیے جھکتے ہوئے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ آپ پہلے وہ شخص ہیں جن سے برطانوی دورِ حکومت میں انہوں نے اتنی بے مثال جرأت کا مظاہرہ کیا قید و بند کی صعوبتوں اور انگریزوں کے مظالم کے باوجود نہ تو آپ کے جوشِ جہاد میں کمی آئی اور نہ جذبہ حب الوطنی میں کمزوری حالات کی تیز و تند ہواؤں اور جذبات کے خوفناک جھکڑوں نے بڑے بڑے کوہ پیکر اہل عزائم کو کنکریوں کی طرح اچھال دیا لیکن اس وقت بھی آپ ایک مستحکم چٹان کے مانند اپنی جگہ جمے رہے۔ مالٹا اور ہندوستان کے زندانوں کی سلاخیں آپ کے آہنی عزم اور ان کی دیواریں، آپ کے جذبہ حب الوطنی و حرارت ایمانی کے ثبات پر شاہد ہیں۔

آزادیٔ وطن کے حصول کی راہ میں سب کچھ کرنے اور سب کچھ سہنے کے باوجود [illegible]

الفضل من الناس الا ذووه وما عرف مهادته مع الانجليز طول حياته، وما وهن ولا ضعف ولا استكان ولم يرهبه سجن ولم يذعه قيد۔ بل كان يخرج من سجنه وكانه كان يستريح ليخرج وهو معنى عزيمة واشد قوة فى جهادهم والدعوة ضدهم حتى قضى اكثر من عشر سنوات صنيفا كريما على السجون فى مالطا وفى الهند حتى اذا نالت البلاد حريتها وسلمت امورها لابنائها ترك هذا الميدان فى صمت وكان كالقائد الذى يكسب المعركه يتردد ميد انهادون ان يتحدث عن المعركة التى كسبها او يمن على الناس بما بذله فى سبيلها او ينتظر جزاء او شكورًا او يبعث عن مغنم له او لاحد من اقربائه واصفيائه وهم كثيرون حتى الوسام الذى انعمت عليها الحكومة به بعد الاستقلال تقدير الجهاد زهد فيه واعتذر عن حمله بحجة ان العلما الاسلاف لم يتعودوا احمل مثل هذا او نصرف الى الدرس والعلم والرحلات تلبية لدعوات احبائه وابنائه وتلامذته ومريديه يذكر المسلمين ويهديهم ويرشدهم الى طريق ربهم۔ وكنت اشفق عليه من هذه الرحلات ويشفق عليه محبوه ولكنه ما كان يشفق على نفسه حتى عاد من رحلته الاخيرة فى آسام وفى وطنه وشكا من المرض [illegible] منذ

کے ہاتھوں میں آگئی تو کسی مادی منفعت کی طرف نگاہ اٹھائے بغیر خاموشی کے ساتھ میدان سے ہٹ گئے، صرف یہی نہیں بلکہ آپ نے حکومتِ ہند کے پیش کردہ خطابات و تمغے کو شکریہ کے ساتھ یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ :

"وطن کی راہ میں میری خدمات ہی کہاں اتنی عظیم ہیں کہ اس قسم کی اعزازی چیزوں کا مستحق بنوں"

ہندوستان کو آزادی ملنے کے بعد آپ ہمہ تن درس و تدریس، ارشاد و ہدایت اور احیاءِ سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں منہمک ہو گئے۔

اور جہادِ اصغر سے فراغت کے بعد لوگوں کو جہادِ اکبر کا سبق دیتے رہے یہاں تک کہ ۵/ دسمبر ۵۷ء بروز جمعرات یا ایتھا النفس المطمئنة کی سکون بخش ندائے آسمانی پر "عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔

مولانا مرحوم کے آخری اسفار صرف میرے ہی لیے نہیں بلکہ ان کے ہر محب کے لیے باعثِ تشویش بنے رہے۔ لیکن آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے یہ بات بعید تھی کہ کسی کے بلاوے کو رد کرتے اگرچہ آپ کو اس سلسلہ میں کتنی ہی مشقتیں کیوں نہ برداشت کرنی پڑتیں۔

سفرِ آسام سے واپسی کے بعد آپ کی علالت سے میرا دل لرز اٹھا تھا کیونکہ پیش آنے والے خوفناک الم انگیز دن کی ہولناکی اس وقت اور شدت سے محسوس ہوتی تھی جب کہ دار العلوم اور عام مسلمانوں کی حالت پر غور کرتا اور

عرفته و عرفت مكانته اشفق
عليه من المرض وكنت حقيقةً
اشفق على المسلمين وعلى دار العلوم
من مرضه وكنت دائم التكفير في
مثل هذا اليوم الذى لقى فيه ربه
وفى الفراغ الكبير الذى يتركه
واتلفت حولى فلا اجد من يماثله
بل ولا من يقرب منه فى عظمته
ومكانته فيزداد همى وتفكيرى
وحين عزمت على السفر الى
الجنوب فى اوائل نونمبر الماضى
حرصت على زيارته قبل السفر
وتحدثت معه فى حجرته قرابة
ساعتين عن تاريخ الحركة الهندية
من اجل الاستقلال وعن شؤون
مصر وسوريا والعالم الاسلامى
ومايجرى فيه الآن من تيارات۔
وما تفعله بعض دول الشرق
الاسلامية من مساعدة الغرب
والارتماً فى احضانه ونصر
السياسة الاستعمارية فحدثنى
عن كل ذالك حديث المؤمن
المجاهد الذى يرى فى الوحدة
الاسلامية خير طريق لنجاة
العالم الاسلامى وحدثنى عن حركة
الهند الاستقلالية ومشاركته
فى تواضع اشعرنى انه لا يتحدث
عن نفسه وكانه كان يتحدث عن
شئ بسيط قام به لا يستحق
الذكر فتعجب لهذ الرجل الذى
قام بكل ما قام به ثم اذا جاء
الحديث عنه مر به مروراً عاديا
كانه يستصغره، وقلت فى نفسى
هكذا يكون العظماء حقا۔

اور اس عظیم خلاء کا تصور آتا جو آپ
کے بعد پیدا ہونے والا تھا اور
ہو چکا ہے کیوں آپ کی وفات کے
بعد کوئی ایسی ہستی نہیں رہی جو آپ
کے مماثل ہوں یا اسے آپ کی
عظمت کے مقام کا قرب ہی حاصل ہو
اوائل نومبر میں جنوبی ہند کے
سفر سے قبل مولانا سے ملاقات کرنے
گیا۔ تقریباً دو گھنٹے گفتگو ہوتی
رہی۔ گفتگو کا اکثر و بیشتر حصہ ہندوستان
کی تحریک آزادی کی تاریخ اور بلادِ
اسلامیہ مصر و شام وغیرہ کے بدلتے
ہوئے حالات سے متعلق رہا۔ بلادِ
اسلامیہ کے بارے میں آپ کے خیالات
وہی تھے جو ایک مومن مجاہد کے ہو
سکتے ہیں۔
آپ کی گفتگو کا ماحصل یہ تھا کہ
بلادِ اسلامیہ کی کامیابی کا راز استعماری
قوتوں سے مکمل آزادی اور باہمی اتحاد
میں ہی مضمر ہے۔
ہندوستان کی جنگِ آزادی کے
بارے میں بھی بہت سی معلومات
فراہم کیں اور ان تحریکات کا بھی
تذکرہ کیا جس میں آپ شریک تھے
لیکن گفتگو سے صاف ظاہر تھا
کہ اپنے کارناموں کو حتی الامکان
بیان ہی نہیں کرتے۔ اور اگر
بیان بھی کرتے تو ان کو بہت
معمولی شکل دے کر پیش کرتے۔
میں بھی آپ کی گفتگو سنتا
رہا اور ساتھ ہی ساتھ سوچتا
رہا کہ بے شک عظیم شخصیتیں
ایسی ہی ہوتی ہیں جو سب کچھ
کرنے کے [illegible]

لا ينتظرون الى الماضى ولا
يستكثرون عملا قاموا به وانما
يتجهون الى المستقبل يرجون
المزيد منه
وودعته وانا ارجو العودة
الى مثل هذه الجلسة مرة ومرات
وماكنت ادرى ان هذه آخر جلسة
معه وآخر متعة روحية ونفسية
اقضيها فى جلسته۔ وحين سمعت
نبأ وفاته وانا فى حيدرآباد قلت
وقع ماكنت اخشاه ومات الرجل
العظيم وهدأ القلب الكبير و
انطفأ السراج الوهاج ورحل
عنا كريم من امثلة السلف الصالح
فمن لنا بمثله والزمان عقيم اى
مولانا لقد اتعبت من خلفك بعد
مماتك فمن ذا الذى يجلس
مجلسك او يقوم مقامك او
يجاهد جهادك او يسد فراغك؟
اى مولانا لقد عشت طول حياتك
متصلا بالله حتى لقيته فلا خوف
عليك وانما الخوف علينا من
بعدك فلنا الله وانا لله وانا
اليه راجعون وسلام عليك مع
النبيين والصديقين والشهداء
والصالحين وحسن اولئك رفيقا"
وانا نتجه الى الله القدير بقلوب
ملؤها الامل والرجاء ان يرعى
جمعية العلماء ودار العلوم ويشد
ازر القائمين بهما ويوفقهم
الى ما فيه خير الاسلام والمسلمين
فنعم المولى ونعم النصير۔

مستقبل کے بارے میں سوچتی رہتی
ہیں تاکہ کسی نئے ڈھنگ سے
خدمتِ خلق انجام دے سکیں۔
غرض کہ طویل گفتگو کے
بعد آئندہ ملتے رہنے کا وعدہ کر
کے مولانا سے رخصت ہوا
لیکن ...... آہ ..... کسے معلوم
تھا کہ یہ آخری گفتگو اور میرے
لیے یہ آخری روحانی فیض ہے۔
اثنائے سفر میں خبرِ وفات سن
کر دل پر ناقابلِ بیان چوٹ سی
لگی اور بے اختیار زبان سے
نکل گیا کہ: آہ وہ دن آخر
آہی گیا جس کے تصور سے
قلب کانپتا تھا،، آج ایک
عظیم ہستی رخصت ہو گئی امت
کے دل کی حرکت بند ہو گئی۔
آفتابِ ہدایت غروب ہو گیا
رہنمائے شریعت چل بسا۔ اپنی
راہنمائی کے لیے اب رہبر تلاش
کرنے کہاں جائیں؟
اے خلقِ مجسم اور مجاہدِ اعظم! آپ نے
پوری زندگی قوم و وطن کے لیے مشقتوں
میں گزار دی اور اب قوم کو مضطرب چھوڑ
کر چل دیے۔ آخر یہ تو بتایا ہوتا کہ آپ
کی جگہ کون سنبھالے گا۔
اے میرے محترم! آپ شریک:
زمرۂ لایحزنون،، تھے اس
لیے آپ کو آخرت کا کیا غم لیکن ہم مصیبت
کے ماروں کا کیا ہوگا؟ انا للہ وانا
الیہ راجعون۔ آپ پر اور آپ کے
بہترین رفقاء انبیاء و صدیقین شہداء
اور صالحین پر ہزاروں سلام نازل ہوں۔

مات رجل والرجال قلیل
ایک مرد تھا وہی چل بسا

بقلم حضرت الاستاذ الفاضل مولانا عبد العال العقباوی
عضو بعثة الازهر والمؤتمر الاسلامی بدار العلوم دیوبند
از جناب مولانا عبد العال صاحب عقباوی رکن بعثہ مصری
ترجمہ: از جناب مولانا نعمان الحق صاحب بجنوری ناظم مدرسہ عربیہ

فی یوم الخمیس ۱۲ من جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ ۵/ دسمبر سنہ ۱۹۵۷ء انتقل مولانا حسین احمد المدنی شیخ الاسلام والمسلمین فی الهند الیٰ جوار ربه راضیا مرضیا۔

بعد حیاةٍ حافلة بالجهاد والعمل والنَّصِیْحَةِ والفداء و فی صبیحة یوم الجمعة ۶/ دسمبر سنة ۱۹۵۷ء وکنا فی حیدرآباد الدکن قادمین من رحلتنا فی جنوب الهند حملت الینا اسلاک البرق وموجات الاثیر نبأ وفاة هذا الشیخ الجلیل فاحسست حینئذٍ کان شمسا تغیب فی سماء الهند۔ او قمرًا مضیئًا ینطفیٔ فجاءة فیسدل اللیل البهیم استاره الکثیف علی الارض فلتبدو سوداء قاتمة

واخذ هذا الخبر الالیم ینتشر بین الناس وهم بین مصدق ومکذب حتی صار فی منتصف النهار واضحا جلیا یتردد علی صفحات الجرائد و علی السنة الناس لا لبث فیه ولا خفاء۔ وتفرست فی وجوه

جمعرات کے روز ۵/ دسمبر کو حضرت مولانا حسین احمد مدنی شیخ الاسلام والمسلمین قدس سرہ العزیز جہاد وعمل سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد مرضیاتِ الٰہی پر رضامند دامنِ رحمت سے پیوست ہو گئے

ہم کو حضرت قدس اللہ سرہ العزیز کی اطلاع حیدرآباد میں ۶/ دسمبر ۱۹۵۷ء بروز جمعہ علی الصباح ریڈیو اور ٹیلی گراف کے ذریعہ اس وقت ملی جب کہ ہم جنوبی ہند کے دورہ سے واپس آ رہے تھے میں نے اس وقت ایسا محسوس کیا جیسے کوئی آفتاب ہند کے افق پر غروب ہو گیا ہے۔ یا اچانک کوئی ماہتاب ڈوب گیا ہے اور شبِ تاریک نے زمین اپنی سیاہ چادریں پھیلا دی ہیں اور ہر طرف گھٹا ٹوپ تاریکی ہی تاریکی ہے۔ یہ جاں گداز خبر بہت سرعت کے ساتھ لوگوں میں پھیل گئی۔ لیکن وہ اس کی تصدیق وتکذیب میں مذبذب رہے یہاں تک کہ دوپہر تک یہ خبر بالکل واضح ہو کر اخبارات کے صفحات اور لوگوں کی زبانوں پر آ گئی جس میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا۔ میں نے لوگوں کے چہروں کو دیکھا ان کی آنکھوں سے حیرانی و دہشت ٹپک رہی تھی ان کے لبوں پر سوال

القوم فکان الدهشة بادیة فی عیونهم وعلامات الاستفهام معقودة علی شفاههم وکان آذانهم لم تصدق ما سمعت رغم انه اصبح حقیقة واقعة لا سبیل الیٰ انکارها وقلت فی نفسی "ماذا دهی القوم؟ ولم هذه الدهشة؟ وما هذه التساؤل والذهول الذی غمر نفوسهم واستولیٰ علیٰ مشاعرهم الیس مولانا المدنی بشرا دعاه ربه فاستجاب الدعاء، والیس هو عبدًا من عباد الله ناداه مولاه فلبّٰی النداء"

ولکن هاتفا فی اعماق نفسی اجابنی بان مولانا المدنی حقا هو بشر ولکنه طراز خاص فی هذا الزمن۔ وعبد من عباد الله صدقا ولکنه فرید فی هذا العصر قل ان یکون له مثیل فی العالم الاسلامی کله لا فی الهند وحدها۔

ثم رجعت بفکری الیٰ تصور شخصیة هٰذا الشیخ وتصفحت بعض ما کان یتصف به من مزایا وفضائل۔ فاذا به شخصیة فذة نادرة، فقد وقف حیاته منذ صباه لخدمة بلاده۔ وجعل نفسه ملکا للمسلمین وخادمًا لدینه منذ شبابه یضحی بحیاته ویبیع نفسه فداء لوطنه فلا یبالی بسجن ولا نفی ولا تشدید، شارك شیخه

نشانات بنے ہوئے تھے۔ گویا ان کے کانوں نے اس جاں گداز خبر کی ابھی تک تصدیق نہیں کی۔ حالانکہ وہ ایسی حقیقت بن چکی تھی جس میں تردد و تذبذب کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔ میں نے قلب سے سوال کیا لوگوں میں یہ اضطراب کیسا ہے؟ یہ حیرانی و دہشت کس لیے ہے؟ علامات استفہام کیوں ہیں؟ کیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ انسان نہ تھے ان کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بلایا اور انہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا۔ کیا وہ بندگانِ الٰہی میں سے ایک نہ تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے طلب کیا اور انہوں نے اس کی دعوت قبول کر لی

لیکن ہاتف نے میرے دل کی گہرائیوں سے ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ صحیح ہے کہ مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ انسان تھے لیکن اس زمانہ میں ان کا مخصوص طرز تھا یہ سچ ہے کہ وہ بندگانِ الٰہی میں سے ایک تھے لیکن وہ اس زمانہ میں یکتا تھے جن کی نظیر ہند ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلامی میں غالبًا نہ مل سکے گی۔ پھر میں نے اپنی فکر کو حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی کے تصور کی جانب متوجہ کیا اور ان کی خصوصیتوں کو جن کی وجہ سے وہ دوسرے علماء سے ممتاز تھے۔ تلاش کرنے لگا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ انہوں نے بچپن ہی سے اپنی زندگی مسلمانوں اور جہاد وطن کے لیے وقف کر دی تھی اور عنفوان شباب ہی میں خدمتِ دین اور جہاد وطن کے فدیہ میں خود کو فروخت کر دیا تھا۔ وہ قید یا

محمود حسن طيله حياته
في الجهاد ولا زمه في النفي
ولم يرض لنفسه ان يكون
بعيدا عنه، فصاحبه في
السراء والضراء واخذ عنه
العلم وورث منه البطولة
فتسلم الراية بعد شيخ
الهند، وتقلد زمام المسلمين
وانعقد له اللواء فكان خير
خلف لخير سلف يتقدم الصفوف
بقلب شجاع، ويحمل لواء الثورة
ضد المستعمرين وله في ذالك
مواقف مشهودة تذكر فتحمد
وسيسجلها له التاريخ و
يحفظها على مر الدهور وفي
نفس الوقت كان يحمل في يده
مشعل النور والهداية ويشرف
على التعليم في دار العلوم ديوبند
التي تعتبر في الهند مركزا من
اكبر مراكز الثقافة الاسلامية
ومهدا للنور والعرفان. كما
تعتبر بحق دار تدريب لجنود
يحملون بين جوانحهم وطنية
متاججة، وحماسة الاسلام
ثائرة فكم خرجت من علماء
ربانيين. وكم قدمت للوطن
من زعماء سياسيين كان هؤلاء
وهؤلاء مثلا طيبا واثرا حسنا
في خدمة الوطن وخدمة
الدين بفضل اخلاقهم المشرفين
عليها من امثال مولانا حسين
احمد مدني رحمه الله و
سلفه من قبله من العلماء
العاملين.
وماذا يمكن ان نقول عن

جلا وطنی کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے اور
چٹانوں کی طرح اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ وہ
اپنے مرشد حضرت شیخ الہند مولانا محمود
حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جہاد و
وطن میں زندگی بھر شریک رہے یہاں
تک کہ مالٹا میں بھی انہیں کی خدمت میں
رہے۔ اور وہ اپنے لیے گوارا نہ کر سکے کہ
اپنے شیخ سے دور رہیں۔ آسائش و
تکلیف میں ان کے ساتھ رہے انہیں
سے علم حاصل کیا۔ حضرت شیخ الہند
ہی سے جرات و شجاعت میراث میں
پائی۔ ان کی وفات کے بعد کانگرس
اور جمعیۃ علماء ہند کا پرچم بلند کیا اور
ان کے صحیح جانشین بن کر مسلمانوں کی
قیادت کے فرائض سرانجام دیے ۔
فکان خیر خلف لخیر سلف
ایک طرف وہ جرات قلب ہے کہ صفوں
کو چیر کر انگریزوں کے خلاف علم جہاد
بلند کیا کرتے تھے (اور اس میں حضرت کے
ایسے کارہائے نمایاں ہیں جنہیں جتنی بار
بھی دہرایا جائے داد تحسین دینی پڑتی
ہے۔ تاریخ انہیں سنہرے حرفوں سے
لکھے گی اور رہتی دنیا تک وہ باقی رہیں
گے) تو دوسری طرف ان کے ہاتھوں
میں نور و عرفان کی مشعل تھی اور دار العلوم
جیسی مادر علمی میں مسند صدارت پر فائز
تھے۔ وہ دار العلوم جو اگر جانب
ہندوستان میں اسلامی تہذیب کا مرکز
اور نور ہدایت کا گہوارہ ہے تو دوسری
جانب ان سپاہیوں کی تربیت گاہ بھی
ہے جو اپنے پہلوؤں میں وطنیت کی بھڑکتی
ہوئی آتش اور اسلام کی پرجوش حمایت
لیے ہوئے ہیں۔ کتنے بڑے بڑے علماء
اور کتنے بڑے بڑے سیاسی زعماء کو
اس نے وطن کے لیے پیش کیا ہے

هذا الامام الجليل الفريد في
عصره والكتابة عنه تحتاج
الى سفر كبير ومجلد ضخم
حتى نوفيه حقه ولكن قصور
باعي في تصوير شخصيته لا
يمنعني من ذكر بعض مآثره
التي لمستها فيه بنفسي في هذه
الفترة القصيرة التي قضيناها
معه في دار العلوم ديوبند
وقديما قيل (مالا يدرك كله
لا يترك كله)
رأيته شيخا جليلا مهيبا
يجله تلاميذه اشد الاجلال
ويحبونه من اعماق القلوب
ويرتمون تحت اقدامه
ليغترفوا من علومه وفيوضه
كم رأيته شيخا متواضعا في

لوگوں کے لیے مخلصین دار العلوم کی کوششوں
کی بناء پر دین و وطن کی خدمت کے باب
میں مشعل راہ ثابت ہوئے اور حضرت
شیخ جیسے کتنے ان کے اسلاف کرام
میں باعمل علماء پیدا کیے ۔
حضرت قدس سرہ العزیز کے بارے
میں ہم کیا عرض کر سکتے ہیں ان کے حالات
اگر لکھے جائیں تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو
جائیں گے اور ان کا حق ادا نہ ہو گا۔ تاہم
میری کم مائیگی ان بعض خصوصیتوں کے
ذکر کرنے میں مانع نہیں ہے جن کو میں
نے اپنی آنکھوں سے دار العلوم کے
قیام کے اس قلیل عرصہ میں ملاحظہ کیا
کیا ہے۔ میں نے ان کو اگر ایک طرف
پر رعب اور عظیم المرتبت شیخ پایا جن کا
طلبہ حد سے زیادہ اکرام کرتے تھے اور
اعماق قلب سے ان کو چاہتے تھے

ملبسه يكتفي بلبس الثياب
الخشنة الرخيصة حتى ليبدو
للناظر اليه كانه فقير معدم،
وفي امكانه ان يلبس احسن
اللباس، ولكنه مع تواضعه
في لباسه كان مهيبا في مظهره
يملأ الاعين اجلالا واحتراما
ولقد ذكرتني حالته هذه
المتواضعة بما اثر عن الامام
الشافعي رحمه الله حيث قال

ع على ثياب لو يباع جميعها
بفلس لكان الفلس منهن اكثر
وفيهن نفس لو يقاس بمثلها
نفوس الورى كانت اعز واكبر

ورأيته رحمه الله زاهدا
لا يطلع الى منصب او جاه
بل يحتقر المناصب والجاه ومع
ذالك فقد وصل الى اعلى
المناصب واسنى المراتب التي
يتطلع اليها اصحاب الدنيا
وطلاب المناصب والرتب فرأيت
بنفسي كيف كان ينحني امامه
رئيس جمهورية الهند اجلالا
وتقديرا - ويعتبره استاذه
في الوطنية وزعيمه في الجهاد
وقد منحه رئيس الجمهورية
الهندية اكبر وسام في الدولة
تقديرا لجهوده وجهاده
لخدمة الوطن و تحريره
من الانجليز المستعمرين
فرفض ذالك بإباء
وشمم وقال انني فعلت
ما فعلت ابتغاء وجه
الله والوطن، وهذا

اور آپ کے انفاسِ طیبہ سے مستفید
ہونے کے لیے زیادہ سے زیادہ قریب
ہونے کی کوشش کیا کرتے تھے تو
دوسری جانب میں نے ان کو سادہ اور
سستے لباس میں ملبوس دیکھا حالانکہ
اگر وہ چاہتے تو عمدہ لباس بھی استعمال
کرسکتے تھے۔ مناظر کو سرسری نظر میں
ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ معمولی قسم
کے انسان ہیں لیکن جب وہ ان کو
گہری نظر سے دیکھتا تھا تو اس کی
آنکھیں احترام و تعظیم سے جھک جاتی
تھیں۔ ان کی اس عجیب و غریب کیفیت
کو دیکھ کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ
کے یہ اشعار بار بار یاد آرہے ہیں۔

على ثياب لو يباع جميعها
بفلس لكان الفلس منهن اكثر
وفيهن نفس لو يقاس بمثلها
نفوس الورى كانت اعز واكبر

ترجمہ: میرے لباس کے بدلہ میں اگر
ایک پیسہ لیا جائے تو یقیناً اس کی قیمت
میرے لباس سے زیادہ ہوگی لیکن ان
کپڑوں میں ایسا نفس ہے کہ اگر اسکا
تمام نفوسِ انسانی سے مقابلہ کیا جائے
تو سب پر بھاری رہے گا۔"

میں نے دیکھا کہ حضرت قدس
سرہ العزیز مراتب و مناصب کے
حصول کی طلب ہی سے نفرت نہ فرماتے
تھے بلکہ مناصب و مراتب کو بنظرِ حقارت
دیکھا کرتے تھے اس کے باوجود وہ
اس منصب و موقف پر تھے کہ اصحاب
دنیا جس کے حصول کی سعی ناکام کرتے
رہے ہیں۔ میں نے صدر جمہوریہ کو دیکھا
تھا کہ کس قدر تعظیم و تکریم سے وہ ان
کے آگے جھک گئے تھے اور جہاد

الوسام يجد من حريتي
في القول والرأي ولا
ان اكون مقيدا - وقد
كنت في عهد الانجليز
ضد هذا مع انه
شفع لكثير من الوزراء
فوصلوا الى منصب الوزارة
بوساطة واشارة وهذه
درجة لا يصل اليها
اصحاب المطامع
والشهوات ومع
ذالك كان رحمه
الله لا يبالي بهذا
ولا باكثر منه لانه
يتطلع الى شئ واحد
لا يرجو سواه وهو
القرب من ربه ورضا
نبيه ورسوله صلى
الله عليه وسلم وما
عداء ذالك من زخارف
الدنيا ومباهجها فلا
يساوي في نظره شروى
نقير ولا قطمير وقد
استوى عنده الصغير
والكبير والوزير والفقير بل
ربما كان ينظر الى
الفقراء والضعفاء ويرفق
بهم ويجلهم اكثر من
ذوي الجاه والسلطان ورأيته
رحمه الله دائم الاسفار مع كبر
سنه وضعف قوته، فيقطع
المسافات البعيدة وينتقل من
مكان الى مكان في جميع انحاء
الهند ولا يشكو تعبا رغم انه

وطن میں ان کو اپنا قائد تسلیم کرتے
تھے یہ وہ مقام ہے کہ اصحابِ دنیا
عمر بھر اسی کو نہیں پا سکتے۔ اس کے
باوجود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دل
میں اس کی ادنیٰ ترین وقعت بھی نہ
تھی اس لیے کہ وہ تو صرف ایک چیز
کے طالب تھے اور ایک ہی چیز کے
مشتاق و متمنی! ان کا مطلوب و مقصود
صرف تعلق باللہ اور اس کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضیات کے
مطابق عمل کرنا تھا اور اس کے
علاوہ کوئی چیز ان کی نگاہ میں کوئی
حیثیت نہ رکھتی تھی۔

ان کی نظر میں چھوٹے بڑے وزیر و
فقیر سب برابر تھے بلکہ بسا اوقات اصحابِ
جاہ و ثروت سے زیادہ غریبوں اور بیکسوں
پر نظرِ شفقت فرماتے تھے میں نے
حضرت رحمۃ اللہ کو بڑھاپے اور ضعف
قوت کے باوجود اکثر و بیشتر اسفار میں
دیکھا لمبی لمبی مسافتیں طے کرتے تھے
ہندوستان کے اطراف و جوانب میں دور
دور جاتے تھے حالانکہ حضرت رحمۃ اللہ
علیہ اسی سال سے متجاوز ہو چکے تھے
اس کے باوجود کوئی تعب محسوس
نہ کرتے تھے۔ بلکہ اپنے نفس میں سکون
اور اپنے قلب میں راحت پاتے تھے۔
اس لیے کہ آپ اپنے مریدوں اور مسلمانوں
سے ملاقات کرتے اور ان کے احوال پر
واقف ہوتے تھے ان کی شکایتوں اور
ضرورتوں کو بغور سنتے اور اپنی اصابت
رائے اور فکرِ صحیح سے ان مشکلات کا
حل ڈھونڈتے تھے جس میں وہ گرفتار
اور پابزنداں تھے اسی طرح ان اسفار
میں جگہ جگہ مجلسیں منعقد ہوا کرتی

تجاوز الثمانين سنة فما كان
يبالي بما يصادفه من المتاعب
في سبيل هذه الاسفار بل كان
يجد في ذلك راحة نفسه و
طمانية قلبه لانها تصله
باخوانه ومريديه، وتجعله
يقف بنفسه على احوال المسلمين
ويليس لهم الاخلاص مما
يعترضهم من عقبات برايه
السديد وفكرته الصائبة، كما
كان يعقد المجالس الروحية
في هذه الاسفار فيبايعه الالوف
من المسلمين وينضوون
تحت لوائه ، فيداوي
قلوبهم المريضة مما افاض
الله عليه من انكشافات وانوار.
كما رايته في بيته سمحا
كريما يرحب بضيوفه
ويبالغ في اكرامهم
ويلقاهم بابتسامة
مشرقة ووجه هاش
باش، ولا يمر يوم دون ان
يكون عنده العشرات من الناس
فكان بيته مقصدا للزوار
وملجاء للمؤذين وخلوة
للمتعبدين، ومنهلا للظامئين
لسلوك طريق الله القويم،
ولقد كان رحمه الله
محافظا على احياء السنة
و اماتة البدعة، يتمسك
باهداب رسول الله صلى
الله عليه وسلم في كل
شان من شئونه فكان
بحق عالما عاملا وصوفيا

تھیں اور ہزاروں مسلمانوں کو بیعت
سے مشرف فرما کر زمرۂ اہل اللہ میں
شامل کر لیا کرتے تھے نیز ان کے امراض
نفسانیہ کا اپنے انوار روحانی سے
علاج فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح میں نے حضرت نور اللہ
مرقدہ کو اپنے دولت کدہ پر بہت سخی
پایا۔ مہمانوں کا بہت زیادہ اکرام کیا
کرتے تھے۔ ہمیشہ خندہ پیشانی اور
ہشاش بشاش چہرے سے مہمانوں
کے ساتھ پیش آتے تھے۔
روزانہ آپ کے دسترخوان پر
دسوں مہمان کھانا کھاتے تھے
یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ
آپ کا دولت کدہ زائرین
کے لیے سراپا مقصد ،
فقیروں کے لیے ملجا اور عابدوں
کی منزل مقصود اور تشنگان
طریقت کے لیے منبع وسرچشمہ
تھا۔ بلاشبہ حضرت قدس سرہ
العزیز کا نصب العین سنت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو زندہ کرنا۔ اور بدعات
کو ختم کرنا تھا آپ
کا ہر فعل اور ہر قول
رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کے اسوۂ حسنہ سے
مستنیر تھا۔ آپ یقیناً علم و
عمل ، زہد و تقویٰ کے مجسم
پیکر اور نفس کے امراض باطنہ
کے لیے طبیب حاذق تھے
جس طرح کہ آپ ایک صداقت شعار
سیاسی قائد اور علوم ظاہریہ و
باطنیہ کے جامع تھے۔ اسی طرح

نظيفا ظاهرا وروحانيا
هافيا- عارفا باحوال القلوب
وطبيبا حاذقا في علاج
النفوس من الامراض
الباطنية- كما كان زعيما
سياسيا ووطنيا صادقا
جمع بين علوم الظاهر
والباطن كما كان فاهما
لشئون السياسية واحوال
الحكومات-

لقد كان رحمه الله امة
وحده يحمل بين جنبيه
قلبا كبيرا مضطلعا
بالاثقال من الاعمال وقد
مات رحمه الله وترك
ورائه تركة ثقيلة
يعجز عن حملها الكثير
من الناس فقد كان شيخ
الحديث في دار العلوم ديوبند-
كما كان مشرفا على شئون
التعليم في هذه الدار
الكبيرة- كما كان رئيسا
لجمعية علماء الهند
وزعيما روحيا وعالما
ربانيا- ولقد كان
بحق فريدا في عصره
وحيدا في زمانه-
قل ان يكون
نظير في العالم
الاسلامي- فلا غرابة
اذن- ان تنعقد
الدهشة على وجوه
الناس حينما اعلنت
الاذاعة والصحف نبأ

آپ سیاسی حالات اور حکومت
کے واقعات سے تجربہ رکھتے
تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ
اپنی ذات میں بے شک ایک
جماعت اور ایک انجمن تھے
جو اپنے دونوں پہلوؤں میں
ایک مضبوط قلب رکھتے تھے
اور نہ جانے کتنی گراں باروں
کو اٹھاتے ہوئے تھے۔ حضرت
رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ وہ
اپنے پیچھے ایسا ترکہ چھوڑ گئے کہ لوگ
اس کے اٹھانے سے قاصر ہیں اس
لیے کہ حضرت قدس سرہ العزیز بیک
وقت مادر علمی دار العلوم کی مسند صدارت
پر فائز تھے تو دوسری طرف وہ دار
العلوم کی نظامت تعلیمات کے فرائض
بھی انجام دیا کرتے تھے اسی طرح
حضرت رحمۃ اللہ علیہ جمعیۃ علماء ہند
کے صدر اور مسلمانوں کے عالم ربانی
اور روحانی پیشوا بھی تھے۔ بلاشبہ
حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ
کے یکتا تھے۔ عالم اسلامی شاذ
ہی ان کا بدل پیش کر سکے اور
کیا تعجب ہے! اگر لوگوں کے
چہروں سے حیرانی و دہشت ٹپک
رہی تھی جس وقت کہ ریڈیو سے
حضرت کی وفات کی اطلاع براڈ
کاسٹ کی گئی اور کیا تعجب ہے
اگر وہ اس کی تصدیق و تکذیب
میں مذبذب رہے ہوں اس لیے
نہیں کہ حضرت نور اللہ مرقدہ کا
وصال ہو گیا کیونکہ موت تمام بندوں
پر ایک ثابت اور نہ بدلنے والی
حقیقت ہے بلکہ اس لیے کہ اس

وفاته، ولا عجب ان يشكوا فى صحة الخبر عند سماعه۔ لا لانه مات فالموت حق على جميع العباد ولكن لانه ترك فراغا لا يسد وثغرة فى الاسلام قل ان تملاء۔

هذا بعض ما عرفنا من ظاهر اما ما خفى عنا من احواله الداخلية من عطفه على الارامل والايامىٰ، واخلاصه لربه وتهجده بالليل والناس نيام وتلاوته لكتاب الله فى جنح الظلام فنترك امر هذه الاحوال لمن هم اعرف منا بها ولمن هم اقرب اليه من اهله وذريته۔

وان كنا قد سمعنا منها ما قرأناه فى الكتب عن الصحابة والتابعين وتابعيهم رضى الله عنهم اجمعين وازاء ذالك لا يسعنا الا ان نقول ”مات رجل والرجال قليل“ فبايها لشيخ طب نفسا وقر عيناً بما قدمت من

خلا کا پر ہونا مشکل ہے۔ جس کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں“۔

یہ وہ چند باتیں ہیں جو ایک عام اور سطحی مطالعہ سے ہم پا سکتے ہیں لیکن ان کی داخلی زندگی کے احوال جیسے بیواؤں و یتیموں پر رحمت ورافت، آپ کا حق تعالیٰ کے ساتھ اخلاص، رات کی خاموشی میں تہجد کہ جب لوگ سو رہے ہوں۔ سکونِ شب میں تلاوتِ قرآنِ پاک یہ ایسی چیزیں ہیں جن کو ہم ان اقربا کے سپرد کرتے ہیں جو ہم سے زیادہ قریب ہیں۔

صحابہ اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسوۂ حسنہ کو جس طرح ہم نے سلف صالحین کی کتابوں میں دیکھا تھا بالکل اسی طرح حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کے علاوہ ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ”مات رجل والرجال قلیل“، اور اقبال مرحوم کی زبان میں ؎

اندروں ہے کدہ صد سال می نالد حیات
تا بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

رخصت اے شیخ مکرم: باری تعالیٰ تم پر خوب رحمتیں فرمائیں اور مسلمانوں کی ملی زندگی کو آپ کا صحیح جانشین عطا

صالح الاعمال، رحمك الله رحمة واسعة عرض المسلمين فيك خيرًا وجزاك الله عن الاسلام والمسلمين خير الجزاء والهمهم ذويك الصبر والسلوان“

کرے۔

شیخ مکرم! دعا ہے باری تعالیٰ آپ کو مسلمانوں اور اسلام کی جانب سے بہترین بدلہ عطا کریں اور آپ کے اندوہگیں وودماین کو صبرِ جمیل عطا کریں“

ذکرِ صدمۂ شدید

۱۳۷۷ھ

عریضہ بصر — شہر معروف ٹونک

۱۳۷۷ھ ۱۳۷۷ھ

سرگرانی لب پہ آہیں آنکھ میں پاتا ہوں نم
ہے بہت ہی قبلۂ عالم حسین احمدؒ کا غم
پرتوِ مولانا گنگوہی رح فقیہ و پیشوا
نقش شیخ الہند محمود الحسن رح زیب ارم
شیخ اسلام اے حسین احمد رح متین و کنزِ علم
تو ہمارے واسطے تھا ماہ عید و جامِ جم
تجھ سے تھا دار العلوم دیوبند اے حق پسند
بزم ملی کا تھا تو با اوج صدرِ محترم
بھولی بھٹکی قوم کا کامل رہا ہے راہبر
جا بجا سمجھائے تو نے راستے کے پیچ و خم
ہے بلا شک جنگِ آزادی میں تیرا اِک مقام
عیسٰی دم! ہندوستان ہے تیرا مرہونِ کرم
رہبرو دم سازِ ملت مرگ سے تیری ہوا
مبتلائے غم دلِ اہلِ عرب اہلِ عجم
ایسی جامع شخصیت علم و عمل کا آدمی
حشر تک واللہ بآسانی نہیں پائیں گے ہم
مرقدِ عالم حسین احمدؒ پہ نازل ہو خدا
رحمت و لطف و کرم تازہ بہ تازہ دم بہ دم

۱۹۵۷ء

دمعۃ علی العلم

زوال علم پر چند آنسو

ایک رقت انگیز فصیح و بلیغ مرثیہ

القصیدۃ الباکیۃ النفیسۃ التی دبجتھا یراعۃ فضیلۃ الشاعر الکبیر الشیخ عمر البری احد کبار المدرسین بالمسجد النبوی الشریف تسجیلا لشعورۃ الحزین علی فقید الاسلام فضیلۃ العلامۃ السیّد حسین احمد المدنی رحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ

حجاز مقدس کے ایک بہت بڑے شاعر "الشیخ عمر بری" مسجدِ نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے مدرسین میں سے ایک جلیل القدر مدرس ہیں۔ آپ نے حضرت شیخ الاسلام کی وفات پر حضرت رحمۃ اللّٰہ علیہ کے برادرِ خورد مولانا سید محمود احمد صاحب اور ان کے فرزندِ ارجمند سیّد حبیب صاحب کو تعزیت کرتے ہوئے ایک فصیح و بلیغ مرثیہ پیش کیا تھا۔ جس کی ایک کاپی مولانا سید محمود احمد صاحب نے خاص طور پر صاحبزادہ محترم مولانا اسعد صاحب کے پاس بھی بھیجی تھی۔ ذیل میں یہ قصیدہ ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

اَمل الحیاۃ محطۃ الافکار ذکر الممات بربعھا اکبار

ہمارے فکر ارمانِ زندگی کے فرودگاہ ہیں (جہاں زندہ رہنے کی تمنائیں آباد رہتی ہیں) اس کے ماحول میں موت کا ذکر تکلیف دہ اور شاق ہے۔

انا لنعشق دوم وصل حیاتنا وبھجرھا لا یستقر قرار

بے شک ہمیں عشق ہے کہ ہماری زندگی کا تسلسل ہمیشہ رہے۔ اور زندگی کے فراق سے ہمارا صبر و قرار ختم ہو جاتا ہے۔

ان البکاء علیٰ فوات بقائھا لا یستفز لردھا الحضار

بقاءِ حیات کے فوت ہو جانے (زندگی ختم ہو جانے) پر گریہ وزاری ایک ایسا امر ہے کہ متمدن لوگ اس کو رد کرنے اور روکنے کے لیے مضطرب نہیں ہوتے (کیونکہ یہ قدرتی بات ہے)

واُری الممات وان توحد وقعہ اوقاتہ ترنولھا الاغیار

میں موت کو ایسا دیکھتا ہوں کہ اگرچہ اپنے اپنے وقت میں (جس کا جو وقت مقرر ہے

اُس میں) ایک ہی دفعہ آتی ہے مگر اس کے لیے غیر بھی روتے ہیں۔

طورا یکون الکرب فیہ مصغرا ما ان لہ عند النھی تذکار

کبھی اس کا کرب ایسا حقیر ہوتا ہے کہ عقلمند اس کا تذکرہ بھی پسند نہیں کرتے (مگر)

ویکون کل الحزن فیہ مکسرا کل القوٰی لوجودہ تنھار

جو غم اس موت پر ہوتا ہے وہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ تمام طاقتوں کو توڑ ڈالتا ہے اس کے وجود سے جسمانی قویٰ کی عمارتیں منہدم ہو جاتی ہیں۔

ھذا النظام علی البرایا نافذ حکم تسلم عندہ النظار

یہ نظام تمام مخلوق پر نافذ ہے۔ یہ ایسا حکم ہے جس کے سامنے اربابِ نظر کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔

فمقام حزنک قدر خدنک فی الدنیٰ کل الرزایا حکمھا اخبار

دنیا میں تمہارے غم کا درجہ بقدر محبوب اور بقدر دوست ہوتا ہے تمام مصیبتیں اُن کا فیصلۂ خبر دینے پر ہوتا ہے

لکن من اُنکی الرزایا فی الملاء ھلکا تلفت نحوہ الاُنظار

لیکن عالم میں سب سے زیادہ تکلیف دہ مصیبت ایسی موت ہے جس کی طرف نگاہیں (خواہ مخواہ) پلٹ جائیں۔

ویری الدمع وما تسیل لوقعہ ویری القلوب تقج فیھا النہار

اور جس کی حالت یہ ہو کہ آنسو اس کے ہنس آنے کے باعث خون بن کر بہیں اور دلوں کی دنیا میں آگ پھیلنے لگے۔

کنعی اُفضل عالم فی عصرنا تحتاجہ العلماء والاُعصار

جیسے کہ زمانہ حاضر کے سب سے بڑے عالم کی خبرِ وفات، ایسا عالم کہ علماء زمانہ بھی اس کے محتاج اور خود زمانہ بھی اس کا محتاج تھا۔

مثل (الحسین) جمال کل فضیلۃ ماجرحہ فی العالمین جبار

جیسے کہ حضرت حسین (مولانا حسین احمد صاحبؒ) جو ہر ایک فضیلت کے لیے حسن و جمال تھے ان کی وفات کا تمام عالم میں وہ زخم ہے جو اندمال سے ناآشنا ہے۔

ان شئت علما فی المعارف مثل فیہ وکل فنونھا اُنصار

اگر تم علم کے طالب ہو تو یہاں ایسے علوم و معارف موجود ہیں جن کو مثال میں پیش کیا جاتا ہے اور تمام علوم و فنون آپ کے مددگار ہیں (ہر وقت مستحضر رہتے ہیں)

اوکنت فی افق السیاسۃ ناظرا اُلفیتہ بحر الہ تیار

یا تمہاری نظر افق سیاست پر ہے تو تم ان کو سیاست کا موجیں مارتا ہوا سمندر پاؤ گے۔

یمتاز ما بین الفحول کانہ شمس وھل لضیائھا انکار

بڑے بڑے علماء کے درمیان اس طرح ممتاز تھے جیسے آفتاب۔ کیا آفتاب کی روشنی سے انکار کیا جا سکتا ہے۔

والحسین السیّد السند التقیٰ ماکان مثل بقائہ نختار

حضرت حسین (احمد) ہمارے آقا مستند آقا صاحب تقویٰ و طہارت ہمارے لیے

سلطان
میٹل ورکس
حافظ آباد روڈ، گوجرانوالہ
یہاں سے
سٹین لیس سٹیل
کے دیدہ زیب ہر قسم کے برتن
فیکٹری ریٹ پر
تھوک و پرچون خرید فرمائیں
فون ۷۵۱۸۷

ان کی زندگی سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہیں۔

سلب الحیاۃ ولیس ذاک یضیرہ　　لکن یضیر تلامذا تمتار

ان کی زندگی ختم ہوگئی لیکن اس سے ان کو نقصان نہیں ہوا بلکہ ان تلامذہ کو نقصان پہنچا جو آپ سے علم کی غذا حاصل کرتے تھے۔

لکن یضیر مواقفا تعنو لہ　　ومحافلا شخصت لہ الابصار

ان موقفوں کو نقصان پہنچا جن کی پیشانیاں آپ کے سامنے جھکتی تھیں۔　　ان مجلسوں کو نقصان پہنچا جن کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھتی تھیں۔

أیجاور الدیماس رضوی فی الوری　　فی (دیوبند) ویستنیر نہارا

کیا ایسا ہو رہا ہے کہ وہ دیوبند کے قبرستان میں ایک قبر میں سکونت پذیر ہیں اور پھر بھی دن روشن ہو رہا ہے۔

ایحل رھن قرارۃ مزروعۃ　　بحر البحور ویبتلعہ قرار

کیا جائز ہے کہ زمین کا چند گز جامد (ساکن گڑھا سمندروں کے سمندر کو رہن رکھ لے اور یہ گڑھا اس سمندر کو نگل جائے۔

یوم خمیس ھو خمیس کمالہ　　وتواجعت عن نصرۃ الانصار

خمیس (جمعرات) کے دن اس کے کمال کا خمیس (لشکر) جھک گیا اور تیمار دار تیمار داری کے فرائض انجام دے کر واپس ہو گئے

اولی جمادی ما لھجمتک اشتوت　　منا القلوب فھل لدنیا الثار

ای جمادی الاولیٰ یہ تیری خوفناک آمد کیسی ہے کہ ہمارے دل وقف سوز ہو گئے کیا ہم نے تیرا کوئی قصور کیا تھا جس کا قصاص ہم سے لینا تھا۔

فی ثالث من بعد عشر قد رُزی　　من سعدنا الا قلال والاکثار

افسوس تیرہویں تاریخ کو ہماری سعادت مندی کا کم و بیش سارا سرمایہ تاراج ہو گیا۔

یانسل (اعظم شاہ) انک فائز　　ھنیت ما اعطیت یا مغوار

اے شاہ دو جہاں کی یادگار آپ تو بہر حال کامیاب ہیں ای بہادر جو کچھ آپ کو عطا ہوا وہ مبارک ہو۔

بالفعل والاصل الکریم فانت من　　جذر العلوم و للاصول ثمار

آپ اپنے افعال کے لحاظ سے بھی کامیاب ہیں اور عظمت خاندانی کے لحاظ سے بھی کامیاب آپ خانوادہ علم سے ہیں اور جیسی جڑ ہوتی ہے ویسا ہی اس کا پھل ہوتا ہے۔

تجنی لطلاب العلوم وانھا　　لزلال ظامٍ فکرہ مختار

آپ طلبہ علوم کو فیضیاب کرتے تھے اور آپ کا فیض ان کے فکر تشنہ کام وحیرت زدہ کے لیے آپ شیریں بنا کرتے تھے۔

عاشرت منک عفیف نفس کلھا　　شرف وللدین المبین تغار

آپ کی پوری زندگی پاکباز شرافت کی جیتی جاگتی تصویر، دین مبین کی حمایت اور غیرت ملی سے لبریز رہتی تھی۔

عاشرت منک خطیب اعظم محفل　　متنوع فی جمعہ الزوار

آپ کو وہ قوت خطابت میسر تھی کہ ایسی مجلس کے بھی آپ خطیب اعظم اور سب سے بڑے مقرر ہوتے تھے جہاں مختلف الخیال اور مختلف ذوق رکھنے والوں کا مجمع ہو۔

یاسید العلماء انت عجائب　　صور ولم تتلم لک الاطوار

اے سید العلماء! آپ مجموعۂ عجائبات ہیں۔ مختلف قسم کے اوصاف آپ کے اندر موجود ہیں اور حالت یہ ہے کہ کوئی بھی حالت آپ کے لیے رخنہ اور نقصان کا باعث نہیں ہے۔

فیک الروایۃ والدرایۃ منطق　　شھدت بحسن بیانہ الا دوار

آپ کے اندر روایت درایت اور وہ قوت خطابت ہے کہ تمام طبقے اور تمام دور (سیاسی ہو یا تبلیغی) حسن بیان کی شہادت دیتے ہیں۔

ما فیک للطلاب غیر فوائد　　من بحر علم والعلوم بحار

آپ علم کا سمندر تھے اس سمندر سے طلبہ علوم کو فائدے ہی پہنچتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک علم سمندر ہوتا ہے۔

قد کنت تأبی المدح لا ترضی بہ　　ولسنۃ المختار فیک مدار

آپ مدح وستائش کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مدح کرنے پر سختی سے اعتراض کرتے تھے۔ یہ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت آپ کی خوشنودی کا محور تھی۔

ولانت اھل للمدائح کلھا　　وتزئین فیک بنظمھا الاشعار

حقیقت یہ ہے کہ آپ بلا شبہ تمام تعریفوں کے اہل اور مستحق تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اشعار کی لڑی آپ ہی پر سجتی تھی۔

یکفیک انک فی الحدیث موحد　　طارت بذکرک فی الوری الاطیار

آپ کی تعریف کے لیے یہی کافی ہے کہ فن حدیث شریف میں آپ یکتا تھے اس کی شہرت تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔

شیخ المدینۃ والحجاز جمیعۃ　　والھند ما فیھم لذالک حوار

آپ شیخ مدینہ تھے۔ شیخ الحجاز تھے۔ آپ شیخ الہند تھے۔ مدینہ شریف، عرب یا عجم میں آپ کا کوئی جواب نہیں تھا۔

انی رثیتک للفضائل والنھی　　حسبی بانک للھدی نصار

میں آپ کے فضائل آپ کی فہم و دانش پر مرثیہ لکھ رہا ہوں۔ میرے مرثیہ کے لیے یہی سبب کافی ہے کہ آپ رشد و ہدایت کے بہت بڑے مددگار تھے۔

أ أبا حبیب اُذکر مصابک بالنبی　　لیھون خطبک فی الحجی مختار

اے ابو حبیب (مولانا سید محمود احمد صاحب برادر خورد حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ) آپ یاد کیجیے سب سے بڑی مصیبت کو جو بہت پہلے پہنچ چکی یعنی سرور کائنات فخر موجودات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات جو پوری امت کے لیے عظیم ترین حادثہ ہے غور کیجیے اس وقت صحابہ کرام رض کا کیا حال ہوا ہوگا اور انہوں نے کس طرح صبر کیا ہوگا۔ اس سے آپ سبق لیں تاکہ آپ کی مصیبت (کا صدمہ) ہلکا ہو۔ آپ عقل و دانش میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔

واسلم ودم فی طول عمر اخذا　　بالرشد وھو الیک منک یشار

آپ سلامت رو ہی سے کام لیجئے اور اپنی عمر بھر اس رشد وہدایت کو اختیار کیجئے جس کے آپ شیخ اور مرکز ہیں یہاں تک کہ اگر دانش مندی کی مثال پیش کرنی ہو تو آپ ہی کی طرف اشارہ کردیا جاتا ہے۔

وکن المسلم للالہ و حکمہ　　حکم قضاہ الواحد القہار

آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیجئے۔ یہ ایک فیصلہ ہے جس کو اللہ واحد القہار نے صادر کیا ہے۔

(محمود احمد) انت الطب الذی　　طابت بطابة نحوہ الاخبار

اے محمود احمد آپ وہ حاذق و تجربہ کار ہیں کہ آپ کے دانش مندانہ فیصلوں کی خبریں مدینہ طیبہ میں برابر مہکتی رہتی ہیں۔

(أحبیب) سر سیر الوالد الذی　　اداؤہ بین الوری انوار

اے حبیب (مولانا سید محمود احمد صاحب کے صاحبزادے حضرت شیخ الاسلام کے برادر زادے) آپ بھی اپنے والد بزرگوار کی روش اختیار کیجئے جن کی حالت یہ ہے کہ ان کا فکر اور رائے عالم کے لیے نور مانی جاتی ہے۔

والاسعد حسن العزاء وأرشد　　و الأل جمعا مالذا اکثار

میاں اسعد (صاحبزادہ محترم، میاں ارشد (صاحبزادہ دوم) اور سب اہل و عیال کو میرا یہی پیغام تعزیت ہے اس میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

أنی لأرجوأن یکون فقیدکم　　فی جنة تزھو بھا الازھار

مجھے توقع ہے کہ تمہارے وہ بزرگ جن کے مفقود ہونے پر یہ صدمہ کیا جا رہا ہے جنت الفردوس میں اس طرح کہ جنت کے پھول آج ان کی آمد سے شاداب اور تازہ ہوئے ہیں۔

متمتعا بالحور فی محبوحة　　دارت بہ فی حفلہ الاخیار

وسط جنت میں حوریں خدمت گزار ہیں اولیاء مقربین کی مجلسیں آپ کیلئے آراستہ ہیں

ولالہ المجد الموثل فی الوری　　ولعلمہ اعظام و الاکبار

(خدا کرے) آپ کی اولاد کو عالم میں پائدار عزت و عظمت حاصل ہو۔ آپ کے علمی فیوض کی برکتیں روز افزوں رہیں۔

لافی الالہ مع الرجا مؤملا　　ولقاء الالہ مع الرجاء جوار

خدا کرے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضری کے وقت ساری امیدیں برآئی ہوں اور دیدار خداوندی ان امیدوں کے لیے جوار رحمت ہو۔

جار لرحمتہ باعمال صفت　　واللہ عند ظنوننا غفار

پاک و صاف اعمال کی جزا میں آپ کو جوارِ رحمت عطا ہو اور ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غفار ہے۔

اذ کان حسن الظن فیک عقیدة　　ماللریاء بقلبھا اقرار

جب آپ کے بارے میں حسن ظن ایک ایسا عقیدہ ہے جس میں ریاء کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔

لوفاتہ أرخ ببشری ناسب　　علم العلوم لک الجنان مزار

۱۳۷۷ ھ

تو اب مادہ تاریخ بھی ایسا کہیے جس میں یہ مناسب بشارت بھی ہو کہ اے مرکز علوم جنتیں آپ کی زیارت گاہ ہوں۔

لمولانا عبد الرحمن النبوی النزیل بسلتان

دموع العین فاضت من عباد　　واظلمت المدارس فی البلاد

ومجلسة الدموع غروب شمس　　اضاء بنورھا من فی البعاد

وماکفنت "یامدنی" فردا　　تکفنت البریة بالحداد

وقد قاسیت الاما یاسر　　یفوق عنائہ خرط القتاد

ولست من الذین مضوا وماتوا　　فللشاق ذکرک خیر زاد

فیا أسفا علی قطب الزمان

وشیخ الھند بنیان الرشاد

نوحۂ دل　نوید مقصود نصرتی سکروڈھوی

مظہرِ نورِ ذاتِ خدا اٹھ گیا
رہبرِ امتِ مصطفےٰ اٹھ گیا
صاحبِ علم خیر الوریٰ اٹھ گیا
نائبِ سرورِ دوسرا اٹھ گیا
پیرو خاتم الانبیاء اٹھ گیا

بات بگڑی ہوئی اب بنائے گا کون
رنج و حرماں میں اب کام آئے گا کون
دل کی آشفتگی اب مٹائے گا کون
قیدِ اندوہ سے اب چھڑائے گا کون
چارہ سازِ غم لادوا اٹھ گیا

خوں کے دریا بہنے لگی چشمِ تر
فرطِ غم سے ٹکڑے ٹکڑے ہوا جگر
دل کے نالوں کی پہنچی صدا عرش پر
جب نوید حزیں نے سنی یہ خبر
جانشین شفیع الوریٰ اٹھ گیا

عبرات الرثاء

من الاستاذ الفاضل محمد بن المامون المدنی الدمشقی

(ثانی الاستاذ) اقدم الی القراء هذه القصیدة بمناسبة وفاة حضرة العلامة النحریر استاذ العرب و العجم شیخ الاسلام و قدوة الانام مولانا السید حسین احمد المدنی قدس الله سره و جعل الجنة مقره و مثواه۔

اقدمها اعترافا بجهاده المتواصل ضد الاحتلال الاجنبی وشکرًا واعجابًا بعبقریته الفذة وجهوده العظیمه فی خدمة الاسلام والعلم واهله وسعیه الحثیث لنشر لواء الحریة والأمن۔

والسلام فی الاقطار الهندیة وافاق الشرق عموما۔ اسأل الله الکریم ان یدرّ علیه شآبیب رحمته واحسانه۔

تحیط بک الالاء من کل جانب ۔۔۔ احاطة انوار بافق الکواکب

دعا ہے کہ اللہ کی نعمتیں آپ کو اس طرح ہر طرف سے گھیر لیں جیسے تاروں کو نور گھیرے رہتے ہیں۔

وترنولک الارواح حبًّا ورغبة ۔۔۔ لانک همام ببذل الرغائب

آج آپ کی یاد میں محبت اور شوق میں روحیں رو رہی ہیں کیونکہ بلند ہمت اور خاص اپنی پسند کی چیزوں کو راہ خدا میں لٹا دینے میں بہت فراخ حوصلہ ہے۔

ملکت قلوب المخلصین فأصبحت ۔۔۔ ترتل آیات العلا والمناقب

آپ اہل اخلاص کے دلوں کے مالک ہو گئے پس عیدی اور مناقب کی آیتیں بڑے اطمینان سے پڑھتے ہیں۔

وفزت بفضل من الهک دائمًا ۔۔۔ فکنت عفیف النفس سمح المواهب

اللہ تعالیٰ کا دائمی فضل وکرم حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کیونکہ آپ پاکباز صاحب خیر تھے۔

وقلبک حساس یذوب تعطفا ۔۔۔ وعقلک فیاض بکر العجائب

آپ کا قلب حساس تھا جو خلق خدا کی غم خواری میں پگھلتا رہتا تھا اور آپ کی عقل عجیب عجیب نکات کے پیش کرنے میں بہت فیاض تھی۔

وکنت امام الهند تعلی مقامها ۔۔۔ وتدفعها لاسنی المطالب

آپ امام الہند تھے۔ آپ ہندوستان کے مرتبہ کو بلند کرتے تھے اور اس کو اعلیٰ ترین مقاصد کی طرف لے جا رہے تھے۔

تناط بک الآمال فی کل مطلب ۔۔۔ لانک صندید کثیر المتاعب

ہر ایک مقصد میں آپ سے امیدیں وابستہ کر دی جاتی تھیں کیونکہ آپ عظیم الشان رہنما تھے جو ملک وملت کے لیے بیشمار مشکلات برداشت کرتے رہتے تھے۔

ولبیت صوت الحق اذ کنت صادقا ۔۔۔ فأولاک قربًا یا عظیم المراتب

آپ نے حق کی آواز کو لبیک کہا کیونکہ آپ ہر ایک دعوے میں سچے تھے۔ پس اے بلند مراتب والے بزرگ آپ تقرب الٰہی کے بہت زیادہ مستحق ہیں۔

واعطاک احسانًا وعزًّا وبهجة ۔۔۔ وفوزًا وتکوینًا بنیل المآرب

(اللہ تعالیٰ) آپ کو احسان وعزت اور رونق بخشے اور کامیابی اور احترام سے نوازے اور جو کچھ آپ کی آرزوئیں تھیں اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ سب کامیاب ہوں۔

قدم راقیا نحو المعالی بجنة ۔۔۔ تحیط بک الالاء من کل جانب

آپ ہمیشہ بلند مراتب کی طرف جنت میں ترقی کرتے ہیں۔ جہاں آپ کو اللہ کے انعامات ہر طرف گھیرے رہیں۔

شیخ الاسلامؒ

جوہر ــــــــــ نظامی

چمن میں بلبلوں کی گل فشانی اب نہیں باقی
لبِ خاموش کی جادو بیانی اب نہیں باقی
حدیثِ عشق و الفت اُٹھ گئی شاید زمانے سے
بیانِ رنگ و بُو افسانہ خوانی اب نہیں باقی
وہ عہدِ کیف و سرمستی کی باتیں یاد آتی ہیں
محبت کی دلوں پر حکمرانی اب نہیں باقی
وہ آزادی کے نغمے و ترانے تیری محفل کے
غلامی پر تری وہ نوحہ خوانی اب نہیں باقی
تو یدِ شامِ غم شاید ہوائے صبح لائی ہے
کنارِ آبجو۔ راتیں سہانی اب نہیں باقی
نہ جانے اسے نظامی کون سی ہے آرزو ہے دل میں
تمنّا و خیالِ زندگانی اب نہیں باقی

"واحسیناہ"

از

جناب مولانا عبد الرحمٰن عثمانی مد ظلہ

القصیدۃ الحزنیۃ التی نظمہا حضرۃ الاستاذ المربی عبد الرحمٰن عثمانی فی رثاء فقید الاسلام الجلیل السید حسین احمد المدنی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اصلی الاسی قلبی النیران فانصہرا ۔۔۔ وذاب فانہل فی خدی منحدرا
تم نے میرے دل میں آگ کی بھٹی دہکادی۔ پس ضروری تھا کہ میرا دل پگھل جائے چنانچہ وہ پگھلا۔ پھر آنسو بن کر اس کی لڑیاں میرے رخساروں پر بہنے لگیں۔

ولست وحدی فمثل کل ذی نفس ۔۔۔ اماتری الکون بالانفاس مستعرا
اور صرف میں ہی نہیں۔ بلکہ میری طرح ہر ایک جاندار۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ پورا عالم وجود کس طرح اس کے گرم گرم سانس بھڑک رہے ہیں۔

لیت الاثیر عفت آثارہ ابدا ۔۔۔ فلا یذیع لنا من بعد ذا خبرا
اے کاش۔ اس ریڈیو کے سارے نشانات ہمیشہ کے لیے مٹ جائیں کہ اس کے بعد کسی خبر کے شائع کرنے کی اس کو توفیق ہی نہ ہو۔

قد نعی العلم والارشاد فی علو ۔۔۔ فرد عدمنا لہ فی عصرہ نظرا
یہ خبر شائع کی گئی کہ علم اور تلقین وارشاد وفات پا گئے۔ یعنی ایک ایسا یکتا روزگار گزر گیا کہ زمانہ میں اس کی کوئی مثال ہمارے سامنے نہیں تھی۔

جم الضائع موفور المحامد من ۔۔۔ أعیت مدائحہ الکتاب والشعرا
جس کے احسانات بے حد، جس کے محاسن بہت زیادہ، اتنے زیادہ کہ اس کے محامد نے نثر کو تھکا دیا اور نثر کو بھی (نہ احاطہ تحریر میں آسکتے ہیں نہ احاطہ تقریر میں)

العالم العامل الحبر الذی کسفت ۔۔۔ انوارہ النیرین الشمس والقمرا
عالم باعمل، وہ جلیل القدر متبحر عالم کہ اس کے انوار کے سامنے آفتاب کو بھی گہن لگا ہوا ہے اور چاند کو بھی (دونوں اس کے انوار علم کے مقابلہ میں بے نور ہیں۔)

والسید السند الندب لذی شملت ۔۔۔ افضالہ الشاکرین البدو والحضرا
آقا، پشت پناہ، جود وعطا اور امور خیر میں ایسا چست، اُس کے احسانات ایسے عام کہ ان کے شکر گزار شہری بھی ہیں اور دیہاتی بھی۔

الکامل الخلق اذ فاق البدور سنی ۔۔۔ والخلق اذ وسعت اخلاقہ البشرا
کامل الاخلاق، اپنی روشنی اور رونق میں چودھویں رات کے چاندوں سے اور ساری مخلوق سے بڑھا ہوا کیونکہ اس کے اخلاق نوعِ بشر کے لیے عام ہیں۔

الزاہد الورع البر السلی تقی ۔۔۔ والذاکر اللہ عند النزع محتضرا
زاہد، محتاط، نیک، متقی اور زندگی کے آخری سانس تک اللہ کا ذکر کرنے والا۔

قضی المجاہد فالاعلام فاکسۃ ۔۔۔ وکل قلب عند ابالہند منکسرا
جنگِ آزادی کے مجاہدِ اعظم نے وفات پائی، پس جھنڈے سرنگوں ہیں اور ہندوستان میں ہر ایک دل ٹوٹا ہوا ہے۔

قضی الکبیر الذی للفضل تحملہ ۔۔۔ حیا ومیتا علی اکتافہا الکبرا
وفات پاگیا وہ بڑا شخص کہ ہندوستان اس کے علم وفضل کے احترام میں اس کو اپنے مونڈھوں پر اٹھائے ہوئے تھا۔

قضی الزعیم الذی لوشاء نام علی ۔۔۔ أسرۃ العاج لولا زہدہ السررا
وفات پاگیا وہ زعیم کہ اگر چاہتا تو ہاتھی دانت کی چوکیوں پر آرام کرتا بشرطیکہ اُس نے زہد کو اپنا تخت اور مسند نہ بنایا ہوتا۔

قضی الزعیم الذی (والزہد شیمۃ) ۔ لوشاء لاکتنز الاموال وادخرا
وفات پاگیا وہ زعیم کہ اگر چاہتا تو بے شمار مال کا خزانہ فراہم کرلیتا اور ذخیرہ بنالیتا لیکن حالت یہ تھی کہ زہد اس کی عادت اور فطرت بن چکی تھی۔

اوشاء شیدہ قصرا واثثہ ۔۔۔ من کل مستحدث یستوقف النظرا
یا چاہتا تو سونے کا محل بنالیتا اور اس کو فرنش (آراستہ) ایسے نئے خوشنما فرنیچر سے جو اپنے اوپر نظروں کو ٹھیرالیتا (نظریں اسی کو دیکھتی رہتیں دیکھنے سے سیر نہ ہوتیں۔)

اوشاء دفترش الدیباج مضطجعا ۔ ولا رتدی یسر الناظر الحبرا
یا چاہتا تو ریشم کا فرش بنالیتا اسی پر سوتا اور لیٹتا اور ایسے شال اور دوشالے استعمال کرتا جن کو دیکھنے سے نگاہیں تازہ ہو جاتیں۔

اوشاء مدّ خوانات مشکلۃ ۔۔۔ ألوانہا تبسط الاصال والبکرا
یا چاہتا تو نہایت خوبصورت خوان پھیلا دیتا جن پر طرح طرح کے نقش ونگار ہوتے جن کو شام اور صبح کو (دونوں وقت نہایت شان سے) بچھایا جاتا۔

لکنہ سکن الاکواخ مسکنہ ۔۔۔ وبات مفترشا فی ارضہا الحصرا
لیکن اُس نے جھونپڑیوں کی سکونت اختیار کی۔ جن کی زمین پر چٹائیوں کا فرش ہوتا تھا۔

وعاش مخشوشنا فالقطن ملبسہ ۔۔۔ والماء مشربہ والاکل ما حضرا
اور اس نے بہت ہی موٹی چال کی زندگی گزاری کہ سوت کے کپڑوں کا لباس ہوتا تھا معمولی پانی شربت ہوتا تھا اور کھانا وہ جو سامنے آجائے۔

وظل لا فضۃ یحوی ولا ذہبا ۔۔۔ حتی اعتنی بلقاء اللہ مفتقراء
ساری عمر فقیرانہ زندگی گزاری اسی حالت میں اپنے خدا سے جا ملے نہ چاندی کا کوئی قابلِ ذکر ذخیرہ موجود تھا نہ سونے کا۔

مضی "حسین" الی الرحمٰن مرتدیا ۔۔۔ جثمانہ بالرجا بالخوف مؤتزرا
حضرت "حسین" "رحمٰن" کی طرف اسی طرح چلے کہ رجاء اور امید کی چادر

اور خوف کی آثار آپ کے جسم پر تھی (یعنی بیم اور امید دونوں پوری پوری موجود تھیں جس کو احادیث مقدسہ میں کمالِ ایمان کی علامت بتایا گیا ہے۔)

مضیٰ "حسین"، وفی اکفانہ کتب　　من بینہا اذکر التفسیر والسیرا

حضرت حسین اس طرح روانہ ہوئے کہ آپ کے کفن میں کتابیں تھیں جن میں تفسیر اور احادیث و کتبِ سیرت کا حصہ نمایاں تھا۔

مضیٰ "حسین"، فدور العلوم عامق　　بکتہ شیخا علیہا اوقف العمرا

حضرت حسین اس طرح روانہ ہوئے کہ بہت سے آباد دار العلوم ماتم کر رہے تھے کہ ایسا شیخ رخصت ہو رہا ہے جس نے انہیں علمی مرکزوں کے لیے زندگی وقف کر رکھی تھی۔

وللمبرات اٰھات تردد ھا　　لفقد من أیتم العافین والفقرا

عمل خیر اور حسن سلوک کے سینوں سے بار بار آہ نکل رہی تھی کہ وہ شخص رخصت ہو رہا ہے جس کی وفات نے ضرورت مند سائلوں اور فقیروں کو یتیم بنا دیا ہے۔

وللقضایا عویل بعد فیصلہا　　من ناصی الحق فی فتواہ فانتصرا

اور مقدمات گریہ و بکا کر رہے تھے کہ وہ انصاف پرور رخصت ہو رہا ہے جو اپنے فیصلہ اور فتوے میں حق کی ایسی مدد کیا کرتا تھا کہ حق غالب ہو کر رہتا تھا۔

ومن بحکمتہ کم حل من عقد　　عن حلہا عجز القانون والخبرا

جس نے اپنی بصیرت و دانش سے بارہا وہ گتھیاں سلجھا دیں جن کے سلجھانے سے قانون عاجز تھا اور تجربہ ناکام۔

حتی المساجد فی قدسیۃ ذرفت　　دموعہا فحکی مدرارہا المطرا

یہاں تک کہ مسجدیں احاطہ تقدس میں اس طرح آنسو بہا رہی ہیں کہ گویا بارش کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔

وفی الحجاز کمافی الھند کم کبد　　حرا وعین علیہ تنثرا الدررا

اور ہندوستان کی طرح حجاز میں بھی کتنے ہی جگر مبتلاءِ سوز ہیں اور کتنی ہی آنکھیں موتی بکھیر رہی ہیں۔

وبالمدینۃ دار للشریعۃ لا　　تنفک تذری علیہ الدمع منھمرا

اور مدینہ طیبہ کے دار الشریعہ کی تو یہ حالت ہے کہ اس کے بہنے والے آنسوؤں کی بارش تھمنے کا نام ہی نہیں لیتی۔

بکت دماء فاجرت مقلتی دما　　فان وأبکت بدمع من دم (عمرا)

یہ دار الشریعہ خون کے آنسو رویا پس میری آنکھ جو ہمیشہ خون کے آنسوؤں سے رویا کرتی تھی آج اُس نے سرخ خون (کی نالی) بہا دی۔

فصاغ کل رثاء من مدامعہ　　کان ادمعنا المرجان منتثرا

پس ان آنسوؤں سے پورا مرثیہ ڈھل کر تیار ہو گیا گویا ہمارے آنسو مونگے (کے بکھرے ہوئے ٹکڑے) تھے (جو اس مرثیہ کی لڑی میں پرو دیے گئے ہیں)

محمود یا شعلۃ العقل الذی اقتست　　منہا النھی وحبیب المزدھی فکرا

مولانا سید محمود احمد یعنی وہ ذات جو عقل کا شعلہ ہے جس سے لوگوں کی عقلیں نور کی خوشہ چینی کرتی ہیں اور اے سید حبیب (ابن [illegible]) ذات جو فکر اور سائے میں سب پر فائق ہے۔

واسعد المنتھی رشدا وارشد من　　رغم الصبا باع من سوق النھی وشری

اور اے اسعد (صاحبزادہ محترم) جو سعادت مندی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں اور اے ارشد (منجھلے صاحبزادے) جو بچپن اور خورد سالی کے تقاضے کے خلاف عقل کے بازار میں خرید و فروخت کرتے ہیں۔

ویا جبالا رواس لیس یزعجہا　　عظم المصائب الذی قد یزعج الصبرا

اے مضبوط جمے ہوئے پہاڑو! یہ بہت بڑا سانحہ جو صبر کو بھی اپنی جگہ سے اکھاڑ ڈالتا ہے۔ آپ ایسے ثابت قدم پہاڑ ہیں کہ آپ کو نہیں ڈگمگا سکتا۔

اری مصیبتکم فوق المصائب قد　　عزت عزاء وامسی صبرہا صبرا

میں تمہاری مصیبت کو سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت سمجھتا ہوں جس نے صبر کو بہت ہی مشکل بنا دیا اور اس کا صبر خود صبر کا مستقل باب بن گیا ہے۔

لکنکم قادۃ ان تصبروا صبرت　　ھذہ الجموع ونلتم اجراء من صبرا

لیکن آپ لوگ پیشوا اور مقتداء ہیں اگر آپ صبر کریں گے تو یہ جماعتیں بھی کریں گی اور ان کے صبر کا اجر آپ کو ملے گا۔

واستبشروا فدلیل السعد خاتمہ　　للعمر حج الفقید البیت واعتمرا

اور اس پر خوش ہونا چاہیئے کہ عمر پوری کرنا بھی دلیل سعادت ہے حضرت مرحوم گویا اپنی عمر کے حج اور عمرہ (یعنی فرائض اور نوافل سے) فراغت کر کے رخصت ہوئے ہیں۔

واللہ خیر لہ فا للہ أکرم من　　اعطی وأقدر من یعفو ومن غفرا

اور اب اللہ تعالیٰ کے انعامات حضرت مرحوم کے لیے تمام نعمتوں سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام بخشنے والوں میں سب سے زیادہ کریم ہے اور عفو و مغفرت پر سب سے زیادہ قادر ہے۔

ثم الصلاۃ علی المختار (احمد) من　　فی لحدہ اجتمع الاحسان وانحصرا

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا چاہیئے۔ یعنی وہ ذات مقدس جن کی ذات مبارک میں محاسن کا اجتماع اور انحصار ہے۔

والاٰل والصحب ما روح سما صعدا　　للحور فی غرفات الخلد مبتدرا

اور آپ کے آل و اصحاب پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں اس وقت تک جب تک کہ یہ سلسلہ جاری ہے کہ روحیں ترقی کرتی ہوئی جنت کے بالا خانوں میں پہنچی ہیں اور حوروں سے ہم کنار ہوتی ہیں۔

وما حسین وبادی الفیض احمد فی　　جنات عدن اجالا الطرف والنظرا

اور جب تک حسین اور مبداء فیض یعنی حضرت احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جنات عدن میں اپنی نگاہیں اور نظریں دوڑاتے رہیں (اور جنت کی نعمتوں کا نظارہ کرتے رہیں۔

أو ماأسی (عابد الرحمٰن) أرخہا　　ولی حسین فقضی العلم واندثرا

یا جب تک کہ حزیں عابد الرحمٰن تعزیت کرتے ہوئے یہ تاریخ کہے ولی حسین فقضی العلم (۱۳۷۷) یعنی حضرت حسین نے پشت پھیری تو علم کے دور کو ختم کر دیا۔

●●●

عمدہ اور نفیس پردہ وصوفہ کلاتھ کا مرکز
جنتری پردہ کلاتھ
پردوں کے جدید ڈیزائنوں کی
سلائی کا بہترین انتظام ہے
پروپرائٹر: محمد یوسف آیاز
دین پلازہ گراؤنڈ فلور دکان ۷
جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

قال مولانا ابوالحسن الفاروقی الغازی فوری

الا یاسائلی دمع الخدود
اے رخساروں کے آنسوؤں کے متعلق سوال کرنے والے۔

الا تدری مضی مولی الموالی
کیا؟ تجھے معلوم نہیں کہ غلاموں کے آقا چل بسے۔

مضیٰ من کان محمود الرّشید
وہ تشریف لے گئے جن کی تعریف حضرت گنگوہی نے فرمائی ہے۔

مضیٰ من کان مشتاق الضّیوف
وہ چلے گئے جو مہمانوں کے لیے بیتاب رہا کرتے تھے۔

مضی من کان مبغوض النّصاری
وہ وجود نہیں رہے جن سے انگریز بغض رکھتے تھے۔

فیا عین اجمعی لی من میاہٍ
پس اے آنکھ اپنا سارا پانی میرے لیے اکٹھا کر دے۔

سھاد العین کنت علی الدّوام
دنیا میں آپ کی آنکھ پر کبھی نیند غالب نہیں ہو سکی یعنی بہت کم سوئے۔

حییت مخیرًا و رحلت خیرًا
آپ نے مخیرانہ زندگی بسر کی اور خیریت کے ساتھ تشریف لے چلے۔

ونورًا مستنیرًا کنت فینا
آپ ہم میں ایک چمکتے ہوئے نور کی طرح تھے۔

ولو واروک تحت الارض لاکن
اگرچہ لوگوں نے آپ کو زمین میں دفن کر دیا ہے۔

جوت قطراتہ عند الشھود
شدتِ غم سے جس کے چند قطرات حاضری کے وقت مجمع میں بہ پڑے

الا تدری مضیٰ نور الوجود
کیا؟ تجھے خبر نہیں کہ وجود کا نور رخصت ہو گیا۔

مضی من کان مطلوب الوفود
وہ نہیں رہے جن کی خدمت میں وفود جایا کرتے تھے۔

مضیٰ من کان مرغوب الورود
وہ چلے گئے جن کے یہاں حاضری مرغوبِ خاطر تھی۔

مضیٰ من کان محسود الیھود
وہ خدا کو پیارے ہو گئے جن پر یہودی حسد کرتے تھے۔

وجودی بالدموع الی جودی
اور مجھ کو بخش دے اپنے تمام آنسوؤں کو بخش دے۔

فنم نومًا لذیذًا فی الرقود
آج آپ دوسرے حضرات کے ساتھ مزیدار نیند سو جائیے۔

فعافاک الالٰہ بخیر جود
اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ عافیت میں رکھے۔

یعرّف وجھہ اثر السجود
آپ کی ذاتِ اقدس کو سجدوں کا اثر پہنچوا دیتا تھا۔

فیوضک غیر منقطع الوجود
لیکن آپ کے فیوض کا وجود منقطع نہیں ہوا ہے۔

اَبَاحَسَنٍ فصبرًا ثمّ صبرًا
اے ابوالحسن؟ صبر کر۔ صبر۔

فنحن الذاھبون الی العھود
کیونکہ ہم سب کے سب اپنے عہد کے مطابق جانے والے ہیں۔

وقل جمعًا باعداد ھدیً لک
۶۹

حسین احمد بجنّات الخلود
۱۸۱ ۴۵۶ ۶۷۱

۱۳۷۷ھ

اور اعداد ھدیً لک یعنی ۶۹ کو " حسین احمد بجنات الخلود کے اعداد یعنی ۱۳۰۸ میں جمع کر دے ۱۳۷۷ھ تاریخ وصال ہو جائے گی۔

دم بخود ہیں اہلِ محفل شمعِ محفل بجھ گئی

طالب چاندپوری

ہم نشیں مت پوچھ کیوں آنکھوں سے ہیں آنسو رواں
آہ کس ہستی کے غم میں قلب ہے ماتم کناں
وہ چراغِ علم و دانش وہ امیرِ کارواں
وہ متاعِ قوم و ملت، نازشِ ہندوستاں
وہ سراپا مہر و الفت، پُرخلوص و غمگسار
پیکرِ صبر و تحمل رہ نمائے ذی وقار
وہ مدرس، تھی مکمل درس جس کی زندگی
وہ معلم جس نے کی تاریکیوں میں روشنی
وہ مجاہد جس نے جھیلیں مُسکرا کر سختیاں
جس نے سمجھا کنجِ زنداں کو بھی صحنِ گلستاں
آہ وہ پیرِ طریقت، عالمِ روشن ضمیر
زینتِ بزمِ تصوف عاشقِ ربِ قدیر
رہبرِ ملت چراغِ راہِ عرفاں اٹھ گیا
گلشنِ ہستی سے تسکینِ دل و جاں اٹھ گیا
جاں نثارِ ملک و ملت قوم پرور اٹھ گیا
اٹھ گیا ہائے سکونِ قلبِ مضطر اٹھ گیا
لوٹ لی دستِ قضا نے زینتِ بزمِ خوشی
دم بخود ہیں اہلِ محفل، شمعِ محفل بجھ گئی

رنین الرثاء

للفاضل التحریر مولانا محمد الکفیل الفاروقی
(احد اساتذہ مدرسہ عالیہ کلکتہ)

ماذا دھی الاسلام جاء محمدًا
اسلام پر کیا مصیبت آئی کہ وہ نڈھال ہوگیا۔

امسی غریبًا فی الدیار وانکدا
سرشام غریب الوطن اور بدحال ہوگیا۔

خطبٌ الم تزلزلت ارکانہ
ایسا حادثہ نازل ہوا کہ ارکان اسلام متزلزل ہو گئے۔

الیوم یوم قد اتی متقددا
آج اسلام کی پوری عمارت میں شگاف آگیا۔

انہار قصر المجد مقلعًا بہ
بزرگی اور عظمت کا ایوان جڑ سے مسمار ہوگیا۔

وانھدّ بنیان الرشاد مشیّدا
اور رشد و ہدایت کی بنیاد باوجود پختگی کے منہدم ہوگئی۔

العیش باد بما عراہ من الشجا
لوگوں کا عیش صدمہ پیش آنے سے جاتا رہا۔

والروح مما قد الم تنفدا
اور سب آرام وسکون بوجہ مصیبت کے ختم ہوگیا۔

کم من نوائب لا یحاسب وقتھا
زمانہ کی بہت سی گردشیں ہیں کہ ان کے وقت کا حساب کتاب نہیں

ریب الزمان یتوبنا متجددًا
نئی نئی گردشیں ہم پر آتی ہی رہتی ہیں۔

کم من مصائب لا یقادر قدرھا
بہت سی مصیبتیں ہیں جن کی اہمیت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

ویطیقھا اھل الفواد تجلّدًا
ان کو محض اہل دل ہمت سے برداشت کر لیتے ہیں۔

ادھی خطوب الدھر رحلة عالم
عظیم ترین مصیبت اس عالم کی رحلت ہے۔

قد کان سرًّا قبل ان یتولّدا
جو اپنی پیدائش سے قبل ہی ایک خداوندی راز تھا۔

سبحان من آتاہ علما حکمة
جس کو حق سبحانہ نے علم و حکمت سے نوازا تھا۔

قلبًا سلیمًا ذاکرًا متوقّدا
ذاکر و پُر نور قلب سلیم عطا فرمایا تھا۔

فی حالہ ومقامہ وخصالہ
وہ اپنے حال و مقام، عادات و اطوار

وصفاتہ ورث النبیّ محمّدا
اور صفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث تھا۔

ختم النبوة نعمة لکنہ
ختم نبوت انعام الٰہی ہے لیکن اب تو

رفعت مواریث النبوة والھدی
نبوت کی وراثتیں اٹھ رہی ہیں۔

تبکیہ ارض والسّماء کلاھما
اس ربانی عالم کو زمین و آسمان دونوں رو رہے ہیں

بذھاب علم فی الحقیقة سرمدا
کیونکہ ہمیشہ کے لیے علم حقیقت و معرفت اٹھ گیا۔

یبکیہ ناسٌ امرھم فی لجّة
وہ لوگ بھی روتے ہیں جن کا معاملہ قوم میں اس طرح ڈوب گیا

کسفینة فی الموج حین تجدّدا
جس طرح موج کے اونچا ہوجانے کے وقت اس کے اندر کشتی۔

من فقدہ دارالعلوم یتیمة
اس حقانی عالم کے فقدان سے دارالعلوم دیوبند یتیم ہوگیا۔

یبکیہ کل محدث متفقّدا
اس کو ہر محدث تلاش کرتا ہوا رو رہا ہے

من ایّد الحسنی وشیّد امرھا
جس نے نیکی کی برابر تائید و توثیق کی تھی۔

من ربہ بالخیر کان مؤیّدا
جس کو اپنے رب کی طرف سے خود نیکی کی توفیق دی گئی تھی۔

من کان فی یسراہ سفر سیاسة
جس کے بائیں ہاتھ میں سیاست کی کتاب تھی

فی کفّہ الیمنٰی الکتاب ممجّدا
داہنے ہاتھ میں قرآن مجید تھا۔

من جمّع الاقوام تحت منارة
جس نے تمام جماعتوں کو ایک بلند روشنی کے نیچے جمع کر دیا تھا۔

فظلام رجس الرق جاء مشرّدًا
جس کے باعث غلامی کی گندگی کی ظلمت دفع ہوگئی۔

ولقد اتی مقصودہ عین الرضا
وہ مرد حق میدان میں آیا تو اس کا مقصد محض رضائے الٰہی تھا

ولقد اتوا ویبتغون العسجدا
دوسرے آئے تو اس لیے کہ زر و جواہر حاصل کریں۔

شتّان بین مرامہ ومرامھم
مرحوم کے اور دوسروں کے نصب العین میں بڑا فرق ہے۔

طرفا نقیض لا اقول منفدًا
دونوں میں تناقض ہے۔ میری رائے کی تکذیب نہیں کی جاسکتی۔

مھما قضٰی نحبًا وفاز بامرہ
جب ممدوح اپنے نصب العین سے فارغ اور پروگرام میں کامیاب ہوگئے

ذکرًا وفکرًا للقلوب تصدّدا
تو قلوب کی اصلاح کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگئے۔

نطق الزمان بما ھم من فضلہ
زمانہ ان کے کھلے فضل و کمال کے بارے میں بول اٹھا۔

لمّا راٰہ قائمًا متھجّدا
جب کہ ان کو قائم اللیل اور تہجد گزار دیکھا۔

ومحدثًا فی لھجة عربیّة
نیز عربی لہجہ میں حدیث شریف بیان کرنے والا۔

فمرتّل القرآن ثم مجوّدا
قرآن حکیم کو ترتیل و تجوید کے ساتھ تلاوت کرنے والا۔

فخر الکرام وقدوة لفئامھم
وعماد ھم شرف الانام ممجّدا

بزرگوں کا مایہ فخر اور ان کی جماعتوں کا پیشوا۔

کہف الوریٰ غوث البریۃ
لوگوں کا ملجا و ماویٰ، غوث و قطب

سمحًا کریمًا باذلاً متواضعًا
نرم سخی، فراخ دست، متواضع

ومجاھدا فی اللہ حق جہادہ
خدا کی راہ میں پورا پورا جہاد کرنیوالا

میمون وجھہ ضاحکا مستبشرا
چہرہ مبارک ہشاش و بشاش

لھفی علیٰ من حاربوہ بعنوۃ
آہ! وہ کیسے لوگ تھے جنہوں نے حضرت سے زبردستی جنگ کی۔

اسفی علی ابصارھم وعیونھم
معاندین کی آنکھوں پر مجھے افسوس ہے

اعذارُ من عاداہ بانت عندنا
جنہوں نے مرحوم سے دشمنی کی تھی ان کے عذرات کا ہم کو علم ہے۔

کتبوا الیہ بصحفھم واستصفحوا
حضرت کو انہوں نے خطوط لکھے اور معافی چاہی۔

خضعوا لہ اعناقھم وجباھھم
ان لوگوں نے حضرت کے روبرو اپنی گردنوں اور پیشانیوں کو جھکا دیا۔

کم من کراماتٍ لہ من ربہ
حق تعالیٰ کی طرف سے بہت سی کرامتیں محترم کو عطا ہوتی تھیں۔

وما جاءہ احدٌ مریدًا صادقًا
ایسے باخلاق تھے کہ جو بھی سچائی کے ارادہ سے خدمت میں حاضر ہوگا۔

روحی فداہ دعوتہ فاجابنی

اکابر کا معتمد علیہ، دنیا کا شرف مجدد وقت۔

شیخ الطریقۃ مقتدیٰ دین
شیخ الطریقت، دین و مذہب کا مقتدا

خیر اٰل اھل البیت اخیر محتدا
اہل خانہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا، اعلیٰ خاندان والا۔

بطلا شجاعا عبقریا صلخدا
دلیر، بہادر، بے مثل ذی ہمت اور تنومند انسان۔

والروح منہ الی الرفیق تصعّدا
در آنحالیکہ روح پرفتوح اپنے رفیق اعلیٰ کیطرف صعود کرچکی تھی۔

فی الارض عاشوا مفسدین
وہ لوگ غنڈے اور مفسد تھے

ما ابصروا قط حسینا احمدا
انہوں نے حسین احمد کو دیکھا ہی نہیں

ندموا وھم کانوا اسودا عندا
وہ باوجودیکہ بڑے سورما اور زبردست مخالف تھے شرمندہ ہوئے۔

عرفوا اماما حین صاروا نکدا۔
اور جب ان کے حالات بگڑ گئے تو انہوں نے امامِ وقت کو پہچانا۔

تابوا وللاذقان خروا سجّدا
وہ لوگ تائب ہوئے اور منہ کے بل سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے۔

منھا اتباع محمّد متعوّدا
ان میں ایک اتباع رسول ﷺ تھا جو عادت بن چکا تھا۔

الّا تھلّل وجھہ وتوقّدا
اس کو دیکھ کر چہرہ مبارک خنداں و درخشاں ہوگیا۔

قد جاء من ... عدا

حضرت شیخ الاسلام کا عالم بالا میں خیر مقدم

ایک ارادت مند کے جذبات و تخیلات

از مولانا قاری فخر الدین صاحب

ہمیں چھوڑ کر آج باچشم گریاں، وہ قطبِ زماں آہ وہ جانِ جاناں
چلا جا رہا ہے وہ جنت بداماں فرشتوں کی صف میں خراماں خراماں
فلک پر ملک مرحبا کہہ رہے ہیں
ہمیں ہیں جو فرقت کا غم سہہ رہے ہیں

ادھر شاہ دنیا و دیں مسکرائے ادھر جبرئیل امیں مسکرائے
سلف سارے زیرِ زمیں مسکرائے بہشتِ بریں کے مکیں مسکرائے
زمیں رو رہی ہے فلک ہنس رہا ہے
مسرت سے ہر اک ملک ہنس رہا ہے

اُدھر انبیا کا پیام آرہا ہے اِدھر اولیاء کا سلام آرہا ہے
وہ رضواں پئے انتظام آرہا ہے کہ جنت میں وہ خوش خرام آرہا ہے
کھڑے ہوگئے صف میں غلمانِ جنت
زیارت کو آئی ہیں حورانِ جنت

درِ خلد رضوان کھولے کھڑا ہے بشوقِ ادب مرحبا کہہ رہا ہے
فرشتوں کا رستہ میں ہر سو پرا ہے بڑے دھوم سے خیر مقدم ہوا ہے
بہشتِ بریں کو سجایا گیا ہے
درِ خلد کو جگمگایا گیا ہے

صدائے سلام علیکم کہیں ہے کہیں دعوتِ "فادخلوھا خالدین" ہے
چلے آئیے - آپ کا گھر یہیں ہے یہی آج آوازِ خلدِ بریں ہے
وہ دیکھو شہیدوں کی صف آرہی ہے
ملاقات کو سربکف آرہی ہے

"رشید" اور امداد کا دل ہوا خوش ہوئے اس سے ملکہ سبھی اولیا خوش
اسے دیکھ کر ہوگئے انبیاء خوش خدا سے وہ راضی ہے اس سے خدا خوش
پیار اس کو روحِ نبی کر رہی ہے
محبت کی ہر سمت جلوہ گری ہے

پئے خیر مقدم بہت سے ہیں عالم بڑھے ایک جانب سے محمود و قاسم
ملے "ترمذی" اور "بخاری" و "مسلم" قدمبوس آکر ہوئی روحِ حاتم
ہجوم خلائق ہے بہرِ زیارت
نہیں اس کو جنت میں بھی آج فرصت

ان پر میری جان قربان کہ میری دعوت کو شرف قبول بخشا۔

یاخیر ترب ضمّہ فکانہ

اے پاک تربت! مرحوم کو ایسا سینہ سے لگا لیا کہ گویا وہ

واللہ شیخ الهند کان یحبّہ

خدا کی قسم حضرت شیخ الہند کے آپ محبوب تھے۔

یاخیر فرعٍ نابۃ من دوحۃٍ

اے بہترین شاخ اس بیخ درخت سے پھوٹی ہوئی۔

یاسیّدی یامن فدیتُ مھجتی

اے میرے سردار اے وہ شخص کہ جس پر میں اپنی جان قربان کروں

قدکنت نور اللہ بین عبیدہ

آپ بندگانِ خدا کے درمیان حق تعالیٰ کے نور تھے۔

غالبت کل شدیدۃ فغلبتھا

ہر سنگین مصیبت کا آپ نے مقابلہ کیا اور غالب رہے۔

جمّعت بین شریعۃ وطریقۃ

آپ شریعت وطریقت میں جامع اور باکمال تھے۔

اعطیت علمًا نافعًا من رحمۃ

رحمۃ للعالمین کی طرف سے آپ کو علمِ نافع عطا کیا گیا۔

خاطبت یومًا فی السیاسۃ قادۃ

آپ نے سیاست میں رہنماؤں کو اس دن خطاب فرمایا۔

ایقظتھم وقلوبھم فی نومۃ

وہ خفتہ خاطر تھے آپ نے ان کو بیدار کر دیا۔

خلفت فی المضمار کل مسابق

سورت سے تشریف لائے اور (لڑکی کی شادی میں شرکت کا) وعدہ پورا کیا

ولد فقید لھم یکدان یوجدا

اپنی ماں کا بچھڑا ہوا بچہ تھا جس کے ملنے کی توقع نہ تھی۔

بشریٰ لہ فی ضیفہ فاستر قدا

شاد باش! پس محبوب محب کی آغوش میں سوگیا۔

تنمی الی خیر البریۃ احمدا

جو سید الموجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔

یا عمدتی یا عُدّتی یوم الندا

اے میرے تکیہ گاہ، اے میرے ساز و برگ قیامت میں

فوصلت باللہ العزیز موبّدا

پس ہمیشہ کے لیے واصل باللہ ہوگئے۔

والموت غالبک الحسین فاجلدا

مگر اے حسین وقتِ موت نے آپ کا مقابلہ کیا تو اس نے بے بس کر دیا۔

فاتیت فی کل ھمامًا مرشدا

پس دونوں میں سردار اور راہنما نکلے۔

للعالمین وزرتہ مسترشدا

اور رشد و ہدایت حاصل کرتے ہوئے آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

لم یبلغوا حُلمًا وکانوا رقّدا

کہ وہ بالغ بھی نہ ہوئے تھے اور سو رہے تھے۔

احییتھم ابدًا وکانوا ھمّدا

وہ مردہ تھے آپ نے ان کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔

وسبقت غایات الکمال مقلدا

آپ نے میدانِ مسابقت میں ہر پیش رو کو پیچھے کر دیا۔

صلّی علیک اللہ من رحموتہ

اللہ تعالیٰ اپنی اعلیٰ رحمت آپ پر نازل فرمائے۔

یا اکبر الابناء اسعد ولدہ

اے بڑے صاحبزادے اسم بامسمّیٰ اسعد!

قد جاءکم من ربکم تطھیر کہ

آپ کے آباؤ اجداد کی ماشاء اللہ تطہیر ہو چکی ہے۔

صبرًا فانّ الصبر خیر سجیّۃ

صبر کرنا چاہیئے کیونکہ صبر بہترین سکون بخش عادت ہے۔

ذھب النبی وکل شیءٍ ذاھب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی اور ہر شے فنا ہونیوالی ہے۔

اور حدود و کمال سے خود راہنما بن کر آگے نکلے۔

حیّاک من صلواتہ یا مقتدیٰ

اور اے مقتدیٰ وہ اپنی رحمتیں سے خیر مقدم کرتے ہوئے آپ کو حیاتِ دوام بخشے

کن انت ردءً للصغار ومنجدا

چھوٹوں کے لیے آپ معاون و مددگار ہو جائیے۔

فعلوتم مجدًا ونلتم سؤددا

پس آپ صاحبان مجد و شرف میں تفوق رکھتے ہیں اور سیادتیں حاصل کر چکے ہیں۔

اوصٰی بہ الشیخ الاجلّ تزوّدا

اُخروی توشہ ہونے کے اعتبار سے شیخ الاسلام نے اس کی وصیت فرمائی ہے۔

اللہ موجودٌ ویبقٰی سرمدا

اللہ تعالیٰ ہی موجود ہے اور وہی آئندہ ہمیشہ رہے گا۔

ذکر حسین احمد کی ایک جھلک

(از محمد سمیع اللہ قاسمی بستوی)

روشن تھا جس سے عظمتِ روحانیت کا باب
وہ عارفِ رموزِ حقیقت نہاں ہے آج
پاتی تھی جس سے روح غذائے سکون بخش
وہ ساقی شرابِ محبت نہاں ہے آج
وہ غمگسارِ قوم وہ ہمدردِ بے کساں
وحدت پرست و خادمِ ملت نہاں ہے آج

عبرات وزفرات

علیٰ رحلۃ قطب العالم مولانا السید حسین احمد المدنی قدس اللہ سرہ العزیز

للفاضل الادیب مولانا عبد المنان ابن علامۃ الشیخ عبد السبحان المیواتی الدھلوی۔

ترجمہ بن مولانا حبیب الرحمٰن المیواتی۔

شمس الهدیٰ والدین والعرفان — غابت وما طلعت فیا حرمانی

آہ ہدایت کا سورج، دین کا آفتاب اور عرفان وحقیقت کا نیّر تاباں، حجاب کی اوٹ میں آکر چھپ گیا اور ضیا پاشی کو اب تک طلوع نہ ہو سکا
پس ہائے بدبختی وحرماں نصیبی

لا فولها الخضراء سوّد وجهها — بتمامه وتغیر الملوان

اُس کے چھپ جانے سے آسمان نے ماتمی لباس پہن کر اپنا تمام چہرہ سیاہ کر ڈالا اور لیل ونہار کی گردش میں فرق آگیا۔

ضاق الفضا بما تخلّل بیته — خبر تضمن فاجع الحدثان

فضا میں تنگی محسوس کی جانے لگی جب اس میں اندوہناک حادثہ کی خبر ڈالی گئی۔

لا والذی یحیی ویمیت میّتاً — لا یستطیع لحمله الثقلان

خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں زندگی ہے اور مرنے کے بعد اٹھائے جانا۔ اس کرب آگیں خبر کی کائنات انس وجن میں تاب وتحمل وتوانائی نہیں۔

سلب العقول فراقه وتوقدت — بجوانح المشتاق من نیران

اس کے درد انگیز فراق نے فہم وخرد کو لوٹ لیا اور مشتاق دیدار کے پہلو میں آگ کی بھٹی سلگا دی گئی۔

کیف العزا وقد تعذر امرہٗ — هجر الحبیب خلاصۃ الاحزان

آہ! صبر وسکون کس طرح ہو کہ معاملہ طاقت سے باہر ہو گیا۔ محبوب کی جدائی یقیناً کرب واندوہ کا نچوڑ ہے۔

ھذا الذی ھدّ الجبال وزعزع القصر الرفیع وشامخ البنیان

آہ! یہ ہمت شکن خبر جس نے پہاڑ کو توڑ کر رکھ دیا اور صبر وثبات کے سنگین قلعوں کو ہلا دیا۔

وبکت علیه ملائک اذ قیل فاظ حسین احمد زبدۃ الاقران

اور فرشتوں نے اس پر آنسو بہائے جب کہا گیا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رح اپنے مولا سے جا ملے۔ جو علم وعمل، زہد وتقویٰ، ریاضت ومجاہدے اور خلوص وللہیت میں) انتخاب روزگار تھے۔

کتنی مبارک تھی آپ کی زندگی اور موت۔ اے میرے ٹھکانے اور اے میری روح جس سے آنکھیں ٹھنڈک محسوس کرتی تھیں۔

انت الذی بجمالہ منهوبۃ — الباب نا وبجفنه الفتّان

آپ کے مبارک چہرہ پر ہویدا جمالِ حق کی تاب نہ لا کر ہمارے دل بے قابو اور مئے توحید سے سرشار آنکھوں میں نورِ حق کی چمک — آپ کی ذات ستودہ صفات تو وہ ہے جس کے جمالِ حق نما اور عشقِ الٰہی میں مخمور آنکھوں پر ہمارے دل لٹے ہوتے ہیں۔

وبقیۃ السلف الذین حیاتهم — ومماتهم فی طاعۃ الرحمان

آپ اسلافِ کرام کے سچے نمائندے اور ان کی جیتی جاگتی تصویر جن کی زندگی اور موت پروردگارِ عالم خدائے قدوس کی طاعت وفرمانبرداری کی نذر ہوتی۔

مازال مدۃ عمرہ تبعاً لمنهجهم — ولم تتزلزل القدمان

ہمیشہ ان کے مسلکِ قویم ونہج مستقیم پر پابندی سے جمے رہے اور پائے ثبات لغزش آشنا نہ ہو سکا۔

ومخالف الخلافۃ متشددا — متحدّیاً بصراحۃ الاعلان

اور اس سے علیحدہ راہ عمل منتخب کرنے والے کے سخت مخالف اور کھلے اعلان کے ساتھ چیلنج کرنے والے

للہ طاعته باکمل وجهها — والاتباع لسیّد الاکوان

خدائے قدوس ہی کے لیے اسکی تمام تر اطاعت وبندگی اور اتباع سرور کائنات

والاستنان بسنۃ الخلفاء هم — اهل السعادۃ من ذوی الایمان

اور خلفائے راشدین کے مقدس اور بے خوف وخطر طریقہ کی پابندی جو گروہ مومنین میں ممتاز سعادت ومجد کی دولت لازوال لیے ہوتے ہیں۔

رب العزائم لا یخاف ملامۃ — فی اللہ یقطع حیلۃ الشیطان

عزم وہمت کا پہاڑ، ملامت سننے کا خوگر، احکامِ خداوندی میں شیطانی مکروفریب کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

واللہ مارأت العیون مثیله — فیما یقول لجابر السلطان

خدا کی قسم جابر وظالم حکومت کے سامنے حق گوئی وصاف بیانی میں ان کا نظیر نہیں دیکھا گیا۔

کان الفقیه مسامحاً من اساء — الیه یعفو عن جنایۃ جان

مرحوم (آہ مرحوم کہتے ہوئے دل کانپتا ہے) اپنے ساتھ کی ہوئی برائی سے درگزر کرنے والے اور مجرم سے چشم پوشی۔

کم سبّه اهل النفاق فلم یجب — ومضیٰ ویکظم غیظه ویعانی

اہلِ نفاق وبدباطن گروہ نے کتنی ہی مرتبہ سب وشتم (گالی گلوچ) سے ان کو ستانا چاہا کہ راہِ حق سے لوٹ آئیں لیکن گالی سن کر وہ کوہ وقار سے خاموش رہا کوئی جواب نہ دیا اور اپنی راہ لی۔ آہ (آزمائش اور پھر اپنوں کی، کتنا بھیانک اور درد انگیز منظر ہے یہ)

حیّاً ومیتاً طابت یا سندی ویا — روحی الذی [illegible] — احد یقابل فضلہ ویدانی

عالم اسلام کے عظیم انقلابی مفکر	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
فرنگی کے خلاف سب سے پہلے جہاد کا فتویٰ دینے والے	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رح
جہاد بالاکوٹ کے قافلہ سالار	سید احمد شہید رح
توحید و سُنت کے بیباک مبلغ	شاہ اسمٰعیل شہید رح
۱۸۵۷ء کے جہاد شاملی کے امیر	حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح
تحریک آزادی کی چھاؤنی دار العلوم دیوبند کے بانی	مولانا محمد قاسم نانوتوی رح
تحریک ریشمی رومال کے قائد	شیخ الہند مولانا محمود حسن رح
تحریک آزادی کے عظیم راہ نما	مولانا سید حسین احمد مدنی رح
تصوف و سلوک اور فقہ کے امام	مولانا رشید احمد گنگوہی رح
فقہ و دانش کے عظیم پیکر، ابو حنیفہ ثانی	مولانا مفتی کفایت اللہ رح
تحریک پاکستان کے روح رواں	مولانا شبیر احمد عثمانی رح
دعوت و تبلیغ کی عالمی تحریک کے داعی	مولانا محمد الیاس رح
کاروان علم و فضل کے سالار اعظم	مولانا سید محمد انور شاہ رح
اصلاح و ارشاد اور تصوف و احسان کے عظیم داعی	مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح
جہد مسلسل اور جفاکشی کے مثالی پیکر	مولانا عبید اللہ سندھی رح
توحید و سنت کے پرچار کیلئے شمشیر برہنہ	مولانا حسین علی رح
جنگ آزادی کے حُدی خواں	سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح
سُنت نبوی کے عملی پیکر	مولانا احمد علی لاہوری رح
باطل تحریکوں کے خلاف سیف بے نیام	مولانا غلام غوث ہزاروی رح
تحریک نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سالار اعظم	مولانا مفتی محمود رح
تحریک تحفظ ختم نبوت کے عظیم قائد	مولانا سید محمد یوسف بنوری رح

أُولٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ — إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ

احکامِ شریعت سے بے پروا اور اسلامی تعلیمات کے عملی منکر جو اسلامی نظامِ حکومت کا محض نشہ اقتدار و جذبۂ سربلندی اور کلیدی عہدوں پر براجمان ہو کر اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کو پورا کرنے کی خاطر پرچار کرتے پھر رہے ہیں اور اساطینِ ملت و علماءِ امت کی شان میں گستاخی کے مرتکب مغربی کور مغزوں، بے بصروں کے گندے اور باطل افکار کو مستعار لے کر اکابرِ ملت و مشائخِ کرام کا استہزاء کرنے کے خوگر افراد و اشخاص) ذرا یہ تو بتاؤ کہ کیا تمہارے گروہ اور بھیڑ میں کوئی ایسا فرد ہے جو علم و فضل میں اس گرامی قدر شخصیت کا مقابلہ کر سکے اور زہد و ورع میں استقامت و استقلال میں اس سے آنکھیں ملا سکے۔

یمسی ویصبح داعیًا یدعوالوریٰ   ویحضّھم یا معشر الاخوان

آہ جس کی صبح و شام اس طرح گزرتی تھی کہ مخلوقِ خدا کو پکارتے اور اُن کے جذبات میں ہلچل مچا کر ان سے کہتے تھے بھائیو!

غفلاتنا لا تنتھی و نحوسھا   لا ینقضی والموت اٰتٍ دانٍ

ہماری غفلت و مدہوشی بدستور باقی ہے اور اس کی نحوستیں بھی ختم نہیں ہوئیں اور موت عنقریب آنے والی

لا تنسوا اللّٰہ العظیم الٰھکم   واستغفروہ فکل شئ فان

اپنے معبودِ برحق خدائے کریم کو کبھی فراموش نہ کرو (کہ اس میں نقصان و ضرر کے سوا کچھ نہیں) اور اپنے جرائم کی (جو روز و شب شام و سحر سرزد ہوتے رہتے ہیں) بارگاہ خداوندی میں معافی مانگو کیونکہ ہر چیز کو فنا ہونا ہے۔

آہ کتنی پیاری تھی یہ تقریر۔

من للمعالم والمعاھد جنّۃ   عونا ومن لھدایۃ العمیان

آہ اب معالم (متبرک آثار) و معاہد (مذہبی تعلیم کے اعلیٰ مراکز) کا سرپرست کون ہوگا؟ اور کور چشمان ضلالت و گمراہی کی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کون کرے گا؟

ارأیت من یرتاد نا متشوقًا   من بعدہ لمعارف الایقان

کہیے کیا خیال ہے آپ کا۔ حضرت اقدس کے بعد ہمیں معارفِ یقین و طمانیت سے مالا مال کرنے والا پرشوق و شفقت آمیز اور محبت بھرے لہجے میں کون بلائے گا؟ آہ ثم آہ

من یلفظ الدر والثمینۃ حینما   یلقی خطابتہ ومن لمعان

آہ خطابت و تقریر کے سیدھے سادھے اسلوب میں قیمتی موتی کون بکھیرے گا اور نت نئے معانی ہاں الجھے مسائل کے پیچ و خم میں خوض فرما کر دقیق حل کون فرمائے گا۔؟

من یکرم الاضیاف حق ضیافۃ   ویسرھم بملاحۃ العنوان

آہ (ساقی کوثر کے پیغامبر کے چشمہ صافی، ہاں عرفان و یقین کے بحر ناپیدا کنار پر سیرابی حاصل کرنے کے لیے) عزیز مہمانوں کی مہمان نوازی، حق ضیافت کون ادا کرے گا؟ اور انہیں مختلف عنوانات سے مسرور و شادمان کرنے کا کون کفیل ہے۔

ویم تدروما توقف ساعۃ   عجبًا لہ ولوابل الاحسان

آہ (معارف قرآن و حدیث کا) ایک ابر کرم تھا جو بلا توقف تشنہ گانِ علوم و معرفت پر برستا تھا۔ احسان و تصوف کی بارش کتنی عجیب تھی؟

من للذین تضرّمت احشاءھم   وتقطعت للعالم الربانی

آہ اس مردِ خدا کے فراق میں ان دل باختگان صادق کا کیا حال ہوگا جن کی دنیائے دل عشق و محبت اور عقیدت و احترام کا آتش کدہ بن گئی اور ان کی دلدہی کون کرے گا۔

من للذین یرون غرۃ وجھہ   ریا الغلیل وشربۃ الظمآن

آہ ان کا کیا حشر ہوگا جو جمالِ محبوب کی ایک جھلک کو حاصل زندگی (کاس الحیات) اور اپنی تشنہ کامی کی سیرابی خیال کرتے ہیں۔

من للذین تانسوا بلقائہ   زمنًا ومن لمشاکل الھیمان

آہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو محض اس کے کریم چہرہ کو دیکھ کر انسان بن گئے اور توحش و غلط طریقِ زندگی کو خیر آباد کہا) مسائل عشق و محبت کون سلجھائیگا۔

یا سجن مالطۃ تطائر صیتھا   انعیٰ الیک امامنا ذا الشان

اے جزیرۂ مالٹا کے قید خانے جس کی اس میں آنے والوں کی جلالتِ شان سے عالم میں دھوم ہے۔ آج ہم تجھے تیرے تاجِ شرف و فضیلت کے درخشاں موتی اور اپنے شیخ کبیر کے انتقال پرملال کی اطلاع دیتے ہیں۔ (واس حادثہ پر ہاں خوب دل کھول کر رو کہ اس راہ میں تو ان کا پہلا میزبان تھا۔)

قد کنت ممتحنًا بدا الائمۃ   اوذو بغیر جریمۃ العدوان

تو ہمارے ائمہ کبار کی آزمائش گاہ بنا۔ جنہیں بغیر کسی جرم کی پاداش محض حق پسندی و حق گوئی کی وجہ سے تیری تیرہ و تار کوٹھریوں میں بند کر دیا گیا (لیکن پھر بھی حق کے نیر تاباں کی ضیا پاش کرنوں کو روک نہ سکے۔

أحمایۃ الوطن القدیس جریمۃ   یا ربنا خذ قادۃ الطغیان

کیا اپنے پیارے وطن سے محبت اور اس کی حمایت جرم ہے۔ پروردگارِ عالم سرکش و متمرد قیادت کی سخت گرفت فرما۔

واطمس علیٰ اموالھم واشدد علیھم، ثم مزقھم بکل مکان

اور ان کی (انسانی خون سے سینچی ہوئی) دولت کو فنا کر اور ان پر سختی فرما اور ان کے (سیاسی و معاشی اور اقتصادی) ٹکڑے فرما۔ ہر جگہ ان میں سیاسی اختلاف، معاشی بحران اور اقتصادی بدحالی فرما کر زمین کو ان سے پاک فرما۔

دار العلوم یتیمۃ لوفاتہ   آمالھا مقطوعۃ وامانی

آہ! حضرت شیخ الاسلام کی وفات حسرت آیات سے دارالعلوم یتیم ہو۔ اس کی تمنائیں پامال اور حسرتیں برباد ہو کر رہ گئیں۔

فسلام ربی غیر منقطع ورحمته، علی مثواہ کُلّ اوان

خدائے قدوس کا ان پر مسلسل سلام ہو اور سدا بہار رحمت ہو ان کے مقدس مزار پر۔

یا من یحب حسین احمد حسبکم ما جاء فی الآثار والقرآن

اے عاشقانِ حسین احمد تمہارے لیے بس اتنا کافی ہے جو قرآن و حدیث میں آیا ہے

صبراً فانّ الصبر مفتاح النجاح من الکمال وزینة الانسان

صبر کیجئے، صبر کمال و انسانی شرف و فضیلت سے فائز المرام ہونے کی کنجی ہے

للّٰہ ما اعطی وما ہو اٰخذ بقضائہ فی عالم الامکان

سب کچھ خدا کا ہے جو وہ دیتا ہے اور جو وہ لیتا ہے اپنے فیصلے سے

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

ومن ولدہ ولد سعیدٌ اسعد مخ الصّداقة قرۃ الخلان

حضرت شیخ الاسلام کی اولادِ امجاد میں سراپا خلوص و سعادت مولانا سیّد محمد اسعد میاں (فاضلِ دیوبند و استاذ دارالعلوم) ہیں۔ صداقت و دوستی کے مغز اور ساتھیوں و پسماندگانِ حضرت متوسلین کے لیے سامانِ راحت جان و سرورِ قلبی۔

فی المہد ینطق عن سعادۃ جدہٖ اثر النجابة ساطع البرہان

پیدائشی صلح اور اپنے مورثِ اعلیٰ اور دنیا کے محبوب ترین و کامل ترین ہادی برحق م کی سعادت لیے ہوئے چہرہ پر شرافت و نجابت کے آثار

فاللہ ینصرہ ویحفظ دائما
ابدا طفیل رسولہ العدنانی

خدائے کریم ان کی اسلافِ کرام کے سبل سلام (سلامتی کے رستے) کی حفاظت و نگرانی میں مدد فرمائیں طفیل سرورِ عالم حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم۔

قطعہ

محبوبِ الٰہی کامل دیوبندی

رہبر تھے رہِ صدق کے راہی تھے حسینؒ
دنیا کے لئے فضلِ الٰہی تھے حسینؒ
اب کون ہے مجموعۂ اوصاف ایسا
درویش، عالم تھے سپاہی تھے حسینؒ

مزارِ پاک پر

یہاں کا ذرہ ذرہ گلستاں معلوم ہوتا ہے
خدایا تیرا لطف بیکراں معلوم ہوتا ہے
ہر اک تارِ نفس کو اک نیا پیغام ملتا ہے
کوئی اسرارِ حق کا رازداں معلوم ہوتا ہے
اس آبادی میں تنویرِ حرم کا عکس ملتا ہے
یہاں ہر شے پہ رحمت کا نشاں معلوم ہوتا ہے
یہاں ہے رحمتِ حق عام ارواحِ مقدس پر
یہ ویرانہ مکانِ قدسیاں معلوم ہوتا ہے
میرے حالِ زبوں پر ہمسفیر و رحم فرماؤ
میرا سوزِ دروں کچھ کم یہاں معلوم ہوتا ہے
تلاشِ حق کی خاطر خود ترے مرقد پہ آتے ہیں
مزارِ پاک گویا آستاں معلوم ہوتا ہے
تری فرقت کو دنیا موت سے تعبیر کرتی ہے
مجھے یہ حادثہ اک امتحاں معلوم ہوتا ہے
سناؤں کس کو اپنا قصۂ خونیں جگر ہمدم
بہر سو قلبِ مومن خونچکاں معلوم ہوتا ہے
اسی خاکِ مقدس کی طرف دل اپنے مائل ہیں
یہاں پنہاں متاعِ کارواں معلوم ہوتا ہے
چراغِ راہ بن کر ظلمتِ شب میں جو چمکا تھا
وہی اب زینتِ بزمِ جناں معلوم ہوتا ہے
وہ گوشہ زندگی کا جو ترے ارشاد پر گزرے
وہی حصہ مجھے گنجِ گراں معلوم ہوتا ہے
حدیثِ معرفت، اعلانِ حق، تحریکِ بیباکی
اب ان خاکوں میں حسرت کا دھواں معلوم ہوتا ہے
رشیدؔ اک تم نہیں مصروفِ غم اس بزمِ امکاں میں
یہ عالم کشتۂ دردِ نہاں معلوم ہوتا ہے

از: مولانا رشید الوحیدی

محسرت دارالعلوم چھاپی

من معاشر الطلبه والاساتذه واراکین المدرسه

بقلم الاستاذ مولانا عبد الله بن الحاج جان محمد
عضو المدرسة دارالعلوم چھاپی (پالن پور)

باللاسف! قد اختلت عنا القدرة الالهية الى كنف رحمته رحلة العصر وقدوة الدهر استاذ الاساتذه ورئيس الجهابذة المحدث الوحيد المفسر الفريد الفقيه والامام ماهر العلوم النقليه والعقليه مولانا السيد **حسين احمد** قدس سره ونوّر الله مرقده

لاريب ان وفات الشيخ وفاة اكمل عالم ربانى فى العصر الحاضر لا يرتجى له المثيل فى الغابر وكان رحمه الله حسن المجلس ذا وقار وهيبة واذا عاشه احد احبّه حتى يكون احب من نفسه وكان رحمه الله احسن النّاس منطقًا واحلاهم نغمة عند قرأة الحديث وتلاوة القرآن فيتمنى المرء ان لا ينقطع تلاوته - وكان رحمه الله متواضعًا يحب العلماء والطلبة وكان لا يملّ من اسئلة فى تحقيق المسائل واذا سأله احدٌ عن مسئلةٍ لطيفه لطيفة وكلام رقيق ينبسط بسواله ويتهلّل به جهته ثم يجيبه باهزاز ومسرة - وكان رحمه الله تنقضى اوقاته امّا فى المطالعة وامّا فى الدرس واما فى تزكية القلوب وتصفية الصدور واما فى اختلاع اصول ابالیس واقدام براجيس واظن ان اوقاته بل انفاسه لم تخل من اجر المواصل ولن تخلوا اذ عليه الصّلوٰة والسّلام قال اذا مات الانسان انقطع عمله الّا ثلاثة اشياء من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله - فنحن اولاده علماء واطفاله عيلا ندعوله بختم القران - وذكر اللسان أناء الليل واطراف النهار قال على ما قال عليه السلام القائل واجاء

موت التقى حياةٌ لا انقطاع له
قدمات قوم وهم فى الناس احياءٌ

فالقّ برقٌ موهنا فى حنادسٍ — فضاربه ايّامنا مثل اعيادِ
وجاء الزمان بالهداية اذ غدا — يسارك اقوى من يمين بانكادِ
فجاء الزّمان بالهداة وقاسم — يقسم من ينبوعه جودا جوادِ
وليس عطاؤه ادارة اكوب — ولكنه علم كنور لوقّادِ
لقد زرع العلم ولكنه غدا — بحور الذى اوام صادٍ لارشادِ
فكم غائص تضلّع العلم جمّة — وماهوى بحر منفدرىّ انقادِ
لقد زرع العلو ولكنّه غدا — خورًا على خيار قوم بفوءاد
ففارق بعضهم لحلوانِ شرب — الى عروة العرش بتائيد آيادِ
لقد زرع العلم ولكنّه غدا — سيوفا على شرار قوم لهّادِ
عدوّكم برطانيا، انهم حروا — كتيفًا الى اكناف الارض اعضادِ
فهم قصدوا اذا هم طغوا اوهم لغوا — عتوا واضلالًا بانواع الحادِ
فدتيك مسلوبُ دنياك لو علوا — عليك لاغواءٍ با نحاء افسادِ
فلولم يكن فى حظّنا ماتدبّرا — امامُ الهداة من جهادٍ واجهادِ
اُريد بجهدٍ ماتزرّع ذاته — حلولاً حلول روحٍ ونورٍ باجسادِ
ياخيارنا شيئًا ومحمود جمّة — فيرتضع الناس بحورًا لميعادِ
اتمتلجُ الناس علومًا مصاصة — كمص صبّى فهو امٌ لاولاد
ايلقتم بحرُ شربة ويوجرو — لئن كنت فى ريب فشيخ لاشهادِ
اروني مجاهدًا اروني معارفاً — اروني مسابقا بجال واورادِ
اروني مبارزًا اروني مثابرًا — اروني اميركم بدى يوم آزادى
فكيف تحسل بحورًا وابحرًا — اذ طرفه اصخر صخر اكبادِ
وكيف تحمّل سيوفا صورمًا — اذ هو بيننا مشابه افراد
وكيف تفحم مسلوكًا مراقباً — بروعًا مسابقا اذا لاشغال عادِ
امستنكر على اله مُهَيمن — هيالك ان يجمع كل امجاد
بعنوان حسن فى حسين اذا هوا — محمد محمود حمودٍ باحمادِ
لقد ذرع الله فى فوادہ — نواة مراد ما اراد باستادِ
اذا وافق الدهر ومقصد تامّا — فلا عمل ولاده وثوقاً باعمادِ
لقد ضل قوم اعتماد على دها — دهر مداهر وقوعًا باوهادِ
قفا نبك فى مثل غزالٍ وحنبل — فكرخىّ عصر وطحاد وحمّادِ
بكى عالم الاسلام طرًا واجمعًا — لخطب جليل قد اناخ ببلاد
لغيثًا بمنعى شيخنا شيخ عالم — فضار العوالم رجوعًا الى واد
سقى الله جدثا فيه مجد بامجادِ — عليك سلامٌ ياحسين كاطواد
سلام على حفظ كتاب وسُنّةٍ — واثروجرٍ بعد شيخ واجداد
وابيض صارم لكل مسيلم — وبدرٍ مبين دجى كفر والحادى
لقد كان رمحًا سمهريًا مشفقًا — لمثل مسيح انجليس وآسادِ
وقدكان فردًا [illegible] معًا — معارف اعلام الهدى واستادِ

سرحت لنا الاثار اذ هی اُشکلت ... وفسر آیات الکتاب باشهاد
بکاه مقام الدرس والوعظ حاسرا ... بکته نولحی الارض والفلك الجاد
وابکی بکاةً عداما بکیـهمُ ... ه علمابما الفتح ابواب شوشاد
لما اتّ برجلیثا متی ثم موعده ... فاقدامه مقلوعة مع اصفاد
فعاش بین هـم اسرعون تعصبًا ... وفبران دارك اعالم افساد

وانتم تعوّد ثم الی احتجابهم ... ضنه، قدوة راحل منکم بارشاد
عنیك سلام الله یا قبر احمد ... ورحمة تترى کودق واسناد
بفضلك یا مولی الورٰی قل لروحه ... ایا روح عبدی هٰذه الجنة واذ وادی
صلوه علیٰ نبینا وسلامة ... وآل صحبه الیٰ مدی اٰبادِ

عربی حضرات کے مقالات ترجمہ کے ساتھ پہلے گزر چکے ہیں۔ چند ہندوستانی احباب اور بزرگوں نے بھی عربی میں خیالات ظاہر کیے ہیں جو ان صفحات میں پیش کیے جارہے ہیں۔ چونکہ مضمون وہی ہے جو اردو کے مقالات میں پیش کیا گیا ہے۔ لہذا ادارہ نے ان کے ترجمہ کا اہتمام نہیں کیا۔ البتہ کچھ نظمیں ترجمہ کراکر بھیجی گئی ہیں۔ وہ آخر میں ترجمہ کے ساتھ شائع کی جائیں گی۔ (ادارہ)

مولده وأسرته

كان مولانا الشيخ احمد المدنى علما من اعلام الاسلام وبطلا من ابطال المسلمين والهنود الذين حملو راية القيادة فى ميادين الفضائل والاخلاق والعلوم والجهاد الوطنى وتجد فى سيرته العاطرة صورة رائعة جديرة بالقدوة والاسوة نعم انه كان شخصيته محببة الى ملايين النفوس لا فى الهند فقط بل فى مشتى بقاع العالم الاسلامى لما امتازت به من الخصائص الساميه والفضائل العالية۔

ولد الشيخ حسين احمد المدنى فى ١٩ من شهر شوال عام ١٢٩٦ھ الموافق لعام ١٨٧٩م ببلدة «بانكرمئو» بمديرية «اناؤ»، الواقعة فى مقاطعة «اُترپردليش» بشمال الهند ۔ وكانت عائلته منحدرة من الاسرة الحسينية واستوطنت فى الهند فى الهند منذ عدة قرون۔

وقد تحلت فى أسرته خصائص العلم والفضل والتقوىٰ والسنة۔ فلما اتم حسين احمد دراسته الابتدائية الحقه والده المحترم السيد ماجد حبيب الله بدار العلوم۔ ديوبند واصبح محببا وقرة عين لشيخ الحديث بدار العلوم شيخ الهند مولانا محمود حسن وواصل دراسته تحت رعايته وكنفه ولم يلبث أن فرغ من دراسته هناك عزم والده الهجرة إلى المدينة المنورة مع افراد عائلته ففى عام ١٣١٦ھ الموافق لعام ١٨٩٩م توجه حسين احمد مع والده وافراد عائلة الى الحجاز۔

حياته في المهجر

في هذه المناسبة أريد أن اوجه انظار القراء الكرام الى خصلة حميدة امتازت بها أسرة حسين احمد المدني في المهجر لتكون عبرة للآخرين إن والده السيد ماجد حبيب الله وأفراد أسرته لم يعتمدوا أبدا على الاوقاف والاموال الخيرية التي يعتمد عليها عادة معظم المهاجرين الى المدينة المنورة والمكة المكرمة ولم يكونوا عالة على الآخرين بل فتحوا متجرا هناك ليكسبوا منه قوت يومهم بينما عين حسين احمد المدني موظفا عاديا في احدى المدارس بالمدينة المنورة ولعل هذه الخصلة أي خصلة الاعتماد على النفس وعدم التطفل على الاوقاف والاموال الخيرية لهي التي زرعت في نفس حسين احمد البسالة والكرم والخصائص السامية وأقلعت منه سفاسف الامور وخسائسها وبعد ان قضى مدة من الزمن في الوظيفة المذكورة قام بتدريس العلوم الشرعية في المسجد النبوي بالمدينة وتحول في مصر والشام وفلسطين واليمن وتونس وافغانستان وايران وغيرها من الاقطار الاسلامية لمدة عشر سنوات وانفتحت مواهبه العلميه والثقافية والسياسية بفضل هذه الزيارات وكثرة الاتصالات المجدية۔

مواقفه الوطنية

ولما اشتعلت نار الحرب العالمية الاولى الف شيخ محمود حسن ورفقاؤه الوطنيون جيشا وطنيا باسم "جنود اله" يهدف إلى تحرير الوطن الاسلامي من النفوذ الاستعماري وتخليص الهند خادمة من سيطر الحكم الانجليزي وعين شيخ الهند قائدا عاما لذالك الجيش وكان مقره العام في المدينة المنورة ولولا أن وضعت الحرب أوزارها لفتحوا مراكز فرعية له في كل من قسطنطنية وكابل وطهران ولكن الحرب قد انتهت في صالح الانجليز وانهزمت تركيا وألمانيا وقام حاكم الحجاز وقتئذ شريف حسين باعتقال شيخ الهند محمود حسن ومولانا حسين احمد المدني وزملائهما وحولهم الى الانجليز فحوكموا أمام محكمة عسكرية في مصر وحكمت عليهم بالسجن بتهمة الخيانة العظمى، ثم نقل الشيخان الى مالطة وقضيا فيها حوالى أربع سنوات وفي الوقت نفسه قبضت الحكومة التركية على والده السيد ماجد حبيب الله واخوانه بصفة كونهم من الرعايا الهنود ووضعوا تحت الحراسة في مدينة في ضواحي تركيا وتوفي فيها والده واخوه السيد محمد صديق كما لاقى اخوانه الآخرون أنواعا من التشريد والمتاعب في الحجاز وغيرها

نشاطه العلمي والعملي

كان الشيخ حسين احمد المدني عالما من أجلة علماء العالم الاسلامي ويقف في الصف الاول لكبار علماء الهند وكان يشغل منصب شيخ الحديث في دار العلوم ديوبند وعميد ها۔ ولم تتح له الفرص لقطع مشرط بعيد في ميدان التصنيف والتأليف بكثرة الاعمال والارتباطات ولكن له بحوث قيمة ومقالات ثمينه ومجموعة من الخطب العلمية النافعه وكان يتول رياسة جمعية علماء الهند سنة عام ۱۹۴۰ء الى يوم وفاته في الخامس من شهر دسمبر عام ۱۹۵۷ء وان الشيخ مدني كان عالما فقيها ورعًا ويحافظ على اداء الصلوٰت الخمس بالجماعة حتى ولوفى اثناء السفر ومواظب على صلاة التهجد وتلاوة القرآن واداء النوافل ولا تخلوا مائدة يوما من الايام من الضيوف والعلماء والادباء من شتى انحاء البلاد ومن خصاله الحميدة التي امتازبها عن سائر العلماء و رجال الدين انه لم يكن يد وس أنفه ولا يضيع اوقاتها النفيسة في المناكرات والمناقشات التي لا طائل تحتها للاسلام والمسلمين هذه خصلة يجب ان تكون اسوة العلماء الجيل الحاضر ۔ رحمه الله الفقيد بواسع رحمته۔

قطعهٔ تاریخ

از۔ مولوی قاسم سیوہاروی

چل بسے مولوی حسین احمدؒ
کیوں نہ ہوں دل کو اضطراب وقلق
سالِ مہ سے وفات کا ان کی
شیخ صوفی ولی واصلِ حق
۱۳۷۷ھ

مرثيه الشيخ الاجلّ والحبر الابجل

شيخ الاسلام والسيّد القمقام الشريف الاوحد مولانا حسين شيخ دار العلوم (بديوبند) ورئيس جمعية علماء الهند عليه الرحمة والرضوان وادخله الله تعالى بحبوحة الجنان

من حضرت الاستاذ مولانا ميرك شاه اندرابى
رئيس جمعية الاوقاف فى منطقه - پنجاب (پاكستان)

اراب القلب انباء اتتنا   بايعاد الدواهى واغتمام
واقلاقٍ وايلامٍ وحزنٍ   وافزاعٍ وتحرير المنام
وايحاشٍ وادهاشٍ وياسٍ   واسهارٍ قرينٍ بالحمام
الا ياعين بكى اذ رزئنا   كريمًا سنيدًا راس الانام
امامًا هاديًا قمرًا منيرًا   مزيحًا نوره ظلم الظلام
محيط بالعلى بحرًا نحيحًا   عزيمًا بارعا قيل العظام
رحيب الصدر ذا نسبٍ جليلٍ   رفيع القدر مرضى المقام
زعيم القوم هاديهم برشدٍ   لسان الجمع فى وهج الخصام
سميًّا للحسين بن العلىّ   واحمد سيد الرّسل الكرام
فدمع العين جارٍ مذ نعينا   وحزن القلب حظ المستهام
يبكى طالبوا درس البخارى   ومغترفوا المعارف والزمام
الا يا موت رفقا ثم رفقا   الا ابتقى على سبل السلام
على علمٍ وعرفانٍ ومجدٍ   وجدٍّ واجتهادٍ واقتدام
وحزمٍ ثم عزمٍ ثم جودٍ   وصدقٍ فى الشجاعة واقتحام
وبرٍّ والسخاء وفاء عهدٍ   وتحديثٍ وفقهٍ والكلام
وتفسيرٍ وتذكرٍ انيقٍ   واصلاح الخليفة واعتصام
الا يا موت مهلا ثم مهلا   الم تعرفه، ام خرت التعامى
فقد اذهبت شيخًا مستطابًا   ومن ساس الورى وعلاه نامى
وقد ابكيت جمعًا من رجال   يسمّى جلّهم باسم الامام
لمعقولٍ ومنقولٍ وفضلٍ   وحلّ المعضل الصعب المرام
سبيل الموت منهاج البرايا   مآل العيش عين الاخترام
خلود المرء لم يسمع قديمًا   ولا مولود باقٍ للدوام
ولا مخلوق الا سوف يفنى   ويبقى وجه خالقنا السلام
ومن ابقى بقايا صالحات   هو الباقى على رم العظام
فصبرًا ايها المختار صبرًا   فما ذى الدار الا لانهدام
ويا رحمان رحمتًا وجودًا   ورضوانًا على الصدر الهمام
وطيب داره مثواه فيها   واكرمه بريحان النعام

قطرات الدّم

بقلم الفاضل حبيب الرحمن الميواتى

لقد بذل المجهود وضحى حياته
لخدمة دين الله نار بكلكل

هل تعرف رجلا جمع الله فيه العالم برمته فبينما هو يحدث بكلام سيد المرسلين اذ يلوى الى اهم نكات تفسير القرآن ويشرح عويصات المسائل ومختصراتها ويرشد الهاوى الغوى إلى نهج مستقيم وصراط سوى وبجوار ذلك يجاهد اعداء الاسلام حتى صار عدو الاستعمار البريطانى رقم -

(١) بخريطة أسياء - ؟؟

ارأيت رجلا افنى شبابه الزاهر بصرم اغلال الاستعمار المسيطر على الناس بغير حق واخراجهم من الظلمات الى النور ولم يخطر بباله ان يترفع على الناس ويمتاز منهم ونال من الله خيرا كثيرا لعبادة اياه فى السرّ والعلانية والسرّاء والضرّاء وربطه به وتعلقه معه ؟؟

اتعلم رجلا لا نظير له ولا مثال ولم يكن أحد يباريه او يضاهيه فى شئونه بحياته الحافلة بشتى المعالم لكن لم يستنكف لقاء اىّ رجل من اوساط الناس ولم يأل جهدا بخدمته حسبما يستطيع ولم يقصر ببذل ما عنده من الاموال والنفس لخدمة الانسان حتى سدت طرائقه وصورف برذائل من قومه الذى كان أشد عليه تنكيلا لتخاذ لهم اياه بامور السياسية وتخالفهم لكن لم يقل كلمة يترشح منها اذى لاىّ رجل - اما فى امر الله ودينه فانه كان شديد التمسك به - ؟؟

اتدری رجلا یبیت دون فراشه ویناجی ربه فی
غیاهب اللیل حینما کان الناس نوما ویکون لهم
علی عرش الراحة والتلذذ استقرار ولعبة لکافحة
الشیطن الرجیم عن موسه الدین لیصول علیه بصولات
متوالیة ؟

نعم لا تدری - فیا للعجب اما تعرف دبیب
قطب الارشاد لسند الامام العالم الربانی رشید احمد
الانصاری الگنگوهی قدس سره وصاحب شیخ الهند
السید محمود حسن وتلمیذه الخاص مجاهد الاسلام
صاحب العزم والقوة والشوکة لم یتزلزل قط ضد
اعداء الاسلام

بطل شجاع لا یحوم ورائه
خوف الحوادث صخرة صماء
شهد العدو بباسه متحاربا
والفضل ما شهدت به الاعداء

سراج الهند أنار بقاع العرب والعجم بنوره المنتقی
من مشکوة النبوة واضاء العالم کلها سیما بسیطة الهند
بلوا مع جبلینة المتلألأ

سلام علی شیخ جلیل مبجّل
محامدة تبدو وتعلو وتنجلی
سلام علی من لاح نور جبینه
یضیٔ کمثل الشمس اشراقها جلی

شیخ الاسلام السید حسین احمد المدنی نعم
شیخ الکبیر - البطل الجلیل - المجاهد العظیم - علامة
فطن فهامة ورع - شفیق ولم یعدله شفیق وخلیل لم
یضاهیه خلیل -

خلّ ، وفی ، مکرم ، متواضع
الله یرفع من یری ویشاء

هل عندک منه شئ - ؟ الک عهد بشؤنه - تعالی
اتتک بناء عظیم الداهیة وما ادراک ما الداهیة
قامت قیامة صغری والمت بمن فی الهند طامة لا تکاد یضاهیها
ایة طامة من الطامات التی تتوالی منه بدء المائة
الرابعة عشر ولا فتنة تباریها ولا مصیبة توازیها ولا
هَمٌّ یساویها ولا کرب یقابلها ولا الاحزان تتنزل مثل

من الجبال الراسیات واقلعت أسطوانة من أساطین الاسلام
یذهل کل رجل عما یعمل وتری الناس سکاری وما هم
بسکاری ولکن المصائب التی صبت علیهم لشدیدة فبهتوا
واستوت علیهم غیاهب الحزن والآلام وانکشف عنهم
سحائب المسرة والنشاط، جن علیهم اللیل وصارت النهار
مظلمة لشدة ما نزلت بهم من المصیبة والرزیة
وقلب الامر المجن وبلغ التسکین العظیم مالک ان لم
تسألنی عما رایتنی مصائب وشدائد وبم أبکی لا أسلو
ولا أتجمل نعم لک حق - آه ثم آه أما سمعت ان شیخ
الاسلام قد فاظ واستأثره الله الی رحمته الواسعة -

وما کان قیس هلکه هلک واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

نعم - قد ارتحل الی الملأ الأعلی ووصل بالرفیق الاعلی -
رحمه الله رحمة الابرار قد ارملت الهند وایتمت ابناءها
وصار الحق محروما عن قائله وصاحبه فی السراء والضراء
الا ما شاء الله فانه کان شدید الحب بالوطن القدیس لا
یمکن أن یتحمل علیها استیلاء الاستعمار سواء فیها
البریطانیة والامریکیة وغیرها من قردة الاوربا او
الاسیاء واکثر ما یقول فی ذالک الأمر -

لا یجوز الحکم للاوربا علینا فنحن احق به منها ولا
یمکن اخماد الثورة الوضعی للاستخلاص حتی لا یتهیأ الا
الانکلیز للخروج من الهند ولیس لنا القرار الی ان یرجع
الامر الی اهله - نحن أفلاذ کبد الهند فکیف نحمل استیلاء
الأجانب علیها ونحن احیاء غیر اموات - ابدا -

وکان مولعا بالمآثر الاسلامیة فی الهند ولم یخطر
بباله أن یهاجر الی الباکستان بعد توزیع الهند بقطعتین -
ولما اعترض توطننا الهند - کیف یمکن ان یقطن المسلم فیها
واوتی من الارض الهندیة حصنا وافرا فاجاب الشیخ قاطعا
براهین المعترض وصرح بقول فیصل - والیک ما نصبه
الشیخ الکبیر -

نحن من الهند والهند لا یکمل عزها وشرفها ولم
ترزق الاستقلال حتی لا نحس نحن معشر المسلمین انفسنا
من الهند لا یتم هیکلها السیاسی والعمرانی الا بمعونتنا -"
وعند ما ظهر منا اجلال المکة والمدینة واحترامها

نذیر
سٹین لیس سٹیل
کے تیار کردہ
خوبصورت برتن
یہ دسترخوان کی رونق
گھر کی زینت
یہ عزیز و اقارب میں
آپ کی عزت، اور
یہ اچھے ذوق
کی ضمانت
نذیر
سٹین لیس سٹیل
حافظ آباد روڈ
گوجرانوالہ
فون :- ۷۴۶۸۰

فتعصى الحمقة اخذ يجعل تلك العاطفة معارضا لحب
الوطن ومخالفا لشؤنه فصرح الشيخ قائلا۔
نعم۔ نحن نضع فی انفسنا احتراماً للحرمين الشريفين
وما سواهما من المقامات المقدسة وهذا لا يختلف وذوقنا
الوطن فلنا جهات۔ نحن الهنديون اذ حيث نقطن ونعيش
هٰهنا ونحن المسلمون اذ تدور رحى عقائدنا وافكارنا وعجلة
اعمالنا حول كلمة لم تسمع مثلها حتى اليوم
" لا اله الا الله محمد رسول الله "
فكعبة الله وتعلقنا معه وارتباطه به واشتياق فيه فمن
ثمرات تلك الكلمة الشريفة ولمن ننزعن ع لا احد منها
(الكلمة) خوفا منه واحلالا لشخصية واحتراماله ويمكن
ان تقلع الارض وانهدمت السماء ويفسد نظام الكواكب
اما لا يمكن تحولنا من تلك الكلمة انشاء الله العزيز الكريم۔
وكان يشرف على ابناء الوطن القديس ويتعهد
شوفهم ويحفظ حرمة عزهم وكرامتهم ويسبّل
عليهم قطرات الرافة والشفقة ويرسل النصائح مدراراً
ويمددهم بنشر تعاليم الاسلام فيهم وبث الروح
الاسلامی ويجعل يوضح امامهم سبل السلام ونهج
الرشد والعناية بعبادة الملك القهار الذى لا اله الا
هو ويخرجهم من غياهب الظلمة ودياجير الغواية و
ظلمات الكفر والنفاق الى النور والهداية وجود الصداقة
والمروءة ومن الضيق الى الوسعة۔ اه ثم اه فمن كان لهم
عونا على مشاكل حياتهم ونوراموضحا فی طريق الحيواة۔"
ومن يقول لامراء الدولة وحكام القرى" ويكلم
لا تعلمون رموز الحكم واسراره فيكون الامر على شاكلته؟؟
ومن يقول للناس عند الامتحان والبلوى "صبرا فان
الصبر مفتاح النجاح والفوز والفلاح؟
ومن يخطب بقول فيصل ببذاجة الاسلوب
ومعان دقيقة وآراء قيمة؟
ومن كان للحق ناصرا بصراحة ووضوح
ومن يقابل اعداء الاسلام حينما
ياتون معاند التعاليمه ومرتابا بشرائعه ويسعون
أن يردوا المسلمين بعد ايمانهم الى ما هم عليها من الكفر
والالحاد؟

ومن يلحق أن يكون له دثارا والتمسك به شعارا واعدائه
شنه فيه افتخارا؟
ومن كان كذالك ان يجي به الحق ويزهق الباطل،
ان الباطل كان زهوقا؟
دونه الكفر والشرك
ومن يشنع ويقدح على الطائفة الباغية للسترده؟
ومن يدافع عن حومة العقائد والافكار حينما نفسه
بمكائد الشيطن وذريته؟
ومن يتحول بقرى الهند وبلد انها لدمغ الباطل
ودحض الطاغوت۔ نعم يخرج الناس من الظلمات
البدعة والزندقة والالحاد الى نور الهداية والسنة
الشريفة والصراط سوی۔
ومن يقوم بتزكية النفوس من الرذائل واصلاح
الفكر والمدركات من نفاثات دجاجلة العصر وشرزة الدهر
وفسقة الزمان براى صائب وفكر سديد وذهن ثاقب
وقوة العزم وكونه على بلية من الله تقدست عظمته؟
ومن يعالج شئون القلوب القاسية والهيمان الروحانی
وعطشة الفؤاد؟
ومن للوفود كانوا ياتونه (الشيخ) من كل فج
عميق وهم مع ذبّه اياهم من كل حدب ينسلون؟
فمن يقوم باداء شئون ضيافتهم ومن اين صودفوا
بلهجة لينة فی عين وعنف شديد فی اخر؟
ومن يسرهم بملاحة العنوان وتميق الكلام وايرادات
البحوث المختلفه؟
ومن يقول للفسقة الفجرة الذين يجونه مالكم تاتونني
بغير حق ليس لكم فی مجالس للفقراء من نصيب عليكم
تادتكم الابرار۔ (الاشرار)؟
ومن يسأل عن كل من ياتيه۔ من اين أنت قدمت كيف
الحال وبم ذالك القدوم۔ نحن معشر الفقراء والمساكين

قطعہ تاریخ

از حاجی محمد ایوب سیوہاروی

چوں حسین احمد والا گہر — زیں جہاں رفت بسوئے عدم
گفت تاریخ وفاتش ہاتف — مہبط فیض مقیم ارم

۱۳۷۷ھ

ليس عندنا شئ يتعب له الانسان ويعانى فيه شدائد وآفات ما احسن تلك الاقوال فيا عجبا بسذاجتها ورونقها و جمالها وبهائها نفس الفداء لأسلوبه الأنين وطرزه الجذاب و منطقه الساذج ،

اين الافكار الصحيحة ، والاعمال الصالحة والآراء القيمة والجهد المستمر والايثار المتوالى ، والأخلاق السامية والاقوال الثمينه ؟؟ امطروا باعينكم قطرات الدم وعبرات الدم وعبرات الحزن ، ودموع التنفس الصعداء فان صاحبكم قد غدرتكم به مقادير فمنذ اليوم لا مولى لكم ولا مثواكم يمكن عنده الاستفزاد ـ تعالوا نجتمع فى مأتم وحداد ـ اتجرؤن السوال على من الماتم ـ وعلى من الحداد ؟

اليس لكن به عهد وطال به صحبتكن ومالكن به من علم وقد امضى حياته معكن وكان مسراكن تحت اشرافه تعبرون مسافة يوم بساعة ومسافة السنين بعدة أيام ـ قطب الارشاد العالم الربانى ، شيخ الاسلام ـ آه يتلجج الصوت ويصير شذى فى الحلق كيف نفرغ علينا الصبر ومن اين التجمل بعد الشيخ المستاثر إلى رحمة الله ورضوانه تعالوا نتمثل بقول الشاعر

اذا ما دعوت الصبر بعدل والبكا
احاب البكا طوعا ولم يجب الصبر
فان ينقطع منك الرجاء فانه
يبقى وبك الحزن ما بقى الدهر
لكن الصبر أجمل من البكا ـ نعم ثم ماذا ؟
ايمكن استرادة ،
فلن يرجع الموتى حين المأتم
تقول :ـ الايتكى سلالة هاشم
ومالى اذا أبكيهم ثم ماليا

يادارالعلوم ـ نعم يامعهد تعاليم الاسلام فى الاسيا ومن اهم مراكز الدين وروحة بخريطة العالم ، انت حزنية بفراق شيخ الاسلام نحن معك فى الحزن والأسى ـ فالله يفعل مايشاء لا يسئل عما يفعل وهم يسئلون ، كان فقيدك المرحوم مشرفا على شؤنك العلمى وكوائف الانصرام وعلائق الروح وكان فى قلبه لوعة لرقيك حتى يتزلك على ما بنوك اسلافه لكرام البررة ـ لنشر تعاليم الاسلام فى العالم وبث الروح الاسلامى من العظمة والشوكة والرفة مناسبا لرسالتك ـ

يادارالعلوم ـ مهدك مهد العلم والفكر و مهد الزهد والتقى ومهد الفقر والغنى الذى افتخر به نبيا الكريم عليه الف الف تحية ـ ومهد البطالة والشجاعة والتهور والشهامة ـ

ارضك منبع الاسلام و منبت الايمان ومركز تعاليم القرآن ومأوى بدائع الحديث وحكمة ومستقرنكات الفقه الاسلامى سيما الفقه الحنفيه ومزرع الاخلاق السامية والمدركات الصحيحة وقوة العزم وسداد الرأى ورجاحة العقل ـ فمن ثمرات مساعيك الجميلة حامل لواء الاستقلال الوطنى قطب الهند و شيخها العلامة الكبير السيد محمود حسن ديوبندى فانه كان من معتنيات العصر ونجبا الارض علما وشرافة و نباهة ـ رحمه الله تعالى وأرضاه وادخله فى جنات تجرى من تحتها الانهار ـ

وتلاميذه البررة الابطال مناظر الروح الاسلامى ومظاهر نور الايمان وتفسير القرآن حيا ومعاون علم الحديث وأسراره ودواوين الفقه الحنفية وتصاوير رائعة لبغنية القرآن والحديث المنتشرة بشتى اطراف العالم حملته رسالتك ولواء رفعتك

هذه الفئة الزكية النفسية المنتقاة من الزمان والمنتخبة من الدهر فلكونها منتمية اليك ديانة عالم اليوم تتعلق معك وترتبط بك وتجاهك يرجع فضل عمران تلك المعالم الدينى والمعاهد التشريعي والمعابد التى تترائى على بسيطة الهند ـ

فشيخنا الفقيد ورئيسك المرحوم لعله كان أخر تلك الفئة الكريمة ـ فيا للأسف ويا للحسرت انه اتصل باخوته السابقين الى رحمة الله جل ذكره فحومتك حومة الاسلام والشيخ المغفورله كان يتعهدها ـ

فمن يشيد بنيانك ويتطائر بتيك ويرتفع رأسك ؟
ومن يتعهد حرمتك ؟
وإلى من يشد الرجال بعويصات المسائل ومشكلاتها ؟
نعم ، آه ثم آه ـ لقد أسس بنيانك على تقوى من الله و رضوانه فمن كان لله خالصا لوجهه كان الله له فى السراء والضراء وهو خير حافظا وهو ارحم الراحمين ـ فالله ينشر [illegible] فضله وفرائد كرمه باعطائه اياك رئيسا

متنینا۔ موفور العلم والرزانۃ وصاحب الزھد والتقی طاھر الید نقی الثوب۔ برأس علیک بحیث تذھل عمن سلف رحمھم اللہ۔ وترتقی الی المعالی آمین۔ ویرحم اللہ عبدًا قال آمینًا۔

یا لأسرۃ الشیخ۔ اللہ یرحمھا ویفرغ علیھا الصبر صبرًا یا عیال الشیخ فان العالم کلھا معک بفراق فقیدک لمحزون الا من قسی قلبہ وطبع علی سمعہ وبصرہ۔

ربنا افرغ علینا صبرا بتلک السانحۃ الجلیلۃ و الرزیۃ العظیمۃ وثبت اقدامنا۔ علی ما کان علیھا الشیخ الکبیر المستاثر الی جوار رحمتک وانصرنا علی عدوک و عدونا وارزقنا وعافنا وارزقنا وعافنا وارحمنا۔ انک بالاجابۃ جدیر وانت علی شی قدیر

مضی طاھر الأثواب لم تبق روضۃ
غداۃ ثوی الا اشتھت انھا قبر

ثوی بالثری من کان یحیی بہ الثری
ویغمر صرف الدھر نائلۃ الغمر

علیک من ازکی تحیاتنا یا ساکن الخلد واحلی التسلیمات یا ساکن الفردوس۔

سقی اللہ قبرًا مما ورای ترکتھا
بجانب شیخ الھند من وابل القطر

ایسے مضامین کا ایک ذخیرہ موجود ہے جن میں مضطرب جذبات کی ادیبانہ تمہید کے بعد کوئی ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے مظاہرہ جذبات کے لئے الجمعیۃ یا کسی اخبار کے کالم موزوں نہیں میدان عمل اس کا موزوں مقام ہو سکتا ہے اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم تمام جذبات عقیدت حضرتؒ کے نقش پا کی اتباع میں صرف کریں آمین۔ البتہ وہ واقعہ جو طویل تمہید کے بعد بیان کیا گیا ہے یقیناً قابل قدر ہوتا ہے کیونکہ اس سے حضرت کی سیرت پر روشنی پڑتی ہے لہذا ان کالموں میں انھیں واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جو سوانح نگاروں کے لئے دُرِّ شہوار اور جوہر بیش بہا کی حیثیت رکھیں گے بعض حضرات نے اظہار واقعہ میں بھی تصنع سے کام لیا ہے تاریخی حقائق ادبی تصنعات سے پاک رہنے چاہئیں کیونکہ تصنع اور تکلف حقیقت کو واضح تو کیا کرتا بسا اوقات مشکوک اور مشتبہ بنا دیتا ہے ایسے موقع پر بیان واقعہ کے لئے مضمون نگار صاحب کے الفاظ سے معذرت کرتے ہوئے اپنے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں بایں ہمہ ایسے واقعات نہیں لئے گئے جن میں کسی قسم کا شبہ معلوم ہوا۔ ایسے واقعات یا خوابیں اور مکاشفات بھی حذف کر دیئے گئے ہیں۔ جو ابہام آفریں ہیں جن سے ممدوح کی بجائے خود مادح کی عظمت نمایاں ہوتی ہے ہم ان تمام حضرات کے شکر گزار ہیں جنہوں نے کسی بھی انداز میں یہ مضامین تحریر فرما کر اس نمبر کی ترتیب میں امداد فرمائی ہے البتہ خصوصیت سے ان حضرات کا شکریہ سب سے زیادہ واجب اور ضروری ہے جنہوں نے خود ہی نہایت بچے تلے الفاظ میں واقعہ تحریر فرمایا ہے ایسی تحریروں میں مضمون نگار کے نام نامی اسم گرامی کے سامنے قوسین میں (بلفظہ) لکھ دیا گیا ہے جہاں تمہید حذف کر کے صرف واقعہ مضمون نگار کے الفاظ میں تحریر کر دیا گیا ہے اس کے سامنے قوسین میں یہ عبارت ہے (بلفظہ بحذف تمہید)

ادارہ

جناب مولانا قاضی ظہور الحسن صاحب
ناظم سیوہاروی مدظلہ العالی
(بلفظہ)

۱- حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میرے دیرینہ دوستانہ تعلقات تھے مگر ملاقات کا اتفاق کم ہوتا تھا ۱۹۲۰ء میں سیوہارہ میں عظیم الشان جلسہ ہوا تھا میں اس کا ناظم تھا۔ ہندوستان کے مشہور ہندو مسلمان لیڈر اور علماء نے اسمیں شرکت کی تھی میں نے مدعوئین کو سیکنڈ کلاس کا کرایہ اور ایک خادم کا کرایہ اور کچھ زائد خرچہ بذریعہ منی آرڈر تمام مدعوئین کو روانہ کر دیا تھا مولانا اس زمانہ میں کلکتہ میں مقیم تھے ان کو بھی مدعو کیا گیا تھا اور بحساب بالا منی آرڈر بھیج دیا گیا کلکتہ سے سیوہارہ تک میل ٹرین کا چھبیس ۲۶ گھنٹہ کا سفر ہے مولانا بہ نفس نفیس تشریف لائے کوئی خادم وغیرہ ساتھ نہ تھا کیمپ آتے ہی سب سے پہلے حضرت نے دریافت کیا کہ ناظم صاحب دفتر کہاں ہیں دفتر میں میرے پاس آئے اور سلام و مصافحہ کے بعد میز پر ایک پرچہ اور کچھ روپیہ رکھکر قیام گاہ کو تشریف لے گئے پرچہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مولانا نے تھرڈ کلاس میں سفر کیا ہے اور ناشتہ وغیرہ میں صرف ۔ خرچ کئے ہیں کسی لیڈر کسی عالم نے ایسی کفایت شعاری کا عمل نہیں کیا جب واپسی کا دن آیا تو ممبران جلسہ نے طے کیا کہ مولانا کو سو روپیہ رخصتانہ میں پیش کئے جائیں جب میں نے اس قرارداد کی موافق رقم پیش کی تو مولانا نے فرمایا کہ جو پرچہ میں نے آپ کو دیا تھا کیا وہ گم ہو گیا ہے میں نے کہا موجود ہے شامل حساب ہے تو فرمایا کہ کیا آپ نے اسے دیکھا نہیں میں نے کہا میں نے اس کو دیکھا ہے اور رجسٹر حساب میں اس کا اندراج کرایا ہے فرمایا بس مجھے اسی قدر دے دیجئے میں نے عرض کیا کہ کمیٹی نے جو تجویز کیا ہے میں وہ پیش کر رہا ہوں اور آپ کو بھی کمیٹی کی تجویز کو قبول کرنا چاہیئے فرمایا کمیٹی میں کتنے ممبر ہیں میں نے کہا ہم سات آدمی ہیں فرمایا اس جلسہ پر جو روپیہ خرچ ہو رہا ہے وہ آپ ہی صاحبوں کا ہے یا چندہ عام سے ہے میں نے کہا عام چندہ ہے فرمایا پھر آپ کو اس طرح مصرف کرنے کا حق نہیں ہے میں نے کہا کہ پبلک نے ہم کو اختیار دیا ہے کہنے لگے کہ پبلک نے آپ کو یہ سمجھ کر اختیار دیا ہے کہ آپ کفایت شعاری کے ساتھ واجبی طور پر خرچ کریں گے آپ اس بیدردی سے خرچ کرنے کے مجاز و مختار نہیں ہیں میں نے کچھ اور کج بحثی کی آخر فرمایا کہ میں اس سے زیادہ نہیں لوں گا۔

۲- ترک دنیا چیست اے مرد فقیر
لاطمع بودن ز سلطان امیر

مولانا اس شعر کی جیتی جاگتی تصویر تھے ایک مرتبہ مجھے معلوم ہوا کہ مولانا کچھ مقروض ہیں میں نے حیدرآباد دکن میں نواب فخر یار جنگ معتمد محکمہ فنانس اور چند با اختیار حکام سے ذکر کیا یہ طے پایا کہ مولانا کو یہاں بلایا جائے اور حیدری وغیرہ وزرا سے ملایا جائے۔ پھر اس طرح تحریک کر کے پانچسو ہزار روپیہ مد خیرات و مبرات سے دلایا جائے میں نے مولانا کو لکھا حضرت نے تحریر فرمایا مجھے اس ذلت کے ساتھ ایسی رقم کا لینا منظور نہیں

۳- وضع داری

رمضان شریف میں مولانا کے بھائی بھتیجے مدینہ شریف سے مولانا کو کچھ کھجوریں بھیجا کرتے تھے ان میں سے حضرت چند کھجوریں مجھے اور حافظ چودھری مختار احمد خان صاحب مرحوم سیوہاروی کو بھیجا کرتے تھے جب تک وہاں سے کھجوریں آتی رہیں برابر اسی طرح بھیجتے رہے۔

۴- رمضان المبارک میں مولانا تمام رات نوافل میں قرآن مجید پڑھا کرتے تھے دو تین صاحب اور بھی ساتھ ہوتے تھے شیخ الہند مرحوم کے دیوان خانے میں رہا کرتے تھے ایک مرتبہ رمضان میں میں وہاں مہمان تھا عصر کے بعد مولانا باہر سے آئے اور شیروانی اتار کر لٹکا دی اور بیت الخلا کو چلے گئے میں باہر بیٹھا تھا شیروانی اندر لٹکی ہوئی تھی ایک نوجوان لڑکا آیا اس نے جیب میں سے روپیہ اور پیسے نکال لئے پانچ روپیہ اور کچھ پیسے تھے میں نے دیکھ لیا اور اس کو پکڑ لیا وہ رونے لگا حضرت جب باہر آئے میں نے اس لڑکے کو پیش کر کے واقعہ سنایا حضرت نے وہ روپیہ لے کر دو روپیہ اس کو دیئے اور تسلی دلاسا دے کر رخصت کر دیا اس کے جانے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔

۵- بنگال کے سفر میں جو حضرت سے ایک جگہ لوگ سخت گستاخی سے پیش آئے اور اخبارات میں اس کا چرچا ہوا تو چودہری مقبول الرحمٰن خاں سیوہاروی نے ان لوگوں کی ہجو میں نظم لکھی جس میں لکے لئے کچھ بددعائیں بھی تھیں اس نظم میں انھوں نے مجھ سے بھی مشورہ کیا غرض اس کو صاف کر کے میں نے اشاعت کے لئے بجنور کے ایک مشہور اخبار مدینہ میں بھیج دیا جب وہ شائع نہیں ہوئی تو میں نے مولوی مجید حسن کو بطور شکایت خط لکھا مولوی صاحب نے جواب دیا کہ جب وہ نظم یہاں پہنچی حضرت دفتر ہی میں یہاں تشریف فرما تھے ہم نے ان کو سنائی حضرت نے فرمایا کہ اس کو شائع نہ کیا جائے اس لئے ہم اس کو درج اخبار نہیں کر سکتے۔ اگلے مہینہ میں حضرت سیوہارہ تشریف لائے تو میں نے کہا کہ آپ نے ہماری نظم کو شائع ہونے سے کیوں روک دیا۔ فرمایا کہ بھائی صاحب میرے ساتھ جس کسی نے جو کچھ کیا ہے یا آئندہ کرے گا میں سب کو معاف کر چکا ہوں آپ میری وجہ سے کسی کو برا بھلا نہ کہیں نہ کسی کے لئے بددعا کریں۔

۶- حضرت سیوہارہ میں تشریف فرما تھے باہر کا کوئی شخص آیا اور اس نے کچھ باتیں کیں آخر سخت کلامی پر اتر آیا حضرت سنتے رہے اور مسکراتے رہے آخر وہ شخص بہت ہی شرمندہ ہوا اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔

ثابت قدم فقر کو ہے نقش کسی شرط
بے دیو کے مارے ہوئے رستم نہیں ہوتا

۷- مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم کے ایک شاگرد نے ایک اخبار میں مولانا مرحوم کے محاسن پر ایک مضمون لکھا اور اس میں مولانا مرحوم کو تمام علماء عصر پر فوقیت دینے کے لئے بعض واقعات لکھے ان میں یہ بھی لکھا تھا کہ مولوی مجید حسن مالک اخبار مدینہ بجنور نے حضرت شیخ [illegible] لکھنے کی مولانا حسین احمد صاحب سے فرمائش کی مولانا

نے کچھ نوائد لکھے مولوی مجید حسن کو وہ پسند نہ آئے لہذا انہوں نے مولانا شبیر احمد صاحب کی طرف رجوع کیا مولانا شبیر احمد صاحب نے بطور نمونہ کچھ فوائد لکھ کر دکھائے وہ سب نے پسند کئے چونکہ اس معاملہ کے متعلق مجھ کو بھی کچھ معلومات حاصل تھیں اس لئے میں نے صاحب مضمون سے کہا کہ یہ واقعہ غلط آپ نے لکھا ہے مولوی مجید حسن سے اس کے متعلق استفسار کیجئے اور ایک خط میں نے مولانا کو لکھا کہ مجید حسن صاحب کو اس پر توجہ دلائیں حضرت مولانا نے مجھ کو جواب لکھا کہ میں اپنی کم مائیگی سے خود واقف ہوں اور اس کا معترف ہوں لہذا اس قسم کی کدو کاوش کی ضرورت نہیں۔ اصل وہ واقعہ یہ تھا کہ مولوی مجید حسن نے حضرت حافظ عبد الرحمن صاحب مرحوم امروہی سے فوائد لکھائے تھے اور جو معاوضہ پیش کیا اس کو حافظ صاحب مرحوم نے منظور نہ کیا تو مجید حسن صاحب نے مولانا شبیر احمد صاحب سے کہا انھوں نے منظور کر لیا۔

٨۔ میں نہ مولانا کا مرید ہوں نہ شاگرد ہوں نہ پیر بھائی ہوں مجھ کو انکے مجاہدانہ کارناموں کی وجہ سے محبت ہو گئی تھی میں ایک مرتبہ لکھنؤ سے آ رہا تھا میری طبیعت بہت خراب تھی چادر اوڑھ کر سیٹ پر لیٹ گیا۔ بخار تھا اعضا شکنی تھی اس لئے کبھی کبھی کراہتا بھی تھا مجھے معلوم نہیں کونسا اسٹیشن آیا اور کون مسافر سوار ہوئے اور اترے بریلی کے اسٹیشن کے بعد ایک شخص نے میرے پیر اور کمر دبانی شروع کی مجھے بہت راحت معلوم ہوتی وہ دباتا رہا میں لیٹا رہا مجھے پیاس لگی میں نے کہا بھائی مجھ کو تھوڑا سا پانی پلادو۔ انہوں نے اپنی صراحی سے گلاس میں پانی انڈیل کر مجھ سے کہا لیجئے میں اٹھا دیکھا تو مولانا تھے مجھے ندامت ہوئی اور میں نے معذرت کی لیکن انھوں نے مجھے اس درجہ مجبور کیا کہ میں پھر لیٹ گیا اور وہ رام پور تک برابر مجھ کو دباتے رہے پھر میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

٩۔ میں نے کئی بار دیکھا کہ بعض لوگ دیوبند اپنے کاموں کے لئے آتے تھے کوئی تحصیل یا منصفی میں مقدمات کی پیروی میں کوئی اپنے کسی عزیز سے ملنے کے لئے مگر ٹھہرتے تھے مولانا کے یہاں میں نے یہ بھی دیکھا کہ بعض لوگ اپنے مہمانوں کو خود مولانا کے پہنچا دیتے تھے برکت طعام کی کرامت میں نے جیسی مولانا کے یہاں دیکھی کسی بزرگ کے یہاں نہیں دیکھی ایک ہی سالن ہوتا تھا ایک تانبے کی بڑی رکابی میں روٹیاں ہوتی تھیں جتنے حاضرین بیٹھ جاتے تھے سب سیر ہو جاتے تھے اور کھانا بچ رہتا تھا سب سے پہلے جب مجھے مولانا کے یہاں مہمان ہونے کا اتفاق ہوا۔ تو کھانے والوں کی تعداد اور رکھی طعام پر نظر کر کے مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ یہ کھانا تو کافی نہ ہو گا مگر اس میں سے تو اور بچ گیا پھر میں نے کئی بار اس کو غور سے دیکھا۔

١٠۔ مولانا نے ایک مرتبہ مجھ سے سوال کیا کہ آپ کی کیا عمر ہے میں نے کہا چراغ محمد میری تاریخ ولادت ہے مولانا نے فرمایا یہ تو آپ نے میری تاریخ ولادت چھین لی میں نے کہا اس کا فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ کون کس مہینے میں پیدا ہوا مولانا نے فرمایا پہلے آپ بتائیے میں نے کہا ١٤۔ رمضان المبارک یہ سن کر فرمایا آپ مجھ سے بڑے ہیں۔

١١۔ کئی آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا کا درس حدیث کیا ہے گاندھی اور کانگریس پر لیکچر دیتے رہتے ہیں۔ مجھے تعجب ہوا کہ درس حدیث میں اس قسم کے بیانات کی کیا ضرورت ہے میں خود دیوبند گیا اور کئی دن برابر شریک ہوا میں نے اس قسم کی کوئی بات نہیں سنی پھر میں نے برخوردار عبد الصمد صارم سلمہ سے جو اس زمانہ میں درس حدیث شریف میں شامل تھے دریافت کیا برخوردار موصوف نے کہا کہ درس میں تو اس قسم کا ذکر نہیں ہوتا ہاں مکان پر جب آزادی ہند وغیرہ کا تذکرہ ہوتا ہے تو مولانا مسٹر گاندھی کی تعریف کرتے ہیں اور کانگریس کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔

جناب محترم حاجی حبیب الرحمان صاحب سیوہاروی

(بلفظہ)

١۔ تقسیم ہند سے پیشتر ایک مرتبہ حضرت سیوہارہ رونق افروز تھے مکان میں تشریف فرما تھے چند خدام حاضر تھے کسی گفتگو میں مولانا محمد حفظ الرحمان صاحب کا تذکرہ آگیا اس پر ارشاد فرمانے لگے کہ مولانا حفظ الرحمان صاحب اور مولانا محمد میاں صاحب بڑے مخلص حضرات ہیں معاشی مشکلات کے باوجود بھی یہ جمیعۃ علماء کی ترقی اور خدمات میں مصروف رہتے ہیں۔

Deobandi wahabi congressi mulla ,mukhalif e pakistan ki hayat
رجسٹرڈ
مدرسہ صدیقیہ تعلیم القرآن
لیہ
پرانی غلہ منڈی
تعارف
الحمد للہ ! مدرسہ ھذا عرصہ دراز سے
زیر سرپرستی حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی، جانشین
قطب زمان شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ
علاقہ بھر میں تعلیم قرآن کی خدمات سرانجام دے رہا ہے، بیرونی طلباء کے قیام و
طعام و دیگر ضروریات کا مدرسہ ہی کفیل ہے، مدرسہ کے جملہ اخراجات مخیّر
حضرات کے صدقات، زکوٰۃ، چرمہائے قربانی اور دیگر عطیات سے پورے
کیے جاتے ہیں، مدرسہ کی تعمیر و توسیع کے لیے مخیّر حضرات دامے، درمے،
قدمے، سخنے تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔
مہتمم
حافظ محمد علی صدیقی قادری
Reference book for Ahle sunnah

۲۔ کئی سال ہوئے ایک مرتبہ حضرت ... ہام پور تشریف لائے تھے سیوہارہ سے بھی چند خدام قدم بوسی کو حاضر ہوئے جب ہم سب دھام پور پہنچے تو حضرتؒ غالباً حاجی محمد یوسف صاحب کے مکان پر اوپر کی منزل میں چائے پی رہے تھے ہم سب نیچے کھڑے ہو گئے تھوڑی دیر میں حضرتؒ اوپر سے نیچے تشریف لائے میں فوراً مصافحہ کو آگے بڑھا تو چہرہ مبارک پر جلال کے آثار تھے غصہ کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ آپ جمعیۃ علماء کے خلاف کر رہے ہیں یہ سن کر میں لرز گیا اور حضرت پر حقیقت ظاہر کر دی کہ حضرت راوی کو نام کا مغالطہ ہوا ہے کوئی اور حبیب الرحمان ہیں جن کو جمعیۃ سے اختلاف ہو گیا ہے یہ غلام تو ایسی جرأت کر ہی نہیں سکتا یہ سن کر پیار اور محبت کی لہر دوڑ گئی۔ فللّٰہ الحمد وبفضلہ الکریم۔

۳۔ اسی ضمن میں ایک واقعہ حضرت کے عاشقِ راز اور دست راست بقیۃ السلف حضرت شاہ عبد القادر صاحب دامت برکاتہم رائے پوری کا بھی نقل کرتا ہوں کہ ایک بار حضرت رائے پوری مدظلہ سیوہارہ ہمارے مکان پر تشریف فرما تھے۔ صبح کا وقت تھا بھائی مولوی جلیل الرحمان صاحب ایک پرچہ اخبار کا ہاتھ میں لے کر آئے حضرت شاہ صاحب نے اخبار طلب کیا بھائی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت انجام ہے ارشاد فرمایا کہ حضرت ہمارا انجام تو حضرت مدنی کے ساتھ ہے ہمیں تو الجمعیۃ دکھلا دیجئے۔

۴۔ ایک بار حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سیوہارہ تشریف لائے تو احقر نے ایصال ثواب کا آسان طریق معلوم کیا ارشاد فرمایا کہ اوّل تین بار درود شریف پھر تین بار سورہ فاتحہ پھر بارہ مرتبہ سورہ اخلاص پھر تین بار درود شریف پڑھ کر حضرات مشائخ طریقت کی ارواح کو ثواب پہنچا دیا کرو۔

۵۔ ایک مرتبہ مجھ کو سوتے میں یہ آواز آئی کہ مولانا حسین احمد صاحب سرہ العزیز اس دور کے عبد اللہ ابن مبارک ہیں۔

۶۔ ایک بزرگ نے مجھ سے خواب میں فرمایا کہ مولانا حسین احمد صاحب حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی نچوڑ ہیں ان کے ہر عمل میں مسلمانوں کی بہتری ہے۔

۷۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت حضرتؒ سیوہارہ تشریف لائے تھے بعد عصر والد صاحب کی درخواست پر حضرت نے والد صاحب کے قلب پر توجہ دی جس سے والد صاحب کو ذکر جاری ہو گیا اور در و دیوار سے اسم ذات کے انوار ظاہر ہونے لگے اور کچھ ہی دیر میں والد صاحب کا انتقال ہو گیا اور حضرت دیوبند تشریف لے گئے بعد انتقال والد صاحب ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ یہ فرما رہے ہیں کہ میاں مولانا حسین احمد صاحب قدس سرہٗ العزیز کے صدقہ میں اللہ تعالےٰ نے چودھری مختار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بخش دیا ہے۔ فللّٰہ الحمد۔

آخر میں حضرت کے تمام منتسبین اور معتقدین سے احقر کی یہ درخواست ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ حضرت کے واسطے ایصال ثواب کریں اور اپنے اوپر لازم کر لیں کہ اگر زیادہ نہ ہو سکے تو مذکورہ بالا طریق ہی پر روزانہ ایصال ثواب ضرور کرتے رہیں اور

حضرت کی یادگاریں دار العلوم دیوبند و جمعیۃ علماء ہند مظاہر العلوم سہارنپور، جامعہ قاسمیہ مراد آباد وغیرہ کو پوری شان کے ساتھ باقی رکھنے کی کوشش کریں اسی سے حضرت کی روح خوش ہوگی اور ان ہی چیزوں سے حضرت کی توجہات و تصرفات سے ہم مالا مال ہو سکیں گے اللّٰھمّ اغفر لشیخی و مرشدی حسین احمد وارحمہ والحقہ بالرفیق الاعلیٰ۔ اٰمین

ایضاً حاجی حبیب الرحمان صاحب سیوہاروی تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ اپنی کتاب "حیات شیخ الہند" صفحہ ۱۹۸ و ۱۹۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ احقر کے زمانہ قیام جون پور میں حضرت مولانا (محمود الحسنؒ صاحب) بھاگلپور سے واپس ہوتے ہوئے ایک روز کے لئے جونپور ٹھیرے۔ مولانا حسین احمد صاحبؒ ہمراہ تھے رمضان المبارک کا تیسرا روزہ تھا شب بیداری کے کسل سے صبح کی نماز کے بعد حضرت نے آرام کرنا چاہا تنہائی کے لئے مسجد اٹالہ کے بالائی درجہ پر بستر بچھا کر حضرت کو لٹا دیا مولانا حسین احمد صاحب جو اس زمانہ میں "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" کے صحیح مصداق ہو گئے ہیں ہمیشہ سفر حضر میں خدمت کر کے حضرت کو راحت پہنچاتے رہتے تھے حسب عادت پاؤں دبانے لگے خاکسار محروم الخدمت کو بھی حرص آئی دوسرا پاؤں دبانا شروع کیا اور ہنس کر مولانا حسین احمد مدنی سے کہا کہ مولوی صاحب آج تو ہم بھی آپ کے برابر ہو گئے حضرت مولانا (محمود الحسن صاحبؒ) نے سن کر فرمایا بھائی تم کہاں کہاں ان کی برابری کرو گے اس وقت فقرہ یہ ایک معمولی فقرہ سمجھا گیا لیکن مولانا حسین احمد صاحب کا مدینہ منورہ میں قیام اور پھر اپنی بیش قیمت آزادی کو قربان کر کے خوشی سے نظر بندی میں حضرت کی معیّت اختیار کرنا تمام سفر خصوصاً زندان قاہرہ اور اسیری مالٹا میں جانثاری و خدمت کرنا اور کلمۃ الحق کے اعلان پر زندان کراچی میں اسیر ہونا اور تمام ہندوستان میں بچے بچے کی زبان پر مدحیہ اشعار میں مولانا حسین احمد کا نام ہونا بتلا رہا ہے کہ وہ ایک پر مغز کلام تھا اور مولانا حسین احمد صاحب کی آئندہ شاندار دینی و قومی زندگی کے لئے ایک معنی خیز اشارہ خیر و برکت تھا۔

مولانا ابوسعید خدابخش صاحب ملتان

۱۔ مولانا عبد اللہ صاحب فاروقی ایک سن رسیدہ بزرگ ہیں لاہور میں قیام رہتا ہے حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری مدظلہ العالی سے بیعت ہیں۔ اور حضرت شیخ الہند سے شرف تلمذ حاصل ہے جس زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ حیات اور دیوبند میں مقیم تھے اور مولانا حسین احمد صاحب مدینہ منورہ میں رہا کرتے تھے اس زمانہ میں آپ حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ کے یہاں قیام فرمایا۔

مولانا عبد اللہ صاحب فاروقی کا بیان ہے کہ ایک روز جب میں مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے گیا تو میں نے مولانا کا جوتا اٹھا لیا مولانا حسین احمد

خالص دیسی گھی
کی
مٹھائیاں
ہر وقت تیار
مل سکتی ہیں،
تازہ
خستہ
اور لذیذ
شالیمار
چٹخارے
سنیکس
تیار کردہ
حشمت علی
شیر محل
مینا بازار، گوجرانوالہ
فون ۷۵۹۹۸

صاحب اس وقت تو خاموش رہے دوسرے وقت جب ہم نماز پڑھنے گئے اور نماز سے فارغ ہوکر مسجد واپس ہونے لگے تو میں دیکھتا ہوں کہ مولانا حسین احمد صاحب میرا جوتا اپنے سر پر رکھے ہوئے جا رہے ہیں میں پیچھے پیچھے بھاگا اور مولانا نے تیز چلنا شروع کیا میں نے کوشش کی کہ جوتا لے لوں۔ نہیں لینے دیا۔ میں نے کہا خدا کے لئے سر پر تو نہ رکھئے فرمایا عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے میں نے عہد کر لیا تب جوتا سر پر سے اتار کر نیچے رکھا۔

۲۔ حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ ایک مرتبہ ملتان تشریف لے گئے میں نے دعوت کر دی۔ حضرت غریب خانہ پر تشریف لائے گھر والوں نے زمین پر فرش کر کے حضرت کے تشریف رکھنے کے لئے گدا بچھا دیا تھا اور گدے پر دوتہی بچھا دی تھی۔ یہ دوتہی چوخانی تھی مگر اس طرح کہ جمع کی شکل + اس کے خانوں میں بنجاتی تھی حضرت کی نظر دوتہی پر پڑی تو گدے پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا اس میں جگہ جگہ صلیب نما نشان ہیں میں اس پر نہیں بیٹھوں گا۔ ہم نے دوتہی ہٹالی اور کپڑا بچھایا۔ تب حضرت تشریف فرما ہوئے یہ بغض فی اللہ میں نکتہ رسی کی ایک مثال ہے جس طرح انگریزوں سے نفرت تھی ایسے ہی ان کی رسومات سے بھی۔

۳۔ اسی دفعہ کا یا دوسری دفعہ کا ذکر ہے کہ میں نے حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے دیسی کپڑے کا بہت عمدہ رومال بنوایا کہروڑ پکا ضلع ملتان میں مشہور مقام ہے جہاں چھپائی بہت عمدہ ہوتی ہے وہاں اس کو بہت خوبصورت چھپوایا۔ اپنے خیال میں ہر طرح اس کو دلکش بنا لیا حضرت مجلس میں تشریف فرما تھے وہاں پیش کرنے کا موقع نہیں تھا میں دیر تک موقع کا انتظار کرتا رہا۔ پھر ایسا ہوا کہ حضرت مجلس سے اٹھے استنجے کو تشریف لے گئے میں خوش ہوا کہ حضرت استنجے سے واپس آئیں گے تو میں پیش کروں گا اب موقع اچھا ہے چنانچہ جب وہ واپس ہوئے تو میں نے رومال کو پیش کرنے کے لئے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر رکھ لیا حضرت نے دور سے رومال دیکھا فرمایا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت رومال ہے پیش کرنا چاہتا ہوں اگر قبول ہو فرمایا اس کا سوت انگریزی مشین کا کتا ہوا ہے میں ایسی چیزیں استعمال نہیں کرتا۔ میں کھدر استعمال کرتا ہوں جس کے دونوں سوت ہاتھ کے کتے ہوئے ہوں ہم نے دیسی کے معنی فقط یہی سمجھے تھے کہ دیس کا بنا ہوا۔ حضرت کی اس تصریح کے بعد دیسی کا مفہوم متعین ہوا بہر حال وہ رومال حضرت نے منظور نہیں فرمایا۔

۴۔ منڈی میاں چنوں ضلع ملتان میں مدرسہ مولانا ہدایت اللہ کا سالانہ جلسہ تھا حضرت وہاں تشریف لائے۔ رات کو تقریر کے لئے اسٹیج پر تشریف لے گئے وہاں ایک صاحب تقریر فرما رہے تھے حضرت اسٹیج پر بیٹھ گئے اور بیٹھے بیٹھے کچھ غنودگی آگئی پان کی پیک ہاتھ پر گر گئی حضرت فوراً چونک گئے اور پیک صاف کرنی چاہی تو ہم خدام جو آس پاس بیٹھے تھے ہم نے رومال یا اور کوئی کپڑا غرض جس کے پاس جو کچھ تھا وہ اس پیک کو صاف کرنے کے لئے پیش کرنا چاہا۔ مگر اتفاق سے جس کے پاس بھی جو کچھ بھی کپڑا تھا وہ کھدر نہیں تھا حضرت نے کسی کا بھی کچھ قبول نہیں فرمایا بلکہ اپنی جیب سے کھدر کی جراب نکالی اور اس کے کنارے سے پیک صاف کی یہ ہے صداقت اور قول وفعل میں مطابقت کہ کھدر کے استعمال کا عہد ہے تو ہر موقع پر کھدر ہی ہو۔

۵۔ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں ملتان میں کانگریس کے زیر اہتمام اتحاد کانفرنس ہونے والی تھی گوپال سنگھ جنرل سیکرٹری تھے کانگریس نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دی حضرت نے اپنی مصروفیت کا عذر فرمایا لیکن یہ بندہ پروری ملاحظہ ہو کہ ساتھ ہی اس خادم (خدا بخش) کو تحریر فرمایا کہ میں نے معذرت کر دی ہے لیکن اگر تمہارے نزدیک میرا آنا ضروری اور مفید ہو تو میں تیاری کروں تم تار سے مطلع کرو۔ میرے لئے تو حضرت کی تشریف آوری نعمت عظمیٰ تھی میں کب انکار کر سکتا تھا مگر اس خدام نوازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کانگریسی دوستوں کو معلوم ہوا کہ معاملہ میرے ہاتھ میں ہے تو اس وقت بھی بہت خوشامد کی اور پھر آخر تک ممنون رہے۔ بہر حال میں نے تار دے دیا حضرت تشریف لائے

گلہائے عقیدت

اختر چغتائی میں کٹی

سلام اے نازشِ محمود و قاسم، انور و اشرف
جوابِ رومی و فخرِ بخاری، رشکِ شیرازی

سلام اے ترجمانِ رحمت و امداد و گنگوہی
ترے دم سے ہی زندہ تھی غزالی کی تگ و تازی

سلام اے قلزمِ علم و عمل اے سیدِ ثانی
تری مرہونِ منت ملک و ملت کی سرافرازی

زمانہ کو ترے فیضِ طریقت کی ضرورت تھی
ادھورا تھا ابھی گلشن میں کارِ آشیاں سازی

ترا پیغام گلبانگِ شریعت ہند تا بطحا
حرم کو یاد آئے گی تری فردوس آوازی

تری محفل ہمیشہ طالبانِ حق کا گہوارہ
وہ ہندی ہوں کہ تورانی حجازی ہوں کہ قفقازی

نظر آتے ہیں مسکین و یتیم و بیکس و بیدل
قبائے شافعی، دستارِ کوفی، مسندِ رازی

ترے خرمن کے خوشہ چیں بقدرِ وسعتِ دامن
فقیہ و مفتی و قاضی، محدث، عارف و غازی

چمن والو! نہ جانے اور کیا کیا پھونک ڈالے گی
فلک کی شعلہ ریزی، برق پاشی، برق اندازی

اٹھو بہرِ خدا شبنم کے قطروں سے وضو کر لیں
سحر کا وقت ہے کچھ اہتمامِ رنگ و بو کر لیں

مسجد سراجان حسین آگاہی میدان دوسہرا میں حضرت کا قیام کرایا گیا کیونکہ یہ مسجد جلسہ گاہ سے قریب تھی حضرت کی تشریف آوری پر مضافات بلکہ دوسرے اضلاع کے متوسلین اور معتقدین بھی ملتان پہنچ گئے تھے ان میں علماء کی اکثریت تھی یہ زمانہ تھا کہ یوں تو اتحاد کے لئے کانفرنس کی جا رہی تھی مگر کشیدگی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ ہندو مسلمانوں سے کوئی چیز خریدنا گوارا نہ کرتے تھے منڈی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی دیہاتی مسلمان مال لے کر وہاں پہنچتے تھے تو ان کی توہین کی جاتی تھی پانی کی سبیل ہندوؤں کے لئے مخصوص تھی۔ مسلمانوں کو پانی بھی نہیں پلایا جاتا تھا ایسے ہی سیرگاہوں اور باغوں میں ہندو باغ کا امتیاز قائم کر رکھا تھا وغیرہ وغیرہ بہرحال کشیدگی بڑھی ہوئی تھی بہت سی شکایتیں ذہنوں میں تھیں اب حضرت کی تشریف آوری کا علم ہوا تو متوسلین نے چاہا کہ حضرت کو حالات سے باخبر کر دیں خیال یہ بھی تھا کہ حضرت کے ارشادات کے بعد عمل کرنا بھی مشکل اور نہ کرنے میں حضرت شیخ کی نافرمانی ہوگی۔ جو گوارا نہ تھی۔

بہرحال قیام گاہ پر سب متوسلین اور ان کے ہمنوا پہنچ گئے۔ حلقہ بنا کر حضرت کے گرد بیٹھ گئے قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی ہم میں سب سے زیادہ جری تھے انداز گفتگو سے بھی بخوبی واقف تھے انہوں نے حضرت کے سامنے بیٹھ کر پورے مجمع کی ترجمانی کی اور جو شکایتیں تھیں وہ سب تفصیل سے پیش کیں ہم سمجھ رہے تھے کہ حضرت سے ان کا جواب بن نہیں پڑے گا اور حضرت یقیناً ہمارے ہم خیال ہو جائیں گے حضرت نے بڑے اطمینان سے تمام باتیں سنیں اور پھر ایسا جواب دیا کہ پورا مجمع لاجواب ہو گیا۔ اس وقت یہ بھی اندازہ ہوا کہ حضرت کس درجہ مردم شناس تھے اور مجمع کی نبض شناسی میں آپ کو کس درجہ مہارت حاصل تھی

حضرت نے فرمایا جو کچھ آپ نے حالات بیان فرمائے وہ بیشک تکلیف دہ ہیں مگر ایک بات پر آپ حضرات غور فرمائیں اگر خدانخواستہ کسی مسلمان کو شدھ کر لیا جائے تو آپ صاحبان پر کیا اثر ہوتا ہے اور کتنا اثر ہوتا ہے پورے ضلع میں نہیں بلکہ پورے صوبہ میں اور کبھی پورے ملک میں ہیجان پھیل جاتا ہے یہ صرف ایک شخص کے تبدیلی مذہب کا اثر ہوتا ہے۔ اب آپ غور فرمائیے آپ جب آئے کتنی تعداد تھی تاریخ کی روایتیں مختلف ہیں زیادہ سے زیادہ تعداد اٹھارہ ہزار بتائی جاتی ہے لیکن اب آپ کی تعداد دس کروڑ ہے جس میں باہر سے آنے والوں کا عنصر بہت کم ہے زیادہ تر وہی ہیں جو یہاں کے پرانے باشندے تھے ان کی غیر مسلم برادریاں اب تک موجود ہیں اور بہت جگہ ایک ہی خاندان کے افراد موجود ہیں۔

اس تبدیلی کے اوپر اگر غیر مسلم بھائیوں کو احساس ہوتا ہے تو آپ خود اپنے اوپر قیاس کر کے فرمائیے کہ یہ احساس بے محل ہے یا برمحل پھر آپ یہ بھی غور فرمائیے کہ کتنا ہی مشہور کیا جائے کہ اسلام کی اشاعت جبر و قہر اور تلوار کے زور سے ہوئی ہے مگر کیا درست ہے ہر ایک مسلمان یقین رکھتا ہے کہ یہ قطعاً غلط اور سراسر پروپیگنڈہ ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ بزرگان دین نے صبر و تحمل کرتے ہوئے اپنے اخلاق و کردار سے دوسروں کو متاثر کیا۔ اسلام کی تبلیغ کی۔ لوگ متاثر ہوئے اور اسلام میں داخل ہوئے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ فرض آج ہمارے ذمہ سے ساقط ہو گیا؟ کیا تبلیغ ہمارا فرض نہیں ہے؟ اگر کوئی ترشی یا بدخلقی اختیار کرے تو کیا ہم پر صبر و تحمل لازم نہیں؟ اور کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم اعلیٰ حوصلہ اور اپنے بلند کردار سے دوسروں کو متاثر کریں۔؟ میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ وہ تمام باتیں جو آپ حضرات نے بیان فرمائی ہیں مذبوحی حرکات ہیں ان کے جواب میں ہمارا فرض اور تبلیغی مصلحتوں کا تقاضا یہی ہے کہ ہم صبر و تحمل اور وسعت اخلاق اختیار کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کی کوشش کریں اور جو ہم میں سے متوحش ہیں ان کو مانوس بنائیں ہر ایک مسلمان بالخصوص علماء کرام ایک مشن رکھتے ہیں ان کو اس سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

حضرت مولانا کی یہ تقریر ایسے پیرایہ میں تھی کہ مجمع نہ صرف لاجواب اور خاموش ہوا بلکہ ایسا معلوم ہوا کہ سامنے کی اندھیری چھٹ گئی ہے اور ایک نور پھیل گیا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کیا آپ کا مقصد یہ ہے کہ میں یہاں نہ آؤں اور اس جلسہ میں جو اتحاد کے نام پر کیا جا رہا ہے شریک نہ ہوں۔ مسلمانوں کا حال تو یہ ہے کہ جگہ جگہ پوسٹر لگے ہوئے ہیں جس طرف سے حسین احمد گذرے ادھر جانا بھی کفر ہے اب اگر ہندو بلاتے ہیں تو کیا ان کے بلانے پر بھی نہ آؤں۔ میرا خود فرض تھا کہ میں بلا بلائے پہنچتا اور جب وہ بلا رہے ہیں تو پھر آپ ہی فرمائیے میرے لئے کہاں تک درست ہے کہ میں الگ ہو کر

شیخ الاسلامؒ

از: عزیز القاسمی (خانیوال)

پرچمِ انگریز تو نے کر دیا تھا سرنگوں
کانپ جاتا تھا تری نظروں سے افرنگی فسوں

مرحبا تجھ کو مجاہد عزم و ہمت مرحبا
مرحبا اے بطلِ حریت و حکمت مرحبا

مرحبا اے پیکرِ ایثار و خدمت مرحبا
مرحبا اے شمعِ عرفان و صداقت مرحبا

اے زعیمِ ملتِ بیضا تجھے صد آفریں
آفریں تجھ کو سراپا خدمتِ دینِ متیں

آفریں اے پیکرِ عشقِ رسولِ مصطفےٰ
آفریں صد آفریں اے پیکرِ صدق و صفا

آفریں اے حاملِ احکامِ قرآں آفریں
آفریں صد آفریں مردِ مسلماں آفریں

بیٹھوں اور ان کی دعوت پر لبیک نہ کہوں آپ حضرات اگر اس کانفرنس میں شرکت کرنا نہیں چاہتے تو مت شریک ہوئیے میں تو اسی کام کے لئے آیا ہوں اور کوئی نہیں جائیگا تو میں تنہا جاؤں گا اور پیغام پہنچاؤں گا۔

بہر حال یہ مجلس ختم ہوئی اور ایک نصب العین لے کر ختم ہوئی رات کو جلسہ ہوا مجمع بیشمار تھا تمام میدان بھرا ہوا تھا عورتیں کوٹھوں پر تقریر سننے کے لئے بیٹھی ہوئی تھیں مسلمان تو بہت کم تھے زیادہ تر ہندو ہی تھے۔

حضرت نے تقریر شروع کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور ہمدردی خلق خدا تقریر کا موضوع تھا تقریباً دو گھنٹہ تک خدا کا شیر گرجتا رہا اور مجمع تھا کہ محو حیرت بنا ہوا تھا۔

آپ نے تقریر میں ہندوؤں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا مادر وطن کی آزادی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ آپ کے پاس موجود نہیں۔ دولت، تعلیم باہمی اتحاد اور سیاسی سوجھ بوجھ سب آپ کے پاس نہیں۔ مگر ایک چیز جس کے بغیر آزادی نہیں مل سکتی۔ وہ آپ کے پاس کم مسلمانوں کے پاس بہت ہے۔ یعنے جان پر کھیل جانا اور قربان ہو جانا۔

(بازار قصہ خوانی وغیرہ کے واقعات جن میں ہزاروں مسلمانوں نے جان دی تھی وہ شہادت کے لئے کافی تھے)

حضرت نے ہندوؤں کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ آپ پھلدار درخت ہیں آپ کو خصلت بھی پھل دار درخت کی اختیار کرنی چاہیئے پھل دار درخت پر لوگ پتھر برساتے ہیں مگر وہ پتھروں کے جواب میں پھل پھینکتا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہا تو یہ جاتا ہے کہ ہندو مسلمان میں چولی دامن کا ساتھ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ محض ساتھ ہی نہیں ہے بلکہ خون کا اشتراک ہے کتنے ہی مسلمان آپ کی نسل اور برادری میں شریک ہیں اور کتنوں ہی کو خود آپ نے شریک کر لیا ہے مسلمان بادشاہوں نے شادی بیاہ کر کے دامن چولی کے ساتھ کو نسل اور خون کا رشتہ بنا دیا ہے۔

بہر حال دو گھنٹہ سے زیادہ تقریر کا سلسلہ رہا۔ مجمع بے حد متاثر ہوا۔

کرایہ اور نذرانہ

جلسہ ختم ہونے کے فوراً بعد واپسی کا پروگرام تھا حضرت جلسہ سے فارغ ہوئے تو اسٹیشن جانے کی تیاری شروع کر دی۔

کانگریسی دوستوں نے مجھے ایک معقول رقم دی کہ حضرت کی خدمت میں پیش کروں اور مجھے بھی کرایہ دیا کہ میں ٹرین میں حضرت کے ساتھ جاؤں بہر حال حضرت اسٹیشن پہنچے اپنا ٹکٹ خود خرید لیا۔ میں نے بھی ٹکٹ خرید لیا پھر گاڑی میں بیٹھ گئے تو میں نے وہ رقم پیش کی جو کانگریسی دوستوں نے دی تھی حضرت نے چونک کر فرمایا یہ کیا۔ میں نے عرض کیا مصارف سفر ہیں کانگریسی دوستوں نے پیش کئے ہیں۔ اوّل اس پر خفا ہوئے کہ میری اجازت کے بغیر تم نے کیوں لے لئے جب میں نے کافی معذرت کی تو فرمایا میں دیوبند سے چلا ہوں۔ یہاں تک تیرہ روپے کچھ آنے صرف ہوئے۔ اتنا ہی صرف واپسی میں ہوگا بس اتنی رقم رکھ لو باقی واپس کر دو اب ہندو دوستوں نے بھی بہت اصرار کیا۔ مگر کسی کی بات نہیں سنی گئی اور صرف ٹکٹ کے دام لے کر باقی واپس کر دیئے۔

پھر مجھے دیکھا کہ میں بیٹھا ہوا ہوں فرمایا آپ کیسے بیٹھے ہیں میں نے عرض کیا کہ کانگریسی دوستوں کا اصرار ہے کہ میں حضرت کے ساتھ جاؤں اس کا صرفہ بھی دے دیا ہے اس پر اور بھی زیادہ بگڑے اور حکم فرمایا کہ ٹکٹ واپس کرو۔ دام ان کے ادا کر دو میرے ساتھ کسی کے جانے کی ضرورت نہیں مجھے تعمیل ارشاد کرنی پڑی اور حضرت اللہ تعالٰی کی حفاظت میں تن تنہا اس پر آشوب دور میں واپس ہوئے اور بفضلہ تعالٰی بخیریت پہنچے۔

مولانا انصار الحق صاحب شیخ التفسیر

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

ا۔ مہمان نوازی اور خدمت کے سلسلہ میں ایک واقعہ میرا چشم دید ہے جو ایک ظرافت بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہے حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حسن پور کے ایک مشہور بزرگ تھے جن کے صاحبزادے مولانا سید محمود احمد صاحب حضرت شیخ الاسلام رح کے خلفاء میں ہیں مولانا احمد شاہ حضرت کے یہاں مہمان تھے

شیخ الاسلام رح

یحییٰ اعظمی

آج وہ بھی جا ملے امداد رح و شیخ الہند سے — تھے جو خود اس دور کے شیخ العرب شیخ العجم
درس آموز جوارِ رحمۃ للعالمین ص — مدتوں خدمت گزار عتبۂ پاکِ حرم
اٹھ گیا بزمِ جہاں سے آہ وہ شیخ اجل — ہے بجا گر یثرب و بطحا ہیں وقفِ درد و غم
اک یہی وہ ذاتِ اقدس تھی کہ جس کے فیض سے — عالمانِ دینِ ربانی کا قائم تھا بھرم
اے مدرس اے مجاہد اے محدث اے فقیہ! — پیر دانائے وطن ملت کے شیخ محترم
تیرا سینہ تھا کہ تھا گنجینۂ اخبارِ دیں — موج زن تھا جس میں اک عمانِ اسرار و حکم
تیرے دورِ درس کو بھولے گا کیا دار العلوم — ذرہ ذرہ پر ہے فیضانِ محدث مرتسم

اب کہاں تیری نظیر اے خاتمِ فیض کہن
جانشینِ قاسم رح و امداد رح و محمود الحسن رح

دارالعلوم دیوبند
کے نامور سپوت
تحریک ولی اللّٰہی
کے عظیم راہ نما اور
جنگِ آزادی
کے ممتاز قائد
اسیر مالٹا
شیخ الہند
مولانا محمود حسن دیوبندی
نے فرمایا
میری ساری
زندگی کے تجربات
کا نچوڑ یہ ہے
کہ
ملت اسلامیہ کے زوال کے دو سبب ہیں
قرآن کریم کی تعلیمات سے بے اعتنائی
مسلمانوں کے باہمی اختلافات و تنازعات
اس لیے ملت اسلامیہ کی
عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے
ضروری ہے کہ
قرآنِ کریم کی تعلیم کو گھر گھر عام کیا جائے
ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کیلیے پُرخلوص کوششیں کی جائیں
منجانب
شعبہ نشر و اشاعت
بزمِ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی
پوسٹ بکس ۳۳۱
گوجرانوالہ

گرمیوں کا موسم تھا دوپہر کا وقت شاہ صاحب آرام فرما رہے تھے حضرت شیخ پہنچے اور پاؤں دبانے شروع کر دیئے۔ مولانا احمد شاہ صاحب نے گھبرا کر اٹھنا چاہا تو حضرت شیخ نے ایک ہاتھ ان کے سینے پر رکھ لیا کہ وہ اٹھ نہ سکیں اور دوسرے ہاتھ سے ان کے پاؤں دباتے رہے دیر تک یہ خدمت انجام دی۔

۲۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی جو حضرت شیخ کی خلافت سے بھی مشرف ہیں راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ٹرین میں حضرت والا فسٹ کلاس میں سفر کر رہے تھے ایک ہندو صاحب بہادر بھی اسی ڈبہ میں تھے وہ قضاء حاجت کے لئے پاخانہ میں گئے اور فوراً واپس آ گئے حضرت شیخ نے بھانپ لیا۔ تھوڑی دیر بعد خاموشی سے اٹھے۔ پاخانہ میں گئے۔ وہ نہایت گندہ ہو رہا تھا اس کو صاف کیا پھر واپس تشریف لے آئے۔ تھوڑی دیر میں صاحب بہادر سے دریافت کیا۔ آپ پاخانہ سے واپس کیوں آ گئے تھے صاحب بہادر نے جواب دیا وہ بہت گندہ ہے حضرت نے فرمایا نہیں وہ تو صاف ہے جا کر ملاحظہ فرمایئے صاحب بہادر بے حد متاثر ہوئے۔

۳۔ میں دارالمبلغین پاٹا نالہ لکھنؤ میں تعلیم پاتا تھا حضرت وہاں تشریف لے گئے دوپہر کا وقت، لکھنؤ کی گرمی، چلکتی ہوئی دھوپ ہوا نہایت گرم آپ کا پروگرام کاکوری تشریف لے جانے کا تھا۔

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب نے بہت کچھ درخواست کی اور اصرار فرمایا کہ آپ آرام فرمائیں ٹھنڈ پڑے تشریف لے جائیں مگر وہاں آرام کہاں گویا یہ لفظ لغت میں آیا تھا نہ حضرت اس کے مفہوم اور معنے سے آشنا تھے بہرحال اسی تپتے ہوئے دوپہر میں پروگرام پورا کیا ہم نوجوان تھے مگر اس تعب اور جفاکشی سے ہمارے دماغ اتنے متاثر ہوئے کہ آج تک اس کے نقش دماغ سے محو نہیں ہوئے۔

۴۔ سیالدہ ایکسپریس سوا تین بجے شام کو مراد آباد پہنچتا ہے حضرت اس سے تشریف لائے اور اسی وقت سہارنپور کی گاڑی سے دیوبند تشریف لے جانے کا قصد تھا ایک بوگی سیالدہ ایکسپریس سے کٹ کر سہارنپور جانے والے پاسنجر میں لگ جاتی ہے حضرت اسی بوگی میں تھے۔ بہرحال حضرت اتر کر پلیٹ فارم پر تشریف لے آئے ڈبہ کٹ گیا اسی میں نماز عصر کا وقت آ گیا جماعت شروع ہونے لگی تو ایک خادم جو ڈبہ میں سامان دیکھ رہے تھے، حضرت نے فرمایا ان کو بھی بلا لو جماعت میں شریک ہو جائیں گے میں نے عرض کیا حضرت وہ سامان پر ہیں پھر سامان کی حفاظت کون کرے گا فرمایا اللہ محافظ ہے۔

۵۔ جب ۱۹۳۲ء میں تحریک آزادی چل رہی تھی تو جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے آپ ڈکٹیٹر بنائے گئے تھے ہر ایک ڈکٹیٹر دہلی پہنچ کر سول نافرمانی کرتا اور گرفتار ہو جاتا۔ اس وقت طبیعت سخت علیل تھی ٹانگوں میں زخم تھے۔ چلنا پھرنا دشوار تھا۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب حضرت کا یہ حال معلوم ہوا تو حضرت شاہ صاحب نے کہلا کر بھیجا کہ آپ اس حالت میں تشریف نہ لے جائیے بلکہ تاریخ بدل دیجئے لیکن حضرت شیخ نے اس کو گوارا نہ فرمایا اور اسی حالت میں دیوبند سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے

پولیس گرفتاری کے لئے سہارن پور سے آ رہی تھی لیکن دیوبند اسٹیشن پر کثرت ہجوم کے خوف سے پولیس کو نوٹس پیش کرنے کی جرأت نہ ہوئی دیوبند سے اگلے اسٹیشن روہانہ پر آ کر حضرت کے پاس نوٹس پیش کیا جو انگریزی میں لکھا ہوا تھا حضرت نے فرمایا کہ میں انگریزی نہیں جانتا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ آپ اپنا قلم دیدیجئے تاکہ میں اردو میں اس کا ترجمہ کر دوں حضرت نے فرمایا کیا خوب؟ اپنے ذبح کرنے کے لئے اپنا ہتھیار آپ کو دے دوں وہ خاموش ہو کر واپس آ گیا اور گاڑی چھوٹ گئی مظفر نگر اسٹیشن پر وہ ترجمہ کر کے لایا اور حضرت کے سامنے وہ نوٹس پیش کیا۔ جس میں یہ تحریر تھی "حکومت سہارن پور کی طرف سے آپ کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ آپ آگے نہ جائیں ورنہ آپ اپنے آپ کو گرفتار سمجھیں۔ حضرت نے فرمایا یہ نوٹس حکومت سہارن پور کی طرف سے ہے اور اب میں سہارن پور کی حدود سے باہر آ چکا ہوں اس لئے یہ نوٹس قابل تعمیل نہیں وہ تمام افسران یہ جواب سن کر نہایت حیران ہوئے اور بعد میں مجسٹریٹ نے کہا آپ کو اپنے خصوصی اختیارات کی بنا پر نوٹس دوں گا چنانچہ اس نے تحریری نوٹس مظفر نگر میں پیش کیا اور گرفتاری عمل میں آئی اس وقت حضرت کی یہ حالت تھی کہ گاڑی سے اتر کر دو قدم بھی چلنا دشوار تھا اسی جگہ کچھ دیر کے لئے کرسی بچھا دی گئی اس پر حضرت بیٹھ گئے اس حالت کے باوجود فریضہ جہاد کو چھوڑنا گوارا نہیں فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ احد

شیخ الاسلامؒ

خان عبدالجلیل خان جلیل فتح گڑھ

مردِ عالی مردِ ذیشاں چل بسا — مردِ مومن مردِ انساں چل بسا
واقفِ سرِ حدیثِ مصطفےٰؐ — محرمِ اسرارِ قرآں چل بسا
وہ حسین احمدؒ کہ عالمِ باعمل — جانِ یثرب سوئے رحماں چل بسا
وہ حسین احمدؒ اسیرِ مالٹا — پیکرِ ایثارِ دوراں چل بسا
وہ کراچی کے مقدمہ کا اسیر — مفتیِ دیں جانِ ایماں چل بسا
جس کی معلوماتِ دینی کے حضور — علم ششدر عقل حیراں چل بسا
وہ ایازِ شیخ محمود الحسنؒ — جانشینِ جانِ مریداں چل بسا
جو رہا برسوں شہِ دامِ فرنگ — وہ مجاہد جانِ زنداں چل بسا
جبلِ استقلال ہمت کا دھنی — عزم بالجزمِ شہیداں چل بسا
وہ مددگار و معینِ کانگرس — جس کا بھارت پہ ہے احساں چل بسا
رہبرِ جمعیۃ العلماءِ ہند — مردِ حق مردِ مسلماں چل بسا

میں زخمی ہوئے دندان مبارک شہید ہوا خود کی کڑیاں سر مبارک میں گھس گئیں مگر اس کے باوجود کفار کے مقابلہ میں تیار ہو کر آگئے پھر مشرکین مکہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

خشیتہ اللہ کی یہ کیفیت تھی کہ بسا اوقات نماز میں جب آیات عذاب کی قرأت فرماتے تھے تو بے اختیار رونے لگتے تھے وفات سے ایک روز پہلے حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مدظلہ کو بلایا اور فرمایا کہ چند روز سے نماز بیٹھ کر تیمم سے پڑھ رہا ہوں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے خداوند تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا یہ فرما کر بلند آواز سے رونا شروع کر دیا اور اس قدر روئے کہ اس سے پیشتر کبھی اتنا روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

مولانا قاری حافظ سید طاہر حسن صاحب

مدرس مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ چھاؤنی

(بلفظہ بحذف تمہید)

۱ - حضرت کی شجاعت اور عزم کی بلندی کا کیا ٹھکانا کہ برطانیہ عظمیٰ کی زبردست طاقت اور اس کے تمام وسائل آپ کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش پیدا نہ کر سکے مقدموں، جیلوں، کالے پانی اور موت کی سزاؤں کی آپ نے کبھی کوئی پروا نہ کی کبھی کبھی آپ یہ شعر دوران درس میں پڑھا کرتے تھے۔

ناز پروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ مردان بلاکش باشد

۳ - مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر جس زمانہ میں سر سکندر حیات کی حکومت نے ایک مقدمہ چلا رکھا تھا جس میں پھانسی کی سزا کا اندیشہ تھا اور لوگ سخت پریشان تھے اس وقت کچھ لوگ نہایت متفکر انداز میں حضرت کی خدمت میں دعا کی درخواست کرنے آئے۔ حضرت سب کی سنتے رہے۔ آخر میں کچھ فرمایا جس کا خلاصہ غالباً یہ تھا کہ راہ حق میں قربان ہو جانا تو بہت بڑی سعادت ہے اس میں فکر کی کونسی بات ہے بہرحال اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہے ان الفاظ سے بخوبی حضرت کے جذبات ظاہر ہو رہے تھے کہ راہ حق میں خوفناک سزا بھی حضرت کے لئے ایک مرغوب شے ہے بہرحال کچھ ہی دنوں بعد یہ اجمالی پیشین گوئی پوری ہوئی اور شاہ صاحب موصوف بری ہو گئے اور یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری کے وقت جب کہ بغاوت کا کیس ہونے کی بنا پر سخت ترین سزا کا اندیشہ تھا حضرت نے اپنی جان اور بیوی بچوں وغیرہ کی کوئی پرواہ نہ کی ہر قسم کے خطرات کو لبیک کہا لیکن حضرت استاذ کی رفاقت نہ چھوڑی بلاشبہ یہ بلند ہمتی اور عزم کی پختگی بھی آپ کی ایک عظیم الشان امتیازی صفت تھی جس میں کوئی معاصر آپ کا شریک اور سہیم نہ ہو سکا اور جس کا سب ہی کو اعتراف تھا۔ پھر بھی عزم کی بلندی اور عالی حوصلگی دوسری طرف ایک نرالی شان کے ساتھ سخاوت مہمان نوازی کی صورت میں جلوہ نما تھی۔ اس حاتم دوراں، لطف و کرم کے ابر باراں اور جود و سخا کے بحر بے پایاں کی فیاضیوں کے احاطہ سے دامن تحریر تنگ ہے اور زبان قلم عاجز و گنگ ہے اور بلاشبہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست

کے مصداق آپ کا خوان کرم اپنے پرائے ہر ایک کے لئے کشادہ رہتا تھا مہمانوں کا ہمیشہ جمگھٹ رہتا تھا اور لطف یہ کہ بڑا چھوٹا۔ امیر غریب، حاکم محکوم، بلا امتیاز بندہ آقا سب ایک دسترخوان پر حلقہ کی شکل میں بیٹھے ساتھ ساتھ کھاتے نظر آتے تھے۔ حضرت کی عجیب شان ہوتی تھی سنت کے مطابق نماز کی سی شکل میں بیٹھے ہوئے کھانا تناول فرماتے رہتے تھے اور نگاہیں چاروں طرف گھومتی رہتی تھیں جس مہمان کے سامنے روٹی ختم ہونے لگتی تھی فوراً اپنے پاس سے گرم روٹی اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیتے تھے مہمان نوازی کی سنت کے مطابق اور اس خیال سے کہ کوئی مہمان بھوکا نہ رہ جائے کھانا آخر تک کھاتے رہتے تھے حالانکہ بہت کم کھاتے تھے۔

ایک عینی گواہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کھانے کے موقعہ پر ایک صاحب جو بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس بیٹھے تھے دوسرے حضرات کے سفید پوش اور معزز ہونے کی وجہ سے مرعوب ہو کر کھانے کے حلقہ سے پیچھے ہٹ گئے حضرت نے دیکھا تو ساتھ کھانے کے لئے فرمایا اتفاق سے وہ ایسے صاحب کے پاس آبیٹھے جو بہت معزز اور سفید پوش تھے اور ان کے ساتھ بیٹھنے سے کچھ کبیدہ سے معلوم ہوتے تھے اول الذکر اس چیز کو محسوس کر کے کچھ پریشانی کے ساتھ مرعوب ہو کر کھاتے رہے حضرت نے اس کو بھانپ لیا اور ان سے فرمایا کہ آپ اٹھئے وہ نہ اٹھے تو دوبارہ فرمایا اٹھئے آپ اٹھئے اب وہ اُٹھے تو حضرت نے ان کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور فرمایا آپ اطمینان سے اچھی طرح کھائیے پھر فرمایا کسی کو کیا معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان بوسیدہ حال لوگوں کا کتنا اونچا درجہ ہو گا۔ سفید پوش صاحب پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ نہایت شرمندہ ہوئے اور بعد میں ان صاحب سے معافی مانگی۔

مہمان نوازی کی اس وسعت پر ہی معاملہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ بہت سے ضرورت مندوں، یتیموں اور بیواؤں کی امدادوں کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری رہتا تھا چنانچہ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی جب تک حجاز میں رہے حضرت ہمیشہ انکو پچاس روپے

از: ظفر احمد نظامی، بی اے اندور مدھیہ پردیش

دل کو حاصل ہو کس طرح آرام ۔ جب ہے لطف سحر نہ کیف شام
زندگی رو رہی ہے اشک خون ۔ محو آہ و بکا ہیں خاص و عام
ہر طرف چھا گئی ہے تاریکی ۔ ہے ضیائے سحر پہ حاوی شام
کیوں نہ برہم مزاج عالم ہو ۔ چل بسے آج ہادئ اسلام
شیخ الاسلام حضرت مدنی ۔ مصطفیٰ اور حسین کے ہمنام

ماہوار ارسال فرماتے رہے جود وعطا کا یہ سلسلہ اس قدر پوشیدہ رہتا تھا کہ بہت سے قریبی حضرات کو بھی اطلاع نہ ہوتی تھی۔

احقر کی شادی کا واقعہ اس کی ایک ادنیٰ مثال ہے حضرت والا امروہہ تشریف لائے ہوئے تھے قیام ہمیشہ ہمارے یہاں ہوتا تھا میرے خسر صاحب سخت بیمار تھے حالات کا تقاضا دیکھ کر حضرت نے حکم دیا کہ طاہر کی شادی آج ہی ہو جانی چاہیئے بہت کچھ پس و پیش ہوا لیکن آخرکار سب کو ماننا ہی پڑا۔ اور بعد نماز عشاء حضرت نے نکاح پڑھا دیا۔ والد صاحب اقتصادی طور پر کچھ پریشان تھے بس حضرت شیخ کی سخاوت نفس سے برداشت نہ ہو سکا اور دیوبند پہنچتے ہی ایک بڑی رقم کا منی آرڈر فوراً روانہ کر دیا۔

ان تمام فضائل وکمالات کے باوجود تواضع انکساری اور دوستوں سے بے تکلفی بھی آپ کی طبیعت کا جزو لاینفک تھی یہ محسوس نہ ہونے دینا چاہتے تھے کہ آپ کوئی امتیازی شخصیت رکھتے ہیں چنانچہ راقم الحروف کے والد جناب حافظ زاہد حسن صاحب امروہی سے بھی اس قسم کا برتاؤ تھا والد صاحب چونکہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند کی صحبت و خدمت میں عرصہ دراز تک رہے تھے اس لئے حضرت کو ان سے گہرا تعلق تھا۔

بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ والد صاحب ایک مرتبہ دیوبند آپ کی خدمت میں حاضر تھے حضرت نے فرمایا کہ مٹھائی کھلایئے والد صاحب نے فرمایا کہ مٹھائی تو آپ کھلایئے میں تو آپ کا مہمان ہوں مگر حضرت نے نہ مانا کچھ دیر تو اصرار کیا لیکن جب اس طرح کام نہ چلا تو حضرت نے والد صاحب کو پچھاڑ کر ان کی جیب سے روپیہ نکال کر مٹھائی منگالی۔

اسی طرح ایک موقع پر والد صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ ہمارے مدرسہ کو چندہ دیجیے حضرت نے فرمایا کہ خود ہمارا مدرسہ ہی ضرورت مند ہے آپ ہی ہمیں دے جایئے مگر والد صاحب نہ مانے اور زبردستی حضرت سے روپیہ چھین لیا۔

۲۔ ۲۹ھ میں امروہہ میں جمعیۃ علماء ہند کا جو عظیم الشان اجلاس ہوا تھا اس موقعہ پر آم چل رہے تھے ہمارے یہاں حضرت کو دعوت دی گئی حضرت کے ساتھ مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے گھر میں جب حضرت تشریف لائے تو گوشت کی ہانڈی پکی رکھی تھی حضرت نے ازراہ خوش طبعی و بے تکلفی ہانڈی سے ہی دہان مبارک لگا کر شوربا پینا شروع کر دیا جملہ ہمراہی بشمول حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ دلچسپ منظر دیکھ کر بے ساختہ قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گئے۔

۳۔ آزادی سے پہلے سیاسی و غیر سیاسی اہم موضوعات پر بعد نماز عصر مسجد دارالعلوم میں حضرت مرحوم گاہ بگاہ تقریر فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ دوران تقریر میں یہ واقعہ سنایا کہ مولانا محمد علی مرحوم کی دوران سفر یورپ میں فرانس کے ایک بڑے لیڈر سے ملاقات ہوئی۔ اس فرانسیسی مدبر نے کہا کہ انگریز بڑی چالاک قوم ہے ہمیشہ جنگ وغیرہ میں ہمیں آگے کر کے نقصانات میں مبتلا کر دیتا ہے اور خود محفوظ رہتا

ہے ہم ہر مرتبہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ ان کی چال میں نہیں آئینگے لیکن اس کے باوجود ہم پھنس جاتے ہیں اور اسکا ہمیں اس وقت احساس ہوتا ہے جب ہم پھنس چکے ہوتے ہیں۔

۴۔ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب مدرس دارالعلوم نے مشکوٰۃ شریف کے درس کے دوران کتاب المعجزات کے ضمن میں حضرت کا ایک واقعہ قسم کھا کر سنایا تھا اس موقعہ پر سو سے زائد طلبہ موجود تھے انہوں نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک روز حضرت کی دعوت کی تھی اتفاق سے اس وقت مہمان تھوڑے تھے حضرت شیخ نے دعوت قبول فرمالی۔ جب کھانے کا وقت قریب آیا تو مہمان زیادہ آگئے حضرت شیخ تمام مہمانوں کو ہمراہ لے کر میرے مکان پر تشریف لے آئے مہمانوں کی کثرت دیکھ کر میں پریشان ہوا جس کو حضرت نے محسوس فرمالیا اور مجھے علیحدہ لے گئے میں نے تمام صورت حال حضرت کے سامنے رکھ دی اور گذارش کی کہ اتنی دیر ٹھہریں کہ میں مزید کھانے کا انتظام کر لوں حضرت نے فرمایا کہ یہی کھانا کافی ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق تمام روٹی و ترکاری آپ کے پاس لا کر رکھ دی گئی۔ روٹیوں پر ایک کپڑا ڈھک دیا گیا۔ اب حضرت شیخ اپنے ہاتھ سے کھانا نکال نکال کر دیتے رہے۔ مولانا عبدالسمیع رحمۃ اللہ علیہ صاحب قسم کھا کر فرماتے تھے کہ وہی کھانا سب کو کافی ہو گیا گھر والوں نے بھی کھالیا اور کچھ بچ بھی رہا۔

دادا مرحومؒ

منظر اعظمی

وہ بزم وصل وعرفاں کی درخشاں شمع نورانی
پتنگوں میں اسی کے فیض سے ہیں بال و پر پیدا

مصائب میں وہ تھا محکم چٹانِ سخت کی صورت
وہ رو باہوں میں کر دیتا تھا چیتے کا جگر پیدا

کہاں وہ جہد للّٰہی، کہاں وہ سعی آزادی
کہاں وہ شے جو کرتی تھی اسی کی اک نظر پیدا

اسی کے فضل سے سب لوگ کسب علم کرتے تھے
اسی کے فیض سے ہر ایک کرتا تھا ہنر پیدا

یہی وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن پر زیست روتی ہے
دعائیں مانگتی ہے کاش ہوں بارِ دگر پیدا

زمانہ انتظارِ مردِ مومن میں تڑپتا ہے
کہیں تب جا کے ہوتا ہے کوئی صاحب نظر پیدا

مجھے یاد اس جگہ اقبال کا وہ شعر آتا ہے
ضرورت کیا ہے منظر اب کروں شعر دگر پیدا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایک مرتبہ اثناء درس حدیث شریف میں احقر نے سوال کیا کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متبعین کے سامنے کوئی ایسا تعمیری اقتصادی پروگرام نہیں رکھا جس کی وجہ سے ان کے اقتصادی مسائل حل ہو جاتے اور وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے۔ حضرت نے اس کا تفصیل کے ساتھ نہایت سیر حاصل جواب دیا جو مکمل تو یاد نہیں لیکن اس کا کچھ مفہوم یہ تھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو اقتصادی پروگرام پیش کیا تھا وہ ان کی تمام ضرورتوں کے لئے کافی تھا آپ نے ان کا اقتصادی مسئلہ نہایت مکمل طریقہ سے حل کر دیا تھا۔ چنانچہ ملک عرب جو ہمیشہ غربت و افلاس کے لئے مشہور تھا کچھ عرصہ بعد وہاں دولت کی فراوانی اور خوش حالی کا یہ حال ہو گیا تھا کہ لوگ صدقات دینے کے لئے نکلتے تھے تو کوئی صدقہ لینے کو تیار نہ ہوتا تھا اور ہر شخص یہی کہتا تھا کہ مجھے صدقہ کی ضرورت نہیں میں غنی ہوں اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے اقتصادی حالات تھوڑے ہی عرصہ میں اسلام کی بدولت کس قدر بہتر ہو گئے تھے حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نظام نہ صرف ملک عرب کی ضروریات کے لئے بلکہ وسعت پذیر اسلامی حکومت کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے لئے بھی کافی تھا چنانچہ جہاں تک اسلامی حکومت کا دائرہ عمل وسیع ہوتا گیا۔ وہاں خوش حالی و فارغ البالی بھی ساتھ ساتھ گئی اور اسلام کے وہ اصول آج بھی اپنی جگہ زندہ حقیقت کی طرح قائم ہیں جن کی بنیاد پر تمام عالم کا اقتصادی نظام درست کیا جا سکتا ہے۔

مولانا بشیر احمد صاحب فیض آبادی

صدر مدرسہ حنفیہ نواب گنج گونڈہ

(بلفظہ بحذف تمہید)

۱۔ تقسیم ہند کے بعد حضرت مدنی قدس اللہ سرہ العزیز سلہٹ کی بجائے اپنے وطن ٹانڈہ میں قیام فرماتے تھے اس قیام کے زمانہ میں ناچیز کو بھی متعدد مرتبہ ٹانڈہ حاضری کا اتفاق ہوا۔ مئی اور جون کا رمضان تھا گرمی اپنے شباب پر تھی اور لو خوب زوروں سے چل رہی تھی اوسطاً ستر مہمان روزانہ رہتے تھے اہل خانہ نے آپ کی پیرانہ سالی اور موسم کے تقاضہ کے بموجب یہ مطالبہ کیا کہ آپ سحر کے وقت کوئی میٹھی چیز نوش فرما لیا کریں تاکہ تشنگی کا غلبہ نہ ہو۔ کتنی معقول بات اہل خانہ نے پیش کی مگر پیکر سنت نے برجستہ فرمایا کہ میرے مہمان صرف روٹی اور سالن کھائیں اور میں میٹھی چیز استعمال کروں اگر مہمانوں کے لئے انتظام ہو سکتا ہے تو میں بھی کھا سکتا ہوں ورنہ میں تنہا نہیں کھا سکتا۔ بدرجہ مجبوری گھر والوں نے سب کے لئے میٹھے چاول کسی دن شیر اور کسی دن سوئیوں کا انتظام کیا۔

۲۔ سب سے زیادہ حیرت ناک بات میری چشم دید یہ ہے کہ بخار یا اور کسی مرض میں مبتلا ہونے پر حکیم یا ڈاکٹر نے پرہیز بتلایا بہیم اصرار پر چند روز تو پرہیزی کھانا کھا لیتے چند دن بعد اگر پرہیزی کھانا دسترخوان پر آتا تو اس کو دوسرے کھانوں میں ملا دیتے اور وہی کھانا نوش فرماتے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو دنیا میں بالکل ناپید ہے اگر اتباع سنت معیار ولایت ہے تو آج ہم اس فیصلہ پر مجبور ہیں کہ قطب دوران سے بڑھ کر متبع سنت نہیں دیکھنے میں آئے۔

جنّت مُقام اسیرِ مالٹا ——— بدر سنبھلی

چلا دارِ فانی سے وہ شیخ والا
"مدینہ" کا ساکن مدینہ کو پہنچا
تلاطم سے ٹکرا کے، موجوں سے لڑ کے
لگا جا کے ساحل پہ اس کا سفینا
"سن فوز" ہاتف سے اے بدر سن لے
کما حققہ فاز فوزاً عظیما
۱۳۷۷ھ

۳۔ محب مکرم جناب مولانا فیض اللہ صاحب فیض آبادی مجاز حضرت الشیخ الاسلام اس واقعہ کے ناقل ہیں یہ سبق آموز واقعہ صرف عبرت و نصیحت کے خیال سے درج کرتا ہوں ورنہ سینکڑوں واقعات ہیں حضرت استاذ العرب والعجم کا معمول تھا کہ عشا کے بعد سے لے کر بارہ بجے شب تک حدیث کی سب سے مہتم بالشان کتاب بخاری شریف کا درس دیتے تھے مولانا فیض اللہ صاحب دورہ حدیث میں تھے یہ حضرت مولانا مرحوم کو لالٹین دکھلانے پر مامور تھے ان کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت اقدس قدس اللہ سرہ العزیز مہمان خانے میں تشریف لائے اور شب کا نصف حصہ گذر چکا تھا۔ سردی کا موسم ہے۔ ایک خستہ حال بوسیدہ کپڑے میں ملبوس چارپائی پر بیٹھے ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ کیوں بیٹھے ہیں جب کہ سارے مہمان آرام فرما ہیں اور خود بھی ساتھ چل دیئے اور اس نووارد مہمان سے دریافت فرمایا تو اس مہمان نے جواب دیا کہ کسی صاحب نے مجھ کو دسترخوان سے اٹھا دیا ہے اور میرے پاس لحاف وغیرہ بھی نہیں ہے حضرت پر بڑا اثر ہوا بار بار ان کا نام پوچھا مگر پتہ نہ چلا فوراً اندر تشریف لے گئے اور کھانا لے کر خود باہر تشریف لائے اور جب تک اس مہمان نے کھانا کھایا آپ باہر ہی بیٹھے رہے سارے مہمان اور اہل خانہ سو چکے تھے حضرت اندر تشریف لے گئے اور اپنا بستر اٹھا لائے اور اس کو بچھوا دیا اور خود ساری رات عبا اوڑھ کر گذاری۔ مولانا فیض اللہ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے بہت اصرار کیا اور چاہا کہ میں اپنا بستر لے آؤں اور حضرت آرام فرمائیں مگر اس پیکر سنت نے گوارا نہ فرمایا۔

سید ساجد حسین صاحب شمس سیوہاروی

(بی اے علیگ از علی گڑھ)

۱۔ تقریباً آٹھ برس کا عرصہ ہوا حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے سیوہارہ ضلع بجنور میں شاہی مسجد میں بعد نماز جمعہ تقریر فرمائی تقریر سے پہلے ایک صاحب نے مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ

کی شان میں ایک نظم سنانی شروع کی چند واقعات کی طرف اشارہ کرنے والے تعریفی اشعار کچھ ہی ہونے پائے تھے کہ یک لخت مولانا مدنی کھڑے ہو گئے اور ان صاحب کو نظم پڑھنے سے روک دیا۔ اور اپنی تقریر شروع کر دی ایک ڈیڑھ گھنٹہ کی ساری تقریر کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں خودستائی یا شخصیت پرستی یا منہ پر تعریف۔ کے خلاف ہوئی لطف کی بات یہ کہ تقریر کے ہر پہلو میں اخلاق و عمل۔ اسوہ حسنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جہاد فی الاسلام کی تعریف و توضیح اور تلقین شامل تھی انہوں نے تقریر میں ایک جملہ یہ بھی فرمایا تھا کہ جب میری کوئی تعریف کرتا ہے یا میں کسی سے اپنی تعریف کی بات سنتا ہوں تو مجھے سخت رنج ہوتا ہے کہ یہ لوگ اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت صحابہ کو بھول گئے جن کا ہم عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتے۔ وہاں خلوص نیت باللہ تھا۔ یہاں تعریف ہے وہاں عمل تھا یہاں قول و فکر و ستائش ہے حضرت مولانا کی اس تقریر کا عوام پر زبردست اثر پڑا تھا۔

۲۔ ایک دفعہ شاہی مسجد مذکور میں بعد نماز جمعہ آپ کی تقریر ہوئی ہزار ہا ہندو و مسلمانوں کا مجمع تھا مسلمان زیادہ تھے کوئی سوا گھنٹہ کی مدلل و مفصل تقریر پوری کی پوری آپ نے قرآن کے ایک لفظ رب پر کی بعد اختتام معتقدین نے مصافحہ کرنا شروع کیا تو جب قصبہ کے ایک رئیس صاحب نے ہاتھ بڑھایا تو مولانا مدنی رحمۃ اللہ نے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لئے ان رئیس صاحب کی داڑھی چھوٹی اور برائے نام تھی مولانا مدنی نے سخت لہجہ میں کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی داڑھی منڈائی ہے؟ سکھوں کو کبھی داڑھی منڈاتے دیکھا ہے؟ اور غصہ میں یہ کہہ کر اوروں سے مصافحہ کرنے لگے اتفاقی بات یہ ہے کہ مصافحہ کرنے میں ان رئیس صاحب کے فوراً بعد میرا نمبر تھا مصافحہ کرتے وقت مجھے زبردست قلبی و روحانی تسکین ہوئی اور مطمئنہ کی سی کیفیت طاری ہوئی۔

۳۔ میرے ایک مخلص نے اپنے سفر دیوبند کا حال اس طرح بتایا۔ میں دیوبند جانے سے پہلے کٹر قسم کا مسلم لیگی تھا مولوی صاحبان کو بری اور حقیر نظروں سے دیکھتا تھا مولانا مدنی کا بھی بہت مخالف ذہنی تھا جب اپنے کام سے فارغ ہوا تو سوچا کہ چلو آیا ہوں تو دارالعلوم بھی دیکھتا چلوں، پہنچا معلوم ہوا مولانا مدنی درس دے رہے ہیں۔ ابھی تھوڑی ہی دیر میں تشریف لائیں گے خبر رساں نے پیغام بھی پہنچایا کہ آپ سے ضرور ملیں گے چلے نہ جائیے گا۔ میں دل ہی دل میں شرمندہ کہ مولانا سے تو میری ذرا سی بھی جان پہچان نہیں۔ نہ نام پوچھا نہ پتہ معلوم کیا۔ خیال پیدا ہوا کہ یہ ہستی واقعی بے مثال اور بلند اخلاق کی مالک ہے میں نے کچھ دیر توقف کیا پھر حضرت مولانا کی آمد پر شرف ملاقات ہوا۔ مولانا نے مزاج پرسی وغیرہ کے بعد پوچھا بستر اکہاں ہے؟ میں نے کہا فلاں جگہ۔ آپ نے کہا نہیں ہرگز نہیں بستر و سامان وغیرہ سب یہیں آئے گا آپ ہمارے مہمان ہیں چلئے بتائیے بستر اکہاں ہے میں اٹھا کر لاتا ہوں یہ سن کر میں چکر میں پڑ گیا کہ میں یہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ مولانا کو جلد سامان وغیرہ لانے کا یقین دلایا اور رخصت حاصل کی۔ شب کو اس شش و پنج میں کہ دارالعلوم کھانا کھا کر جاؤں یا بغیر کھائے کافی دیر ہو گئی کچھ اور کام بھی کرنے تھے چنانچہ پھر بے کھائے دارالعلوم کی طرف روانہ ہوا۔ پہنچا۔ دیکھا کہ قریب قریب سب لوگ میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے یہ دیکھ کر دل میں قسم کھائی کہ ان ہی کی غلامی میرے لئے باعث فخر ہے ان کو برا کہنے والے دراصل اندھیروں میں ہیں اور ان پر حقیقت نہیں کھلی ہے نہ جانے کتنی دیر سے میرا انتظار ہو رہا تھا ایک معمولی شخص کا انتظار ایک اجنبی شخص کا انتظار میں اندر ہی اندر حیرت زدہ تھا کہ اب تک میں کن خرافات میں مبتلا اور کہاں تھا الغرض کھانا سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھایا تقریباً تیس چالیس آدمی تھے سنا کہ مہمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے مگر تعداد کم و بیش اتنی ہی رہتی ہے جس کا تمام صرف مولٰنا مدنی اپنی تنخواہ میں سے ادا کرتے ہیں۔

محمد یعقوب صاحب پھراؤں

حضرت ایک تقریب میں پھراؤں تشریف لائے ہوئے تھے مولانا اسعد میاں صاحب بھی ہمراہ تھے میزبان صاحبان نے ایک خاص کمرے میں حضرت کے کھانے کا انتظام کیا اور اصرار کیا کہ حضرت وہاں تشریف لے چلیں دوسرے دالان میں قصبہ کے لوگ کھانا کھا رہے تھے حضرت نے اس امتیازی شان کو قطعاً پسند نہ کیا۔ جب زیادہ اصرار کیا گیا تو فرمایا قضاء حاجت کے لئے بھی انسان وہیں جاتا ہے جہاں سب جاتے ہیں پھر آپ مجمع میں تشریف لے گئے اور سب کیساتھ اسی عام دسترخوان پر کھانا تناول فرمایا۔

مولانا عبدالرحمان صاحب صدر مدرس

مدرسہ عباسیہ پھراؤں

احقر طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں حاضر ہوا تو باوجودیکہ نادار تھا مگر نزاکت یہ تھی کہ چائے کے بغیر دن گزارنا مشکل تھا حضرت کی نازبرداری ملاحظہ فرمایئے کہ احقر کی اس طلب کا علم ہوا تو دارالعلوم سے خاص طور پر وظیفہ چائے مقرر کرایا اور اپنی جیب خاص سے بار بار امداد علیحدہ فرماتے رہے۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

محمد میاں عفی عنہٗ

غالباً ۱۹۳۳ء کی بات ہے کہ احقر نے اپنے ایک دوست سے قرض مانگا انہوں نے احقر کو قرض دیا مگر کچھ صورت ایسی پیدا ہو گئی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش فرمانی پڑی احقر کی طرف سے وقت پر ادائیگی نہ ہو سکی تو انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی حضرت نے وہ رقم اپنی جیب سے ادا فرما دی۔ احقر کو محض اطلاع دی۔ مگر نہ حضرت نے وصول کرنے کی نیت سے وہ رقم ادا فرمائی تھی اور نہ آج تک احقر نے کبھی یہ خیال کیا کہ حضرت کی ادا فرمودہ رقم احقر کو ادا کرنی ہے وہ بزرگانہ عطیہ تھا اور یہاں ایسے عطیات کی وصولی کے لئے پس و پیش کا سوال ہی نہیں۔

احقر کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود مقروض تھے اور بہت کافی قرض حضرت کے ذمہ تھا ۱۹۴۴ء کی بات ہے کہ حضرت نے نینی جیل سے احقر کو تحریر فرمایا کہ حامد میاں سلمہ (خادم زادہ) بالغ ہوگیا ہے اس کا عقد کر دیا جائے۔ ادھر حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی رح کو تحریر فرمادیا کہ وہ اپنی دختر کا رشتہ فرما دیں احقر کے والدین رحمہا اللہ حیات تھے ان کو بھی خیال تھا کہ ابھی کم عمر ہے احقر کو بھی احساس تھا کہ ابھی تعلیم بھی پوری نہیں ہوئی اور عمر بھی کم ہے مگر حضرت کے ارشاد گرامی کی برکت سے محروم ہونا بھی کسی نے پسند نہیں کیا کچھ دنوں بعد حضرت نینی جیل سے رہا ہو کر آئے تو عقد کا تقاضا فرمایا احقر نے اپنی مالی مشکلات کا ذکر کیا تو حالانکہ خود حضرت کئی سال کی قید کے بعد رہا ہوئے تھے۔ مالی مشکلات میں مبتلا ہونا لازمی تھا مگر اس کے باوجود سفر آسام سے واپس تشریف لائے تو دو جوڑ سونے کے جھمکوں کے عطا فرمائے۔ ایک احقر کو اور دوسرا مولانا عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو۔

اس قسم کے نہ معلوم کتنے خدام اور وابستگان ہوں گے جن کا بار حضرت نے برداشت کیا اور خدا ہی جانتا ہے کہ ان ہزاروں خدام پر کتنے لاکھوں احسان حضرت کے ہونگے

جزاہ اللہ عنا احسن ما یجازی بہ

عبادہ المقربین

حکیم عبد الرشید صاحب (بریلی)

ماہ دسمبر ۱۹۴۵ء کا پر آشوب دور تھا مسلم لیگ کی تحریک کانگریس کے مقابلہ میں اپنے شباب پر تھی آپ کانگریس کی حمایت میں بریلی تشریف لائے ہوئے تھے اور اہالیان بریلی کو اپنے سیاسی تدبر سے راہ راست پر لانے کے لئے اور آئندہ حضرات

قطعہ تاریخ وفات حضرۃ شیخ الاسلام رح

از ثروت جبین
شاہی مسجد سیوہارہ

چل دیئے حیف وہ مسیح قلوب
یعنی وہ بزم قدس کے مطلوب
جب سے تشریف لے گئے ہیں شیخ رح
زندگی کچھ نہیں رہی مرغوب
لکھیئے سال وفات اے ثروت
ہوگیا وائے ماہ دین غروب

۱۳۷۷ھ

نگارشاتِ غم

از:- اثر انصاری

جوہر علم و صداقت، گوہر یکتائے فن
شب چراغ آگہی، سوز و گداز انجمن
مشعلِ راہِ طریقت، شمع تہذیب کہن
آبروئے بزم امکاں، عظمت خاک وطن
مرد میدانِ شجاعت پاسبانِ عقل و ہوش
سرخیٔ خونِ شہیداں، سرفراز و سرفروش
پیکر زہد و تقدس جانشینِ انبیاءؑ
شانِ تقدیس امم، ناموس دین مصطفےٰ
راہنمائے عالم اسلام، فخر ایشیا
یعنی مولانا حسین احمد اسیر مالٹا
جن کے اٹھتے ہی جبینِ حادثہ خود جھک گئی
ایک ساعت کے لیے نبضِ دو عالم رک گئی

سے آگاہ فرمانے کے لئے عوام کو خطاب کرنا چاہتے تھے اس وقت جو پر جوش منظر میری آنکھوں نے دیکھا اسکا مختصر خاکہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

شہر بریلی کے وسط میں ایک پارک ہے جو موتی پارک کے نام سے مشہور ہے اسی مرکزی مقام پر جلسہ کا انتظام تھا۔ شہر میں گلی گلی اور کوچہ در کوچہ اعلان ہو چکا تھا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی شام کو بعد مغرب موتی پارک میں تقریر فرمائیں گے چنانچہ وقت مقررہ پر جلسہ گاہ سامعین سے پر ہو چکی تھی اور حضرت ممدوح کا انتظار ہو رہا تھا کہ یکایک حضرت مولانا تشریف لے آئے شہر کے بعض معززین بھی حضرت والا کے ساتھ تھے یہ خادم دیرینہ بھی ہمرکاب تھا پارک سے باہر لیگ کے ہم خیالوں کا ایک زبردست ہجوم تھا جنہوں نے اپنے مخالفانہ اور معاندانہ فلک شگاف نعروں سے مولانائے موصوف کو ان کے ارادوں سے باز رکھنے کی انتہائی کوشش کی مگر اس مجاہد ملت نے کسی کی کوئی پرواہ نہ کی جلسہ کی کارروائی تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ حم السجدہ کی آیۃ کریمہ وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون۔ تلاوت فرمائی جو موقع اور محل کے مطابق تھی اور اس کا ترجمہ فرما کر تقریر کا سلسلہ شروع فرما دیا اس دوران میں مخالفین نے انتہائی بد اخلاقیوں کا مظاہرہ کیا کول تار کے خالی ڈرم اور ٹین کے کنستر پوری قوت سے بجانے لگے سڑک پر پڑے ہوئے کیلے کے ڈنٹھل وغیرہ حاضرین جلسہ پر پھینکے۔ جب ان سب حرکات کا بھی کوئی اثر نہ لیا گیا تو ان ناعاقبت اندیشوں نے سنگ باری شروع کر دی اتفاق وقت کہ اس زمانہ میں پارک کے چاروں طرف پتھر کے انبار لگے ہوئے تھے کیونکہ سڑک پر کوٹنے کے لئے پتھر جمع کیا گیا تھا وہی سڑک کا پتھر مخالف مجمع کا میگزین تھا کہ جس کو وہ لوگ بے دریغ

اس پُرامن جلسہ پر برسا رہے تھے گو پولیس کی پوری طاقت اور محکمہ پولیس کے تمام افسران موقع پر موجود تھے مگر ضلع پولیس کے افسرِ اعلیٰ کی ذہنیت بھی لیگی نظریات سے مسموم تھی اسلئے پولیس کا وجود عدم وجود برابر تھا بلکہ پولیس کی چشم پوشی مخالفین کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی آخر تابہ کے حاضرین جلسہ مضروب ہوئے اور مجمع منتشر ہونے لگا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے جان نثاروں نے چاہا کہ موصوف کے اوپر کوئی سایہ کر لیں تاکہ آپکا جسم مبارک محفوظ ہو جائے۔ لیکن واہ رے صبر و استقامت آپ نے اپنے اوپر سایہ کرنے سے لوگوں کو روک دیا اور انتہائی محبت و شفقت سے فرمایا کہ حسین احمد کا سر آپ حضرات کے سروں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے آپ اسی سنگباری میں سینہ سپر ہو کر مجاہدانہ انداز میں تقریر فرماتے رہے آخر کار مخالفین نے روشنی کے قمقموں کو پتھر کا نشانہ بنا کر تمام فضا کو تاریک کر دیا اور جلسہ کو اپنے خیال میں ناکام بنا دیا۔ اس کے بعد جلسہ برخاست کر دیا گیا اور حضرت مولانا اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے اور قبل اس کے کہ آپ بریلی سے واپس ہوں آپ کی جانب سے ایک ہینڈ بل شائع ہوا جو دعاؤں اور نصیحتوں سے پر تھا اور جس کا مضمون اس شعر پر ختم ہوا تھا۔

مراد ما نصیحت بود گفتیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

مولوی عبدالعزیز صاحب سوتی متعلم دارالعلوم دیوبند

(بلفظہ)

گزشتہ سال جب جمعیۃ علماء ہند کے انیسویں اجلاس سورت سے فارغ ہو کر حضرت شیخ سورت کے قرب و جوار کے دیہات کا دورہ کرتے ہوئے براہ احمد آباد اجمیر تشریف لائے تو میں اس وقت اجمیر میں مدرسہ معینیہ عثمانیہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا حضرت شیخ کے اجمیر آنے کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی اس لئے جامع مسجد شاہجہانی میں حضرت شیخ کی تقریر کا پروگرام طے کر لیا گیا۔ شیخ رات میں اجمیر تشریف لے آئے اور صبح دس بجے آپ کی تقریر پروگرام کے مطابق ہوئی۔ تقریر کے اختتام پر ایک شخص حضرت سے مصافحہ کے لئے آگے بڑھا شیخ کی نگاہ اس کے چہرہ پر پڑی بس بہت ہی غصہ میں فرمایا کہ شرم نہیں آتی مصافحہ کرنے کے لئے آگئے اور تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ سے نفرت ہے داڑھی منڈاتے ہو۔ حضرت کے ان الفاظ کا اس کے قلب پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار رو پڑا اور کہنے لگا کہ توبہ توبہ میں کبھی بھی داڑھی نہیں منڈاؤں گا حضرت اسی دن تین بجے دہلی تشریف لے گئے میں نے طے کر لیا تھا کہ کچھ دنوں کے بعد اس شخص کو ضرور دیکھنا چاہیئے کہ وہ داڑھی رکھتا ہے یا نہیں۔ چند ہفتے کے بعد میں نے اس شخص کو دیکھا کہ اس کے چہرہ پر داڑھی موجود تھی۔ سچ ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

قطعۂ تاریخ

از۔ حکیم مولوی صلاح الدین سیوہاروی

حضرتِ مولوی حسین احمد بود شیخ الشیوخ ہندوستان
سالِ فوتش بگفت ہاتفِ غیب پاک سیرت مقیمِ قصرِ جنال

سنہ ۱۳۷۷ھ

روضہ ہے شیخ کا

از۔ پروفیسر قاضی عبدالصمد صارم سیوہاروی

رونق تھی بزمِ علم کی جس سے وہ چل بسا
یعنی حسین احمدِ ذیجاہ با صفا
تاریخ کی تھی فکر ندا آئی غیب سے
کتبہ لگا دو قبر پہ روضہ ہے شیخ کا

سنہ ۱۹۵۷ء

مولانا احمد میاں صاحب انصاری

(بلفظہ)

مئی سنہ ۱۹۵۴ء کی گرمی شباب پر ہے مولوی بشیر احمد فیض آبادی کا اصرار پر اصرار ہے کہ میرا عقد مسنون اگر پڑھیں گے تو حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ ہی پڑھیں گے بالآخر عزیزم مولوی بشیر احمد سلمہٗ کے والد راضی ہو جاتے ہیں اور پچاسی روپے پر ایک کار آمد و رفت از فیض آباد تا ٹانڈہ طے کر لی جاتی ہے بایں شرط کہ آج شب کو ہی واپسی ہو جائے گی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق عظیم دیکھئے کہ مرحوم درخواست بندہ کی منظور فرما لیتے ہیں۔ بہار کے امیر شریعت مولانا سید منت صاحب مدظلہ تشریف فرما ہیں و دیگر مشتاقان زیارت فروکش ہیں شب کو واپسی کے وعدہ پر شام کے غالباً ۵ بجے کار میں فیض آباد کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں اکبر پور پہنچ کر نماز مغرب باجماعت ادا فرماتے ہیں۔

وہاں سے روانہ ہوتے ہی خدا کی قدرت کہ کار خراب ہو جاتی ہے ڈرائیور اسکو پانی وغیرہ دے کر چلاتا ہے تقریباً دس منٹ چلنے کے بعد پھر خراب ہو جاتی ہے ڈرائیور درست کر کے پھر چلاتا ہے دس پانچ منٹ چلنے کے بعد پھر خراب ہو جاتی ہے غرضیکہ فیض آباد تک کا تیس چالیس میل کا غالباً یہ سفر اسی شان سے موجب سقر بنتا رہا شدت گرمی سے اوسان خطا ہو رہے تھے میں اور جملہ داعیان سخت شرمندہ حضرت کی تکلیف کو دیکھ دیکھ کر ہو رہے تھے کہ حضرت کیا خیال کرتے ہوں گے۔

کار گوشائیں گنج بدقت تمام جس وقت پہنچی ہم سب شدت تشنگی سے بیتاب تھے

اور ڈرائیور پر سخت برہم ہو رہے تھے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ وہ صبر و استقلال بنے ہوئے ہیں کیا مجال کہ کوئی حرف شکایت زبان پر آیا ہو۔ سچ فرمایا اللہ پاک نے ان اللہ مع الصابرین۔ اتفاق سے حضرت مولانا سید محمد نصیر صاحب فیض آبادی جو اس دن گوشائیں گنج میں تشریف فرما تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خبر پاتے ہی ہماری کار کے پاس دوڑے ہوئے آئے دو چار کانگریسی اہل ہنود بھی موصوف کے ہمراہ تھے جنہوں نے بڑے اخلاص کے ساتھ برف اور لسی کا انتظام کیا وہاں سے کار نے پھر اسی بار بار کی ناگفتہ بہ تکلیف کے ساتھ تقریباً گیارہ بجے شب کو فیض آباد پہنچایا ہم سب رفیق سفر ڈرائیور پر سخت ناراض ہو رہے ہیں کرایہ پہ بھی دینے میں حجت ہو رہی ہے لیکن حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اس غریب ڈرائیور کی کیا خطا (جو غیر مسلم تھا) زیادتی وقت، شب کی تاریکی، سفر کی تکان کے خیال سے وعدہ خلافی کی گئی۔ بجائے شب کو پہنچنے کے دوسرے دن بعد نماز فجر نکاح پڑھا اور تقریباً نو بجے دن کے دوسری عمدہ کار سے واپسی ما ئدہ ہوئی مگر اس ضبط و تحمل کو دیکھئے کہ اُف تک بھی نہیں کہا وعدہ خلافی کیوں کی۔

۲۔ میرے برادر عزیز مولوی سعید میاں صاحب انصاری سہارنپوری حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کے اس مقولہ کے راوی ہیں۔

کہ حضرت مدنیؒ کی سیاست میری سمجھ میں اگر آجاتی تو میں ان کے پیچھے پیچھے دوڑا دوڑا پھرتا۔ تاہم اللہ پاک کے نزدیک آپ کا جو درجہ و مقام ہے میں جانتا ہوں آپ سے سیاست میں اختلاف کر کے میں دوزخ کی آگ خریدنا نہیں چاہتا۔

حکیم حامد حسن صاحب دھامپوری

(بلفظہ)

ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضرت مدنیؒ مولانا عبدالباری صاحب لکھنوی کے مکان پر تشریف فرما تھے احقر بھی بغرض زیارت خدمت اقدس میں حاضر ہوا گرمیوں کا موسم تھا لکھنؤ میں عموماً اونچے طبقہ کے لوگ اس موسم میں پان کے بڑے بڑے کیوڑے کے بیڑا سائز خول میں رکھتے ہیں چنانچہ حضرت کی مجلس میں بھی اہل خانہ کے یہاں سے ایک بڑے تھال میں پان پیش کئے گئے دس پندرہ اشخاص سے گذرتی ہوئی پان کی تھال جب مجھ تک آئی میں نے بھی حسب معمول سادگی سے ایک بیڑا اٹھا کر منہ میں رکھ لیا دانتوں میں دبا کر اندازہ ہوا کہ ہمارے حصہ میں کیوڑے کا خالی خول ہی آگیا ہے چونکہ روشنی کا بلب مقام مجلس سے قدرے فاصلہ پر تھا میں نے اس بیڑے نما خول کو اپنے چہرہ کا ذرا رخ پھیر کر منہ سے نکال کر تھال میں رکھ دیا لیکن چونکہ میں حضرت کے قریب اور بالکل سامنے تھا میری اس حرکت پر حضرت کی نگاہ پڑ گئی بس کیا تھے قہقہے مار کر ہنسے اور فرمانے لگے مولانا آپ تو پانوں کے ساتھ خول بھی کھاتے لیتے ہیں حضرت کے ساتھ حاضرین مجلس بھی ہنس پڑے پوری مجلس کی ہنسی سے مجھ پر شرمندگی دامن گیر ہوئی اور شرمسار ہو کر خاموشی سے گردن جھکا کر بیٹھ گیا حضرت قدس سرہٗ نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر آپ بیتے چند واقعات اسی نوعیت کے سنا دیئے اور فرمانے لگے مجھے خود ایک مرتبہ ایسا ہی اتفاق ہوا تھا۔ جب کہ پہلی بار خول میں لپٹے پان میرے پاس آئے۔ حضرت سے چند واقعات سن کر میری شرمندگی کافور ہو گئی۔

۲۔ ۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے حضرت مولانا مدنیؒ حسب معمول لکھنؤ میں ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے مکان پر قیام فرما تھے تشریف آوری کی اطلاع ملنے پر احقر اور میرے دو رفیق و ہم سبق حکیم مولوی خلیق احمد صاحب مالک مشتاق دواخانہ مراد آباد اور حکیم مولوی فضل الرحمٰن صاحب بھیرانوی فضلاء دیوبند و شاگرد حضرت رحؒ بغرض شرف ملاقات خدمت اقدس میں حاضر ہوئے امتحان کا زمانہ تھا زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے میرا دماغ بغیر معمولی تکان محسوس کر رہا تھا بہرحال مصافحہ و سلام کرنے کے بعد ہم لوگ حضرت کی مجلس میں بیٹھ گئے کچھ دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیر دیجئے چنانچہ مشفقانہ انداز سے میرے سر پر اپنا دست مبارک رکھ دیا جس سے مجھ کو جو اطمینان و مسرت محسوس ہوئی ہو گی اس کا اندازہ حضرت رحؒ کے خصوصی پروانے ہی لگا سکتے ہیں۔ بعد ازاں حضرت نے ہم لوگوں سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ لکھنؤ کس سلسلہ میں آئے ہوئے ہیں میرے ساتھی حکیم مولوی خلیق احمد صاحب مراد آبادی نے بعجلت عرض کیا کہ حضرت ہم تینوں تکمیل الطب کالج میں طب پڑھنے آئے ہیں یہ سن کر حضرت نے قدرے سکوت فرما کر کہا کہ درس نظامی سے فراغت کے بعد میرے خسر نے والد صاحب سے مجھے طب پڑھانے پر زور دیا جس کے جواب میں والد صاحب نے میرے خسر کو لکھا کہ میں اپنے لڑکے کو گھوڑے کی سواری سے گدھے کی سواری پر بٹھانا اچھا نہیں سمجھتا یہ عبرت آموز جملہ سن کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہم سب شرمندگی سے مسکرائے پھر مجلس میں کوئی دوسری بات شروع ہو گئی۔

حکیم قاری ماشاء اللہ صاحب

تقریباً ۳۸ سال پیشتر اس زمانہ کی بات یاد آ رہی ہے جب حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کیساتھ مالٹا سے چھوٹ کر تشریف لائے تھے خلافت کمیٹی کا زور تھا اور ان کے اعزاز و اکرام سے پورے ہندوستان کا سینہ لبریز تھا ہر جگہ ان کے استقبال ہوتے تھے آنکھوں کی پلکیں فرش راہ کی جاتی تھیں میری عمر اس زمانہ میں تقریباً ۱۲ سال تھی میرے والد صاحب قبلہ جناب مولوی حکیم انشاء اللہ صاحب مرحوم نے حضرت مولانا مدنی کے خسر حکیم قاری غلام احمد صاحب کے یہاں تعلیم و تربیت کے لئے بھیج رکھا تھا۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب بھیراؤں تشریف لے گئے اور خوش قسمتی سے اسی کمرے میں قیام فرمایا جہاں میں رہتا تھا میری چارپائی کے برابر مولانا کی چارپائی بچھی۔ صبح کو مجھے اپنے وطن بھیراؤں جانا تھا۔ اپنے گھر جانے کی خوشی میں نیند بھی زیادہ گہری نہیں آئی تھی۔

اس زمانہ میں بچھراؤں سے جو گاڑی مراد آباد کو جاتی تھی وہ بہت ہی سویرے یعنی پانچ یا پونے پانچ بجے چھوٹ جایا کرتی تھی جس کو پکڑنے کے لئے ساڑھے تین چار بجے اٹھنا پڑتا تھا۔ میں اس رات میں اس وقت سے بھی پہلے اٹھ بیٹھا اور آہستہ آہستہ میں اپنا بستر لپیٹنے اور باندھنے کی کوشش کرنے لگا اور اس بات کا لحاظ رکھا کہ اپنے استاذ کے ان مہمان صاحب کو کوئی آہٹ محسوس نہ ہو مگر میرے پاس اپنا معمولی بستر باندھنے کے لئے کوئی رسی یا ڈوری نہیں تھی اور میں اسی کوشش میں اندھیرے میں ٹاک ٹوئیاں مار رہا تھا کہ مولانا اٹھ بیٹھے اور مجھ سے فرمایا کیا بات ہے ؟ میں نے کہا بات کیا ہے۔ بستر باندھنے کے لئے کوئی رسی یا بان کا ٹکڑا ڈھونڈھ رہا ہوں یہ سننا تھا کہ فوراً چارپائی سے اٹھ بیٹھے چارپائی کے نیچے مولانا کی اٹیچی رکھی ہوئی تھی اسے کھولا اور اس میں سے ٹارچ (بیٹری) نکالی اور اس کی روشنی میں ادھر ادھر تلاش شروع کر دی۔ اسی اٹاری پر ایک طرف کو ایک چھپر پڑا ہوا تھا وہاں سے مولانا خود ایک رسی کا ٹکڑا کاٹ کر لائے اور میرا بستر باندھ دیا۔ میں وہاں سے وقت سے روانہ ہو گیا اور گاڑی مل گئی سن شعور کے بعد یہ محسوس ہوا کہ ساڑھے تین بجے رات کے وقت جب کہ نیند کا بے پناہ غلبہ ہوتا ہے ایک اجنبی طالب علم کی مدد کے لئے اٹھ جانا اور اس کے کام میں اس قدر سہارا دینا معمولی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی زندگی مخلوق کی خدمت اور ہمدردی کے لئے وقف ہو چکی تھی اور اس سلسلہ میں انھیں کسی خدمت سے بھی عار نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے اور ان کے درجات و مراتب میں ترقی بخشے۔

مولوی عبدالمالک الحسینی القاسمی متعلم

دارالعلوم دیوبند

حضرت مدنی شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز کی فطرت یہی تھی کہ اپنا کام آپ خود کرتے تھے کئی سال سے ضعف اور مختلف عوارض کے باعث اٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ اب اس کو برداشت فرمانے لگے تھے کہ مثلاً درس گاہ یا مسجد میں جاتے آتے کوئی جوتا اٹھالے۔ چھڑی اٹھا کر دیدے یا ضرورت ہو تو رات کو لالٹین دکھا دے۔ یا وضو کے وقت پانی لا دے۔

حضرت مولانا مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کو خداداد مقبولیت اور محبوبیت حاصل تھی یہی چند کام جن میں طلبہ کو خدمت کا موقع ملتا تھا تو حالت یہ ہوتی تھی کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت کے سامنے باہمی کشمکش کی بھی نوبت آگئی تو حضرت والا کو نامزد فرمانے کا طریقہ اختیار کرنا پڑا مثلاً یہ کہ چھڑی فلاں شخص اٹھا کر دے گا جب اس طرح نامزدگی ہونے لگی تو اب درخواستوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہر سال ارباب اشتیاق کی طرف سے درخواستیں پیش ہوتیں اور حضرت جس کو جس خدمت کے لئے نامزد فرماتے وہ اس پر فخر کرتا اور ہمیشہ کے لئے اس خدمت کو باعث سعادت سمجھتا۔

طلبہ کی تمنا ہوتی کہ سفر میں خدمت اور ہمرکابی کا شرف حاصل ہو مگر حضرت کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ تعلیمی نقصان کے خیال سے طلبہ کو ساتھ رکھنے میں انتہائی احتیاط فرماتے۔ اب تو کئی سال سے زیادہ صاحبزادہ محترم مولانا اسعد صاحب شرف رفاقت حاصل کرتے تھے ان کی انتہائی سعادت مندی، شوق خدمت حسن سلیقہ اور مزاج شناسی حضرت کے لئے باعث راحت ہوتی تھی لیکن اگر کسی طالب علم یا ارادت مند کو رفاقت سفر کا شرف حاصل ہو جاتا تو اس کی تمنا یہی ہوتی کہ خدمت کا موقع زیادہ سے زیادہ ملے اور یہ موقع حاصل کرنے کے لئے یہ ارادت مند عجیب عجیب صورتیں اختیار کرتے تھے مثلاً مولانا بایزید صاحب سورتی جو کچھ عرصہ سے افریقہ میں مقیم ہیں ایک عرصہ تک سفر میں رفاقت کا شرف ان کو حاصل ہوتا رہا ہے مگر صورت یہ ہوتی کہ باوجودیکہ حضرت کے معمول کے مطابق ان کے لئے بھی فسٹ کلاس برتھ ریزرو ہوتا تھا مگر وہ پوری رات ایک کنارہ پر بیٹھ کر جاگتے ہوئے گذارتے کہ نہ معلوم حضرت کس وقت اٹھ جائیں حضرت ان کو بیدار نہیں کریں گے حضرت اپنا کام خود کریں گے اور یہ اس خدمت سے محروم رہ جائیں گے۔

مولانا فیاض احمد صاحب حسینی فاضل دیوبند

الیف، ایم۔ بی۔ ایس

استاد محترم حضرت مولانا محمد جلیل صاحب دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر اساتذہ میں سے ہیں آپ کا بچپن حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں گذرا۔ حضرت شیخ الہند بھی آپ پر خاص شفقت فرماتے تھے اور اسی رشتہ کی بناء پر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحؒ کو بھی آپ سے گہرا تعلق تھا اور آپ پر بہت اعتماد فرماتے تھے مولانا محمد جلیل صاحب نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحؒ کے یہاں روزانہ بعد عصر مجلس ہوا کرتی تھی۔ جس میں اساتذہ کرام اور طلبہ سب ہی شامل ہوتے تھے اسی مجلس میں ایک روز علامہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الہند سے عرض کیا حضرت! مولانا حسین احمد صاحب کو حجاز سے آپ یہاں بلالیں تو بہتر ہے وہ دارالعلوم کے اہل ہیں اور دارالعلوم کو ان کی ضرورت ہے وہاں ان کی جگہ پر کسی دوسرے صاحب کو متعین فرما دیجیے حضرت شیخ الہند نے معمولی سکوت کے بعد فرمایا کہ:۔

”محمد انور تم جانتے نہیں ہو حسین احمد وہاں بہت اہم امور انجام دے رہے ہیں حجاز کے مشہور مشہور شافعی، مالکی اور حنبلی علماء آتے ہیں اور شریک درس ہوتے ہیں جن کا مقصد صرف امام اعظم علیہ الرحمۃ اور ان کے مسلک پر اعتراض کرنا ہوتا ہے حسین احمد تنہا ان سب کا جواب دیتے ہیں اور کسی کے بس کی بات نہیں جو اتنا بڑا کام انجام دے سکے انہیں وہیں رہنے دو۔

۲ - درس کے وقت طلبہ سوالات پرچوں پر لکھ کر پیش کر دیا کرتے تھے حضرت درس سے فراغت کے بعد ان کو پڑھ کر سناتے اور جواب دیتے تھے ان میں بعض پرچیاں خود حضرت کے ذاتی معاملات سے بھی متعلق ہوتی تھیں جن میں کوئی تلخ بات بھی ہوتی تھی مگر حضرت اس کا جواب بھی اسی خندہ پیشانی کے ساتھ دیتے تھے ایک مثال ملاحظہ ہو ایک پرچی یہ تھی حضرت آپ ٹخنے سے [illegible] نیچے کیوں پہنتے ہیں یہ تو از روئے حدیث حرام اور ممنوع

ہے حضرت نے یہ پرچی سنائی۔ پھر فوراً کھڑے ہوگئے اور پائچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ حضور کون کہتا ہے کہ میں ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہنتا ہوں دیکھئے میرا پائجامہ کہاں ٹخنوں سے نیچے ہے ہوسکتا ہے کہ کبھی غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر توند کی وجہ سے نیچے ہوجاتا ہو پھر بھی میں کافی احتیاط اور خیال رکھتا ہوں بھلا میں اس کی جرأت بھی کیسے کرسکتا ہوں جب کہ حدیث میں اس کی صریح ممانعت آتی ہے۔

آخر میں مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے مضمون کے حوالہ سے جو الفرقان میں شائع ہوا ہے ایک واقعہ نقل کرتا ہوں حضرت کو جمعیۃ کے کسی پروگرام کے سلسلہ میں ایک مرتبہ رنگون جانا ہوا جہاں سے مراجعت بحری جہاز سے براہ کلکتہ ہوئی میزبان نے حضرت کے آرام کی خاطر اپنے خادم خاص کو بھی ساتھ کر دیا حضرت کا ٹکٹ اوّل درجہ کا تھا اور خادم کا تیسرے درجہ کا۔ مگر چونکہ حضرت کی سیٹ جس کمرہ میں تھی اس میں کوئی دوسرا مسافر نہیں تھا اس لئے حضرت کی خواہش یہ تھی کہ خادم بھی اسی میں ساتھ رہے لیکن جہاز کا ملازم "بوائے Boy" جب آتا تو خادم کے وہاں رہنے پر معترض ہوتا۔ چنانچہ حضرت نے یہ کیا کہ خود ہی تیسرے درجہ کے کمرے میں خادم کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے لگے سفر ختم ہوا اور جہاز چوتھے دن ساحل پر آگیا۔ جہاز کے ملازم نے اگرچہ راستہ میں حضرت کو تکلیف پہنچائی تھی مگر اپنے دستور کے مطابق حضرت کی خدمت میں بھی انعام اور بخشش کے لئے حاضر ہوا۔ خادم نے کہا کہ حضرت اس نے راستہ میں ہم لوگوں کو تکلیف پہنچائی ہے اس لئے کچھ انعام نہ دیجئے لیکن حضرت نے فرمایا کہ نہیں اس کا حق دیا جائے گا یہ اس وقت کی بات ہے جب بڑے سے بڑا انگریز زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ انعام دیا کرتا تھا اور اس وقت کا ایک روپیہ اس وقت کے ۷۰،۸۰ روپیہ کے برابر تھا چنانچہ حضرت شیخ رح نے چار روپیہ گن کر اس کو دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر ملازم Boy نے یہ سوچ کر کہ شاید ہم نے راستہ میں ان کے ساتھ بدسلوکی کی ہے اس لئے اسے مذاق سمجھ کر اس نے روپیہ لینے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا حضرت مولانا نے اس کی پشیمانی اور شرم کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ لو یہ تمہارے ہی لئے ہیں چنانچہ اس نے ہاتھ بڑھایا اور حضرت نے یہ روپے اسے دے دیئے اس کے بعد خادم نے حضرت سے کہا کہ اس نے تو ہم لوگوں کو راستہ میں تکلیف پہنچائی۔ ہمیں آپ کی خدمت میں رہنے کا موقع نہیں دیا اور آپ نے اکٹھے اسے چار روپئے دے دیئے جب کہ بڑے سے بڑا انگریز بھی ایک روپیہ سے زیادہ نہیں دیتا تو حضرت نے فرمایا کہ

بھائی اصل بات یہ ہے کہ یہ بیچارہ سمجھتا تھا کہ انعام و بخشش ہمیں صاحب بہادروں اور انگریزوں سے ملتی ہے ہماری جیسی "مولویانہ" صورتوں سے شاید اسے انعام کی توقع اور امید نہیں تھی اس لئے اس نے ہم لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہمارا سفر تو بہرحال ختم ہوگیا لیکن میں نے یہ روپئے اسے اس لئے دیئے ہیں کہ اسے معلوم ہوجائے کہ ہم جیسے لوگ انگریزوں سے زیادہ دے سکتے ہیں اب مجھے امید ہے کہ ہماری ایسی صورت والے اللہ کے کسی بندہ کو انشاء اللہ آئندہ یہ نہیں ستائے گا بلکہ اس کو آرام پہنچانے کی کوشش کرے گا حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی فرماتے ہیں کہ اسی ایک واقعہ سے حضرت کی عالی ظرفی اور مزاج ایمانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے

محمد عمر صاحب حسینی سہارن پور

ایک مرتبہ حضرت رح مسجد سے مکان واپس ہو رہے تھے مجمع ساتھ تھا یہ خاکپائے حضرت شیخ بھی شیخ کے ساتھ تھا جب دروازہ مکان کے قریب پہنچے تو میں نے آگے بڑھ کر وہ جنگلا کھولنا چاہا جو دروازہ پر لگا ہوا تھا جو کھولنے سے کھلتا تھا اور خود بند ہوجاتا تھا حضرت اپنی جگہ خاموش کھڑے ہوگئے اور اس وقت تک آگے نہیں بڑھے۔ جب تک میں جنگلے کو چھوڑ کر پیچھے نہیں ہٹا جب میں پیچھے ہٹ گیا تب حضرت آگے بڑھے اور جنگلا خود کھولا۔ منشا یہ تھا کہ جو کام ان کو خود کرنا چاہئے تھا اس میں دوسروں کے تکلف کو کسی طرح برداشت نہیں کرتے تھے۔

از محمد میاں

وضو میں دوسروں سے مدد لینا خلاف اولیٰ ہے اب ضعف کے باعث آپکے خادم پانی پیش کرنے تو منظور فرمایا کرتے تھے مگر اس سے پہلے یہ دیکھا ہے کہ ایک صاحب نے پانی پیش کرنا چاہا۔ حضرت نے منع کیا مگر وہ صاحب نہیں مانے لے ہی آئے تو حضرت نے اس پانی کو بہا کر خود اپنے ہاتھ سے دوبارہ پانی لیا۔

مولوی محمد شعیب صاحب مفتاحی بھنگوی

مدرسہ محمود العلوم دربھنگہ میں ایک عظیم الشان جلسہ عام ہوا تھا۔ جس میں ہندوستان کے سربرآوردہ علماء کرام کی تشریف آوری ہوئی تھی۔ کھانے کا وقت آیا سب علماء کرام دسترخوان پر تشریف فرما ہوئے کھانے سے فارغ ہوئے مگر علماء کرام معاف فرمائیں کھانا کھاتے ہوئے۔ بیٹھنے، نوالہ توڑنے، چبانے۔ اپنے سامنے سے کھانے پلیٹ صاف رکھنے وغیرہ میں جس طرح حضرت مدظلہ العالی کا عمل ایک ایک چیز پہ

سنت کے مطابق تھا ایسے ہی کھانا ختم ہونے پر جس طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اتباع سنت کا ظہور ہوا اور کسی سے اس کا ثبوت نہیں ملا۔ سب حضرات اپنی اپنی پلیٹیں یونہی چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے حضرت رحمہ نے نہ صرف یہ کہ اپنی پلیٹ صاف فرمائی بلکہ برابر کے صاحب کی پلیٹ سنی ہوئی رہ گئی تھی۔ حضرت نے اس کو بھی اٹھایا۔ اور اس طرح صاف کیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سالن اور چاول کے ریزے ریزے کو اللہ تعالےٰ کا انعام سمجھتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ضائع ہو۔ سبق آموز انداز یہ کہ کھانا کھاتے ہوئے حضرت چھوٹے چھوٹے لقمے بہت آہستہ کھاتے تھے غالباً یہ اسی لئے کہ سب حضرات فارغ ہو جائیں تب بھی اتنی گنجائش رہ جائے کہ پلیٹ صاف فرما سکیں۔

مولانا افضال الٰہی صاحب دیوبندی

بحوالہ مولانا اصلح الحسینی

مسجد میں نماز مغرب کی جماعت کھڑی ہو گئی تھی حضرت نے جلدی سے مسجد میں داخل ہو کر نماز میں شریک ہو جانا چاہا۔ حسب دستور چند طلبہ اور دوسرے صاحبان ساتھ تھے حضرت جوتا نکالنے لگے تو کسی نے آگے بڑھ کر جوتا لینا چاہا۔ جوتا ابھی پوری طرح پاؤں سے نکلا نہیں تھا کہ ان صاحب کا ہاتھ جوتے پر اس طرح پڑ گیا کہ حضرت الجھ کر گر پڑے۔ آپ فوراً اٹھے جماعت میں شامل ہو گئے نہ گرنے کا کچھ خیال فرمایا اور نہ اس بےصبرے خدمت گزار کی طرف کچھ تعرض کیا۔

مولانا مقصود علی خاں صاحب سنبھلی

مدرس مدرسہ تعلیم الدین آنند ضلع کھیڑا

(بلفظہ)

۱۹۳۶ء کے الیکشن کے بعد سنبھل میں دیوبندی خیال کے لوگوں میں اختلاف ہو گیا یہاں تک کہ بعض افراد میں بول چال بھی بند ہو گئی حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جب سنبھل دو شادیوں کے سلسلہ میں تشریف لے گئے اور یہ واقعات حضرت کے گوش گذار ہوئے تو فرمایا ترک تعلق کسی طرح مناسب نہیں ہے تعلقات خوشگوار ہو جانے چاہئیں۔ اختلاف رائے اختلاف کی حد تک رکھنا چاہیئے تعلقات خراب نہ کرنے چاہئیں اسی سلسلہ میں فرمایا جب میں کراچی جیل سے رہا ہو کر آیا تو بنگال کونسل کے ایک ممبر نے مجھ سے کہا کہ چالیس ہزار روپیہ نقد اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں پانچسو روپیہ ماہانہ کی پروفیسری آپ کے لئے ہے اس کو منظور فرمالیں میں نے کہا کام کیا کرنا ہوگا ممبر صاحب نے کہا کچھ نہیں صرف تحریکات میں خاموش رہیں میں نے کہا حضرت شیخ الہند جس راستہ پر لگا گئے ہیں اس سے نہیں ہٹ سکتا۔ حضرت شیخ رحمہ نے اس واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد حاضرین کو نصیحت فرمائی کہ آپ صاحبان اس کام میں لگے رہیں تعلقات خراب نہ کریں۔

نوٹ۔ نظر انداز نہ ہونا چاہیئے کہ یہ ۲۳ء کی بات ہے اس وقت حضرت

کے لئے ملازمت کا کوئی سلسلہ نہیں تھا کچھ عرصہ بعد سلہٹ تشریف لے گئے۔ تو مشاہرہ تقریباً ڈیڑھ سو روپیہ تھا۔

حکیم آدم جی گجراتی۔ کے ٹی جے ٹنکاریہ

ضلع بھروچ

ملک و قوم، دین و ملت اور علم و فن کا کوئی رخ اور کوئی پہلو بھی حضرت شیخ رحمہ کی خدمات سے خالی نہیں تھا۔ اس راہ میں حضرت کے کارنامے بڑے عظیم الشان اور بیان سے باہر ہیں اس واسطے آپ کی موت در حقیقت ایک حادثہ نہیں مجموعہ حوادث ہے آپ کا ماتم قوم اور ایک ملت کا ماتم نہیں بلکہ دین و مذہب کا ماتم ہے ملک و ملت کا ماتم ہے اس واسطے پوری ملت اسلامیہ آپ کے غم میں سوگوار ہے۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے ''نقوش و تاثرات'' میں اپنے مخصوص انداز میں بالکل صحیح ارشاد فرمایا ہے کہ مخدوم خود خادم بنا ہوا تھا اور جس کا منصب آمر ہونے کا تھا وہ فخر و مسرت اپنی ماموریت میں محسوس کر رہا تھا دیوبند جائیے تو مولانا اسٹیشن پر پیشوائی کے لئے موجود، چلنے لگے تو اسٹیشن تک مشایعت پر آمادہ کھانا کھانے بیٹھے تو وہ لوٹا لئے ہاتھ دھلانے کھڑے ہوئے پانی مانگئے تو گلاس لئے خود حاضر، سفر میں ساتھ ہوتا تو تانگہ کا کرایہ اپنے پاس سے دے دیں ریل کا ٹکٹ وہ دوڑ کر لے آئیں ہوٹل میں کھائیں تو بل وہ خود ادا کریں آپ کا ہاتھ اپنی جیب میں پلیسہ ٹٹولتا ہی رہ جائے بستر بھی وہ کھول کر بچھا دیں غرض یہ کہ مالی اور بدنی چھوٹی بڑی خدمت کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی ہیں ان سب میں آپ کو پیش پیش دیکھا مولانا عبدالماجد صاحب نے ایک شعر مولانا محمد علی جوہر کا خوب لکھا مگر ان الفاظ کے ساتھ کہ شعر کہا تو تھا اپنے شیخ مولانا عبدالباری صاحبؒ فرنگی محلی کے حق میں مگر صادق مولانا دیوبندی رحمہ پر بھی لفظ بلفظ آرہا تھا۔ ؎

ان کا کرم ہی ان کی کرامت ہے ورنہ یہاں
کرتا ہے کوئی پیر بھی خدمت مرید کی

آپ کے لوٹے میں پانی لے آئیں آپ کا سامان اپنے ہاتھ سے اٹھانے لگیں تین دن قیام دیوبند میں روایتیں مشاہدہ بن کر رہیں اور شنیدہ دیدہ میں تبدیل ہو گیا تکلفات اور خاطریں، مہمان نوازیاں کھانے پر کھانا چاہئے پر چائے دوسروں کو شاید کام لینے میں وہ لطف نہ آتا ہو جو مولانا کو دوسروں کا کام کرنے میں آتا تھا۔

مولانا شمس الدین صاحب نائب ناظم مدرسہ

احیاء العلوم مبارک پور

میرا نام شمس الدین ہے میں حضرت کا شاگرد بھی ہوں اور مزید بھی مگر بےعمل اور گستاخ۔ حضرت کو جس قدر اس ناکارہ پر شفقت اتنا ہی یہ ناکارہ حضرت کی خدمت میں گستاخ تھا جب حاضر خدمت ہوتا۔ ارشاد ہوتا۔ لو حضرت شمس آگئے کبھی رات کو

حاضر ہوتا تو فرمایا " لو شمس آگیا اب روشنی کی کیا ضرورت ہے اور کبھی فرماتے شمس موجود ہے پھر بھی اندھیرا ہی ہے ایک مرتبہ حضرت مولانا نجم الدین صاحب مدظلہ کے ساتھ حاضر خدمت ہوا تو فرمایا یہ سورج اور ستارے ایک ساتھ کیسے جمع ہو رہے ہیں ایک مرتبہ دن بھر حاضر خدمت رہا عصر کے وقت واپسی کی اجازت ہوئی۔ ارشاد ہوا رات بھی سفر میں جاگتے رہے ہو اب واپس ہو رہے ہو رات کو پھر جاگنا پڑے گا احقر نے اپنی ضرورتیں اور مجبوریاں ظاہر کیں مگر حضرت کا اصرار پھر بھی رہا۔ احقر خاموش ہو گیا مگر صاف طور سے عرض نہیں کیا کہ ارادہ ملتوی کر دیا مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔

حضرت نماز مغرب کے بعد نوافل میں ایک دو پارہ پڑھنے کے عادی تھے مجھے بھی یقین تھا کہ حضرت نوافل پڑھیں گے میں نے بھی نفلوں کی نیت باندھ لی مگر سلام پھیرا تو دیکھتا ہوں کہ حضرت خلاف معمول مسجد سے باہر کھڑے ہوئے اس ناکارہ کا انتظار فرما رہے ہیں میں بھی جلدی کر کے پاس پہنچ گیا تو دوسرے حضرات سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ میں انہیں ٹھہرنے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ مگر یہ تیار نہیں ہوتے تب میں نے عرض کیا حضرت میں اسی وقت سے ارادہ ملتوی کر چکا ہوں۔ حضرت کے یہ مکارم اخلاق کہ مجھے کھانا کھلانے کے لئے مولانا اسعد صاحب کو بھی فرما سکتے تھے مگر صرف اس ناکارہ کی مہمانداری کے لئے نوافل کا معمول ترک فرمایا احقر نادم تھا کہ اس ناکارہ کی وجہ سے حضرت کا معمول ترک ہوا اور حضرت خوش تھے کہ حق مہمانداری ادا فرمایا گویا یہ بے عمل مرید و گستاخ شاگرد مخدوم ہے اور حضرت مخدوم خادم۔

۲- ایک مرتبہ ایک بنگالی طالب علم صاحب کو ایک ضرورت سے حضرت کی خدمت میں ٹانڈہ بھیجا وہ طالب علم حضرت سے راستہ میں ملا۔ حضرت اس وقت جلسہ میں جا رہے تھے طالب علم سے فرمایا آپ گھر چلیں میں جلسہ میں جا رہا ہوں وہ طالب علم حضرت کے مکان پر نہ پہنچ سکے بلکہ کسی مسجد میں سو رہے حضرت واپس تشریف لائے تو بہت تلاش کرایا مگر وہ نہ ملے جب صبح کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے بہت افسوس ظاہر فرمایا اور معذرت کی۔ دوسرے دن طالب علم واپس ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ ڈاک سے حضرت کا گرامی نامہ پہنچا کہ ان بنگالی طالب علم کو تکلیف پہنچی آپ میری طرف سے معافی چاہ لیں وہ خط مکتوبات جلد اوّل میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت کے ساتھ بارہا کھانا کھانے کا اتفاق ہوا ہے حضرت ہمیشہ کھانا بعد میں ختم فرماتے اور جب میں کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتا۔ تو ارشاد ہوتا آپ مرغن کھانے کے عادی ہو گئے ہیں۔ غریب کا کھانا حلق سے نہیں اترتا۔ ایک دفعہ میں نے طے کر لیا کہ کچھ بھی ہو آج کھاتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ حضرت فارغ ہوں بس میں نے شروع ہی سے بہت آہستہ آہستہ کھانا شروع کیا۔ سب لوگ اٹھ گئے میں کھاتا رہا حضرت بھی برابر کھاتے رہے بہت دیر ہو گئی میں نے کھانا بند نہیں کیا حضرت بھی ایسی ہی دلچسپی سے کھاتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ حضرت اب خفا ہو جائیں گے کہ مجھے پریشان کر رہا ہے تب میں نے کھانا بند کیا تو حضرت نے اب بھی مسکرا کر یہی فرمایا غریب کا کھانا حلق سے نہیں اترتا ہے ہاتھ کھینچ لیا۔

مولانا سید محمد یوسف صاحب قاسمی ناظم

مدرسہ معین الاسلام جامع مسجد اسارا ضلع میرٹھ

سنہ ۱۳۶۴ھ کی بات ہے جب میں ابتدائی تعلیم پوری کر کے دار العلوم دیوبند داخل ہو کر سند فراغت حاصل کی تو میں بے حد کم سن تھا اتنی کم عمر میں کوئی شخص دار العلوم سے سند حاصل نہیں کر سکا تھا عمر کے اعتبار سے ٹرین میں میرا آدھا ٹکٹ لگتا تھا دوران تعلیم میں ایک مرتبہ میں عید کی چھٹیاں پوری کر کے دار العلوم جا رہا تھا مظفر نگر کے اسٹیشن سے ۹ بجے صبح والی گاڑی کے ایک ڈبے میں سوار ہونے کا قصد کیا دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت شیخ تھرڈ کلاس میں سامنے والی سیٹ پر رونق افروز ہیں (علالت سے پیشتر آپ ہمیشہ لوگوں کی دعوت پر تھرڈ کلاس سے سفر کرتے تاکہ لوگوں پر بار نہ ہو) میں سلام کرتے ہوئے ایک جانب دوسری سیٹ پر جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ حضرت نے بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا میں دل ہی دل میں مسرور ہو کر اپنے نصیبہ پر فخر کر رہا تھا اس سے زیادہ مجھے اور چاہیئے بھی کیا تھا تھوڑی ہی دیر میں دیوبند کا اسٹیشن آگیا اگرچہ دل تو یہی چاہتا تھا کہ شام تک بھی نہ آئے۔

حضرت کے پاس ایک کنڈی تھی جس میں وضو کے لئے لوٹا۔ مسواک تولیہ وغیرہ ہلکا سا سامان تھا میں نے بہت کوشش کی کہ اٹھا کر تانگہ والے کے پاس تک لے چلوں لیکن واہ رے وفور شفقت خود اٹھا کر تانگہ والے کو دیکر سوار ہوئے۔ تانگہ دو ہی قدم چلا ہو گا کہ مجھے نہ پا کر روکا اور مسافر خانہ سے بلوا کر اپنے ساتھ بٹھا لیا اور دار العلوم تک لائے۔ اور کرایہ خود ادا کیا نہیں معلوم دار العلوم کے طالب علم کا حضرت سے کون تعارف کرا دیتا تھا آج کا دن میرے لئے بڑا ہی مبارک دن تھا کیونکہ ؎

آج اس مشفق مربی شیخ کامل کا ہے ساتھ
جس کی نظروں سے گداؤں کو شہنشاہی ملے

زندگی میں بہت دنوں تک حضرت کی قدم بوسی کا شرف رہا اور ہمیشہ اسی طرح شفقتوں سے مستفیض ہوتا رہا مگر جو لطف اس مرتبہ نصیب ہوا۔ باوجود کوشش کے

قطعہ تاریخ

از قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی

آسماں را حق، بود گر خون ببارد بر زمیں
بر وفاتِ آں حسین احمد امام المسلمیں
رتبۂ عالیش بنگر کردہ رحلت زیں جہاں
چوں قدم اندر جناں بنہاد رُوحِ آں فطیں
بہرِ تاریخش ز عرشِ رَبْ چنیں آمد ندا
خادمِ شرعِ جلیل آمد بفردوسِ بریں

سنہ ۱۳۷۷ھ

پھر نہ مل سکا۔

زمانہ طالب علمی میں جو باتیں شیخ سے ہم کر لیا کرتے تھے کبھی کوئی بڑے سے بڑا خاص و عام نہیں کر سکتا تھا مگر حضرت کبھی بھی کسی بات پر خفا نہیں ہوتے تھے بعض بعض مرتبہ اپنی جرأت نازیبا پر ہم خود نادم ہو لیتے مگر استاذ مشفق کبھی نہ غصہ فرماتے بلکہ مسکرا مسکرا کر جواب دیتے تھے یہی سب باتیں ہیں جو حضرت کی یاد میں ہمیں آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہیں اور تازیست رلاتی رہیں گی رب العزت سے دست بدعا ہوں کہ خداوندا شیخ کے مزار مبارک کو نور سے پر فرما اور جنت الفردوس میں بلند مرتبہ عنایت فرما۔ آمین ثم آمین۔

مولانا عبدالرشید صاحب مونگیری

حضرت والا کے درس میں ہر ایک طالب علم بے تکلف ہوتا تھا اسی بے تکلفی میں ایک صاحب نے عرض کیا حضرت سنا ہے آپ "قطب العالم" ہیں۔

قطب العالم آپ نے طالب علم کے سوال کا کچھ خیال نہ کیا بلکہ سبق کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا مگر اسی طالب علم نے بڑی بے باکی سے کہا حضرت اللہ تعالےٰ کا قول ہے۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ جب آپ قطب العالم ہیں تو تحدیث نعمت ہونی چاہیئے تو آپ نے فرمایا کہ اونٹنیوں میں ایک اچھے نسل کی شریف اونٹنی ہوتی ہے جسے پدمنی کہتے ہیں یہ خبر ایک اونٹ کے بچہ کو ہو گئی تو اس نے اپنی ماں سے پوچھا اماں پدمنی اونٹ کسے کہتے ہیں تو ماں نے جواب دیا وہ پدمنی اونٹنی میں ہی ہوں طالب علم مسکرانے لگے پھر سبق شروع ہو گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ قطب العالم تھے ہمارے قریب بھاگل پور کا ایک واقعہ ایسا ہے جس پر اللہ تعالےٰ کی گرفت بہت سخت ہے اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْد قابل عبرت ہے سنیئے۔

کرامت۔ حضرت رح بھاگل پور میں تشریف لائے ہوئے تھے حاجی ایوب صاحب چلل کے توسط سے ایک نابینا آیا اور یوں عرض حال کرنے لگا حضرت آپ جب لیگ کے دور میں تشریف لائے تھے میں ہی وہ شخص تھا جس نے کالی جھنڈی دکھائی تھی اور گالیاں دی تھیں اور پتھر پھینکے تھے میں ابھی راستہ سے بھی نہ لوٹا تھا کہ میری دونوں آنکھیں اندھی ہو گئی تھیں توبہ کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ سے رجوع کیا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے کوئی شخص دھکا دے کر نکال رہا ہے حضرت میری دنیا تو برباد ہو گئی اب آخرت کے لئے دعا کر دیجئے میں نے جو کچھ تصور کیا ہے اسے معاف کر دیجئے۔ انداز بیان ایسا تھا کہ تمام حاضرین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے بڑی شفقت سے پاس بٹھایا اور تمام حاضرین نے مل کر اس کے لئے دعا کی اللہ تعالےٰ معاف کرے۔

رمضان المبارک۔ رمضان شریف کا مبارک مہینہ قیام اللیل کا مہینہ ہے آپ ساری رات یاد الٰہی میں کھڑے ہو کر گزار دیتے۔ جب کوئی آیت تہدید و وعید کی آتی تو لرز جاتے اور دعا کی آیت کو بار بار لوٹاتے۔ ایک ختم تراویح میں فرماتے اور دوسرا ختم تہجد میں فرماتے آپ کے ساتھ سلوک و طریقت کے منازل طے کرنے والے اور ذاکرین کا ہجوم ہوتا ہے ذکر الٰہی سے وہ جگہ ہمہ وقت گونجتی رہتی ہے خاص طور پر رمضان المبارک میں مہمانوں کی تعداد ہزار ڈیڑھ ہزار ہوتی تھی جس میں پانچ چھ سو ذاکرین ہوتے تھے ۲۷ یا ۲۹ رمضان المبارک کو آپ ذاکرین میں سے معتدبہ افراد کو اجازت فرما کر چراغ ایمان افروزاں فرماتے اور منزل احسان تعبد اللہ کانک تراہ کے دائمی مٹے تاب سے سرمست فرماتے پورا رمضان المبارک احترام اور ورد ہجراں میں گزارتے۔

عید ی جوں ہی عید کا چاند نظر آیا خوشی کی لہر روئے مبارک پر دوڑ گئی لیکن وہ رات خاص اہتمام کے ساتھ یاد الٰہی میں بسر کرتے اور صبح کو تمام چھوٹے بڑے رشتہ داروں میں عیدی تقسیم فرماتے اور انبساط سے عید کی مبارک باد دیتے راقم الحروف خادم آسام ہی میں یہ نظارہ دیکھ رہا تھا کہ عیدی سے سرفراز فرمایا گیا خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اجازت و خلافت۔ حضرت کے حلقہ ذاکرین کی تعداد بے شمار ہے مریدین کا حساب کچھ نہیں لگایا جا سکتا ہے امسال بعد رمضان المبارک پانچ چھ ہزار افراد آسام میں ایک مجلس میں بیعت سے سرفراز ہوئے آواز نہیں پہنچ سکتی تھی لہٰذا لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کیا گیا یہ وہی حضرات تھے جو آپ کے دشمن اور نام سن کر جلتے تھے لیکن آج گرویدہ ہو کر حلقہ حسینیہ میں داخل ہو رہے ہیں۔

وظائف۔ آپ ہمیشہ صلہ رحمی اور رشتہ دار کی نگہداشت فرماتے کنبہ پروری آپ کی خاص شان تھی رشتہ داروں میں سے جو کوئی آ جاتا یا دار العلوم میں طالب علم ہوتا تو اسے کبھی اجازت نہ تھی کہ اس گھر کے علاوہ کہیں اور قیام کرے اور کھانا کھائے سبھوں کو خاص طور سے تاکید تھی کہ گھر پر کھانا کھایا کرے۔ اور اگر پیسہ کی کمی ہو تو مجھ سے لیا کرو یہاں تک کہ ضروریات و حاجات مختلفہ وقتاً فوقتاً پوری فرماتے۔ نادار رشتہ داروں، بیوگان اور پڑوسیوں کو تقریباً ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار امداد فرماتے۔ اور گھر میں ہر چھوٹے بڑے کے لئے جیب خرچ ماہانہ مقرر کر دیا تھا جسے دست خود سے تقسیم فرماتے اکثر و بیشتر علماء کرام جن کی تنگی معلوم ہو جاتی اسے تنہائی میں لے جا کر ایک خطیر رقم سے امداد فرماتے اور منی آرڈر کر کے سرپرستی اور غم گساری فرماتے۔

شفقت۔ آپ بچوں کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے اگر کسی وجہ سے دل شکنی ہوتی تو آپ کو بہت ملال گزرتا اور اس کے اندمال کی کوشش فرماتے کچھ دیر اس سے مذاح فرماتے دار العلوم میں بچوں کی انجمن "تہذیب الاخلاق" کے نام سے ہے صاحبزادہ حافظ ارشد سلمہ اللہ تعالےٰ اس کے صدر ہیں اسی مرض الموت میں سالانہ اجلاس کے لئے چندہ طلب کیا تو آپ نے ازراہ شفقت سوال کو پورا کیا اس کے بعد برادر خورد نے برادر بزرگ صاحبزادہ جناب مولانا اسعد صاحب سے طلب کیا تو صاحبزادہ نے کہا میں انجمن کا ممبر نہیں جو دوں ؟ ابا نے جو دیا ہے برادر خورد نے مچل کر کہا جب ابا نے دے دیا تو سب کی طرف سے ہو گیا۔ برادر بزرگ نے کہا۔ برادر خورد نے اپنے ابا کے دربار میں شکایت کی کہ بابو چندہ نہیں دیتے ہیں ؟ ابا کے دربار میں دونوں برادران حاضر ہوئے تو مولانا

اسعد صاحب نے وہی سابق جواب دوہرایا۔ لیکن آپ نے جانشینی کی طرف آخری اشارہ فرماتے ہوئے آداب ونصیحت فرمایا ،،ان سبھوں کا حق تجھ پر ہے اور تو ہی ذمہ دار ہے،، بھائی اسعد صاحب سکتے میں آ گئے اور ذمہ داری کے احساس نے بوجھل بنا دیا فوراً پیسے نکال کر برادر خورد کی دلداری فرمائی کسے معلوم تھا کہ یہ دلداری نہیں ہے بلکہ ذمہ داری کا بوجھ کاندھے پر ڈال کر اپنے رخصت ہونے کا سامان تیار کر رہے ہیں بھائی اسعد صاحب فرماتے ہیں اب سوچتا ہوں تو خیال پڑتا ہے یہ سب احساس ذمہ داری سپرد فرما رہے تھے بھائی اسعد صاحب فرماتے ہیں دوسرا آخری اشارہ یہ بھی تھا کہ اس سے پہلے میں اپنی ماں کو آپا کہتا تھا اور حضرتؒ بھی جب حکم فرماتے تو کہتے جا اپنی آپا سے یہ بات کہہ دے لیکن جب مرض الموت میں آپ کی نیند تکلیف ویے چینی کی وجہ سے حرام ہو گئی تھی تو بھائی اسعد صاحب نے شب میں بیداری ونگرانی کے لئے وقت تقسیم کر لیا تھا ایک رات جب کہ صاحبزادہ اسعد صاحب حاضر خدمت تھے تو آپ نے فرمایا کہ اپنی والدہ کو جگا دے والدہ کی طرف اشارہ کرنا خدمت و فرض شناسی کا احساس دلانا تھا۔

ڈاکٹر محمد عاقل صاحب موضع جیا گھاٹ ضلع دربھنگہ

(بلفظہ بحذف تمہید)

زندگی کے ابتدائی دور میں والد صاحب کی وفات کے بعد جب مجھے اپنی تھوڑی بہت جائداد پر اختیار حاصل ہوا تو چند ایسے لوگوں کی معیت مجھے ملی کہ میں آوارہ گردوں کی صف اول میں کھڑا ہو گیا مجھے یہ آوارہ لوگ استاد کہنے لگے اور استاد ماننے لگے ابھی میری عمر صرف ۱۲ سال تھی کسی قدر سنبھلا تو مسلم لیگ کے سرگرم نوجوانوں میں شامل ہو گیا ۱۹۴۸ء کی فروری میں جمعیۃ علماء صوبہ بہار کا سالانہ جلسہ سمتی پور ضلع دربھنگہ میں ہونا قرار پایا۔ سمتی پور سے چندہ لینے کے لئے کچھ لوگ آئے لیکن چندہ دینے سے میں نے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ میں مسلم لیگ کا حامی تھا میرے دوست چودھری عتیق اللہ صاحب نے اپنی اور میری طرف سے چندہ دے دیا میرے دوست کٹر جمعیۃ علمائی اور کانگریسی تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم کو بھی جلسہ میں چلنا ہو گا۔ کیونکہ مدنی صاحب مدظلہ العالی بھی تشریف لا رہے ہیں میں ان سے مرید ہونے جا رہا ہوں تم بھی چلو تقریر بھی سن لوگے اور ملاقات بھی ہو جائے گی۔ بہرکیف میں نے چلنے کا وعدہ کر لیا اور تاریخ مقررہ پر سمتی پور جلسہ میں پہنچ گیا بعد مغرب جلسہ شروع ہوا۔ مجمع بہت زیادہ تھا جلسہ کی کاروائی شروع ہوئی سب سے پہلے قرآن حکیم کی تلاوت کی گئی تھی اس کے بعد ساجد صاحب لکھنوی نے مولانا ابوالوفا صاحب شاہ جہانپوری کا کلام جو حضرت مدظلہ العالی کی شان میں تھا ترنم کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔

وہ جس کی روح قدسی سے جہاں میں انقلاب آیا
کہ جس کے در سے دشمن بھی ہمیشہ کامیاب آیا

مدینہ کے در و دیوار اس کو یاد کرتے ہیں
حرم سے لے کے فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بے حجاب آیا

وہ جس کی ذات امدادؒ و رشیدیؒ فیض کا سنگم
وہ جس کے روپ میں محمودؒ و قاسمؒ بے نقاب آیا

ملا یا ہند کے بچھڑے ہوؤں کو جس کے نغموں نے
جو شیخ الہند محمود الحسن رحؒ کے ہمرکاب آیا

مجدد ہے جو ہندوستان میں قومی تخیل کا
دلائل میں جو لے کر شاہد ام الکتاب آیا

زمانہ ناموافق اہل دوراں سب کے سب دشمن
نہ قدموں میں تزلزل اور نہ لب پر کچھ عتاب آیا

جو ہیرو انقلاب نو کا تھا اگلے زمانوں میں
جمعیۃ کے افق پر وہ درخشاں آفتاب آیا

محدث اور مدرس مرشد کامل سیاست داں
وہ دورہ ملک کا گردوں کو بھی جس سے حجاب آیا

کہ جس کے فیض سے جاہل بھی عارف بن گیا یکدم
نگاہ مست سے مخمور ہر ہر شیخ و شاب آیا

جس وقت ساجد صاحب لکھنوی نے یہ شعر پڑھا کہ :۔

ے ”جس کے فیض سے جاہل بھی عارف بن گیا یکدم ،،

تو میرے قلب میں یہ شیطانی وسواس پیدا ہوا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک جاہل آدمی شیخ کے فیض سے عارف (اللہ والا) ہو جائے گا۔ خیر تقریریں ہوئیں۔ رات کا پروگرام ختم ہوا کل سامعین ومقررین اپنے اپنے قیام پر چلے گئے دوسرے دن گیارہ بجے جلسہ گاہ میں حاضر ہوا حضرت مدظلہؒ کا قیام محمد صدیق صاحب ٹھیکیدار کے یہاں تھا عصر کے بعد حکیم مولانا ہاشم صاحب مرحوم جو کہ سمتی پور میں طبابت کرتے تھے ان کے یہاں پہنچا چونکہ میرے دوست چودھری عتیق اللہ صاحب وہیں قیام فرما تھے حکیم صاحب مرحوم نے چودھری عتیق اللہ صاحب کی بیعت کے لئے سفارش کی تھی حضرتؒ نے وعدہ فرما لیا تھا کہ بعد مغرب بیعت کر لوں گا نہ معلوم کیوں میرے دل میں بھی یہ

قطعہ تاریخ

از : مولانا حکیم نور العین حسن صاحب راغب چھتاروی

مرشدی علامہ شیخ الحدیث — گشت واصل چوں بدرگاہ صمد
راغب محزوں تبارک بخش نوشت — کرد رحلت شیخ مقبول ابد

۱۹۵۷ء

خواہش ہوئی کہ میں بھی مرید ہو جاؤں میں نے حکیم صاحب مرحوم سے عرض کیا کہ میری بھی سفارش کر دیں تو وہ ہنسے اور کہنے لگے کہ یہ کھیل تماشہ ہے کہ جو چاہے مرید ہو جائے تم اپنی شکل اور لباس پر پہلے غور کرو کہ تمہارے چہرہ پر داڑھی مونچھ نہیں ہے لباس بھی انگریز جیسا ہے اس کے بعد ہم سب لوگ ٹھیکیدار صاحب کے یہاں آئے مغرب کا وقت قریب ہو گیا تھا لوگ وضو کر رہے تھے میں بھی وضو کرنے لگا۔ وضو کرنے کے بعد نماز کی جگہ پر صف اول میں بیٹھ گیا تھوڑی دیر کے بعد نماز مغرب کی جماعت شروع ہوئی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے امامت فرمائی میں حضرت کے پیچھے ہی کھڑا تھا نماز ختم ہوئی تو حضرت اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔ میں لالٹین اٹھا کر حضرت رح کے قریب رکھ کر دائیں جانب بیٹھ گیا۔ مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی نے باآواز بلند فرمایا کہ جن لوگوں کو بیعت ہونا ہے وہ بیٹھے رہیں باقی حضرات کمرے سے باہر چلے جائیں میں چپ چاپ بیٹھا رہا تاکہ لوگوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ بغیر سفارش کے بیٹھ گیا ہے صرف بیعت ہونے والے بیٹھے رہے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک تلقین فرما کر دعا فرمائی اور سب لوگوں کو شجرہ دے دیا

اس کے بعد میں نے پانچ روپے داہنے ہاتھ میں رکھ کر پیش کئے حضرت نے فرمایا کیا ہے میں خاموش رہا۔ پھر فرمایا بولتے کیوں نہیں۔ میں نے آہستہ سے عرض کیا نذرانہ ہے حضرت کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور غصہ ہو کر فرمایا روپے رکھو اور آپ لوگ اٹھ جائیں سب لوگ کمرے سے باہر چلے آئے اور مجھ کو برا بھلا کہنے لگے میں وہاں سے حکیم ہاشم صاحب مرحوم کے یہاں چلا آیا حکیم صاحب نے بھی بہت ڈانٹا۔ میں نے کہا کہ آج کل کے پیر بیعت کرنے کے بعد نذرانہ لیتے ہیں اس لئے میں نے پیش کیا تھا مختصر یہ کہ اپنے کئے ہوئے پر افسوس کرتا رہا اور حضرت کے سامنے جاتے ہوئے گھبراتا تھا۔

دوسرے دن یکم مارچ ۴۸ء کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا پروگرام بلاسپور جانے کا ہوا۔ اس لئے کہ مولانا عبدالوہاب صاحب علیہ الرحمۃ اس وقت بیمار تھے اور ان کی عیادت کرنا ضروری تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ بلاسپور تشریف لائے۔ ان کی عیادت کرنے کے بعد چودہری عتیق اللہ صاحب کے مکان پر قیام فرمایا اسکے بعد میں نے مولوی زکریا صاحب سے سفارش کرا کے شجرہ پر حضرت سے اپنا نام درج کرا لیا اور تھوڑا حلوہ تحفۃً پیش کیا جس کو قبول فرمایا گیا پھر میں بہت خوش نظر آنے لگا اور اللہ تعالےٰ نے اسی روز سے مجھ پر رحمت کی بارش کا دروازہ کھول دیا اور آج تک رحمت کی بارش جاری و ساری ہے اور قوی امید ہے کہ یہ رحمت کی بارش قیامت تک ہوتی رہے گی۔

بیعت ہونے کے ایک سال بعد جب میں پہلی مرتبہ ٹانڈہ پہنچا تو میں فل پینٹ پہنے ہوئے تھا غالباً شوال کی دوسری تاریخ تھی مہمان رخصت ہو رہے تھے جو لوگ تعلیم والے تھے ان کو سلوک کی تعلیم دی جا رہی تھی۔ یکے بعد دیگرے لوگ حجرے میں جاتے تھے اور سبق لے کر واپس آتے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کئی خلیفہ موجود تھے چند حضرات نے مجھ سے کہا کہ آپ غسل کر کے کپڑے تبدیل کر لیں سفر کا تکان بھی دور ہو جائے گا لیکن میں نے ان لوگوں سے کہا کہ جب تک حضرت سے ملاقات نہ ہو گی نہ غسل کروں گا نہ کپڑے بدلوں گا اتنے میں اندر سے ناشتہ چائے آ گئی میں نے جیسے ہی چائے پینی چاہی حضرت نے حجرے سے نکل کر میری پشت پر دو قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو کر السلام علیکم فرمایا میں نے گھوم کر دیکھا اور وعلیکم السلام کہتا ہوا مصافحہ کے لئے بڑھا قبل اس کے کہ میں آگے بڑھوں حضرت نے قدم بڑھا کر مجھ کو سینہ سے لگا لیا اور دیر تک سینہ سے لپٹائے رکھا۔ اس کے بعد مصافحہ کیا پھر فرمایا چائے پی کر سو جاؤ تکان دور ہو جائے گی میں جب تک حضرت کے یہاں رہا ناشتہ اور کھانے کے وقت اپنے ساتھ ایک رکابی میں چاول وغیرہ کھلاتے رہے اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مدظلہ العالی کی مجھ پر کس قدر شفقت و عنایت تھی کہ جب بھی میں نے بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے دعا کے لئے کہا حضرت رح نے دعا فرمائی اور اللہ تعالےٰ نے قبول فرمایا اور میں حج و زیارت سے سرفراز ہوتا رہا جب بھی بہار کا سفر ہوا تو اس نالائق کو بھی نوازا گیا۔ اور بلاسپور تشریف لائے اور غریب خانہ پر رونق افروز ہوتے رہے۔ جب سے غلامی نصیب ہوئی کسی سال ایسا نہیں ہوا کہ بہار کے پروگرام میں یہ نالائق شامل نہ رہا ہو۔

میرے بزرگو اور دوستو کیا یہ زندہ کرامت نہیں ہے کہ میں آوارہ گردوں کی صف اول میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور استاذ کہلاتا تھا مگر آج ۱۹۵۷ء میں شیخ الاسلام کے غلاموں میں ممتاز حیثیت دی گئی ہے اور مجاز کہلاتا ہوں۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

مولانا حمد اللہ خان صاحب

سرحدی رفیق خاص دفتر جمعیۃ علماء ہند

حضرت دفتر میں قیام فرما تھے نماز عصر کا وقت آیا خدام نے جماعت کے لئے چٹائیاں بچھا دیں حضرت کمرے کے باہر تشریف لائے۔ نئی چٹائیوں پر نظر پڑی حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب کی طرف مخاطب ہو کر مسرت کے لہجہ میں فرمایا۔ ناظم اعلےٰ صاحب نے بہت اچھا انتظام فرمایا ہے حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا یہ ناظم اعلےٰ صاحب کا انتظام نہیں بلکہ آپ کے خادم چودہری عبدالرحمن کی عقیدت ہے یہ چٹائیاں فروخت کرتے ہیں تو اس وقت نماز کے لئے بچھا دی ہیں۔ حضرتؒ نے جیسے ہی یہ سنا فوراً رنگ بدل گیا۔ اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور فرمایا نہیں ان کو اٹھا دو۔ خدام نے عرض کیا کہ حضرت عبدالرحمن نے اپنی خوشی سے بچھائی ہیں فرمایا نہیں وہ ان کو غیر مستعمل (بالکل نئی) بنا کر فروخت کرے گا حالانکہ وہ استعمال میں آ چکی ہوں گی۔ وہ فروخت کرنے میں جھوٹ بولے گا یہ کب درست ہے؟ چنانچہ یہ چٹائیاں اٹھا دی گئیں دفتر کی چٹائیاں بچھیں ان پر نماز ادا فرمائی۔

از محمد میاں عفی عنہ

دفتر میں تشریف آوری اگر اپنی ذاتی ضرورت سے ہوتی تو یہ گوارا نہیں تھا کہ چائے یا کھانے وغیرہ کا انتظام دفتر کی طرف سے ہو ۔ یہ ظاہر کرنا پڑتا تھا کہ یہ انتظام فلاں خادم نے اپنے پاس سے کیا ہے ورنہ حضرت خود مصارف ادا فرماتے اب چند سال سے دہلی کے مشہور صاحب خیر جناب حاجی محمد لیلین صاحب گزک والے (سوداگر برف وسوڈا وغیرہ) نے یہ انتظام بڑے اصرار والتجا سے اپنے ذمہ لے لیا تھا جب تشریف آوری کی خبر ہوتی مولانا وحید الدین صاحب قاسمی حاجی صاحب کو اطلاع کر دیتے اور حاجی صاحب بڑے شوق سے عین سعادت سمجھ کر اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتے تھے اور کھلا کر خوش ہوتے تھے ۔ جزاھم اللہ ۔

لیٹر فارم ایک عام چیز ہے بارہا درخواست کی گئی کہ حضرت جمعیۃ علماء ہند کا لیٹر فارم استعمال فرمائیں بحیثیت صدر آپ کو اس کا حق ہے اور یہی بات موزوں بھی ہے مگر بہت ہی کم ایسا ہوا کہ جمعیۃ علماء کی ضرورت سے بھی آپ نے جمعیۃ علماء کا لیٹر فارم استعمال فرمایا ہو ۔ ورنہ اپنے لیٹر فارم پر جو اعلیٰ قسم کے کاغذ کا علیحدہ تیار کرایا جاتا تھا جس کا تمام صرفہ حضرت خود پورا فرمایا کرتے تھے اسی پر خطوط تحریر فرماتے تھے خود جمعیۃ علماء سے متعلق بھی اسی اپنے کاغذ پر ارقام فرماتے تھے اور اس کا کوئی امکان ہی نہیں تھا کہ اپنی کوئی ذاتی تحریر دفتر جمعیۃ علماء کے کسی کاغذ پر تحریر فرمائیں ۔

قیام کرنے کے بارے میں معمول یہ تھا کہ جن جن شہروں میں حضرت کی آمد و رفت بار بار ہوتی تھی وہاں کوئی ایک مقام معین ہوا کرتا تھا حضرت اسٹیشن سے سیدھے وہیں پہنچتے تھے اسی طرح مراد آباد میں پہلے پہل حضرت مولانا محمد صدیق صاحبؒ کی زندگی میں ان کے یہاں قیام ہوا ہوگا ۔ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے بس یہی مکان ہمیشہ کے لئے قیام کے واسطے ہو گیا ۔ مولانا محمد صدیق صاحب کی وفات غالباً ۱۹۲۸ء میں ہوئی ان کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا حکیم صاحب حضرت کے میزبان رہے غالباً ۱۹۳۷ء میں ان کی بھی وفات ہوگئی تو ان کے داماد جلال الدین صاحب یہ خدمت انجام دیتے رہے سوء اتفاق تقریباً ۱۹۴۶ء میں ان کی بھی وفات ہوگئی تو حضرت نے قیام کی جگہ بدلنی چاہی مگر حکیم فاروق صاحب کے فرزند محترم جناب حکیم عمر صاحب اور انکی والدہ اور سب رشتہ داروں کا اصرار یہی ہوا کہ قیام منتقل فرما کر اس سعادت سے محروم نہ کیا جائے چنانچہ یہ اصرار منظور ہوا (اللہ تعالیٰ ان سب کو دارین کی سعادتیں اور مسرتیں بخشے) بارہا کوشش کی گئی کہ قیام کا مقام بدلا جائے ۔ مراد آباد کے مشہور سوداگر پنجابی برادری کے سرگرم ممبر جناب شیخ رفیع الدین صاحب برابر قیام کے مسئلہ پر بحث فرماتے تھے مگر حضرت کے اس اصول کو کوئی تبدیل نہ کر سکا ۔

اس کے ساتھ ساتھ احتیاط ملاحظہ فرمایئے غالباً ۱۹۳۶ء کا تذکرہ ہے مراد آباد میں مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ہوا بحیثیت ناظم جمعیۃ علماء مراد آباد خدمت استقبال احقر کے ذمہ تھی حضرت کا قیام حسب دستور محلہ لغبہ میں اسی مکان میں ہوا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے مجلس عاملہ کا اجلاس دوسرے مقام پر تھا ۔ حضرت قیام گاہ سے تانگہ میں جلسہ میں تشریف لائے ایسے موقعوں پر آمد و رفت کے مصارف ادا کرنا منتظمین کا فرض سمجھا جاتا ہے چنانچہ احقر نے تانگہ کا کرایہ ادا کرنا چاہا تو سختی سے منع فرما دیا کہ وہاں میرا قیام اپنی رائے سے ذاتی طور پر ہوتا ہے یہ خرچ جماعت کے مالیہ پر نہیں پڑ سکتا نیز اس ناکارہ کو ہدایت فرمائی کہ جماعتی اور غیر جماعتی خرچ میں ہمیشہ امتیاز رکھا جائے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے مگر در حقیقت بہت مشکل معاملہ ہے ۔

مولانا ریاض احمد صاحب فیض آبادی نائب صدر

جمعیۃ علماء میسور (درس القرآن ہبلی)

(بلفظہ)

اسارت مالٹا کے زمانہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ صاحب کو ٹھنڈے پانی سے وضو وغیرہ کرنے میں نقصان ہوا کرتا تھا اس لئے وہ گرم پانی کا استعمال فرمایا کرتے تھے لیکن مالٹا کی قید میں اس کا کہاں انتظام تو ایسی صورت میں استاذی حضرت شیخ الاسلام لوٹے میں پانی لے کر اپنے پیٹ سے چمٹا کر سر کو جھکا کر بیٹھ جایا کرتے تھے تو پیٹ کی گرمی سے پانی میں کچھ حرارت پیدا ہو جایا کرتی تھی اسی پانی سے مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ محمود الحسنؒ وضو فرمایا کرتے اسی طرح پورے زمانہ اسارت میں پانی کی تیاری وضو کے لئے ہوتی رہی انہیں خدمات کا صلہ خدا نے آپ کو ایسا دیا کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ بن کر دنیا میں چمکے ۔

جب طلبہ حدیث کسی معاملہ میں غمگین و رنجیدہ ہوئے ہوتے تو حضرت شیخ رح دوران درس میں یوں فرمایا کرتے ۔ کہ جب میں جیل میں تھا تو دیکھا کہ ایک چیونٹا جیل کی دیوار پر چڑھنا چاہتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتا میں اس کو تکتا رہا اسکی ناکامیابی شمار کرتا رہا حتیٰ کہ وہ تیئیس ۲۳ بار اپنے مقصد میں فیل ہوا ۔ اور گرتا رہا ۔ لیکن آخر چوبیسویں مرتبہ دیوار کی اونچائی کو طے کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ تم ڈٹ کر استقلال سے تعلیم حاصل کرو اور مقصد احیاء دین و سنت کی تکمیل ہو بزدل نہ بنو شیر دل بنو بزدل کبھی کوئی کام نہیں کر پاتا اس چیونٹے کی مثال سے اصلاح لو انشاء اللہ کامیاب رہو گے احقر دوران درس میں اکثر سوال کرتا تھا تو حضرت شیخ نہایت خندہ پیشانی سے جواب فرمایا کرتے تھے چونکہ احقر کے سوال ایک ایک نشست میں دس دس بارہ بارہ تک پہنچ جاتے تھے ایک مرتبہ تقریباً بیس ۲۰ طلبہ جھلا گئے اور حضرت مدنی رح کی خدمت میں درخواست گزاری جس میں لکھا تھا کہ مولوی ریاض احمد فیض آبادی بہت وقت ضائع کرتے ہیں ۔ سبق آگے نہیں چلنے دیتے یہ پڑھ کر حضرت شیخ رح نے فرمایا کہ تم لوگ نہ خود کچھ سمجھنا چاہتے ہو اور نہ دوسرے کو سمجھنے دینا چاہتے ہو اتنے میں بطریق مجھ سے مخاطب ہوئے کہ جس قدر تم کو اعتراض و اشکال محسوس ہوں اسے ضرور حل کر لیا کرو ۔ یہی زمانہ سیکھنے کا ہے اس میں کوتاہی نہ ہو اور میں تم سے ہی

نہیں بلکہ تمہاری طرح جو طلبہ اشکال پیش کرتے ہیں ان سے میں بہت خوش ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ اگر آج صحیح سمجھ لوگے تو کل ٹھیک سمجھا سکو گے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک طالب علم کا وظیفہ خبروں کی کمی کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے تقریباً تین دن سے فاقہ سے تھا جب مجھے معلوم ہوا میں نے بہت کچھ کوشش کی کھلانے کی لیکن اس نے بوجہ شرم طعام تناول نہیں کیا اور میں نے با دلِ ناخواستہ حضرت شیخ الاسلام سے کہا تو آپ نے اپنی جیب خاص سے فوری طور پر انتظام فرمایا یہ ہے آپ کی شفقت و ترحم طلبہ پر۔

ابھی گزشتہ سال کی بات ہے کہ احقر جمعیۃ علماء کی سالانہ کانفرنس میں سورت بغرض شمولیت اجلاس گیا ہوا تھا۔ وہاں ملاقات ہوئی بڑی ہی شفقت سے پیش آئے اور قادیانیت کے سلسلہ میں ایک فتویٰ بھی دیا۔

حضرت شیخ الاسلام سے آخری ملاقات شوال المکرم کے اواخر ۱۳۷۷ھ میں ہوئی احقر فیض آباد سے دہلی آنے والا تھا اتنے میں معلوم ہوا کہ حضرت بانس کنڈی کی واپسی میں بہت علیل ہو گئے ہیں چنانچہ مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دار العلوم دیو بند کا تار بھی آیا جس پر احقر نے دیو بند کا سفر کیا اور حضرت شیخ الاسلام رحؒ سے ملاقات و گفتگو کا شرف حاصل کر کے براہِ دلی و بمبئی دہلی آیا۔

حضرت شیخ الاسلام رحؒ نے اس بار خلافِ معمول تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گفتگو کے لئے عنایت فرمایا دورانِ گفتگو میں احقر نے کہا کہ حضرت اگلے سال کچھ مزید رخصت لے کر دہلی سے آنے کا خیال ہے فرمایا کیوں جواباً احقر نے کہا کہ قلب کی معصیت کی صفائی کے لئے اس پر حضرت رحؒ نے فرمایا کہ مجھ حقیر سے کیا باتیں کر رہے ہو جب میں بار بار اصرار کرتا رہا تو فرمایا مولوی فیض آبادی اب اس کا وقت نہیں رہا جو ہو گیا غنیمت جانو اب تو میں سفر آخرت کی تیاری میں مشغول ہوں پھر میں نے کہا کہ حضرت انشاء اللہ اختتام سال پر ضرور حاضر ہوں گا۔ فرمایا کہدیا کہ ملاقات نہیں ہو گی اب تو میدان آخرت میں انشاء اللہ ملو گے مجمع میرے قریب جو تھا احقر کی معیت میں آبدیدہ ہو گیا تو حضرت نے فرمایا کہ رونے کی کیا بات ہے کیا مجھے موت نہ آئے گی اس پر احقر نے الحاح کے ساتھ کچھ علم غیب اور زیادتی عمر پر بات کرنی چاہی مگر فرطِ غم کے باعث بول نہ سکا۔

حضرت مدنی رحؒ کی ملاقات ایک جن سے

مولانا شرافت علی صاحب سیوہاروی

(بلفظہ)

حضرت استاذ و شیخ کی ذات بہت سی صفات کمالیہ کی جامع تھی ایسی اونچی صفات جو بہت کم شخصیتوں کو نصیب ہوتی ہیں مجھے حضرت کے زیرِ سایہ تقریباً چار سال (۱۳۵۲ھ تا ۱۳۵۵ھ) رہنے کا شرف نصیب ہوا ہے جن میں سے ایک سال خاص فیض صحبت اٹھانے یعنی دورہ حدیث پڑھنے کا موقعہ حاصل رہا ہے حضرت نے ایک مرتبہ دوران درس حدیث ارشاد فرمایا کہ حسب عادت جب میں ایک سال سلہٹ پہنچا (حضرت ہر ماہ رمضان سلہٹ میں گزارتے تھے) تو مجھے بتایا گیا کہ یہاں ایک لڑکا ہے جو اسکول میں پڑھتا ہے اس لڑکے کے والد عامل تھے جو تسخیر جنات وغیرہ کا کام کرتے تھے بالعموم ہوتا تو یہ ہے کہ جنات اس قسم کا عمل کرنے والوں سے دشمنی اور عداوت کا برتاؤ کرنے لگتے ہیں لیکن خلاف معمول اس بچہ کو جنات نے اپنی تحویل میں والد کی زندگی ہی سے لے لیا ہے اور جنات اس لڑکے کی ہر طرح دیکھ بھال اور تربیت کرتے ہیں۔

وہ ایک لڑکا پتلا دبلا نحیف ولاغر اسکول کے بچے جب اس سے تازہ مٹھائی اور بے موسم پھلوں کا مطالبہ کرتے تھے تو وہ دام رومال میں باندھ کر انار کے ایک درخت میں ٹکا دیتا تھا جو اسکول ہی کے احاطہ میں ایک طرف واقع تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب رومال کو اتار کر کھولتے تھے تو اس میں مطلوبہ مٹھائی یا بے موسم پھل جس کی بھی خواہش ظاہر کی جاتی تھی موجود ہوتا تھا مقامی لوگوں نے مجھ سے کہا۔ اس لڑکے سے اسکول کے ساتھی اس طرح تفریح کیا کرتے ہیں۔

میرے سلہٹ پہنچنے کا جب اس لڑکے سے ذکر کیا گیا تو اس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی میں نے کہلا بھیجا کہ اگر اپنے موکل سے ملاؤ تو ملیں لڑکا اس کام کے لئے آمادہ ہو گیا اور ایک وقت مقرر کر دیا گیا جو غالباً مغرب کے بعد کا تھا۔

میں مولانا جلیل احمد صاحب اور ایک دو کو مقامی حضرات میں سے ساتھ لیکر وہاں پہنچا (غالباً حضرت قاری اصغر علی صاحب جو حضرت کے خادم خاص معتمد علیہ اور مزاج شناس خصوصی ہیں یہ بھی ہمراہ تشریف لے گئے تھے) ایک دالان تھا جنوب رویہ اس کے دروں پر چادر زنان دی گئی تھی جس طرح عورتوں کے لئے پردہ کر دیا جاتا ہے اندر پردہ سے متصل ہی ایک تخت بچھا ہوا تھا۔ اس پر لیمپ روشن تھا۔ ہم لوگوں کے بیٹھنے کے لئے پردہ کے باہر سامنے کچھ فاصلے پر فرش بچھا دیا گیا تھا۔

لڑکے نے اندر تخت پر بیٹھ کر ایک رکوع تلاوت کیا جس سے روشنی دھیمی ہو گئی لیکن پھر بھی لڑکا پسِ پردہ بیٹھا ہوا محسوس ہو رہا تھا تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک دراز قد سایہ سا بشکل انسان لڑکے کی طرف بڑھتا ہوا اور سلام کہہ کے لڑکے کے برابر آ بیٹھا سلام کی کیفیت عجیب تھی جس کو الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا ایک بھنبھناتی ہوئی جھرجھری باریک اور تیز آواز۔ جس میں مجھ سے خطاب تھا (یعنی السلام علیکم یا مولانا) کچھ دیر تامل کے بعد میں نے کہا ہم آپ کو بے حجاب دیکھنا چاہتے ہیں آپ سامنے بلا آڑ کے تشریف لائیے۔

اسی اپنے جناتی لہجے میں بولے یہ چیز ہمارے بس سے باہر ہے ہم بغیر کسی آڑ کے سامنے آنے کی قدرت نہیں رکھتے۔

متعدد باتوں کا شکوہ کیا مولانا آپ نے وقت موعود میں دیر کر دی جس کا میں نے اعتراف کیا اور معذرت کی۔ بولے ایک مرتبہ ہم دیو بند گئے تھے یہ مولانا جلیل احمد صاحب قدوری پڑھا رہے تھے اور ہمارے بعض ساتھی آپ کے شاگرد بھی ہیں سب کچھ باتیں ہو چکنے کے بعد میں نے کہا ہماری گورنمنٹ برطانیہ سے لڑائی ہو رہی ہے ہم آزادی چاہتے ہیں [illegible] کو غلامی [illegible] جاتی ہے ظاہر ہے ہمارا یہ مطالبہ حق ہے اور ان کا ہم پر تسلط

رکھنا نا جائز اور ظلم ہے کیا اس سلسلہ میں آپ ہماری کوئی امداد کر سکتے ہیں (الضب العین کے لئے وارفتگی ملاحظہ ہو) جواب دیا۔

یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے پھر وہ حسب دستور اجازت طلب کر کے سلام کرتے ہوئے اسی طرح رخصت ہو گئے ہمیں صرف وہی آدمی کی شکل کی پرچھائیں سی معلوم ہوئیں اور کچھ نہیں۔ ہم نے سلام کا جواب دیا لڑکے نے لیمپ کی بتی ابھاری اور دالان روشن ہو گیا پھر ہم وہاں سے چلے آئے۔

اس سے معلوم ہوا اس بزرگ جن کے بعض ساتھی حضرت مدنی کے شاگرد ہیں اس کے علاوہ حضرت کے فیوض تلمذ سے کتنے جنات فیضیاب ہوئے یہ نہیں بتایا جا سکتا اور شاید یہ خود حضرت رح کو بھی معلوم نہ ہو۔

حکیم ذوالنون صاحب سہارن پور

جن ارادتمندوں پر حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کی نظر کرم زیادہ سے زیادہ رہی ان میں میرے والد ماجد مولانا حکیم محمد یامین صاحب بھی ہیں جو سہارنپور کے مشہور طبیب ہیں اور بزرگان دین کے سچے ارادتمند ہیں حضرت والا اکثر یہاں غریب خانہ پر تشریف لاتے اور قیام فرماتے۔ اس وقت تعلقات کا اظہار مقصود نہیں دو واقعے بیان کرنے ہیں جو اپنی دلچسپی میں مخصوص ہیں

حضرت شیخ الاسلام ایک مرتبہ حکیم صاحب کے باغ میں تشریف لے گئے حضرت کے دست مبارک میں رات کے باسی پھول تھے والد صاحب نے تازہ پھول توڑ کر خدمت میں پیش کئے ارشاد فرمایا آپ کے پھولوں سے میرے پھولوں میں خوشبو زیادہ ہے حضرت والد صاحب نے برجستہ عرض کیا حضرت اس کی خاص وجہ ہے ارشاد فرمایا کیا۔ والد صاحب نے شیخ سعدی کے یہ اشعار پڑھے۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حضرت رح اور تمام حضرات اس جواب سے بہت مسرور ہوئے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ نے حکیم صاحب کے مکان سے فاصلہ پر ہی تانگہ چھوڑ دیا۔ اور پیدل حکیم صاحب کی اطلاع کے بغیر ہی مطب میں تشریف لے آئے حکیم صاحب نے دیکھتے ہی فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی اور مسند پر بیٹھنے کے لئے عرض کیا حضرت نے فرمایا کہ آج میں مریض کی حیثیت سے آیا ہوں اس لئے مریضوں ہی کی جگہ پر بیٹھوں گا حکیم صاحب نے بہت اصرار کیا لیکن وہیں بیٹھ کر نبض دکھائی۔

حافظ قاری محمد سلطان الدین ابن قاری محمد حمید الدین صاحب سنبھلی

کئی سال کی بات ہے حضرت شیخ سنبھل تشریف لائے تھے جمعہ کا دن تھا حضرت رح جن صاحب کے یہاں مہمان تھے ان کی اجازت نہ تھی کہ کوئی حضرت شیخ کی (کھانے کی) دعوت کرے البتہ چائے کی دعوت کی اجازت تھی۔ میں نے بھی چائے کی دعوت کی درخواست پیش کی حضرت نے قبول فرمائی اور جمعہ کی نماز کے بعد کا وقت مقرر فرما دیا۔ میں نے زمین پر ایک جازم بچھادی اور اس پر ایک مخمل کا قالین حضرت رح کے واسطے بچھا دیا جب حضرت تشریف لائے اور جازم پر قالین بچھا ہوا دیکھا تو بہت ناراض ہوئے اور اپنے دست مبارک سے قالین اٹھا کر الگ رکھ دیا اور خود جازم پر رونق افروز ہو گئے میں نے کافی اصرار کیا کہ حضرت کم از کم دری ہی بچھادوں لیکن حضرت نے فرمایا کوئی ضرورت نہیں ہے ایسے ہی ٹھیک بیٹھا ہوں۔

نذرانۂ عقیدت

(گمنام بستوی)

اے حسین احمد رح شہ عالی مقام — دین کے ہادی سیاست کا امام
ناز کرتے تھے تجھی پر خاص و عام — حشر تک زندہ رہے گا تیرا نام
ہے ترا احسان ہم پر بے شمار — دورِ آزادی ہے تیری یادگار
اے حسین احمد رح محبّ و غمگسار — جنگِ آزادی کے اعلیٰ شاہکار
قوم کے رہبر وطن کے جاں نثار — جانِ گلشن، جانِ گل، جانِ بہار
ملک و ملت کر رہے تھے تجھ پہ ناز — تجھ پہ تھا لطفِ خدائے بے نیاز
خدمتِ اسلام تھی تیری اُمنگ — حریت کے واسطے کی تو نے جنگ
تیرے آگے ہیچ تھے توپ و تفنگ — لرزہ بر اندام تھے اہلِ فرنگ
تیرے صدقے میں مٹا ہے ظلم و جور — آگیا بھارت میں آزادی کا دور
اے اسیرِ مالٹا بھارت کے لال — نیک سیرت نیک دل روشن خیال
عمر بھر تو نے نہ چاہا جاہ و مال — دہر میں مفقود ہے تیری مثال
تو تھا شانِ احمدی کا راز دار — گلشنِ اسلام کی فصلِ بہار
السّلام اے روحِ عالی السّلام — گلشنِ احمد صلعم کے مالی السّلام
السّلام اے دیں کے والی السّلام — مظہرِ شانِ جلالی السّلام
بر تو باشد رحمتِ باری مدام — پس سخن کوتاہ باید السّلام

سعید الرحمٰن صاحب فضلی خلف رشید
جناب حافظ فضل الرحمٰن صاحب مرحوم

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کلکتہ میں جمعیۃ علماء کے اٹھارہویں سالانہ اجلاس کا آغاز ہو چکا تھا۔ مولانا مدنی رح اور میرے اباجان (حافظ فضل الرحمٰن صاحب مرحوم) کے باہمی تعلقات بہت پرانے تھے۔ انہیں تعلقات کی بناپر اباجان مولانا مدنی رح کی خدمت کے لئے مامور رہتے تھے اور خوش قسمتی سے مجھے والد مرحوم کے ساتھ مولانا مدنی رح کی پُر رحمت صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا تھا۔

ایک دن شام کے وقت مولانا مدنی رح کھانا تناول فرما رہے تھے ان کے دائیں پہلو میں مولانا کفیل احمد صاحب اور بائیں پہلو میں ایک بلند مرتبہ بزرگ اور قطار در قطار دیگر اصحاب مشغول طعام تھے۔ طعام کے دوران مولانا کو پیاس محسوس ہوئی۔ انہوں نے اشارہ فرمایا تو فوراً پانی پیش کیا گیا۔ اس وقت تمام اشخاص کھانے سے فارغ ہو چکے تھے مولانا مدنی رح نے پانی نوش فرمانے کے بعد تانبے کے گلاس کو حسب دستور دسترخوان پر رکھ دیا جس میں تھوڑا پانی بچ گیا تھا۔ اتفاق سے مولانا کفیل احمد صاحب کی نظر گلاس کے اندر پڑ گئی اور مولانا مدنی کے جھوٹے پانی کو پینے کے اشتیاق میں گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اب وہ بزرگ جو بائیں طرف تشریف فرما تھے۔ چونکے اور نگاہ اٹھائی تو مولانا کفیل احمد صاحب کے ہاتھ کو مولانا مدنی رح کے دست مبارک سے رکھے ہوئے گلاس کی طرف بڑھتے دیکھا تو ان کا ہاتھ بھی اسی اشتیاق کے ساتھ گلاس کی طرف لپکا اور اس وقت کا منظر بہت ہی قابل دید تھا جب دونوں بزرگ مولانا مدنی رح کے بچے ہوئے پانی کو پینے کے لئے گلاس کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے اور شیخ الاسلام رح کی مسکراہٹ ماحول میں ایک حسین اضافہ کر رہی تھی آخر بائیں پہلو والے عالی مرتبہ بزرگ کو شکست ہوئی اور مولانا کفیل احمد صاحب کی جیت۔ یہ واقعہ جب یاد آتا ہے تو شیخ الہند رح کی عظمت کا شانۂ دل میں ایک اور نقش کر جاتی ہے۔

خصائل و عادات اور معمولات و ملفوظات

مولوی سید رشید الدین الحمیدی حضرت شیخ الاسلام رح قدس اللہ سرہ العزیز کے داماد عزیز، تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت کا معمول تھا ہر جمعرات کو آپ کا تبلیغی سفر ہوا کرتا تھا۔ یہ اسفار عام طور پر دیہی علاقوں کے ہوتے تھے شہروں کی دعوت بہت کم قبول فرماتے تھے اس پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود گاؤں گاؤں کا پروگرام رہتا تھا جہاں کا راستہ خراب۔ کچی سڑکیں کہیں موٹر خراب ہو گئی کہیں راستہ بھول گئے غرضیکہ بدقت تمام پہنچنا ہوتا تھا۔ اس وجہ سے بارہا لوگوں نے چاہا کہ سفر بالکل بند ہو جائے چنانچہ اخبارات وغیرہ کے ذریعہ اعلان کیا گیا اور ویسے انفرادی طور پر لوگوں سے کہا گیا مگر کون سنتا ہے بقول شخصے صاحب غرض اندھا ہوتا ہے آتے اور بلا تامل تاریخ لے کر چلے جاتے۔ جب یہ دیکھا گیا کہ کوئی مانتا نہیں تو یہ کیا گیا کہ جو اس سلسلہ میں آتا اسے اس وقت تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے نہ دیا جاتا جب تک کہ اس بات کا اقرار نہ کر لیتا کہ میں سفر کے سلسلہ میں کچھ نہ کہوں گا یا دعوت نہ دوں گا دو چار دن تک تو یہ معاملہ رہا اس کے بعد ایک صاحب نے براہ راست حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں درخواست پیش کر دی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا (مجھ کو فرصت نہیں ہے) دوسرے وقت پھر انہوں نے درخواست پیش کر دی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ حضرت آپ کے تشریف لے جانے سے مدرسہ کا بہت فائدہ ہوگا۔ اس وقت سارے گاؤں والوں کا شوق ہے وہ سب آپ کے منتظر ہیں انشاء اللہ آپ کے تشریف لے جانے کی برکت سے سارا گاؤں دیندار ہو جائے گا۔ (حضرت رحمۃ اللہ علیہ دعوت قبول کرانے کے لئے اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ آپ کے تشریف لے جانے سے دین کا فائدہ ہوگا) بہر حال فوراً آپ نے ڈائری منگائی اور اس میں تاریخ نوٹ فرمالی۔ بعد میں جب آپ سے عرض کیا گیا کہ حضرت آپ نے تاریخ کیوں دے دی تو فرمایا مجھ کو شرم آتی ہے کہ خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا ایک شخص کہتا ہے تیرے چلنے کی وجہ سے دین کا فائدہ ہوگا اور میں اپنے آرام کی وجہ سے کہدوں کہ نہیں جاؤں گا۔

ایک مرتبہ ایک جگہ کا وعدہ فرمالیا تھا اتفاق سے اسی درمیان میں بخار آگیا۔ ملیریا کا بخار تھا ایک دن چھوڑ کر تیسرے دن آجایا کرتا تھا ضعف اور تکلیف کو دیکھتے ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس مزاج کے بعد وہاں تشریف نہ لے جا سکنے کی اطلاع بذریعہ تار دے دی گئی مگر پروگرام کے دن وہ بزرگ کار لے کر آموجود ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا (کیسے تشریف لائے) انہوں نے کہا حضرت آج آپ نے وہاں چلنے کا وعدہ فرمایا تھا حضرت نے فرمایا (کیوں تار نہیں پہنچا) انہوں نے کہا پہنچ گیا تھا حضرت مگر وہاں تمام گاؤں والے اور باہر کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے ہیں وہ سب مجھ پر خفا ہو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اس نے ہمارا سارا کام خراب کیا اگر یہ معلوم ہوتا تو ہم اس کو کبھی نہ بھیجتے خود جا کر دعوت دیتے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس پر بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ (دیکھتے نہیں میرا کیا حال ہو رہا ہے ضعف کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو رہا ہے گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے ایک قدم چلنا دشوار ہے وعدے کا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا کہ مر رہا ہوں تب بھی جاؤنگا) وہ شخص رونے لگا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مہمان خانے میں بیٹھ کر چائے نوش فرمائی اور درخواستیں وغیرہ ملاحظہ فرمانے لگے سب لوگ مطمئن ہو گئے کہ چلو اب جانا نہیں ہوگا حضرت نے خود ہی انکار فرما دیا ہے گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد مہمان خانے میں لگی ہوئی گھڑی دیکھ کر آپ نے فرمایا میرا سامان اندر سے

منگالو اب تو سب کے کان کھڑے ہوئے کہ یہ کیا۔ فوراً بھائی اسعد صاحب آئے انہوں نے کہا ہم نے وہاں تار دے دیا تھا اور وہاں سے تار پہنچنے کی اطلاع بھی آگئی تھی دوسرے بخار آپ کو صرف آج نہیں آیا ہے کل کی باری ہے اگر خدانخواستہ سفر میں کہیں آگیا تو بہت پریشانی ہوگی۔ اور اس وقت بارش بھی ہو رہی ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر فرمایا کہ (ہاں ہاں جا اندر سے سامان لے آ) پھر خود اٹھ کر اندر تشریف لے گئے وہاں عرض کیا گیا کوئی جواب نہیں دیا۔ سامان باہر بھجوایا اور شیروانی پہن کر واپس آگئے۔ اتنے میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے آپ نے عرض کیا کہ حضرت ضعف زیادہ ہو رہا ہے تشریف نہ لے جائیں ہنس کر فرمایا دیکھئے آپ سے زیادہ موٹا تازہ ہوں بھائی اسعد صاحب نے ڈاکٹر کو بلوا لیا کہ شاید اس کے منع کرنے سے رک جائیں ڈاکٹر نے آکر ہاتھ جوڑ کر کہا حضور ملیریا کا بخار ہے کل کو باری ہے اگر بخار آگیا تو۔ سفر میں بہت دشواری ہوگی فرمانے لگے ڈاکٹر صاحب آپ بالکل اطمینان رکھئے۔ میں انشاء اللہ پرسوں واپس آجاؤں گا تو بالکل اچھا ہوں گا آپ قطعاً کوئی فکر نہ کریں) یہ کہتے ہوئے کار میں تشریف فرما ہو گئے مولانا محمد قاسم صاحب بھی ہمراہ تھے تو ان سے تنہائی میں فرمانے لگے کہ (اصل میں وہ بیچارہ میرے ڈانٹنے پر رونے لگا تھا اس لئے مجھ کو آنا پڑا۔ حالانکہ اس میں میرا ہی فائدہ ہے کیونکہ اگر ایک شخص بھی میری وجہ سے راہ راست پر آگیا تو ممکن ہے وہ میرے نجات کا باعث بن جائے۔

جفاکشی اور مستعدی

ایک مرتبہ آسام کے اطراف کا دورہ کر کے ایک مہینہ کے بعد واپس تشریف لائے واپسی صبح آٹھ بجے کے قریب ہوئی تھی۔ تمام طلبا اور اساتذہ وغیرہ جمع ہو گئے کچھ دیر باہر تشریف فرما رہے اس کے بعد بخاری والے طلبہ سے خطاب کر کے فرمایا کہ (جاکر اعلان کر دو کہ ساڑھے نو بجے سبق ہوگا) تمام طلبہ مصر ہوئے کہ حضرت ابھی آپ اتنے لمبے سفر سے واپس ہوئے ہیں تکان ہو گیا ہوگا آج آرام فرمالیں فرمایا (کیا میں پیدل چل کر آیا ہوں) ایک قدم کہیں مجھ کو چلنا نہیں پڑا۔ ریل، ہوائی جہاز اور موٹر میں سفر ہوا۔ تو تکان کیسا۔ یہ سب فضول باتیں ہیں تم اس واسطے کہہ رہے ہو کہ آج اور کھیلنے کو مل جائے چلو میں ابھی آتا ہوں۔

زہد اور تقوےٰ

زہد اور تقوےٰ کا یہ حال تھا کہ جتنے دن پڑھاتے تھے اس کے علاوہ ایک دن کی بھی تنخواہ لینا گوارا نہیں فرماتے تھے بارہا ایسا ہوا کہ مدرسے کے سلسلے میں سفر کرنا پڑا مگر سوائے خواندگی ایام تعلیم کے ایک پیسہ بھی نہیں لیا ابھی اس بیماری میں ایک مہینہ کی رخصت بیماری وغیرہ اور اس کے علاوہ کچھ چھٹیاں جو قانوناً حق تھا مگر نہیں لیں ان ایام کی تنخواہ جو ایک ہزار روپے سے کچھ زیادہ ہوتی تھی مدرسہ نے بھیجی تو آپ نے یہ فرما کر واپس کر دیا کہ جب میں نے پڑھایا نہیں تو تنخواہ کیسی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مہتمم صاحب قبا

گھر میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ حضرت کا زہد و تقویٰ اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا مگر اس میں شرعاً کوئی سقم نہیں ہے بلکہ حق ہے اگر آپ فرما دیں تو وہ پیسے میں آپکی خدمت میں پیش کر دوں۔ خالہ صاحبہ نے عرض کیا کہ جس چیز کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پسند نہیں فرمایا اس کو میں کس طرح پسند کر سکتی ہوں آپ کا بہت بہت شکریہ بس آپ کی صرف دعا کی ضرورت ہے۔

مزاح اور ظرافت بھی عجیب پاکیزہ تھی

حاجی بدر الدین صاحب انچولی ضلع میرٹھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جانثاروں اور مزاج شناسوں میں سے ہیں وہ جب بھی محفل میں ہوتے کسی نہ کسی عنوان سے مٹھائی ضرور طلب کی جاتی۔ کبھی مقدمہ جیتنے کی خوشی میں کبھی زمین خریدنے کی خوشی میں اور کبھی نواسہ وغیرہ ہونے کی خوشی میں۔ اگر وہ انکار کرتے تو پھر ان کی تلاشی لی جاتی اور جو کچھ نکلتا وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا آپ اس میں سے جتنا مناسب ہوتا اس کی مٹھائی کا حکم فرما دیتے۔ اور بقیہ واپس کر دیا جاتا۔ حاجی صاحب جب آتے تو قصداً تفریح کی نیت سے روپے چھپا لیتے۔ کبھی نوٹوں کو کمربند کے اندر اور کبھی چھینا جھپٹی میں منہ کے اندر رکھ لیتے اگر چھیننے والے کامیاب ہو جاتے تو پھر خود ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مقدمہ پیش کرتے اکثر ایسا ہوتا کہ فیصلہ ان کے خلاف ہوتا حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ (آپ نے ان لوگوں کو مٹھائی نہیں کھلائی ہوگی) ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مہمان خانہ کی مسجد سے اٹھ کر عشاء کے وضو کے لئے اندر تشریف لے گئے حضرت کے تشریف لے جاتے ہی بعض لوگ جو تاک میں تھے حاجی صاحب کو ڈھا لیا۔ مگر روپے حاصل کرنے میں کسی طرح کامیاب نہ ہو سکے حتیٰ کہ اس چھینا جھپٹی میں کئی جگہ سے ان کا کرتہ پھٹ گیا اور جو پھٹنے سے بچ گیا تھا اس کو خود حاجی صاحب نے پھاڑ کر ناقابل استعمال بنا لیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ وضو کر کے نکلے تو حاجی صاحب نے بڑھ کر صورت حال سے مطلع کیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ (آپ نے مٹھائی کیوں نہیں کھلائی اس کے بعد فرمایا کہ لائیے کرتہ نکالئے میں سلوا دوں) اس کو خود لے کر اندر تشریف لے گئے خالہ صاحبہ نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ تو سلنے کے قابل ہی نہیں کیسے سلا جائے تو فرمایا کہ لاؤ تو اچھا میرا ایک کرتا نکال دو۔ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لا کر حاجی صاحب کو عنایت فرمایا تو تمام لوگ ان کے خود پھاڑنے کی چالاکی پر حیران رہ گئے۔

اس بیماری کے دوران میں جب کہ اطباء وغیرہ نے قطعی باہر تشریف لانے اور کسی قسم کی حرکت وغیرہ کرنے کی ممانعت کر دی تھی تو برابر ہر طبیب سے یہی فرمایا کرتے تھے کہ بھائی باہر کا کمرہ کچھ دور نہیں ہے مجھ کو فقط جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت دے دیجئے نماز پڑھ کر میں فوراً واپس آجاؤں گا بیٹھوں گا نہیں اطباء نے جواب دیا کہ حضرت حرکت وغیرہ اس وقت بہت مضر ہے چند دن آپ آرام فرمالیں اس کے بعد انشاء اللہ کوئی ممانعت نہیں رہے گی اور یہاں بھی آپ براہ مہربانی بیٹھ کر نماز پڑھا کریں۔ باہر تشریف [illegible] فوراً مان لیا مگر بیٹھ کر نماز کبھی نہیں پڑھی البتہ اخیر میں آکر

جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور ضعف بھی ناقابل برداشت ہوگیا تو ہفتہ عشرہ تک بیٹھ کر پڑھی۔ مگر آخر وقت تک اس مرد مجاہد کی ایک نماز قضا نہیں ہوئی۔ نومبر کا آخری ہفتہ بہت شدت اور تکلیف کا گزرا۔ مگر جب نماز کا وقت ہوتا تھا فوراً دریافت فرماتے تھے کہ اذان ہوئی۔ اگر معلوم ہوا کہ ہو گئی ہے تو فوراً نماز کی تیاری شروع فرما دیتے تھے ایک مرتبہ لیٹے ہوئے تھے میں بدن دبا رہا تھا فرمایا کہ اذان ہوگئی میں نے عرض کیا جی ہاں۔ مگر ابھی کوئی دو تین منٹ گزرے ہوں گے ابھی تو کافی وقت ہے آپ تھوڑی دیر اور آرام فرما لیں۔ فرمانے لگے نہیں بھائی جب تک نماز سے فراغت نہیں ہو جاتی طبیعت میں الجھن اور پریشانی رہتی ہے اسی بیماری کے درمیان میں جب کچھ صحت کے آثار نمایاں ہوگئے تھے تو اطباء نے مہمان خانے میں جاکر جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت دے دی تھی تو بالکل تندرستی کی حالت کے طریقہ سے نماز مع سنن و مستحبات ادا فرماتے تھے۔ مگر جب طبیعت پھر گرنی شروع ہوئی تو ہم لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ امام صاحب کو کہہ دیں کہ وہ ذرا ہلکی نماز پڑھایا کریں لیکن اس معاملہ میں حضرت قدس سرہٗ کی شدت کو دیکھتے ہوئے کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی اتفاق سے اسی درمیان میں حکیم محمد یٰسین صاحب بجنوری ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ تین چار دن قیام رہا انہوں نے بھی اس بات کو شدت سے محسوس کیا۔ دوسرے دن مجھ سے فرمایا دیکھو حضرت رح کیا کر رہے ہیں اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی چارپائی پر تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے کوئی کتاب دیکھ رہے تھے میں نے واپس آکر عرض کر دیا فرمایا کہ میرا نام لے کر یہ کہہ دو کہ وہ جا رہا ہے مصافحہ کرنا چاہتا ہے میں نے حاضر ہو کر پیغام پہنچا دیا حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ اندر بلا لو حکیم صاحب قبلہ تشریف لائے۔ سلام مصافحہ کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے گھر کی خیریت دریافت کی اسکے بعد حکیم محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی کے بارے میں دریافت فرمایا تو حکیم صاحب نے ان کے مرض کی طرف سے تشویش ظاہر فرماتے ہوئے دعا کی درخواست کی اسکے بعد حکیم صاحب نے فرمایا کہ حضرت آپ کے اوپر مرض کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے اور اس مرض میں آرام کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے حرکت وغیرہ خاص طور پر اس کے لئے مضر ہوتی ہے اوّل تو آپ باہر تشریف نہ لے جائیں اور اگر تشریف لے ہی جائیں تو پھر ذرا نماز ہلکی فرما دیں آپ کے یہاں وہی صحت و تندرستی والا دستور اب تک چل رہا ہے مرض کی حالت میں اگر کچھ سنن و مستحبات چھوٹ جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ عجیب انداز سے ارشاد فرمایا کہ پھر اس کے متعلق کچھ سوچنے کی بھی جراُت نہ ہوئی فرمایا یہ ٹھیک ہے مگر میں کیا کروں مجھ کو خلافِ سنت نماز میں مزہ ہی نہیں آتا اس کا جواب حکیم صاحب کے پاس بھی کچھ نہیں تھا۔ میں نے بھی پھر اپنے دل سے یہ خیال نکال دیا تھا۔

ایک مرتبہ رمضان شریف میں جب کہ ساری رات عبادت اور ریاضت میں گزرتی تھی جمعہ کے دن فجر کی نماز میں امام نے بجائے سورہ حٰم سجدہ اور سورہ دہر پڑھنے کے دوسری سورتیں پڑھ دیں۔ سلام پھیرتے ہی اس پر اس قدر خفا ہوئے کہ الاماں۔ اتفاق سے وہ صاحب دوسری جگہ بھی امامت کرتے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کبھی آپ نے اس سنت پر عمل نہیں کیا۔

مولوی فضل الکریم خان حسینی متعلم دارالعلوم دیوبند

سفر و حضر میں حضرت کی جماعت کبھی بھی چھوٹنے نہیں پاتی تھی حضرت جہاں نماز پڑھتے تھے وہاں بڑی بھاری جماعت ہو جاتی تھی ہمیشہ جب تک ممکن ہوتا مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اگر جاتے جاتے سن لیا کہ جماعت شروع ہو گئی ہے تو اس تمام ضعف پیری کے باوجود کوشش یہی کرتے کہ جس طرح ہو اس جماعت میں شریک ہوں اب چلنا پھرتا دشوار تھا مگر تیز چلتے اور اگر قعدہ اخیرہ بھی مل گیا تو جہاں بھی جگہ ملتی اسی میں شریک ہو جاتے تھے ایک دفعہ جلسہ سالانہ کا ہجوم تھا حضرت مکان سے مسجد کے لئے روانہ ہونے لگے معلوم ہوا کہ مسجد بھر گئی ہے تو آپ چھت کی مسجد میں تشریف لے گئے اگر کسی روز کسی وجہ سے کہیں بھی جماعت ملنے کا امکان نہ رہتا تو مکان کے مہمان خانہ میں جماعت ہوتی وہ بھی عموماً بہت بڑی جماعت ہو جاتی تھی۔

٢ - اس مرض الوفات میں ٥٢ روز تک ڈاکٹروں کی شدید پابندیوں اور تیمارداروں کے اصرار سے مجبور ہو کر زنانہ خانہ میں صاحب فراش رہے ڈاکٹری علاج چھوٹا یونانی علاج شروع ہوا طبیبوں نے مردانہ نشست گاہ تک آنے کی اجازت دی ٢٠ ربیع الثانی ١٣٧٧ھ۔ ١٥ اکتوبر ١٩٥٧ء کو مردانہ میں تشریف لائے۔ جماعت سے نماز شروع ہو گئی یہاں اتنا ہجوم ہو جاتا کہ صحن تک صفیں پہنچ جاتیں جس روز باہر تشریف لائے اسی روز مغرب کے وقت مسجد میں جانے کا ارادہ کر لیا مگر مولانا اسعد صاحب نے اصرار کیا تو ان کی بات مان لی۔

٣ - ٢٤ ربیع الثانی کو مجلس سے اٹھ کر سیدھے مسجد چلے گئے پھر فجر میں بھی جاتے رہے جس سے تکلیف میں زیادتی ہو گئی طبیبوں نے مسجد جانے سے سختی سے منع کر دیا۔ ایک روز عصر بعد کی مجلس میں فرمانے لگے "آپ لوگ مجھے مسجد جانے سے بھی روکتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شدت مرض میں بھی دو آدمیوں کے سہارے مسجد جاتے تھے" صاحبزادہ مولانا اسعد نے عرض کیا وہ مسجد قریب تھی۔ فرمایا "میری کون سی دور ہے باپ کا بیٹا اسعد میاں صاحب سب کچھ دیکھے ہوئے ہیں بے جھجک کہنے لگے۔ حضرت وہ تو حجرہ سے بالکل متصل تھی۔ آپ کی کافی دور ہے باہر مہمان خانہ میں نماز ادا فرماتے رہے۔

٤ - یہ ادائے فرض میں اتباع سنت کا ایک نمونہ ہے باقی آپ ہر ایک حرکت و سکون میں اتباع سنت کے عادی تھے بلکہ اتباع سنت آپ کی فطرت بن چکی تھی حضرت کے عمل سے بہت سی حدیثوں کا مطلب حل ہو جاتا تھا مثلاً مسجد میں جاتے ہوئے داہنا قدم پہلے رکھنا اور نکلتے ہوئے بایاں قدم پہلے نکالنا اور جوتا پہننے میں اس کے برعکس پہلے داہنے پاؤں میں جوتا پہننا اور نکالتے وقت پہلے بائیں پاؤں سے نکالنا مسجد میں جاتے ہوئے اور مسجد سے نکلتے ہوئے دونوں سنتوں پر عمل کرنا مشکل معلوم ہوتا مگر حضرت کا عمل اس کی تفسیر کر دیتا تھا ہمیشہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے بائیں پیر سے جوتا نکال کر پیر جوتے پر رکھ لیتے پھر داہنے پیر سے جوتا نکال کر پہلے داہنا پاؤں مسجد میں رکھتے مسجد سے نکلتے وقت اس کے برعکس کرتے۔ بعض کو خواب میں بھی اس امر کی تلقین فرمائی

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرطِ تعظیم و مدح سے روکتے تھے آپ کسی کا کھڑا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے حضرت رح یہاں تک برداشت نہیں کرتے تھے کہ کوئی آدمی بیٹھے سے اٹھ کر مصافحہ کرے اس مرض الموت میں بھی ایک مہمان کھڑے ہو گئے فرمایا جب تک نہ بیٹھیں گے نہ میں آگے بڑھوں گا نہ مصافحہ کروں گا۔

۵ - کوئی شخص ہاتھ یا قدمبوسی نہیں کر سکتا تھا مصافحہ کے فوراً بعد ہاتھ کھینچ لیتے تھے ایک مرتبہ ایک غیر مسلم شخص نے تعظیماً پیر چھونے چاہے حضرت جیسے سانپ دیکھ کر تڑپ اٹھے اور اس کو منع کر دیا۔ چارپائی پر آرام فرمانے کی حالت میں ایک شخص نے قدم بوسی کرنی چاہی حضرت اس طرح چونکے کہ وہ پیچھے گر پڑا۔

۶ - اگر کوئی شخص مصافحہ کے بعد الٹے پیر پیچھے ہٹتا تو آپ تنبیہہ کر دیتے۔ ایک دفعہ یہ بھی فرمایا آدمیوں کی طرح چلو۔

۷ - حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق ہمیشہ تکلیف پر ساکت و خاموش رہے کبھی جزع فزع کا اظہار نہیں کیا اس شدید مرض الموت میں بھی ہمیشہ کہتے تھے کہ دیکھو میں کیسا ہٹا کٹا ہو رہا ہوں۔ اپنے تیمارداروں سے فرماتے تم لوگوں نے مجھے زبردستی بیمار بنا دیا۔

۸ - ایک بخار کے مریض سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا یہ تکلیف کہاں کہاں لے کر گھومتے پھرتے ہو۔ اور تم لوگ مجھے مسجد میں بھی جانے نہیں دیتے۔ صاحبزادے نے فرمایا خدانخواستہ اس کو آپ جیسی تکلیف ہو جاتی تو ہمیشہ کے لئے لیٹ جاتے۔

۹ - ہمیشہ تکلیف چھپانے کی کوشش کرتے تھے کسی نے پوچھا کروٹ لیتے وقت آہ کیوں نکل جاتی ہے اس لئے کہ تمام زندگی بیکار گئی اب بھی پڑے پڑے تمہیں تکلیف دے رہا ہوں

۱۰ - آپ کسی سے خدمت لینا پسند نہیں کرتے تھے البتہ خود ہر وقت دوسروں کی خدمت کے لئے آمادہ رہتے تھے ایک مرتبہ پھٹا پرانا آدمی قوم کا گدھیلا دروازہ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا پانی پلا دو۔ وہاں حضرت کے ارد گرد بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے مگر کسی کو خیال نہیں ہوا حضرت رح نے اس کی آواز سنی خود اٹھے نل پر جا کر لوٹے میں پانی بھرنا شروع کر دیا۔ تب لوگوں کو خیال آیا لوٹا لینا چاہا مگر آپ نے کسی کو لوٹا نہیں دیا اور خود جا کر اس کو پانی پلایا

۱۱ - مرض کی آخری حالت میں جب باہر آنا ناممکن ہو گیا اور اس کے باوجود ترک جماعت کا قلق ہر وقت رہتا تھا تو ایک روز صاحبزادے مولانا اسعد صاحب نے چاہا کہ اندر آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں تو جماعت ہو جائے آپ نے منع فرما دیا کہ میں تو معذور ہوں تم معذور نہیں پھر مسجد کی جماعت کیوں چھوڑتے ہو۔

مولانا رشید الدین صاحب حمیدی (حضرت شیخ کے داماد)

مولوی شوکت علی صاحب بمبوی متعلم دارالعلوم دیوبند حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے چمپا کے پھول لائے ایک بوتل میں پانی بھر کر پھول اس میں ڈال دیئے گئے۔ اس طرح خوشنما بھی معلوم ہوتے ہیں اور ان کی عمر بھی چار ماہ ہو جاتی ہے یعنی چار ماہ تک پژمردہ نہیں ہوتے، حضرت نے اس ہدیہ کو مسرت سے قبول فرمایا اور حکم دیا یہ بوتل ان کے کمرے میں میز پر رکھ دی جائے۔ چار ماہ کی بجائے تین سال اور تین ماہ گزر گئے تھے پھول اسی طرح تر و تازہ تھے ان کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا مگر افسوس ۵ دسمبر ۵۷ء کے حادثہ جانکاہ کی تاب وہ بھی نہ لا سکے اور دفعتہً ان کی تازگی پژمردگی سے بدل گئی وہ سارے پھول سیاہ ہو گئے حتیٰ کہ پانی میں بھی سیاہی کا اثر آگیا۔

مدینہ طیبہ کا احترام

مولانا افضال الٰہی صاحب دیوبندی حضرت شیخ الاسلام رح کے خادم خاص مولانا دامانی سے نقل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ شیخ الاسلام مولانا مدنی نے مدینہ منورہ میں فرمایا کہ ایک بزرگ مدینہ میں تھے رات کے وقت کھانا کھا رہے تھے کھانے میں دہی بھی تھی اور دہی ترش تھی ان بزرگ کی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ کی دہی کھٹی۔ اس کے بعد اسی شب میں سرور کائنات فخر موجودات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی کھٹی ہے جہاں کی دہی میٹھی ہو وہاں تشریف لے جایئے۔

یہ خواب دیکھ کر یہ بزرگ بہت پریشان ہوئے۔ اور متفکر تھے کہ کیا کرنا چاہیئے یہ بزرگ مدینہ کے ایک اور بزرگ کے پاس گئے اور اپنا واقعہ اور خواب ذکر کیا اور مشورہ کے طالب ہوئے ان بزرگ نے فرمایا آپ حضرت حمزہ رضی کے مزار پر تشریف لے جائیے اور ان کے توسل سے دعا کیجئے انہوں نے ایسا ہی کیا ایسا کرنے کے بعد شب میں حضرۃ حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ اگر ایمان کی سلامتی چاہتے ہو تو فوراً مدینہ چھوڑ دیجئے یہ قصہ حضرت شیخ نے اس وجہ سے سنایا کہ لوگ مدینہ کی چیزوں پر تنقید کرتے رہتے ہیں اور کچھ خیال نہیں کرتے۔

مولانا عبد السّلام صاحب مضطر (ہتسوی فیض آبادی)

(بلفظہ)

ایک صاحب نے ملفوظات جمع کرنے کی اجازت چاہی فرمایا کیا اسلاف کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ملفوظات و تصنیفات عمل کے لئے ناکافی ہیں۔

فرمایا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو جہانگیر نے جب طلب کیا تھا تو اسی سڑک سے جو سہارنپور سے دیوبند کو جاتی ہے حضرت تشریف لے گئے تھے اور جب دیوبند پہنچے تو فرمایا کہ مجھے یہاں علم کی بو محسوس ہوتی ہے۔

فرمایا حضرت مجدد صاحب کو جہانگیر نے جس شہر کے جیل خانے میں بند کیا تھا وہاں کے ایک طالب علم صادق نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مدت دراز سے حضور کی قدمبوسی کی آرزو تھی لیکن ضعیفی و عدم استطاعت مانع رہی۔ اب اللہ تعالےٰ نے میری تمنا پوری کی حضور سے استدعا ہے کہ ایک "نظر" فرما دیجائے حضرت نے ایک "نظر" ڈال دی اور وہ طالب واصل ہو گیا۔

اتنا فرما کر جب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے مجلس میں سے ایک بزرگ نے عرض کیا کہ حضور اسی "نظر" کی ضرورت ہے حضرت مسکرا دیئے۔۔۔۔۔

فرمایا اللہ تبارک و تعالےٰ نے انسان کو دنیا میں امتحان کے لئے بھیجا ہے اور امتحان کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں کبھی آرام و آسائش دے کر امتحان لیتے ہیں کبھی تکلیف و صعوبت سے پاکستان کے مسلمانوں کو نعمتوں سے آزما رہے ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو کلفتوں سے خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔

فرمایا اسلام کے نام پر بہت سی جماعتیں وجود میں آئیں لیکن یہ جماعت جو جماعت اسلامی کے نام سے ہے ان تمام جماعتوں سے بہت زیادہ خطرناک ہے (آج مولانا صبغۃ اللہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی جو اس جماعت کے سرگرم رکن تھے اس جماعت سے الگ ہو کر حضرت کے ارشاد کی عملاً تصدیق کر رہے ہیں۔

روافض نے تو صرف چند صحابیوں کی توہین کی اور اس نے تو تمام اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تنقیص و توہین کر دی۔ یہ کہتے ہیں صحابہ معیار حق نہیں ہیں اور جناب رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (میرے ساتھی مثل تاروں کے ہیں ان میں جس کی بھی راہ اختیار کروگے کامیاب ہوگے)

فرمایا جو حدیث میں جو امت کے بہتّر فرقوں کی خبر آئی ہے اور صرف ایک ہی فرقہ کو ناجی اور دوسرے تمام فرقوں کو غیر ناجی فرمایا گیا ہے میں دلائل و براہین کی روشنی میں پورے شرح صدر سے کہتا ہوں کہ یہ جماعت اسلامی بھی ان ہی غیر ناجی فرقوں میں سے ہے۔

فرمایا ہم نے تو قرآن پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نہیں سنا ہے بلکہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واسطہ سے ہم تک پہنچا ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا حفظ کیا اور اس کی جمع و ترتیب بھی انہی کے پاک ہاتھوں ہوئی جن کے بارے میں یہ جماعت کہتی ہے کہ وہ تنقید و تبصرہ سے بالاتر نہیں ہیں اور ان سے خطاؤں کا صدور ممکن ! سوچئے کہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔ قرآن مشکوک ہو جاتا ہے (معاذ اللہ)

ایک صاحب آئے جن کی داڑھی منڈی ہوئی تھی اور سر پر بال تھے دیکھ کر غضبناک ہو گئے فرمایا تم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک پسند نہیں آیا "کرزن" کا شعار اختیار کر رکھا ہے اور پھر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی وہ شخص نادم ہوا اور توبہ کی۔

ایک دن ایک صاحب نے نماز فجر حضرت کی اجازت سے پڑھائی اور قرأت میں طوال مفصل" اختیار نہیں کیا سلام کے بعد حضرت نے عتاب کے لہجے میں فرمایا کیا فجر میں یہی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔

ایک مسجد کے امام صاحب آئے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا آپ غسل جنابت میں وہی کپڑا پہنے ہوئے ہوتے ہیں جس میں ناپاکی ہوتی ہے حالانکہ اس طرح پاکی حاصل نہیں ہو سکتی۔ نجس کپڑا اتار دینا چاہیئے اور پاک کپڑا پہن کر غسل کرنا چاہیئے۔

ایک دن نماز فجر میں دیر ہو رہی تھی مگر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق طوال مفصل ہی قرأت فرمائی۔ سلام کے بعد فرمایا سورج تو نہیں طلوع ہو گیا عرض کیا گیا ابھی چند منٹ باقی ہیں۔ مسکرا کر فرمایا اگر آج سورج نکل آتا تو ہم کو نماز میں پاتا۔

ضلع اعظم گڑھ کے ایک صاحب آئے ان سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہ خلیفہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خیریت دریافت فرمائی انہوں نے کچھ شکایت کی اور کہا کہ میں وہاں نہیں جاتا حضرت نے تنبیہ فرمائی اور کہا کہ تم نہیں جانتے ہو وہ شیخ وقت ہیں۔

ایک مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے لوگوں کو قبر پر ایصال ثواب کے وقت ہاتھ اٹھانے کو منع کر دیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے منع کیسے کر سکتے ہو۔

میں نے رفیقہ حیات کی بدخلقی کی شکایت کی اور دعا کی درخواست کی۔ مسکرا کر فرمایا یہ تو بہت عمدہ بات ہے بہت سے اولیاء کرام رحمہم اللہ علیہم کو ایسی عورتیں دی گئیں اور ان کی سخت کلامی اور بدخلقی پر صبر کرنے سے ان کو بڑے بڑے مراتب سے نوازا گیا اصلاح نفس کا یہ بہترین ذریعہ ہیں اور انشاء اللہ اس میں خیر و برکت ہے وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا (اور گزران کرو ان کے ساتھ اچھی طرح پس اگر نہ بھاویں وہ تم کو تو شاید پسند نہ آئے تم کو اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی۔

میں ایک مصیبت میں گرفتار تھا دشمن سازشیں کر رہے تھے دامن مدنی میں پناہ ڈھونڈی فرمایا روزانہ پانچسو مرتبہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھ لیا کرو چنانچہ چند ہی دن مداومت کرنے سے مصائب کے بادل چھٹ گئے اور دشمن ذلیل و ناکام ہو گئے۔

الیکشن کا زمانہ تھا حضرت دورہ پر تھے ایک گاؤں میں تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے گئے وقت بہت تنگ تھا لوگ چاہتے تھے کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائیں اتنے میں مسلم لیگ کے ایک مقامی رکن جن کے ہاتھ میں شدید درد تھا علاج و معالجہ سے عاجز آچکے تھے دعا کی درخواست کی حضرت رح دعا پڑھ کر دیر تک دم فرماتے رہے حتیٰ کہ سارا وقت ان ہی کی نذر ہو گیا پھر فرمایا کہ سورہ فاتحہ مع بسم اللہ سات مرتبہ پڑھ کر ایک بار دم کیا جائے اور موضع درد کو مریض یا دوسرا کوئی ہاتھ سے پکڑ لے جب دم کرے تو چھوڑ دے پھر اسی طرح پکڑ کر اور سات مرتبہ سورہ فاتحہ مع بسم اللہ پڑھ کر دم کرے اور چھوڑ دے غرضیکہ سات بار اسی طرح دم کرے اور ہر مرتبہ مریض درد کا حال بتا دے انشاء اللہ چند دن ایسا کرنے سے شفا حاصل ہو جائے گی۔ یہ فرما ہی رہے تھے کہ ایک پیر صاحب کو اپنی طرف آتے دیکھ کر یہ فرماتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ع

"آب آمد و تیمم برخاست"

اور پھر چند دن عمل مذکور پر مداومت کرنے سے درد زائل ہو گیا۔

ایک مجنون کے لئے دعا کی درخواست کی گئی فرمایا کہ ایک گھڑے پانی پر سورہ فاتحہ مع بسم اللہ ۴۱ مرتبہ اور آیۃ کریمہ وما لنا الا نتوکل علی اللہ وقد ھدانا سبلنا و لنصبرن علی ما اذیتمونا وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون۔ ۱۱ مرتبہ پڑھ کر دم کر کے

مریض شب یکشنبہ و شب سہ شنبہ کی سات راتوں میں ۱۱ بجے کے بعد اور ۱۲ بجے سے پہلے چوراہے پر لے جا کر غسل دے دیں اگر خارجی اثر ہوگا زائل ہو جائے گا یہ عمل کیا گیا اور وہ مریض بالکل شفا یاب ہو گیا۔

ایک شخص نے ضعف بصر کی شکایت کی فرمایا ہر فرض نماز کے بعد تین مرتبہ اول آخر درود شریف اور تین مرتبہ آیۃ کریمہ فکشفنا عنك غطائك فبصرك اليوم حديد۔ پڑھ کر ہاتھ کے دونوں انگوٹھوں کی پشت پر دم کر کے آنکھوں پر پھیر لیا کرو۔

فرمایا چیچک کے لئے سورہ رحمٰن نیلے دھاگے پر اس طرح پڑھے کہ ہر فبای الآء ربکما تکذبان۔ پر ایک گرہ لگا کر دم کر دیا کرے اور بطور حفظ ما تقدم بچوں کے گلے میں ڈال دے انشاء اللہ حفاظت رہے گی اور اگر چیچک نکل آئی ہو تو پڑھ کر دم بھی کر دیا کرے میں نے قرض سے سبکدوشی کے لئے دعا کی درخواست کی فرمایا ایک خاص چیز دیتا ہوں سورہ فاتحہ مع بسم اللہ بوصل میم رحیم ولام الحمد فجر کی سنت و فرض کے درمیان میں ۴۱ مرتبہ مع اوّل و آخر درود اور بعد نماز عشاء سوتے وقت بستر پر جا کر تین تین مرتبہ اول و آخر درود شریف اور تین مرتبہ دعا پڑھ لیا کرو۔ بیاض خاص مرحمت فرما کر یہ دعا نقل کر لینے کی ہدایت فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ وَرَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى وَمُنَزِّلَ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَالظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ وَالْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنِّيَ الدَّيْنَ وَاَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ۔

(کاش یہ بیاض اب طبع کر دی جاتی تو اس سرمایہ سے استفادہ متبعین کے لئے باعث تسکین ہوتا)۔

فرمایا نظر بد کے لئے سات مرچیں لے کر سات بار سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر کے مریض کے سر کے گرد پھرا کر آگ میں ڈال دے۔

فرمایا زن عقیمہ کے لئے پانچ لونگیں لے کر ہر لونگ پر سات مرتبہ آیۃ کریمہ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ پڑھ کر دم کر دے اور عورت جس دن پاکی کا غسل کرے اسی دن سے روزانہ ایک ایک لونگ رات کو کھائے اور اس پر پانی نہ پئے بحمد اللہ کئی مرتبہ تجربہ کیا اور کامیابی ہوئی۔

فرمایا سل و دق کے لئے کورے برتن میں پانی لے کر باوضو درود شریف اوّل آخر ۱۱ مرتبہ سورہ فاتحہ معہ بسم اللہ بوصل میم رحیم ولام الحمد ۱۰۱ مرتبہ اور معوذتین گیارہ گیارہ مرتبہ اور آیۃ قلنا یا نار کونی بردًا وسلامًا علی ابراھیم گیارہ مرتبہ پڑھ کر دم کریں اور بوقت صبح قبل طلوع شمس نہار منہ جس قدر پیا جا سکے زیادہ سے زیادہ پلا دیں پھر آدھ گھنٹہ تک کوئی دوا یا غذا نہ دیں پھر رات دن میں جب بھی پانی پینا ہو یہی پانی دیتے رہیں اگلے دن پھر دوسرا پانی لے کر پھر دعائیں دم کریں اور حسب مذکور طریقہ سے پلاتے رہیں اور

تأثرات

بر وفات حسرت آیات شیخ الاسلام

حکیم مولانا سید محمد کاظمی

شائستہ قرار و سکوں روزگار نیست
بر یک و تیرہ ابلق لیل و نہار نیست

بنیاد کاخ کون و مکاں استوار نیست
دنیا مقام عیش و سکوں زینہار نیست

بہر گلے فضائے چمن سازگار نیست
کس از غم جہان غمیں رستگار نیست

بینی گلے ؟ کہ در جگرش نوکِ خار نیست
یا لالہ بگو کہ دلش داغدار نیست

گلہا بہ چاک دامن خود خندہ می زنند
نے شبنمے کہ ز شک شبی زار زار نیست

بر گریہ اش نہند عبث نام آبشار
حالانکہ سیل اشک جبل آبشار نیست

ماہے نہ دیدہ شد کہ مصفی شود ز داغ
نجمے نہ بر فلک کہ در وہم شرار نیست

این رونق چمن کہ بہارش کنند نام
در اصل ماسوائے فریب بہار نیست

نازاں شود زمانہ بہ نام بہار لیک
چیزے بجز پیام خزاں خود بہار نیست

بر سبزہ ہائے دشت و چمن ملتفت مشو
این سبزہ ہائے صفر ز بیں برگ و بار نیست

کو سرو در تحیر عالم نہ شد خموش
کو گل کہ از نم غم شب اشکبار نیست

کو نو گلے کہ نیست بدامان چاک چاک
کو جسم مشک بو کہ نہاں در مزار نیست

گہ صبح و گاہ شام گہے لیل و گہ نہار
حرباصفت بلون فلک اعتبار نیست

بزم نشاط و عیش مبادا دریں مقام
این کاروانسرائے تو دار القرار نیست

چندانکہ خواہ جشن کنی بہر این حیات
لیکن مسرتے کہ شود پائیدار نیست

نقش حیات بستہ شود بر چہ اعتماد
در زندگی چو بر نفسے اختیار نیست

کارِ جہاں اگرچہ خلاف قیاس است
آرے خلاف مصلحت کردگار نیست

دار العلوم و بزم شیوخش ہماں ولے
شیخ شیوخ طائفہ خیر الخیار نیست

میکش ہماں، شراب ہماں میکدہ ہماں
واحسرتا کہ پیر مغاں برقرار نیست

آں جامع صفات رسل ساکن حرم
منسوب آنکہ شد کہ بہ حبیب الہ یار نیست

اکنوں کدام زینت دار الحدیث ہست
چوں جانشین قاسمؒ و محمودؒ یار نیست

شمعے کہ از تجلی اسلام روشن است
پروانہ وار آنکہ بر آں شد نثار نیست

آں آتش عمل کہ فروزاں بدل نمود
از فرط غم بقلب ازاں یک شرار نیست

اکنوں کدام شیشہ نماید عیوب قوم
شفاف و صاف آئینہ چار یار نیست

نزدم غروب شد ز جہاں آفتاب علم
چوں آں حسین احمد عالی وقار نیست

ثاقب کجا روم کنوں بہر مشورہ
آں مرد مؤتمن کہ شود مستشار نیست

جستم چوں عیسوی سن تاریخ شد رواں
والا نہاد آہ تہجد گزار نیست

۱۹۵۷ء

جو پانی بیچ جایا کرے کہیں کنارے جہاں بے ادبی کا احتمال نہ ہو ڈال دیں اسی طرح چالیس دن متواتر بلاناغہ یہی عمل جاری رکھیں۔ برتن وہی رہے روز نیا بدلنے کی حاجت نہیں اسی طرح چالیس دن متواتر بعد نماز عصر سورہ مجادلہ تین بار پڑھ کر ہر مرتبہ مریض کے سر سے پیر تک دم کر دیا جائے فرمایا یہ عمل میرا مجرب ہے۔

فرمایا دفع سحر و آسیب کے لئے نمک پر ایک ہزار ایک مرتبہ آیۃ واذ قتلتم نفسا... تا تغفلون باوضو مع اول آخر درود شریف ۱۱ مرتبہ پڑھ کر دم کر کے مریض کو کھانے میں دیا کریں۔

فرمایا ضعف دماغ کے لئے ایک دانہ بادام ایک دانہ مرچ اور ہموزن مصری رات کو سوتے وقت کھالیں۔ دوسرے دن دو۲ دانہ بادام اور دو۲ دانہ مرچ ہموزن مصری اور تیسرے دن تین دانہ ہموزن مصری اسی طرح روزانہ ایک ایک دانہ بادام اضافہ کرتے جائیں اور مرچ کی عدد نہ بڑھائیں وہ تین ہی عدد رہے جب چالیس دانہ تک بادام پہنچ جائے تو ایک ایک گھٹانا شروع کریں حتیٰ کہ ایک عدد تک آجائے فرمایا ضعف دماغ کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔

ایک سجادہ نشین دم کرانے کے لئے کوئی چیز لائے فرمایا یہ الٹی گنگا کیوں بہتی ہے۔

ایک عقیدت مند نے ایک کاغذ پیش کر کے درخواست کی کہ اس پر کچھ تحریر فرمادیں میں بطور تبرک اپنے پاس رکھوں گا۔ اس پر حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر لکھ دیا۔

جہاں اے برادر نماند بہ کس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس

ایک شخص نے تعویذ مانگا فرمایا۔ "میں عامل نہیں ہوں کسی عامل کے پاس جاؤ۔

فرمایا دوازدہ تسبیح میں جہر اور ضرب دونوں ضروری ہیں مگر جہر مفرط نہ ہو کہ نمازی یا سونے والے کو تکلیف ہو۔

فرمایا سالک کی کیفیات و حالات کا چھن جانا زیادہ تر گناہ کے باعث ہوتا ہے۔

فرقت شیخ الاسلام ۱۹۵۷ء

سال تاریخ حسین احمد نہ ہاتف یافتم
گفت موت العالم بالحق موت العالم
۱۳۷۷ھ

مولانا عبدالسلام مضطر ہنسوی
(فیض آبادی)

فرمایا رمضان شریف میں نماز تہجد جماعت سے اپنے مکان میں پڑھ سکتے ہیں جب کہ بلا اہتمام ہو۔

کچھ مہمانوں کو جو دور دراز سے آئے تھے مخاطب کر کے تنبیہہ فرمائی کہ سفر میں اپنے ساتھ "لوٹا" نہیں رکھتے ہو تو کیا نمازیں کھاتے ہو۔

رمضان کا مہینہ تھا دن میں روزہ رکھنا قرآن پاک یاد کرنا رات بھر تراویح و تہجد میں کھڑے رہنا۔ اور ضعیفی کا یہ عالم۔ عمر کے یہ تقاضے۔ طبیعت خراب ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے تمام اشغال سے روک دیا اور کہا کہ آرام ضروری ہے مگر جب بھی ذرا افاقہ دیکھتے اسی طرح سرگرم ہو جاتے۔ نماز نفل بھی کبھی بیٹھ کر نہ پڑھتے جب کوئی بیماری کے بڑھ جانے کا اندیشہ ظاہر کرتا تو فرماتے مر ہی جاؤں گا اور کیا ہو گا۔

فرمایا دل کو غیر اللہ سے پاک رکھو۔ مال و متاع بیوی بچے سب کی محبت کو دل سے نکال کر پھینک دو (البتہ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے میں کمی نہ ہونی چاہیئے) دل میں خدا کی محبت بساؤ۔

ایک مرید نے کہا کہ میں بیعت آپ سے رہنا چاہتا ہوں اور تعلیم فلاں بزرگ سے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا میری بیعت ادھر لاؤ اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ

فرمایا صلوٰۃ الاوابین اصل میں چاشت کی نماز ہے لوگ غلطی سے نوافل مغرب کو صلوٰۃ الاوابین سمجھتے ہیں۔

فرمایا تہجد کی نماز کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے صبح تک ہے جس کو ڈر ہو کہ آخیر رات میں اٹھ نہ سکے گا تو وہ سوتے وقت تہجد پڑھ لے۔

فرمایا وہ شجرہ جو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی میں نظم فرمایا ہے خاص اثر رکھتا ہے۔

ایک پیر کے مکان میں تھے کچھ لوگوں نے بیعت ہونے کی درخواست کی فرمایا۔ پیر کے گھر میں پیرائی ؟ چور کے گھر میں چھچھورا؟ فقط

داماں نظر تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو زداماں گلہ دارد

سلام

مسٹر عبد العلی ——— نصیر آبادی

واحسرتا امیر شریعت نہیں رہا
صد حیف آج پیر طریقت نہیں رہا
افسوس! ہم میں رہبر ملت نہیں رہا
ہیہات! رہنمائے سیاست نہیں رہا
اے وارث علوم نبی تجھ پہ صد سلام
اے عارف رموز علی تجھ پہ صد سلام

مولانا محمد انیس صاحب مظفر نگری صدر مدرس مدرسہ رحمانیہ رڑکی

احقر نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے پہلی مرتبہ ١٩٣٦ء میں دیکھا تھا الیکشن کا زمانہ تھا کاندھلہ سے بذریعہ کار مظفر نگر تشریف آوری ہوئی تھی کیا بتاؤں کیا کشش تھی کار میں تشریف رکھتے تھے اور لوگ پروانہ وار کار کے ارد گرد ہجوم کئے ہوئے تھے مجمع کو چیر کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک نورانی شخصیت رونق افروز ہے (اس زمانہ میں سیاہ خضاب کیا کرتے تھے) پیشانی پر سجدہ کا نشان ہرا اودی رومال سر پر بندھا ہوا اور اودی قبا جو کتھئی رنگ کا تھا اوپر پڑا ہوا۔ خفین پیروں میں۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شہنشاہ ہے زیارت ہوتے ہی تمام اوہام جو اس سے پہلے دل میں آیا کرتے تھے یکدم دور ہو گئے اور زیارت کے شوق میں دیوبند حاضری دی۔ ١٣٧٣ھ میں دورۂ حدیث کا سال شروع ہوا۔ احقر نہایت ہی شوخیاں حضرت کے سامنے کرتا تھا اور نہایت زیادہ بے ڈھنگے سوالات کرتا تھا مگر حضرت رح کبھی بھی چیں بجبیں نہ ہوتے بلکہ فرمایا کرتے کہ یہ دیکھو یہ چودھویں صدی کا مجتہد کیا کہتا ہے بعض دفعہ آدھ آدھ گھنٹہ تک حضرت کی اور احقر کی گفتگو دوران درس میں ہوتی رہتی تھی جس سے طلبہ بھی ناراض ہو جاتے تھے کہ یہ سبق آگے نہیں چلنے دیتا مگر حضرت والا نہ خفا ہوتے اور نہ منع فرماتے بلکہ برابر جوابات دیئے جاتے تھے۔

جب درس سے فارغ ہوتے تو جہاں اور طلباء حضرت کے ساتھ ہوتے احقر بھی حضرۃ کے مکان تک ساتھ جاتا اور تمام راستے بے ڈھنگے سوالات کرتا اور جوابات سنتا چلا جاتا۔ ایک مرتبہ چلتے ہوئے احقر نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی دعا رب اشرح لی صدری الخ کے بارے میں سوال کیا کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی تو فرمایا کہ ہاں ارشاد باری ہے قد اوتیت سؤلک یا موسےٰ الخ احقر نے عرض کیا کہ مفسرین لکھتے ہیں موسےٰ علیہ السلام کی زبان کی لکنت بالکل نہیں گئی تھی حالانکہ اوتیت الخ میں ماضی پر قد لایا گیا ہے تو کچھ دیر سکوت کیا پھر فرمایا کہ کہاں ہے وہ چودھویں صدی کا مجتہد،، تو احقر نے عرض کیا کہ حاضر ہے تو فرمایا کہ موسےٰ علیہ السلام کی دعا کو دیکھو من لسانی یفقھوا قولی پر من تبعیضیہ لایا گیا ہے اس لئے مفسرین کے اقوال بھی صحیح اور قد اوتیت الآیۃ بھی صحیح۔ بس شرح صدر ہو گیا ایک مرتبہ بنائے کعبہ کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ آیت ما کان للمشرکین ان یعمروا مسٰجد اللہ طلباء نے سوال کیا کہ مسجدوں میں مشرکین سے چندہ لینا جائز ہے یا نہیں تو جواب نفی میں فرمایا مدارس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے تو جواب اثبات میں تھا سبق سے فراغت کے بعد احقر نے چلتے ہوئے سوال کیا کہ جب مسجد میں مشرکین کا روپیہ پیسہ نہیں لگایا جا سکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو کیوں نہ منہدم کرایا جب کہ نبوت سے قبل تعمیر کعبہ مشرکین کے چندہ سے ہوئی تھی تو (مولوی فیض اللہ صاحب گونڈوی جو اس وقت حضرت کے خلفاء میں سے ہیں) سے فرمایا کہ یہ دیکھو یہ چودھویں صدی کا مجتہد کیا کہتا ہے۔ اور پھر یہ فرمایا کہ وہ حدیث آپ کے سامنے نہیں ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ اگر تیری قوم کا ابتدائی زمانہ اسلام نہ ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کرا کے بنائے ابراہیم پر اس کی بنیاد رکھتا بس تسلی ہو گئی کہ مصلحت کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ چنانچہ پھر بعد کو کیا گیا غرض شفقت کا یہ عالم تھا کہ کہیں دیکھا نہ سنا۔

مولانا عبدالرب صاحب حیدر آبادی متعلم دار العلوم دیوبند

(١) ابھی چند ماہ گذرے کہ شیخ الاسلام رح ایک طویل سفر سے تشریف لائے تھے فوراً ہی درس کی تیاری فرمانے لگے۔ دار العلوم دیوبند کے جلیل القدر استاد حضرت مولانا معراج الحق صاحب وہاں تشریف رکھتے تھے مولانا معراج الحق صاحب نے عرض کیا حضرت اتنے طویل سفر کے بعد بخاری شریف کے درس میں تو بہت زحمت ہو گی ارشاد ہوا "سبق کے معاملہ میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی،،

(٢) دو سرے پہلے ہی طلبہ کا مجمع دولت کدہ پر جمع ہو جاتا تھا کہ حضرت کے ہمراہ درسگاہ

وصالِ ولی کامل حضرت حسین احمد مدنی رح

١٩٥٧ء

از انیس ابن مسیح بنارسی

حسین احمد امیرِ کاروانِ مسلمِ ہندی
ملا یا منزلِ ہستی سے جس نے بادۂ ہستی

فقیہِ بے بدل تھے واقفِ اسرارِ قرآں تھے
انھیں کے حصے میں آئی تھی حق جوئی و حق بینی

گذر جانے سے ان کے ایک عالم دل شکستہ ہے
گھٹائیں غم کی چھائی ہیں، وہی غم کی ہے بے نوری

رقم ہونے لگا جب سالِ رحلت غم کی ظلمت میں
ندا آئی! انہیں سے روشنی ہے شمعِ مسلم کی

١٣٧٧ھ

احساس

ساحل صدیقی دیوبندی

ہو گئی ہے ختم اب تو زندگانی کی بہار
اشک ہیں آنکھوں میں اب ہم مسکرا سکتے نہیں
شدتِ غم نے ہمیں مجبور ایسا کر دیا
دل پہ جو گذری ہے اس کو بھی بتا سکتے نہیں

تک جائیں گے دھوپ یا بوندوں کے وقت ان طلبہ کا اصرار ہوتا تھا کہ حضرت کے اوپر چھتری لگالیں مگر کبھی اس کی اجازت نہیں دی۔ بغیر چھتری کے ایسے ہی درسگاہ تشریف لے جاتے تھے گویا اس راہ میں جو زحمت بھی ہو اس کو عین ثواب یقین فرماتے تھے۔

مولوی محمد جلیل صاحب موضع بیرواچند نپور

..یوسف کبورہ یا بازار ضلع گورکھ پور

میں نے ایک مرتبہ خلوت میں عرض کیا کوئی چیز ایسی عطا فرمادی جائے جس کو میں تازیست برکت کے لئے اپنے پاس رکھوں حسرتناک لہجہ میں جواب دیا ذکر اللہ سے بڑھ کر کیا چیز ہے جس کو اپنے پاس رکھا جائے۔ یہ الفاظ فرماکر خاموش ہو گئے اور دیر تک خاموش رہے نفی اور اثبات کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"اللہ کے علاوہ محبت کسی سے نہ کرنی چاہیئے البتہ حقوق سب کے ادا کرنے چاہئیں"

ایک مرتبہ تنہائی میں میں نے عرض کیا کہ آخر شب میں اکثر یہی دعا مانگا کرتا ہوں کہ اللہ تعالٰی تو مجھ سے راضی ہو جا۔ ارشاد ہوا۔

سب کاموں کا دار و مدار اسی پر ہے کہ اللہ راضی ہو۔

مولانا محمد یعقوب صاحب قاسمی بھر کبورا ضلع بیریچ

خطبۂ جمعہ عربی میں اور اس کی حکمتیں

(بلفظہ)

خطبہ اردو زبان میں کیوں نہیں دیا جاتا۔ اس سوال پر حضرت شیخ الحدیث والاسلام حضرت مدنی قدس اللہ سرہٗ نے ۲۷ ربیع الاول ۷۲ھ بروز سہ شنبہ دار العلوم دیوبند میں حسب ذیل تقریر فرمائی۔

ارشاد ہوا۔

آج اسلام کو تیرہ سو برس سے زیادہ ہو گئے خطبہ عربی زبان ہی میں پڑھا جاتا ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد قرون اولیٰ ہی میں اسلام ان ملکوں میں پہنچ گیا تھا جن کی زبان عربی نہیں تھی مگر کیا کوئی ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے کہ خطبہ عربی کے سوا کسی اور زبان میں پڑھا گیا اسلام کو سمجھنے اور سمجھانے کی آج زیادہ ضرورت ہے جب پشتہا پشت سے اسلام چلا آتا ہے یا اس وقت زیادہ تھی جب کہ اسلام بالکل نیا تھا فقہ، تفسیر، یا تاریخ کی کسی تصریح سے ثابت کر دیجئے کہ اسلام جن ملکوں میں پہنچا وہاں مقامی زبان میں پڑھا گیا۔

دوسری چیز یہ کہ انگریز دوسرے ملک سے یہاں آیا۔ یہاں آکر کورٹ اور دفاتر کی زبان انگریزی رکھی وکلا انگریزی میں بحث کرتے ہیں۔ جو قوانین بنتے ہیں وہ انگریزی میں حتیٰ کہ روزمرہ کے ریل کے قوانین اور ٹائم ٹیبل جو عوام کی ضرورت کی چیزیں ہیں وہ بھی انگریزی میں بنتی تھیں آج عام ہندوستان کی زبان اردو ہے مگر ناگری زبان ایجاد کی جا رہی ہے۔ اسی طرح تار ٹیلیفون انگریزی میں ہوتا ہے آخر اس کی کوئی وجہ ہے یا نہیں

اسلام عربی زبان چلانا چاہتا ہے تو کیا آپ کو اس کی خوشی نہیں کہ اسلام کی زبان جتنی چلے اتنا ہی اچھا ہے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ عربی الفاظ ہی کان میں نہ پڑیں۔ کچھ تو عربی کے الفاظ سن لو۔ صرف نماز میں قراءت اور خطبہ عربی زبان میں ہوتا ہے اس کو بھی اٹھانا چاہتے ہو۔ جیسا کہ مصطفیٰ کمال نے کیا کہ اذان تک کے الفاظ کو عربی سے بدل کر غیر عربی میں کر دیا۔ تیرہ سو برس تک اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی آج اس کی ضرورت ہے کہا جاتا ہے خطبہ اردو میں پڑھنے سے اس کا اثر لوگوں پر بجلی کی طرح ہوتا ہے بھائیو! بجلی کی سی طاقت عمل کی وجہ سے ہو سکتی ہے تقاریر آج بیشمار ہوتی ہیں اخبارات میں نصیحتیں چھپتی ہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا تو کیا اس دس منٹ کے خطبہ سے ہوگا۔

تیسری چیز ہر قوم اپنے مذہبی شعار کے قیام اور یونیفارم کو قائم رکھنے کی کوشش کرتی ہے انگریز ٹھنڈے ملک کا رہنے والا ہے جو وضع قطع اس ملک کے لحاظ سے اس نے اختیار کی تھی اس کو ہندوستان جیسے گرم ملک میں آکر بھی نہیں چھوڑا۔ سکھ آج اپنے یونیفارم کو وہ جہاں بھی جاتا ہے پہچان لیا جاتا ہے یاد رکھئے جس قوم نے اپنی یونیفارم کو چھوڑ دیا اور اس کی پرواہ نہیں کی۔ وہ دنیا میں اپنی مستقل حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکتی۔ آج ہندو اپنی مردہ زبان سنسکرت کو زندہ کرنے کی کوشش کریں مگر مسلمان اپنی زندہ زبان سے اجتناب برتیں۔ ایک دہ تھے جو فلسطین، طرابلس، شام، سوڈان غرض جہاں پہنچے وہاں کی زبان عربی بنا دی اور آج ہم ہیں کہ رہی سہی بھی مٹانا چاہتے ہیں۔

چوتھی بات اس میں شرعی اور دینی پہلو بھی ہے یعنی یہ کہ خطبہ قائم مقام دو رکعت کے ہے اب اس سے اندازہ کیجئے کہ یہ غیر عربی میں کیسے ہو سکتا ہے غور فرمایئے اگر ہندو ایک مردہ سنسکرت کو زندہ کرنا چاہتے ہیں تو مسلمان ایک زندہ زبان کو کیوں باقی رکھنے کی کوشش نہ کریں۔

تمنا از: عمر الدین شاد لدھیانوی

چھن گئی ہم سے متاع علم و دانش چھن گئی
سر بلندی کا دیا جس نے سبق اقوام کو
جس کی تابانی سے روشن محفل ہند و عرب
علم و حکمت کے رواں ہر سمت دریا ہو گئے
گر کہوں کو جس نے دکھلائی رہ مستقیم

رنگ کیا دکھلا رہی ہے گردش لیل و نہار
جس نے ذلت کی قبا کو کر دیا تھا تار تار
گلشن اسلام کی قائم رہی جس سے بہار
موجزن سینے میں تھا اک بحر ناپیدا کنار
اس کے مرقد پر خدا کی رحمتیں ہوں بے شمار

ہے تمنا حشر میں اٹھوں ترے خدام میں
شاد بھی ہو جائے اپنی آرزو میں کامگار

نذرِ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

ایم۔ اے حفیظ بنارسی ایم۔ اے

سیر و تفریح کا ہر لطف گیا تیرے بعد
راس آئے گی نہ گلشن کی ہوا تیرے بعد
بدلی بدلی ہے گلستاں کی فضا تیرے بعد
اب نہ وہ گل ہیں نہ وہ ان کی ادا تیرے بعد
اُف! کہ گلزار ہوئے دشتِ بلا تیرے بعد

آگ ہر انجمنِ دل میں لگی ملتی ہے
دیدۂ اہلِ زمانہ میں نمی ملتی ہے
کوئی محفل ہو مگر تیری کمی ملتی ہے
ہر طرف اک صفِ ماتم سی بچھی ملتی ہے
تیری رحلت سے ہے وہ حشر بپا تیرے بعد

کس کے سینے میں ہے تصویرِ خدا تیری طرح
کس سے کی جائے گی تفسیرِ خدا تیری طرح
کون دکھلائے گا تنویرِ خدا تیری طرح
کس سے اٹھے گی یہ شمشیرِ خدا تیری طرح
ہم بتائیں تو کسے راہ نما تیرے بعد

کس کے کردار میں ہم پائیں گے اب صدق و صفا
کون سکھلائیگا دنیا میں ہمیں رازِ بقا
کون دکھلائے گا ہم کو رہِ تسلیم و رضا
کس سے اب دادِ وفا پائیں گے ہم اہلِ وفا
بزمِ عالم سے اٹھا رسمِ وفا تیرے بعد

اب کوئی حاملِ اخلاق و محبت نہ رہا
اب کوئی پیکرِ احکامِ شریعت نہ رہا
کوئی اب محرمِ اسرارِ حقیقت نہ رہا
ہائے افسوس کوئی پیرِ طریقت نہ رہا
تیرے عشاق کہاں جائیں بتا تیرے بعد

اب بھی محفل ہے مگر گرمیٔ محفل نہ رہی
بزم اب بھی ہے مگر دید کے قابل نہ رہی
ہر مسافر کو گلہ ہے کہ وہ منزل نہ رہی
پردے ہی پردے میں اب لیلیٔ محمل نہ رہی
قیس صحرا سے بھی مایوس ہوا تیرے بعد

فلکِ ہند پہ وہ ماہِ درخشاں نہ رہا
ہائے وہ ساقیٔ خم خانۂ عرفاں نہ رہا
ما لٹا خاک بسر ہے کہ وہ انساں نہ رہا
اس کی دیواروں میں وہ یوسفِ کنعاں نہ رہا
درِ زنداں ہے تیرے غم میں کھلا تیرے بعد

سامنے اب تیری تصویر کہاں سے لائیں
تیری شیرنیٔ تحریر کہاں سے لائیں
دل کشیٔ لبِ تقریر کہاں سے لائیں
اب دعاؤں میں وہ تاثیر کہاں سے لائیں
ہم اٹھاتے تو ہیں یہ دستِ دعا تیرے بعد

انجمنِ دانش و حکمت کی الم کوش ہے آج
شمعِ دربارِ سیاست ہے کہ خاموش ہے آج
ہوش کی بات کرے کون کسے ہوش ہے آج
زندگی کا ہے کو ہے بارِ سر دوش ہے آج
تیری عظمت کا پتہ پائے لگا تیرے بعد

تیرے اعمال ابد تک نہ مریں گے ہرگز
مرنے والے! تجھے مردہ نہ کہیں گے ہرگز
تیری توہین نہ اس طرح کریں گے ہرگز
ہم تری یاد سے غافل نہ رہیں گے ہرگز
رہنما ہے ترا نقشِ کفِ پا تیرے بعد

روح پاکیزہ تیری سایۂ رحمت میں رہے
تو خداوند کے دامانِ عنایت میں رہے
ہے جو مخصوص اسی گوشۂ راحت میں رہے
اُس کے محبوبؐ جہاں ہیں اسی جنت میں رہے
تیری خاطر ہے یہی میری دعا تیرے بعد

کرامات و مکاشفات

(از مولانا محمد جمیل الرحمن السیوھاروی
دام ظلہم
مفتی دار العلوم دیوبند)

(بلفظہ)

مشائخ کرام اور اولیاء اللہ کی سوانح کا اہم باب کشف و کرامات بھی ہے۔ کشف و کرامات اگرچہ لوازم ولایت سے نہیں ہیں لیکن اگر کسی مقبول بندہ کو منجانب اللہ بہ عطا ہوں تو دلیل ولایت ہیں اور اعلیٰ مناقب میں شامل ہیں حضرت قدس سرہ کو حق تعالیٰ نے اس ثمرہ ولایت سے بھی ممتاز طور پر حظ وافر عطا فرمایا تھا حتیٰ کہ اگر ان واقعات کو بالاستیعاب جمع کیا جائے تو محض اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن پیش نظر سطور میں حسب مصداق مشتے نمونہ از خروارے صرف چند واقعات جو اس قلیل فرصت میں محدود ے چند حاضرین و واردین سے معلوم ہوئے ہیں یا چشم دید ہیں ہدیۂ ناظرین کئے جا رہے ہیں۔

(۱) حضرت مولانا حمید الدین صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ تحریر فرماتے ہیں مجھ سے ریاست علی خاں صاحب مرحوم ساکن رسول پور تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اور حضرت مولانا رح اور میاں سید بشیر الدین صاحب حضرت مولانا کی سسرال قتال پور ضلع اعظم گڑھ جا رہے تھے تینوں آدمی گھوڑے پر سوار تھے گرمی کی شدت سے پریشان تھے میں نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ حضرت دھوپ کی شدت سے سخت پریشانی ہے حضرت مولانا رح خاموش رہے تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ابر کا ٹکڑا نمودار ہوا۔ اور بڑھتے ہم لوگوں پر سایہ فگن ہو گیا اور نہایت آرام سے ہم لوگ چلنے لگے تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دور سے پانی آ رہا ہے میں نے حضرت مولانا رح سے عرض کیا کہ حضرت وہ دھوپ ہی اچھی تھی۔ اب تو بھیگے ہوئے سسرال پہنچیں گے حضرت مولانا رح پھر خاموش رہے یہاں تک کہ پانی سر پر آ گیا لیکن خدا کی قدرت ہر چہار طرف پانی برس رہا تھا۔ گھوڑے پانی میں چل رہے تھے لیکن ہم لوگوں پر پانی کا کوئی قطرہ نہیں پڑ رہا تھا۔

چونکہ خاں صاحب مرحوم نے سید بشیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہونے کا ذکر فرمایا تھا۔ اس لئے میں نے ان سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو انھوں نے بھی تصدیق فرمائی۔

(۲) مولانا سلطان الحق صاحب قاسمی ناظم کتب خانہ دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں ۵۲ھ کا واقعہ ہے ۱۲ سال کی تمناؤں کے بعد میرے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان رکھا اس وقت اہل خانہ اپنے وطن حبیب والا ضلع بجنور ہی میں تھے تقریباً نو ماہ بعد مغرب کی نماز کے بعد حسب عادت حضرت رح کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا کہ مکان کب سے نہیں گئے (میرا خود کا قیام اس وقت بسلسلہ تعلیم دیوبند تھا) میں نے عرض کیا کہ تقریباً چار ماہ ہو گئے فرمایا کہ گھر جاؤ گھر والوں کا بھی حق ہے میں نے عرض کیا کہ سہ ماہی امتحان قریب ہے اس کے بعد ارادہ ہے ارشاد ہوا امتحان کے بعد بھی ہو آنا۔ اور اب بھی جاؤ۔ چنانچہ میں نے ارادہ کر لیا مگر کسی وجہ سے تین روز کی تاخیر ہو گئی۔ تیسرے روز گھر سے تار پہنچا کہ نعمان کا انتقال ہو گیا۔ جانا طے ہی تھا فوراً چل پڑا۔ گھر پہنچ کر نعمان کی بیماری کے جو حالات معلوم ہوئے ان سے یہ اندازہ بالکل صحیح قائم ہوا کہ حضرت کے فرمانے کا جو وقت تھا۔ وہی وقت نعمان کی بیماری کی شدت کا تھا اور انجام کار وہی شدت اس کی موت کا سبب ہوئی۔

(۳) ایضاً ایک مرتبہ میں حضرت کو دیوبند میں اسٹیشن تک پہنچانے کے لئے جا رہا تھا جب تانگہ تحصیل کے سامنے پہنچا تو اسٹیشن سے تانگے مسافروں کو لئے ہوئے واپس ہو رہے تھے (اسٹیشن اس جگہ سے تقریباً پون میل کے فاصلہ پر ہے) میں نے تانگہ والا سے کہا کہ تانگہ واپس کر لو۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں اسٹیشن چلو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت گاڑی کو آئے ہوئے اتنی دیر ہو گئی ہے کہ تانگے سواریاں لے کر یہاں تک آ چکے ہیں فرمایا اپنی سی کوشش تو کرنی چاہیئے۔ میں خاموش ہو گیا اور دل ہی دل میں سوچتا رہا کہ اس سے کیا فائدہ مگر جب تانگہ اسٹیشن پہنچا تو معلوم ہوا کہ گاڑی بہت دیر سے کھڑی ہے بڑا تعجب ہوا حضرت نے ٹکٹ لیا۔ اطمینان سے سوار ہوئے۔ گاڑی چھوٹ گئی تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ انجن خراب ہو گیا تھا جب حضرت سوار ہو چکے درست ہو گیا۔ حضرت کا یہ سفر بہت ہی ضروری تھا۔

(۴) ایضاً ہم نے دیوبند میں ضلع جمعیۃ علماء کا اجلاس منعقد کیا احمد حسن صاحب مکھیا نے جو دیوبند کے مشہور آدمی ہیں اور حضرت کے خادم ہیں اسی روز حضرت کی دعوت کی حضرت نے فرمایا کہ میرے یہاں کافی مہمان ہیں پرسوں یہ لوگ رخصت ہو جائیں گے اس کے بعد دعوت کر دیجئے انہوں نے عرض کیا کہ مہمانوں سمیت دعوت ہے حضرت نے منظور فرما لیا مہمانوں کا اندازہ کیا گیا تو ساٹھ اور ستر کے قریب تھا انہوں نے اسی (۸۰) مہمانوں کے لئے کھانا تیار کرایا مگر جب شام کو کھانا کھلانے کی غرض سے مکھیا احمد حسن صاحب حضرت کو بلانے کے لئے پہنچے تو چونکہ اس وقت تک دیوبند میں دونوں طرف کی گاڑیاں آ چکی تھیں اس لئے مہمانوں کی تعداد اچانک تین سو کے قریب ہو گئی حضرت تمام مہمانوں کو ساتھ لے کر مکھیا صاحب کے یہاں پہنچے وہ اس وقت بے حد متفکر تھے اس مجمع میں مولانا بشیر احمد صاحب بھٹہ مرحوم رکن جمعیۃ علماء ہند بھی موجود تھے حضرت مہمانوں کے ساتھ مکھیا صاحب کے صحن میں رونق افروز ہو گئے میں نے مولانا بشیر احمد صاحب کو علیحدہ بلا کر صورت حال سے آگاہ کیا اور جیسا کہ ان کی خصوصیت تھی کہ نہ وہ خود کبھی پریشان ہوتے تھے اور نہ دوسروں کو پریشان دیکھنا پسند کرتے تھے برجستہ فرمایا کہ کسی کی شادی تو ہے نہیں کہ شکایت ہو گی۔ ہم بیٹھے ہیں خشکہ اور مسور کی دال دیگوں میں فوراً تیار کرا لو۔ یہ بات مکھیا صاحب کی اور میری بھی سمجھ میں آ گئی کہ یہ کھانا تو ہم زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ میں سب کو دے دیں گے ادھر مجمع کو بشیر احمد صاحب مرحوم نے دلچسپ قصوں اور قہقہوں میں مصروف کر دیا ہم انتظار میں لگنا چاہتے ہی تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو احساس ہوا بڑی خوبصورتی سے مجمع سے اٹھے میں قریب میں حاضر تھا ہاتھ پکڑ کر حقیقت حال معلوم فرمائی اور مجھے لے کر کھانے کے پاس تشریف لے گئے اور پلاؤ کی دیگ کا حضرت نے ڈھکن اٹھایا اور کچھ پڑھا

اور ایک لقمہ چاول دیگ میں سے نکال کر آدھے کھائے اور آدھے دیگ میں ڈال دیئے شوربے کے برتن سے کچھ شوربا لیا کچھ پیا باقی دیگ میں ڈال دیا روٹی کے ڈھیر میں سے ایک لقمہ توڑ کر کھایا مگر اس میں کچھ ڈالا نہیں اب مجھے حکم دیا کہ میرا رومال لو اور دیگ پر ڈھانک دو اور یہیں رہو۔ تم خود کھانا نکالو مگر کوئی چیز کھلنے نہ پائے اس طرح نکالو کہ تمہاری نظر بھی کھانے پر نہ پڑے۔ یہ فرما کر حضرت مجمع میں جا بیٹھے ادھر مکھیا صاحب کو بھی یہ معاملہ معلوم ہوا تو فرطِ عقیدت میں انہوں نے شور مچایا کہ کھانا اتارو۔ چنانچہ میں چاول اتارنے لگا اور پوری ہدایات پر عمل کرتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مجمع نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور اب تو مکھیا صاحب کا بھی دل بڑھ چکا تھا۔ ہر ہر مہمان کو خوب تقاضے کے ساتھ کھانا کھلا رہے تھے الغرض وہی ایک دیگ جو معمولاً ساٹھ افراد کے لئے کافی ہو سکتی تھی اس میں تین سو سے زائد افراد نے خوب شکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور شوربے اور روٹی کا پورا سامان یوں ہی بچ گیا جس کو اگلے دن مکھیا صاحب نے حضرت کے یہاں پہنچا دیا۔ اور تمام مہمانوں کو ناشتہ کرایا۔

(۵) ہندوستان کی آزادی سے کچھ عرصہ پیشتر کا واقعہ ہے کہ ہاشم پور ضلع بجنور میں بڑے پیمانہ پر پولٹیکل کانفرنس منعقد ہوئی حضرت قدس سرہٗ غالباً شب کی کسی گاڑی سے وہاں رونق افروز ہوئے۔ کانفرنس کے پنڈال اور میدان کو عمدہ طور پر سجایا گیا تھا جون کا مہینہ تھا اس سے پیشتر آسمان صاف تھا لیکن تاریخ انعقاد کی شب میں اچانک زور و شور کے ساتھ گھٹا اٹھی۔ اور صبح ہوتے ہوئے بارش کے آثار نزدیک ہو گئے۔ اس منظر کو دیکھ کر کانفرنس کے منتظمین گھبرا اٹھے اور وہ ایک وفد کی شکل میں حضرت کی خدمت میں بارش کے التواء کی دعاء کی غرض سے حاضر ہوئے کچھ اس طرح فرما کر ٹال دیا کہ آپ محض اپنی رونق کی خاطر کاشتکاروں کی منہ مانگی مراد کو ملیامیٹ کر دینا چاہتے ہیں اس کے بعد حضرت والا خیمہ کے بغلی کمرہ میں آرام فرما ہو گئے اور مجمع وہاں سے چلا آیا۔ آمدم برسرِ مطلب، اسی دوران میں جامع الروایات غفرلہٗ کو جلسہ گاہ میں ایک برہنہ سر مجذوبانہ ہیئت کے غیر متعارف شخص نے علیحدہ جا کر ان الفاظ میں ہدایت کی کہ مولوی حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کہہ دو کہ اس علاقہ کا صاحب خدمت میں ہوں اگر وہ بارش ہٹوانا چاہتے ہیں تو یہ کام میرے توسط سے ہوگا۔ راقم الحروف اسی وقت خیمہ میں پہنچا جس پر حضرت والا نے آہٹ پا کر وجہ آمد معلوم فرمائی اور اس پیغام کو سن کر ایک عجیب پر جلال انداز میں بستر استراحت ہی سے ارشاد فرمایا جائیے۔ کہہ دیجئے بارش نہیں ہو گی چنانچہ باہر آ کر یہ جواب پہنچانے کے لئے ہر چند ان صاحب کو تلاش کیا لیکن خدا ہی جانتا ہے وہ کہاں چلے گئے اور نہیں ملے مگر تھوڑی دیر بعد وہ گھرے ہوئے تہ بتہ بادل ہٹنا شروع ہو گئے اور منٹوں ہی میں آسمان صاف ہو گیا پھر جب تک کانفرنس جاری رہی بارش نہیں ہوئی۔

(۶) جامع غفرلہٗ کے والد ماجد عالی جناب حافظ محمد مختار احمد خان صاحب مرحوم ومغفور کے والد صاحب کے مرض الوفات میں ہم گھر والوں کے لئے یہ بات تکلیف دہ تھی کہ محترم کی زیادہ توجہ انتظام جائیداد وغیرہ امور دنیا کی جانب مبذول ہے لیکن وہ ذکر یا امور آخرت کی طرف کما حقہٗ متوجہ نہیں ہیں وفات کے دن حضرت والد ان کی عیادت کی غرض سے سیوہارہ رونق افروز ہوئے اور اس کیفیت کا مشاہدہ فرمایا۔ نمازِ مغرب کے متصل والد صاحب پر کیفیت نزع طاری ہو گئی تو حضرت والا نے چارپائی کے سرہانے کھڑے ہو کر چشم مبارک بند کر کے کافی دیر تک مراقب رہ کر خاص توجہ سے نوازا۔ خدا شاہد ہے کہ اس کے بعد ان کی وہ زبان جو تتلا چکی تھی اچانک اس طرح ذاکر ہو گئی۔ کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہر طرف سے ذکر کی آواز آ رہی ہے اور اسی حالت میں حضرت مرحوم کی وفات ہو گئی۔

(۷) الیکشن ۴۵ء کے دورہ کے سلسلہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ چاند پور سے بذریعہ اسٹیمر گوالندو تشریف لے جا رہے تھے ہمراہ کئی خدام تھے اسی اسٹیمر میں ایک عورت کا بچہ سخت بیمار تھا بخار بہت تیز تھا اور آنکھیں وغیرہ پتھرا گئی تھیں وہ عورت اور اس کا خاوند دونوں رو رہے تھے حضرت کے ایک خادم نے اس بچہ کی یہ حالت دیکھی تو اس نے اس عورت کے خاوند سے کہا کہ تھوڑا سا پانی لے کر فلاں کیبن میں ایک بزرگ بیٹھے ہیں انکے پاس لے جاؤ اور ان سے دم کرا کے اس بچہ کو لا کر پلا دو۔ مگر یہ نہ بتانا کہ تم سے کس نے یہ بات بتائی ہے چنانچہ وہ ایک گلاس میں پانی لے کر گیا اور حضرت سے دم کرا کے بچے کو پلا دیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد پھر وہ بوتل میں پانی لے کر آیا اور کہنے لگا کہ بچہ کو پانی پلاتے ہی بخار اترنا شروع ہوا اور اس وقت بالکل بخار نہیں ہے اس بوتل کے پانی کو بھی دم کر دیجئے تاکہ اگر پھر اس کی طبیعت خراب ہو جائے۔ تو اسے استعمال کراؤں۔

(۸) منشی محمد حسین صاحب کا دلّی سے ایک واقعہ صاحبزادہ مولانا اسعد صاحب سلمہٗ نے یہ نقل کیا کہ جس زمانہ میں حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ سابرمتی جیل میں تھے اسی زمانہ میں منشی محمد حسین صاحب بھی بحیثیت سیاسی قیدی کے جیل میں تھے منشی محمد حسین صاحب حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن شریف اور دینیات پڑھا کرتے تھے ایک اخلاقی قیدی کو پھانسی کی سزا کا حکم ہو گیا۔ اس نے

محمد حسن شرر میتوی

متضمن بہ وفات حسرت آیات زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند حضرت مبرور مغفور مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

قدوۃ السالکینِ اہلِ فراغ ۔۔۔ مایۂ انشراحِ قلب و دماغ
آہ مرگِ حسین احمد سے ۔۔۔ بجھ گیا زہدِ ایشیا کا چراغ

محمد حسن شرر مسوری

منشی محمد حسین صاحب سے ذکر کیا کہ تم اپنے باپو سے کہو کہ میرے لئے دعا کریں کہ رہا ہو جاؤں منشی محمد حسین صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ سے درخواست کی۔ دو ایک مرتبہ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ڈانٹ دیا۔ پھر ایک دن منشی محمد حسین صاحب نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ اچھا اس سے کہو کہ فلاں وظیفہ پڑھا کرے۔ چنانچہ اس نے دو تین روز تک وظیفہ پڑھا مگر اس کے دل کو تسکین نہ ہوئی پھر اس نے کہلایا کہ باپو سے کہو کہ دعا کریں منشی محمد حسین صاحب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سر ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا جا کر اس سے کہو کہ وہ رہا ہو گیا منشی محمد حسین صاحب نے اس قیدی سے کہہ دیا کہ باپو نے کہدیا کہ تو رہا ہو گیا۔ دو ایک روز گزرنے کے بعد اس قیدی نے پھر بے چینی کا اظہار کیا کہ اب تک کوئی حکم نہیں آیا اور میری پھانسی میں چند روز ہی رہ گئے ہیں منشی محمد حسین صاحب نے پھر آکر عرض کیا تو فرمایا کہ میں نے کہہ تو دیا کہ وہ رہا ہو گیا۔ اس کے بعد دو یا ایک یوم پھانسی کو رہ گئے تھے کہ اس کی رہائی کا حکم ہو گیا۔

مولانا عبدالحق دامانی صاحب کے سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک شخص کان پور کا دیوبند میں آیا اور اس نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ چودہ سال ہوئے میں اپنے وطن میں ایک کنویں پر پانی بھر رہا تھا۔ ادہر سے ایک جوگی گذرا۔ اس جوگی نے میرے اوپر نگاہ ڈالی۔ بس وہ دن ہے اور آج کا دن میں اس جوگی کے ساتھ ہوں میں کہیں بھی جاتا ہوں تو وہ جوگی اپنی روحانی قوت سے مجھے کھینچ لیتا ہے اب میں بہت پریشان ہوں کہ کیا کروں میں مسلمان ہوں۔ اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک تھپڑ مارا اور ایک وظیفہ بتایا کہ اسے پڑھو۔ چنانچہ رات کو اس نے وہ وظیفہ پڑھا اور سو گیا صبح اٹھ کر اس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ایک خواب بیان کیا کہ رات کو میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک شیر مجھ پر حملہ آور ہوا۔ تو آپ (یعنی حضرت رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک تلوار لے کر اس شیر پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔

اب جب میں صبح اٹھتا ہوں تو اس جوگی کی میرے دل میں قطعاً محبت نہیں رہی۔
حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خواب سن کر فرمایا کہ اچھا تم آج ہی فوراً کان پور چلے جاؤ چنانچہ وہ کان پور چلا گیا۔

(۸) صاحبزادہ مولانا اسعد صاحب دامت برکاتہم بیان فرماتے ہیں۔ غزالی صاحب دہلوی نے مدینہ طیبہ میں مجھ سے بیان کیا کہ میں دہلی کے ایک سیاسی جلسہ میں شریک ہوا۔ حضرت والا بھی اس میں تشریف فرما تھے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ کچھ عورتیں بھی اسٹیج پر بیٹھی ہوئی ہیں دل میں خیال گزرا کہ وہ شخص کیا ولی ہو سکتا ہے جو ایسے مجمع عام میں جس میں عورتیں بھی موجود ہیں یہ خیال آکر حضرت سے اس درجہ نفرت پیدا ہوئی کہ میں جلسہ سے چلا آیا اس ہی شب میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت نے مجھے سینہ سے لگا لیا ہے چنانچہ اس ہی وقت میرا قلب ذاکر ہو گیا اور وہ نفرت عقیدت سے بدل گئی۔

(احقر جامع عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ ایسے مجامع میں ان حضرات کی شرکت بالضرورۃ اور بغض بصر کے ساتھ ہوتی تھی اس لئے وہ وسوسہ بے بنیاد تھا)

(ایضاً نمبر ۱۱) مولوی لبشیر الدین صاحب ہنس پوری کی صاحبزادی سخت علالت کے بعد لب دم ہو چکی تھیں حضرت بھی اس وقت ہنس پور رونق افروز تھے مولانا موصوف حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر رونے لگے حضرت اسی وقت ان کے ساتھ زنانہ خانہ میں تشریف لے گئے اور بچی پر دم کیا اور اس پر دم کیا اور اس کی چارپائی کے ارد گرد چکر لگا کر فرمایا کہ یہ تو اچھی خاصی ہے چنانچہ اس ہی وقت سے بچی کو تخفیف شروع ہو گئی اور چند ہی دنوں میں وہ اچھی خاصی ہو گئی۔

(ایضاً نمبر ۱۲) دیولہ ضلع بھڑوچ گجرات میں تقریباً تین چار سال ہوئے حضرت جب تشریف فرما ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے ایک کنویں کے کھاری ہونے کی حضرت سے شکایت کی حضرت نے علیحدہ پانی پر دم کیا۔ جس کو کنویں میں ڈال دیا گیا اور دعا بھی فرمائی اس کے بعد کنواں شیریں ہو گیا۔

اب خیریت کہاں

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی

حاجی محمد حسین صاحب گزک والے دلی کی مشہور پنجابی برادری کے سربرآوردہ بزرگ ہیں اور حضرت شیخ مدنی کے مخصوص خدام میں سے ہیں دفتر جمعیتہ علماء ہند دہلی کے زمانۂ قیام میں حاجی صاحب کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اور مدارات کا اکثر شرف حاصل رہتا تھا شیخ کے وصال کے بعد راقم (اخلاق حسین قاسمی) نے ایک روز حاجی صاحب کی مزاج پرسی کی تو حاجی صاحب نے فرمایا بھائی حضرت کے بعد اب خیریت کہاں ؟ یہ جملہ راقم کے دل میں تیر کی طرح لگا حقیقت یہ ہے کہ اہل اللہ کا اٹھ جانا معمولی حادثہ نہیں۔ بہت بڑا سانحہ ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے مرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں مستریح اومستراح۔ ایک تو وہ جو مر کر خود آرام پا لیتے ہیں مگر ایک دنیا کو بے آرام و بے قرار چھوڑ جاتے ہیں دوسرے وہ جو خود تکلیف و آلام کی زندگی میں گرفتار ہو جاتے ہیں مگر ان کے مرنے سے بندگان خدا آرام کا سانس لیتے ہیں۔ خدا رب العزت کا شکر ادا کرتے ہیں —————— یہ بڑے لوگوں کی موت ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان ہی حضرات میں سے ہیں جن کی موت ان کے لئے وصال محبوب اور تقرب الٰہی کا ذریعہ بنی مگر ہزاروں نہیں لاکھوں بندگان الٰہی کے دل اس حادثہ سے ہل گئے۔

حاجی صاحب نے بتایا ۵۷ھ کے شروع میں جمعیتہ العلماء کانفرنس میں حضرت نے شرکت فرمائی میں بھی حضرت کی رفاقت کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے شریک سفر ہو گیا حضرت نے مسجد کے متصل ایک حجرہ میں قیام فرمایا۔ دوران قیام میں ایک دفعہ میں جو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو حضرت نے اندر سے فرمایا ، حافظ صاحب اندر آجائیے حضرت کی زبان مبارک سے حافظ کا لفظ سن کر میں سناٹے میں آ

گیا دل میں شرمندہ ہوا اور خیال آیا مجھے تو قرآن کریم کچھ اچھا یاد نہیں ہے یہ حضرت نے کیا فرما دیا یہ خیال لے کر میں اندر جاکر بیٹھ گیا بیٹھتے ہی حضرت نے فرمایا حافظ صاحب! میرا ذہن بھی خراب ہے بھورے رنگ کی ایک خاص چڑیا ہوتی ہے وہ کھایا کیجئے۔ ذہن اچھا ہو جائیگا اور عرب کے لوگ پانی کم پیتے ہیں ان کا ذہن بھی اچھا ہوتا ہے۔

راقم کا کہنا ہے حاجی صاحب کے دل میں جو خیال گذرا حضرت مدنی رح کی قوت ایمانی نے اسے محسوس کر لیا اسے اصطلاح تصوف میں کشف قلوب کہتے ہیں یہ اہل اللہ کی بہت بڑی کرامت ہے اکابر اولیاء اللہ کرامت کے اظہار میں بہت محتاط رہتے ہیں اظہار کرامت وکمال کو بندگی کے عجز و نیاز کے خلاف سمجھتے ہیں اور اظہار کرتے ہیں تو وہیں کرتے ہیں جہاں کوئی دینی ضرورت ہوتی ہے اس موقع پر ایک محب خاص کی ندامت کو محسوس فرماکر اس کی غلطی کے لئے حضرت نے اپنی فراست ایمانی اور قوت قلبی کا اظہار فرمایا ورنہ حضرت کا تو یہ حال تھا کہ مجلسوں میں کمالات کا اظہار تو کجا اس قسم کی گفتگو سے بھی اجتناب فرماتے تھے جس میں تقدس کی نمائش ہوتی ہو۔ ایک بزرگ فرماتے تھے مجھے حضرت مدنی رح کی خلوتوں اور جلوتوں میں سینکڑوں دفعہ شریک ہونے کا موقع ملا لیکن کبھی آپ کی زبان سے میں نے تقدس و بزرگی کا اظہار نہ سنا۔ صرف ایک دفعہ حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ کے بارے میں اتنا فرماتے ہوئے سنا۔ میاں جی رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ میں دل لگتا ہے اس میں انوار محسوس ہوتے ہیں۔

از مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی بجنور

قیام آسام کا واقعہ ہے کہ سلہٹ کے ایک صاحب بھی ہمارے (یوپی والوں) کے کمرے میں مقیم تھے لیکن ان کے گھٹنے میں اتنی شدت کا درد تھا کہ کمرے سے باہر نہیں نکل سکتے تھے دن رات درد کی شدت سے کراہتے تھے ایک دن حضرت رح ظہر کی نماز پڑھ کر تشریف لائے اور درد کے مقام کو پکڑوا کر سورۂ فاتحہ (مخصوص ترتیب سے) پڑھی۔ درد اسی وقت ختم ہو گیا اور ایسا ہو گیا کہ درد نام کو نہ تھا۔

( ) دیوبند میں ایک دن عصر کی نماز کے بعد حضرت رح مسجد سے نماز پڑھ کر تشریف لا رہے تھے ایک ہندو راستے میں ملا اور بغل سے ایک بنڈل نکال کر عرض کیا کہ اب سے ڈھائی سال پیشتر میرے اوپر تین سو مقدمے تھے آپ نے کاغذوں کے بنڈل پر دم کر دیا تھا سو اب دس مقدمے باقی ہیں لہٰذا ان مثلوں کے اوپر دم اور کر دیجئے تاکہ یہ دس بھی ختم ہو جائیں۔

مولوی محمد جلیل صاحب موضع بیروا چندن پور

ضلع گورکھپور

میرا ایک لڑکا پڑھنے میں بدشوق اس میں آوارگی بھی آنے لگی تھی میں نے حضرت سے بار بار اس کی شکایت کی۔ اسی سال جب بڑا لڑکا محمد ابراہیم جو دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پا رہا ہے رمضان شریف کی تعطیلات کے بعد حاضر خدمت ہوا تو فرمایا اپنے بھائی کو نہیں لائے ہو مجھ سے جب محمد ابراہیم نے کہا کہ حضرت نے یہ ارشاد فرمایا "تم بھائی کو کیوں نہیں لائے" میں سمجھ گیا کہ خاص اشارہ ہے میں نے فوراً اس آوارہ گرد لڑکے کو خدمت مبارک میں بھیج دیا میں یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ حضرت شیخ کی ایک ہی نظر نے اللہ کے حکم سے لڑکے کی کایا پلٹ دی جب وہ واپس پہنچا تو ہر ایک کو حیرت ہے کہ کیا تھا کیا ہو گیا؟ میری خود حالت یہ ہے کہ میں اس کی بیہودگیوں سے بیزار تھا اور آج اس کی سلامت روی سے دعاگو ہوں اور اس کی بے نفسی پر رحم آتا ہے اللہ تعالےٰ استقامت بخشے۔

از مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی

(حضرت کے داماد)

(۱) ایک مرتبہ بیس پچیس مہمانوں کے اندازے سے کھانا تیار کیا گیا۔ حضرت اقدس اللہ سرہٗ مدرسے سے ساڑھے گیارہ کے قریب پڑھا کر لوٹے۔ دسترخوان بچھایا گیا تو معلوم ہوا کہ پچاس سے زائد مہمان ہیں اب بڑی فکر ہوئی کہ فوری طور پر کیسے انتظام کیا جائے۔ چنانچہ باہر سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا گیا جب تشریف لائے تو صورت حال عرض کی گئی۔ آپ رح نے فرمایا کہ اچھا لاؤ جتنی روٹی ہو مجھے دیدو۔ دسترخوان میں لپٹی ہوئی روٹی خود لے کر باہر تشریف لے گئے اور اپنے سامنے رکھ کر اس میں سے روٹی نکال نکال کر سب کو دینی شروع کر دی جب تمام مہمان کھانے سے فارغ ہو گئے اور دسترخوان اٹھایا گیا تو معلوم ہوا کہ دو

نذرِ عقیدت

شیخ العرب والعجم کی یاد میں

اے اسیرِ مالٹا اے نیرِ صبحِ وطن
ہو گئی بے نور چھپ جانے سے تیرے انجمن

درس تیری زندگی سے اے حسین احمد ملا
کوششِ پیہم بدل سکتی ہے تقدیرِ زمن

زندگی تیری تھی سنت اور قرآں کی امیں
تاحیات اس راہ پہ ہی تو رہا ہے گامزن

اے گلِ رعنائے ملت اے ریاضِ حق کے پھول
بس گئی ہیں نکہتیں تیری چمن اندر چمن

آج سونی ہو گئی ہے محفلِ شیخ الحدیث رح
اُٹھ گیا ہے جانشینِ شیخ محمود الحسن رح

(شوکت علی اسیر ملدوانی)

نیز روٹیاں بچ رہی ہیں۔

(۴) ایک مرتبہ پچاس ساٹھ مہمانوں کے اندازے سے کھانے کا انتظام کیا گیا پلاؤ پکایا گیا کھانے کے وقت معلوم ہوا کہ سوا سو کے قریب آدمی ہیں اب فوری طور پر کیا کیا جائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع کی گئی آپ اندر تشریف لائے صورت حال کا علم ہوا وہیں باورچی خانے میں ایک مونڈھے پر تشریف فرما ہو کر تھوڑی دیر تک کچھ پڑھتے رہے اس کے بعد دیگ کا ڈھکنا کھول کر اس میں سے ایک بوٹی نکالی آدھی تناول فرمائی اور بقیہ اسی میں ڈال کر ڈھکنا بند کر دیا پھر فرمایا کہ دیکھو سارا ڈھکنا نہ کھولنا۔ تھوڑا سا کھول کھول کر نکالنا ہو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یہاں تک کہ تمام مہمان اور سارے گھر والے فارغ ہو گئے ڈھکنا ہٹا کر دیکھا تو پھر بھی اس میں کچھ بچ ہی رہا تھا۔

مولانا محمد سلیمان صاحب اعظمی فاضل دیوبند

غالباً ۳۸ء یا ۳۹ء کا زمانہ ہے جمعیۃ العلماء مسلم لیگ کی پالیسی سے علیحدگی کا اعلان کر چکی ہے اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے جمعیۃ العلماء اور اس کے ہم نوا مسلمانوں کو ہدف طعن و ملامت بنایا جا رہا ہے اختلاف پورے شباب پر ہے۔

اس پر آشوب زمانہ میں جمعیۃ العلماء صوبہ یو۔پی کا اجلاس شہر گورکھپور میں ہو رہا ہے حضرت شیخ الاسلام بھی جلسہ میں رونق افروز ہیں اور حق یہ ہے کہ انہیں کی ذات بابرکات کی وجہ سے اس طوفان میں یہ جلسہ کامیاب ہو رہا ہے اسی اجلاس میں مضافات روڑ ضلع بلیا کے چند اشخاص حضرت سے بیعت ہو کر مکان واپس آتے ہیں کچھ دنوں کے بعد ایک مرید جن کا نام بارک اللہ ہے سخت بیمار ہوتے ہیں (ڈاکٹر حافظ محمد زکریا صاحب جو اس واقعہ کے چشم دید راوی ہیں اور وہ بھی حضرت شیخ سے انہیں کے ساتھ شرف بیعت سے مشرف ہوئے ہیں) کہتے ہیں کہ میں بحیثیت معالج بلایا گیا تو دیکھتا ہوں کہ جسم بالکل بے حس و حرکت ہے آنکھیں پتھرا گئی ہیں آثار مرگ بظاہر نمایاں ہیں یہ منظر دیکھ کر میں پریشان اور بے چین ہو گیا کہ ناگہاں مریض رفتہ رفتہ اپنا ہاتھ اٹھا کر کسی کو سلام کرتا ہے پھر کہتا ہے کہ حضرت یہاں تشریف رکھیے کچھ ہی دیر بعد اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے والد وغیرہ سے کہتا ہے کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے جواب میں لوگ کہتے ہیں کہ حضرت تو یہاں تشریف فرما نہیں تھے وہ حیرت سے کہتا ہے کہ حضرت تو تشریف لائے تھے اور میرے چہرے اور بدن پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تھا کہ اچھے ہو جاؤ گے گھبراؤ نہیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ ابھی میں بیٹھا ہی تھا کہ دیکھتا ہوں بخار ایک دم غائب ہے اور وہ بالکل تندرست و اچھا ہے اور حضرت کی دعا سے ایسا تندرست ہوا کہ آج تک پھر بیمار نہیں ہوا۔

یہ حضرت شیخ رح کی ایک ادنیٰ کرامت ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو اپنے منتسبین سے کیسا گہرا تعلق ہوتا تھا اس قسم کی صدہا نہیں بلکہ ہزارہا کرامتیں یہی چند ایک میرے علم میں بھی ہیں جنہیں بوجہ خوف طوالت ذکر نہیں کرتا۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدرسہ عباسیہ

پھر اوّل

بچپن میں میرے چشم و ابرو میں موذی جرثومے تھے میں نے قرآن حکیم حفظ کر لیا تو تکمیل حفظ کی خوشی کے موقع پر حضرت تشریف لائے حضرت سے دعا کی درخواست کی حضرت نے دعا فرمائی۔ وہ دن۔ آج کا دن یہ جرثومے خدا کے فضل اور حضرت کی دعا کی برکت سے غائب دنا پیدا ہو گئے۔

محمد میاں۔ عفی عنہ

خود میرا ایک واقعہ ہے جس کو میں حضرت کی کرامت ہی سمجھتا ہوں۔
سنہ ۳۸ یا ۱۹۳۹ء میں یہ شکایت رہی کہ سر کے نصف حصے اور بائیں ہاتھ میں بے چینی رہتی بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا کہ فالج ہو گیا ہے علاج بھی کرتا رہا مگر ازالہ نہیں ہوا۔ یہ شکایت شدت پر تھی حضرت مرادآباد تشریف لائے۔ اپریل کا مہینہ تھا مرادآباد سے حضرت رح سیوہارہ تشریف لے گئے خربوزے حضرت کے ساتھ تھے راستے میں خربوزے کاٹ کاٹ کر خوب کھلائے سیوہارے اترنا تھا وہاں حاجی حسب الرحمٰن کے یہاں قیام فرمایا۔ حاجی صاحب نے وہاں پہنچتے ہی شربت پیش فرمایا وہ شربت پیا۔ اس کے بعد سے یہ شکایت بفضلہ تعالیٰ رفع ہو گئی آج تک یہ شکایت نہیں ہوئی۔ معلوم نہیں خربوزوں یا شربت کا اثر تھا یا حضرت رح کی دعا کی برکت۔

حاجی محمد جمال الدین موضع بدلوجک
ضلع بھاگلپور

میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد شب جمعہ کو ذرجہاد بارہ تسبیح)

معدن تاریخ

۶۵ ۱۳ ع فصلی

آہ شیخ الحدیث مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

۱۹ ۵۷ عیسوی

(از)

ادیب عاجز کلیم الدین تجلی عثمانی

بزم عرفاں میں تجلی چھا گئیں تاریکیاں — کیوں ہوا ہے زرد یہ رنگ چراغ انجمن
ہو گئے رخصت جہاں سے آہ اب شیخ الحدیث — مظہر علم (عجائب) مشعل قلب و وطن
۱۳۷۷ھ ۲۰۱۴ - ۶۶۷ بکرمی

سے فراغت کے بعد کچھ دیر مراقب ہوکر بیٹھ گیا کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا ہے اور مجمع کثیر ہے اور حضرت کی نماز جنازہ پڑھی جارہی ہے میں بھی اور لوگوں کو دیکھ کر نماز جنازہ میں شریک ہوگیا اس کے بعد لوگ حضرت رح کو قبرستان کی طرف لے چلے اسی درمیان میں کافی وقفہ ہوا اس کے بعد حضرت رح کو قبرستان میں اتارا گیا اور تمام لوگ مٹی دے کر واپس ہوگئے اس کے بعد میں بھی مٹی دینے کے لئے گیا اور مٹی دے کر حضرت رح کی بیٹھک پر واپس آگیا اور میں بیدار ہو گیا خواب مذکور کو میں نے ریل میں دیکھا جب کہ علی گڑھ ہوتے ہوئے دیوبند جارہا تھا دیوبند پہنچ کر میں حضرت کے مزار شریف پر صبح سویرے آفتاب نکلنے کے بعد پہنچا اور مؤدب ہوکر حضرت کے مزار شریف کے داہنے طرف بیٹھ گیا اور اپنے شواغل کو شروع کر دیا کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کی قبر شریف سے ایک باریک سی شعاع نکلی اور پورب رخ ہوگئی یہ صورتیں ہم کو شواغل کے جاری رکھنے تک معلوم ہوتی رہی اور جب کہ میں نے ختم کر دیا وہ صورتیں جاتی رہیں۔

اصلاح کی عجیب وغریب صورتیں

مولانا عرفان الدین صاحب کاتب مرکز کتابت

گلی قاسم جان دہلی

ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ دار العلوم دیوبند کی مسجد میں عصر کی نماز کے لئے گیا جماعت ہوچکی تھی مگر شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے اور تسبیح پڑھ رہے تھے ان کے بائیں جانب میں نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا پھر دیکھا کہ مجاہد اعظم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مسجد کے اندر سے تشریف لائے اور مسجد کے در میں کھڑے ہوکر حضرت شیخ الادب سے مخاطب ہوکر فرمایا حضرت دیکھئے آپ کا یہ طالب علم ٹخنوں سے نیچا پائجامہ پہنے ہوئے ہے فوراً شیخ الادب صاحب نے میری طرف تعجب سے دیکھا اور خاموش رہے اس کے بعد حضرت مدنی رح نے غصہ سے فرمایا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ ٹخنوں سے نیچا پائجامہ پہنتے ہو پھر میری آنکھ کھل گئی۔ اس تنبیہ سے دل کو مسرت ہوئی کہ حضرتِ والا اس خادم کی اصلاح کی طرف متوجہ ہیں بلاشبہ خواب میں بشارت اور اصلاح انہیں اولیائے کرام رح کے توسط سے کی جاتی ہے جو بارگاہ ربانی میں مقبول و محبوب ہوتے ہیں۔

(۲) خواب میں ایک مرتبہ دیکھا شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی قدس اللہ سرہ موسم گرما میں سفر سے واپس دار العلوم میں تشریف لائے شدید گرمی کا زمانہ تھا تو حضرت دوپہر کے وقت تانگے میں احاطہ دار جدید کے باب الظاہر سے گذر کر دار جدید کے شمالی دروازہ تک پہنچے اور وہاں پر اتر گئے حضرت والا عقب دار جدید میں ایک چارپائی پر آرام فرمانے لگے میں فوراً حضرت والا کے پاس پہنچا آنجناب کے پاؤں دبانے لگا حضرت نے بہت منع فرمایا لیکن میرے بار بار عرض کرنے پر رضامند ہوگئے میں پیر دباتا رہا اسی اثنا میں حضرت رح نے مجھے بہت مفید ترین باتیں بتائیں جن میں سے صرف دو باتیں یاد ہیں حضرت نے فرمایا ہمیشہ بزرگوں کی عزت کیا کرو اور چھوٹوں پر شفقت کیا کرو ان شاء اللہ دنیا میں باعزت رہو گے جیسا کہ سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا، جس نے اپنے بزرگوں کی تعظیم نہیں کی اور بچوں پر رحم نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

مبشرات و رویاء صادقہ

مولانا رشید احمد صاحب صدیقی کلکتہ

اوائل ۱۹۴۶ء جنرل الیکشن کی ہنگامہ خیزیوں کا زمانہ تھا حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کے لئے تمام ہندوستان کا طوفانی دورہ فرمارہے تھے صوبہ بنگال میں تمام صوبوں کے بعد الیکشن ہوا تھا اس لئے حضرت شیخ الاسلام اواخر فروری میں نواکھلی تشریف لے گئے مختلف مقامات پر حضرت کی تقریروں کا پروگرام بنانا اور آپ کے سفر کے انتظامات کرنا راقم الحروف سے متعلق تھا۔

بہرحال ہمارا قافلہ ۳ مارچ کی شام کو گوپال پور تھانہ بیگم گنج پہنچا - مولانا عبد الحلیم صدیقی، مولانا نافع گل اور دیگر چار پشاوری طالب علم ہمراہ تھے چودھری رزاق اور چیئرمین ڈسٹرکٹ بورڈ نواکھلی کے دولت کدہ پر قیام ہوا دوسرے دن ایک عظیم الشان جلسہ میں انتخابی تقریر کرنی تھی نماز عشاء کے بعد ۱۱ بجے طعام تناول کیا اور تقریباً ۱۲ بجے سونے کی غرض سے آرام فرمانے لگے راقم الحروف پاؤں دباتا رہا کچھ دیر کے بعد نیند آگئی اور ہم لوگ دوسرے کمرے میں ضروری کام کرنے لگے تقریباً دو بجے شب کو راقم الحروف اور چودھری محمد مصطفے انسپکٹر مدارس (ریٹائرڈ) کو طلب فرمایا، ہم دونوں فوراً حاضر خدمت ہوئے ارشاد فرمایا کہ " لو بھئی اصحاب باطن نے ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ کر دیا اور ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ بنگال اور پنجاب کو بھی تقسیم کر دیا۔ راقم الحروف نے عرض کیا کہ اب ہم لوگ ظاہر جو تقسیم کے مخالف ہیں کیا کریں گے آپ نے جواب دیا کہ ہم ظاہر کے پابند ہیں اور جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس کی تبلیغ کو پوری قوت کے ساتھ جاری رکھیں گے دوسرے دن گوپال پور کے عظیم الشان جلسہ میں تقسیم کی منصوبوں پر معرکۃ الآراء اور تاریخی تقریر ارشاد فرمائی۔ اور ایک سال چار ماہ کے بعد ۳ جون ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن گورنر جنرل ہند کے غیر متوقع اعلان سے اس واقعہ کی حرف بحرف تصدیق ہوگئی۔

مولانا محمد علی قاسمی حسینی مدرسہ دار العلوم آگرا

ضلع چوبیس پرگنہ

(۱) مولانا جمیل اختر مظفر پوری مدرس مدرسہ کاشف العلوم کلکتہ نے احقر

سے بیان کیا کہ "جس دن حضرت شیخ کا وصال ہونے والا تھا اس کی شب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ناخدا جامع مسجد کلکتہ کے لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے اتنے میں مسجد کی سب سے بڑی اور درمیانی بتی اچانک گل ہو گئی جس کے سبب لوگوں میں ایک ہڑبونگ مچ گئی اور لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔

(۲) جناب مولانا محمد یونس صاحب قاسمی مدرسہ دار العلوم آکڑا ضلع ۲۴ پرگنہ، مغربی بنگال نے مجھے حضرت شیخ رح کی علامتی وصالی خواب کا یوں تذکرہ کیا کہ حضرت شیخ رح کے سانحۂ ارتحال سے دس پندرہ دن پہلے میں نے حضرت رح کے صاحبزادہ مولانا سید اسعد میاں کو اپنے گھر دعوت کی، بعد طعام وقفہ سے ان کو کچے ناریل کا پانی پلا رہا تھا کہ ہمارے ماسٹر محمد طیب صاحب جو حضرت سے بیعت بھی ہیں آئے اور کہنے لگے کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے کہ حضرت شیخ اس دنیا میں نہیں ہیں یہ کہہ کر وہ مولانا اسعد اور میں سب رونے لگے آنکھ کھل گئی تو میں نے گھڑی دیکھی تو تین کا عمل تھا۔

(۳) مولانا محمد علی قاسمی حسینی فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کے حادثہ سے چھ سات دن پہلے ایک خواب دیکھا کہ ایک مختصر سا حجرہ ہے اس میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک چوکی پر چت لیٹے ہوئے ہیں اتنے میں ایک صاحب مسئلہ دریافت کرنے آئے میں چونکہ دروازہ پر نگرانی کر رہا تھا اس لئے میں نے جواب دیا کہ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں پھر آئیے اس نے اپنا سوال کچھ دیر ٹھہر کر پھر دہرایا اس پر میں نے ان سے کہا کہ آپ بھی عجیب ہیں کہ مسئلہ پوچھنے پر بضد ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام کا مطلق خیال نہیں فرماتے۔ اسی اثنا میں ایک اور صاحب آگئے میں ان سے باتوں میں لگ گیا پہلے والے صاحب میری بغل نکلے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئے اب جو میری نظر ان پر پڑی تو میں لپکا اور ان کو پکڑا۔ اس وقت جو دیکھ رہا ہوں کہ بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت شیخ چت لیٹے ہوئے ہیں اور چہرے پر مردنی کے آثار ہویدا ہیں اس خواب کی تعبیر میں حضرت شیخ رح کی خدمت اقدس میں خط لکھا گیا تو جواب آیا کہ وظیفہ پر مداومت کریں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اس خط کے بعد ہی حضرت شیخ نے اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کی۔ اب رات دن اپنے نفس کو خطاب کرتے ہوئے یہ مشغلہ رہ گیا ہے کہ ؎

تم نے ان کو جانا تو کیا جانا
تم سے اچھا نہ جاننے والا

حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری گجرات

جمادی الآخر ۱۳۳۳ھ کی آخری تاریخوں میں عاصی پُر از معاصی راقم الحروف مرغوب احمد غفر اللہ لہ ولوالدیہ ولمشائخہ الکرام دہلی مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب مرحوم میں عالم رویا میں حضرت خلیل اللہ سیدنا ابراہیم صلوات اللہ علیہ وعلے نبینا وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین کی زیارت نصیب ہوئی۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کی مدرسہ میں تشریف آوری کی اطلاع ہوتے ہی فقیر نے عالم شوق میں مدرسہ کے طلبا کو یہ کہتے ہوئے بیدار کیا کہ بزرگان دین کی ملاقات سے ہمیں کس درجہ خوشی ہوتی ہے آپ تو خلیل اللہ ہیں جلدی دوڑ کر شرف زیارت حاصل کرو چنانچہ طلبا حاضر خدمت ہو گئے۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السّلام شمالی جانب صحن مسجد میں مولانا محمد شفیع صاحب کی درس گاہ کے حجرے کے سامنے قبلہ رو دو زانو تشریف فرما تھے اور مواجہ میں حضرت کے حضرت مولانا عبد العلی صاحب محدث وصدر مدرس وناظم مدرسہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت ادب سے بیٹھے تھے دیگر مدرسین وطلبا اطراف میں نہایت ادب سے بیٹھے ہوئے زیارت سے مشرف ہو رہے تھے۔

حضرت خلیل اللہ کا حلیہ مبارک آج ۴۵ سال بعد بھی ذہن میں محفوظ ہے۔ میانہ قامت لیکن قریب کشیدہ قامت کے رنگت نہایت سرخ وسفید جسم اطہر نہ ہلکا نہ بھاری لیکن بھرا ہوا۔ سیاہ جبہ وعمامہ باندھے ہوئے میری خوشی کا اس وقت جو عالم تھا اس کے اظہار سے قاصر ہوں حضرت مولانا عبد العلی صاحب رح نے نہایت ادب سے عافیت مزاج اقدس دریافت کرنے کے بعد تشریف آوری وتصدیع فرمائی کا سبب دریافت فرمایا تو حضرت خلیل اللہ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ میں مولوی رشید احمد کو لینے آیا ہوں (اسی ماہ میں مورخہ ۸ جمعہ کو مولانا کا انتقال ہو گیا تھا یہ واقعہ انتقال کے کچھ روز بعد کا ہے) اس کے بعد حضرت خلیل اللہ نے مولانا عبد العلی صاحب سے فرمایا کہ مولوی صاحب مجھے آپ کے جوان صاحبزادے عبد الجلیل کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی تھی مرحوم بہت آرام سے ہیں آپ صبر کیجئے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میں مدرسہ امینیہ دیکھنا چاہتا ہوں چنانچہ حضرت خلیل اللہ کے ہمراہ طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ فقیر بھی سنہری مسجد میں گیا مدرسہ کی سیڑھی کے سامنے اوپر میں مفتی کفایت اللہ صاحب کا حجرہ تھا۔ سیڑھی چڑھ کر اوپر تشریف لے گئے پھر واپس اترے ہم نیچے کھڑے ہوئے تھے حضرت کے حجرے کی سیڑھی سے اترنے کا سماں اب تک میری نظروں میں گھوم رہا ہے حضرت کی شکل وشباہت قد وقامت اور خوبصورتی کی مثال وشباہت میں اگر ناقص تشبیہ کسی کے ساتھ دے سکوں تو مولانا عبد الحق صاحب حقانی مرحوم اور اپنے والد مرحوم کو دے سکتا ہوں۔

الحمد للہ۔ آج شب یکشنبہ بوقت دو ساعت ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۹۴۵ء اس رو سیاہ سراپا عصیان کو عالم رویا میں حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کی زیارت نصیب ہوئی۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام گویا کسی شہر میں جامع مسجد کے قریب ایک حجرہ میں تشریف فرما ہیں اور متصل ایک دوسرے کمرے میں کتب خانہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کتب خانہ سے ایک مجلد کتاب اٹھائی جس میں دو کتابیں تھیں ایک کتاب کے ساتھ دوسری کتاب بھی تھی وہ خطبات جمعہ کا مجموعہ تھا۔

اس مجموعہ خطب میں وہ خطبہ نظر انور سے گذرا جو مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ خطبہ جمعہ پڑھا کرتے ہیں جامع مسجد میں بوجہ جمعہ مصلیوں کا مجمع بڑا ہے مصلیوں نے فقیر سے فرمائش کی کہ تم حضرت خلیل اللہ سے سفارش کرو کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا ارشاد فرمائیں۔ فقیر نے جرأت کر کے عرض کیا تو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا حکم فرمایا مولانا مدنی نے خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ پڑھائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مولانا کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا فرمائی فقیر بھی مقتدیوں میں شامل تھا۔

فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک حمداً کثیراً کثیراً حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام ضعیف العمر تھے ریش مبارک سفید تھی۔

نوٹ: مولانا مرغوب احمد صاحب موصوف جو تقریباً اسّی ۸۰ سالہ بزرگ ہیں آجکل فالج میں مبتلا ہیں، گفتگو نہیں کر سکتے۔ یہ خواب انھوں نے قلم بند کر رکھے تھے حضرت کی وفات کی اطلاع پا کر مولانا عبد الحق صاحب نے میاں صاحب کو اشارہ کیا کہ ان کو نقل کر کے شیخ الاسلام نمبر میں اشاعت کے لئے بھیج دیں چنانچہ مولانا عبد الحق صاحب کے قلم سے موصول شدہ شائع کئے جا رہے ہیں ناظرین کرام مولانا مرغوب احمد صاحب کے لئے صمیم قلب سے دعاء خیر کریں۔

محمد میاں

حضرت مولانا کفیل احمد صاحب حبیب والوی بجنوری دامت فیوضہم مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ نے ایک مکتوب گرامی میں کرامات و مناقب کے متعدد واقعات تحریر فرمائے ہیں حسب ذیل واقعہ جو ایک ممتاز نوعیت رکھتا ہے اس ہی مکتوب سے مقتبس ہے۔

ارقام فرماتے ہیں کہ حضرت قدس سرہٗ جب الہ آباد نینی جیل میں محبوس تھے اس وقت میرے یہاں کے ایک نیک دل شخص سید مطلوب علی صاحب بھی نینی جیل میں بسلسلہ ملازمت عہدہ دار تھے سید صاحب مرحوم نے اپنا چشم دید واقعہ راقم الحروف سے بیان کیا کہ حضرت مولانا مدنی رحمہ نے ایک مرتبہ تمام سیاسی قیدیوں کو مدعو فرمایا اور قوامی سویاں تیار کرائیں چنانچہ جب کچھ مدعوئین جمع ہو گئے تو حضرت اقدس نے ایک طشت میں سے جو کہ ایک رومال سے ڈھکا ہوا تھا سویاں نکال کر حاضرین کی تواضع فرمائی پھر جو بھی آتا رہا حضرت والا اس کی تواضع فرماتے رہے (خود سید صاحب مرحوم کو بھی عنایت فرمائیں) آخر میں دریافت فرمایا کہ کوئی صاحب باقی تو نہیں رہے جب یہ اطمینان ہو گیا تو طشت سے رومال اٹھا دیا۔ اس میں صرف ایک حصہ کی بقدر سویاں تھیں جن کو حضرت نے تناول فرمایا۔ سید صاحب فرماتے تھے کہ ہم جیل والوں کو حیرت تھی کہ اس معمولی طشت میں کس قدر خیر و برکت ہوئی کہ اس قدر مجمع کثیر کو حضرت نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ کھلایا۔ سید صاحب اس کرامت کو دیکھ کر بہت ہی زیادہ عقیدت مند ہو گئے۔

اشک ریزی خامہ

بوفات گوہر یگانہ شیخ الاسلام سید حسین احمد علیہ الرحمۃ

از مولانا عبد القیوم۔ ارشق شیرکوٹی

کہیں کس سے ستم کیا ہم پہ ٹوٹا — نہیں ہے آج دل پہلو میں گویا
جہاز اپنا تباہی میں گھرا ہے — پتہ لگتا نہیں ہے نا خدا کا
اندھیرا غم کا چھایا بحر و بر میں — سپہر کینہ ور نے رنگ بدلا
چھپا پردہ میں کیسا مہرِ انور — نظر آتی نہیں وہ شکل زیبا
مجھے بزمِ عزا تڑپا رہی ہے — دل درد آشنا ہے جان کھاتا
چراغِ زندگی گل ہو گیا حیف — حسین احمد امام الاتقیا کا
قیامت ہے کہ وہ جانِ جہاں آہ — چلا ہے چھوڑ کر ہم سب کو روتا
وہ جس کی ذاتِ اقدس اک نمونہ — رشید و قاسم و امداد کا تھا
فروغ دیدۂ آباءِ علوی — امام الاصفیا خورشید سیما
ولیِ باصفا و قطب الاقطاب — جنید و بایزید و شبلی آسا
دلِ پُر نور جس کا نخلِ ایمن — رُخِ روشن تجلّی گاہِ مولا
فسردہ آج بزمِ دیوبند ہے — بجھی وہ شمع جس کا تھا یہ جلوا
وہی ہے اب بھی خم خانہ تو باقی — مگر ساقی نے منہ اپنا چھپایا
بتاؤ کس سے پوچھیں مسئلے آج — مُسلّم کس کا ہے عالم میں فتویٰ
کرے حل معضلاتِ فن کو اب کون — حدیث و فقہ کا کس جا ہے ماوا
پڑھائے گا ہمیں اس طرح سے کون — بخاری، ترمذی، مسلم و موطا
غضب ہے علم و فن کا لٹ گیا باغ — مٹا رنگِ طریقت وا دریغا
زمانہ کس کو یاں سے لے چلا آہ — رہا اسلامیوں کا کیا سہارا
خصوصاً جرعہ نوشانِ محبت — جنہوں نے آپ کا دامن تھا پکڑا
کریں اب کس کے در پر خاک بیزی — سنائیں کس کو رو رو دردِ دل کا
کوئی سر پھوڑتا ہے سنگِ در پر — کوئی وقفِ فغانِ عرش پیما
پئے سالِ وصالِ قطبِ عالم — لکھیں ارشق نے دو تاریخ یکجا
[illegible] امام المشائخ — سنِ رحلت لبِ ارشق سے نکلا
کہا شب زندہ دار خلد مسکن — ۱۳۷۷ھ

عثمان آباد سے ایک بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا سید طالب علی صاحب حضرت کے وصال کے بعد بہاں حضرت غازی شمس الدین صاحب رح خلیفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس اللہ اسرارہم کے مزار پُر انوار پر مراقب ہوئے تو حضرت غازی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کام کرو تمہارے شیخ کا کوئی کام نامکمل نہیں رہا ہے ان کے درجات کے کیا کہنے جو ہمیشہ سرور عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔

یہی بزرگ عثمان آباد سے تحریر کرتے ہیں کہ مولانا عبدالصمد صاحب شاستور کو مذکورہ بالا مزار پر مراقبہ میں بتلایا گیا کہ تمہارے شیخ (یعنی حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ) کو جنت البقیع میں جگہ دی گئی۔

نیز بحوالہ مولانا عثمان علی صاحب فاضل دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت جب جیل سے تشریف لائے تو فرمایا کہ کاش میں جیل ہی میں رہتا وہاں کوئی شب ایسی نہیں گزری جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی زیارت نہ ہوتی ہو۔

بحوالہ حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ تقسیم کے بعد مجھے ایک شخص جو پاکستان جا چکے تھے ملے انہوں نے بیان کیا کہ قبل از تقسیم میں نے حضرت کے ساتھ گستاخی و بدگوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی حتی کہ ایک مرتبہ فرط غیظ میں حضرت کی موٹر کے سامنے میں ننگا بھی ناچا جس کا انتقام قدرت نے اس طرح لیا کہ انقلاب کے زمانہ میں سکھوں نے مجھے باندھ دیا اور میری بیوی اور بیٹیوں کو میرے سامنے ننگا ناچنے پر مجبور کیا۔

عبدالغنی صاحب کچھار ، آسام سے لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ الاسلام رح کو خواب میں دیکھا کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ فرما رہے ہیں۔

جہاں تک حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب کا تعلق ہے ان کے جمع و ترتیب کا مستقل سلسلہ جاری ہے دو جلدیں خدا کے فضل سے طبع ہو کر عام مقبولیت حاصل کر چکی ہیں تیسری جلد کی کتابت ہو رہی ہے اور چوتھی جلد کے متعلق مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی کا اعلان اسی نمبر کے ایک کالم میں ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہوں گے مگر چند غیر مطبوعہ مکاتیب خاص شیخ الاسلام نمبر میں شائع کئے جانے کے لئے بھی موصول ہوئے ہیں ان میں سے چند مکتوب تو حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کی سوانح حیات میں خاص اہمیت رکھتے ہیں ان میں سے ایک کا بلاک بنوا کر اس کا چربہ ان صفحات میں شائع کیا جا رہا ہے باقی مکاتیب میں ان حضرات کے نام اور پتے پورے لکھ دیئے گئے ہیں جن کے نام وہ مکتوبات تھے۔ اور مکتوب گرامی میں سے صرف وہ حصہ لیا گیا ہے جو ناظرین کرام کے لئے افادی پہلو رکھتا ہے آداب و القاب اور جو حصہ مکتوب الیہ کے کسی ذاتی معاملہ سے یا خود حضرت کے کسی نجی امر سے متعلق ہے اس کو نہیں لیا گیا ہے۔

ان صفحات میں متعدد اعمال و وظائف بھی مطالعہ سے گزریں گے اگر کوئی صاحب ان کو اپنے عمل میں لانا چاہیں تو ضروری ہے کہ مکتوب الیہ سے اجازت حاصل کر لیں اسی غرض سے وہ مکتوب الیہ صاحبان ... کا ... درج کر دیا گیا ہے (ادارہ)

بنام حضرت نواب محی الدین صاحب مراد آباد

معرفت حکیم محمد عمر صاحب و عبد السّلام صاحب ہاشمی مراد آباد ۱۸۔ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ۔

سیدی و مولائی ثقتی درجائی وسیلتی و ذریعتی فی الدارین بلغکم اللہ تعالےٰ اقصی المرادت فی الدارین (آمین)

آداب مودبانہ و تحیات مسنونہ پیش کرتا ہوا یہ ناکارہ عرض رساں ہے کہ یہ نالائق حسب عرض سابق یہاں کے لوگوں سے معاملات طے کر چکا تھا یہاں پر ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے مدرسہ عالیہ کلکتہ۔ ڈھاکہ، سلہٹ وغیرہ ہیں اعلیٰ اعلیٰ درجہ کی ڈگریاں اور سرٹیفکیٹ حاصل کئے ہیں وہ سمجھ دار اور ذی استعداد ہیں انہوں نے عربی فنون میں استعداد بڑے درجہ تک حاصل کی ہے بہت سے ان میں سے انگریزی زبان اور علوم عصریہ سے بھی واقفیت رکھتے ہیں یہ لوگ ان طلبہ کی طرح جو کہ ان اطراف میں جاتے ہیں، کند ذہن بے سمجھ کم شوق کم محنتی نہیں ہیں یہ لوگ، ہندو بنگالیوں کے جوڑ توڑ کے ملہم ہیں ان کو مذہبی جوش اور اسلامی خیال اور ہمدردی بڑے پیمانہ تک ہے اس جماعت کا مدت سے شوق تھا کہ صحاح ستہ کی تکمیل کس طرح ہوتی اور اپنے مذہبی فنون میں سے علم حدیث کا حظ وافر نصیب ہوتا۔ اس غرض سے ان لوگوں نے اس خاص سلسلہ جنبانی کی صورت اختیار کی اور احقر کے پہنچنے پر متعدد اطراف سے جمع ہو ہو کر پہنچ گئے اور پہنچ رہے ہیں جو کہ اکثر انھیں اطراف کے ہیں ان اطراف میں مسلمانوں کی آبادی بہت کثرت سے ہے بعض بعض اضلاع میں تو نوے فیصدی مسلمان ہیں اور باقی ہندو عالی جناب سے جملہ کیفیتیں پہلے اس تعلق کی عرض کر کے مشورہ طلب کر چکا ہوں جب کہ احقر کا اس طرف ارادہ ہو رہا تھا دوسری جانب سے علاوہ سابق مقامات کے طلب اور حاضری کا اشارہ ہوا مولوی مرتضےٰ حسن صاحب اور مولوی طاہر صاحب صاحبزادہ حضرت مہتمم صاحب نے دیوبند کے قیام پر مدرسہ میں تعلق کر کے بہت زور دیا اور دہلی میڈھو وغیرہ سے بھی زور دیا گیا مگر مختلف وجوہ سے میں نے یہاں ہی کے قیام کو ترجیح دی قصد مصمم تھا کہ روانگی کے وقت کچھ دیر کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوں گا مگر طغیانی کے باعث چونکہ لائنیں ٹوٹ گئی تھیں اس لئے کوئی صورت حاضری کی نہ ہو سکی یہاں سے تقاضے تھے خطوط پر خطوط اور تار پر تار آرہے تھے اس لئے مع اہلیہ کے یہاں چلا آیا۔ ان لوگوں نے ماہوار علاوہ مکان اور فروش و لوازمات مکان کے مقرر کئے ہیں میں نے ان سے کوئی تقاضا تنخواہ کی کمی زیادتی کے بارے میں نہیں کیا ممکن تھا کہ اگر میں اصرار کرتا تو اس سے زائد بھی دیتے۔ مگر جو کچھ انہوں نے لکھا اس میں کوئی تغیر کرنا اور دنیاوی طمع کو بڑھانا مناسب نہ سمجھا انہوں نے صہ۱۵ ماہوار کو ایک وسیع مکان جس میں مردانہ اور زنانہ علیٰحدہ علیٰحدہ حصے ہیں دونوں کی تعمیر اور میکانیت پختہ اور عمدہ ہے صحن وسیع اور درخت، تالاب، ضروریات وغیرہ سب مکمل ہیں پہلے سے لے رکھا تھا غرضنکہ خدا کے فضل و کرم سے ظاہری آرام کی ہر قسم کی صورتیں مہیا ہیں اسباق شروع کر دیئے ہیں

۲۱۔ ربیع الاوّل کو میں یہاں پہنچا ہوں پہلے ضروری معلوم ہوا کہ اصول حدیث کی کوئی کتاب پڑھا دی جاوے تا کہ اصطلاحات سے ان کو پوری واقفیت ہو جائے چنانچہ گذشتہ جمعہ سے شرح نخبۃ الفکر شروع کرا دی ہے جو کہ تقریباً نصف ہو چکی ہے انشاء اللہ العزیز کل سے ترمذی شریف بھی شروع ہو جائے گی تقریباً پانچ گھنٹہ روزانہ پڑھائی ہو گی۔ کچھ حصہ قرآن شریف کے ترجمہ اور تفسیر کے لئے بھی خرچ کرتا ہوں گا۔ جس کے لئے اصول تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کا رسالہ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر نخبۃ کے بعد شروع کرا دینے کا قصد ہے میں اسی کے ساتھ کچھ نہ کچھ حصہ تحریک میں بھی لیتا رہتا ہوں اور تقریریں وغیرہ بوقت فراغت کرتا رہتا ہوں اگرچہ اپنی قابلیت کچھ نہیں ہے مگر بزرگوں کی جوتیوں کے سہارے پر اس کاروبار کے انجام کا ارادہ کر رکھا ہے اس لئے عالی جناب کی توجہ اور ہمت کی اشد ضرورت ہے مولانا محمد صدیق صاحب کی خدمت اقدس میں بعد از سلام مسنون یہی خواستگاری ہے نالائق اور جاہل و ناکام ہوں مگر آپ ہی حضرات کا ہوں ان دنوں ایک خلجان پیش آیا ہے اس کو میں آپ کے سامنے ذکر کرنا چاہتا ہوں مگر اس سے پہلے یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا یہ سفر متعدد دفعہ استخارہ مسنونہ کر لینے کے بعد واقع ہوا ہے چونکہ مضمون ذیل کا کچھ تعلق جناب سے بھی ہے علاوہ ازیں بجائے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اب بظاہر میں آپ ہی میرے مربی ہیں اس لئے اس کو عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میرے ایک دوست اپنا ایک خواب ان الفاظ سے ذکر کرتے ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں۔ میں نے دیکھا کہ آپ (حسین احمد) اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں۔ اور جناب قاضی صاحب کے یہاں مقیم ہیں مگر وہ مکان اور ہے یہ نہیں جس میں آپ قیام فرمایا کرتے ہیں اور میں حاضر ہوا ہوں (صاحب خواب) تو ایک بڑے سے تخت پر آپ بھی ہیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ تمہارے پاس تو دوسرا مصلےٰ ہے اب ہم اپنا مصلےٰ یہاں سے اٹھائے لیتے ہیں اس پر میں نے (صاحب خواب) دیکھا کہ ایک مصلیٰ تو بچھا ہوا ہے جسے میں آپ کا مصلیٰ سمجھتا ہوں اور ایک مصلےٰ ایک جانب سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پکڑا اور ایک جانب سے میں نے پکڑا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ آگے آگے چلے اور میں مصلےٰ پکڑے ہوئے پیچھے پیچھے چلا اور وہ مصلےٰ میں نے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اندر کے دالان میں ایک پلنگ یا تخت پر بچھا دیا جس کے قریب پلنگ پر ایک بچہ سو رہا تھا اور اس کے پاس ایک اتنا بڑا لحاف پڑا تھا جو دو پلنگ تک کافی تھا مگر مولانا نے وہ لحاف اس بچے ہی کو اوڑھا دیا الخ) یہاں تک کی عبارت کا تعلق اس ناکارہ سے ہے۔ اب باعث خلجان یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے مصلےٰ مجھ سے علیٰحدہ کر لینا اور دوسری جگہ چلے جانا کہیں اس وجہ سے تو نہیں ہے کہ میں اس انہماک تحریک موجودہ سے علیٰحدہ ہو گیا ہوں جس میں کہ اب تک تھا اور علمی اشغالات وغیرہ کو بالکل ہی بالائے طاق رکھ رکھا تھا گویا کہ حضرت رحمۃ

اللہ علیہ میرے اس اشتغال علمی سے خوش ہیں اور جو سایہ مجھ پر ان کا اس طور پر نھادہ اٹھا رہے ہیں مگر میں تو اپنے خیال سابق اور ارادہ ماضی سے علیٰحدہ بھی نہیں ہوا ہوں۔ البتہ مختلف اسباب اور مجبوریوں سے اس تعلیمی کام کو کرتے ہوئے اس میں بھی حصہ قلیل وکثیر دے ہی رہا ہوں اگر یہ مراد ہے تو فرمایئے کہ میں کیا کروں اور کس طرح پر مجھ کو عملدرآمد چاہیئے اور اگر یہ مراد ہے کہ اب تجھ میں ایسی قابلیت پیدا ہو گئی ہے کہ تیرے لئے ہماری خبر گیری اور پرورش کی ضرورت نہیں رہی تو اس کے کوئی آثار ہویدا نہیں ہیں اور اگر اس کے معنے یہ ہیں کہ مجھ کو ان کے علاوہ اور کسی سے تعلق ہو کر ان سے استغنا ہو گیا ہے تو بھی خلاف واقعہ ہے غرضیکہ جو جناب کی رائے ہو اس سے مشرف فرمائیں۔

ضروری تشریح

نواب محی الدین خان صاحب مراد آباد کے ذی علم عالم رئیس اور صاحب تقویٰ وطہارت بزرگ تھے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز کے معاصر اور حضرت نانوتوی رح کے شاگرد تھے۔

وفات سے چند روز پہلے کا مکتوب گرامی

مولانا سید سیاح الدین صاحب کاکاخیلی حال مقیم مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد لائل پور تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کا یہ گرامی نامہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب سابق استاد دارالعلوم دیوبند کے نام ہے حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع، کاکاخیلی مدظلہ، حضرت مولانا محمد عزیز گل صاحب زید مجدہم کے چھوٹے بھائی ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان دونوں بھائیوں کا جو خصوصی تعلق اور محبت رہی ہے وہ ان لوگوں سے یقیناً مخفی نہیں ہو گی جن کو حضرت رح کے حالات زندگی کا کچھ علم ہے مولانا عزیز گل صاحب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تلامذہ اور خاص خدام میں سے ہیں اور اس نسبت کی وجہ سے حضرت مدنی رح سے تعلق شروع ہی سے رہا ہے اور پھر یہ دونوں سعادت مند شاگرد اور خادم اپنے استاذ اور مخدوم حضرت شیخ الہند رح کی رفاقت میں قریباً ساڑھے چار برس تک مالٹا میں رہے اس کے بعد بھی ان کی آپس میں یاران جان نثار کی الفت" رہی اور حضرت شیخ الہند کی نسبت سے مولانا عبدالحق صاحب نافع مدظلہٗ کا تعلق بھی رہا۔ اور ۱۹۳۲ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک دارالعلوم کی مدرسی کے دوران میں جو درحقیقت حضرت شیخ رح کی خدمت میں رہنے کی خاطر تھی یہ روابط تعلق دن بدن اور بڑھتا گیا تقسیم ملک کے بعد حضرت مولانا عبدالحق صاحب دارالعلوم میں حاضر ہونے اور حضرت رح کی خدمت میں رہنے سے مجبوراً محروم ہو گئے جس کا ان کو شدت سے احساس تھا اور ہے اور آپ نے وطن زیارت کاکا صاحب رح ضلع پشاور میں رہنے پر مجبور ہوئے دو

مرتبہ حضرت شیخ کے ارشاد کے مطابق مدرسہ عربیہ کھڈہ کراچی اور مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی میں پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے دس سال کے عرصہ میں حالات کی ناموافقت کی وجہ سے آپ دیوبند نہ جا سکے خط وکتابت کا سلسلہ بھی مسلسل جاری نہ رہ سکا مولانا عزیز گل صاحب تو ۱۹۴۵ء میں رڑکی سے وطن تشریف لائے تھے اور اس کے بعد دیوبند جانے کی نوبت نہ آسکی الغرض نہایت قوی اور شدید تعلق کے باوجود حالات کی مجبوریوں کی وجہ سے بعد ہی رہا۔

اس سال آواخر ربیع الاول میں مولانا عبدالحق صاحب نافع مدظلہ کا چھوٹا چھ سالہ بچہ محمد ابراہیم طویل بیماری کے بعد انتقال کر گیا انھوں نے اس واقعہ دردوغم کی اطلاع حضرت رح کی خدمت میں بھیج دی اور اس کے جواب میں ۱۸ ربیع الثانی ۷۷ھ کو حضرت رح نے بیماری اور انتہائی ضعف ونقاہت کی حالت میں اپنے دست مبارک سے یہ گرامی نامہ تحریر فرمایا ہے خط سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی محنت وتکلیف سے لکھا گیا ہے جن حضرات کو حضرت رح سے اور آپ کے طرز خط سے واسطہ رہا ہے وہ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ۱۲۔ جمادی الاول ۷۷ھ کو حضرت رح کی وفات کا سانحہ فاجعہ پیش آیا ہے گویا یہ خط ۲۳، ۲۴ دن پہلے لکھا گیا ہے معلوم نہیں کہ اس کے بعد اور کسی کو اپنے دست مبارک سے کوئی والا نامہ لکھ کر بھیجا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں بھیجا تو یہ آپ کی آخری یادگار بھی ہے حضرت مولانا نافع مدظلہ العالی کا خیال ہے کہ اس کا فوٹو کے ذریعہ سے عکس لے کر مستقل بھی شائع کر دیا جائے تاکہ متوسلین کے لئے اس کی زیارت سکون قلب کا ایک ذریعہ بنا رہے اخبار الجمعیۃ کے اس نمبر میں فی الحال اس کی نقل شائع کرنے کے لئے بھیج رہا ہوں۔

اس گرامی نامہ کے شروع میں تین عربی شعر ہیں ان میں سے پہلے شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ میں یہ خط لکھ رہا ہوں اور اگر میں اپنے شوق کے مطابق عمل کرنے پر قادر ہوتا تو کاغذ کے صفحات پر ہر ہر سطر کی بجائے میں خود ہوتا اور آپ تک پہنچ جاتا۔

دوسرے اور تیسرے شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم دونوں بھائی زمانہ دراز تک آپس میں یوں جڑے رہے جیسا کہ جذیمہ ابرش کے وہ دو تاریخی ندیم گزرے ہیں ہمارے آپس کے تعلق ومحبت کو دیکھ کر لوگ یوں کہتے تھے کہ یہ دونوں تو ہرگز ہرگز کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے لیکن جب ہم دونوں میں جدائی آ گئی اور ہم ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے تو پھر ایسے جدا ہو گئے کہ مدت دراز تک ساتھ رہنے بسنے کے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا (میں اور مالک (شاعر کا بھائی) کبھی ایک رات بھی ساتھ مل کر نہیں رہے ہیں اور کبھی گویا دوستی تھی ہی نہیں۔

اب اصل گرامی نامہ ملاحظہ فرمایئے۔

کتبت ولوانی مع الشوق قادرٌ
لکنت مکان السطر فی طی قرطاس
وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ
من الدھر حتیٰ قیل لن ینصدعا

فلما تفرقنا کا فی ومالکاً
لطول اجتماعٍ لم نبت لیلۃً معا

سیدنا المحترم لا زلتم فی عیشٍ وّدعۃٍ آمین غب اھداء التحیات والسلام التی سنہا سید الانام علیہ وعلی الہٖ وصحبہ الف الف صلوٰۃ وسلام آنکہ مدت ہائے طویلہ کے بعد ناگاہ اس مہینہ میں والانامہ باعث حیات روحانی ہوا بڑے بھائی صاحب مدظلہ العالی نے تو اس قدر مقاطعت فرمائی ہے کہ جس سے صاف نمایاں ہوتا ہے کہ کبھی تعارف تھا ہی نہیں ؎

کیا ہو گئی وہ الفت یاران جان نثار
اب فاتحہ کو بھی نہیں آتے مزار پر

بہرحال مژدۂ خیر و عافیت سے بہت خوشی ہوئی وما کم اللہ وایاھم قلل المرادات فی الدارین آمین۔

صاحبزادہ محمد ابراھیم مرحوم کے انتقال پر ملال سے بہت صدمہ ہوا جعلہ اللہ اجراً وفرطاً وذخراً للابوین والجداۃ وجعلہ خیراً للاخرۃ من الاولیٰ اس کی والدہ ماجدہ اور جدہ محترمہ کی خدمت میں کلمات صبر و تسکین حسب بشارت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیہ پیش فرما دیجئے اللہ تعالیٰ پس ماندوں میں برکات غیر متناہیہ ظاہر فرمائے آمین۔

میں ماہ محرم الحرام سے وجع الفواد میں مبتلا ہو گیا ہوں تقریباً نصف محرم سے آج تک کوئی سبق نہیں پڑھا سکا معالجین کی طرف سے نقل و حرکت حتیٰ کہ جمعہ و جماعت کی بھی ممانعت تھی مگر اب مردانہ مکان میں جماعت خمسہ میں حاضری اور بعد از عصر احباب سے ملاقات کی اجازت تقریباً ۱۵ دن سے ہو گئی ہے اس سے زیادہ چلنے کی طاقت نہیں ہے سانس اکھڑ جاتا ہے قلب اور سینہ پر نہایت زیادہ ناگوار اثر پڑتا ہے علاج اور پرہیز جاری ہے تقریباً ڈیڑھ ماہ ڈاکٹری علاج رہا۔ مایوس ہو کر یونانی علاج جاری کیا گیا اس سے نفع ضرور ہے مگر نہایت تدریج سے۔ بہرحال آپ بزرگوں کی دعاؤں کی بہت ضرورت ہے گھر میں سب بچے، اسعد، ارشد، ریحانہ، عمرانہ، صفوانہ، فرحانہ اور ریحانہ کا بچہ احمد بہت بہت سلام و آداب پیش کرتے ہیں اور یہ سب مع اپنی والدہ کے نہایت اخلاص کے ساتھ تحیات مسنونہ اور استدعائے دعوات صالحہ پیش فرماتی ہیں۔

دارالعلوم میں بحمد اللہ خیر و عافیت ہے امسال طلباء کی تعداد چودہ سو ہے دورہ میں ۱۸۴ طلبہ ہیں سالانہ بجٹ مصاریف کا تقریباً سات لاکھ تک پہنچ گیا ہے جلسہ دستار بندی کے لئے تحریکات جاری ہو رہی ہیں (چند مہینوں سے) مولوی محمد عثمان صاحب گذشتہ پانچ سال سے چیئرمین (رئیس البلدیہ) دیوبند کے تھے اب اس سال میں بھی وہ ہی منتخب ہوئے ہیں یعنی اگلے پانچ سالوں کیلئے انشاء اللہ انہوں نے اپنے زمانہ میں شہر کی خدمات اچھی انجام دی ہیں ہم سبھوں کو آپ دونوں بھائیوں کی زیارت کا بہت اشتیاق ہے والسلام

واقفین پرسان حال خصوصاً مولانا یوسف صاحب بنوری سے سلام عرض کر دیجئے۔

حسین احمد
از دارالعلوم دیوبند
۱۸۔ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ

از ہیلاکنڈی آسام۔

بنام مولانا عبدالرحمن صاحب مدرس مدرسہ عربیہ عباسیہ بچھراؤں
محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔

مزاج مبارک کچھ عرصہ ہوتا ہے والانامہ باعث سرفرازی ہوا تھا مگر عدم الفرصتی کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی معاف فرمائیں یہ عریضہ بھی سفر آسام سے لکھ رہا ہوں۔

(۱) اپنی حقیقت کو پہچاننا اور اس کی افادیت من عرف نفسہ فقد عرف ربہ سے ظاہر ہے لیکن فقط ان کا مفہوم اور مصداق کا سوال ایک اجل البدیہیات کا سوال ہے جو کہ لکن تنقیح حقیقتہ عسیر جداً کے ماتحت آتا ہے چونکہ روح ہی انسان حقیقی ہے اور جسم بمنزلہ لباس اور آلات ہے جس سے روحانی طاقتوں اور کمالات استعدادیہ کا مظاہرہ ہوتا ہے اس لئے حقیقت شناس حضرات مصدر انسانیت روح ہی کو قرار دیتے ہیں مگر روح کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ فرمایا گیا ہے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا اس کے متعلق محققین اور اہل اللہ نے حقائق کا تذکرہ فرمایا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ البالغہ اور الطاف القدس میں اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح عوارف المعارف میں اور دوسرے اہل تحقیق اپنی تصانیف میں ذکر فرماتے ہیں چونکہ مسئلہ نجات کا حصول اس پر موقوف نہیں ہے اور سمجھنا بھی مشکل ہے اس لئے شریعت حقہ نے اس کو بتانا غیر ضروری قرار دیا ہے بہرحال انسان کے علم کا حال اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ وہ باوجود بلند دعاوی کے اپنی حقیقت سے جاہل ہے اس میں کوشش کرنا لاحاصل ہے نجات کی فکر کرنا اور اس کے وسائل کو عمل میں لانا ہی ضروری ہے یہی کوشش اخیر میں اس حقیقت کو بھی پہنچا دیتی ہے اگر خدانخواستہ یہ نہ جانی گئی تو کچھ ضرر نہیں ہے مریض کو نسخہ علاج ہی عمل میں لانا شفا دیتا ہے اگرچہ اس کو حقیقت مرض اور دوائیوں کے خواص معلوم نہ ہوں ہم کو اس کے پیچھے پڑنا نہ چاہیئے۔ ہم کو ان اعمال اور عقائد اور احوال کے پیچھے پڑنا چاہیئے جو حکیم حاذق رسول علیہ السلام اور کتاب اللہ نے بتلائے ہیں اور نجات کو ان پر موقوف کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) انسان کا اطلاق کبھی فقط جسم انسانی پر آتا ہے جیسے ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین اور کبھی فقط روح پر آتا ہے جیسے حدیث خلقھم للابد میں اور کبھی دونوں کے مجموعہ پر جیسے خلقنا الانسان فی احسن تقویم میں ہر ... میں بھی ذریت انسانی سے مراد روح ہی ہے۔

(۳) ان اللہ یحول بین المرء و قلبہ میں بظاہر عطف جزء علی الکل ہے اور ممکن ہے کہ لفظ منیٰ مرء کے پہلے مقدر کیا جائے جیسے فاسئل القریۃ سے پہلے لفظ اہل مقدر کیا گیا ہے تو عطف متغایرین کا ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

بنام مولانا عبدالرحیم صاحب حوالدار۔ کٹھور ضلع سورت

۵ شوال سنہ ۶۰ھ

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والانامہ مورخہ ۱۹ رمضان المبارک ۲۰ شوال کو باعث سرفرازی ہوا احوال مندرجہ سے سخت کلفت ہوئی یہ دار دارالابتلاء (امتحان) ہے انھیں مشکلات کی وجہ سے انسان کی فرشتوں پر فوقیت ہے ان عوائق اور تعلقات کے ہوتے ہوئے اللہ تعالےٰ کی عبادت اور ذکر میں مشغولیت امتحان میں کامیابی کا ذریعہ ہے ولقد ارسلنا من قبلک رسلا وجعلنا لھم ازواجا و ذریۃ۔ یہ امتحان کے ایام استقلال کے ساتھ پورے کیجئے نفس خبیث کو اس کی خواہشات سے روکئے۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگانی کو یاد کیجئے اور اس پر قدم بقدم چلنے کی کوشش کیجئے۔ واما من خاف مقام ربہ و نھی النفس عن الھوی تصریح قرآنی ہے اس پر عمل کیجئے مثنوی میں ہے کہ حضرت سری سقطی یا خواجہ شبلی رحمہا اللہ تعالےٰ نے اپنے تصرف سے نفس کو اپنے میں سے نکال دیا جو کہ بصورت کبوتر نکلا تو دیکھا کہ جو الطاف و انوار خداوندی تھے بند ہو گئے بہت تعجب کیا اور عرض کیا کہ پروردگار یہ تو تیرا میرا دشمن جب کہ یہ مجھ میں سے نکل گیا تو اور زیادہ الطاف مجھ پر مبذول ہونے چاہئیں تھے فرمایا گیا کہ اے شبلی تجھ پر میرے انعامات اس بنا پر تھے کہ اس دشمن کی موجودگی اور اس کی ہر وقت کی مخالفت کے ہوتے ہوئے تو میری اطاعت و محبت و یاد میں مشغول تھا اگر وہ نہ رہے تو پھر تیری کیا منزلت ہے جب تو تو میری عبادت اور یاد پر مجبور ہوگا بہرحال نہ گھبرانا چاہیئے نہ ترک تعلقات کرنا چاہیئے نہ مایوس ہونا چاہیئے نہ اللہ تعالےٰ کی یاد اور ذکر سے غافل ہونا چاہیئے اور تمام تعلقات اور عوائق کے باوجود ذکر و فکر اطاعت اور اخلاص میں قدم آگے ہی بڑھنا چاہیئے خبردار خبردار ذکر میں کوتاہی نہ کیجئے اور نفس پر زور ڈال کر حضور قلب اور تصور معنےٰ کے ساتھ ذکر میں مشغول ہونا چاہیئے آپ نے ان دنوں بہت زیادہ دنیا داری شروع کر دی ہے دنیا کی محبت اور غیر اللہ سے تعلق بہت بڑھا دیا ہے جاگیئے اور اپنی حالت سدھاریئے۔ کیسا افسوس کی بات نہیں ہے کہ اتنے دن گزرنے پر بھی ابھی تک پاس انفاس ساری نہیں ہوا مذکورہ بالا تحریر سے آپ کے مسئولہا امور کا جواب ہو گیا یعنی (۱) یہ وساوس اور خطرات شیطانی ہیں ان پر لاحول پڑھئے (۲) ان تفکرات دنیاویہ پر بھی لاحول پڑھئے۔ دنیا کی محبت اور ذکر کی قلت ان کا منبع ہے (۳) نفس خبیث کو سرزنش کیجئے اور طمع دنیوی سے روکئے دنیاوی مطاعم اور ملابس وغیرہ میں تلذذ سے بچئے ہمیشہ سادہ اور موٹا جھوٹا کھانا کپڑا فروش وغیرہ اختیار کیجئے عادات

صالحہ سے فراموش نہ کیجئے اہلیہ محترمہ اور واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہہ دیجیے۔ والسلام

---

(۲) ۲۷ صفر سنہ ۶۰ھ

اتباع شریعت اور احیاء سنت میں کوشاں ہوں جس قدر بھی ممکن ہو اپنے آپ کو ذکر کا عادی بنائیں روزانہ مغرب یا عشاء کے بعد سورہ مزمل گیارہ مرتبہ اوّل و آخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھا کریں اور حسب فلتخذہ وکیلا پر پہنچا کریں تو پچیس مرتبہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھا کریں انشاء اللہ تنگ دستی دفع ہو جائے گی یہ عمل دائمی ہونا چاہیئے۔

مولانا شمس الدین صاحب بے شک میرے عنایت فرما ہیں ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ سالک کو جو واقعات پیش آئیں ان کو نامحرموں سے ہرگز نہ ظاہر کرنا چاہیے اپنے شیخ سے ظاہر کرے یا ایسے شخص سے جو طریقت کا ہمراز اور سالک سے ہمدرد ہو اور بس یہ چیز سالک کے لئے مضرت رساں ہوتی ہے اور بسا اوقات فیض ربانی کے انقطاع بلکہ کبھی کبھی سلب کا باعث بن جاتی ہے جو راز و نیاز عاشق اور معشوق کے درمیان ہو اگر عاشق ان کو ظاہر کر دیتا ہے تو معشوق کے عتاب کا اس قدر ظہور ہوتا ہے کہ بعض اوقات انقطاع کامل کا باعث بن جاتا ہے جبکہ یہ حال مجازی معشوقوں کا ہے تو محبوب حقیقی کا کیا حال ہوگا اس لئے ایسے امور سے بچنا چاہیئے اور اللہ تعالےٰ سے صدق دل سے توبہ کرنا چاہیئے اصمعی ایک عاشق کے مندرجہ سوال کے جواب میں کیا کہتا ہے

سوال ایا معشر العشاق باللہ خبروا
اذا حل عشق بالمفتی کیف یصنع
جواب یداری ھواہ ثم یکتم سرہ
و یخشع فی کل الامور و یخضع

معشوق حقیقی ہر چیز کو جانتا ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے ہر چیز کو سنتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں وہ شدید الغیرہ ہے اس کے سامنے بجز خشوع و خضوع اور رازہائے سربستہ کے اخفا اور اظہار عبودیت کاملہ اور اتباع سید العشاق علیہ السلام کوئی چیز کارآمد نہیں (فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا) جاہ طلبی، مال طلبی اس کی سخت غضبناکی کی باعث ہے حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ما اشغلک عن الحق فھو طاغوتک قرآن فرماتا ہے فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ الآیہ بہرحال نصب العین فقط اس کی رضا جوئی چاہیئے۔

دنیا و آخرت را بگذار و حق طلب کن
کایں ہر دو بولیاں را من خوب می شناسم

بیڑی کو الحمد اللہ آپ نے چھوڑ دیا اور اللہ تعالےٰ نے مدد فرمائی اور مضرات نہیں ہوئے یہ اس کا فضل وکرم ہے آئندہ اپنی قوت عزم اور استقلال کو کام میں لائیے اور جمے رہیئے اللہ تعالےٰ مدد فرمائے گا۔

اثناء تلاوت وغیرہ میں جہاں تک ممکن ہو ناجائز اور غیر صحیح الفاظ کو زبان سے نہ نکلنے دیجئے اور شان الوہیت کے ساتھ ہمیشہ ادب اور عظمت کا لحاظ رکھیئے بارگاہ شہنشاہی میں گستاخی کے الفاظ اگرچہ قصداً نہ ہوں موجب تکدر شاہانہ ہو جاتے ہیں وہ سمیع وبصیر حلیم و بردبار ہے مگر بے نیاز اور مستغنی بھی ہے افأمنوا مکر اللہ فلا یأمن مکر اللہ الا القوم الخاسرون توبہ اور استغفار اپنی فروگذاشتوں اور خطایا پر جاری رکھئے۔

جہاں تک ممکن ہو اتباع شریعت اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری ہمیشہ ملحوظ قلب وبصر رکھئے ذکر میں غفلت مت کیجئے اپنی غفلات اور معاصی پر ہمیشہ تائب ومستغفر رہئے عمر گراں مایہ کو ضائع مت کیجئے۔

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز سرِّ عشق ہرچہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ راہ حق ننماید جہالت است

اس روسیاہ ونابکار کو دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیے زاید ٹکٹ اور لفافہ واپس ہے

---

(۳) ۷ ذی الحجہ ۶۳ھ

آپ کی بیماریوں اور تکالیف کی کیفیات معلوم کر کے صدمہ ہوا جو کہ طبعی امر ہے ورنہ عقلی طور پر چونکہ مسلمان کے لئے یہ جملہ تکلیفات موجب کفارہ سیٔات اور مضاعفت حسنات ہیں اس لئے یہ سب ایسی ہی شان رکھتی ہیں جیسے شاہانہ لباس کی دھوبی کے یہاں ہوتی ہے وہ کپڑوں کو خم میں ڈالتا ہے پانی گرم کرتا ہے ریہہ اور صابن لگاتا ہے پیڑوں اور پتھر پر پٹختا ہے اور بار بار نچوڑتا ہے گرم دھوپ میں ڈالتا ہے مادہ دیگر گرم استری پھیرتا ہے شکنوں کو صاف کرتا ہے ان تمام مراحل کو ایک ظاہر بین کپڑوں کے لئے آزاد شدید اور سخت مصیبت سمجھے گا مگر حقیقت شناس یہی کہے گا کہ یہ ان کپڑوں کا اعزاز واکرام ہے اور یہی ان کے لئے رحمت کاملہ ہے ان کو شہنشاہی جسم کی زینت بنانے کے لئے یہ اعمال کئے جاتے ہیں اس لئے یہ سب اعمال ان کے لئے رحمت ہی رحمت اور ترقی ہی ترقی ہیں۔

محترمہ! احادیث اور آیات، مصائب وبلایا پر غور فرمایئے اور اللہ تعالےٰ کا ہر دم شکر ادا کیجئے شکوہ اور شکایات کا حرف بھی زبان پر نہ آنے دیجئے من یرد اللہ بہ خیراً یصب منہ الحدیث اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔ (الحدیث)

حالت بیماری میں فرائض کو انجام دیتے ہوئے اوراد و وظائف اور اشغال طریقت جس قدر ہو سکے انجام دیں کوئی تنگی اور شدت نہیں ہے اللہ تعالےٰ کا ذکر زبان اور سانس اور دل سے جتنا بھی ہو سکے غنیمت سمجھیں، اسی بے نیاز ارحم الراحمین سے لو لگائیں اور رحم وشفا کی خواہش کریں۔ والسلام

---

(۴) ۱۳ ربیع الثانی ۶۵ھ

(۱) اگر میں حق پر ہوں اور مخلصانہ مذہبی اور اسلامی خدمات کر رہا ہوں تو غیروں اور اپنوں سے جو کچھ بھی اذیتیں پیش آئیں یا آرہی ہیں ان کے لئے اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالےٰ کے احوال اور اعمال مشعل راہ ہیں جو جو مصائب انبیاء کرام اور اولیاء عظام اور مقدس علماء کو پیش آئی ہیں ان کے سامنے ہماری مصائب تو وہ بھی نسبت نہیں رکھتیں جو ذرہ کو پہاڑ سے ہے پھر اس پر کبیدگی اور قلق کیوں ہے اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل سے تو بشارت حاصل ہوتی ہے جس سے قبولیت عنداللہ کا پتہ چلتا ہے اور اگر خدانخواستہ میں غلط راستہ پر ہوں اور معاذ اللہ ضلال اور گمراہی میں پھنسا ہوا ہوں تو اس کا مستحق ہی ہوں اللّٰھم انی اعوذ بک من ان اَضل او اُضل او اَزل او اُزلّ او اَجھل او یُجھل عَلیّ آمین

(۲) معمولات کے بدستور جاری رکھنے میں حتی الوسع کوشش فرماتے رہیں "الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔

(۳) پاس انفاس کو دل پر زور دے کر جاری رکھئے خطرات اور وساوس اور احادیث نفس کو حتی الوسع دفع کرتے رہیئے رحمت خداوندی سے مایوس مت ہو جایئے۔

(۴) خواب میں سورہ فتح کی آیات اور آیت یریدون ان یبدلوا الآیہ پڑھنا بہت بڑی بشارت ہے شکر کرنا چاہیئے۔

(۵) دوسرا خواب جس میں پیشاب سے پانی خالص سمجھ کر وضو کرنا اور اس کے بعد حقیقت پر مطلع ہو کر پاک پانی سے غسل کرنا دیکھا گیا ہے یہ بھی فی الجملہ مبارک ہے دنیاوی تفکرات اور جھنجھٹوں کو جہاں تک ممکن ہو کم کیجئے اور ذکر کی جہاں تک ممکن ہو کثرت کیجئے۔

---

(۱) اللھم انی اسئلک من خیر ما سئلک سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم واعوذ بک من شر ما استعاذک منہ سیدنا ومولانا محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور اگر جی چاہے تو دونوں جگہ ما سے پہلے لفظ جمیع کا زیادہ کر لیا کریں یعنی یہ کہا کریں اللھم انی اسئلک من خیر جمیع ما سئلک الخ اور اعوذ بک من شر جمیع ما استعاذک الخ

(۲) دعا مانگنا اور اللہ تعالےٰ کے سامنے عاجزی اور زاری کرنا گڑگڑانا اور رونا بہت مبارک امر ہے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الدعا فوق العبادۃ مگر جو طریقہ آپ نے سارے جہان کیلئے ٹھیکہ لے رکھا ہے اور اس میں طبیعت گھبرا جاتی [illegible] بیت کے ملول ہونے کے سبب سے فائدہ نہ ہوگا میرے خیال میں عام دعاؤں کے لئے مفید [illegible]

وبلغ جمیع من اوصانی بالدعاء وجمیع من لہ حق علیّ علی المقاصد فی الدنیا والاٰخرۃ واکشف عنی وعنھم سائر الکربات فی الدنیا والاٰخرۃ انت اعلم بھم وبمقاصدھم وکربانھم وانت اکرم الاکرمین وارحم الراحمین حیی کریم تستحیی ان تردید العبد صفراً اذا رفع الاکفّ الیک وصل علٰی احب خلقِک الیک سیّدنا ومولانا محمد والہ وصحبہٖ وبارک وسلم واقعات خصوصیہ پیش آئیں اور ان کے لئے خصوصی طور پر دعا کرنا ضروری سمجھا جائے تو وہ اور چیز ہے نیز اسلاف اور مسلمانوں کے لئے دعائیں مختصر اور مناسب حسب ذیل ہوں گی۔ اللھم تغمد برحمتک ورضوانک وغفرانک جمیع مشائخی وجمیع اساتذتی وجمیع اسلافی وجمیع امواتی وجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات انک یامولانا سمیعٌ قریبٌ کریم مجیب للدعوات یارب العالمین وصلی اللہ علیٰ سیّدنا ومولانا محمد واٰلہٖ وصحبہ وبارک وسلم ان مختصر اور جامع دعاؤں میں جس قدر تکرار اور خشوع وغیرہ عمل میں لایا جائے وہ کارآمد ہوگا پاس انفاس اور ذکر جس قدر بھی زیادہ ہوگا، اسی قدر نفس اور روح میں نورانیت اور اعتبار پیدا ہوگا تاکہ یہ ذکر طبیعت ثانیہ بن جائے اور اللہ تعالےٰ کی معیت اور خوشنودی اور قبولیت حاصل ہو اخیر شب اور اخیر نہار دونوں ذکر سے معمور رہیں تو عظیم الشان کامیابی ہوگی۔

(۳) شب بیداری کا جو طریقہ لکھا ہے بہت مناسب ہے اللہ تعالےٰ برکت اور قبولیت عطا فرمائے آمین، جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عموماً ایسا ہی کیا کرتے تھے درمیان میں آرام فرما لیا کرتے تھے۔

(۴) درود شریف سے مراد وہی درود شریف ہے جو کہ بعد از التحیات قعدہ وغیرہ میں پڑھا جاتا ہے یہ دعا ربنالا تزغ قلوبنا الخ خواہ درود کے متصل ہو یا ادعیہ ماثورہ کے بعد ہو علیٰ ہذا القیاس آپ کو اختیار ہے کہ فرض میں یا نفل میں یا سب نمازوں میں پڑھا کریں کوئی خصوصیت نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ اس دعا کو تین دفعہ پڑھا کریں اور نیت تمام مسلمانوں کی کیا کریں یعنی ربنالا تزغ قلوبنا میں لفظ نا جو کہ جمع متکلم کی ضمیر ہے اس سے مراد تمام مسلمانان امت محمدیہ ہیں یہ دعا سبھوں کے لئے ہے جن میں سے خود دعا کرنے والا بھی ہے۔

(۵) تمام مسلمان خواجہ تاش اور آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام ہیں سب سے محبت رکھنی اور خیر خواہی چاہنی اور ان کے لئے دعا کرنا ہمارا فریضہ ہے ان کی دنیاوی حاجتوں میں خبر گیری حتی الوسع اور خدمات بجالانا ضروری ہے جس قدر ہو سکے اس میں کوشش کیجئے اور اگر کسی پر غصہ آئے تو اسی خواجہ تاشی کو اور اللہ تعالےٰ کے غضب اور انتقام کو یاد رکھ کر جہاں تک ممکن ہو غصہ کو فرو کیا کیجئے۔

(۶) حلق ابط اور حلق عانہ دونوں مطلوب ہیں ظاہری حیثیت شرعی تو مطلوب ہے ہی مگر بظاہر خواب کا اشارہ نفس کے عیوب کے ازالہ کی طرف ہے واللہ اعلم۔

یکم ربیع الاول ۱۳۷۲ھ

ایمان کو ہمیشہ بین الرجاء والخوف ہونا چاہیئے۔ وادعوہ خوفاً وطمعاً نص قرآنی ہے اور اس معنی پر مختلف آیات صریح موجود ہیں مگر حالت زندگی میں غلبہ خوف کا ہونا چاہیئے اور قرب موت میں غلبہ رجا کا ہونا چاہیئے۔ لقولہٖ علیہ السلام فی الحدیث القدسی انا عند ظن عبدی بی وقد قال سبحانہٗ وتعالےٰ افامن اھل القریٰ ان یاتیھم باسنا بیاتا وھم نائمون اوامن اھل القریٰ ان یاتیھم باسنا ضحیً وھم یلعبون افامنوا مکر اللہ فلا یأمن مکر اللہ الا القوم الخاسرون وقال ولا تیئسوا من روح اللہ الاٰیہ

خط بنام مولانا محمد اسمٰعیل صاحب خطیب جامع مسجد دریاوالی ضلع سرگودھا

۱۶ جمادی الثانیہ ۷۰ھ

قرآن شریف کا مشغلہ اور اس میں دل کا لگنا اور اس کے پڑھنے میں کیفیات عجیبہ اور سرور کا پیدا ہونا اور اس طرح لذت اور لطف کا ظہور کہ چھوڑنے کو جی نہ چاہے یہ نہایت عظیم الشان نعمت ہے اللھم زدفزد اس پر جس قدر بھی شکر کیا جائے وہ کم ہے ھنیئاً لارباب النعیم نعیمھم۔ محترما! سلوک کے طریقوں میں یہ طریقہ نہایت قوی اور عمدہ ہے اگرچہ اس میں مدت زیادہ لگتی ہے مگر نہایت مامون اور محفوظ طریقہ ہے خطرات سے بالکل خالی ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی طریقہ ہے مبارک ہو ذکر کے طریقہ میں اگرچہ مدت کم لگتی ہے عشق کی سوزش اور محبت محبوب حقیقی کی آگ تیزی کے ساتھ منزل مقصود کی طرف جلد پہنچا دیتی ہے مگر اس میں خطرات اور مخاوف بہت ہیں بہر حال اس طریق میں جس قدر جد وجہد ہو سکے عمل میں لاتے رہئے ہاں اگر یہ تصور بندھ سکے کہ پروردگار عالم میری زبان سے پڑھ رہا ہے اور میرے نفس کو اور تمام اپنے بندوں کو شہنشاہی خطاب اپنی عظمت اور جلال کی شان اور رأفت ورحمت کی صفت سے کر رہا ہے تو بہت بہتر ہے معانی کا دھیان رکھتے ہوئے عمل فرمائیں انشاء اللہ نتائج بہتر پیدا ہوں گے۔ تعلیمات دینیہ سے بھی نسبت میں قوت پیدا ہوتی ہے اس میں بھی کوشش فرماتے رہیں اور مغتنم سمجھیں۔ اللہ تعالےٰ اپنا فضل شامل حال فرمائے آمین۔ اتباع سنت میں کوتاہی کو روا نہ رکھیں۔

(۷) قوت حافظ کے لئے سورہ فاتحہ اکتالیس بار معہ بسم اللہ روزانہ بعد عصر پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں۔

(عزیزم محمد عثمان سلمہٗ اللہ تعالےٰ بر مکان مولانا حکیم محمد فاروق صاحب مرحوم محلہ بغیا نواب پورہ مراد آباد) معرفت حکیم محمد عمر صاحب، خلف حکیم محمد فاروق صاحب مرحوم عبد السلام صاحب ہاشمی مراد آباد۔

عزیزم سلکم اللہ تعالےٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا خط مورخہ ۳ مئی باعث دلجمعی ہوا احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی۔

عزیزم محسن صاحب سلمہٗ کی کیفیت سے بہت تشویش ہوئی۔ دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے بالفعل مندرجہ ذیل تین عمل کیجئے دیسی روشنائی سے مندرجہ ذیل اکتالیس نقش باوضو لکھئے نقوش کی خانہ پری ترتیب وار ہوگی یعنی خانوں کے خطوط کھینچنے کے بعد بسم اللہ کا عدد (۷۸۶) اوپر لکھنے کے بعد سب سے چھوٹا عدد (۲۱۵۶۲) اس کے خانہ میں سب سے پہلے اس کے بعد اس کے بعد والا عدد اور پھر اسی طرح ترتیب وار اپنے اپنے خانوں میں درج کریں۔

۷۸۶

۲۱۸۴۷	۲۱۵۶۲	۲۱۵۶۹
۲۱۵۶۸	۲۱۵۶۶	۲۱۵۶۴
۲۱۵۶۳	۲۱۵۷۰	۲۱۵۶۵

ان نقوش میں سے ایک نقش موم جامہ کرکے مریض کے گلے میں پہنا دیجئے اور باقی ماندہ کو روزانہ نہار منہ تازہ پانی میں پلا دیا کیجئے۔

(۲) ایک گھڑے بھر تازہ پانی پر مندرجہ ذیل آیات گیارہ مرتبہ پڑھ کر پھونکئے۔

فلما القوا قال موسےٰ ما جئتم بہ السحر ان اللہ سیبطلہ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین ویحق اللہ الحق بکلماتہ ولو کرہ المجرمون۔ فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون ط فغلبوا ھنالک وانقلبوا صاغرین والقی السحرۃ ساجدین قالوا آمنا برب العالمین رب موسیٰ وھارون ان ما صنعوا کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث اتی۔

اس پانی میں سے تین گھونٹ پانی مریض کو پلایا جائے اور باقی ماندہ سے مریض کو نہلایا جائے نہلاتے وقت پانی سر پر ڈالا جائے یہ عمل چالیس دن متواتر کیا جائے

(۳) منگل اور اتوار کی رات میں یعنی وہ رات جو کہ شنبہ اور اتوار کے دن کے درمیان میں پڑتی ہے پورا ہے پر گیارہ بجے شب کے بعد مریض کو ایک گھڑے بھر پانی سے جس پر سورہ فاتحہ معہ بسم اللہ اکتالیس دفعہ اور آیت فَمَا لَنَا اَنْ لاَّ نَتَوَکَّلَ عَلَی اللہ وقد ھدانا سبلنا ولنصبرن علیٰ ما آذیتمونا وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون گیارہ مرتبہ پڑھ کر پھونکا گیا ہو غسل دیں۔ اس طرح سات مرتبہ کریں یعنی ہر منگل اور اتوار کی رات میں غسل دیتے رہیں یہاں تک کہ سات راتیں پوری ہو جائیں چلّہ ختم ہونے اور ان اعمال کے پورے ہونے کے بعد مجھ کو اطلاع دیجئے۔ اور مفصل کیفیت لکھئے والدہ ماجدہ اور محترم بہنوں اور بھائیوں خصوصاً عزیز میاں صلاح الدین میاں عبدالقادر، میاں محسن سب سے سلام مسنون عرض کر دیجئے۔ دعوات صالحہ کی سب سے استدعا ہے۔

والسّلام دعاگو قدیم

۲۴ جمادی الاوّل ۶۳ھ

(۱) بنام مولانا ابو سعید خدا بخش صاحب، ملتان بیرون دہلی دروازہ

۷ ربیع الاوّل ۱۳۷ھ

طال شوقی الی القاکم - ایھا الغائبون عن نظری

ایک صاحب نے شکایت کی ان کا لڑکا ناجائز تعلقات کے پھندے میں پھنسا ہوا ہے ان کو تحریر فرمایا گیا۔ صاحبزادہ کی اصلاح اور اس خبیثہ سے مفارقت کے لئے مندرجہ ذیل عمل کیجئے کیا عجب ہے کامیابی ہو۔

اذا اردت ان ینجح اللہ حاجتک فاقرأ سورۃ الفاتحہ بان توصل میم آخر البسملۃ بلام الحمد للہ تبدأ من یوم الاحد بین سنۃ الفجر وفرضہ سبعین مرۃ و الیوم الثانی ستین مرۃ و ھکذا تنقص کل یوم عشرۃ حتی یکون یوم السبت عشر مرات۔ تقرأ فی الابتداء الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبع مرات۔ وفی الانتہاء کذالک کل یوم۔ وندعو اللہ بنجاح حاجتک علی الاختتام کل یوم۔

ترجمہ

جیسے کامیابی مقصد کے لئے عمل یہ ہے کہ صبح کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان سورہ فاتحہ ترکیب ذیل سے پڑھی جائے۔

(۱) بسم اللہ کے آخر کے میم کو الحمد للہ کے لام سے ملا دو (اس طرح حیمل حمد)

(۲) یہ عمل اتوار کے دن سے شروع کیا جائے اس طرح۔

(۳) اتوار کو مذکورہ بالا صورت سے صبح کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان ستر مرتبہ، پیر کے روز ساٹھ مرتبہ اس طرح ہر روز دس گھٹاتے رہو یہاں تک کہ شنبہ کے روز دس مرتبہ پڑھو۔ اوّل اور آخر سات مرتبہ درود شریف۔

۷ ربیع الاوّل ۱۳۷ھ

ادائے قرض کے لئے یہ دعا پڑھی جائے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلاَلِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ۔

(ترکیب) روزانہ پانچوں نمازوں کے بعد اولاً تین دفعہ درود شریف، پھر دعا مذکورہ تین دفعہ پھر درود شریف تین دفعہ پڑھیں۔ بچہ کے حفظ کے لئے ایک روٹی پر باوضو بروز جمعرات سات جگہ نیچے لکھی ہوئی آیت کو اس طرح لکھا جائے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

پھر ہر روز نہار منہ اس کو ایک ٹکڑا کھلا دیا جائے یہ عمل سات جمعراتوں تک رہے۔

(۲) ۲۸۔ ربیع الاوّل ۶۴ھ

بعد از سلام مسنون عرض آنکہ عرصہ ہوا کہ آپ کا ایک والا نامہ ایک اغوا کردہ

شدہ لڑکی کے متعلق آیا تھا اس کے بعد آپ تشریف لائے مگر کچھ تذکرہ نہ فرمایا ایسی صورتیں یا حفیظ ایک سو انیس دفعہ پھر آیت یا بنی انھا ان تک مثقال حبۃ من خردل (اخیر آیت تک) سورہ لقمان ایک سو انیس ۱۱۹ دفعہ پڑھا کریں انشاء اللہ گم شدہ چیز یا شخص واپس ہو جائیں گے (دیگر) (امسیت فی امان اللہ واصبحت فی جوار اللہ) سوا لاکھ مرتبہ پڑھیں۔

(دیگر) سورۃ ضحیٰ سات مرتبہ پڑھیں پھر اپنے اوپر انگشت شہادت پھرائیں اور سات مرتبہ مندرجہ ذیل کلمات کہیں:۔ اصبحت فی امان اللہ و امسیت فی جوار اللہ۔ و امسیت فی امان اللہ و اصبحت فی جوار اللہ پھر وشنک دین ہر صبح وشام کو تا واپسی مفرور یا ضائع شدہ عمل میں لائیں دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

(۳) ۳۰۔ ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ۔

جمعیۃ کا اجلاس امید دلاتا تھا کہ لاہور میں ملاقات ہوگی مگر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب وغیرہ حضرات کی عنایتوں سے ہماری بغیر مرضی اور بغیر پرسش اجلاس مارچ کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

آپ کے یہاں سے اتحاد کانفرنس کا مطالبہ آیا تھا مگر اس خیال سے کہ مبادا جمعیۃ کے اجلاس کی وجہ سے شرکت ممکن نہ ہوں میں نے وعدہ نہیں کیا تھا اب جب کہ اجلاس جمعیۃ ملتوی ہو گیا ہے تو میں نے سیکرٹری صاحب کو لکھ دیا ہے کہ میں عدیم الفرصت بہت ہوں اور تقریر و تحریر میں بہت پسماندہ ہوں۔ اس لئے میرا وہاں آنا اور تقریر کرنا مفید نہیں ہے مگر آپ ضرورت محسوس کرتے ہوں تو بذریعہ تار مجھ کو مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ ایک روز شریک اجلاس ہو جاؤں گا پس اگر تار آیا تو ممکن ہے کہ میں اتوار کو یا دوشنبہ کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔

نوٹ:۔ یہ وہی خط ہے جس کا تذکرہ مولانا ابو سعید خدا بخش صاحب کے بیان میں لبسلسلہ واقعات پہلے گذر چکا ہے۔

(۴) ۲۲۔ ذی الحجہ ۶۵ھ

ملتان سے واپسی پر جو کچھ پیش آیا اس پر کوئی افسوس نہ ہونا چاہئے انبیاء علیہم السلام اور اسلاف کرام کو کیا کیا نہیں پیش آیا ہم جیسے کوئی چیز ہی نہیں ہیں اللہ تعالےٰ اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے اور قبولیت واخلاص سے نوازے (آمین)۔ جو کہ تکدر فضا میں لیگیوں کی حماقت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور جس قدر عظیم الشان نقصان مسلمانوں کو پہنچا ہے اس سے عبرت حاصل کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے اور اپنے اپنے مقام پر امن وامان قائم کرنا اور فتنہ وفسادات کی شعلہ بازی کی روک تھام کرنا ازبس ضروری ہے غافل مست ہو جیئے انگریز کی مساعی اور اس کے مقاصد یہ ہی ہیں۔ چرچل کی تقریر اب بھی دیکھ لیجئے۔

(۵) جمعیۃ علماء ہند کا مقصد اور مولانا خدا بخش صاحب کے متعلق اعلان

حامداً ومصلیاً

موجودہ زمانہ اور احوال میں مسلمانان ہندوستان کے لئے صرف جمعیۃ علماء ہند کا دستور اساسی اور نصب العین اور اس کا عملی راستہ تمام مشکلات اور مصائب کا حل ہے جس کا منبع قرآن وحدیث اور اسلاف کرام اہل سنت والجماعت کا اتباع ہے بنا بریں مسلمانانِ پنجاب سے پر زور درخواست ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ جمعیت کے ممبر بنیں اور اس کے نظام کو جہاں تک ممکن ہو عملی جامہ پہنائیں۔ حضرت مولانا خدا بخش صاحب حلقہ جنوبیہ کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ میں امیدوار ہوں کہ ناظرین ان کی امداد واعانت اور ان کے پیش کردہ پروگرام پر عامل بننے میں کسی ممکن سعی سے گریز نہ فرمائیں گے۔ اشد ضرورت ہے کہ مسلمان بیدار اور منظم ہو کر جادۂ شریعت غرّا پر عمل پیرا ہوں اور انتہائی صبر و استقامت اور امن وامان کے سایہ میں اسلام اور مسلمانوں کو روز افزوں ترقی کے بام پر پہنچائیں۔ تقویٰ اور طہارت کے دامن کو کسی جگہ اور وقت میں ہاتھ سے نہ چھوڑیں

(دستخط مبارک حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

---

(۶) عمل برائے حل مشکلات وامور مہمۃ یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع۔

(۱) قضائے حاجات مہمہ کے لئے روزانہ بارہ سو مرتبہ پڑھیں اوّل وآخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ ہو اور اگر کسی مریض کی شفاء مقصود ہو تو بالخیر کی بالشفاء پڑھیں اور اگر کسی دشمن کا مقہور ہونا مقصود ہو تو بالخیر کی جگہ بالقہر پڑھیں۔

بہتر یہ ہے کہ اولاً اس مبارک اسم کی زکوٰۃ دے دی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نو چندی جمعرات کو نہا دھو کر رات میں عشاء کے بعد سات ہزار مرتبہ پڑھیں اور چالیس دن تک برابر اس کو جاری رکھیں۔ اس کے بعد روزانہ کم از کم ایک ہزار ایک سو پچیس مرتبہ ہمیشہ بلا ناغہ پڑھا کریں انشاء اللہ تمام مشکلات حل ہوتی رہیں گی اور مقاصد پورے ہوتے رہیں گے۔

(۷) صلوٰۃ الحاجۃ

(۲) چار رکعت نفل بہ نیت قضاء حاجت جس وقت میں ممکن ہو پڑھا کریں مگر بہتر ہے کہ شب جمعہ میں پڑھا کریں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ:

لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین فاستجبنا لہ ونجینٰہ من الغم وکذالک ننجی المؤمنین۔ دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ

ربّ انی مسّنی الضرّ وانت ارحم الراحمین تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ۔

افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

بعد ختم کے سو مرتبہ رب انی مغلوب فانتصر۔

یہ نماز بہت مفید ہے اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور مقاصد مہمہ میں اس سے استفادہ کریں۔

خط بنام حافظ سید سادات حسن صاحب دیوبندی مقیم مراد آباد

جناب ابو جعفر صاحب زید مجدھم

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مزاج شریف۔ والانامہ مورخہ ١٠ مارچ باعث سرفرازی ہوا۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ صوبیدار صاحب اور ان کے رفیق صاحب کے احوال پر اطلاع ہوئی۔ آپ کی تحریر پر اطمینان ہوتا ہے کہ صوبیدار صاحب اس عریضہ کے پہنچنے پر رخصت سے فیضیاب ہو رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ عواقب بخیر فرمائے۔ والدہ صاحبہ دام مجدہا سے بعد از سلام مسنون عرض کردیں کہ آپ کو اس دنیائے ذلیلہ میں بار بار رنج دینے والے اور دل توڑنے والے صدمات پیش آ رہے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے واعظ اور نصیحت کرنے والے۔ یاد دلانے والے پیغام سمجھئے اور ذرا بھی دل میں تشویش اور قلق کو جگہ نہ دیجئے۔ غافل انسان ان چیزوں سے دل لگا بیٹھتا ہے اور اصلی محبوب سے بے پرواہ اور غافل ہو جاتا ہے حالانکہ وہی ذات پاک دل لگانے کے قابل ہے اور سب ہیچ ہیں قدرت آپ کو بار بار جگاتی اور جھنجھوڑتی ہے کہ یہ چیزیں خواہ اپنے اعضاء ہوں یا اپنی اولاد یا رشتہ دار یا ماں باپ وغیرہ سب کے سب فانی اور جدا ہونے والے ہیں صرف ایک ذات رب الارباب کی باقی رہنے والی۔ وفا کرنے والی حقیقی معنوں میں نفع دینے والی ہے۔ اسی سے اور صرف اسی سے دل لگائیے۔ ؎

جو چمن سے گذرے تو اے صبا تو یہ کہنا بلبل زار سے

کہ خزاں کے دن بھی ہیں سامنے نہ دل لگا تو بہار سے

اب آپ کی ضعیفی کی گھڑیاں یاد خداوند حقیقی اور صرف اسی کی یاد میں گزرنی چاہئیں جس قدر بھی ممکن ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کیجئے اور جملہ افکار کو پیٹھ کے پیچھے ڈالئے آپ کا ایک ناکارہ خادم میں بھی ہوں میرے لئے بھی اپنی اولاد کے ساتھ دعاؤں میں حصہ رکھیئے۔

تشریحات۔ یہ خط زمانۂ اسارت میں نینی جیل سے تحریر فرمایا گیا ہے۔
ابو جعفر حافظ سید سادات حسین صاحب کی کنیت ہے احتیاطاً نام کے بجائے کنیت استعمال کی جاتی ہے صوبیدار صاحب سے مراد یہ مرتب محمد میاں ہے کیونکہ اس زمانہ میں جمعیۃ العلماء صوبہ متحدہ کی نظامت اس احقر سے متعلق تھی احقر اس زمانہ میں حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب کے ساتھ بریلی سنٹرل جیل میں تھا۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مرض الوفات شروع ہو گیا تھا اس بنا پر احقر نے پیرول کی درخواست دی تھی پیرول کی درخواست منظور ہوئی مگر حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد والدہ صاحبہ سے مراد احقر محمد میاں کی والدہ ہیں (حافظ سید سادات حسن صاحب کی خوشدامن)

مولانا مقصود علی خاں صاحب سنبھلی مدرس مدرسہ تعلیم الدین آنند ضلع کھیڑا ٥٤ھ

روزانہ ١٣ سو مرتبہ ایک مجلس میں یا متفرق میں [illegible]

اس کے بعد دعا مانگا کریں انشاء اللہ تعالیٰ مقصد میں کامیابی ہوگی۔ وہ یہ ہے یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع۔

از دیوبند ٥ شعبان المعظم ٥٥ھ

آپ روزانہ سوتے وقت سورۃ الم نشرح ستر مرتبہ پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں نیز پنجوقتہ نماز کے بعد یہی سورت سات سات مرتبہ پڑھ کر سینے پر دم کر لیا کریں انشاء اللہ فائدہ ہوگا

(غالباً دفع وسواس کے لئے)

١٩ شوال ٥٩ھ

ہمشیرہ محترمہ کی وفات کی خبر سے صدمہ ہوا اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے یہ موت حسب ارشادات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ شہادت کی موت ہے اور پھر رمضان شریف میں واقع ہوئی اس لئے مغفرت اور رحمت غیر متناہیہ کی قوی امید ہے

مہربانی من موت تو سب کو آنی ہے مگر موت اگر امید افزا واقع ہو تو خوشی کی بات ہے پریشان ہونا بے موقع ہے ہاں دنیاوی حیثیت سے بے شک باعث صدمہ و ملال ہے کہ چھوٹے بچے چھوٹے ہیں اور خاندان کے لئے ایک شریف النفس سمجھدار انسان کا غائب ہونا موجب حزن و ملال ہے مگر اگر ایسا نہ ہو تو وہ امتحان جس کے لئے ہم کو اس دارِ کدر دار الاحزان میں لایا گیا ہے اور پرزور الفاظ میں چیلنج دیا گیا ہے (ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات الآیۃ) اس کے حصول کی اور درجات عالیہ میں پاس ہونے والوں کو (وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیہم صلوات من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون) حاصل کرنے کی نوبت کس طرح آسکتی تھی بہرحال دل کو صرف محبوب حقیقی سے لگائیے اور دنیا کی ہر نعمت کو عارضی سمجھتے ہوئے (جو کہ واقع میں ہالک اور زائل ہی ہے کل شیٔ ھالک الا وجھہ) پر اطمینان حاصل کیجئے۔

جہاں اے برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس
بابا رشتہ سب سے توڑ
بابا رشتہ حق سے جوڑ

اللہ تعالیٰ پس ماندوں کو نعم البدل عطا فرمائے اور ان کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازے آمین۔

عمل برائے فراخی رزق

تہجد کے وقت میں اولاً دو رکعت نفل بہ نیت وسعت رزق پڑھیں پہلی رکعت میں بعد از فاتحہ سورۃ لایلف پچیس مرتبہ اور دوسری رکعت میں بعد از فاتحہ سورۃ اذا جاء نصر اللہ پچیس مرتبہ پڑھیں سلام پھیرنے کے بعد درود شریف سو مرتبہ پڑھ کر کھڑے ہو کر یا وَھَّابُ ایک ہزار چار سو چودہ مرتبہ خشوع کے ساتھ پڑھا کریں اگر کھڑے ہو کر پڑھنے میں معذوری ہو تو بیٹھ کر پڑھیں اس نماز پر مداومت کریں مسواک کرنے میں سستی نہ کریں ہر وضو کے ساتھ مسواک کیا کریں۔

۱۵۔ ذی قعدہ ۷۶ھ۔

ذکر میں دل لگنے کی خوشخبری سے خوشی ہوئی آپ کا یہ ارشاد کہ پاس انفاس کے وقت ہونٹ تو نہیں ہلتے مگر زبان ضرور ہل جاتی ہے تعجب خیز امر ہے آپ کے پاس انفاس کے ذکر کے وقت زبان کو اوپر کے تالو سے یا نیچے کے تالو سے چمٹا لیا کریں تو پھر زبان کو کس طرح حرکت ہو سکتی ہے مجھ کو تو قطب العالم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز نے بغیر چمٹائے زبان کے ساتھ بتلایا تھا اور میں بغیر اس کے جب ہی سے کرتا ہوں اور زبان کو ادنیٰ درجہ کی بھی حرکت نہیں ہوتی۔ زبان کہیں بھی ہوتی ہے حرکت نہیں کرتی۔ آپ ذرا سا خیال فرمائیں گے تو کامیاب ہو جائیں گے یہ تو اس وقت ہے جب کہ سانس منہ سے لیا جائے۔ اور اگر ناک سے لیا جائے تو منہ کو بالکل بند کر کے ناک سے پاس انفاس کیجئے زبان کو کسی قسم کا دخل ممکن ہی نہ ہو گا۔ بارہ تسبیح کو بھی جی لگا کر کیجئے اور رحمت الٰہی سے مایوس مت ہو جیئے۔

خط بنام مولانا محمد صوفی صاحب مدرس دار العلوم ڈوڈریہ ضلع پورنیہ۔ بہار

۱۹ صفر ۱۳۷۵ھ

آپ کا اسم ذات زبانی کرتے رہنا موجب فرحت و سرور ہوا میرے محترم! اس کی تعداد اصل میں روزانہ سوا لاکھ ہے آپ کو جو مقدار بتائی گئی ہے وہ تو نہایت ہی قلیل ہے مگر افسوس کہ آپ اس کو بھی روزانہ پوری نہیں فرماتے اور گھریلو معاملات کی الجھنوں میں مبتلا ہو کر ذکر میں کوتاہی کرتے ہیں کیا یہ دنیا اور اس کے الجھے ہوئے معاملات قبر میں، برزخ میں، قیامت میں کام آئیں گے اور کیا اس وقت میں کف افسوس نہ ملنا پڑے گا مثلاً لا تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور ہرگز ہرگز تم کو دنیاوی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور تم کو ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ سے شیطان دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ غافل کرے۔ آپ کس غفلت میں ہیں دنیاوی زندگی کا ہر لمحہ غنیمت اور بہت ہی بیش قیمت ہے۔ اس کو ضائع مت کیجئے کوشش بلیغ کیجئے کہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو اور کسی کو دکھلانے اور سنانے اور شہرت اور ناموری کا ہونا مقصود نہ ہو اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور خوشنودی منظور نظر رہے۔

پاس انفاس بھی ضرور کریں جس کے آپ خواہشمند ہیں یہ ذکر صرف سانس سے ہو گا زبان اور ہونٹ کو نہ ہلنے دیجئے اگر سانس منہ سے لیں تو بغیر زبان اور ہونٹ کی حرکت کے جو سانس کھینچتے ہیں یعنی اپنے اندر داخل کرتے ہیں اس سے (اللہ) کہیں اور جو نکالتے ہیں اس سے ہو کہیں۔ آواز نہ ہو ہونٹ نہ ہلیں زبان نہ ہلے اور اگر زبان قابو میں نہ آئے بلکہ ہلجاتی ہو تو اس کو تالو سے چمٹا لیا کریں۔ اور اگر سانس ناک سے لیں تو منہ بالکل بند کر کے ناک سے سانس کھینچیں اور لفظ (اللہ) کہیں اور پھر ناک ہی سے ہو نکلنے والے سانس سے نکالیں کسی تنہائی کی جگہ میں باوضو قبلہ رو بیٹھ کر روزانہ ایک گھنٹہ تک اس ذکر کو عمل میں لائیں۔ بیٹھنا خواہ چار زانو ہو یا دو زانو۔ اگر دیوار یا تکیہ وغیرہ پر ٹیکنا ہو تو حرج نہیں ہے اتنی مقدار تو روزانہ باوضو ہونی ضروری ہے اس کے علاوہ اوقات میں خواہ وضو ہو (جو کہ اولیٰ ہے) یا وضو نہ ہو چلتے پھرتے۔ بیٹھے کھڑے، لیٹے، چت ہو یا کروٹ اسی کا دھیان اور عمل جاری کریں اور اس قدر اس کی مشق اور کثرت کریں کہ بلا اختیار خود بخود ہر وقت جاری ہو جائے۔ باہر سے آنے والے سانس میں اللہ کہتے ہوئے دھیان کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنی پوری عظمت و جلال کے ساتھ باہر موجود ہے اور ہو کہتے ہوئے دھیان ہو کہ وہ پروردگار اپنی پوری عظمت و جلال کے ساتھ میرے قلب میں موجود ہے یعنی الظاھر والباطن کا تصور ہو سے۔

ہر نفس بہرت مسیحائیست چست
گر نداری پاس او از جہل تست
ایں چنیں انفاس خوش ضائع مکن
غفلت اندر شہر جاں شائع مکن

دعوات صالحہ سے اس نابکار ننگِ اسلاف کو فراموش نہ فرمائیں۔ واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہہ دیں۔

والسلام

خط بنام مولانا حکیم اللہ صاحب ہلدوانی محلہ من بہپو بہورہ ضلع نینی تال ۱۳۷۵ھ

مجھے کوئی وظیفہ بتانے کے جواب میں تحریر ہوا۔ عشاء کی نماز کے بعد پانچ تسبیح حسبنا اللہ ونعم الوکیل کی پڑھا کریں۔

بنام مولانا حکیم اللہ صاحب نوری الحسینی مدرسہ خادم العلوم قصبہ کرنیل گنج ضلع گونڈہ

۷ جمادی الاول ۱۳۶۶ھ

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ۔ مزاج مبارک

والا نامہ مورخہ ۹ جنوری باعث سرفرازی ہوا تھا یاد آوری کا شکر گزار ہوں خیر وعافیت معلوم کرکے خوشی ہوئی۔ ذکر قلبی میں آپ نے لکھا ہے کہ طبیعت بہت گھبراتی ہے اور دنیا بھر کے فاسد خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ میرے محترم! یہ تو طبیعت بشری ہے جو کام بھی ابتدا ابتداء میں کیا جاتا ہے طبیعت اس سے گھبرایا کرتی ہے خصوصاً جو کام اصلاح کا ہو اور شیطان کی خواہشات کے خلاف ہو اس میں طبیعت کا گھبرانا اور نفس پر بوجھ پڑنا ضروری ہوتا ہے مگر استقلال اور مداومت سے آہستہ آہستہ اس میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے طبیعت پر زور ڈالئے اور دل لگا کر مداومت کیجئے۔ بچہ کو جب کہ مکتب میں داخل کیا جاتا ہے اور الف با پڑھایا جاتا ہے تو اس کی طبیعت اس سے کس قدر الجھتی ہے اور بچہ کس قدر گھبراتا ہے ہر ایک کو معلوم ہے مگر زور ڈالنے سے رفتہ رفتہ خوگر ہو جاتا ہے اسی کو سورہ والنّٰزعٰتِ غرقاً میں ذکر کیا گیا ہے پہلا مرتبہ والنّٰشطٰتِ نشطاً کا ہے دوسرا مرتبہ ترقی کا والنّٰزعٰتِ غرقاً اس میں اس کو نشاط حاصل ہونے لگتا ہے پھر اس کام میں اس کو روانی حاصل ہو جاتی ہے جس کو تیسرا مرتبہ والسّٰبحٰتِ سبحاً سے ذکر کیا گیا ہے پھر وہ تیز رو ہو جاتا ہے اور دوڑ لگاتا ہوا دوسروں سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے یہ چوتھا مرتبہ ہے جس کو فالسّٰبقٰتِ سبقاً میں ذکر کیا گیا ہے پھر وہ اس قدر مشاق ہوتا ہے کہ دوسروں کی رہنمائی کرنے لگتا ہے جو کہ پانچواں مرتبہ ہے جس کو فالمدبرات امراً میں ذکر کیا گیا ہے۔ ہر قسم کے کمالات انسانیہ میں خواہ دنیوی ہوں یا دینی۔ پانچوں مقامات پیش آتے ہیں بشرطیکہ آدمی جما رہے اور گھبرا کر چھوڑ نہ بیٹھے۔

میرے محترم! آپ کو گھبرانا نہ چاہئے اور طبیعت کے خلاف جہاد قائم رکھنا چاہئے فاسد خیالات کو بقدر امکان دفع کرنا چاہئے انشاء اللہ کمی ہو جائے گی میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالےٰ آپ کی مدد فرمائے آمین۔

اس روسیاہ وناکام کو دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

بنام محترمہ امۃ الجیب صاحبہ (ٹونک) شفا منزل۔ ٹونک۔

۲۵۔ جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ

سوکھیا مسان کے لئے مندرجہ ذیل عمل کیجئے انشاء اللہ کامیابی ہوگی آدھ سیر یا سیر بھر یا زیادہ تل لے کر اس کو دھلوالیں پھر اس کا تیل نکلوائیں اور اس پر مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر باوضو پھونکیں۔ سورہ فاتحہ مع بسم اللہ تین مرتبہ آیۃ الکرسی ۳ مرتبہ والصافات۔ لازب تک ۳ مرتبہ سورہ جن شططاً تک ۳ مرتبہ چاروں قل تین تین مرتبہ، اس کے بعد بچہ کا سر منڈا کر روزانہ یہ تیل پڑھا ہوا سر سے پیر تک تمام جسم پر ملا کریں کوئی جگہ تیل سے خالی نہ رہے ملنے کے بعد چاہیں تو بچہ کو صابن سے نہلا دیں یا تیل بدن پر لگے رہنے دیں۔ یہ عمل چالیس دن تک بلا ناغہ کیا جائے۔ انشاء اللہ مکمل فائدہ ہوگا۔

خط بنام امۃ الجیب، ٹونک۔ ۲۲۔ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ

آپ کی تکلیف تنفس سے فکر ہوئی یا لطیف روزانہ ایک ہزار مرتبہ پڑھا کریں اور چودھویں رات میں کورے برتن میں سورۃ الناس لکھیں اور اس میں پانی بھر کر کچھ پئیں اور باقی سے وضو کریں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں بچے کے لئے جو عمل بتایا گیا تھا کیا گیا یا نہیں اور اس سے کچھ فائدہ ہوا یا نہیں۔

خط بنام مولنی محمد جلیل صاحب موضع بیروان چندن پور پوسٹ کھوریا بازار ضلع گورکھپور۔ ۱۷ جنوری ۱۹۵۳ھ

(۱) اپنے حق کے حصول کے لئے اگر بغیر جھوٹ بولنے کے کام نہ چل سکے تو یقیناً جائز ہے اسی طرح رشوت دینا بھی اس وقت جائز ہے جب کہ اپنا کوئی حق رشوت دینے کے بغیر حاصل نہ ہو سکتا ہو۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی تصریحات فرمائی ہیں اور فقہاء کرام بھی تصریح فرما رہے ہیں البتہ یہ دونوں چیزیں کسی دوسرے کے حق تلف کرنے کے لئے جائز نہیں ہیں۔ اس لئے آپ کو تردد نہ کرنا چاہیئے۔

(۲) جیسے اصل اور جائز حقوق کے لئے مدعی کو بوقت ضرورت جھوٹ کا جواز ہے ایسے ہی شہود کے لئے بھی بقدر ضرورت جواز ہوگا

(۳) دوسرے مکتوب میں تسبیحات ستہ اور ذکر اسم ذات کے لئے بہتر یہی ہے کہ باوضو عمل کریں اور اگر نہ ہو سکیں۔ تو تیمم کر لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے بلا وضو اور بلا تیمم بھی کر لینا جائز ہے یہی اور دوستوں کو بھی کہہ دیجئے۔

(۴) ام الصبیان کے لئے مندرجہ ذیل عمل کیجئے۔

گیارہ دھاگہ چرخے کا حاملہ کے قد کے برابر لیجئے اور اس کو کسم کے پھول سے رنگ کر کے اس میں اکتالیس گرہ دیجئے اور ہر گرہ دیتے ہوئے سورہ فاتحہ بسم اللہ [illegible] پڑھئے اور گرہ دیتے ہوئے گرہ پر پھوکئے پھر اس دھاگے کو

حاملہ کے گلے میں پہنا دیجئے اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو ماں کے گلے سے نکال کر بچہ کے گلے میں پہنا دیجئے انشاء اللہ محفوظ رہے گا مگر یہ پڑھنا اور پھونکنا باوضو ہو۔

(۵) حق آبپاشی اگر بلا رشوت نہ مل سکتا ہو۔ تو رشوت دینا درست ہے مگر کسی کے حق کو تلف کرنا رشوت سے جائز نہیں۔

بنام مولانا بشیر احمد صاحب فیض آبادی القاسمی

آپ کا اذکار میں کوتاہی کرنا افسوسناک ہے ہرگز ہرگز ناغہ نہ ہونے دیجئے۔ وقت معین پر اگر انجام دہی نہ ہو سکے دوسرے وقت کر لیا کیجئے کوئی دن رات کا عرصہ خالی نہ رہنا چاہیئے لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آیا کیجئے میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے مقاصد دارین میں کامیاب فرمائے آمین۔ ناسازگار حالات اور واقعات سے گھبرانا نہ چاہیئے۔ وہاں پر مستقل طور پر جی لگا کر رہیئے بچوں کو پڑھانے اور زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی تدبیروں میں کمی نہ کیجئے تبلیغ کے لئے تعلیمی مشاغل سے فراغت میں جایا کیجئے۔

والسّلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

از دار العلوم دیوبند

یکم ربیع الثانی مطابق ۷ انومبر ۱۹۵۵ء

خط بنام صوفی بشیر احمد صاحب جیترا منڈی دھامپور ضلع بجنور۔

۱۰ر شوال ۱۳۷۳ھ

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، والا نامہ باعث سرفرازی ہوا یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مولانا عبد القدیر صاحب انبیٹھوی خلیفہ حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب مرحوم رائے پوری کے عقد نکاح پر سنا جاتا ہے لوگوں میں خلجانات اور اعتراضات و اختلافات ہیں اور بعض احباب اس امر کو مولانا کے تقدس اور ارشاد طریقت کے منافی سمجھتے ہیں اس لئے میں احباب کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ عقد نکاح حسب تصریحات فقہا ضروریات بشریہ میں سے ہے جن سے انسان کسی عمر میں نہ مستغنی ہو سکتا ہے اور نہ اس سے کوئی مرتبہ باطنی یا ظاہری مانع ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایام خلافت میں جب وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی متعدد اولاد بڑی بڑی عمر والی موجود تھیں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بہت بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا (سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جو کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھی چھوٹی تھیں) ان سے نکاح کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوشی اس کو منظور فرمایا کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہوا حضرت ام کلثوم دوشیزہ اور بہت تھوڑی عمر والی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وجہ سے سلسلہ قرابت حاصل کر لیا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آخری ایام تک رہیں اسی طرح سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے صوبہ سرحد میں باوجود ضعیف العمری اور اعلےٰ درجہ کے عارف باللہ شیخ مشائخ طریقت اور قطب وقت ہونے کے ایک دوشیزہ لڑکی سے شادی کی جس سے ایک بچی پیدا ہوئی تھی اور وہ بچی اور اس کی ماں بعد شہادت حضرت سید صاحب مرحوم باقی رہیں اس قسم کی مثالیں اسلاف کرام میں بکثرت موجود ہیں یہ اعتراضات بے وقوفی کے ہیں لوگوں کو ایسی فضولیات سے بچنا چاہیئے اور اپنی عاقبت خراب نہ کرنی چاہیئے مجھے اس سے سخت صدمہ ہوا کہ بیوقوفوں نے اس بحث کو اکھاڑا بنا رکھا ہے میں امیدوار ہوں کہ احباب اس سے پرہیز فرمائیں۔

والسّلام

(۲) ۲ر محرم ۱۳۷۰ھ

منشی صاحب کی اہلیہ محترمہ کے لئے دودھ کی کمی کے متعلق پسے ہوئے نمک پر والوالدت یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ اور آیت وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً ۔ نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ۔
باوضو گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر پھونکیں اور وہ نمک ارد کی دال میں ڈال کر عورت کو کھلایا کریں انشاء اللہ کامیابی ہوگی ۷۸۶

اتوار کے دن سورج نکلتے ہی پہلی گھڑی میں تانبے کی تختی پر ہر ایک طرف ایک ایک عبارت کھدوا کر مرگی والے کے گلے میں پہنا دیں۔

خط بنام مولانا غلام پیر حسینی ناظم جمیعتہ علماء یوسف پور ضلع غازی پور۔

پاس انفاس کے شروع کرنے سے خوشی ہوئی میرے محترم پاس انفاس سے اصل غرض یہ ہے کہ انسان کا کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہے نہ اندر جانے والا سانس نہ باہر نکلنے والا سانس انسان دن رات میں تقریباً پچیس ہزار سانس لیتا ہے سب کا سب ذکر سے معمور رہے ابتداء میں ایک گھنٹہ صرف اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ عادت ہونے لگے یہ ایک گھنٹے کی مشق باوضو قبلہ رخ بیٹھ کر ہو مگر اس کے علاوہ خواہ وضو ہو یا نہ ہو اگرچہ باوضو ہر وقت رہنا طہارت باطنی میں بہت مؤثر اور اس کے لئے بہت کار آمد ہے، کھڑے بیٹھے، لیٹے، چلتے ہوئے حتیٰ کہ پائخانہ پیشاب کرتے ہوئے بھی سانس کے ساتھ ذکر جاری رہے کرتے کرتے ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ سوتے ہوئے بھی ذکر جاری رہتا ہے عمر عزیز کا جو حصہ بھی ذکر میں گزرے وہی زندگی ہے اور مفید ہے اس میں کوتاہی ہرگز ہرگز نہ کیجئے نفس پر زور ڈال کر اس میں مشغول رہیئے اللہ تعالےٰ کی مدد شامل حال ہوگی اور دنیاوی جھنجھٹوں کے ہوتے ہوئے جد و جہد جاری رکھیئے مایوس مت ہو جیئے۔

صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب

[illegible] بیابی کام را

(۲) توکل کی عادت ڈالئے اور اللہ تعالےٰ ہی پر ہر کام میں امداد اور بھروسہ کیجئے انشاء اللہ تدریجی طور پر اثر ہوگا

تو مگو ما را بآں شہ بار نیست
با کریماں کارہا دشوار نیست

(۳) بے شک یہ امور ثلاثہ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا نفاق کے شعبے ہیں مگر یہ نفاق عقیدہ نہیں ہے نفاق عملی ہے ان کو جہاں تک ممکن ہو چھوڑنا چاہیئے اور اس کے ترک کی کوشش میں لگے رہنا چاہیئے اور بارگاہ خداوندی میں استغفار کرتے رہنا چاہیئے اور اس سے دعا مانگتے رہنا چاہیئے کہ وہ کریم کارسازان تمام بری عادتوں اور تمام ناپسندیدہ اخلاق و اعمال سے ہم کو بچائے اور موجودہ ناسزا امور کو دور کردے۔

خط

جناب حافظ نور احمد صاحب معرفت توفیق احمد صاحب علوی بازار جامع مسجد کیرانہ ضلع مظفر نگر۔

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ

والانامہ باعث سرفرازی ہوا شہد بھی پہنچا مگر آپ نے اس کی قیمت بالکل نہیں لکھی۔ یہ طریقہ غلط ہے میرے پاس آپکے بقایا ۱۲ روپے اور ۶۳ پیسے مرچ کی قیمت کے لکھے ہوئے ہیں میں عنقریب یہ روپے بذریعہ ڈاک یا کسی جانے والے کے ہاتھ بھیج دوں گا انشاء اللہ۔

مہربانی فرماکر شہد کی قیمت اور اگر کوئی بھی رقم مجھ پر آتی ہو تو اس سے اطلاع دیں حساب کا صاف رہنا اور پیسہ پیسہ کا حساب لینا ازبس ضروری ہے یہی محبت اور یگانگت ہے معاملات کو بالکل صاف رکھنا چاہیئے۔

والسلام

از دارالعلوم دیوبند ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ

(۲) اور بھائی صاحب کا مستقل کرنا بھی پہنچا تشخیص اور عمل کے بعد معلوم ہوا کہ اس پر جادو کیا گیا ہے اس لئے اس پر دو عمل کیجئے انشاء اللہ شفا ہو جائے گی۔

(۱) کھانے کے نمک کو لیں کر اس پر باوضو مندرجہ ذیل آیت ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھ کر پھونکیئے اور کھانے میں صرف یہی نمک ملا کر دیا کیجئے چالیس دن تک متواتر ایسا ہی کھانا کھلایا کریں جس میں یہی نمک ڈالا گیا ہو اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یا تو اس کا کھانا علیحدہ پکایا جائے اور اس میں یہ نمک ڈالا جایا کرے یا گھر میں جو سالن پکتا ہے اس میں ابتدا سے نمک نہ ڈالا جائے جب پک جائے تو مریض کے لئے کھانا علیحدہ نکال کر پڑھا ہوا نمک ملا دیویں اور گھر کے کھانے میں بے پڑھا ہوا نمک حسب عادت ڈالا جائے آیات حسب ذیل ہیں۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

قطعہ

از:- (محمد ریاست اللہ فرخ شیر کوٹی، (ولہ غفر لہٗ)
۱۳۷۷ھ

شُد آں حضرتِ شیخ رخصت ز دنیا
کہ از حضرتِ ایزدی بُد مُؤیّد
سمو المکانے کہ بر اوج عزت
گذشتہ سر جاہش از فرق فرقد
سخی آں کہ ہرگز نہ شُد قول آں لا
بہ عمرِ تمامی مگر شُد در اشہد
شدہ گرچہ معدوم جسمش ز دنیا
ولے نام پاکش بماند مُؤبّد
شدہ اسم تاریخی اشں بامسمّٰی
محمد چراغ و چـــراغِ محمّد
بہ نشرِ ضیائے احادیثِ حضرتؐ
شدہ ہم وز اصل آں چراغِ محمّد
بہ پایئن بانیٔ دارالعلوم است
مرآں شیخ الاسلام را پاک مرقد
ہمیں چشم دارم ز الطافِ باری
کہ بارانِ رحمت برآں خاک بارد
ندا آمدہ چوں سگالید فرّخ
سنِ فوت و عمرش بطـرزِ مجدّد
بجو عمر اُو از وداع وفاتش
بجوانہ وداع چـراغِ محمّد ۸۱

قطعۂ تاریخ

محمد حبیب الرحمٰن سیوہاروی عفی عنہ

ارتحالِ شیخ سے واللہ ہم ہوگئے مصروف و محو رنج و غم
عرض کرتا ہوں یہ تاریخِ وفات ساری دنیا آج ہے نذرِ الم
۱۳۷۷ھ

(۲) جاری پانی (دریا یا نہر کا) یلسات کنویں کا پانی ایک گھڑا بھر پر باوضو مندرجہ ذیل آیات گیارہ مرتبہ اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر پھونکیں اور مریض کو اس پانی سے تین گھونٹ پلائیں اور باقی ماندہ پانی سے سر پر پانی ڈال کر نہلائیں بلا ناغہ چالیس دن تک یہ ہی عمل کریں آیات یہ ہیں۔ فَلَمَّا اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ۔ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۔ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ۔ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ۔ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى۔

یہ عمل اتوار کے دن سے شروع کیا جائے جاڑے میں دوپہر کے وقت نہلانا بہتر ہوگا۔

---

(۱) خط بنام والدہ انوار احمد صاحب۔ اہلیہ حافظ نور احمد صاحب) معرفت توفیق احمد صاحب علوی بازار جامع مسجد کیرانہ ضلع مظفر نگر۔

محترمہ من زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط مجھ کو کیرانہ میں مل گیا تھا اور روپے بھی مل گئے تھے میں نے آپ کے فرمانے سے رکھ لیئے مجھ کو اللہ تعالےٰ بہت دیتا ہے مدرسہ سے میری تنخواہ پانچ سو سے زیادہ ہے آپ کا بال بچوں کا ساتھ ہے آمدنی کم ہے آپ کو اپنے گھر اور بال بچوں پر خرچ کرنا چاہیئے اب کے تو میں نے آپ کے رنج کے ڈر سے رکھ لیئے مگر آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا مجھ کو بڑی ضرورت آپ بہنوں کی دعا کی ہے اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کی اور ہماری اور سب مسلمانوں کی دین و دنیا کی مرادیں پوری کرے اور اپنی رضا اور خوشنودی سے نوازے ہماری خطاؤں اور گناہوں کو معاف کر کے اپنی جنت میں جگہ دے آمین۔ آپ کو جو کچھ پوچھنا ہوا کرے خط میں لکھ دیا کیجئے دیوبند کے سفر کرنے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے بال بچوں کو اور عورتوں کو آنا جانا مشکل ہوتا ہے شریعت کی پابندی اور وظیفہ کو پڑھنے کا خیال رکھیئے اور میاں انوار سلمہٗ کے ابا کی خدمت اور ان کی تابعداری آپ کے لئے دین و دنیا میں بہت زیادہ کار آمد اور ضروری ہے ان کو جہاں تک ہوسکے خوش رکھیئے تنخواہ کو حج کے لئے روکنا اور بال بچوں پر تنگی کرنا سمجھ میں نہیں آتا اور پھر اس کی وجہ سے مقدمہ بازی کی لعنت سر لینا کس قدر غلطی ہے بہرحال میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالےٰ اپنا فضل کرے اور تمام مرادیں پوری کرے اور ہر قسم کی برائیوں اور تکلیفوں سے بچائے۔ آمین۔

سب سے سلام کہہ دیجئے۔

خط بنام مولانا حکیم محمد یامین صاحب محلہ مفتی سہارنپورہ

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف والانامہ باعث سرفرازی ہوا یاد آوری کا شکر گذار ہوں آپ کا بوقت روانگی تشریف نہ لانا کبھی بھی باعث خیال نہیں ہوسکتا شب میں آپ کی بے غایت عنایات کیا کم رہی تھیں جو اس کے بعد کسی قسم کا خیال کیا جاسکے حسب الارشاد کلکٹر صاحب عریضہ لکھ دیا ہے مہربانی فرما کر مندرجہ ذیل پتہ پر مندرجہ پودے کپنی باغ یا قربان خان صاحب کی نرسری سے حاصل فرما کر جلد ارسال فرمادیں مگر اس شرط پر کہ جملہ مصاریف لینے ہوں گے (۱) لوفس حنا یعنی لیڈی آف نائٹ (شب دلہن) (۲) دیسی چمپا (۳) چینی چمپا۔ (۴) ہنی شکل۔ چیکو لیچی قلمی ۴ عدد

۲ عدد ۲ عدد ۱ عدد ۲ عدد پتہ حسب ذیل درج ہے

حسین احمد ٹانڈہ آؤٹ ایجنسی اسٹیشن اکبر پور، ای، آئی، آر، اگر ٹانڈہ کی بلٹی نہ کریں تو اکبر پور ہی کی بلٹی کرادیں اور فوراً مجھ کو اطلاع دیں یہ بھی لحاظ رہے کہ زمین میں دیونک زیادہ ہے اس کے ضرر سے پودوں کے تحفظ کا نسخہ وہاں کے ماہر باغبانوں سے دریافت فرمالیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب اور دیگر واقفین پرسانِ حال سے سلام مسنون عرض کردیں صاحبزادوں اور متعلقین واحباب سے سلام مسنون عرض کردیں۔

والسلام۔

از قصبہ ٹانڈہ محلہ الہداد پور ضلع فیض آباد۔ ۱۲۔ رمضان المبارک ۶۷ھ

خط بنام حکیم غلام علی صاحب کچہری روڈ ملتان

۳۔ جمادی الاول ۱۳۶۹ھ

آپ مندرجہ ذیل عمل روزانہ وسعت رزق کے لئے پڑھا کریں نوچندی جمعرات کو چار رکعت نفل ایک سلام میں اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی پندرہ مرتبہ اور قل ہو اللہ پچیس مرتبہ پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد ۱۰۰ مرتبہ درود شریف پڑھیں اور اس کے بعد یا وہاب ایک ہزار چالیس مرتبہ پڑھیں اور وسعت رزق کے لئے دعا مانگا کریں۔

خط بنام مولانا محمد انیس صاحب مظفر نگری صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ رحمانیہ رڑکی ضلع سہارن پور۔

۲۴ ذی قعدہ ۱۳۷۲ھ

میں سفر میوات سے واپس ہوا معلوم ہوا کہ آپ مدرسہ رحمانیہ رڑکی چلے گئے ہیں۔ اس سے بہت خوشی ہوئی آپ کو چاہیئے کہ وہاں اطمینان سے تعلیمی امور انجام دیں اور کتابوں کے سمجھانے اور مطالعہ میں پوری کوشش کرتے رہیں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔ مہتمم صاحب اور کارکنان مدرسہ سے نہایت خوش خلقی سے پیش آیا کریں کسی قسم کے جھگڑوں میں کوئی حصہ نہ لیں۔ مدرسہ اور تعلیم کی ترقی کا پورا خیال رکھیں میں دعا کرتا ہوں۔ سب سے سلام ودعا کہہ دیں۔ والسلام

خط بنام ساجد حسین صاحب شمس سیوہاروی۔
آپ دعا گنج العرش کی بجائے دلائل الخیرات پڑھا کریں جو بہت مفید ہے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین و معتقدین سے دردمندانہ اپیل۔
حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہٗ العزیز کے زندگی کے اعلیٰ اور بلند مقاصد کی تکمیل ہی حضرت کی حقیقی یادگار ہے۔

حضرت رحؒ کا ایک اہم ارشاد

(از مولانا ظفر علی صاحب انبیٹھوی)

مجھے یاد ہے جب ایک موقع پر خادم نے اپنے ساتھیوں سے اختلاف ہو جانے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار کیا کہ حضرت کوئی ایسی خدمت میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے متعین فرما دیجئے جو دنیا اور آخرت میں ہم سب کے لئے باعث فلاح ہو تو حضرت نے ایک مکتوب کے ذریعہ ارشاد فرمایا اس کے چند جملے میرے سینے پر نقش ہیں۔ پورا مکتوب ۱۹۴۷ء کے فسادات میں تلف ہو گیا مجھے اپنے تمام اسباب کے تلف ہو جانے کا اتنا غم نہیں جتنا حضرت رحؒ کے دست مبارک کے اس مکتوب کا جو میری زندگی کے لئے مشعل راہ بنا۔ حضرت رحؒ کے چند جملے حسب ذیل ہیں۔

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے بھائی ابتدائی اسلامی مدارس کا قیام اور ان کی بقا ہی اہم اور بنیادی فریضہ ہے جہاں بھی رہنا ہو اس خدمت سے غافل نہ رہنا۔ خلوص اور ہمدردی اور نہایت مستعدی سے اس کام میں لگے رہنا۔ اس راہ کی دشواریوں پر صبر کرنا اور ہمت سے کام لینا ہی اعلیٰ درجہ کی خدمت ہے نیز اپنی اصلاح سے غافل نہ ہونا چاہیئے توکل علی اللہ بہترین سہارا ہے۔ اس سہارے کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

ممکن ہے کہ الفاظ میں تغیر و تبدل ہو گیا ہو مگر مفہوم یہی ہے یہ بات ۱۹۴۷ء سے کافی پہلے کی ہے اب اس کی اہمیت ارباب بصیرت سے مخفی نہیں ضرورت ہے کہ ہم متوسلین حضرت کے خلوص اور ہمت اور جذبہ خدمت کی کوئی کرن لے کر اس اہم کام کی انجام دہی میں لگ جائیں تاکہ حضرت رحؒ کی زندگی کا مشن یونہی جاری و ساری رہے حضرت رحؒ کی خصوصیات جو اللہ تعالیٰ نے حضرت رحؒ میں جمع فرما دی تھیں ان کو کہاں تک اور کیسے کوئی شمار کرائے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت غیر معمولی شخصیت تھی وہ علم و عمل کا مجسم نمونہ تھے وہ صحابہ کرام اور سلف صالحین کے علم و عمل کی مثال تھے اللہ تعالیٰ حضرت شیخ رحؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مرتبہ پر پہنچائے۔ اور جملہ متوسلین و معتقدین کو جذبہ عمل عنایت فرمائے۔ آمین۔

ظفر علی انبیٹھوی۔ آفس انچارج دینی تعلیمی بورڈ صوبہ دہلی۔

نہ ساقی ہے نہ میخانہ

قاری عبدالشکور صاحب سیوہاری بجنوری خلیفہ حضرۃ مدنی رحؒ

نہ ساقی ہے نہ میخانہ، نہ محفل ہے نہ پیمانہ
بہاریں لٹ گئیں ساری فقط باقی ہے افسانہ
نگاہِ مست تھی تیری نشاطِ جان و دل ساقی
چھلکتا ہی رہا ہر دم ترا بھرپور پیمانہ
ارادہ ترا مستحکم، نہ تھا کوئی بدل سکتا
کہ ہمت تھی جواں تیری، بھرا تھا جوش مردانہ
تکلم پر لطافت سے ہر اک سرشار ہوتا تھا
تھا تیرے گوہر اخلاق سے ممنون بیگانہ
کہاں وہ شوخیاں ہیں اب کہاں سرشاریاں باقی
کہاں ہے شیخ میخانہ، کہاں ہے دورِ پیمانہ
کہاں جائیں کدھر ڈھونڈیں کہاں دیکھیں کدھر پوچھیں
نہیں سنتا کوئی فریاد اپنا ہو کہ بیگانہ

نالۂ غم

از
ابوالحسن حیدری الحسینی

ہائے دنیا سے پرستارِ صداقت اٹھا — ہادیٔ دین نہ رہا محوِ عبادت اٹھا
کس نزاکت کا زمانہ ہے مسلماں پیچھے — اور اس وقت میں اسلام کی طاقت اٹھا
کون اللہ کے رستے پہ چلائیگا ہمیں — عارف کامل و مانوسِ حقیقت اٹھا
جو سخن نکلا لبوں سے وہ رہا علم حدیث — جو قدم اٹھا سوئے راہ صداقت اٹھا
ہائے مولانا حسین احمد مدنی مرحوم — دل میں کیا روح میں اک شورِ قیامت اٹھا

حیدری نالۂ پرغم زدل آید بیروں
رفتہ رفتہ جگرم مضمحل آید بیروں

مسلمانوں کی مشکلات کا حل

اور خود اسلام کی ترقی اجتماعی قوت اور صحت نظام پر موقوف ہے

جمعیۃ علماء ہند اپنی ابتداء سے آجتک میدان عمل میں ہمہ تن سرگرم چلی آرہی ہے

جمعیۃ علماء ہند کے نظام کو زیادہ مستحکم اور مضبوط بنائیے

شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ارشادات مبارکہ

شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز ماہ اگست ۱۹۵۷ء میں صاحب فراش ہو گئے اس مرض سے چند روز پیشتر حضرت موصوف رحمۃ اللہ نے اپنے ایک ارادت مند غلام محمد مصطفیٰ صاحب کے خط کے جواب میں جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا تھا اس کو حضرت کی وصیت کہا جا سکتا ہے آج جب کہ ہم حضرت کے نقش قدم پر چلنا اپنا فرض سمجھتے ہیں تو ضروری ہے کہ جماعتی مقاصد کے لئے حضرت کے ان ارشادات کو دینی زندگی کا ایک وظیفۂ عمل بنا لیں حضرت کے جواب سے پہلے غلام محمد مصطفیٰ صاحب کا مکتوب بھی نقل کیا جاتا ہے۔

گاہِ گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را — تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

حضرت اقدس! اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ،

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو آپ کا یہ خادم بھی بحمد اللہ اپنے تین سالہ تجربات کی روشنی میں جو جمعیۃ علماء گریڈیہہ کی نظامت کے سلسلے میں حاصل ہوئے حسب ذیل معروضات خدمت عالی میں پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

سیدی! جمعیۃ علماء ہند کے اغراض و مقاصد پر پورا یقین رکھتے ہوئے ہم لوگ چاہتے ہیں کہ حضرت والا کی رہنمائی میں مسلمان باعزت زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں اسلئے ہماری یہ پختہ رائے ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے نظام کی بقا اور اس کے پروگرام کی عملی جد و جہد سب دین کا کام ہے اور خدا کے یہاں اجر و ثواب کا باعث انشاء اللہ تعالیٰ۔ میں بدقسمتی سے عالم دین نہیں ہوں۔ لیکن علماء کے کفش برداری کا فخر حاصل ہے مگر مجھ کو یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ بہت سے علماء کرام جمعیۃ علماء کے کام میں کوئی اشتراک نہیں کرتے میں نے جب بھی ان کی خدمت میں جمعیۃ علماء کا کوئی پروگرام پیش کیا اور کچھ وقت مانگا گیا تو یہ کہہ کر ٹال مٹول کیا گیا کہ ہم بھی دین کا کام کر رہے ہیں تصوف کے مراحل طے کر رہے ہیں جس کے لئے شور ہنگامہ مضر ہوتا ہے پھر کس طرح سے ہم جماعتی کام کریں حضرت والا کے بہت سے متوسلین اور خلفاء کے بھی یہی خیالات ہیں اور وہ غالباً جمعیۃ علماء کے کام میں وقت لگانا وقت کی بربادی سمجھتے ہیں ان حالات میں ضرورت ہے کہ حضرت والا اپنے ایک واضح بیان کے ذریعہ جمعیت علماء کے ساتھ وابستگی کی شرعی حیثیت بیان کر کے راستہ صاف فرمائیں۔ اگر واقعی جمعیۃ علماء کی خدمت کرنا دین کا کام نہیں اور جمعیت کی خدمت تضیع اوقات ہے تو ہم لوگوں کی بھی رہنمائی کی جائے کہ اتنی درد سری کی ضرورت نہیں مگر میں تو اب تک بلکہ اب اور زیادہ محسوس کرتا ہوں کہ وقت کی پکار ہے کہ جمعیۃ علماء کی ترقی ہم ہندی مسلمانوں کا نصب العین ہونا چاہیئے۔ الخ

آخیر میں دستہ بستہ گذارش ہے کہ ممبر سازی کا وقت قریب ہے ایک واضح اعلان حضور کی طرف سے اخبارات میں بھی شائع ہونا چاہیئے۔ فقط

والسلام

خویدکم احقر غلام محمد مصطفیٰ ناظم عمومی تھانہ جمعیت علماء گریڈیہہ ضلع ہزاری باغ صوبہ بہار

۱۳۔ جون ۵۷ء۔

جواب از حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز

مسلمانوں کی بہت سی مشکلات کا حل نیز خود اسلام کی ترقی اور اس کے بہت سے فرائض اور واجبات کی ادائیگی اجتماعی قوت اور صحت نظام پر موقوف ہے اور اس زمانہ انحطاط میں بالخصوص ان ملکوں میں جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے اور مسلمان اپنی اقلیت کی وجہ سے وہاں پر بہت کمزور اور ان کی آواز نہایت گہری ہوتی ہے اشد

ضرورت ہے کہ ان میں اجتماعی قوت اور نظام مکمل ہو، بالاخص انڈین یونین (بھارت) میں تقسیم ہند کے بعد یہ ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اسے تمام مسلمانوں کا عموماً اور علماء اسلام کا خصوصاً اہم فریضہ ہے کہ وہ جاگیں اور تحفظ بقاء کی صورتیں عمل میں لائیں، اختلافات کو مٹائیں اور اجتماعی قوتوں کو بڑھا کر صحیح نظام پر گامزن رہیں ورنہ عنداللہ اور عندالناس سخت مواخذہ اور گرفت کے مستحق ہوں گے خود کو بھی برباد کریں گے اور قوم و ملت نیز دین و مذہب کی بربادی کا وبال بھی اپنے اوپر لیں گے انھیں امور کو دیکھتے ہوئے باعزت اور سمجھدار بزرگوں نے جمعیۃ علماء ہند کی بنیاد رکھی تھی جو کہ اپنی ابتدا اور سالہا سال سے آج تک میدان عمل میں اپنی طاقت کے مطابق مخلصانہ سر بکف چلی آ رہی ہے مگر آج بہت سے ناعاقبت اندیش مسلمان اور علماء کرام اس میں جدوجہد کرنے اور جمعیۃ کے نظام کو بڑھا کر مسلمان کی اجتماعی قوت کو بالا کرنے سے جان چراتے ہوئے نظر آتے ہیں یہ ان کی سخت غلطی ہے میں ان کو متنبہ کرتا ہوں اور زوردار لہجہ میں آگاہ کرتا ہوں کہ وہ اپنی انفرادی اصلاحی جدوجہد کے ساتھ ساتھ اجتماعی قوت زیادہ سے زیادہ عمل میں لائیں۔ ہرگز ہرگز اس میں غفلت اور سہل انگاری کو راہ نہ دیں ورنہ سخت خطرات سے دوچار ہوں گے اور اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ ہند یونین میں جمعیۃ علماء ہند کے نظام کو زیادہ سے زیادہ مستحکم اور مضبوط بنائیں۔

واللہ المستعان

دستخط مبارک

اضافہ بسلسلہ واقعات

— از —

مولانا عبدالرحمن صاحب مفتی مالیر کوٹلہ بنام مولانا سید اسعد صاحبزادہ محترم

ذوالمجد والکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ ممدوح خلائق، آپ کے والد ماجد اور میرے محترم استاذ حضرت مدنی قدس سرہٗ کی وفات پر بار بار رو چکا ہوں لیکن دل کا بوجھ ہلکا نہیں ہوتا ۱۳۲۸ھ کی بات ہے جب میں دارالعلوم میں داخل ہوا تو حضرت محترم مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے کاشانہ معلےٰ پر قیام تھا۔ اسی سال جلسۂ دستار بندی ہوا تھا۔ اور اسی سال حضرت محترم کے شاگرد ہونے کا مجھے فخر حاصل ہوا تھا۔ انتظام جلسۂ دستار بندی کے سلسلہ میں دارالعلوم کے عقبی غربی حصہ میں جہاں پہلے تالاب تھا نہر میں سے پانی لانا اور اس کو بھرنا تھا۔ یہ کام طلباء کے سپرد کیا گیا اور ان کے سربراہ حضرت محترم مقرر کئے گئے کیا بتاؤں! کہ وہ کیسے مبارک دن اور مبارک راتیں تھیں۔ حضرت محترم طلباء کے ساتھ شریک کار تھے اور بالکل اس طرح تھے کہ جیسے ان میں سے ہوں۔ اور ایک مدت سے ہوں طلباء کی ہمت بڑھا رہے ہیں ان کو ہنسا رہے ہیں سماوار پہ سماوار چڑھے ہوئے ہیں۔ چائے کے دور چل رہے ہیں اور کھدائی کا کام ہے کہ رات رات بھر ہو رہا ہے میرا وہ زمانہ ایسا تھا کہ حضرت کے محاسن و اوصاف باطنی سے کماحقہٗ میں آگاہ نہ تھا۔ ایک مرتبہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ استاد محترم ہیں مسجد مدرسہ میں حضرت رح کے جوتے سیدھے کر دیئے تھے مگر اس کی پاداش میں جب یہ دیکھا کہ حضرت نے دوسرے دن سبق کے اختتام پر سب طلباء کے سامنے میرے جوتے سیدھے کر دیئے ہیں تو اس دن سے کان پکڑے اور اتنا شرمندہ ہوا کہ اب تک بھی اس کے تصور سے لرز جاتا ہوں۔ مجھ نالائق پر توجہ خاص تھی اور اکثر مزاح سے مسرور فرمایا کرتے تھے حضرت شیخ الہند رح جب مالٹا سے تشریف لائے اور میں قدمبوسی کو پہنچا تو حضرت مدنی رح بھی موجود تھے اور تمام باہر کا دالان مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ سلام وکلام کے بعد حضرت شیخ الہند رح کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ حضرت!

مولوی عبدالرحمن پر دو جرمانوں کی مٹھائی واجب ہے حضرت نے فرمایا کہ کون سے دو جرم ان سے سرزد ہوئے ہیں فرمایا کہ ایک تو یہ ہے کہ ہمارے استقبال کو یہ بمبئی نہیں آئے۔ اور دوسرے یہ کہ انھوں نے ہماری غیر موجودگی میں اپنی شادی کر لی۔ حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ جی ہاں! آپ بڑا تیر مار کر آرہے تھے کہ آپ کے استقبال کو نہیں آئے۔ رہی شادی تو اس میں ان کو کیا دخل۔ ان کے والد صاحب نے کر دی اُن سے مٹھائی لو۔ مگر پھر بھی حضرت مدنی رح نے فرمایا کہ حضرت یہ تو ادائیگی کے لئے تیار ہو کر آئے ہیں اور پیش کرنا چاہتے ہیں اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ بھئی مولوی عبدالرحمٰن! یہ بدّو لوگ کسی کی سنتے سناتے نہیں ہیں انکو کھلا کر ہی پیچھا چھٹے گا کراچی سے دو سال کے لئے جب سابر متی جیل احمد آباد حضرت بھیجدیئے گئے تھے تو میں خاص طور سے وہاں گیا تھا اور حضرت سے ملا تھا۔ کئی مرتبہ دیوبند حاضر ہو کر قدمبوس ہوا۔ اس کے بعد بہت سے مواقع حصول نیاز کے میسر آئے۔ البتہ جب سے پاکستان وجود میں آیا ہے تو اس نعمت سے محروم ہو گیا اور اب اپنی حرمان نصیبی پر اشکبار ہوں یہ ایک واقعہ ہے کہ حضرت شیخ الہند رح کے بعد اگر مجھے کسی سے عقیدت و محبت رہی ہے تو وہ صرف حضرت والا کی ذات مبارک تھی اور اسی کو میں اپنے لئے باعث نجات سمجھتا ہوں عریضے لکھنے کی بہت کم نوبت آئی ہے مگر جب کبھی بھی لکھا ہے حضرت محترم نے جواب دیا ہے۔ اور اسی انداز سے دیا ہے کہ جس طرح اپنی اولاد اور شاگردوں کو وہ دیا کرتے تھے۔ افسوس! کہ دیوبند میں اسلاف کی یہ آخری نشانی بھی ختم ہو گئی۔ دنیائے اسلام آج سوگوار ہے۔ اور اس میں وہ حق بجانب بھی ہے یہاں بھی کلام پاک ختم کئے گئے اور ایصال ثواب کیا گیا ہے اور میں نے بھی اپنے معمول میں یہ بات داخل کر لی ہے۔ آپ کو اور آپ کے بھائی بہنوں کو اللہ تعالےٰ زندہ اور سلامت رکھے کہ اب ہمارے لئے حضرت کی یہی نشانیاں ہیں الجمعیۃ کا شیخ الاسلام نمبر ایک صاحب سے مل گیا تھا۔ دیکھا۔ اگرچہ اس میں بہت کچھ ہے مگر پھر بھی سب نہیں ہے کن کن مکارم اخلاق کو بیان کیا جائے اور کس طرح کیا جائے۔ واللہ دل کا فیصلہ ہے کہ اس زمانہ میں آپ کی ذات گرامی صحابہ کرام کا نمونہ اور خاتم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا مجسمہ تھی۔

ہم نے دیکھا تھا۔ الی فنا فی اللہ

از مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند

مرض الوفات میں اتباع سنّت کے برکات اختیاری اور غیر اختیاری صورتوں میں
سنّت سیّد المرسلین کی متابعت اور روحانی قوت کی کارفرمائی

حکایت ازاں قد دلنواز کنیم
باین فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

آیئے ماضی کی طرف لوٹیں۔ اس دن کی بات کریں جس روز اس آفتاب رشد و ہدیٰ کی زیارت ہوئی تھی جو ۱۲۔ جمادی الاولیٰ ۷۷ھ ۵۔ دسمبر ۵۷ء جمعرات کے روز (قبل از وقت) ۲ بجے غروب ہو گیا۔ جس کو آج مدظلہ العالی اور دامت برکاتہ کی بجائے قدس اللہ سرہٗ العزیز و اعلیٰ اللہ درجاتہ فی العلیین لکھا جا رہا ہے۔

یہ ۲۵۔ نومبر ۱۹۵۷ء کی بات ہے آج شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ڈاکٹر برکت علی صاحب سہارنپوری بازیاب ہوئے۔ تقریباً ۴۰ منٹ تک معائنہ کیا قلب، جگر، نبض کی رفتار اور جملہ اعضائے رئیسہ کا بغور معائنہ کر کے ایک رپورٹ قلم بند کی۔

ڈاکٹر صاحب حیران ہیں تیمارداروں کے مجمع میں جہاں اتفاق سے یہ کفش بردار بھی حاضر ہے فرما رہے ہیں وطبّی سائنس کوئی وجہ نہیں بتا سکتی کہ حضرت کیوں زندہ ہیں

ڈاکٹر صاحب کے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں جن سے زندگی کی وجہ بتا سکیں۔ اہل تصوف کی نفسیات اور ان کی اصطلاحات سے کچھ الفاظ مستعار لیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اہل اللہ کی قوت ارادی ہے جو زندگی کی عمارت سنبھالے ہوئے ہے (او کمثلہ)

آج یعنی ۲۵۔ نومبر کو گیارہ دن ہو چکے ہیں کسی کروٹ چین نہیں ساری ساری رات بیٹھ کر گذرتی ہے۔ ۸۱ سالہ شیخ فانی، جس کا مرض اوائل اپریل سے شروع ہو چکا ہو اور ۱۵۔ اگست سے وہ صاحب فراش ہو۔ تقریباً تین ماہ صاحب فراش رہنے کے بعد جب گیارہ دن رات بے چینی سے کروٹ بدل بدل کر بلا خور و نوش اور بلا راحت و خواب گزار دیئے تو اس کی جسمانی طاقت کے متعلق جو کچھ بھی ڈاکٹر اور اطباء فیصلہ کریں درست ہوگا۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آیا ہے تو یہی صاحب فراش، مضطرب و بے چین جس کی زندگی کوئی وجہ اطباء اور ڈاکٹروں کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، اس بسمل نیم جان میں ایک نئی طاقت پیدا ہوتی ہے جو بستر علالت سے اٹھا کر تقریباً ۷ قدم کے فاصلہ پر نشست گاہ میں پہنچاتی ہے اور جماعت میں کھڑا کر دیتی ہے۔ اب کسی کا سہارا ابھی گوارا نہیں۔ صرف ایک چھڑی کے سہارے زنانہ خانے سے باہر تشریف لاتے ہیں مشتاقان زیارت اور ارادت مندوں کی دو رویہ صف سے گزرتے ہوئے جماعت کی صف اول میں پہنچ جاتے ہیں امام صاحب قرات مسنونہ اور تعدیل ارکان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور یہ عاشق زار پورے خشوع و خضوع۔ مکمل سکون و اطمینان کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتا ہے گویا کوئی مرض ہی اس کو لاحق نہیں ہے طبی سائنس جو زندگی کی کوئی وجہ نہیں بتا سکتی تھی۔

ے۔ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیئے۔

ے جناب عشق را درگہہ بسے بالاتر از عقل است
کسے آں آستاں بوسد کہ جاں در آستیں دارد

پانچ دن اور گذر گئے ۲۹۔ اور ۳۰۔ نومبر کی درمیانی شب میں بخار جیسی کیفیت رہی آخر شب میں ڈاکٹر سبحان صاحب کو جو دیوبند کے کامیاب ڈاکٹر ہیں بلایا گیا نبض میں بخار کا اثر تو نہ تھا البتہ کمزوری غیر معمولی تھی یعنی اب اس کشتہ خنجر تسلیم کی جسمانی طاقت درجہ صفر پر آ چکی تھی مگر نماز صبح کے شوق نے ایک بیداری پیدا کی۔ ڈاکٹر سبحان صاحب رخصت ہوئے تو نماز صبح کی سنن شروع فرما دیں سنتوں سے فراغت ہوئی فرضوں کا ارادہ تھا کہ ایک دم ضعف طاری ہوا۔ سر چکرایا اور جسم مبارک چوکی سے نیچے گر گیا۔ بمشکل اٹھایا گیا۔ طبیعت سنبھلی تو پھر وہی سودا، نماز تھا ابھی آفتاب طلوع ہونے میں دیر تھی۔ فرضوں کی نیت باندھ لی اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گئے۔ حتیٰ ما نلق من تنهوی دع الدنیا و اھلھا۔ تیمار دار رکوع کے منتظر ہیں اور بیمار کی حالت یہ ہے کہ طوال مفصل کی تلاوت سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

باد لآرامے مرا خاطر خوش ست
کز و لم یکبارہ برو آرام را

یاد کرو۔ کوثر و تسنیم عشق کے ساقی اوّل نے

بادہ خواروں کو بتایا تھا۔ "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ"

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے

یہ وہی ٹھنڈک تھی جس نے اس چوکی سے گرنے والے کو یہ سکون بخشا کہ تیمار دار پریشان و مضطرب ہیں اور وہ مطمئن اور لطف اندوز۔

جائے کہ عاشقاں انداختر لبعکس گردد
دل در سعید ست سرور خطر مبارک

اور پھر اتباع سنت کے اس حریص (قطب العالم شیخ الاسلام) کی یہ کامرانی بھی دیکھو کہ . . . . غشی یا کمزوری کی اس غیر اختیاری کیفیت میں بھی اپنے محبوب حقیقی محبوب رب العالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نقش قدم پر چل رہا ہے فرق یہ ہے کہ وہاں فکر امت بھی دامنگیر تھا اور ہر مرتبہ غشی کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت ہوتا تھا۔

"کیا جماعت کھڑی ہو گئی ابوبکر سے کہہ دو نماز پڑھا دیں"

اور یہاں اپنے فرض کی ادائیگی کا شوق دامنگیر ہے وہ شان نبوت کا تقاضا تھا اور یہ شان ولایت کا مطالبہ۔

اس طرح ضعف و دوران سر کی خبر اخبارات سے تو نہیں لیکن راویوں کی روایات کے ذریعہ دہلی اور دہلی سے گذر کر بستی نظام الدین پہنچی۔ امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بے تاب ہو کر اپنے چند رفقاء کے ساتھ دیوبند حاضر ہوئے زیارت سے مشرف ہوئے۔ دیر تک شرف خطابت حاصل ہوتا رہا۔ واپس ہوئے تو ڈاکٹر برکت علی صاحب کی طرح یہ بھی حیران تھے کہ جس کو رنجور ہونا چاہیئے تھا وہ بیحد مسرور تھا۔ حضرت شیخ الاسلام نے مولانا محمد یوسف صاحب کو خطاب فرماتے ہوئے حدیث شریف پڑھی۔

من یرد اللہ بہ خیراً یصبہ (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

(جس کے لئے اللہ بھلائی چاہتا ہے اس کو تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے)

حضرت شیخ الاسلام رح نے حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا۔

اس دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت بھی آخرت کی معمولی تکلیف کے مقابلہ میں ہیچ ہے خطاؤں اور گناہوں سے کوئی معصوم نہیں۔ خدا کا شکر ہے یہ تکلیف مجھے دی معلوم ہوتا ہے اپنی نوازشوں سے نوازنا مقصود ہے تر ہے قسمت ان کی نوازشیں شامل حال ہوں یہ مصیبت نہیں عین راحت ہے اس پر رنجیدہ ہونا غلط ہے اس پر خوش ہونا چاہیئے۔

ترے نثار مجھے درد دل دیا تونے
کسے نصیب غم لازوال ہوتا ہے

آج کا دن گزر گیا۔ جب تکلیف ہی راحت بن جائے تو پھر کسی مفرح یا مقوی کی کیا ضرورت ہے اور دوا دارو کی کیا حاجت، مگر علاج بھی سنت ہے اور طے یہ ہے

کہ کوئی سنت ترک نہ ہو تو پھر سنت علاج کس طرح نظر انداز ہو سکتی ہے علاوہ ازیں تواضع اور انکسار، فروتنی اور خود اپنی نظر میں اپنی بے حقیقی اور اپنے نفس سے بدظنی جو سلوک و طریقت کے پاک نفسیات ہیں کب اجازت دے سکتے تھے کہ علاج معالجہ سے اعراض کر کے "توکل کا مظاہرہ کریں" لہٰذا علاج جاری رہا مگر یہ طاقت کسی دوا کی نہیں کوئی اور ہی طاقت ہے جو ذکر و شغل اور نماز میں وہی ذوق پیدا کئے ہوئے ہے جو ہم جیسے صحت مند اور توانا ؤں کے وہم و گمان سے بھی بالا ہے۔

اب اسی شوق و ذوق بیم و رجا کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

آج ۴ر دسمبر سے حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث اور کچھ اور بزرگ باریاب ہوتے ہیں مزاج پوچھتے ہیں۔ وہی قطب عالم جو دو روز پہلے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے سامنے اپنی تکلیف و اذیت پر مسرور تھے آج ان پر گریہ طاری ہے زار و قطار رو رہے ہیں کہ۔

وضو نہیں کر سکتا، کھڑا نہیں ہو سکتا، تیمم سے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہوں خدا جانے کیسی نماز ہو رہی ہے دعا کرو اللہ تعالےٰ میری مشکل آسان کرے۔

یہ گریہ زاری مرض پر نہیں، امتداد مرض پر نہیں دونوں عطار دوست ہیں۔

"ہر چہ از دوست می رسد نیکوست"

گریہ اس پر ہے کہ جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے جو محبوب حقیقی رب العالمین عزوجل سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے اس کے تمام آداب پورے نہیں ہو رہے۔

طہارت ار نہ بخون جگر کند عاشق
بقول مفتی عشقش درست نیست نماز

۵ر دسمبر کی صبح ہوئی، مہمان صاحبان جن کی خاطر مدارات کی تاکید ہر وقت رہتی ہے وہ چائے سے فارغ ہو چکے ہیں گھر کے آدمیوں کو یاد فرمایا گیا ان میں کچھ مہمان بھی ہیں ان پر لطف و عنایت کی بوندیں برس رہی ہیں پھر ارشاد ہو رہا ہے۔

"دنیا امتحان کی جگہ ہے اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتے ہیں جن پر نعمتوں کی بارش ہوتی ہے ان پر مصیبتیں بھی آتی ہیں، بندہ کا کام ہے کہ صبر و شکر سے کام لے۔ ہر حالت میں راضی بہ رضا رہے یہی امتحان کی کامیابی ہے"

اہلیہ محترمہ یہ الفاظ سنتی ہیں تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں فوراً تسلی دی جاتی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

فکر کی کوئی بات نہیں۔ میرا مرض بہت جلد جاتا رہے گا انشاء اللہ صحت ہو جائے گی گھبرانے کی کوئی بات نہیں، یہ نصیحت تو اس لئے ہے کہ اسلام کی تعلیم ہے جو ہمیشہ یاد رہنی چاہیئے۔

مجلس برخاست ہوئی تھوڑی دیر بعد غذا کا وقت آیا، آج طبیعت بحال ہے کچھ غذا تناول فرمائی اس کے بعد ارشاد ہوا آج آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا ہے صاف نظر نہیں آ رہا ہے۔

غذا کے بعد قیلولہ مسنونہ عادت مبارکہ ہے داہنی کروٹ پر اس طرح کہ داہنا ہاتھ سر کے نیچے ہو۔ بائیں جانب کا وہ مضغہ گوشت جس کا نام قلب ہے آدیزاں رہے تاکہ دل کا لٹکن آسانی سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ اس طرح سونا سنت ہے مشائخ طریقت نے بھی اس کی ہدایت کی ہے یہی عادت مبارکہ ہے حضرت شیخ الاسلام چادر تان کر اسی طرح آرام فرمانے کے لئے لیٹ جاتے ہیں تھوڑی دیر بعد نماز ظہر کا وقت آتا ہے صاحبزادہ محترم مولانا اسعد صاحب نماز ظہر سے فارغ ہو کر آگئے ہیں ایک حیرت کی بات ہے نماز کے وقت خود بخود بیدار ہو جانے والے آج آرام فرما ہیں اسی طرح چادر اوڑھے ہوئے مصروف استراحت ہیں لیکن ابھی وقت باقی ہے سونے دیجئے۔ مریض کو جتنا آرام مل جائے اچھا ہے مولانا اسعد صاحب سوچتے ہیں اور خاموشی سے واپس ہو جاتے ہیں اہلیہ محترمہ کی نظر دست مبارک پر پڑتی ہے جو چادر سے کھلا ہوا ہے۔ سردی بہت کافی ہے ابر اور ٹھنڈی ہوا نے اور اضافہ کر دیا ہے اس ہاتھ پر سردی کا اثر نہ ہو جائے۔ اس کو بھی ڈھک دینا چاہیئے لیکن چادر کو حرکت دی جائے تو آنکھ کھل جائے گی اہلیہ محترمہ دل میں یہ بات سمجھ کر کھلے ہوئے ہاتھ پر تولیہ ڈال دیتی ہیں کہ آنکھ بھی نہ کھلے اور سردی کا اثر بھی نہ ہو یہ سلیقہ شعار خاتون کا حسن احساس ہے۔

لیکن اب تین بج رہے ہیں نماز ظہر کا وقت گزر رہا ہے اس وقت بھی اگر بیدار نہ کیا گیا تو حضرت کو روحانی کوفت بھی ہو گی اور ہم پر شدید عتاب بھی ہو گا کہ نماز کا وقت گزر گیا اور کسی کو بیدار کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ لہٰذا مجبوراً حرکت دی جاتی ہے تو عجیب ماجرا ہے حرکت ختم ہے چادر اتاری جاتی ہے تو چہرا مبارک اسی طرح بشاش ہے آنکھیں ایسے ہی بند جیسے سونے کے وقت، آنکھ، ناک یا لبوں کا کوئی بھی انداز ایسا نہیں ہے جس سے سونے کے علاوہ کسی اور بات کا شبہ ہو سکے لیکن حرکت مفقود ہے بہر حال تشویش پیدا ہوئی مولانا اسعد صاحب تشریف لائے نبض ٹٹولی

بیادِ شیخ الاسلامؒ

از علامہ انور صابری

سلامِ شوق بھیجے گا وطن کا گلستاں تجھ پر
کرے گی ناز صدیوں عظمتِ ہندوستاں تجھ پر

ولی اللہ نے لکھا تھا حرفِ اولیں جس کا
مکمل ہو گئی وہ حریت کی داستاں تجھ پر

زمانہ بھر میں تیری خدمتِ انساں کے چرچے ہیں
ہمیشہ فخر فرمایا کرے گا کل جہاں تجھ پر!

دمِ پیکارِ آزادی امیرِ لشکرِ ملت
فدا ہوتا تھا میدانوں میں عزمِ نوجواں تجھ پر

خدا نے تجھ کو بخشی تھی عجب حق آشنا قوت
اثر کرتا نہ تھا کوئی ہجومِ دشمناں تجھ پر

حریفوں کی اسارت ہو کہ اپنوں کی ستمگاری
نہ قابو پا سکا کوئی اصولِ امتحاں تجھ پر

فنا کے بعد بھی زندہ ہے شانِ رہبری تیری
ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر

تو نبض ندارد، سینہ پر ہاتھ رکھا تو سینہ مبارک اسی طرح گرم سخت حیرت ہے یہ کیا معمہ ہے خدام دوڑائے گئے طبیب اور ڈاکٹر بلائے گئے بیشک سینہ مبارک کی گرمی بدستور ہے مگر افسوس حرکت قلب بند ہو چکی ہے۔

مسافر ۸۱ سالہ سفر طے کر کے منزل پر پہنچ گیا جو ستر سال سے مجاہدات ریاضیات کی مشقتیں مسلسل برداشت کر رہا تھا آج ابدی راحت و آرام کے لیئے بے چین ہو گیا دنیا میں اس کو آرام نہیں ملا اس وقت راحت لازوال کے لیئے اللّٰھم بالرفیق الاعلیٰ کا قلبی ورد کرتے ہوئے وہاں پہنچ چکا ہے جہاں اس کے لئے ہر قسم کا راحت و آرام مہیا ہے جہاں اس کو اپنے بزرگوں اور محبوب رہنماؤں کی ہم آغوشی میسر ہے ؎

حجاب چہرۂ جان مے شود غبارِ تنم
خوشا دمے کہ ازیں چہرہ پردہ برفگنم

تجہیز و تکفین میں عجلت اور

اتباع سنت کا اہتمام

یہ مرشد کامل۔ یہ قطب عالم۔ جس کی شمع تلقین وارشاد کے لاکھوں پروانے ہندوستان کے کونے کونے میں دیدار کو ترس رہے تھے چند ماہ سے ملاقات کی اجازت نہیں تھی جس سے اشتیاق کی تشنگی سوز جگر تک پہنچ چکی تھی اور جب کہ فوراً ہی آل انڈیا ریڈیو نے اس اضطراب انگیز خبر کو نشر کیا ہے تو ہزاروں مشتاقان زیارت اپنے اپنے شہروں اور قصبوں سے آخری دیدار کے لئے دوڑ پڑے ہوں گے۔ پس کیا خرابی ہے لاکھوں دلوں کے آقا مملکت ارادت وعقیدت کے تاجدار کی تجہیز و تکفین میں ایک دو دن نہ سہی کم ازکم اگلے روز ہی نماز جمعہ تک ورنہ کم ازکم صبح تک تو تاخیر کر دی جائے۔

عاشقان زار کی دلداری کا اگرچہ دستور نہیں ہے ان سوختہ جانوں کے لئے کہاں تک کوئی مرہم تلاش کرے ان نامراد شکستہ دلوں کے دلوں کو کوئی کہاں تک جوڑے لیکن کیا حرج تھا اگر اس بامراد دربار سے جہاں سینکڑوں نامرادوں کی مرادیں پوری ہوئیں ان نامراد مشتاقان دید کی یہ مراد بھی پوری ہو جاتی۔

مگر مزاج شناس صاحبزادہ محترم مولانا اسعد جن کو خود قطب ارشاد نے اسعد فرمایا ان کی ازلی سعادت مندی کب گوارا کر سکتی تھی کہ اپنے مرشد و مربی کے مزاج کے خلاف کسی فعل کا ارتکاب کرے یا اس کی اجازت دے ہادی برحق داعی الی الحق محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا استثناء فقیر و امیر۔ و بلا امتیاز عالم و غیر عالم تجہیز و تکفین میں عجلت کی ہدایت فرمائی ہے اس لئے کہ جہاں تک رخصت کرنے والوں کا فرض ہے اس فرض کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ اس کی ادائیگی میں تاخیر نہ کی جائے۔ اور جہاں تک رخصت ہونے والوں کے احترام کا تعلق ہے تو احترام اس میں ہے کہ آخری راحت گاہ پر جلد سے جلد پہنچا یا جائے۔ دیر لگا کر مسافر کی منزل کھوٹی کرنا مسافر کا احترام نہیں بلکہ اس کی شان میں ایک قسم کی گستاخی ہے۔

بہر حال صاحبزادہ محترم نے فرمایا کہ اگرچہ حضرت نے وصیت کچھ بھی نہیں فرمائی مگر حضرت کا عام ذوق یہی تھا کہ جنازہ میں عجلت سے کام لیا جائے۔ تاخیر سے حضرت کی روح کو اذیت دینا نہ قرین انصاف ہے نہ تقاضائے احترام۔

مختصر یہ کہ اگرچہ مرکز علوم، مرکز علماء، یعنی دارالعلوم دیوبند کی شان اور خود حضرت مرشد کے ذوق اتباع سنت کا لحاظ کرتے ہوئے جلدی کی گئی مگر تب بھی اپنے ہوش و حواس سنبھالنے اور غسل و کفن کے انتظام میں تقریباً چار گھنٹے صرف ہو گئے

حیرت انگیز صورت

سردیوں کے موسم میں ایک اسی سالہ شیخ فانی کے جسم میں نزع روح سے تین چار گھنٹہ بعد لامحالہ کر ختگی پیدا ہو جاتی ہے مگر مولانا عبدالواحد صاحب استاد دارالعلوم دیوبند جیسے علماء جن کو غسل دلانے کی سعادت حاصل ہوئی وہ حیران تھے اور اب تک حیران ہیں کہ جسم مبارک اسی طرح نرم تھا جیسے کسی زندہ کا۔ یہاں تک کہ ہاتھ دھوئے گئے تو انگلیوں کے چٹخنے کی آواز سنی گئی۔

نزع روح کے وقت آنکھیں نیم باز اور دہن نیم وا ہو جاتا ہے ناک کے بانسے اور چہرے کی تازگی میں بھی لامحالہ فرق آجاتا تھا لیکن ہر ایک کو حیرت تھی کہ آنکھیں بالکل بند اور ہونٹ اس طرح ملے ہوئے جیسے سونے کے وقت عادت تھی اور روئے انور پر وہ تازگی اور تازگی میں ایک لطیفانہ تبسم کی وہ شگفتگی کہ اگر پہلے سے یقین نہ ہو تو اس شہید ناز کو مردہ تصور کرنا ناممکن تھا۔

ارشاد ربانی کی یہ ادب آموزی کہ لاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات (جو راہ خدا میں قتل کر دیئے جائیں ان کو مردہ مت کہو) یہاں مشاہدہ بن کر سامنے آرہی تھی بیشک یہاں قتل بالسیف کی صورت پیش نہیں آئی تھی مگر کیا قتیل عشق کا وہ مرتبہ بھی نہیں جو قتیل سیف کا ہوتا ہے متنبی کا دعویٰ تو یہ ہے۔

ان القتل مضوجا بد موعہ
فوق القتیل مضوجا بد ماءہ

دو ہفتے گزر گئے تھے خط کی اصلاح نہیں ہو سکی تھی وفات سے چار پانچ روز پہلے حجام کو طلب فرمایا خدا جانے حجام کہاں غائب ہو گیا کہ تلاش پر بھی نہ ملا۔ آخر رخصت کا وقت آگیا مگر اس کو اتباع سنت کی زندہ کرامت کہنا چاہیئے کہ کھدر میں ملبوس چہرۂ مبارک کا ایک ایک بال سنت کے مطابق سجا ہوا تھا گویا مشاطہ قدرت نے خاص اپنے ہاتھ سے ریش مبارک میں کنگھی کر دی ہے اور لبوں کو درست کر دیا ہے۔

ان پاک روحوں کا صحیح علم تو اللہ تعالےٰ ہی کو ہے جو اپنے خیر مقدم میں عالم ملکوت کی یہ صدا سنتی ہیں۔

یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک (اے وہ نفس (جان) جو ذکر اللہ کی کثرت سے دنیاوی زندگی ہی میں اطمینان حاصل کر چکا تھا لوٹ آ اپنے رب کی طرف خوش خوش۔ راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ اور داخل ہو

جا میرے بندوں میں اور میری جنت میں۔

لیکن جن کی جبین سجدہ ریز، اور پیشانی تقوٰی و طہارت، پھر وفات کے بعد آثار اطمینان ظاہر ہوں کیوں نہ یقین کر لیا جائے کہ یہ طبیعت جسم جو وفات کے بعد درخشاں ہے اس کا آغاز اسی خیر مقدم کی صدا سن کر ہوا تھا۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم
راحت جاں طلبم راز پئے جاناں بردم

غسل و کفن کے بعد زنانہ خانہ سے جنازہ کو باہر لانا اور دارالعلوم کے احاطہ نودرہ تک پہنچانا جہاں نماز کا انتظام تھا بہت ہی سخت مرحلہ تھا۔ ہزاروں جسم جو سراسر چشم انتظار بنے ہوئے تھے پروانوں کی طرح ایک دوسرے پر گر رہے تھے ان نیم جان پروانوں کو نہ پیروں سے مسلا جاسکتا تھا۔ اور نہ ان کی بے تابیوں کو پابند زجر و توبیخ کیا جاسکتا تھا بہرحال تقریباً دو گھنٹہ میں یہ دشوار مرحلہ طے ہوا۔ جنازہ دارالحدیث کے ہال میں رکھ کر کواڑ بند کر دیئے گئے۔ اس وقت تک نہ صرف قصبہ دیوبند بلکہ اضلاع سہارنپور، مظفرنگر، میرٹھ، دہلی اور بجنور تک کے سوختہ جانان آتش فراق، آب حیوان زیارت کی تمنا میں اپنے وارفتہ جسموں کو ٹرینوں، لاریوں، بسوں ٹیکسیوں اور پرائیویٹ کاروں کے ذریعہ دیوبند پہنچا چکے تھے پورے نظم و ضبط اور مکمل خاموشی کے ساتھ زیارت کرنے والوں کا ع (دیکھو) آب رواں کی طرح ڈھائی گھنٹہ مکمل حرکت کرتا رہا۔ کم از کم بیس ہزار نفوس زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان زیارت کرنے والوں میں وہ عقیدت مند بھی تھے جن کی نظر ارادت اپنے مرشد کی ہر ادا میں حسن ہی کے جلوے دیکھتی تھی اور وہ بھی تھے جن کی تنقیدی نگاہیں حسن و قبح کے امتیاز سے کبھی بھی غافل نہ ہوتی تھیں۔ مگر یہ جلوہ کچھ ایسا اعجاز صفت تھا کہ نگاہ تنقید یہاں فیصلہ کرتی تھی۔

"بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری"

یہ فنائی اللہ کی شان فنا کا صرف ایک پہلو تھا جو مرض الوفات میں یا وفات کے وقت غیر اختیاری طور پر محض اللہ تعالٰے کے فضل و کرم سے رونما ہوا مگر اس تحریر کا اہم ترین موضوع وہ شان فنا ہے جو ارادہ اور اختیار کے وقت ظاہر ہوئی اور اس طرح ظاہر ہوئی کہ خود اس شیخ وقت کی شخصیت و خودیت ختم تھی جو کچھ تھا وہ شان فنا کا جلوہ تھا۔

یہ موضوع بہت ہی طویل ہے اور بہت ہی دلچسپ اگرچہ ہماری حیثیت سے بہت بالا ہے کیونکہ شان فنا پر وہی لکھ سکتا ہے جو خود فنا ہو ہم جیسے ابوالہوسوں کے لئے معراج عشق کا یہ دار و رسن کہاں؟ مگر خود حضرت ہی کی تحریروں سے گلہائے معرفت کی چند پتیاں سمیٹ لی ہیں انہیں پنکھڑیوں سے اس تحریر کے دامن سجائے جارہے ہیں۔

ذکر و فکر اور مراقبہ و استغراق

ذکر و فکر فنائی اللہ کا سب سے بڑا سرمایہ ہے اسی سے شہود و حضور کا وہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے جہاں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی حدیں نمایاں ہوتی ہیں جس کے الفاظ تقریباً یہ ہیں۔

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

احسان (تصوف) یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ رتبہ نہ حاصل ہو تو یہ تصور رہنا چاہیئے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا غیر معمولی تواضع اور انکسار جو طبیعت ثانیہ بن چکا تھا کب اجازت دے سکتا تھا کہ اس کی کیفیت کا اظہار ہو جس کو فنائی ذکر اللہ سے تعبیر کیا جاسکے لیکن جہاں حضرت خود اپنے اختیار میں نہیں رہتے تھے وہاں بلا اختیار یہ شان ظاہر ہو جاتی تھی مثلاً۔

(۱) رات کو سوتے ہوئے کروٹ بدلتے وقت خود احقر نے سنا کہ دعائے ماثورہ زبان مبارک پر جاری ہے اور کبھی سنا کسی آیت کی تلاوت ہو رہی ہے ظاہر ہے یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ذکر و فکر پیرہن الفاظ سے گزر کر سوز روح بن چکا ہو۔

طرازِ پیرہن زرکشم مبیں چوں شمع!
کہ سوز ماست نہانی درون پیرہنم

---

(۲) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی مدظلہ العالی حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ بھی عقیدت و محبت رکھتے ہوں۔ مگر دست بیعت حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری مدظلہ العالی سے وابستہ کیئے ہوئے ہیں آپ مقدمہ مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں۔

اس کو تنقیدی ذہن کہیئے یا حقیقت بینی کہ طبیعت نے یہ محسوس کیا کہ آنے والوں اور بیٹھنے والوں میں مولانا کے اصل ذوق اور اصل فن سے استفادہ کرنے والے بہت کم ہیں زیادہ وقت اشخاص یا جماعتوں کے تذکرہ یا سطحی تبصرہ یا تعویذ و دعا کی فرمائشوں میں گزرتا۔ مولانا اپنی فطری عالی ظرفی سے کسی کو گرانی یا ناگواری کا احساس نہ ہونے دیتے مگر جہاں کوئی تصوف و سلوک کا کوئی مسئلہ پوچھ لیتا یا کوئی علمی بحث چھیڑ دیتا یا اہل اللہ کا تذکرہ کرنے لگتا تو فوراً چہرہ پر بشاشت ظاہر ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا کہ دل کا ساز کسی نے چھیڑ دیا ہے۔

(مقدمہ مکتوبات شیخ الاسلام طبع اول صـ)

---

(۳) یہ اس دور کی شہادت ہے جب اپنا زمانہ اس فنائی الذکر کو (معاذ اللہ) فنائی کانگریس اور شیخ الہند کی بجائے شیخ الھنود کہا کرتے تھے اس دور کو تقریباً بیس سال گزر چکے ہیں اس بیس سال کی مدت میں ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں ہیں جنہوں نے حضرت شیخ کی اس حالت کا مشاہدہ کیا ہے اور وہ تو لاکھوں ہیں جنہوں نے جلسوں

اور کانفرنسوں میں حضرت کی تقریریں سنیں اور چشم بصیرت سے محسوس کیا کہ وعظ ویند کا ایک ضروری عنوان ذکر اللہ ہوا کرتا تھا۔ اور جیسے ہی یہ عنوان شروع ہوتا تھا پیمانہ صبر چھلکنے لگتا تھا۔ وجد جیسی ایک کیفیت ہوتی تھی۔ جو تقریر میں ایک خاص جذبہ پیدا کر دیتی تھی۔ تقریر کے اس حصہ میں اشعار بھی کثرت سے آتے اور لہجہ میں ایک طرح کا ترنم پیدا ہو جاتا تھا۔

اچھا اس دلچسپ تذکرہ میں ان اشعار سے بھی لطف اندوز ہو لیجیے جو اکثر زبان مبارک پر جاری ہو جایا کرتے تھے اور اکثر مکاتیب میں بھی ان کو تحریر فرمایا کرتے تھے یہ اشعار ایک خاص ترتیب سے لکھے جا رہے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ ؎

ناز پرور دہ تنعم نہ برد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رنداں بلاکش باشد

عشق چوں خام ست باشد بستۂ ناموس وننگ
پختہ مغزاں جنوں را کے حیا زنجیر پاست

عشق میں تیرے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو
عیش ونشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

نوبہار ست جنوں ۔چاک گریباں مددے
آتش افتاد بجان جنبش داماں مددے

ہم نے تو اپنا آپ گریباں کیا ہے چاک
اس کو سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

با دردبساز چوں دوائے تو منم
در کس منگر کہ آشنائے تو منم
گر کشتہ شوی مگو کہ من کشتہ شدم
شکرانہ بدہ کہ خوں بہائے تو منم
یقین مے داں کہ آں شاہ نکو نام!
بدست سر بریدہ مے دہد جام!

تو مگو مارا بدان شہ بار نیست
بر کریماں کارہا دشوار نیست

یا بم اورا یا نہ یا بم جستجوئے میکنم
بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

بجز تو شاہا دگر ندارم بجز درے تو درے ندارم
الیک اسعی ومنک ارجو وانت اٰت بکوسوانی

فراق ووصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر ازیں تمنائے
جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع ست
جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت ست
سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت ست

دنیا و آخرت بگزار حق طلب کن
کیں ہر دو اولیاں را من خوب مے شناسم

کعبہ چہ مے روی چہ کشی رنج باور
کعبہ ست کوئے دلبر قبلہ ست روئے

یک لحہ غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

ہر نقش بہرت مسیحا نیست چیست
گر نداری پاس او از جہل تست

ایں چنیں انفاس خوش ضائع مکن
غفلت اندر شہر جاں شائع مکن

بڑے ہی درد سے یہ اشعار تقریر میں پڑھا کرتے تھے۔ ؎

بابا رشتہ سب سے توڑ
بابا رشتہ رب سے جوڑ
بابا رشتہ حق سے جوڑ

تقریباً دو سال سے شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالحق صاحب ردولوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے یہ اشعار اکثر پڑھا کرتے تھے ان سے حضرت والا کی خود قلبی کیفیات کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ ؎

ہر آں کو غافل از وے یک زمان ست
ہماں دم کافر ست اما نہاں ست

مبادا غائبی پیوستہ باشد
درِ اسلام ہر دو نے بستہ باشد

اور بااین ہمہ ذکر و فکر و ذوق و شوق تحریر و تقریر میں یہ شعر بھی بار بار آتا تھا
اور حسرت اور بہت زیادہ سوز و گداز کے ساتھ ؎

نہ شگوفہ نہ برگے نہ درخت سایہ دارم
درِ حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

(۵)

جلوت میں خلوت

تقریباً تیس سال پہلے کی بات ہے جب حضرت دارالعلوم دیوبند کے مسندِ درس پر جلوہ افروز ہوئے تھے اور صرف ایک دو مجلسوں میں باریابی کا شرف اس ناکارہ کو حاصل ہوا تھا (احقر نے اسی سال جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں خدمت تدریس شروع کی تھی حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب یہاں کے صدر مدرس و شیخ الحدیث تھے (محمد میاں) احقر نے حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب موجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سے عرض کیا۔
یہ کیا بات ہے کہ حضرت بیٹھے بیٹھے سو جاتے ہیں حضرت مولانا نے فرمایا۔۔۔۔۔
خاموش! بزرگوں کے متعلق جلد بازی سے فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔

بے شک اس مشاہدہ کی تغلیط و تکذیب نہیں ہو سکتی کہ راتوں کی بیداریوں سے تھکی ہوئی طبیعت جب سکون پاتی تھی تو استراحت کے لئے مچل جاتی تھی مگر اس کا آغاز اس طرح ہوتا تھا کہ اہل محفل بحث و مذاکرہ اور گفت و شنید میں مشغول ہیں اور یہاں ذکر خفی یا مراقبہ شروع کر دیا گیا۔

خامشند و نعرہ تکرار شان
مے رود تا عرش تخت یار شان

اکثر یہی ہوتا تھا کہ ختم مجلس تک ذکر و مراقبہ کی ہی کیفیت جاری رہتی جس کو دیدہ ور محسوس کر سکتے تھے اور اسی بناء پر حضرت مولانا فخرالدین صاحب نے احقر کو تنبیہ فرمائی تھی ؎

کار پاکان را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

مگر کبھی یہ بھی ہوتا کہ طبیعت بشری فطرت ثانیہ پر غالب آجاتی اور اس تخلیہ میں نیند کا غلبہ ہو جاتا تھا۔

میز کرسی پر مراقبہ

اس کا صحیح اندازہ جیل خانہ کی چند روزہ رفاقت میں ہوا۔ جہاں عصر سے لے کر مغرب تک کا وقت مراقبہ کے لئے مخصوص فرما رکھا تھا۔ اخفاء کی کوشش وہاں بھی ہوتی چنانچہ پھانسی گھر کی اسی کوٹھڑی میں جو حضرت کے قیام کیلئے خالی کرا دی گئی تھی چارپائی کے ساتھ ایک میز اور کرسی بھی بچھی ہوئی تھی۔ حضرت عصر کے بعد کرسی پر رونق افروز ہوتے کوئی کتاب کھول کر سامنے رکھتے کہ دیکھنے والوں کو مطالعہ کا دھوکہ ہو سکے اور خود مراقبہ میں مشغول ہو کر دنیا و مافیہا سے دامن جھاڑ لیتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ سر مبارک جھکتے جھکتے میز سے آلگتا تھا۔ رفاقت کی اس عظیم الشان دولت میسر آنے کے بعد بھی افسوس آج یہی عرض کرنا پڑتا ہے ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
خضر از آب حیوان تشنہ لب آرد سکندر را

رونگٹے رونگٹے سے اللہ کا ذکر

اصحاب ارادت اکثر مشائخ کا تذکرہ کرتے ہوئے ۔۔۔۔۔ سنایا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کی حالت یہ تھی کہ ایک مرتبہ ان کے حجرے میں اس طرح دیکھا گیا کہ ایک ایک عضو جدا تھا اور ذکر اللہ میں مصروف تھا ہم کرامات اولیاء اللہ کے معترف ہیں ممکن ہے کہیں یہ کرامت ظہور پذیر ہوئی ہو مگر غالب قیاس تو یہ ہے کہ یہ روائتیں تمثیل کے طور پر بیان کی جاتی ہیں اور منشاء یہ ہوتا ہے کہ سالک پر ذکر کا غلبہ یہاں تک ہونا چاہیئے کہ ہر ایک عضو یہاں تک کہ بدن کا ہر ایک رونگٹا ذکر میں مشغول ہو جائے اور ارشاد ربانی ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ کی کیفیت اس طرح ظاہر ہو کہ ہر بنِ مُو ذاکر و شاغل بن جائے۔

عقل نارسا اور فہم کوتاہ اندیش اس کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ ہم عقل و فہم کی اس دشواری کو آسان کرنے کے لئے حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ایک مکتوب گرامی کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ حضرت قدس اللہ سرہٗ العزیز مولانا قاضی زاہد الحسینی کو تحریر فرما رہے ہیں۔

"جو کیفیت آپ لکھ رہے ہیں کہ تمام بدن بے اختیار حرکت کرنے لگتا ہے اور رونا آتا ہے یہ سلطان الاذکار کی شاخ ہے قلب اور بدن میں ذکر کی قوت سرایت کرتی ہے اور اس کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کا اثر جسم وغیرہ پر زور سے پڑتا ہے اور اس قسم کی حالتیں نمایاں ہوتی ہیں
پاس انفاس ہمیشہ ہمیشہ جاری رہنا چاہیئے۔ ایک ایک سانس میں قلب کا ذکر کتنی کتنی مرتبہ ہو چایا کوے خیال ہو یا نہ ہو برابر جاری رہے۔
قاضی صاحب ہی کو ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔
ذکر سے اب مذکور کی طرف بڑھنا چاہیئے۔ یعنی تھوڑا سا وقت اب اس میں بھی خرچ کیجئے کہ ذات مقدسہ باری عزوجل کی طرف دھیان کیا جائے اور آیت وھو معکم اینما کنتم کے مفہوم کے مطابق یہ تصور کیا جائے کہ وہ ذات جو مصداق "ہو" ہے بلا کیف وکم منزھا عن جمیع سمات النقص والزوال متصفا بسائر المحامد والکمال

وغایۃ الجلال والجمال ہر جگہ میرے ساتھ ہے اور اس کی معیت بھی کما یلیق بشانہ ہے ہماری معیتوں سے بالاتر اور نرالی۔ اس تصور اور دھیان کو جو واقعی ہے تقویت دیجئے۔ وقت مقررہ کے علاوہ اور اوقات میں بھی یہی دھیان رکھیئے اس وقت ذکر قلبی یا انفاس کی طرف سے دھیان ہٹا لیجئے۔ قلب اگر حسب عادت ذکر کرتا رہے تو اس کو نہ روکیئے۔ کرنے دیجئے۔ سانس حسب عادت جاری بالذکر ہونے دیجئے۔ روکیئے مت، مگر اس وقت آپ کی توجہ کا نصب العین آیت مذکورہ کا مفہوم اور مسمے لفظ اللہ ہوا کرے۔ اس مراقبہ پر مداومت کیجئے اور ابتداء میں اگر کچھ ثقل پیش آئے تو تحمل کیجئے۔ رفتہ رفتہ آسانی اور سہولت حاصل ہوگی (مکتوب نمبر ۳۹۔ و مکتوب نمبر ۳۸ مکتوبات جلد سوم۔ زیر طبع)

اس کے علاوہ مکتوبات کی مطبوعہ اور شائع شدہ جلدوں میں اس مضمون کے متعدد مکاتیب ہیں۔

ان اقتباسات کا منشا یہ ہے کہ کسی قدر اندازہ ہو کہ دریائے معرفت کے اس شناور اور غواص کی شان کیا ہوگی جو سلطان الاذکار اور مراقبہ ذات کے مرحلہ پر اس طرح رہنمائی کر رہا ہے جیسے کوئی کہنہ مشق ماہر استاد مکتب کے بندی بچوں کو ہدایت کیا کرتا ہے۔

ماہران مطلب عالی نتوانیم رسید
ہاں مگر لطف شما پیش نہد گامے چند

حضرت شیخ کے مرتبہ عالی کا کسی قدر اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ سلطان الاذکار اور ظہور نسبت کی یہ کیفیت جس کی خبر قاضی زاہد الحسینی دے رہے ہیں حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کو ایسی کیفیتیں اس مکتوب کی تحریر سے تقریباً پچاس سال پیشتر پیش آچکی ہیں جب آپ مدینہ طیبہ میں قیام فرما تھے اور ابھی تک حضرت امام ربانی مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز سے دستار خلافت نہیں حاصل ہوئی تھی ملاحظہ ہو نقش حیات ص ۹۱، ۹۲ و ص ۱۰۲ و ص ۱۰۷ وغیرہ۔

ابتداء میں انتہا

ذکر کا اثر جذبات و احساسات پر

مشائخ چشت۔ مراحل سلوک کا آغاز نفی اور اثبات سے کراتے ہیں۔ یہی لا الہ الا اللہ جو کلمہ طیبہ کا جز ہے نفی اور اثبات کہلاتا ہے کیونکہ لا الہ میں نفی ہے اور الا اللہ میں اثبات،،

عام مفہوم کے لحاظ سے تو لا الہ میں معبود کی نفی ہے اور الا اللہ میں اثبات کیونکہ لا الہ کے معنے ہیں نہیں کوئی معبود۔ اور الا اللہ کے معنے ہیں مگر اللہ جب ارباب طریقت اسی ظاہر کو باطن اور لفظی قرار کو حقیقی اقرار بنانے کی تربیت دیتے ہیں تو ذکر جہری میں پہلے یہ مفہوم ذہن نشین کرا لیتے ہیں۔

لا محبوب الا اللہ یعنی جس سے عشق و محبت ہونی چاہیئے وہ صرف ذات حق جل مجدہ ہے حقیقی عشق اسی ذات واحد سے ہو اس کے سوا جس سے بھی ہوگا اسی کی وجہ سے ہوگا۔ اور جو اس سے بیگانہ ہے وہ اپنے سے بھی بیگانہ ہے خواہ رشتہ اور قرابت کے لحاظ سے کتنا ہی یگانہ ہو۔

شرط اوّل در طریق معرفت دانی کہ چیست
ترک کردن ہر دو عالم را و پشت پا زدن

ہزار تن یگانہ کہ بیگانہ از دست
فدائے یک تن بیگانہ کہ یگانہ از دست

اور خود حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کے الفاظ میں حقوق سب کے ادا کرو۔ مگر محبت و تعلق صرف اللہ سے رکھو اس منزل پر وجود تو اپنوں کا بھی تسلیم ہے اور بیگانوں کا بھی۔ یگانگی اور بیگانگی کے تعلقات بھی قائم ہیں تبدیلی صرف عشق و محبت یگانگت اور بیگانگی کے معیار میں ہوتی ہے، اپنے پرائے یگانہ اور بیگانہ کا معیار مادی لحاظ سے خاندان یا حسن و جمال وغیرہ تھا اب یہ معیار تعلق باللہ ہو گیا۔

اس کے بعد کی منزل یہ ہے کہ۔

لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ یعنی نہ صرف تعلق کی یا معیار تعلق کی نفی، بلکہ ایک ذات واحد کے علاوہ ہر چیز کی نفی خود اپنی نفی۔ اپنی شخصیت کی نفی، اپنے کمال کی نفی۔ جو کچھ ہے وہ صرف ذات واحد ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ فنا ہی فنا ہے۔

نہ گل شناسد و نے رنگ و نہ عارض و زلف
دل کسے کہ بحسن ادا گرفتار ست

دن کے ٹھیک بارہ بجے جو کچھ ہے وہ آفتاب ہے یا نور آفتاب۔ جگہ جگہ سایہ کی پرچھائیاں ضرور نظر آتی ہیں مگر ظاہر ہے وہ حقیقت کچھ نہیں رکھتیں ان کی حقیقت صرف اتنی ہی ہے کہ اس جگہ دھوپ نہیں ہے پس سلوک و طریقت کی دوسری منزل یہی حقیقت شناسی ہے۔

اس حقیقت کے تصور کو آپ یقین کا درجہ دیجئے پھر اس یقین کو اپنے احساسات و نفسیات پر غالب اور حاوی کیجئے۔ کہ ہست صرف ذات حق ہے یا اس کے اوصاف و کمالات (جل مجدہ و تعالیٰ شانہ) اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سایہ کی طرح نیست اور فنا ہے یہ یقین جتنا غالب ہوتا رہے گا۔ امتحان گاہ سلوک و طریقت میں آپ کے اتنے ہی نمبر بڑھتے رہیں گے مگر اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اپنے آپ کو فنا سمجھ کر عمل چھوڑ بیٹھیں۔ یہ تو الحاد و زندقہ ہے (معاذ اللہ) اس کے معنے یہ ہیں کہ عمل پر اعتماد اور [illegible] روز کے عمل کے بعد بھی یہی یقین غالب رہے کہ جس

طرح فانی کا وجود ایک سایہ ہے ایک کرشمہ ہے ایک عطا ہے اسی طرح اس کا عمل بھی صرف عطائے الٰہی اور فضل خداوندی ہے ورنہ جس کی حقیقت فنا ہو۔ اس کے پاس نہ خود اس کا کوئی عمل ہو سکتا ہے۔ نہ اس کا کردار۔ اور نہ کوئی کمال۔

علم و عمل کی دولت جتنی بھی ہے وہ صرف عطاء محبوب ہے اور کمالات دوست کا کرشمہ، انکسار و تواضع کے الفاظ تو جانے پہچانے ہیں کسی تشریح و تفسیر کے محتاج نہیں ہم بسا اوقات اس کا مظاہرہ بھی بڑے شد و مد سے کرتے ہیں کیونکہ ہم اس کو ایک کمال تصور کرتے ہیں مگر عموماً ہمارا یہ تواضع و انکسار نمائشی ہوتا ہے کیونکہ ہم تواضع کر کے بھی اپنی شخصیت اور اپنی عظمت تسلیم کروانا چاہتے ہیں کبھی بھی اپنے متعلق بدظنی نہیں ہوتی۔ ہم اپنے متعلق اچھا ہی گمان رکھتے ہیں۔ حقیقی تواضع یہ ہے کہ اپنے تہی دامن اور اپنے بے حقیقت اور ہیچ در ہیچ ہونے کا یقین ہو۔ اور حسن ظن کے بجائے اپنے متعلق پوری پوری بدظنی ہو۔ اس کا امتحان اس وقت ہوتا ہے، جب ایک طرف مقبولیت اور عروج و ترقی کی سربلندیاں ہوں اور دوسری جانب ٹھیک اسی وقت انتہائی انکسار و تذلل اور اپنی ناکارگی کا مکمل تصور موجزن ہو۔ بقول حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ۔

نہد شاخ پر میوہ سر بر زمین!

حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کی سیرت مبارکہ میں اسکی بہترین مثال ملاحظہ فرمایئے۔

دور شباب میں ایک طرف رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و جوار کی سعادت عظمیٰ حاصل ہے آپ اسی مقدس ترین بقعۂ مبارکہ میں جس کو روضۃ من ریاض الجنۃ (جنت کا باغ) فرمایا گیا ہے ذکر و مراقبہ اور محبوب حقیقی کی یاد میں مصروف ہوتے ہیں ذوق شوق اور طلب صادق کا یہ عالم ہے کہ شب باشی کی تمام راحتوں اور لذتوں کو چھوڑ کر اس کی پابندی فرماتے ہیں کہ جتنی دیر سوئیں باوضو سوئیں (نقش حیات ج ۱) اس کا ثمرہ ہے کہ خواب میں اور کبھی نیم بیداری میں مشائخ طریقت سے ملاقاتیں ہوتی ہیں اور یہ حضرات اپنی طرف سے بیعت کی اجازت دیتے ہیں اور اسی کا ثمرہ ہے کہ آپ کے شیخ طریقت قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی کو بلا کر دستار بخشتے ہیں۔

دستار خلافت سلسلہ سلوک و طریقت کی معیاری منزل اور باطنی کمالات کی ایک سند ہے لیکن جس سالک کو یہ معراج نصیب ہو رہی ہے خود اس کی کیفیت کیا ہے خود اسی کے قلم سے اسی کا تحریری بیان ملاحظہ فرمایئے۔

"جس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ میرے سر پر عمامہ باندھ رہے تھے۔ مجھ پر زور دار گریہ طاری تھا اور اپنی کم مائگی اور خجالت کا شدید احساس تھا۔ مجھ پر اس وقت صدمہ تھا اور بار بار روتا تھا کیونکہ اپنی ناقابلیت نامرادی اور بدحالی مشاہد تھی۔ اور اس صدمہ کا اثر چہرہ اور گفتار و رفتار وغیرہ پر ظاہر تھا" (نقش حیات ص ۱۰۱)

شیخ کی طرف سے یہ اعزاز کہ دستار خلافت خود اپنے دست مبارک سے زیب سر فرما رہے ہیں اور مرید کی طرف سے اپنے متعلق یہ سوء ظن، یہ بدگمانی اور اپنی نااہلیت کا یہ یقین کہ گریہ جاری ہے دل بے قابو ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور صرف اسی وقت نہیں، ایک دو لمحہ کے لئے نہیں بلکہ مسلسل یہ کیفیت کئی روز تک رہتی ہے حتیٰ کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اطمینان دلایا کہ مخبر صادق نے خبر دی ہے۔ اس کا اعتبار ہونا ضروری ہے (نقش حیات ص ۱۰۱)

عروج و ترقی اور مقبولیت کی سرفرازیوں کے وقت انتہائی عجز و انکسار انتہائی کمال ہے جو اس جادۂ کمال کے راہ رو کو پہلی ہی منزل پر عطا ہوا ہے اور سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہاں بھی سید الثقلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور آپ کی سنت مبارکہ کی اتباع کا جلوہ نظر آ رہا ہے اور صبح صادق کے اس سہانے وقت میں بھی آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرنیں ضیاء پاشی کر رہی ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

ایک طرف غار حرا میں اعتکاف کرنے والے سید البشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ اعزاز اور یہ عروج کہ رب العرش کی طرف سے فرستادۂ خاص جبرئیل امین (علیہ السلام) وہ پیغام لا رہا ہے۔ جو مکمل ترین اور مقدس ترین پیغام ہے اور نہ صرف پیغام بلکہ وہ کلام مقدس جس کو وصف باری "عز و جل" کہا گیا ہے اس سے نوازا جا رہا ہے نبوت و رسالت کا خلعت فاخرہ بخشا جا رہا ہے اور دوسری جانب یتیم عبد اللہ (فداہ روحی) کا یہ انکسار کہ دل کانپ رہا ہے۔ لرزہ بدن پر ہے معلوم ہوتا ہے بخار چڑھتا آ رہا ہے حرا سے اتر کر مکان تک کئی میل کی مسافت طے کر لی مگر اس کیفیت میں فرق نہیں آیا۔ یہاں تک کہ مکان پر پہنچ کر رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرمائش کی جا رہی ہے۔ ذملونی۔ ذملونی مجھے ڈھانک دو مجھے ڈھانک دو۔

قلب مبارک پر یہ لرزہ کیوں ہے؟ یہ لازمی تقاضا ہے اسی تواضع اور انکسار کا جو اس عروج و اعزاز کے وقت موجزن ہے خاتم الانبیاء افضل الرسل (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کامل و مکمل۔ آپ کے جملہ اوصاف کامل و مکمل۔ لہٰذا یہ تواضع اور انکسار بھی اس درجہ کامل ہے کہ جسد مبارک پر اثر انداز ہو رہا ہے کسی ولی کو کمالات کا یہ درجہ تو کہاں میسر ہو سکتا ہے لیکن اگر دستار خلافت کی بخشش کے وقت مولانا حسین احمد صاحب پر گریہ طاری ہوتا ہے تو یقیناً یہ پرتو ہے اسی آفتاب کمالات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جلوہ پیریوں کا جو اس آبگینہ ولایت میں نمایاں ہو رہا ہے اور اس طرح اتباع سنت کی برکت جلوہ افروز ہو رہی ہے فیالہا من مزیۃ

این سعادت بزور بازو نیست!

تانہ بخشد۔ خدائے بخشندہ!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ کی مقدس سیرتیں شمع راہ اور درسِ عمل ہیں یہ وہ بزرگ تھے جن کو بار بار "صادق مصدوق" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان صداقت ترجمان سے مغفرت کی اور رضاء خداوندی کی بشارتیں دی گئیں۔ مگر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جس کا درجہ انبیاء علیہم السّلام کے بعد سب سے بلند قرار دیا گیا وہ ایک مرغ کو دیکھتا ہے تو حسرت کرتا ہے کاش میں یہ پرندہ ہوتا تو حساب و کتاب کی کش مکش سے محفوظ رہتا۔ جس کو بشارت دی گئی کہ اس کی زبان معیار حق و صداقت ہے اس کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے وہ حسرت کرتا ہے کاش وہ لکڑی ہوتا کہ کاٹ کر ختم کیا جاتا۔

یہ سب وہی متضاد کمالات ہیں جو مقربین بارگاہ الٰہی کا مخصوص حصہ ہوا کرتے ہیں ظاہر پرستوں کا پروازِ فکر بھی اس مقام بلند تک نہیں پہنچ سکتا جہاں انتہائی عروج و ترقی اور انتہائی مقبولیت۔ اس طرح تواضع کامل اور انکسار مکمل کے ہم دوش ہوں اسی لئے عارف رومی نے نصیحت فرمائی ہے۔ ؎

کار پاکان را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

اوصاف و کمالات کی یہ جامعیت صحابہ کرام میں صرف آفتاب نبوت کے فیض و صحبت سے حاصل ہو جاتی تھی اب وہ آفتاب ہماری ظاہری نظروں سے اوجھل ہے۔ تو مشائخ طریقت ذکر و فکر کے ذریعہ وہ کمالات پیدا کرتے اور کراتے ہیں اس دور کی کامیاب مثال ملاحظہ فرمائیے خود حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنے متعلق فرماتے ہیں۔

"خواب میں دیکھا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ تجھ کو امام زمان اور افسر جج بنائیں گے" (نقش حیات ص ۱۰۹)

ایک طرف امام زمان اور افسر جج ہونے کی بشارت اور دوسری طرف وہ غیر معمولی تواضع و انکسار جو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کا سب سے نمایاں اور ممتاز حصہ ہے جس کے مشاہدہ کرنے والے لاکھوں انسان اس وقت موجود ہیں جو مکتوبات کی ایک ایک سطر سے نمایاں ہیں اور خود اس کتاب میں ایک سطر کے بعد جس طرح انکسار کا اظہار کیا ہے حتیٰ کہ آخر میں ارشاد فرمادیا۔

"بعض اشیاء عالم مثال میں متحقق ہو جاتی ہیں مگر ان کا وجود اس قدر ضعیف ہوتا ہے کہ عالم شہادت تک پہنچتے پہنچتے وہ مضمحل ہو جاتی ہے" (نقش حیات ص ۱۰۱)

یعنی امام زمان اور افسر جج کی بشارت سے جو حسن ظن اپنے متعلق پیدا ہو سکتا تھا اس کو اس طرح منطقی دلیل سے ختم کر دیا۔ اور اپنے نفس سے بدظنی جو ولایت کا کمال مانا جاتا ہے اس کو اس طرح قائم اور مستحکم کر لیا۔

بہرحال یہ انکسار فقہی موشگافیوں اور منطقی بحثوں سے پیدا نہیں ہوتا یہ ثمرہ ہوتا ہے کثرت ذکر اور کثرت مراقبہ کا، کہ کبھی بھی اپنی کسی خوبی کی طرف نظر نہیں

جاتی۔ ہر وقت اپنی خرابی اور اپنی نا اہلیت طوطیاء چشم بنی رہتی ہے۔

نقش حیات کے مذکورہ بالا اقتباس میں مولانا صادق الیقین رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ پر دوبارہ نظر ڈالئے اور ان کی معنویت سے محظوظ ہوجیئے۔

حضرت مولانا صادق الیقین صاحب حضرت گنگوہی کے خلیفۂ خاص اور صحیح معنے میں رموز طریقت کے عارف تھے کرسی ضلع لکھنؤ کے باشندے تھے افسوس پیمانۂ عمر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے موجودگی ہی میں لبریز ہوگیا۔ اگر عمر وفا کرتی تو حضرت گنگوہی رح کے بعد بادۂ معرفت کے سب سے بڑے ساقی یہی ہوتے۔

بہرحال حضرت صادق الیقین کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی اس کیفیت میں وہ بھی متابعت سنت کی جھلک محسوس فرما رہے ہیں اس لئے تسکین و اطمینان دہانی کے لئے اس قسم کا نسخہ استعمال کرتے ہیں جو ورقہ بن نوفل نے استعمال کیا تھا کہ مخبر صادق نے خبر دی ہے اس کا اعتبار ہونا ضروری ہے

فنا و بقاء کا درجہ اعلیٰ

حب مولیٰ اور عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عملی صورت
اتباع سنت کی حرص و طمع اور
احیاء سنت کا شوق و ولولہ انگیز

بلاشبہ ذکر و فکر اور مراقبہ درجہ فناء کا ذریعہ اور اس منزل رفیع کے نشانات ہیں مگر نہ یہ حقیقت فنا ہیں اور نہ اُن کو درجہ فنا کا معیار قرار دینا درست ہے معیار فنا تو وہ ہے جس کی نشان وہی سید العشاق محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

لایؤمن احدکم حتٰی یکون ھواہ تبعًا لما جئتُ بہٖ

دعویٰ ایمان اس وقت تک حقیقت اور معنویت سے محروم ہے جب تک مدعی ایمان کی خواہش اور چاہ میری تعلیم کے تابع نہ ہو جائے۔

عارف رومی نے اس کی تفسیر ان الفاظ میں فرمائی ہے:۔

ائتیا کرھا مہار عاقلاں
ائتیا طوعًا مہار عاشقاں

اس کی توضیح اور تشریح یہ ہے کہ اپنے آرام و راحت یا برادری کے رسم و رواج سوسائٹی کی تہذیب یا ابنیاء زمانہ کے مذاق اور فیشن کے تقاضوں، خاندان یا اہل و عیال کی فرمائشوں اور اللہ تعالےٰ کے کسی ارشاد۔ یعنی شریعت کے کسی حکم میں جب بھی مقابلہ کی صورت پیدا ہو فیشن کا مطالبہ کچھ اور ہو۔ اور شریعت کا حکم اس کے خلاف ہو اہل و عیال کی فرمائش کسی چیز کو ضروری قرار دیتی ہو اور شریعت غرّا اس کو ناجائز قرار دے رہی ہو۔ تو اگر ایسی صورت میں حکم شریعت کو معاذ اللہ نظر انداز کیا جارہا ہے

تو یہاں تو سرے سے دعویٰ ایمان ہی ایک قسم کی نمائش ہے۔

سودا خمار عشق ہیں خسرو سے کوہکن
بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشقباز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

دعویٰ ایمان کی تصدیق کے لئے شرط اول یہ ہے کہ وہ اس قسم کے مقابلہ اور تصادم کے ہر ایک موقع پر غیر اللہ کے مطالبہ کو پس پشت ڈالے اور مطالبہ ربانی کی تعمیل کے لئے سر تسلیم خم کر دے۔

کما قال اللہ عزوجل:-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

(قسم تیرے رب کی وہ مومن نہیں جب تک ایسا نہ کریں کہ وہ تمام معاملات جن میں اختلاف ہو ان میں آپ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم اور ثالث قرار دیں پھر جو کچھ آپ فیصلہ کر دیں اس کے متعلق اپنے دل میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور پوری طرح سر تسلیم خم کر دیں۔

پھر غیر اللہ کی خواہش اور غیر اللہ کے مطالبہ کے خلاف ارشاد ربانی کی تعمیل کہاں کہاں ہوتی ہے اور کس جذبہ سے ہوتی ہے اس کے بہت سے مراتب ہیں اور انہیں مراتب میں ایمان کامل اور کیفیت فنا کی قدریں اجاگر ہوتی ہیں۔

مثلاً ایک شخص فرائض کی ادائیگی میں چست ہے لیکن سنن و مستحبات کی پابندیوں سے اس کا قدم آزاد رہتا ہے ظاہر ہے اس کی سطح درجہ فنا سے بہت نیچے ہے اسی طرح ہو سکتا ہے کہ کسی ایک باب میں کوئی شخص بہت آگے ہو۔ وہاں اس نے خواہشات کی تمام زنجیریں توڑ ڈالی ہوں مثلاً ایک عابد زاہد شب بیداری کا عاشق ہو۔ رات کو دو تین گھنٹے آرام کرنا بھی اس کو گوارا نہ ہو۔ اس کی پوری رات ذکر و فکر، مراقبہ تلاوت قرآن پاک اور نوافل میں گذرتی ہو۔ اور اسی میں اس کو راحت محسوس ہوتی ہو۔ مگر کاروبار اور معاملات میں زہد و تقویٰ اور اتباع شریعت کی یہ حالت نہ ہو۔ یا اہل و عیال کی غلط فرمائشوں کے سامنے سپر انداز ہو کر ان کی رضا میں اپنی رضا محسوس کرنے لگتا ہو۔ یا مثلاً ماحول کے اثرات اسے خلاف سنت مراسم پر آمادہ کر دیتے ہوں تو ان صورتوں میں اس کو آپ عابد شب زندہ دار جیسے خطابات دے سکتے ہیں مگر راضی برضا، فانی عن مرادہ باقی بمراد الحق کا لقب اس کو نہیں دیا جا سکتا۔ یہ لقب تو اسی کو دیا جا سکتا ہے جو کسی ایک باب میں نہیں بلکہ جملہ ابواب میں ذاتی خواہش و ارادہ کی تمام حدیں توڑ چکا ہو۔ شب بیداری ہو یا دن کی روزہ داری۔ عبادات کی منزل ہو یا معاملات کی۔ اپنے نفس کی خواہش یا اہل و عیال کی فرمائش۔ مجلسی آداب ہوں۔ یا خاندانی مراسم۔ ذاتی مفادات ہوں یا جماعتی اغراض و مقاصد، غرض ہر موقع پر نہ صرف یہ کہ فرض پر قناعت کرے۔ بلکہ نظر تجسس اس موقع کے مطابق سنن و مستحبات کے تلاش کرنے میں کامیاب ہو۔ پھر یہی سنت و مستحب دل کی ٹھنڈک نفس کی رغبت ہو۔ اور ضمیر و باطن کا سکون و قرار بن جائے۔ اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہو اس سے بیزاری اور نفرت ہو۔ اگر کسی وقت کسی مجبوری سے مخالف پہلو پر عمل کرنا پڑ جائے تو وہ ایک جرعۂ تلخ ہو۔ جس کی کڑواہٹ دل و دماغ کو پریشان کر دے اور جب تک اس مخالف پہلو سے نجات نہ مل جائے دل و دماغ کو سکون نصیب نہ ہو۔

مختصر یہ کہ حقیقت فنا، کثرت ذکر یا کثرت نوافل نہیں ہے بلکہ "فنا" ایک انقلاب ہے جو سالک کی فطرت اور اس کے جذبات و نفسیات میں برپا ہوتا ہے جو اس کی انانیت کو ختم کر دیتا ہے انا اور اس کے تمام تقاضے محو ہو جاتے ہیں خود اپنی خواہش اور اپنی چاہ رضاء حبیب کے سوز و گداز میں شبنم کی بوندوں کی طرح جذب ہو جاتی ہے۔

مشائخ طریقت کے اصطلاحی لفظ فانی عن مرادہ باقی بمراد الحق کا مطلب یہی ہے کہ خود اس کی آرزو اور خواہش نیست و نابود ہو اور جو محبوب کی چاہ ہو۔ وہی اپنی چاہ بجائے۔ محبوب کی پسند اپنی پسند ہو اور جہاں تک اپنی پسند کا تعلق ہے۔ اسکا احساس ہی ختم ہو جائے۔ بقول حضرت مولانا روم ؎

راہ فانی گشتہ راہ دیگرست
زانکہ ہشیاری گناہ دیگرست

ہست خود در ہست آں ہستی بباز
ہمچو مس در کیمیا اندر گداز

اتباع سنت اور خشیتہ الہیہ کی نکتہ سنجیاں

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

بیشک یہ درست ہے کہ اس مرتبہ عالی کے لئے وسعت عمل کی طرح وسعت علم کی بھی ضرورت ہے کما قال اللہ تعالیٰ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیہ واحد اشدّ علی الشیطان من الف عابدٍ (او نحوہ وکثیر من الاحادیث فی ھذا المعنیٰ)۔

کیونکہ جب تک تفقہ فی الدین نہ حاصل ہو یعنی شریعت کا مزاج شناس اور مقاصد ملت بیضاء کا نکتہ داں نہ ہو۔ ہر موقع اور عمل کے لحاظ سے سنن و مستحبات اور عزیمت و رخصت کو نہ پہچان سکے گا۔ ایسے مواقع بہت سے آتے ہیں جہاں ترک سنت بھی سنت ہو جاتا ہے اور اسی کو عزیمت کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور ایسی مثالیں بھی پیش آتی ہیں جہاں ارتکاب جرائم، فرض اور عزیمت کا درجہ اختیار کر لیتا ہے اور [illegible]

در کفے جامِ شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام و سندان باختن

حافظ شیرازی نے اسی مقام کی طرف اپنے والہانہ انداز میں اشارہ کیا ہے ؎

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

بہر حال درجہ فنا۔ کا معیار یہ ہے کہ وہ اپنے علم وسیع و عمیق یا علم لدنی کے ذریعہ شریعت مطہرہ کا مزاج شناس اور نکتہ دان ہو۔ اس کی نفسیاتی خواہشات کے تمام چراغ گل ہو گئے ہوں، ہر موقع و محل پر، ہر ایک عمل اور ہر ایک حرکت و سکون کے لئے جو کچھ روشنی اس کے پاس ہو وہ صرف ایک آفتاب کی ہو۔ یعنی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب مقدس کی ؎

تا نگشتند اخترانِ ماہنہاں
وانگہ پنہاں ست خورشید جہاں

اس تمہید کے بعد شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کی حیات مقدسہ کے صرف چند واقعات بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں کیونکہ جملہ واقعات کی تفصیل ان کالموں میں نہیں سما سکتی۔

ابتداء عشق!

عمر مبارک تقریباً بیس سال تھی جب ۱۳۱۶ھ میں والد صاحب (حضرت سید حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی قدس اللہ سرہٗ العزیز) نے ہندوستان سے ہجرت کی۔ آپ دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کر چکے تھے۔ شرح چغمینی وغیرہ فنون کی کچھ کتابیں باقی رہ گئی تھیں آپ نے ان کتابوں کے لئے مزید ایک سال قیام کرنے کی اجازت چاہی مگر والد صاحب نے اجازت نہیں دی اور آپ بھی والد صاحب کے ساتھ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر:۔

والد صاحب نے مصارف سفر میں سے جو سرمایہ بچا تھا حسب قواعد وراثت تقسیم کر دیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ میں نے ہجرت کی نیت کی ہے میں تو یہاں ہی مرنے کے لئے آیا ہوں میں تو یہاں سے باہر نہیں جاؤں گا۔ تم سبھوں کو میری طرف سے اجازت ہے خواہ یہاں رہو یا ہندوستان چلے جاؤ،، ص۱

(نقش حیات ص۳۳)

اب اگرچہ یہاں ذرائع معیشت بہت کم تھے لیکن مشفق بزرگوار کا تنہا چھوڑنا کسی طرح پسند نہ تھا۔ اور اس سے زیادہ گنبد خضرا کا سایہ اور دربار حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاک پاک جو جان سے زیادہ عزیز تھی کب گوارا ہو سکتا تھا کہ اس سے فراق اختیار کیا جائے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ خود رقمطراز ہیں کہ ۱۳۲۰ھ میں آپ شمسیہ باغ عرف تواطیہ کے مدرسہ میں خدمت تدریس پر ملازم ہو گئے۔ مبلغ پچیس روپے ماہوار تنخواہ اوقات مدرسہ کے علاوہ آپ نے مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں درس دینا شروع کیا نماز صبح کے بعد مدرسہ کے وقت تک پھر عصر بعد، مغرب بعد اور عشاء بعد بھی مسجد مبارک میں درس دیتے تھے مہتمم مدرسہ کا یہ اصرار ہوا کہ یہ اسباق مسجد شریف کے بجائے مدرسہ میں دیئے جائیں اور جو کچھ ہو وہ مدرسہ ہی میں پڑھایا جائے۔

(نقش حیات ص۶۸، ۶۹)

یعنی مسجد شریف کی حاضری اور جوار رحمت میں حاضر ہو کر درس دینا جو زندگی کے اصل مشغلہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ ملازمت اس محبوب مشغلہ میں خلل انداز ہونے لگی تو جس نے اس محبوب و دلآویز مشغلہ کی خاطر وطن عزیز کی واپسی پسند نہ کی تھی۔ وہ تسکین جان کے اس سلسلہ کو ملازمت پر کس طرح قربان کر سکتا تھا نتیجہ یہی ہوا کہ نہ صرف اس ملازمت سے استعفاء دیا بلکہ:۔

"ارادہ کر لیا کہ لوجہ اللہ بلا معاوضہ حرم محترم میں اسباق پڑھائے جائیں اور رزق کو اس کے کفیل جناب باری عز اسمہ کی کفالت پر رکھا۔ چنانچہ استعفاء دینا پڑا اور کتب درسیہ کا میدان وسیع کر دیا گیا۔"

(نقش حیات ص۶۹)

متوکلانہ زندگی کے آغاز کے بعد اس فنا فی الرسول کی کس کس طرح آزمائش ہوئی خود اپنے قلم سے نقش حیات میں اس کی کوئی تفصیل درج نہیں فرمائی البتہ احقر نے حضرتؒ کے شاگرد رشید (مولانا عبد الحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد) سے سن کر حیات شیخ الاسلام میں جو لکھا تھا اس کی تردید بھی نہیں فرمائی۔ احقر نے حیات شیخ الاسلام میں لکھا ہے۔

حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی کا بیان ہے کہ انکے والد ماجد

جلوۂ خُلقِ نبیؐ مظہرِ یزداں نہ رہا ‖ ناز تھا جس پہ زمانے کو وہ انساں نہ رہا
گلشن دہر کے ہر جہت سے آئی ہے صدا ‖ زینتِ بزمِ چمن روحِ گلستاں نہ رہا
اجڑی اجڑی سی نظر آتی ہے اب محفلِ دل ‖ جیسے وہ مُطربِ سازِ غمِ پنہاں نہ رہا
اس لئے آج ہوں میں چاک گریباں آزاد ‖ مرے تکمیل جنوں کا کوئی سماں نہ رہا

(ڈاکٹر رفاقت علی صاحب نے جو مدینہ طیبہ کے کامیاب ڈاکٹر تھے) حد درجہ اصرار کیا کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی مولانا عبدالحق صاحب کو بطور ٹیوشن تعلیم دیں۔ لیکن عین اس زمانہ میں کہ جب فاقہ کی یہ حالت تھی کہ گھر کے تیرہ آدمی تین پاؤ مسور کے پانی پر قناعت کرتے تھے حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے ٹیوشن گوارا نہیں فرمایا۔ البتہ اس کے لئے آمادہ تھے کہ بلا کسی معاوضہ حسبناً اللہ جیسا کہ حرم اطہر میں اور طلبہ کو درس دیتے تھے مولانا عبدالحق صاحب کو بھی درس دیتے رہیں۔

طرفین سے یہ اصرار عجیب تھا اور اسی میں تقریباً ۶ ماہ گزر گئے آخر کار ڈاکٹر صاحب نے حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی خودداری اور پابندی اصول کے سامنے سپر ڈال دی چنانچہ حضرت (شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز) نے مولانا عبدالحق صاحب کو حسبناً اللہ بلا کسی معاوضہ ابتدائی کتابیں شروع کرائیں۔ لطف یہ ہے کہ باوجودیکہ ڈاکٹر صاحب اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے والد ماجد کے تعلقات بہت زیادہ وسیع تھے مگر اندرونی فاقہ اور خانگی پریشانی کی خبر ڈاکٹر صاحب کو بھی اس وقت ہوئی جب کہ وہ دور ابتلاء فراخی اور خوش حالی سے بدل چکا تھا۔"

(حیات شیخ الاسلام ص۲۶ و ص۲۷)

خانگی پریشانیوں کا یہ ہجوم ملاحظہ فرمایئے پھر اسباق کی کثرت پر نظر ڈالئے کہ صرف اوقات مدرسہ ہی میں نہیں بلکہ بعد نماز صبح پھر بعد نماز عصر، بعد نماز مغرب پھر بعد نماز عشاء۔ یعنی ایک دریا ہے جو ہر وقت موجزن ہے اور تشنگان علوم کو سیراب کر رہا ہے اور فی الحقیقت جو علم عرفان کے اس بحر محیط سے وابستہ ہو۔ جس کو رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے فیض کی طغیانی کب پابند اوقات ہو سکتی ہے مگر قابل توجہ یہ ہے کہ علم ظاہری کی اس خدمت کے باوجود روحانی تزکیہ وطہارت کا یہاں تک اخترام ہے کہ کوئی وقت وضو کے بغیر نہیں گزرتا۔ حتیٰ کہ رات کو جو تھوڑا بہت وقت سونے کے لئے ملتا ہے وہ بھی باوضو۔

(ملاحظہ ہو نقش حیات ص۱۰۸)

ظاہری خدمات کے ساتھ باطنی تعلق ہر وقت اللہ تعالےٰ سے مستحکم رہے اس کے لئے فارسی کا یہ جملہ مستعمل ہوا کرتا ہے۔

"دل بیار و دست بکار"

دل کا حال ہم جیسے ظاہر بین کشف و مراقبہ سے معلوم نہیں کر سکتے صرف علامتوں کے ذریعہ ہی کچھ اندازہ ہوتا ہے چنانچہ حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ العزیز کی سیرت مقدسہ میں اس کی تصدیق اس طرح ہوتی ہے کہ ذات حق جل مجدہٗ کی عظمت اور اس کی یادداشت تو اپنی جگہ رہی کسی اللہ والے کا نام بھی زبان پر آتا ہے تو تعظیمی کلمات کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے چنانچہ خود حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنی عادت بیان فرماتے ہیں۔

میں نے اپنی عادت ہمیشہ سے کر رکھی تھی کہ جب کسی پیغمبر کا اسم گرامی آئے تو علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام یا علیہ السلام کہوں اور اگر کسی صحابی کا نام تنہا آئے تو رضی اللہ عنہ کہوں۔ اور اگر سند حدیث میں دوسرے اکابر کے ساتھ آئے تو رضی اللہ عنہ وعنہم کہوں۔ اور اگر آئمہ مذہب اور علماء واولیاء سلف کا نام آئے تو رحمۃ اللہ تعالےٰ اور اگر چند کا نام آئے تو رحمہم اللہ تعالےٰ کہوں خواہ وہ اپنے مذہب کے ہوں یا شافعی مالکی، حنبلی وغیرہ ہوں۔ بشرطیکہ اہل سنت والجماعت ہوں

ادعیہ ماثورہ میں دعا ہے۔

اللھم انی اسئالک حبک وحبّ من یحبک والعمل الذی یُبلّغنی حبک

"اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں خود تیری محبت اور ان کی محبت جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور مانگتا ہوں ایسا عمل جو مجھ کو تیری محبت پر پہنچا دے۔"

نیز اللھم ارزقنی حبک وحُبّ من ینفعنی حُبّہٗ عندک۔

"اے اللہ! مجھے عطا فرما اپنی محبت۔ اور ان کی محبت جن سے محبت کرنا تیرے دربار میں میرے لئے نفع بخش اور کارآمد ہو۔"

اللہ والوں کا احترام اہل اللہ کی تعظیم اور ان کے لئے دعا جس طرح اللہ سے قلبی تعلق کا پتہ دیتی ہے ساتھ ساتھ اس سنت مبارکہ کی بھی تعمیل ہے جو ان احادیث سے ثابت ہو رہی ہے۔

حمایت حق، جہاد فی سبیل اللہ

راہ خدا میں سب کچھ قربان

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز مدینہ طیبہ میں اور اسارت مالٹا

ابتدائی دور سے کچھ آگے کی منزل ہے فقر و فاقہ کی کش مکش ختم ہو چکی ہے دنیاوی عروج کے آثار نمایاں ہیں ساتھ ہی ساتھ عزت و عظمت اور شہرت کا آفتاب بھی نصف النہار کی طرف بڑھ رہا ہے کہ دول متحدہ (برطانیہ، فرانس اور روس) اور جرمنی و ترکی کی جنگ چھڑ جاتی ہے جس کو آج کل کی زبان میں پہلی جنگ عظیم کہا جاتا ہے،

آپ کے استاد و مربی شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز جو عرصہ سے برطانوی سامراج کے خلاف انقلاب کی ایک بساط بچھائے ہوئے تھے۔ زمانہ جنگ کے انقلابی موقعوں سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ پہنچتے ہیں۔ کہ ترکوں اور جرمنوں کی فوجیں ہندوستان کے شمال مغربی سرحدوں میں

پہنچا کر براہ راست ہندوستان پر حملہ کرائیں اس وقت ترکی اقتدار کا پرچم مدینہ طیبہ کے فوجی قلعہ پر لہرا رہا تھا۔ اس وقت حضرت شیخ الہند رح کی ہمنوائی مشکل نہیں تھی لیکن ابھی یہ تجویز بروئے کار نہیں آئی تھی کہ عربوں کی بغاوت نے پانسہ پلٹ دیا۔ ترکی اقتدار کا ایک ایک نقش کھرچ دیا گیا، ترکوں کے بدلے انگریزوں سے دوستی کی پینگیں بڑھنے لگیں۔ اب شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز سرزمین حجاز اور شریف مکہ کی مملکت میں حریف کی حیثیت رکھتے تھے کیونکہ وہ انگریزوں کے باغی تھے اور برطانوی سامراج کا کوئی باغی شریف حسین کے قلمرو میں حفظ و امان کا مستحق تو کیا ہوتا۔ اس کو زندہ رہنے کی اجازت بھی شریف کے قلم سے نہیں دی جا سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز کو قتل کر ڈالنے کی سازش کی گئی جو بفضلہ تعالےٰ ناکام رہی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سفرنامہ اسیر مالٹا)

سب سے نرم اور ہلکی سزا یہ تھی کہ حضرت شیخ الہند کو انگریزوں کے حوالہ کر دیا جاتا۔ چنانچہ جیسے ہی مطالبہ ہوا حضرت ممدوح (قدس سرہٗ) کو انگریزی کیمپ کے حوالہ کر دیا گیا لیکن بغاوت کا الزام صرف حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ العزیز پر تھا کیونکہ سیدنا شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی (قدس سرہٗ) عرصہ سے ہندوستان سے خارج حجاز مقدس میں مقیم تھے اور انگریزوں کے بجائے ترکی مملکت کے شہری تھے برطانوی قلمرو میں ان سے اب تک کوئی انقلاب انگیز حرکت عمل میں نہیں آئی تھی۔

مجاہدانہ خودداری

اور سبق آموز غیرت

بہت آسان اور بالکل صحیح تھا کہ حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اس موقع پر اپنا دامن بچا لیتے۔ مدینہ طیبہ کے حرم اقدس میں درس حدیث کی خدمت کتنی مقدس خدمت تھی اس پاک زندگی کی سرشاری اور دلگیری کے بہانہ آپ مدینہ ہی میں قیام فرما کر راحت و سکون کی زندگی گذار سکتے تھے۔ والد ماجد اس وقت حیات تھے ان کے بڑھاپے کا زمانہ تھا۔ خدمت والدین کو بھی ایک حدیث میں جہاد فرمایا گیا ہے۔ فقیہانہ نکتہ سنجی حرم شریف کی اس پرسکون زندگی میں جہاد بھی پیدا کر سکتی تھی مگر جو سینکڑوں سال سے حرم اطہر کے محافظ رہے تھے یعنی "ترکان احرار" ان سے بغاوت اور خاص اس وقت جب کہ وہ ان دول متحدہ سے برسرپیکار تھے جو پوری دنیا کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رہی تھیں ایسے وقت ترکوں سے بغاوت اور ان کی حمایت جن کی اسلام دشمنی اس سے بھی پرانی تھی جتنی ترکوں کی اسلام دوستی۔ کیا ایسے وقت حق و صداقت کی زبان پر تالے ڈال کر حرم نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کرنا۔ قال اللہ وقال الرسول کا حق ادا کر سکتا تھا؟ کیا حرم اطہر کی یہ خاموش زندگی حمایت حق اور غیرت دینی کے معیار پر پوری اتر سکتی تھی؟

کیا اس وقت مرقد پاک صاحب لولاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے خاموش مراقبے عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ پورا کر سکتے تھے؟ ایسے وقت گنبد خضرا کی زیارت سے آنکھیں سینکنا اور اس بقعہ مبارکہ میں جس کو روضۃ من ریاض الجنۃ فرمایا گیا ہے اعتکاف کرنا اور چلہ کھینچنا۔ درجہ فنا و بقا کا ضامن ہوتا یا راحت طلبی اور عافیت کوشی کا ایک مقدس نقاب۔

ظاہر ہے ایسے وقت اور ایسی حالت میں ایک حامی حق، محب رسول عاشق سنت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) مرد مجاہد، مومن کامل اور فنافی اللہ کے لئے نہ صرف برطانوی سامراج سے ٹکرانا فرض تھا بلکہ اس کا باغی نہ ہونا حق و صداقت کے حق میں ننگ و عار۔ اور غیرت ایمانی کے لئے پیغام فنا تھا۔

بہر حال حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنے استاد و مربی شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ہمراہ اسیر ہوئے اور وہ سب کچھ برداشت کیا جو آپ کے استاد و مربی نے برداشت کیا اور بے ادبی نہ ہوگی اگر اظہار حقیقت کے طور پر یہ کہہ دیا جائے کہ اس سے زیادہ برداشت کیا جو حضرت استاذ کو برداشت کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ اسی زمانہ اسارت میں یہ حوادث پیش آئے کہ والد ماجد جنہوں نے دیار (حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) کے عشق میں وطن مالوف کی دلچسپیوں پر خاک ڈالی تھی۔ ان کو ترکی حکام اپنے ہی دور حکومت میں برطانوی مملکت کا پرانا باشندہ ہونے کے سبب سے نظر بند کر کے ایڈریانوپل پہنچا چکے تھے حضرت شیخ الاسلام مالٹا میں تھے کہ ایڈریانوپل میں ان کے والد ماجد کی وفات کی خبر پہنچی اسی زمانہ اسارت میں حضرت مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی اہلیہ محترمہ اور دو نوعمر بچے الطاف احمد و اشفاق احمد اس خاکدان رنج و محن سے رخصت ہوئے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نقش حیات ص۲۱۲ حیات شیخ الاسلام)

جب ہندوستان میں آزادی کی لڑائی لڑی جا رہی تھی (از ۱۹۱۷ء تا ۱۹۴۷ء) تو حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنی تقریروں میں اکثر اس آیت مبارکہ کی تشریح فرمایا کرتے تھے۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔

آپ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے (مسلمانو) اگر ماں باپ اولاد بھائی۔ بیویاں، خاندان، حاصل کردہ مال اور وہ تجارت جس کے گر جانے کا خطرہ ہے پسندیدہ مکانات و کوٹھیاں بنگلے تمہیں اللہ رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو ٹھہرو انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔

حضرت کے تمام ارشادات جو اس آیت کی تشریح میں ہوا کرتے تھے اگرچہ اس ضمن میں بلکہ کسی بھی صورت سے کبھی حضرت نے اپنی قربانیوں کی مثال نہیں پیش کی لیکن حقیقت ہے کہ تمام ارشادات اپنی پشت پر عملی ثبوت کی دلدوز تاریخ رکھتے تھے۔

معاشرت اور معاملات میں اتباع سنت

حمایت حق اور جہاد فی سبیل اللہ کی اس وادی پُرخار سے گذر کر اب آپ اتباع سنت کے میدان میں آئیے۔ یہاں بھی آپ دیکھیں گے کہ قدم قدم پر چمن آباد ہے کہیں سنت رائجہ کی اتباع ہے اور کہیں حسنة امیتیت من بعدی،، کا احیاء۔

سیرت مبارکہ کا یہ باب خاص طور پر بے پناہ وسعت رکھتا ہے اتنی وسعت کہ متعدد جلدیں بھی اس کو نہ سمو سکیں۔ مگر مالا یدرک کله لا یترک کله" اگر تفصیل نہیں تو اجمال کے ساتھ چند باتیں پیش کی جا رہی ہیں کہ اس باب کے تشنہ لبوں کو کچھ تری پہنچ جائے

مراسم میں اتباع سنت

رسومات قبیحہ کے انسداد کی صدائیں تو ہر طرف سنی جاتی ہیں۔ بسا اوقات حکومت کے پابند مراسم ایوانوں سے بھی انسداد مراسم کی صدا بلند ہوتی ہے لیکن عمل کے نقارخانہ میں یہ سارا شور و غل طوطی کی صدا بن کر ایسا مدھم ہوتا ہے کہ تیز کانوں والے بھی اس کو نہیں سن سکتے۔ بہت ہی کم قدم ہیں جو اس میدان میں ثابت رہتے ہیں اور یہ بات کہ اپنے ذاتی تعلقات اور ان کی خوشگواریوں کو اتباع سنت کی خاطر تج دیا جائے۔ یہ ہمت تو شاذ و نادر ہی کسی جوان ہمت کو نصیب ہوتی ہے اور اس سے بھی زیادہ شاذ و نادر وہ ہیں جن کو یہ حوصلہ میسر آئے کہ ان کے تعلقات کی خوشگواریوں کا معیار ہی اتباع سنت ہو۔

وہ ہزاروں، لاکھوں ارادتمند جو حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز سے ذاتی طور پر واقفیت رکھتے ہیں اس بات کی شہادت دینے میں قطعاً تامل نہیں کر سکتے کہ جس مرشد عالم کے دامانِ رشد و ہدیٰ سے وہ وابستہ ہیں۔ اس کے تعلقات کی خوشگواریوں کا معیار صرف یہی تھا۔ یعنی اتباع سنت۔

اس قطب عالم کے یہاں رسومات قبیحہ کا تو مسئلہ ہی ختم تھا مباح رسومات میں ،، بھی شرکت کے لئے یہ شرط ہوتی تھی کہ مباح کو سنت کا جامہ پہنایا جائے۔ مثلاً تقریبات نکاح میں شرکت کے لئے ضروری تھا کہ سادگی کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ پھر اگر حضرت مرحوم سے نکاح پڑھوانا ہے تو یہ بھی لازمی ہے کہ مہر "فاطمی" ہو،

علماء نے اس میں بہت کچھ بحثیں کیں۔ لیکن حضرت کے اس طرز عمل میں تبدیلی نہ کرا سکے۔ کیونکہ یہ بحث خواہ کتنی ہی علمی ہو۔ مگر اس محبوبیت سے محروم ہے جو مہر فاطمی،، کی مسنونیت کو حاصل ہے۔

ولیمہ مسنونہ کے لئے حضرت کا یہ مطالبہ ہوتا تھا کہ وہ صرف ایک بکری کی مقدار میں محدود رہے گوشت کا شوربا کیجئے یا پلاؤ پکوائیے مگر اس کی مقدار ایک بکری سے متجاوز نہ ہو اور اسی کے بموجب اعزاء و اقارب کو دعوت دیجئے۔ کیونکہ سنت مبارکہ کی تائید اسی کو حاصل ہے اس پر اضافہ مباح ہو سکتا ہے۔ مگر فرمان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اولم ولو بشاة ،، کی حمایت اس کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کے معاملات میں فقیہانہ اور مبصرانہ لطافت یہ ہوتی تھی کہ نکیر اور زجر و توبیخ غصہ اور خفگی مکروہات تک محدود رہتی تھی مباح پر اغماض ہوتا تھا اور جہاں نشاط اور انبساط خاطر کا تعلق تھا وہ صرف مسنون صورت کے لئے مخصوص تھا۔

قریب سے قریب تعلق رکھنے والوں کو بھی فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ اگر مراسم میں احتیاط نہیں برتی جا سکتی تو حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خوشنودی بھی میسر نہیں آسکتی البتہ اگر مراسم میں سنت مبارکہ کی پابندی کا عزم ہے تو دور دراز گاؤں کے باشندے کو بھی حق تھا کہ وہ حضرت کو اپنے یہاں نکاح مسنون کی تقریب میں مدعو کرے۔ حضرت بڑے شوق سے اس کی دعوت منظور فرماتے۔ اس کے یہاں پہنچنے کو پروگرام میں خاص اہمیت دیتے۔ پھر اس پیرانہ سالی میں کچے راستوں اور بیل گاڑیوں کی زحمت برداشت کرتے ہوئے اس کے یہاں پہنچتے۔ نہ بارش کی پرواہ ہوتی نہ گرمی یا سردی کی۔

خانگی زندگی

میں اتباع سنت کی شہادت کے لئے آپ کے اہل و عیاں کو پیش کیا جا سکتا ہے ایک عزیز جو حضرت کے زیر تربیت بھی تھے اور قرابت مند بھی۔ ان کی تمام ناز برداریوں کے باوجود گوارا نہ ہو سکا کہ صبح کی نماز کو وہ خواب غفلت کی نذر کر دیا کریں ایک روز نماز صبح کے بعد حضرت نے ان کو سوتے ہوئے دیکھا تو غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی اور پھر اس "منکر،، پر زجر و توبیخ اور غصہ و عتاب صرف زبان کی حد تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ فلیغیرہ بیدہٖ کی پوری تعمیل اس طرح کی کہ ان کی چارپائی الٹ دی۔

(خانگی زندگی کے بارے میں مزید تفصیلات مولانا فرید الوحیدی اور مولوی رشید الوحیدی کے مضامین میں ملاحظہ فرمائیں)

خورد و نوش

داہنے ہاتھ سے کھانا۔ چھوٹا نوالہ لینا۔ اس طرح کھانا کہ برابر کے آدمی کو تکلیف اور اذیت نہ ہو۔ پلیٹ میں اپنے آگے سے کھانا منہ اس طرح چلانا کہ آواز نہ ہو۔ بسم اللہ سے شروع کرنا۔ دعاء مسنونہ پر ختم کرنا۔ اوّل و آخر ہاتھ دھونا۔ کلی کرنا۔ جیسی سنتیں جن سے تقریباً سب ہی واقف ہیں اگرچہ بدقسمتی ہے ان آسان سنتوں پر بھی عمل بہت ہی کم ہوتا ہے بہرحال حضرت کی سیرت مقدسہ میں انکی اتباع کا تو سوال ہی نہیں۔ حضرت کے پاس بیٹھنے والے سب ہی واقف ہیں کہ کس شدت سے ان پر عمل ہوتا تھا۔ یہاں پر خصوصیت سے دو باتوں کی طرف توجہ دلانی ہے۔

(۱) مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ چھوٹا نوالہ لیا جائے۔ اور خوب چبایا جائے۔ اور ساتھ ساتھ پاس انفاس اور ذکر قلبی جاری رہے تاکہ جو غذا بھی پیٹ میں جائے وہ اللہ کے ذکر سے معطر ہو کر جائے۔ اور عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اس کی تشریح اس طرح کیجئے ؎

بے تماشاء صفتہاء خدا
گر خورم نان در گلو ماند مرا
چوں گو آر دلقمہ بے دیدار او
بے تماشائے گل و گلزار او

حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز نے اپنی اس عادت و کیفیت کی طرف کبھی کسی بھی صورت سے کوئی اشارہ نہیں کیا مگر حضرت کے طرز کو دیکھ کر تاڑنے والے تاڑ جاتے تھے کہ لقمہ کے چبانے کے ساتھ ورد ذکر، جاری ہے اللّٰھم وفقنا

(۲) اگرچہ قرآن حکیم نے اجازت دی ہے کہ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا اس میں کوئی حرج نہیں کہ ساتھ کھاؤ یا الگ الگ۔

مگر حضرت کا عمل بنہایت شدت اور پابندی کے ساتھ یہی تھا کہ اپنی پلیٹ میں لامحالہ برابر کے آدمی کو شریک کر لیا کرتے تھے۔

اس چھوت چھات کے ملک میں اس کی اہمیت محتاج بیان نہیں خصوصاً جب کہ یورپ کی تہذیب بھی اسی چھوت چھات کی تائید کر رہی ہے جیل خانہ میں بھی حضرت کا یہ طرز عمل بدستور جاری رہا۔ وہاں کوئی رفیق ہم پیالہ نہیں ہو سکتا تھا تو اخلاقی قیدی کو، جو بی کلاس اور اے کلاس کے قیدیوں کو خدمت کے لئے دیا جاتا تھا جس کو صفیہ کہا کرتے تھے۔ اس کو برابر بٹھا کر اپنے پیالہ اور پلیٹ میں شریک کر لیتے تھے چنانچہ کالا کالیلکر نے اپنے بیان میں اس کا اظہار کیا ہے۔

حضرت کی دیکھا دیکھی احقر بھی فیض آباد جیل میں اپنے صفیہ کو اپنی رکابی میں تو نہیں البتہ اپنے برابر بٹھا کر ساتھ کھانا کھلاتا۔ ایک روز پنڈت مہابیر تیاگی جو گذشتہ سال مرکزی حکومت میں وزیر دفاع تھے۔ انہوں نے دیکھا تو چیخنے لگے کہ یہ ہے اسلام کی مساوات جو لوگوں کو خواہ مخواہ بھی اپنی طرف کھینچتی ہے۔

بہر حال ؎

از فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجا ست

حضرت شیخ الاسلام کی زندگی کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالیے اتباع سنت عشق نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) محو و استغراق فی ذکر اللہ اور فنا فی اللہ کی وہ روشنی نظر آئے گی جو آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے زبان اس کی ترجمانی سے قاصر ہے۔ اور قلم اس کی نگارش سے عاجز۔ اتنی طویل تحریر کے بعد بھی بہت سے گوشے ہیں جو ابھی تک اسی طرح نقاب پوش ہیں ؎

فرصت تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

(ناکارہ و محتاج دعا محمد میاں عفی عنہ)

نوحۂ شیخ

از محمد یوسف بجنوری

درد اکہ شمع محفل خیر الورٰی نماند | واحسرتا کہ رہبر راہ خدا نماند
در خانقاہ و مدرسہ شیون بر آوردند | درد اکہ پیر قافلۂ اتقیانہ ماند
آں یادگار اسوۂ اسلاف نامدار | یکتا گلے ز گلشن صدق و صفانہ ماند
دریوزۂ ہدایت دیں از کجا کنیم | آں شیخ عصر سلسلۂ اولیانہ ماند
اصلاح نفس و تزکیہ آرے کجا کنیم | کاں سرگروہ مجمع اہل ہدیٰ نہ ماند
تاباں جبین قوم از آں تابش گہر | آں گوہر شہسوار، دریں بے بہا نماند
خدمت بملک کرد او بے مزد کار کرد | درد کہ نقش پائے رسول خدا نماند
سرشار جام حب وطن بود تا بہ عمر | آں رہ نورد جادۂ اہل وفانہ ماند

خون است در غم تو ہمہ دل کہ چوں من ہست
آں دل کہ خوں نشد بہ حقیقت سنگ و آہن ہست

قطعہ تاریخ

از عبد المجید مجددی

چل بسا خادم اہل عرفاں | چھپ گیا نیر اہل عرفاں
ہو گئی رحلت شیخ الاسلام | ہائے اک گوہر اہل عرفاں
دل کی آواز ہے تاریخ مجید | رحلت منبر اہل عرفاں

۱۳۷۷ھ

قطعۂ تاریخ

از مولوی شجاع الدین قمر سیوہاروی

صاحب رشد و ہدا شاہ حسین احمدؒ
آج جنت کو گئے چھوڑ کے دنیائے دنی
فکر تاریخ جو کی غیب سے آئی یہ ندا
شیخ کل بندۂ حق ہائے حسین احمد

۱۳۷۷ ہجری

اتباع سنت اور نہ صرف اتباع سنت بلکہ سنن و مستحبات سے شغف اور نقش پائے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ایسا نمایاں اور ممتاز وصف ہے جیسے آفتاب نیم روز۔

ابھی چند روز گزرے ہیں کہ حضرت کی زیارت باسعادت سے ہماری آنکھیں نور بصیرت اور ہمارے دل فراست ایمانی حاصل کیا کرتے تھے اور لاکھوں انسان سفر و حضر، جلوت و خلوت کے اعمال و افعال سکون و حرکت، عبادات و معاملات میں اتباع سنت کا مشاہدہ کیا کرتے تھے ان بے شمار انسانوں کے مشاہدات ہمارے دعوے کی دلیل ہیں۔

"آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"

اس وقت ہمارے سامنے ایک اور مسئلہ ہے اور ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس مسئلہ کی طرف خاص طور پر توجہ فرمائیں۔

اتباع سنت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ سنت کو سنت ہی کی حیثیت دی جائے۔ الا ایسی صورت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت ختم ہو رہی ہو اس وقت اس سنت پر عمل ایک خاص اہمیت حاصل کر لیتا ہے یہاں تک کہ اس پر عمل کرنا جہاد کی شان رکھتا ہے اور جہاد بھی معمولی جہاد نہیں بلکہ خود بانی سنت سید الکونین (صلے اللہ علیہ وسلم) مزاج شناس شرائع اوّلین و آخرین کا یہ ارشاد ہے۔

مَنْ اَحْیٰی سُنَّۃً اُمِیْتَتْ مِنْ بَعْدِیْ فَلَہٗ اَجْرُ مِاءَۃِ شَہِیْدٍ (اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

"جو شخص میری کسی سنت کو جو میرے بعد مردہ کر دی گئی ہو، زندہ کرے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ کا مشاہدہ کرنیوالے واقف ہیں کہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ سنتیں آپ سے ترک بھی ہو جاتی تھیں مگر یہ ایسے ہی موقع پر ہوتا تھا جہاں ترک سنت بھی سنت ہو۔

مثلاً اگر سفر میں سنتیں نہیں پڑھی گئیں۔ یا شعبان یا عاشورہ کا مسنون روزہ نہیں رکھا گیا تو یہ ایسی صورتیں اور ایسے مواقع ہیں کہ یہاں ترک سنت ہی سنت ہے البتہ یہ فیصلہ کہ یہ سفر افضل ہے یا صوم عاشورہ۔ یہ فقہی بصیرت پر موقوف ہے بہت سے موقع ایسے آتے ہیں کہ بظاہر فعل غیر مسنون یا فعل مکروہ کا ارتکاب ہوتا ہے لیکن اگر اس غیر مسنون یا مکروہ سے کنارہ کشی کی صورت میں کوئی فرض یا واجب چھوٹ رہا ہو تو ظاہر ہے وہاں فعل مکروہ کے ارتکاب کو غنیمت سمجھا جائے گا۔ تاکہ واجب یا فرض ترک نہ ہو مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر موقع پر موازنہ کر کے یہ سمجھا سکتا ہے کہ یہاں ترک سنت سنت ہے یا فعل مکروہ ایک امر غنیمت ہے ہر شخص کا کام نہیں، فراست ایمانی اور بصیرت فقہی کے بغیر نہ موازنہ صحیح ہو سکتا ہے اور نہ فیصلہ درست اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا[2] کی علمی تفسیر ایسے ہی موقع پر سامنے آتی ہے جہاں "جام شریعت" اور "سندان عشق" ایک دوسرے کے مقابل ہوں اور پھر ان کو ہم آغوش و ہم کنار بنا کر ہوشمندی کا ثبوت دیا جائے۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اسی بناء پر حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے تو خام کارانِ الفت و محبت کو آسان نسخہ یہی بتا دیا ہے ؎

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

اتباع سنت کی وہ شان جو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں نمایاں ہے اسکی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شان تفقہ بھی اتنی ہی نمایاں ہے۔

تفقہ اور شریعت وطریقت کے امتحان گاہ میں وہی کامیاب ہو سکتا ہے جو ذخیروں کے ساتھ رسوم وعادات اہل زمانہ، ان کے اسباب و وجوہات، رفتار زمانہ اور اہل زمانہ کے رجحانات۔ ان رجحانات کے اسباب ودواعی پر گہری نظر رکھتا ہو۔ مزاج قوم کا صحیح نباض ہو۔ اس کی انگلیاں محض نبض کی حرکت ہی محسوس نہ کرتی ہوں بلکہ اندازہ و مقدار حرکت سے اس کے اسباب اور وجوہات بھی معلوم کر لیتی ہوں پھر ایک مصلح کا فرض ہے کہ نبض کی صحیح تفتیش وتجسس سے جن امراض کا احساس کرے ان کے مطابق ومناسب نسخہ تجویز کرے۔ حضرت شیخ الاسلام رح کے مصلحانہ جذبات کو اللہ تعالے نے اسی بصیرت وفراست کی روشنی عطا فرمائی تھی۔

بے شک شریعت وطریقت کی مجلسوں میں ان تیز نفسوں کی کمی نہیں جن کو "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" کے معنے بہت پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں ان کو کھدر کے لباس اور کھدر کی ٹوپی میں بھی "تشبہ" کے جراثیم نظر آتے رہے میز اور کرسی پر کھانے کو مکروہ تحریمی کا درجہ دیتے رہے مگر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی بصیرت اس افراط وتفریط سے بالاتھی۔

حالات زمانہ اور اس کے مقتضیات پر حضرت والا کی نظر عمیق نے کھدر کے لباس میں تشبہ کے بجائے "نکایتہ عدو" کے پہلو کو ترجیح دی۔ آپ کو انگریز سے نفرت تھی کیونکہ وہ دنیا کا سب سے بڑا جابر وظالم تھا جس نے ایشیا بالخصوص مشرق وسطے کو اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ ہندوستان کی آزادی کے بعد بھی ان کو آج تک آزادی میسر نہیں ہو سکی۔ ایسے جابر وظالم کی جابرانہ خواہشات کے خلاف جو فعل وعمل بھی کیا جائے "نکایتہ عدو" کہلاتا ہے جس پر قرآن حکیم نے اجر وثواب کا اعلان فرمایا ہے۔

میز کرسی پر کھانا، کھانا یقیناً اس ادب اور تہذیب کے خلاف ہے جس کی تعلیم سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے دی ہے حضرت شیخ الاسلام اور حضرت مولانا آزاد آج دونوں اس امتحان گاہ سے دار النعیم کو رخصت ہو چکے۔

اسلامی تہذیب یہ ہے کہ آج ہم ان دونوں کا اگر تذکرہ کریں تو "ذکر خیر" کے انداز میں ہو "اذکروا محاسن موتاکم" اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو۔

حضرت مولانا آزاد رح کی وزارت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ آپ نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز اور ان کے ساتھ چند مخصوص خدام کی دعوت کی۔ اس مرتبہ کھانے کا انتظام میز پر تھا حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز نے کھانا تناول فرمایا۔ مگر طبع مبارک منقبض رہی پھر آخر میں ایک لطیف انداز میں اس طرف اشارہ بھی فرما دیا۔

اب حضرت مولانا آزاد کا لطیف اور پاکیزہ احساس ملاحظہ فرمایئے کہ کچھ دنوں بعد پھر دعوت کی۔ اور ان سب کو مدعو کیا جن کو پہلی دفعہ مدعو فرمایا تھا اور اس دفعہ کھانے کا انتظام فرش پر کیا۔

بہرحال اتباع سنت کے باب میں اس توسیع اور سہولت پسندی کے باوجود بعض سنتیں ایسی بھی ہیں جن کے آپ اس درجہ پابند تھے کہ اس کے لئے غلو اور تشدد کا لفظ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے مثلاً مشترک کھانا کھانا۔ باوجودیکہ ارشاد خداوندی "او فکلوا جمیعا او اشتاتا" کے وسیع معنے ہیں اس کی گنجائش موجود ہے کہ علیحدہ علیحدہ ظروف میں کھانا کھائیں۔ مگر حضرت کا عمل ہمیشہ "جمیعا" پر رہا کرتا تھا اور آپ برابر کے آدمی کو اپنی پلیٹ میں شریک کر لیا کرتے تھے۔

اس طرح "مہر" کے بارے میں مہر فاطمی کو آپ یہاں تک اہمیت دیتے تھے کہ اس مجلس نکاح میں شرکت بھی آپ کو ناگوار ہوتی تھی جہاں مہر فاطمی نہ مقرر کیا جاتا تھا اور اس کے برخلاف جہاں مہر فاطمی پر طرفین راضی ہوتے تھے تو ان کے یہاں دور دراز دیہات کے دشوار گذار سفر کو بھی آپ سعادت تصور فرماتے تھے ۱۹۴۷ء کے بعد داڑھی کے مسئلہ میں بھی آپ کی شدت روز افزوں تھی اور چند سال سے تو حالت یہ ہو گئی تھی کہ خلاف شرع صورت دیکھ کر آپ بے قابو ہو جاتے تھے اور ایک طرح جذب کی کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی تھی ممکن ہے اہل نظر اس کی وجہ کچھ اور بیان فرمائیں مگر اس ناکارہ کی نظر کوتاہ بین کا احساس تو یہ ہے کہ زمانہ کی رفتار معکوس شدت پابندی کا سبب ہوا کرتی تھی۔ یعنی جن سنتوں کے متعلق حضرت کا یہ احساس ہوتا تھا کہ زمانہ کے رجحانات اس کے خلاف ابھر رہے ہیں اس سنت پر آپ کا عمل نہایت شدید ہو جاتا تھا۔

چھوت چھات کو اس جمہوری دور میں لعنت تصور کیا جاتا ہے مگر اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں تامل نہ ہونا چاہیئے کہ اس لعنت کی ابتدا انسان کے پس خوردہ (سور آدمی) سے ہوتی ہے۔ اسلام نے سؤر الآدمی انسان کے پس خوردہ (جھوٹے) کو پاک قرار دیا ہے۔ اور اس کی اصول پسندی نے اس بارہ میں مذہبی تفریق کو بھی نظر انداز کر دیا ہے چنانچہ فقہاء کی تصریح ہے کہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہر ایک کا پس خوردہ پاک ہے لیکن زمانہ کی "رفتار معکوس" ملاحظہ ہو کہ صرف ہندوستان کے پنڈت ہی نہیں بلکہ یورپ کے اپٹوڈیٹ فیشن ایبل بھی اس بارہ میں برہمن کے ہمنوا ہیں یعنی جس کو زمانہ کی ترقی پذیر تہذیب کہا جاتا ہے وہ اسلام کے اس مساوات پسندانہ اصول سے پوری طرح متصادم ہے کیا اس کا تقاضا نہیں ہے کہ مجدد دین اور قطب ارشاد اس ترقی معکوس کو ہر ایک قدم پر پامال کرے اور وہ سنت اسلام کو عملاً واجب گردان لے۔

داڑھی کے مسئلہ میں صرف یہی نہیں کہ ترک سنت کے ساتھ تشبہ بالنساء (عورتوں کی مشابہت) اور الحاد پرستوں کی اتباع ومشاکلت ہے بلکہ یہ مرض یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کو معاذ اللہ عار سمجھا جانے لگا ہے یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ بنا دینے کی آخری شکل ہے اس پر ایک عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جتنا بھی بیتاب ہو۔ جتنا بھی بے قابو ہو

جس قدر جذب بھی اس پر طاری ہو سب درست ہے۔

مہر مثل بے شک فقہاء کی مخصوص جو جواز کا درجہ رکھتی ہے لیکن جب مہر مثل یہ صورت اختیار کرے کہ مہر کا اصول ہی مذاق بن کر رہ جائے تو ظاہر ہے اس وقت اسلامی اصول کا احیاء مقدم ہوگا۔ مہر کو دین اور قرض ضرور تصوّر کیا جاتا ہے مگر محض رسمی طور پر جس کا نہ کبھی مطالبہ ہو سکتا ہے نہ کبھی ادائیگی ہو سکتی ہے اس تصوّر کے ساتھ اگر مہر مقرر کیا جائے تو جواز نکاح میں تو کلام البتہ نہیں کلام اس میں ہے کہ اسلامی اصول اور قاعدہ کو قاعدہ تصور کیا جا رہا ہے یا مردہ اور ناقابل عمل رسم اور ایک مضحکہ۔

ظاہر ہے جب اصول کو مردہ رسم کا درجہ دے دیا جائے تو ایک مصلح کا فرض ہے کہ اس کے مقابلہ پر اس کی گرفت بھی سخت ہو اور اس کا ذوق طبع اور رجحان بھی اسکے برعکس ہو

نوا را تلخ ترمی زن چوں ذوق نغمہ کم یابی

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالے بیشمار نعمتوں اور رحمتوں سے نوازے

آپ کی حیات مقدسہ نے ہمیں یہ سبق دیا کہ ہند یونین کے اس جمہوری اسٹیٹ میں ہم ایک سچے اور رفادار محب وطن کی زندگی گذاریں ملکی فرائض و مفادات میں تمام ہندوستانیوں کو ایک قوم سمجھیں مگر اس طرح کہ ہمارا قدم جادۂ شریعت پر مضبوطی سے قائم ہو اور ہمارے افعال و اعمال اس تہذیب کے قائم اور زندہ رکھنے میں معروف رہیں جس کو محبوب رب العالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیش فرمایا ہے اور جس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (جس کو رسول تمہارے سامنے لائے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ) قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ (آپ فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرے نقش قدم پر چلو۔ وباللہ التوفیق۔ محمد میاں ۱۵ شعبان ۷۷ھ

رہنمائے انسانیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

از حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی

مولانا محمد میاں صاحب کے تعمیل ارشاد میں حضرت مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے متعلق چند باتیں لکھ کر شیخ الاسلام نمبر الجمعیۃ کے لئے ارسال کی تھیں اس کے بعد سے برابر سوچ رہا ہوں کہ اس ناتمام مضمون کے لکھنے سے تو نہ لکھنا بہتر تھا حق یہ ہے کہ جس مقدس ہستی کو پہچانا نہیں اس کے متعلق کچھ لکھنا اور صحیح نقوش نمایاں کرنا دشوار ترین مرحلہ اور بہت مشکل کام ہے۔ اسی کوتاہی کی تلافی کے لئے اور چند باتیں لکھ رہا ہوں تاکہ اس مقدس ہستی سے کچھ نہ کچھ واقفیت ہو جائے۔ اور میرا بھی حضرت مدنی رحؒ کے ثنا خوانوں میں شمار ہو جائے۔ در اصل مضامین تو ان بزرگوں کے ہیں جو حضرت مدنی سے واقف اور مرتبہ شناس ہیں۔ پس اس مضمون کو اخبار الجمعیۃ والے پہلے مضمون کا تتمہ اور بقایا سمجھنا چاہیئے۔

حق سبحانہٗ تعالےٰ جب بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اپنے کسی برگزیدہ مقبول بندے کو مقرر فرماتا ہے تو اس کو کمالات انسانی سے آراستہ کر دیتا ہے تاکہ انسان بن کر دوسروں کو انسانیت کی راہ دکھائے۔ اور انسانیت کا ایک مجسم نمونہ لوگوں کے پیش نظر ہو اس مجسمہ خاکی میں حق سبحانہٗ تعالےٰ کی تمام صفات کمالیہ جلوہ گر ہوتی ہیں اور یہی درحقیقت حقیقی انسان ہوتا ہے جو جواہر انسانی سے بھرپور ہوتا ہے اور روئے زمین پر خلیفۃ اللہ" ہوتا ہے یہ اعلےٰ منصب اصل میں تو انبیاء اور رسولوں کو عطا ہوتا ہے اور وہی خلافت خداوندی کے حقیقی علمبردار ہوتے ہیں۔ پھر انبیاء اور رسولوں کی نیابت اور وساطت سے ان برگزیدہ بندوں کو عطا ہوتا ہے جو انبیاء اور رسولوں کے صحیح وارث اور واقعی نائب ہوتے ہیں۔

حق سبحانہٗ تعالےٰ کی تمام صفاتِ کمالیہ کا اصل مظہر سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات مقدس ہے کہ کوئی بھی کمال انسانی ایسا نہیں جو ذات

محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں بھرپور نہ ہو۔ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

پھر یہ کمالات سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وساطت سے ان برگزیدہ بندوں میں تقسیم ہوئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح وارث اور اصلی نائب ہوئے اور جو شخص آستانہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جس قدر والبتہ ہوا اسی قدر حق سبحانہ وتعالےٰ کی صفات کمال کا مظہر ہوا اور کمالاتِ انسانی سے آراستہ ہو۔ ؎

محمد عربی کہ آبروئے ہر دوسرا است

کسے کہ خاک درش نیست خاک برسر او

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی ان مقدس ہستیوں میں سے تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح وارث اور حقیقی نائب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کا پرتو اور اس "دور بہیمیت" میں انسانیت کا مکمل شاہکار تھے جن میں وہ تمام اوصاف نمایاں تھے جو انسانی گروہ کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے درکار ہیں اور ایک حقیقی مسلمان کی خصوصیات شمار کئے جاتے ہیں، ان اوصاف انسانی میں اصل اصول اخلاص اور جذبہ خدمت ہیں جن کا اجمال سابقہ مضمون میں ہو چکا۔ باقی اوصاف کا بھی احاطہ تو دشوار ہے ان میں سے چند نمایاں اوصاف کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

ذوق عبادت

انسان کی انسانیت کا سارا دار و مدار عبادت اور بندگی پر ہے جو شخص جذبہ عبادت سے خالی ہے وہ انسانیت سے عاری ہے اور جو شخص جذبہ عبادت سے جس قدر بھرپور ہے اسی قدر انسانیت سے معمور ہے اور کمالات انسانی سے آراستہ ہے اور یہی عبادت و بندگی انسان کی خلقیت کا اصل مقصود ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

(اور نہیں پیدا کیا میں نے جنات اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ بندگی کریں)

اصل عبادت اور بندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان تھی اسلئے "عبدہٗ ورسولہ" کے ممتاز خطاب سے سرفراز کیا گیا جیسا کہ اللہ رب العزت اپنی شان ربوبیت اور معبودیت میں یکتا اور بے مثل ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی شان عبدیت و بندگی میں کامل اور بے مثال تھے اسی کمال عبدیت نے کمال رسالت اور رسولوں کی سیادت کے اعلیٰ مقام پر پہنچایا پھر جو شخص بارگاہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جس قدر والبتہ ہوا اسی قدر ذوق عبادت سے آراستہ ہوا۔

حضرت مدنی رح کے ذوق عبادت کا وہ لوگ بخوبی اندازہ لگا [illegible]

نے حضرت کی نمازوں کو دیکھا ہے ان کی نماز حقیقی نماز ہوتی تھی جس کو حدیث مبارک میں معراج المومنین فرمایا گیا ہے جب آپ نماز میں مشغول ہوتے تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ بندہ سارے عالم سے دست بردار ہو کر اپنے معبود کے ساتھ سرگوشی میں مشغول اور بارگاہ خداوندی میں باریاب ہے۔ جو آیت بھی نماز میں تلاوت ہوتی تھی سننے والوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا گویا وحی نازل ہو رہی ہے اور وہ کیفیت اور رقت طاری ہوتی تھی جس کا بیان دشوار ہے بارہا اس بات کو دیکھا گیا کہ حضرت مدنی سفر میں ہیں سفر کا تعب برداشت کر کے آئے ہیں اور پھر سفر کرنا ہے مگر جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ایسی شان کے ساتھ پڑھتے کہ گویا نہ پہلا تعب تھا اور نہ آئندہ کوئی کام کرنا ہے ایک مرتبہ سونی پت سے واپسی میں اسٹیشن پر پہنچے تو فجر کی نماز کا وقت تھا اور گاڑی آنے والی تھی عرض کیا گیا کہ جلدی سے نماز پڑھ لیں۔ فرمایا نہیں ریل میں پڑھیں گے۔ ریل آگئی تھرڈ کلاس کا ٹکٹ تھا اور مسافروں کا ہجوم بمشکل ایک ڈبہ میں سوار ہوئے اور نماز کے لئے گنجائش نکالی گئی۔ پھر حضرت مدنی رح نے نماز جو پڑھائی تو اسی انداز اور اطمینان کے ساتھ کہ گویا محلہ کی مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں اور ذرا محسوس نہ ہوا کہ ریل میں ہیں اور جگہ تنگ ہے گذشتہ سال قصبہ جلال آباد میں جلسہ کی شرکت فرما کر بذریعہ کار کاندھلہ تشریف لائے اور مغرب کے بعد پہنچے تھوڑی دیر میں عشاء کا وقت ہو گیا، حضرت مدنی رح نماز کے لئے اٹھے اور ضعف ونقاہت کی وجہ سے بمشکل اٹھا گیا اس وقت بعض خدام نے عرض کیا ضعف بہت ہے بجائے مسجد میں جانے کے یہیں جماعت کر لی جائے۔ ارشاد فرمایا نہیں جلال آباد میں تو اس مجبوری کہ قیام گاہ پر نماز پڑھی تھی کہ ہجوم کی وجہ سے مسجد میں جگہ نہ تھی یہاں کیا مجبوری ہے؟ مسجد تشریف لائے اور اسی اطمینان کے ساتھ فرض اور سنتیں ادا فرمائیں کہ انتظار کرنے والے تھک گئے۔

حضرت مدنی رح کو کثرت اسفار کے باوجود مسجد کی جماعت کی شرکت کا شدت کے ساتھ اہتمام تھا صرف مجبوری کے عالم میں مسجد کی جماعت ترک ہوتی تھی نوح کے عظیم الشان جلسہ میں ستر، اسی ہزار آدمیوں کا ہجوم تھا اور جامع مسجد میں گنجائش کم تھی اس لئے یہ انتظام کیا گیا کہ حضرت مدنی رح کی امامت میں جلسہ گاہ میں ہی جمعہ کی نماز ادا کی جائے۔ حضرت مدنی نے اس کو منظور فرمایا۔ مگر انتہائی ناگواری اور ناراضگی کے ساتھ اس لئے کہ جب حضرت مدنی کو اس کا علم ہوا تو قصبہ کی مساجد میں نماز جمعہ ہو چکی تھی حضرت مدنی رح ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے پاس انفاس جاری رہتا تھا اور "دل بیار و دست بکار" کے پورے مصداق تھے۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوتا تھا جب حضرت مدنی رح بار بار انتہائی سوز و گداز اور بے قراری کے ساتھ پڑھتے تھے۔ یا حیُّ یا قیُّومُ برحمتکَ استغیثُ بظاہر اخبار پڑھتے تھے اور لوگوں سے باتیں کرتے تھے لیکن بباطن اپنے مولائے کریم کی یاد میں مستغرق تھے۔

عزیزی مولوی افتخار الحسن سلمہٗ بیان کرتے ہیں کہ وصال سے ایک روز قبل بعد عشاء وسحر کا عمل ہو رہا تھا حضرت مدنی رحؒ نے انتہائی بے قراری کے ساتھ پڑھا۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ جب چند بار ایسا ہی ہوا تو حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا حضرت کیا کوئی تکلیف یا درد ہے؟ ارشاد فرمایا یہی تکلیف کیا کچھ کم ہے کہ آپ حضرات کام میں مشغول ہیں اور میں بے کار پڑا ہوں عرض کیا گیا۔ حضرت آپ نے تو بہت کام کیا ہے اتنا کام تو ایک جماعت بھی نہیں کر سکتی۔ ارشاد فرمایا میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"

حضرت مدنی رحؒ اپنے ایک مکتوب گرامی میں اپنے ایک مسترشد جناب پیر غلام حبیبی صاحب (یوسف پور محمد آباد ضلع غازی پور) کو تحریر فرماتے ہیں۔

"پاس انفاس کے شروع کرنے سے خوشی ہوئی میرے محترم پاس انفاس سے اصل غرض یہ ہے کہ انسان کا کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہے نہ اندر جانے والا سانس اور نہ باہر نکلنے والا سانس انسان دن رات میں تقریباً پچیس ہزار سانس لیتا ہے سب کا سب ذکر سے معمور رہے ابتداء میں ایک گھنٹہ صرف اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ عادت ہونے لگے، یہ ایک گھنٹہ کی مشق، باوضو قبلہ رو بیٹھ کر ہو۔ مگر اس کے علاوہ خواہ وضو ہو یا نہ ہو (اگرچہ باوضو ہر وقت رہنا طہارت باطنی میں بہت مؤثر اور اس کے لئے بہت کارآمد ہے) کھڑے بیٹھے، لیٹے ہوئے حتّٰی کہ پاخانہ پیشاب کرتے ہوئے سانس کے ساتھ ذکر جاری رہے۔ کرتے کرتے ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ سوتے ہوئے بھی ذکر جاری رہتا ہے عمر عزیز کا جو حصہ بھی ذکر میں گزرے وہی زندگی ہے اور وہی مفید ہے۔

اس میں کوتاہی ہرگز ہرگز نہ کیجئے نفس پر زور ڈال کر اس میں مشغول رہیئے۔ اللہ تعالٰی کی مدد شامل حال ہوگی، دنیا، دنیاوی جھنجھٹوں کے ہوتے ہوئے جدوجہد جاری رکھئے۔ مایوس مت ہوجیئے کوشش کیجئے کہ ناغہ نہ ہو اور تسلسل جاری رہے ؎

صبر کن حافظ بسختی روز و شب
عاقبت روزے بیابی کام را

(الفرقان بابت جمادی الاخری سنہ ۷۷ھ)

(مکتوبات کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں ان میں ایسے جواہر ریزے بکثرت موجود ہیں۔ ادارہ)

جو شیخ طریقت اپنے مسترشدین کو ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہنے کی تلقین اور تاکید فرماتا ہو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کا اپنا کوئی وقت ذکر اللہ سے خالی ہو اور غیر اللہ میں مشغول ہو۔ اور یہی عبادت کی حقیقت ہے کہ انسان کا دل ہر وقت یاد الٰہی سے معمور رہے اور ہر وقت اوامر خداوندی کے امتثال اور بجا آوری کے لئے تیار رہے ؎

یک لمحہ غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند و آگاہ نباشی

مولانا فخر الحسن صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند بیان فرماتے تھے کہ میں نے ایک رمضان حضرت مدنی رحؒ کے پاس گذارا۔ وہاں حضرت مدنی رحؒ کا رنگ ہی دوسرا پایا صرف چند گھنٹے آرام فرماتے تھے باقی سارا وقت عبادت و تلاوت اور ارشاد و تلقین میں صرف ہوتا تھا۔

حضرت مدنی رحؒ تراویح خود پڑھاتے تھے بارہ بجے تراویح سے فراغت ہوتی اس کے بعد آدھ گھنٹہ، پون گھنٹہ آرام فرماتے پھر نماز تہجد کے لئے اٹھ جاتے اور دن بھر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔

اتباع شریعت وسنت

انسان کی انسانیت اور اصلاح و درستی اتباع شریعت اور اتباع سنت پر موقوف اور منحصر ہے حضرت مدنی رحؒ اپنے سابقہ مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں۔

"آپ ذکر اور اتباع شریعت وسنت پر مداومت کرتے رہیئے انشاء اللہ اصلاح رفتہ رفتہ ہو جائے گی۔"

سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی لائی ہوئی شریعت انسانیت اور انسانی زندگی کا مکمل دستور العمل ہے اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اس دستور العمل کی عملی تفسیر و تشریح ہے پس انسانیت ساری کی ساری شریعت محمدی اور سنّت نبوی میں سموئی ہوئی ہے اور جو کام بھی شریعت وسنت کے خلاف ہے وہ انسانیت سے بعید اور سراسر بہیمیت اور کھلی شیطنت ہے اسی لئے جو بھی انسان بنا وہ شریعت محمدی وسنت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی سے بنا اور جس قدر شریعت وسنت کا اتباع کیا اسی قدر انسانیت سے آراستہ ہوا۔

حضرت مدنی رحؒ کی زندگی بھی اس دور میں شریعت محمدی اور سنّت نبوی کا بہترین نمونہ تھی۔ اسی لئے ان کی ہر ادا سے انسانیت نمایاں تھی اور دیکھنے والا پہلی نگاہ میں بھانپ لیتا تھا کہ واقعی انسان ایسے ہی ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم بھی آپ سے ملتا تھا تو وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

ایک غیر مسلم جو کالج کے پروفیسر ہیں اور گلاؤٹھی کے رہنے والے ہیں میرے پاس آئے ہیں اور بار بار نہایت محبت وعقیدت کے ساتھ حضرت مدنی کا تذکرہ کرتے ہیں رات میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو حضرت مدنی رحؒ سے کس طرح واقفیت ہے تو کہا کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں جب کشت و خون کا بازار گرم تھا اور ہندو مسلمانوں میں عام منافرت پھیلی ہوئی تھی مجھے معلوم ہوا کہ مولانا مدنی رحؒ گلاؤٹھی آئے ہیں اور جامع مسجد میں جلسہ ہے میں بھی اسلامی لباس تبدیل کر کے وہاں پہنچا کہ دیکھوں کیا کہتے ہیں؟ آپ اس وقت باہم محبت و اتحاد سے رہنے کی تلقین کر رہے تھے اور غیر مسلم پڑوسیوں کے حقوق بیان کر رہے تھے میں نے ان کی باتیں سنتے ہی کہا واقعی انسان ایسے ہوتے ہیں۔

اور یہی اصل مسلمان ہیں۔ اس وقت سے مجھے ان کے ساتھ محبت و عقیدت ہے،،

اتباع شریعت و سنت حضرت مدنی رح کی طبیعت اور فطرت بن چکا تھا حتیٰ کہ دوسروں کا بھی شریعت و سنت کے خلاف عمل ناقابل برداشت ہوتا تھا اسی لئے خلاف شرع صورت اور سیرت والے سامنے آتے ہوئے گھبراتے تھے۔

حضرت مدنی رح چاہتے تھے کہ ہر مسلمان شریعت و سنت کا پابند ہو اور انسانیت سے آراستہ ہو اسی لئے خلاف شرع امور پر سختی فرماتے تھے مثلاً آپ کو اصرار تھا کہ نکاح میں مہر فاطمی باندھا جائے اور جو لوگ اس پر رضامند نہ ہوتے تھے آپ نکاح نہ پڑھاتے تھے عزیزان گرامی مولانا محمد یوسف صاحب و مولانا انعام الحسن صاحب کا جب سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی صاحبزادیوں سے عقد ہوا تو حضرت مدنی رح نے حسب عادت مہر فاطمی پر اصرار فرمایا اور مہر فاطمی مقرر ہوا۔ حالانکہ ہمارے خاندان میں مہر مثل کا دستور تھا اس کے چند روز بعد میری حضرت مدنی رح سے غازی آباد کے اسٹیشن پر ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ جب فقہاء کے یہاں اصل مہر مثل ہے تو پھر حضرت کو مہر فاطمی پر اس قدر کیوں اصرار ہے؟ ارشاد فرمایا یہ صحیح ہے کہ اصل مہر مثل ہی ہے مگر چونکہ لوگ خلاف شرع حد سے زیادہ مہر باندھنے لگے اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم سختی کے ساتھ سنت کی پابندی کریں اور دوسروں کے لئے مثال قائم کریں،، اسی طرح حضرت مدنی رح تقریبات میں رسومات کی پابندی کو سراسر ہلاکت و بربادی سمجھتے تھے اور اپنے سے تعلق رکھنے والوں کی تقریبات بے رسم و رواج کے شریعت و سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ کراتے تھے اور آپ کی خود اپنی تقریبات بھی دوسروں کے لئے شریعت و سنت کی زندہ نمونہ تھیں۔

اسی طرح حضرت مدنی رح چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے باہمی نزاعات اور معاملات باہمی تصفیہ سے شریعت کے مطابق طے ہو جائیں اور مقدمہ بازی کی نوبت نہ آئے۔ اور اس سلسلہ میں اپنی ظاہری توہین و تذلیل کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے حضرت مدنی رح نے ایک مرتبہ ایک معاملہ میں مصالحت کرانی چاہی ایک فریق کی جانب سے انتہائی توہین و تحقیر کا برتاؤ کیا گیا۔ میں نے عرض کیا،۔

"حضرت اس معاملہ میں نہ پڑیں اس میں تو بڑی ذلت ہے،،

ارشاد فرمایا۔

"کیوں اس سے بڑھ کر کیا عزت ہو سکتی ہے کہ دو بھائیوں کے درمیان شریعت کے موافق مصالحت ہو جائے"

حضرت مدنی رح عبادات ہی نہیں بلکہ عادات کھانے پینے، سونے، جاگنے، چلنے پھرنے اور پہننے، اوڑھنے میں بھی شدت کے ساتھ سنت کا اتباع فرماتے تھے تاکہ عادات عادات نہ رہیں بلکہ عبادات میں شامل ہو جائیں اور ہر بات میں رنگِ بندگی نمایاں ہو جو انسانیت کی اصلی روح ہے اور مسلمان کی اصلی شان ہے اور اس سے وہ لوگ اچھی طرح واقف ہیں جنہیں حضرت مدنی کے یہاں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ یا حضرت کے ساتھ رہنے کا کبھی اتفاق ہوا۔ اس لئے کہ اتباع سنت کثرت مداومت کی وجہ سے حضرت مدنی رح کی طبیعت اور مزاج بن چکا تھا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

عزم و استقلال

کوئی شخص ماں کے پیٹ سے بڑا آدمی بن کر نہیں نکلتا۔ البتہ بڑا آدمی بننے کی قابلیت و صلاحیت ہر ایک میں موجود ہوتی ہے پھر جو ان صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے اور عزم و استقلال اور ہمت و حوصلہ سے کارِ نمایاں انجام دیتا ہے وہی بڑا انسان شمار ہوتا ہے۔

یادگار اسیر مالٹا

(محمد الیاس اختر سہارنپوری)

ملتِ اسلام کا تھا تو درخشاں آفتاب
غیر ممکن ہے کہ اب پیدا ہو پھر تیرا جواب

نورِ حق سے تھی منور جو تری روشن جبیں　　حق نے بخشا تھا ازل ہی میں تجھے علم یقیں
ہند انڈونیشیا ایران برما مصر و چیں　　ہو گئے سیراب لاکھوں تشنگانِ علم دیں

ہاں تری تعلیم سے جو بھی ہوا ہے فیضیاب
درحقیقت دین اور دنیا میں ہے وہ کامیاب

تیرے علم و فہم سے بیدار ہیں لاکھوں شعور　　تھے ترے الفاظ سے ساکت دماغِ پُرغرور
تیرے ہر فقرے سے ہے شانِ تدبر کا ظہور　　جابروں کے منہ سے نکلا تھا ہمیشہ جی حضور

آگہی کا نور ملتا ہے تیرے افکار سے
کون ناواقف ہے عالم میں ترے ایثار سے

تیری ہستی تھی اسیرِ مالٹا کی یادگار　　گلشنِ ملت میں تیرے دم سے تھی ہر سو بہار
تیرے بازو میں تھی پنہاں قوتِ صد ذوالفقار　　تیری جد و جہد سے آیا سیاست پہ نکھار

راہِ آزادی کا تھا تو ہی امیرِ کارواں
کم ہے تجھ پر فخر جتنا بھی کرے ہندوستاں

اے خدائے دو جہاں اے مالکِ کون و مکاں　　دل سے کرتا ہے دعا یہ اخترِ آشفتہ جاں
حضرتِ مدنی کو کر آسودۂ خلدِ جناں　　تیرا فضلِ بیکراں ان پر رہے سایہ کناں

جاوداں وہ سایۂ دامانِ رحمت میں رہیں
تیرے جلووں سے مشرف باغِ جنت میں رہیں

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق
باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

حضرت مدنی رح کی زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ عزم و استقلال اور ہمت و حوصلہ کے کوہ ہمالیہ نظر آتے ہیں جو کام بھی انجام دیا پورے عزم و استقلال اور انتہائی ہمت و حوصلہ کے ساتھ انجام دیا جس کی نظیر دوسری جگہ نہیں مل سکتی اور تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے وہ بوڑھے اور ضعیف ہو جانے کے باوجود عزم و استقلال اور ہمت و حوصلہ میں جوانمرد تھے جو تمام جوانمردوں سے سبقت لے گئے تھے۔ برطانیہ کا جس شان سے مقابلہ کیا وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے حصول آزادی کے لئے جو جدوجہد کی اس کا کوئی نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ پھر ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت و وقعت برقرار رکھنے کے لئے جو کارنامے انجام دیئے وہ آپ ہی کا حصہ تھا اور ابھی کچھ اور زندہ رہتے تو کچھ کا کچھ کر جاتے جو برطانیہ کی سنگینوں سے ڈرنے والا نہ تھا وہ ہندوستانی حکومت سے کسی حالت میں بھی مرعوب نہیں ہو سکتا تھا۔ بے پناہ جذبات تھے جن کو بروئے کار لانے کے لئے وقت درکار تھا۔ حصول آزادی کے بعد ایک مرتبہ میں نے حضرت مدنی رح کی خدمت میں عرض کیا کہ اب تو حضرت کی حکومت بن گئی۔ ہنس کر فرمایا "ہمارے لئے تو پہلے بھی جیل خانہ تھا اب بھی جیل خانہ ہے" اسی ایک فقرہ سے اندرونی سارے جذبات اور رجحانات کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی موجودہ حیثیت بھی حضرت مدنی رح کے عزم و استقلال کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے ورنہ نہ معلوم مسلمانوں کی تباہی اور مسجدوں، خانقاہوں، مدرسوں کی بربادی کس حد تک پہنچتی اور نقشہ کیا سے کیا ہو جاتا۔

۱۹۴۷ء کے خونی ہنگامہ میں جب ہر شخص کو اپنی اپنی پڑ رہی تھی اور مسلمان کے لئے کوئی جائے امان نظر نہ آتی تھی حضرت مدنی پورے عزم و استقلال اور ہمت و حوصلہ کے ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کو جمانے کی کوشش میں مصروف تھے اور پورے وثوق کے ساتھ مسلمانوں کے ہند میں رہنے کی تلقین فرما رہے تھے ایک آہنی دیوار بن کر سہارنپور کی سرحد پر جم گئے اور اس تباہی کے آگے بڑھنے کی پوری روک تھام کی۔ اس وقت آپ جہاں مسلمانوں کو ہمت و استقلال کا سبق پڑھا رہے تھے وہاں حکومت کی کوتاہیوں پر بھی سخت تنبیہ اور باز پرس فرما رہے تھے، اسی دوران جب کاندھلہ تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ ہندوستان چھوڑنا تو نہیں ہے لیکن یہ فرمایئے کہ یہاں کس طرح ٹھہرا جائے ؟۔

ارشاد فرمایا "ہمت و حوصلہ اور عزم و استقلال کے ساتھ خدا پر بھروسہ رکھو"

۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران آپ نے پنڈت پنت وزیر اعلیٰ یو، پی سے سخت غضبناک لہجہ میں حکومت کے رویہ کے خلاف باز پرس کی تو پنڈت پنت نے کہا کہ دارالعلوم کی حفاظت کے لئے فوج بھیج دی جائے تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے سخت غصہ میں فرمایا۔

" دارالعلوم تو خدا کا ہے وہ خود اس کی حفاظت کریگا آپ سہارنپور کی خبر لیجئے اگر آپ مسلمانوں کا تحفظ کرنے کے بارہ میں مذبذب ہیں یا اس میں ناکامی کا اندیشہ ہے تو آپ مجھے اجازت دے دیں میں مسلمانوں سے کہدوں گا کہ وہ اپنا تحفظ خود کر لیں"

ان تہدیدی کلمات کے بعد جدید انتظامات مکمل کئے گئے اور فسادات کی بھڑکتی ہوئی آگ آگے بڑھنے سے رکی۔

انہماک مشاغل

جب انسان بڑے کارناموں سے بنتا ہے تو جس قدر بڑا انسان ہوگا اسی قدر اس کے مشاغل کثیر ہوں گے اور انہی کے بقدر انہماک و اشتغال ہوگا جو واقعی انسان ہیں وہ ہر وقت انسانی کارناموں میں مصروف رہتے ہیں اور نقلی انسان تو صرف کھانے پینے والا حیوان ناطق ہوتا ہے ہر انسان چل دیتا ہے اور اس کے اعلیٰ مشاغل اور کارنامے اس کی یادگار رہ جاتے ہیں جو دوسروں کے لئے مشعل راہ بنتے ہیں۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے روزانہ کے معمولات اور مشاغل اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔ دیوبند کے قیام میں روزانہ آخر شب میں تقریباً تین بجے بیدار ہوتے اور نماز فجر تک تہجد اور اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ نماز فجر کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ تک تلاوت قرآن کریم اور مطالعہ کتب اس کے بعد مہمانوں کی معیت میں چائے اور ناشتہ پھر تقریباً بارہ[۱۲] بجے تک دارالعلوم میں درس حدیث اور صدر مدرسی کے فرائض کی انجام دہی۔ اس کے بعد مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرما کر تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے، بعد نماز ظہر ڈاک ملاحظہ فرماتے، خطوط کا جواب خود لکھتے یا دوسرے سے لکھواتے، مہمانوں سے گفتگو فرماتے، اور ان کی مختلف ضرورتوں اور گوناگوں مشکلات کو رفع فرماتے، کسی کو سلوک کی تلقین ہو رہی ہے اور کسی کو تعویذ دیا جا رہا ہے اور کسی کے سوالات کا جواب دیا جا رہا ہے یہ سلسلہ نماز عصر تک جاری رہتا تھا اور اسی میں سادی چائے کا دور بھی چلتا تھا۔ عصر سے مغرب تک دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث ہوتا تھا۔ نماز مغرب کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ نوافل میں صرف ہوتا۔ جس میں سوا پارہ یومیہ تلاوت فرماتے۔ نوافل کے بعد مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ اسی اثناء میں نماز عشاء کا وقت ہو جاتا۔ نماز عشاء کے بعد دارالعلوم میں تقریباً تین گھنٹے بخاری شریف کا درس جاری رہتا تھا تو گویا رات کے تین بجے سے لے کر رات کے بارہ بجے تک اکیس گھنٹے مشغولیت میں گزرتے تھے۔ صرف آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ دوپہر کو آرام ملتا تھا۔ سب سے زائد مشغولی کا وقت ظہر و عصر کے درمیان ہوتا تھا۔ ڈاک کا انبار سامنے ہوتا تھا اور مہمانوں کا ہجوم پیش نظر، جو تیس چالیس سے کبھی کم نہ ہوتے تھے ہر ایک کی ضرورت کا معلوم کرنا پھر اس کو نہایت بشاشت اور خندہ پیشانی کے ساتھ پورا کرنا۔ ہر ایک کے حقوق مہمانی کو ادا کرنا کوئی معمولی کام نہیں۔ ڈاک بھی اتنی کثرت سے ہوتی تھی کہ پانچ پانچ سو خطوط کا انبار سامنے آجاتا تھا۔ اس لئے کہ حضرت مدنی رح بیک وقت شیخ طریقت بھی تھے اور عالم دین بھی اور عامل کامل بھی اور

Deobandi wahabi congressi mulla ,mukhalif e pakistan ki hayat
تصنیف
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر
دامت برکاتہم
آنکھوں کی ٹھنڈک ۱۵/.
طائفہ منصورہ ۱۸/. حکم الذکر بالجہر ۱۵/. صرف ایک اسلام ۱۴/.
تفریح الخواطر فی رد تنویر الخواطر ۳۰/. انکار حدیث کے نتائج ۵۰/. شوقِ حدیث ۱۲/.
اتمام البرہان حصہ اول ۱۰/. اتمام البرہان حصہ دوم سوم ۱۶/. مسئلہ قربانی ۵/.
الکلام الحاوی فی تحقیق عبادت طحاوی ۱۰/. عمدۃ الاثاث فی حکم طلاق ثلاث ۸/.
تبلیغ اسلام ۵/. مسئلہ علمِ غیب مُلّا علی قاری ۲/۵۰ آئینہ محمدی ۲/۵۰ راہِ سنت ۳۶/.
الشہاب المبین ۹/. تنقید متین ۱۲/. رسالہ تراویح اطیب الکلام ۶/.
اخفاء الذکر ۲/۲۵ تحقیق الدعاء بعد نمازِ جنازہ ۵/۵۰ عقیدۃ الطحاوی ۶/.
تسکین الصدور ۴۰/. احسن الکلام ۷۰/. ازالۃ الریب فی علم غیب ۵۰/.
سماع الموتیٰ ۱۵/. دل کا سرور ۱۲/. گلدستہ توحید ۱۰/. عباراتِ اکابر ۱۵/.
مقامِ ابو حنیفہ ۶۰/. بانی دار العلوم دیوبند ۵/.
ادارہ نشر و اشاعت
مدرسہ نصرۃ العلوم
محلہ فاروق گنج
نزد گھنٹہ گھر
گوجرانوالہ
Reference book for Ahle sunnah

سیاسی پیشوا بھی اور انہی سب امور کے متعلق تحریری اور زبانی لوگوں کی فرمائش اور استفسارات بھی ہوتے تھے جن کو حضرت پورا فرماتے تھے۔

حضرت مدنی رح نے ایک مرتبہ میری بیماری کا علاج بذریعہ عملیات شروع فرمایا بار بار حالات لکھتا اور حضرت مفصل عملیات جواب میں تلقین فرماتے آخر میں میں خود ہی حضرت کی مشغولی کو دیکھ کر خاموش ہوگیا مگر حضرت رح نہ کبھی گھبرائے اور نہ کبھی کسی قسم کی گرانی یا مشغولی کا عذر فرمایا اور یہی ہر ایک کے ساتھ دستور و معمول تھا۔

یہ روزمرہ کے مشاغل تھے جنکو کوئی جوانمرد بھی چند روز نہیں نبھا سکتا۔ جو ایک پیر مرد ضعف و بیماری کی حالت میں سالہا سال نبھا گیا اور کرکے دکھلا گیا جو کھلی کرامت ہے یہ ایک عجیب بات ہے کہ حضرت مدنی رح اپنے ان تھکا دینے والے مشاغل سے نہ کبھی اکتاتے تھے نہ گھبراتے تھے نہ کبھی اس کا احساس فرماتے تھے حضرت مدنی رح جانتے تھے کہ انسان کام ہی کے لئے بنا ہے اور کام ہی سے انسان بنتا اور سنورتا ہے۔ کثرت اسفار کے باوجود ان مشاغل پر مداوت کرامت نہیں تو اور کیا ہے شاید ہی حضرت مدنی رح کے برابر کسی نے سفر کئے ہوں۔ سال کا تقریباً نصف حصہ سفر میں گذرتا تھا اور سفر کے مشاغل اور مصروفیتیں حضر سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہیں۔

احساس فرض منصبی!

وہ شخص انسان ہی نہیں جس میں اپنے فرض منصبی اور ذمہ داری کی ادائیگی کا احساس نہیں جو شخص بھی جس قدر انسانیت سے آراستہ ہوا اسی قدر اپنے فرض منصبی اور ذمہ داری کی ادائیگی میں چست و چالاک ہوا حضرت مدنی رح ۲۸ سال دارالعلوم دیوبند کی صدر مدرسی کے منصب پر فائز رہے اس دوران جس انہماک اور سرگرمی کے ساتھ آپ نے اپنی ذمہ داری کو پورا فرمایا اس کی کوئی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ وہ اپنی آپ ہی مثال ہے درس کے اوقات پہلے معلوم ہو چکے۔ روزانہ ۸ - ۷ گھنٹہ درس دینا کوئی معمولی کام اور ہر ایک کے بس کی بات نہیں پھر درس بھی پورے نشاط اور انبساط کے ساتھ ہوتا تھا دو سو ڈھائی سو طالب علموں کا مجمع سامنے ہوتا تھا لاؤڈ اسپیکر کے بغیر ڈھائی سو طلبار کے وسیع حلقہ میں آواز پہنچانا معمولی کام نہیں۔ اس کے علاوہ ہر ہر مسئلہ کی پوری پوری تحقیق و تشریح ہوتی تھی۔ اور ہر طالب علم کے سوال کا جواب تسلی بخش دیا جاتا تھا جس میں کافی وقت صرف ہوتا تھا۔

دارالعلوم کے قیام میں درس اسباق میں تساہل تو در کنار سفر میں بھی ہمیشہ درس کا فکر لاحق رہتا تھا اور کوشش ہوتی تھی کہ جلد از جلد دیوبند پہنچ کر سبق پڑھایا جائے اور جب بھی ہر قریب و بعید سفر سے واپسی ہوتی۔ اور درس کا وقت ہوتا اسی وقت سبق کا اعلان ہو جاتا تھا۔ اور درس شروع ہو جاتا نہ کوئی تکان محسوس ہوتی تھی اور نہ اضمحلال کا کوئی اثر ظاہر ہوتا تھا حتی کہ سفر حج سے واپسی ہوئی جس کی تکان مہینوں نہیں اترتی۔ اور دماغ پراگندہ رہتا ہے اور واپسی بھی اس طرح ہوئی کہ جس ٹرین کے ذریعہ حضرت مدنی رح تشریف لائے وہ دیوبند کے اسٹیشن پر نہ رکتی تھی۔ اس لئے رات کو ۱۲ بجے مظفر نگر اسٹیشن پر اترے۔ اور وہاں سے بذریعہ لاری دو بجے دیوبند پہنچے۔ اس طویل سفر سے واپسی، رات کی بیداری اور ملاقات کے لئے آنیوالوں کا ہجوم، پھر بھی سبق کا اعلان ہوگیا۔ اور مسلسل کئی گھنٹہ درس جاری رہا۔ اور اس شان سے بخاری شریف شروع کرائی گئی جو آپ ہی کا حصہ تھا۔

درس حدیث کے علاوہ دارالعلوم کے انتظامی اور تعلیمی و تبلیغی امور کو بھی حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا جاتا تھا اور ہر ایک کام کی پوری نگرانی ہوتی تھی۔ دارالعلوم کی ترقی اور عروج و فروغ میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی اور اسلام کی جو علمی یادگار آپکی سپردگی میں دی گئی تھی اس کو اوجِ کمال پر پہنچایا اور دنیا میں اس کے نام کو روشن کر دکھایا۔

آہ! شیخ الاسلام

فوق جامی

علم بردارِ آزادیٔ وطن سے ہوگیا رخصت
چراغ آدمیت انجمن سے ہوگیا رخصت
گلِ علم و عمل صحنِ چمن سے ہوگیا رخصت
درِ ہندوستان گنگ و جمن سے ہوگیا رخصت

ہوا رخصت یہ ملک نازاں تھے جسکی پاکبازی پر
رہا حرم نبی کو فخر برسوں جس نمازی پر

وہ جس کی زندگی سے تھے عیاں اسلاف کے جوہر
وہ جس کی حق رسی سے اہلِ مغرب رہ گئے ششدر
صداقت نے کیا جس کی دلوں میں دوستوں کے گھر
جو ساری عمر سمجھاتا رہا فرمانِ پیغمبر

بہر ساعت وطن کی اور دیں کی جس نے خدمت کی
خدا کی بندگی کی اور بندوں سے محبت کی

وہ اک درویشِ کامل پارسائی جس پہ نازاں تھی
وہ عالم علم کی جلوہ نمائی جس پہ نازاں تھی
وہ شب بیدار عابد جبہ سازی جس پہ نازاں تھی
وہ مولانا حسین احمد خدائی جس پہ نازاں تھی

وطن کی آبرو اہلِ وطن کی آنکھ کا تارا
خدا کے دین کا خادم خدا کو ہوگیا پیارا

حضرت شیخ رح نے مالٹا کی اسیری سے رہائی کے بعد سے جمعیۃ علماء ہند کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا اور آخیر میں تو کئی برس سے جمعیۃ علماء ہند کے مستقل صدر تھے یہ صدارت بھی خطبہ صدارت پڑھ دینے والی صدارت نہ تھی بلکہ اس صدارت کی ذمہ داری کا آپ کو پورا احساس تھا اور اسی احساس نے جمعیۃ علماء ہند کو ایسے نازک دور میں بھی سنبھالے رکھا جب کہ خود اپنے اس کے وجود کو ختم کر دینے پر تلے ہوئے تھے اس دوران جو سیاسی کارنامے جمعیۃ علماء ہند نے آپ کی سرکردگی میں انجام دیئے انہی کی بدولت آج عالم اسلام میں مسلمانان ہند کا سر بلند و بالا ہے اگر حضرت مدنی رح کی ہستی سیاسی سرگرمیوں میں اس قدر سرگرم عمل نہ رہتی تو کس کو معلوم ہوتا کہ اس تحریک آزادی میں مسلمانان ہند کا پورا حصہ ہے جس کی بنیاد خود مسلمانوں نے ڈالی اور اپنی جانبازیوں اور سرفروشیوں سے اس کو منتہٰی تک پہنچایا۔

ہندوستان میں کوئی مسلم یا غیر مسلم سیاسی سرگرمیوں اور ملکی قربانیوں اور جانبازیوں میں حضرت مدنی رح کی ہمسری کا دعوٰے نہیں کر سکتا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اس مرد مجاہد نے تحریک آزادی میں وہ کام انجام دیا جس کو بڑی جماعت بھی انجام نہ دے سکتی تھی اور جب اس کام کے برگ و بار نمایاں ہوئے اور پھل سامنے آیا تو سامنے اپنا دامن بچا کر یکسو ہو گیا اور ساری پونجی دوسروں کے حوالے کر دی جو بے غرضی اور حقانیت کی کھلی دلیل اور یکتا مثال ہے۔

سادگی و بے تکلفی

سادگی اور بے تکلفی بھی انسانی اعلیٰ جوہر ہے جو انسانیت سے آراستہ کرتا ہے حضرت مدنی رح نور اللہ مرقدہٗ سادگی اور بے تکلفی میں بھی یکتائے روزگار تھے شیخ طریقت عالم ربانی ہونے کے علاوہ حضرت مدنی رح کی ظاہری شخصیت ایک بڑے سیاسی رہنما کی تھی اور ہر سیاسی لیڈر مسلم ہو یا غیر مسلم، ملکی ہو یا غیر ملکی آپکے آستانہ پر حاضری کو ضروری اور باعث فخر سمجھتا تھا اس ظاہری عزت و اقتدار کے باوجود اپنی درویشانہ شان اور بوریہ نشینی کو برقرار رکھنا اور سنت نبوی کے موافق سادگی کے ساتھ زندگی گذارنا صرف آپ ہی کا عالی حوصلہ تھا۔ یہاں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور اپنی راہ سے بھٹک جاتے ہیں حضرت مدنی رح کا لباس، وضع قطع رہائش، بود و باش سب لطیف اور سادہ تھے اور سنت نبوی کا بہترین نمونہ آپ سنت کے موافق چمڑہ کا تکیہ استعمال فرماتے تھے اور چمڑے کا گول دسترخوان استعمال ہوتا تھا جس پر ہمیشہ ایک سالن ہوتا تھا اور دائرے کی شکل میں دس بارہ آدمی دسترخوان کے ارد گرد بیٹھ کر ایک ہی برتن میں ساتھ کھاتے تھے ان میں سے ایک حضرت رح بھی ہوتے تھے اور ساتھ کھاتے تھے صبح کو ناشتہ چائے کے ساتھ باسی روٹی اور مرچ کا اچار ہوتا تھا یہی حضرت کا ناشتہ تھا اور یہی تمام مہمانوں کا۔ ایک مرتبہ میں صبح کے ناشتہ پر موجود تھا۔ اوّل تو مجھے بیماری کی وجہ سے باسی روٹی کھانے میں تامل ہوا۔ پھر تکلفاً ایک آدھ لقمہ کھانا شروع کیا تو اس قدر مزہ دار معلوم ہوا کہ چھوڑنا مشکل ہو گیا اس کے بعد حضرت رح نے کھانے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہم آپ حضرات کے یہاں جاتے ہیں تو آپ ناشتہ میں مرغ اور حلوے کھلاتے ہیں اور یہاں باسی روٹی کھانا پڑتی ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ باسی روٹی اور اچار مرغ سے زیادہ مزہ دار ہے۔

تواضع و انکساری

انسان کی انسانیت اور برتری و سربلندی کا اصلی راز تواضع اور انکساری میں مضمر ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جو شخص بھی اللہ تعالےٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کو ضرور رفعت و سربلندی عطا فرماتے ہیں یہی تواضع و انکساری اصلی شان عبدیت ہے جو شخص بھی اپنی حقیقت کا شناسا ہوگا وہ مجسمہ تواضع ہوگا۔ اور کبر و بڑائی سے بالکل مبرا ہوگا جو عبدیت کے بالکل منافی اور متضاد ہے۔

حضرت مدنی رح بھی تواضع اور انکساری کا ایک مجسمہ تھے کبھی صدر مقام پر نہ بیٹھتے تھے اور ہمیشہ نشست کے لئے مجلس کا گوشہ اختیار فرماتے تھے ہر ایک چھوٹے بڑے کو آپ کے ساتھ خطاب کرتے تھے اور ہمیشہ اس انداز سے گفتگو فرماتے کہ گویا چھوٹا اپنے

جذباتِ غم

از : مولانا احمد اللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ (انذیر سورت ضلع)

حسرتا جب سے سنا شیخ ہمارا نہ رہا
یعنی وہ دل کا سرور آنکھ کا تارا نہ رہا
ہوگئی درہم و برہم وہیں دنیائے سکوں
مضطرب دل کیلئے صبر کا یارا نہ رہا
بچھ گئی ماتمی صف غم کی گھٹائیں چھائیں
آہ کرنے کے سوا کوئی بھی چارا نہ رہا
جن سے آسان ہوا کرتی تھی منزلِ احمد
آہ وہ قافلہ سالار ہمارا نہ رہا

بڑے سے گفتگو کر رہا ہے،، اور ہر ایک کے ساتھ گفتگو کا یہی انداز تھا۔ گویا سب بزرگ تھے اور یہ خود ہر کام کے لئے خود سبقت کرتے اور ہر محنت و مشقت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے اس کا کچھ اندازہ ایک واقعہ سے ہو جاتا ہے۔

جب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ کی دوسری شادی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی صاحبزادی سے نظام الدین میں ہوئی تو حضرت مدنی رحؒ بھی شرکت کے لئے تشریف لا رہے تھے میں شیخ رشید احمد صاحب تاجر اسلحہ کی کار لے کر دہلی جنکشن پہنچا اسی گاڑی سے متولی طفیل احمد صاحب بھی نکاح کی شرکت کے لئے اترے اور ایک صاحب حضرت مدنیؒ کے ہمراہ تھے کار چھوٹی تھی اور اس میں نہایت دشواری کے ساتھ چار آدمی اور سامان آسکتا تھا۔ اس لئے ڈرائیور نے چار آدمی بٹھانے سے انکار کر دیا حضرت نے فرمایا تم متولی صاحب کو لے کر کار میں چلے جاؤ اور میں تانگے سے آتا ہوں۔ میں نے اصرار کیا کہ حضرت کار میں تشریف لے جائیں اور ہم تانگے سے آتے ہیں جب حضرتؒ نے اس کو کسی طرح منظور نہ فرمایا تو میں نے چاہا کہ جس طرح بھی ہو سب کار میں چلیں اور غصہ میں ڈرائیور کو خوب ڈانٹا حتیٰ کہ زبان سے حرامزادہ بھی کہدیا۔ مگر کچھ نہ ہوا کار خالی نظام الدین واپس گئی اور تانگہ سے نظام الدین پہنچے۔ نظام الدین پہنچنے پر شیخ رشید احمد صاحب نے اس کی معذرت چاہی تو حضرت مدنی رحؒ نے فرمایا کہ ”ڈرائیور کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں (میری طرف اشارہ کر کے) انہوں نے بہت کافی ڈانٹ دیا۔ میں نے شرمندہ ہو کر عرض کیا ”میں نے تو جو کچھ بھی کہا حضرتؒ کی طرف سے کہا“ اس پر ہنس کر فرمایا ”جی ہاں حد بھی مجھی پر جاری کرانا“ (چونکہ میں نے حرامزادہ کہا تھا) حضرت مدنی رحؒ کی اس بلا وجہ شفقت اور تکلیف پر سب متاثر تھے مگر حضرت کو اس کا خیال بھی نہ تھا۔

یہ ایک واقعہ نمونے کے طور پر لکھ دیا گیا ورنہ اس قسم کے واقعات حضرت کی زندگی میں سینکڑوں ملیں گے غایت تواضع اور انکساری کی وجہ سے حضرت مدنیؒ اپنے مخالفین اور معاندین کا بھی ہمیشہ اچھے الفاظ کے ساتھ تذکرہ فرماتے تھے اور کسی کو برے الفاظ سے یاد نہ کرتے تھے حتیٰ کہ گورنمنٹ برطانیہ جس کی عداوت و نفرت آپ کی فطرت بن چکی تھی اس کو بھی ہمیشہ ”ہماری مہربان گورنمنٹ“ فرمایا کرتے تھے۔ اگرچہ اس لفظ ”مہربان گورنمنٹ“ میں پورا طنز ہوتا تھا۔ اور بعد کی تقریر میں گورنمنٹ برطانیہ کی تمام مہربانیوں کا راز فاش ہوتا تھا حضرت مدنی رحؒ کی یہی خاکساری اور انکساری تھی جس نے مخلوق خدا کو آپ کا گرویدہ اور شیدائی بنا رکھا تھا اور آپ ہر ایک کے سردار اور سرتاج بنے ہوئے تھے۔

حضرت مدنی رحؒ کے بڑے بھائی حضرت مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تواضع وانکساری میں حد سے تجاوز کئے ہوئے تھے باوجود کہ ان کو مدینہ منورہ میں پورا اقتدار حاصل تھا۔ پھر بھی ہمیشہ مسکین صورت اور مسکین سیرت بنائے رکھتے تھے اور درویشانہ زندگی بسر فرماتے تھے ایک مرتبہ خود مجھ سے امیر مدینہ نے کہا کہ میں تو برائے نام امیر ہوں اصل امیر تو سید احمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو سب کے قلوب پر حکومت کر رہے ہیں۔

اس انتہائی خاکساری کے باوجود حضرت مدنی رحؒ وقار و تمکنت کا کوہ طور یا کوہ نور تھے۔ ایک خاص نوع کا ہیبت و جلال چہرہ مبارک پر عیاں تھا باوجود کہ حضرت مدنی رحؒ ہنس ہنس کر باتیں فرماتے تھے مگر دل اندر سے لرزتا رہتا تھا۔ اور بمشکل بات کی جاتی تھی۔ یہ میرا حال تھا جو اپنی نالائقی کی وجہ سے تمام بزرگوں سے بات کرنے کا عادی تھا۔ حتیٰ کہ حضرت تھانوی رحؒ کے یہاں بھی بے دھڑک جو جی میں آتا تھا کہہ دیتا تھا۔ اور حضرت تھانوی رحؒ کی طرف سے کبھی کسی گرانی یا ناگواری کا بھی اظہار نہیں ہوا“

میں نے حضرت مدنی کے ہم عصر بزرگوں کی زبان سے اکثر یہ فقرہ سنا ہے ”حضرت مدنی سے ڈر لگتا ہے“ بارہا ایسا ہوا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحؒ کسی خاص مقصد اور بات کے لئے دیوبند تشریف لے گئے وہاں حضرت مدنیؒ سے بے تکلف ملاقات ہوئی۔ اور ہنس ہنس کر باتیں ہوئیں۔ مگر مقصد کی بات زبان پر نہ آئی اور واپسی کے بعد فرمایا ”حضرت مدنی رحؒ سے بات کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی“ بعض جلیل القدر بزرگ مشائخ طریقت محض اس لئے گاڑھا پہننے کا اہتمام

قطعہ تاریخ

غم در سینہ پیدا شد
دیدہ گریاں در باشد
درس دہ اکناف حرم
جانب شاہِ بطحیٰ شد
نصرت غمگین است جہاں
شیخ الہند از دنیا شد

نصرت قریشی سہارنپوری ۱۳۷۷ھ

قطعۂ تاریخ

از معین الدین منیفؔ اعظم گڈھ

حیف شیخ الہند مولانا حسین احمدؒ بھی اب
دارِ فانی سے ہوئے رخصت سوئے دارالسلام
لکھدی یہ تاریخ، ہجری عیسوی سَن میں منیفؔ
آہ غرقِ آبِ رحمت۔ زاہدِ ذی احترام

زاہدِ ذی احترام			غرقِ آبِ رحمت			آہ
۷۵۰	۷۱۰	۱۷	۶۴۸	۳	۱۲۰۰	۶
۱۳۷۷ھ			۱۹۵۷ء			

فرماتے تھے کہ شاید حضرت مدنی رحمہ سے ملاقات ہو جائے اور ولایتی کپڑے سے ان کو گرانی اور ناگواری ہو۔ میں نے میرٹھ میں بعض سمجھدار دوستوں کو مشورہ دیا کہ وہ دیوبند حضرت مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی زیارت کے لئے جائیں تو انھوں نے یہی عذر پیش کیا کہ حضرت مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے یہاں جاتے ہوئے ڈر محسوس ہوتا ہے۔ یہ تھا حقانی ہیبت وجلال جو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے چہرۂ مبارک پر نمایاں تھا۔

ایثار و قربانی

ایثار قربانی بھی ایک اعلیٰ جوہر انسانی ہے جس سے انسانیت پروان چڑھی ہے اسی لئے قرآن کریم میں مومنین قانتین کا وصف بیان کیا گیا ہے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

(اور ایثار کرتے ہیں وہ اپنے نفسوں پر اگرچہ خود ان کے لئے تنگی ہو۔)

حضرت مدنی رحمہ بھی ایثار وقربانی کا مجسمہ تھا ان طلبہ کے اخراجات کی خود کفالت فرماتے تھے جن کا دار العلوم سے وظیفہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اپنے ملنے والوں کی ضرورتوں کو خفیہ طور پر پوری فرماتے تھے بارہا یہ معلوم ہوا کہ اپنے رفقاء سفر کے تمام اخراجات حضرت مدنی خود برداشت فرماتے تھے اتنا تو میں نے بھی دیکھا کہ سفروں میں اخراجات کے وقت سب سے پہلے حضرت مدنی رحمہ کا ہاتھ جیب میں جاتا تھا اور بٹوہ نکال کر زبردستی جملہ اخراجات وہ اپنے پاس سے پورے فرماتے تھے۔

حضرت مدنی رحمہ ہمیشہ اپنی ضرورتوں کو اپنے پاس سے پوری فرماتے تھے اور اس معاملے میں بہت سختی برتتے تھے اور جو ہدایا دوسروں کی طرف سے آتے تھے بے دریغ ان کو رفقاء پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

یہ ایثار وقربانی بھی حضرت مدنی رحمہ کو شاید ورثہ میں ملی تھی اس لئے کہ حضرت کے بڑے بھائی حضرت مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی سراپا ایثار وقربانی تھے جس کی نظیر نہیں ملتی تھی اور اس وقت حضرت کے چھوٹے بھائی سید محمود صاحب بھی ایثار وقربانی کی ایک زندہ مثال ہیں۔

فیاضی و مہمان نوازی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

(مسلم شریف)

پس معلوم ہوا کہ مہمان کا اعزاز و اکرام ایمان کا خاصہ ہے اور یہی انسانیت و شرافت کا اصلی تقاضہ ہے کہ اپنے پاس آنے والے کا ہر طرح اعزاز و اکرام کیا جائے اور فیاضی وفراخ دلی برتی جائے۔

حضرت مدنیؒ کی فیاضی اور مہمان نوازی بھی حد[illegible] اپنی

مثال تھی جس سے وہ لوگ بخوبی واقف ہیں جن کو کبھی حضرت کے آستانہ پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی روزانہ کم و بیش چالیس مہمان حضرت کے دسترخوان پر ہوتے تھے جو مختلف خیالات اور مختلف اطراف کے ہوتے تھے حضرت ہر ایک کا پورا پورا اعزاز واکرام فرماتے تھے اور نہایت فیاضی اور فراخ دلی کے ساتھ خرچ کرتے تھے کھانا اگرچہ ایک ہی ہوتا تھا مگر لذیذ اور مزیدار ہوتا تھا حضرت دونوں وقت کھانا مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے۔ اور خود بھی وہی کھاتے تھے جو مہمانوں کو کھلاتے تھے کھانے میں کسی قسم کی تفریق نہ ہوتی تھی جو ہوتا تھا سب کے لئے یکساں ہوتا تھا اور اگر کوئی خاص چیز پکوائی جاتی تھی۔ تو سب مہمانوں کے لئے پکوائی جاتی تھی۔

میں نے سنا ہے کہ رمضان المبارک میں مہمانوں کی تعداد سینکڑوں ہوتی تھی اور سب کے لئے دودھ کی کسی چیز کا انتظام نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے حضرت خود بھی کوئی دودھ کی غذا استعمال نہ فرماتے تھے۔ اور متعلقین کے اصرار پر فرما دیتے اتنا کہاں ہے جو سب کے لئے دودھ کا بندوبست کیا جائے۔ اگر مہمان بے وقت بھی پہنچ جاتے تھے تو اسی وقت ان کے لئے کھانا تیار ہوتا تھا اور کبھی مہمانوں کی کثرت سے گھبراتے اور اکتاتے نہ تھے۔ بلکہ اگر کوئی واقف دوسری جگہ ٹھہر جاتا تھا تو گرانی ہوتی تھی اور ناگواری کا اظہار ہوتا تھا اور کوئی ناواقف بلکہ مخالف بھی دسترخوان پر شریک طعام ہو جاتا تھا تو اس کے ساتھ بھی پوری بشاشت کا اظہار ہوتا تھا اور ہر طرح اعزاز واکرام کیا جاتا تھا۔

یہ فیاضی اور مہمان نوازی بھی حضرت مدنی رحمہ کی خاندانی خصوصیات میں شامل تھی حضرت مدنیؒ کے بڑے بھائی حضرت مولانا سید احمد صاحبؒ تو فیاضی و مہمان نوازی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے مہمانوں کے لئے ہر قسم کا تکلف کرتے تھے اور قسم قسم کے کھانے تیار کراتے تھے اور خود ہمیشہ معمولی سادہ غذا کھاتے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہمراہی میں اپنے دوسرے سفر حج کے موقع پر کئی ہفتہ میں حضرت مولانا سید احمد صاحب کا مہمان رہا۔ ہمارے لئے روزانہ قسم قسم کے کھانے دسترخوان پر آتے تھے اور خود حضرت مولانا سید احمد صاحب کے لئے بے گھی کے پتلے شوربے میں بھیگی ہوئی باسی روٹی یا ابلی ہوئی موٹی قسم کی سویاں یا موٹی قسم کے چاول اور عذر یہ کہ میرا معدہ خراب ہے اچھی غذا ہضم نہیں ہوتی۔

حضرت مدنیؒ کے چند اوصاف اور بعض واقعات نمونے کے طور پر لکھ دیئے گئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں حضرت مدنی رحمہ تخلقوا باخلاق اللہ کی صحیح تصویر اور اوصاف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل نمونہ تھے اور پوری طرح آپ کے رگ و ریشہ میں اللہ اور رسول کی عظمت و محبت سمائی ہوئی تھی اور قادر مطلق نے آپ کو تمام انسانی کمالات سے آراستہ بنا رکھا تھا ایسی مقدس ہستیاں خال خال وجود میں آتی ہیں اور بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے فرائض انجام دیتی ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مدنی کے بارگاہ خداوندی میں مقبول ہونے کی علامات

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالےٰ کسی بندہ کو محبوب بناتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آواز دیتے ہیں کہ اللہ عزوجل فلاں شخص کو محبوب رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت رکھتے ہیں پھر حضرت جبرائیل علیہ السّلام آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل فلاں شخص کو محبوب رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو پس آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور روئے زمین پر اس کی مقبولیت عام کردی جاتی ہے۔ (بخاری شریف)

روئے زمین پر جو عام مقبولیت اور محبوبیت اور شہرت و وقعت حضرت مدنی رح کو حاصل ہوئی وہ شاذ و نادر ہی کسی اللہ کے بندے کو نصیب ہوتی ہے جس طرف بھی پہنچ جاتے تھے ہر واقف و ناواقف آشنا و بیگانہ آپ کا گرویدہ اور شیدائی نظر آتا تھا اس کا قدرے اندازہ اس عالمگیر ماتم سے لگایا جا سکتا ہے جو حضرت رح کے وصال کے بعد ہند اور بیرون ہند میں کیا گیا۔

مسلمان ہی نہیں بلکہ جو غیر مسلم بھی آپ سے ملتا تھا وہ آپ کا نیازمند اور عقیدتمند بن جاتا تھا جس کی تائید و توثیق بخوبی ان بیانات اور مضامین سے ہوتی ہے جو حضرت مدنی رح کے متعلق غیر مسلموں کی جانب سے شائع ہوئے اور برابر شائع ہوتے رہتے ہیں

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے المرءُ مَعَ من احبّ (آدمی انہیں کا ساتھی ہے جن سے محبت کرتا ہے)

حضرت مدنی قدس سرہٗ کو اپنے اسلاف اور بزرگوں کے ساتھ جو فرط تعلق اور شیفتگی تھی اس کی نظیر ملنی بھی دشوار ہے اور یہی فرط تعلق اور شیفتگی آپ کی لامحدود ترقی کا اصلی راز تھی سب بزرگوں کے ساتھ قلب کی وابستگی تھی اور سب کی خو بو لیئے ہوئے تھی۔

حضرت مدنی اپنی ہر تحریر میں اپنے نام کے ساتھ ننگِ اسلاف ضرور تحریر فرماتے تھے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلاف کی پوری زندگی آپ کے سامنے ہر وقت رہتی ہے اور آپ اسی کے موافق زندگی بسر فرماتے تھے جو شخص اسلاف کا بہترین نمونہ اور اصلی کارنامہ تھا وہ ہمیشہ اپنے کو ننگ اسلاف ہی گردانتا رہا جانثاری کی آخری حد ہے۔

(۳) بعض حدیثوں میں اللہ کے مقبول بندوں کی یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ انہیں دیکھ کر وان کے پاس بیٹھ کر خدا یاد آیا ہے۔

حضرت مدنی رح کے پاس بیٹھ کر بیٹھنے والوں کی جو کیفیت وحالت ہوتی تھی اس کو بیٹھنے والے خود ہی اچھی طرح جان سکتے ہیں مسلمان تو مسلمان مجھ سے ایک مرتبہ ایک غیر مسلم نے یہ کہا کہ ان کو دیکھ کر پرماتما یاد آجاتا ہے۔

حضرت مدنی کے چند اہم کارنامے

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور انسان کی شخصیت اس کے اعلیٰ کارناموں سے ظاہر ہوتی ہے اور پہچانی جاتی ہے حضرت مدنی رح کی زندگی کا ہر ورق ان کا ایک مستقل کارنامہ ہے جس کی تفصیل کے لئے بڑا دفتر درکار ہے اس لئے چند نمایاں کارنامے اختصار کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں

(۱) جدوجہد آزادی

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح نے برطانیہ کے روزافزوں اقتدار اور استبداد اور مسلمانوں کے روز بروز تنزل وانحطاط سے متاثر ہوکر برطانوی استبداد سے خلاصی اور مسلمانوں کی فلاح وترقی کے لئے ایک اہم تحریک جاری کی تھی جو چند امور پر مشتمل تھی۔

(۱) ہر ممکن طریقہ سے برطانوی اقتدار کے خاتمے کی کوشش کرنا اور غلامی سے آزادی حاصل کرنا اور بیرونی استبداد کا خاتمہ کرنا۔

(۲) ناواقف مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات کا واقف کار پیروکار بنانا۔

(۳) ایسے علمی مراکز قائم کرنا جن میں اسلامی تعلیم وتربیت ہو اور اسلامی مجاہد اور اسلام کو پھیلانے والے رضاکار پیدا ہوں۔

(۴) اسلام سے ناواقف لوگوں کو اسلام سے باخبر بنانا اور اسلامی تعلیمات کو اس انداز کے ساتھ پیش کرنا کہ طبیعتیں جلد قبول کرلیں۔ آخری مقصد کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے متعدد رسالے بھی تحریر فرمائے جن میں عجیب وغریب انداز سے خوش اسلوبی کے ساتھ اسلام کو پیش کیا اور تمام اسلامی تعلیمات کو عقلی طور پر ضروری اور مفید ثابت کیا تاکہ مسلمان اسلام کو سمجھ کر دوسروں میں پھیلائیں۔

حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد ان کے شاگردوں اور مریدوں اور تعلق رکھنے والوں نے ان مقاصد کی تکمیل کے لئے جان توڑ کوشش کی اور ہر نوع کی قربانی دی پھر ولی اللہی سلسلہ کے تمام بزرگوں نے ان مقاصد کو اپنایا لیکن ہر ایک نے اس مقصد میں زیادہ محنت وجانفشانی کی جو اس کو زیادہ اہم نظر آیا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی حضرت مدنی رح تھے۔

حضرت مدنی رح کی سیاسی زندگی اور جدوجہد آزادی کا اس وقت آغاز ہوتا ہے جب آپ ۱۹۲۰ء میں مالٹا کی اسیری سے رہائی کے بعد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اس وقت ہندوستان میں تحریکِ خلافت زوروں پر تھی۔ آپ بھی سرگرمی کے ساتھ اس میں شریک ہوگئے اگرچہ شروع سے آپ حضرت شیخ الہند رح کے شریک کار تھے اور ہر خفیہ تحریک کے رازدار اور معین و مددگار تھے مگر یہ خفیہ کارروائیاں منظر عام پر اسی وقت آئیں جب آپ مالٹا کی رہائی کے بعد برملا سیاسی میدان میں کود پڑے اور پوری سرگرمی اور گرمجوشی

کے ساتھ ہر اس تحریک میں حصہ لیا جو برطانیہ کے خلاف جاری تھی پھر جب جولائی ۱۹۲۱ء میں آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقد ہوئی تو آپ نے اس کانفرنس میں ایک اہم تجویز پیش کی جس کا ماحصل یہ تھا کہ:-

"موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے سرکاری فوج میں ملازم رہنا یا بھرتی ہونا یا دوسروں کو بھرتی کی ترغیب دینا حرام ہے اور ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ یہ بات فوجی مسلمانوں کے ذہن نشین کر دے۔"

اس کی پاداش میں حضرت مدنی رح اور رئیس الاحرار مولانا محمد علی اور دوسرے حضرات کی گرفتاری عمل میں آئی۔ اور خالق دینا ہال کراچی میں مقدمہ کی سماعت ہوئی۔ حضرت مدنی رح کا جب بیان ہوا تو آپ نے بےخوف و خطر صاف طور پر کہہ دیا کہ:-

"اگر مذہبی فرائض کا لحاظ و احترام نہ کیا گیا تو اس صورت میں کروڑوں مسلمانوں کو اس مسئلہ کا تصفیہ کر لینا چاہیئے کہ آیا وہ مسلمانوں کی حیثیت سے زندہ رہنے کو تیار ہیں یا حکومت برطانیہ کی رعایا کی حیثیت سے؟ اگر گورنمنٹ مذہبی آزادی چھیننے کے لئے تیار ہے تو مسلمان جان تک قربان کر دینے کو تیار ہوں گے۔ اور میں پہلا شخص ہوں جو اپنی جان قربان کروں گا۔"

آخری الفاظ پر بےساختہ مولانا محمد علی مرحوم نے حضرت مدنی رح کے قدم چوم لئے گویا اس بات کی شہادت تھی کہ وہ میں پہلا شخص ہوں گا جو اپنی جان قربان کروں گا۔"

غرض اس مقدمہ میں سب ماخوذین کو دو دو سال قید سخت کی سزا ہوئی۔

حضرت مدنی رح نے دو سال قید کی سختیاں بھگتنے کے بعد پھر اپنی سیاسی سرگرمیوں کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ آپ کے مخلص ہمدردوں کی خواہش تھی کہ دو سال کی سخت سزا کے بعد آرام فرمائیں۔ کچھ اپنے رویہ میں نرمی اختیار کریں ایک مرتبہ ایسی ہی گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت مدنی رح نے جواب دیا میں نے ایک ڈاکو کو دیکھا جو پچیس سال سے جیل میں ہے کچھ دنوں کے لئے باہر جاتا ہے پھر آ جاتا ہے جب ڈاکوؤں میں یہ ہمت ہے تو ہماری ہمت تو اس سے بہت بلند ہونی چاہیئے (دادارہ) اور ہر وقت جدوجہد آزادی میں منہمک رہنے لگے چنانچہ جب دارالعلوم دیوبند کی صدر مدرسی پر آپ کو مجبور کیا گیا تو آپ نے اس کو ان شرائط کے ساتھ قبول کیا۔

(۱) سیاسی خدمات پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔

(۲) دارالعلوم کی جانب سے سیاسی امور میں کوئی مخل نہ ہوگا۔

(۳) ہر مہینہ میں ایک ہفتہ کی رخصت ہوگی تاکہ سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے دیوبند سے باہر دوسرے مقامات کا سفر کیا جا سکے۔

(۴) ایک ہفتہ سے زائد اگر رخصت لی گئی تو اس پر تنخواہ وضع کی جائے گی۔

دارالعلوم کی صدارت کے بعد پھر اسی نظام سے سیاسی جدوجہد جاری رہی حضرت مدنی رح کا جمعہ ہمیشہ سیاسی کام کے لئے باہر گزرتا تھا۔ اور طویل سفروں کے لئے مزید رخصت بھی لی جاتی تھی آپ نے ان سفروں سے ہندوستان کے طول و عرض میں چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ میں بیداری پیدا کی۔ اور برطانوی ظلم و استبداد سے خلاصی اور حصول آزادی کا عام جذبہ پیدا کر دیا۔ اور اس مقصد کے لئے اس قدر سفر کئے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ سال کا تقریباً قریب نصف حصہ سفر ہی میں گذرتا تھا اور حصول آزادی کے لئے وہ قربانیاں دیں جو کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ حضرت مدنی رح کی تقریروں میں ایک خاص بات یہ تھی کہ واقعات اور خود برطانوی تحریرات سے حکومت برطانیہ کی مخالفت ہوتی تھی محض الفاظ کی بارش نہ ہوتی تھی اس لئے آپ کی تقریر حکومت برطانیہ کے خلاف ایک زبردست تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی تھی اور سامعین کے قلوب میں راسخ ہو جاتی تھی اس لئے حکومت برطانیہ آپ کو "بڑا خطرناک آدمی" سمجھتی تھی۔ اور آپ کی روک تھام کے لئے ہر وقت تدابیر کرتی رہتی تھی مگر آپ کسی حال میں رکنے اور جھکنے والے نہ تھے اور کسی زبردست سے زبردست طاقت سے ڈرنے والے نہ تھے۔

انجام کار برطانیہ کو اپنا بوریا بستر اٹھانا پڑا اور ہندوستان کو اس بیرونی استبداد سے خلاصی ملی اور ایک گونہ آزادی حاصل ہوئی۔

حضرت مدنی رح کی یہ ساری جدوجہد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب والی تحریک کے مقصد اوّل کے لئے تھی جس کی آپ کے ہاتھوں تکمیل ہوئی۔

پھر یہ آپ کا کمال سیادت اور کمال طریقت تھا کہ آپ نے اس سیاسی پلیٹ فارم سے بھی مسجد و خانقاہ کا کام لیا۔ اور انہی سیاسی سرگرمیوں کے ذریعہ لوگوں کو "راہ سلوک" طے کرایا اور بہت سے بندگان خدا کو عارف باللہ اور ولی کامل بنا دیا۔ اور اسی سیاسی پلیٹ فارم سے سینکڑوں غیر مسلموں کو اسلامی تعلیمات اور اسلامی اخلاق و کردار سے باخبر اور واقف بنا دیا۔

اس مقصد کی تکمیل اور حصول آزادی کے بعد آپ ہمہ تن پوری سرگرمی اور گرمجوشی کے ساتھ دیگر مقاصد کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوگئے اگرچہ سیاسی سرگرمیوں کے دوران بھی آپ ان دیگر مقاصد میں برابر کوشش کرتے رہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا مگر حصول آزادی کے بعد تو صرف وہی مقاصد اصلی مقاصد زندگی بن گئے تھے اور دوسرا کوئی مقصد و مشغلہ سامنے نہ تھا۔

مشعلِ دین

محترمہ خورشید جہاں ——— سیوہاروی

حضرت مولوی حسین احمد — مشعلِ دین حق ولی اللہ

ان سے تھی بزم دین کی رونق — رضی اللہ عنہ ثم رضاہ

حضرت مدنی رح کی درسی زندگی کی پوری داستان اس قدر طویل دعریض ہے کہ اس کا سمیٹنا اور کاغذ کے پرزوں میں سمونا بہت دشوار ہے اسی لئے صرف چند باتیں نمونے کے طور پر لکھ کر ختم کر دی گئی۔

(۲) فیضان علم !

حضرت مدنی رح نے علم حدیث حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی سے حاصل کیا۔ اور آخر تک اسی کے درس و تدریس میں مشغول رہے۔ شروع میں آپ نے مدینہ منورہ میں ایک مدرسہ میں ملازمت کی پھر اس سے گھبرا کر مسجد نبوی کو اپنی درس گاہ بنایا اور لوجہ اللہ درس حدیث جاری کیا اور متواتر دس سال تک مسجد نبوی میں درس دیتے رہے جس میں مدینہ منورہ کے لوگوں کے علاوہ مصر و شام یمن، فلسطین، تیونس، ایران وغیرہ ممالک طالبین علم نبوی بھی شریک ہوتے تھے اور سینکڑوں طالب علموں نے اس عرصہ میں آپ سے علم حدیث حاصل کیا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رح اکثر فرمایا کرتے تھے "اس شخص کی گرد کو دوسرا کس طرح پہنچ سکتا ہے ؟ جس نے سالہا سال مسجد نبوی میں بیٹھ کر درس حدیث دیا ہو"

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رح نے جب ۱۳۴۶ھ میں دار العلوم دیوبند کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا تو حضرت مدنی رح سے درخواست کی گئی کہ وہ دار العلوم کی صدارت قبول فرمالیں اور اس وقت دار العلوم کے سابقہ اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے اس کے سوا چارہ کار بھی نہ تھا اس لئے آپ نے اپنے اسلاف کی اس علمی یادگار کو انحطاط سے بچانے کی غرض سے سیاسی الجھنوں کے باوجود چند شرائط کے ساتھ دار العلوم کی صدارت کو قبول فرما لیا تاکہ سیاسی کام بھی جاری رہے اور دار العلوم کا اقتدار بھی برقرار رہے۔ اور پھر آخر تک روزانہ ۷۔۸ گھنٹہ دار العلوم میں حدیث شریف کا درس دیتے رہے اور تقریباً ۲۸ سال یہ فیضان علم جاری رہا۔ دار العلوم میں دورۂ حدیث پڑھنے والوں کی تعداد عموماً دو سو سے متجاوز ہوتی ہے تو گویا اس دیوبند کے قیام میں پانچ ہزار سے زائد ہند اور بیرون ہند کے طالب علموں نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا جن میں سے اکثر و بیشتر دین اسلام کو سکھانے اور سمجھانے اور پھیلانے میں مشغول و مصروف ہیں اور سینکڑوں مدرسے اور خانقاہیں اور مسجدیں آباد ہیں حضرت کا یہ "فیضان علم" قیامت تک جاری رہے گا۔ جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح کی تحریک کے دیگر مقاصد میں جدوجہد کا ثمرہ ہے۔

فیضان عمل !

دین اسلام کو ہر وہ شخص پڑھا اور سکھا سکتا ہے جو عالم دین ہو اور اسلام سے واقف ہو مگر دین کے موافق عملی زندگی کو بنانا اور شریعت کا تتبع کر کے اسلامی نمونہ قائم کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں یہ اس عالم حقانی اور امام ربانی کا کام ہے جو جہد و ریاضت اور اللہ والوں کے فیض صحبت سے خود شریعت کا پابند اور خوگر بن چکا ہو۔ اور اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت و عظمت سے بھرپور ہو۔ اسی کا نام "طریقت"، اور "معرفت" ہے حضرت مدنی رح نے جہد و ریاضت اور بزرگوں کے فیض صحبت سے جو عملی جذبات اور باطنی کمالات حاصل کئے تھے ہمیشہ پوری محنت و جانفشانی کے ساتھ وہ دوسروں کی طرف منتقل کرتے رہے اور سینکڑوں بندگان خدا کو "راہ سلوک" طے کرا کر "شیخ طریقت"، بنا دیا جو بذات خود آج دوسروں کی ہدایت و راہنمائی کا کام انجام دے رہے ہیں حضرت مدنی رح کا یہ عملی فیضان بھی انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حضرت مدنی نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کے دوران بھی فیوض باطنی کے پہنچانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی اور سیاسی سرگرمیوں کے ختم کر دینے کے بعد تو ہمہ تن اسی میں مشغول ہو گئے تھے۔ اور "درس معرفت"، کا سلسلہ عام اور وسیع ہو گیا تھا، چنانچہ چند ہی سالوں میں ہزاروں کی باطنی تربیت ہوئی اور سینکڑوں کو "خلافت"، عطا ہوئی۔

حضرت مدنی رح سے جو لوگ واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ برطانوی جبر و استبداد سے خلاصی اور ایک گونہ حصول آزادی کے بعد حضرت مدنی رح کی سیاسی سرگرمیاں ایک دم ختم ہو گئی تھیں آپ نہ سیاسی جلسوں میں تشریف لے جاتے تھے اور نہ سیاسی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے اور نہ سیاسی امور میں کوئی خاص دلچسپی لیتے تھے اور ظاہری انہماک و اشتغال پہلے سے بھی بڑھ گیا تھا۔ سفروں کی کثرت پہلے سے زیادہ ہو گئی تھی اور دور دور کے طویل سفر شروع ہو گئے تھے اور قرب و جوار کے بھی اسفار بڑھ گئے تھے یہ سارا انہماک و اشتغال اور محنت و جانفشانی اور سرگرمی دگر مجوشی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحریک کے دیگر مقاصد کی تکمیل کے لئے تھی جو حضرت کا نصب العین اور اصلی مقصد تھا۔

حضرت مدنی رح جنہوں نے آج سے ۳۰ سال پہلے ۱۹۲۱ء میں خالق دین ہال کراچی میں نعرۂ حق بلند کیا تھا کہ :

"اگر مذہبی فرائض کا لحاظ و احترام نہ کیا گیا تو اس صورت میں کروڑوں مسلمانوں کو اس مسئلہ کا تصفیہ کر لینا چاہیے کہ آیا وہ مسلمانوں کی حیثیت سے زندہ رہنے کو تیار ہیں یا حکومت برطانیہ کی رعایا کی حیثیت سے؟

——— بشیر صدیقی انبالوی

شیخ الاسلام رح نمبر

شیخ اسلام پہ کیا کیا نہ مقالے دیکھے
لاکھ اخبار نظر آئے رسالے دیکھے
"الجمعیۃ" کے ہی آخر کو رہا سہرا
جس کے شہکار میں تاباں ہے ادب کا سہرا دیکھکر

اگر گورنمنٹ مذہبی آزادی چھیننے پر آمادہ ہے تو مسلمان اپنی جان تک قربان کر دینے کے لئے تیار رہیں گے اور میں پہلا شخص ہوں گا جو اپنی جان قربان کروں گا۔"

آج بھی ان حضرت مدنی رح کی دل کی آواز یہی تھی صرف لفظ حکومت برطانیہ بدلا ہوا تھا۔ اور موجودہ حکومت کو خطاب و عتاب تھا۔

حضرت مدنی رح کا یہ اسلامی جذبہ فنا اور معدوم نہیں ہوا تھا بلکہ وہی جذبات اندرون میں موجزن تھے جو اسلام کے معاند اور مخالف حکومت کے لئے ہو سکتے ہیں اور اس کے لئے آپ اپنی جان تک قربان کر دینے کو تیار تھے البتہ اس قدر فرق ضرور ہے کہ اب چونکہ جمہوری حکومت ہے اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اکثریت کو پہلے اسلام سے باخبر کریں تاکہ یہ اسلام دشمنی اور عناد دور ہو اور حالات اعتدال پر آئیں۔ یہی اس وقت آئینی تدبیر ہے اور یہی تحریک ولی اللہی کے آخری مقصد کا مفہوم ہے اور یہی وہ درس انسانیت ہے جس کو حضرت مدنی رح نے پورے زور و شور اور سرگرمی کے ساتھ شروع فرمایا۔ جو اسلام کی سربلندی اور ترقی کا واحد طریقہ ہے۔

حضرت مدنی رح کی اصلی یادگار

انبیاء اور رسولوں کی یادگار مجلس میلاد پڑھ دینے اور رسمی منا دینے سے نہیں ہوتی ان کی یادگار کے لئے ضروری ہے کہ ان کی لائی ہوئی شریعت اور بتائی ہوئی تعلیمات کو زندہ اور برقرار رکھا جائے۔ اور اپنی زندگی کا دستور العمل اور نصب العین بنایا جائے۔ اسی طرح انبیاء و رسولوں کے حقیقی وارثوں اور جانشینوں کی یادگار محض خصوصی نمبروں کے شائع کر دینے سے قائم نہیں ہوتی بلکہ ان کی اصل یادگار یہ ہے کہ ان کے کارناموں کو زندہ اور برقرار رکھا جائے۔ اور ان کے مقاصد زندگی کو فروغ و عروج دیا جائے۔ پس حضرت مدنی رح کی یادگار کے لئے بھی محض شیخ الاسلام نمبر" اور مدنی نمبر شائع کر دینا کسی طرح بھی کافی نہیں ہو سکتا بلکہ اصلی یادگار یہ ہے کہ حضرت مدنی رح کے کارناموں کو زندہ رکھا جائے اور ان کے مقاصد زندگی کو عروج و فروغ دیا جائے اور ان مقاصد کے لئے قربانی دی جائے جن پر انہوں نے اپنی جان عزیز قربان کی ہے

عجب رسمے بنا کر دند بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

میں نے جو کچھ سوچا تھا اپنی بیماری اور معذوری کی وجہ سے وہ سب کا سب قلمبند نہ ہو سکا پھر بھی جو کچھ لکھا گیا وہ ایک سمجھدار کے لئے بہت کافی ہے"

"اگر در خانہ کس است یک حرف بس است"

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ———— (احتشام الحسن)

اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے مجھے اپنے ایک نیک اور محبوب بندہ کے ذریعہ دین کی سوجھ بوجھ عطا کی اور اس طرح میں نے لغو زندگی سے نکل کر نیک لوگوں کے نشانِ قدم پر چلنا شروع کر دیا۔ گو حالات پہلے سے زیادہ اچھے نہیں مگر یہی کیا کم ہے کہ خدا پرستوں کے کفش برداروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

جس برگزیدہ بندہ نے مجھ سیاہ کار کو سہارا دیا دنیا اس کو شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رح کے نام نامی سے یاد کرتی ہے اور بلا شبہ اور بلا مبالغہ مجھ جیسے لاکھوں انسان اس ذات گرامی سے وابستہ تھے ہزاروں نے اس کی رہنمائی میں زندگی کی راہ پائی اور لاکھوں سرگرم ہیں۔ دیر سویر وہ بھی گرتے پڑتے منزل مقصود پر لگ جائیں گے اللہ تعالٰی کی رحمت و رافت سے یہ کوئی بعید نہیں چند ماہ ہوئے کہ بنی نوع انسان کا یہ گراں اور قیمتی سرمایہ لٹ گیا۔ جس نے لاکھوں فقیروں کی جھولیاں بھرنے کے لئے سہارا دیا۔ اور جن کے دست حق پر ہم جیسے لاکھوں ہزاروں انسانوں کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی تھی۔

۱۹۴۲ء سے خاکسار کو آستانہ مدنی رح سے وابستگی کی عزت حاصل ہوئی اور اس عرصہ میں سینکڑوں جلوت و خلوت کی مجلسوں میں شرکت کا موقع نصیب رہا بالخصوص گلاب جامن کے نام نے عام مجلسوں میں بارہا میر مجلس ہونے کی عزت بخشی ہے اس نام کو سن کر جہان میں ترش رو ہوا، منہ بگاڑا، بنایا حضرت والا کی ظرافت کو جوش آگیا۔ گلاب جامن طشت میں لاکر مجلس میں دستر خوان پر رکھی گئی میں نے اچھانا ... یوسف کہاں گئے یہاں حاضر ہوں خدام کے ہاتھوں پکڑ

بڑھ کر حضرت اقدس کے پہلو میں بٹھایا گیا پھر حضرت نے تبسم فرمایا۔ چند جملے اپنے خاص انداز میں کہے۔ مجلس زعفران زار بن گئی۔ اپنے دست مبارک سے ایک گلاب جامن اٹھائی اور اپنے خاص انداز میں فرمایا لیجئے یہ حاضر ہے پھر میری مسرت کا کیا ٹھکانا منہ پھیلا دیا اور حضرت نے اپنے دست مبارک سے ایک خاص انداز میں اسے میرے منہ میں ڈال دیا۔ میں نے منہ میں لیتے ہی ایسا منہ بگاڑا کہ اہل مجلس لوٹ پوٹ ہو گئے حضرت نے بھی مسکرا دیا۔ اور پھر ہر طرف سے دست درازی شروع ہو گئی میں باہر جا کر پلٹا کر اتنے میں ساری پلیٹیں صاف ہو گئیں یہاں پہنچ کر بے ساختہ دل بھر آیا۔ آنسو تیرنے لگے۔

عدل اور مساوات کا جو منظر حضرت کے دسترخوان پر دیکھنے میں آتا تھا بس دیکھنے والے سے پوچھیے مجلس میں علماء صوفیاء لیڈران قوم اور روسا کے پہلو بہ پہلو وہ محتاج پھٹے پرانے گندہ کپڑوں میں لپٹے ہوئے غرباء بھی ہوتے تھے جن کو دیکھ کر اس دور میں پیشانیوں پر شکنیں پڑنے لگتی ہیں مگر کیا مجال کہ دسترخوان مدنی پر پہنچ کر کسی پر بھی اس سلسلہ میں ذرا بھی گرانی ہو کم از کم کھانے کی چیز ہوتی مگر ہر شخص کو بقدر حصہ برابر ملنی لازمی تھی کوئی محروم نہ ہوتا تھا جو شفقت صاف ستھروں پر ہوتی رہی بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر ان پر ہوتی جو عام نظروں میں ذلیل و خوار سمجھے جاتے، آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میری مراد ان غریبوں سے ہے جن کی بے قدری کا ہمارے اس دور میں عام رواج ہے حضرت اقدس کی نگاہ میں یہ غرباء بڑے عزیز تھے اور کیوں نہ ہوتے جب خود سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ان کی قدر و قیمت تھی اور اتنی قدر و قیمت کہ اپنی رفیقۂ حیات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے فرماتے اے عائشہ مساکین کے پاس بیٹھا کرو اور ان کو اپنے سے قریب رکھا کرو خود آنحضرت دعا فرماتے "اے اللہ مجھے زندگی میں بھی مسکین رکھ اور موت بھی مسکینوں میں ہو اور قیامت میں مسکینوں ہی کے ساتھ اٹھوں بعض حدیثوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم کو روزی مسکینوں کے طفیل میں ملتی ہے یوں تو ہر زمانے میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ہوا کرتی تھی اور سینکڑوں علماء، مشائخ اور طلباء پروانہ وار گھیرے ہوئے ہوتے تھے مگر جب کبھی آپ سفر میں نکلتے تو بغیر کسی اشتہار اور پروپیگنڈے بلکہ اخفاء حال کے باوجود ہزاروں انسانوں کا جم غفیر ہر جنکشن پر آپ کا استقبال کرتا جس دیہات میں پہنچ جاتے بے پناہ ہجوم ہوتا۔ حالات دیکھ کر یقین کرنا پڑتا تھا کہ اگر بند کار میں بٹھا کر بھی حضرت کو جنگل میں لے جایا جاتا تو وہاں بھی غیب سے ہزاروں انسان جمع ہو جاتے اور دیکھنے والا حیرت زدہ ہو جاتا کہ یہ انسان کہاں سے آ رہے ہیں اور کس ذریعہ سے ان کو خبر ہو گئی سچ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے من کان للّٰہ کان اللہ لہٗ۔ یعنی جو خدا کا ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی محبت ساری کائنات میں ڈال دیتا ہے اور وہ بندہ سب کی نظروں میں محبوب ہو جاتا ہے۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ یوں تو ہر زمانہ میں رجوع عام تھا لیکن رمضان کا مہینہ اس سلسلہ میں خصوصیت رکھتا تھا۔ بلکہ جس گوشہ میں آپ رمضان گزارنے پہنچ جاتے معتقدین اور متوسلین کرنے کرنے سے کھنچ کھنچا کر وہاں جمع ہو جاتے اور پھر ہزاروں مقامی حضرات آس پاس سے ٹوٹ پڑتے انوار و برکات کی بارش ہوتی تھی۔ عجیب اجتماع ہوتا تھا کوئی ذکر جہری میں مشغول ہے کوئی پاس انفاس میں ہمہ تن مصروف ہے کوئی نوافل پڑھ رہا ہے کوئی رو رو کر دعائیں کر رہا ہے ایک عجیب عالم ہوتا۔ قلوب میں روشنی پھیل پڑتی آخرت کے سوائے اس مجلس میں کسی اور چیز کا دھیان تک نہیں خود حضرت کے مشاغل بھی بہت بڑھ جاتے پوری پوری رات سونا نصیب نہ ہوتا، دسترخوان بہت وسیع ہو جاتا۔ سینکڑوں سے بڑھ کر ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہو جاتے۔ کمال یہ کہ آپ سب کی دیکھ بھال کرتے کہ کسی کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ اجتماع کا یہ عالم تھا کہ کوئی بیمار ہے تو اس کے لئے پرہیزی کھانے پک کر آ رہے ہیں، دوائیں بھی فراہم کی جا رہی ہیں۔ حد ہے کہ چائے اور پانی کا بھی نظم ہے۔

گزشتہ رمضان جو حضرت کا آخری رمضان تھا باسکنڈی (آسام) میں گزارا گیا جہاں سینکڑوں ہزاروں وابستگان تھے خوش قسمتی سے میری بھی حاضری تھی وہاں رمضان گزارنے والے زندگی بھر یاد رکھیں گے کہ رمضان کا مبارک مہینہ کس طرح گزارا جاتا ہے۔ تراویح، تہجد اور دوسری نوافل کا کتنا اہتمام تھا جماعت کی پابندی کی کس طرح تاکید تھی اور اوراد و وظائف کتنے اچھے مشغلے تھے اور سچ یہ ہے کہ

آدمی سب چیزوں سے کٹ کر اس ایک ماہ کے لئے خدا کے ایک محبوب بندے کے سائے میں رضائے حق کے لئے جمع ہو گئے تھے اور جس سے جتنا بن پڑتا تھا جدوجہد میں مشغول تھا۔ ”والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا“۔ دن رات ہر شخص عبادت میں مشغول ہوتا کوئی تلاوت کر رہا ہے کوئی ذطیفہ پڑھ رہا ہے کوئی ذکر میں مشغول ہے مشکل سے چند گھنٹے سونے کے لئے ملتے ورنہ پوری رات اور دن کا بیشتر حصہ رضائے حق کی جدوجہد میں گزرتا۔ یہ اللہ والوں کی بستی بن جاتی جہاں معلوم ہوتا کہ کوئی بھی آخرت سے بے فکر نہیں۔

توکل کی شان یہ ہوتی کہ ہر شخص پہنچ جاتا آگے کوئی فکر نہیں کہ کھانے کا کیا نظم ہو گا بستر کہاں سے ملے گا آرام کی جگہ کہاں ہوگی اور اس توکل کا یہ نتیجہ ہوتا کہ آرام اور آسائش کے سارے سامان قدرت فراہم کرتی رہتی۔ دیکھنے والا ہکا بکا رہ جاتا کہ سارے سامان کہاں سے آ گئے اور دسترخوان پر دنیا بھر کی قسم قسم کی نعمتیں کون بھیج رہا ہے سچ فرمایا رب العالمین نے کہ وہ اپنے متوکل بندوں کو نعمتیں اس طرح دیتا ہے کہ اسے خیال تک نہیں ہوتا۔ ”ویرزقہ من حیث لایحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ“ جیسا اجتماع باسکنڈی میں اس سال تھا کبھی نہیں دیکھا گیا۔ رمضان گزارنے کے لئے اتنے لوگ ادھر ادھر سے یکجا ہو گئے۔ اس قیام باسکنڈی میں حضرت مخدوم و محترم مولانا اسعد صاحب مدظلہ بھی ساتھ تھے اور مجاہدے میں مشغول کسے خبر تھی کہ آخری رمضان ہے۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ میں حضرت کا وصال ہو گیا متوسلین کے لئے قیامت آ گئی۔ ہماری ان پریشانیوں کا کوئی الگ رہ کر اندازہ نہیں لگا سکتا طرح طرح کے خیال و افکار نے دماغ خراب کر ڈالا۔ اس سال رمضان میں صاحبزادۂ محترم مخدومی مولانا اسعد صاحب مدنی مدظلہ اور حضرت کا پورا خاندان دیوبند ہی میں قیام پذیر رہا۔ اور یہ رمضان یہیں گزارا۔ کوئی شبہ نہیں کہ بھیڑ میں کمی آ گئی حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے دور حیات میں جتنے لوگ پابندی سے آتے تھے نہیں آئے۔ لیکن بایں ہمہ بہت سے مخلصین دور دور سے چل کر آئے اور آستانہ مدنی رح پر رمضان گزارا۔ ہمیں خیال ہوتا تھا کہ پہلا سال ہے نظم و ضبط باقی نہ رہ سکے گا مگر الولد سر لابیہ۔ کے مقولے کے مطابق حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی رح اپنے پدر بزرگوار کے صحیح جانشین ثابت ہوئے تنقیدی نگاہ ڈال جائیے مگر کیا مجال کہ پہلے انداز میں ذرا بھی کہیں سے کوئی کمی محسوس کر سکے مہمانوں کا وہی احترام و اکرام، راحت و آرام کے وہی سامان، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملنا اور حالات دریافت کرنا یہاں بھی وہی شان عدل و مساوات، امیر و غریب سلطان و گدا میں کوئی تمیز نہیں۔

افطار کا عمدہ سے عمدہ نظم، سحری کا اہتمام اور ساتھ ہی مہمانوں کی دوسری ضرورتوں کا لحاظ و خیال، مہمانوں کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر کھانا۔ بعد فراغت باتیں کرنا۔ مسائل بیان کرنا، الحمدللہ طلبہ کا وہی ہجوم جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں دیکھنے میں آیا تھا۔

کون نہیں جانتا کہ مخدومی مولانا اسعد صاحب مدظلہ حضرت شیخ الاسلامؒ سے صورتاً اور سیرتاً بڑی مشابہت رکھتے ہیں وہی انداز نشست، وہی طرز گفتگو، وہی آداب، ہر ایک کے ساتھ وہی محبت و شفقت اور احترام و اکرام کا برتاؤ اور مجلس ہر طرح کی غیبت اور عیوب سے پاک اور منزہ اور کمال یہ کہ نوجوانی کے باوجود وہی تواضع، اور فروتنی، عبادت اور ریاضت میں وہی انہماک جماعت اور مسجد کی حاضری میں وہی پابندی۔

ان ہی خوبیوں کا نتیجہ ہے کہ رجوع عام شروع ہو چکا ہے فضلائے دیوبند بڑھ بڑھ کر اشتیاق بیعت ظاہر کرتے ہیں اور اصرار بڑھنے پر کسی کسی کو بیعت بھی فرما لیتے ہیں۔ ہم خدام کی ٹوٹی ہوئی ہمت بندھ رہی ہے اور حضرت کا غم ہلکا ہوتا جا رہا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس آستانۂ مدنی رح کی رونق کو دن بدن دوبالا کرتے رہیں اور پیاسوں کی پیاس بجھاتے رہیں۔ آمین۔

حضرت اقدس کے وصال کے بعد سے یہاں دیوبند کے خطۂ صالحین میں بہار آ گئی ہے فاتحہ پڑھنے والوں کا ہر وقت ہجوم ہوتا ہے جہاں کسی کا دل گھبرایا خطۂ صالحین میں پہنچ کر فاتحہ پڑھی اور پھر وہ تسکین محسوس کرنے لگا۔ اللہ تعالےٰ قیامت تک اس خطۂ صالحین پر اپنی رحمت کی بارش برساتے رہیں۔ آمین۔

قطعۂ تاریخ

از سیّد محمد شفیع صاحب حسن پوری
(رکن دفتر محاسبی دار العلوم دیوبند)

وفات شہ حسین احمد چناں پُر درد ظاہر شد
کہ از اظہار او نطق و بیاں معذور و قاصر شد
چو فکر سال کردم تا بماند یادگار از من
ندا زد ہاتف غیبی بہار دین آخر شد

قطعۂ تاریخ

محمد عبد القدوس شاداں

آہ داغ مفارقت دیکر
پاس رب العلیٰ کے پہنچے شیخ
سال رضواں نے لکھدیا شاداں
قصر جنت میں جا کے پہنچے شیخ
۱۹۵۷ء

محمد حنیف انصاری

ہے سن ہجری تاریخ وصال پر ملال
عالم عامل امام عارفاں جاتا رہا
۱۳۷۷ھ

جناب پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کا یہ مضمون پہلے ماہنامہ " میثاق "، لاہور کی فروری ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں طبع ہوا تھا۔ پھر ماہنامہ " انوارِ مدینہ "، نے اسے شائع کیا۔ ذیل میں یہ مقالہ ملخصاً پیش ہے۔

اس تحریر سے دو مقاصد میرے پیشِ نظر ہیں۔ پہلا مقصد تو یہ ہے کہ گزشتہ زندگی (۱۹۳۷ء تا ۱۹۵۴ء) میں مجھ سے جس قدر گستاخیاں حضرتِ اقدس مجاہدِ اعظم شیخ الاسلام آیۃ من آیات اللہ الصمد سیدی و شیخی و سندی الحاج الحافظ المولوی السیدی حسین احمد مدنی قدس سرہٗ العزیز کی شان رفیع البنان میں سرزد ہوئی ہیں ان پر اللہ تعالےٰ اور اس کے بندوں کے سامنے غیر مشروط انداز میں اظہارِ ندامت اور اعتراف تقصیر اور اقرار جرم کروں اور بارگاہ ایزدی میں صدق دل سے استغفار کروں

دوسرا مقصد یہ ہے کہ ایک اہم تاریخی واقعہ کی وضاحت کر دوں اور حقائق کو ان کی اصل شکل میں پیش کر دوں، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جنوری ۱۹۳۸ء میں ڈاکٹر اقبال مرحوم نے محض اخباری اطلاع کی بناء پر تین اشعار سپردِ قلم کئے تھے جن کی وجہ سے علمی اور دینی حلقوں میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ جناب طالوت نے ڈاکٹر صاحب کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول و منعطف کرائی کہ حضرتِ اقدسؒ نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو یہ مشورہ نہیں دیا تھا، کہ وطن کو اساسِ ملت بنا لو، اس لئے دیانت و عدالت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ اعلان کر دیں کہ اب مجھے حضرت مولانا حسین احمد صاحب پر اعتراض کا کوئی حق باقی نہیں رہتا تو ڈاکٹر صاحب مرحوم کا یہ اعلان روزنامہ " احسان " لاہور میں ۲۸۔ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہو گیا تھا لیکن قوم کی بدقسمتی سے ۲۱۔ اپریل کو ڈاکٹر صاحب کا انتقال ہو گیا

جب کہ ان کا آخری مجموعۂ کلام موسوم بہ " ارمغانِ حجاز "، نومبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ اگر یہ مجموعہ ان کی زندگی میں شائع ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ ان تین اشعار کو حذف کر دیتے یا حاشیے میں اس حقیقتِ حال کو واضح کر دیتے کہ میں نے یہ اشعار غلط اخباری اطلاع کی بناء پر لکھے تھے۔ بعد ازاں حضرت مولانا نے اخباری رپورٹ کی تردید کر دی اس لیے ان اشعار کو کالعدم یا مسترد سمجھنا چاہیئے لیکن افسوس کہ یہ مجموعہ ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ اس لیے نہ ان اشعار کو حذف کیا گیا اور نہ حاشیے میں حقیقتِ حال کو واضح کیا گیا۔

نتیجہ اس غفلت اور کوتاہی کا یہ نکلا کہ گزشتہ تیس سال سے مسلمانانِ عالم بالعموم اور مسلمانانِ پاکستان بالخصوص ان اشعار کی بناء پر حضرتِ اقدسؒ سے بدگمان ہوتے چلے آرہے ہیں اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی غلطی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ملّتِ اسلامیہ کے نوجوانوں کی اصلاحِ خیال کا فریضہ انجام دے دوں تاکہ وہ سوءِ ظن کے گناہ سے محفوظ ہو جائیں۔ میں ان اشعار کو تو خارج نہیں کر سکتا، مگر مسلمانوں کو یہ تو بتا سکتا ہوں کہ حضرتِ اقدسؒ نے اپنی تقریر میں نہ تو یہ فرمایا تھا کہ ملّت کی بنیاد وطن ہے اور نہ مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ تم وطن کو اپنی ملّت کی بنیاد بنا لو۔ یہ اشعار بلا تحقیقِ حال سپردِ قلم ہو گئے تھے چنانچہ جب ڈاکٹر صاحب پر حقیقت منکشف ہوئی تو انہوں نے اپنے الفاظ واپس لے لیے تھے بالفاظ دیگر ان اشعار کو قلمزد کر دیا تھا۔ دعا ہے اللہ تعالےٰ میری توبہ قبول فرمائے اور میری اس تحریر کو عامۃ المسلمین کے لئے نافع بنائے۔ آمین

چشتی صاحب نے اپنے مقالے کا باب اوّل بعنوان " مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنے سابقہ گستاخانہ [illegible] آمیز رویے پر اعترافِ تقصیر و اظہارِ ندامت "

سپردِ قلم کیا ہے جس کے آخر میں ان الفاظ میں توبہ کی ہے۔

اے اللہ! میں صدقِ دل سے توبہ کرتا ہوں۔ میری لغزشوں، خطاؤں اور گستاخیوں کو معاف کر دے جو میں نے اپنے شیخِ طریقت، مخدومِ ملت، محرمِ رازِ نبوّت، واقفِ اسرارِ رسالت اور آشنائے مقامِ محمّدی (علیہ افضل التحیۃ والثناء) کی شان میں روا رکھی تھیں۔

اے اللہ! اپنے مقبولِ بارگاہ بندوں کو توفیق عطا فرما کہ وہ میرے حق میں معافی کے لیے دُعا کریں۔ مجھے یقین ہے کہ تو ان کے وسیلے سے مجھ پر کرم کرے گا اور مجھے میرے شیخ، بلکہ شیخ العرب حضرتِ مدنی رح کی نسبتِ عالیہ سے حصّہ وافر عطا فرمائے گا اور مجھے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

ربّ تقبل منی انك انت السمیع العلیم ، وتب علی انك انت التواب الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعبدہٖ ورسولہ الکریم

باب دوم میں "مسئلہ قومیت پر مولانا سیّد حسین احمد مدنی رح اور علّامہ اقبال مرحوم کے اختلافِ رائے کی حقیقی نوعیت، اشعارِ اقبال اور حقیقتِ حال"، کو واضح کیا گیا ہے۔

پروفیسر چشتی صاحب رقمطراز ہیں:۔

تمہید:۔ چونکہ موجودہ زمانے کے اکثر مدّاحانِ اقبال نہ تو "ارمغانِ حجاز" میں مندرجہ اشعار بعنوان "حسین احمد"، کے پس منظر سے آگاہ ہیں اور نہ اس بات سے واقف ہیں کہ جب علّامہ اقبال پر حقیقتِ حال منکشف ہوگئی تو انہوں نے اس امر کا اعتراف کر لیا تھا کہ "اب مجھے مولانا حسین احمد مدنی رح پر اعتراض کا کوئی حق باقی نہیں رہا"۔

اِس لیے موجودہ اور آئندہ نسل کی آگاہی کے لیے میں اس داستان کو مفصّل طور پر سپردِ قلم کر رہا ہوں تاکہ عوام و خواص دونوں حضرتِ اقدس مولانا مدنی رح کی شان میں گستاخی کے جرم سے محفوظ رہیں۔

مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور و معروف عالمِ دین، شیخ الہند رح کے جانشین، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، لاکھوں مسلمانوں کے روحانی پیشوا اور لاکھوں سرفروشوں کے سیاسی رہنما جس کے قدموں کو ۱۹۲۱ء میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی جنت آشیانی نے بھری عدالت میں بوسہ دیا تھا جس نے ساری عمر ملاعنۂ فرنگ کے خلاف جہاد کیا، جس نے ساری عمر کلمۂ حق کہا، جس نے گالیاں کھا کر دُعائیں دیں جس کی عظمت پر آج بھی مالٹا گواہی دے رہا ہے، کراچی، نینی تال، بریلی، فیض آباد، مُراد آباد اور خُدا معلوم کتنے شہروں کی جیلیں آج بھی اس آہ سحر گاہی اور قرآن الفجر کی برکات سے مالا مال ہیں جس نے ایک دو نہیں پورے چودہ سال تک حرمِ نبوی میں حدیثِ نبوّی کا درس دیا۔

گردن نہ جھکی جس کی کسی شاہ کے آگے

جس کے نفسِ گرم سے مردوں میں پڑی جان

جس کے علو ہمت کا یہ عالم تھا کہ اس نے ملاعنۂ فرنگ کے خطابات درکنار، خود حکومت ہند کے خطاب (پدم بھوشن) اور طلائی تمغے دونوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے اپنے وطن کو کسی خطاب یا جاگیر حاصل کرنے کی نیت سے آزاد نہیں کرایا بلکہ اپنا فرض ادا کیا۔ انگریز میرا دشمن تھا۔ میرے وطن کا دشمن تھا۔ اور سب سے بڑھ کر میرے دین کا دشمن تھا اس لیے اسے ختم کرنا میرا دینی فریضہ تھا۔

حضرتِ اقدس کے عشاق اور تلامذہ محض اظہارِ حقیقت کے طور پر آں جناب رح کو مدنی کے لقب سے یاد کرتے تھے اور آج بھی یاد کرتے ہیں اور بجا طور پر، کیونکہ حضرتِ اقدس رح کی زندگی کا بڑا حصہ مدینۃ النبیؐ میں بسر ہوا۔ ذٰلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدّعی کے واسطے دار و رسن کہاں

یہ تو حضرتِ اقدس کی روحانی عظمت کی دلیل ہے کہ آپ خود ساری عمر اپنے آپ کو "ننگِ اسلاف"، لکھتے رہے اور دُنیا آپ کو "مدنی"، کہتی رہی اور انشاء اللہ کہتی رہے گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ شیخ[۱]

"قارئین کرام سے اس اعراض عن الموضوع کی معافی چاہتا ہوں۔ یہ سطور بے اختیار نوکِ قلم پر آگئیں۔ بعض اوقات ایسے مواقع پیش آجاتے ہیں کہ دل بے اختیار باقی نہیں رہتا اب میں اس واقعہ کی تفصیل سپردِ قلم کرتا ہوں۔ یعنی ع

دگر از سر بگیرم قصّۂ زلفِ پریشاں را

۸۔ جنوری ۱۹۳۸ء کی شب میں حضرتِ اقدس مولانا مدنی رح نے صدر بازار دہلی متصل پل بنگش ایک جلسے میں ایک تقریر فرمائی جس کا بڑا حصّہ ۹ جنوری کے "تیج"، اور "انصاری"، دہلی میں شائع ہوا چند روز کے بعد "الامان" اور "وحدت" دہلی نے اس تقریر کو قطع و برید کے بعد اپنے صفحات میں جگہ دی۔ ان پرچوں سے "زمیندار" اور "انقلاب" لاہور نے اس تقریر کو نقل کیا اور یہ جملے حضرتِ اقدس رح کی طرف منسوب کر دیئے کہ حسین احمد دیوبندی نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ چونکہ اس زمانے میں قومیں وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں، اس لیے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ بھی اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں اوکما قال۔

---

[۱] اشارہ بجانب شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ العزیز

جب یہ اخباری اطلاع علامہ اقبال کے کان میں پڑی تو انہوں نے حضرتِ اقدسؒ سے استفسار یا تحقیق کیئے بغیر یہ تین اشعار سپردِ قلم کر دیئے۔

عجم ہنوز نداند . . . . الخ

ان اشعار کی بناء پر ہندوستان کے علمی اور دینی حلقوں میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ جس کی تفصیل اس زمانے کے روزانہ اور ہفتہ وار اخباروں سے معلوم ہوسکتی ہے۔

خوش قسمتی سے ایک دردمند مسلمان نے جنھوں نے مصلحتاً "دو طالوت" کا نام اختیار کر لیا تھا حقیقتِ حال دریافت کرنے کے لیے حضرتِ مدنیؒ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کے جواب میں حضرت موصوفؒ نے ایک خط انہیں لکھا۔ پھر طالوت صاحب نے حضرت مدنیؒ کے اس خط کے اقتباس ایک مکتوب میں علامہ اقبال کی خدمت میں لکھ بھیجے۔ مکمل مکتوب ملاحظہ ہو۔

طالوت صاحب کا خط علامہ اقبال کے نام

مطاع و محترم اسلامیان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اگرچہ میرا یہ درجہ نہیں کہ آپ سے شرفِ مخاطبت حاصل کر سکوں مگر الضرورات تبیح المحذورات کی بناء پر باوجود اس علم کے کہ آپ کی طبیعت ناساز رہتی ہے تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اخلاقِ کریمہ کی بنا پر اپنے اوقاتِ ثمینہ میں سے دو چار منٹ نکال کر میرے عریضے کو پڑھنے اور اس کے جواب کی زحمت برداشت کریں گے۔

مولانا حسین احمد صاحب قبلہ کے متعلق آپ کی نظم عجم ہنوز نداند .....الخ "احسان" میں چھپی اور اس سے پہلے "احسان"، "زمیندار"، "انقلاب" میں ان کے خلاف متواتر پروپیگنڈا بھی کیا جاتا رہا۔ میں نے مولانا کو ایک نیاز نامہ میں اس نظم اور اس پروپیگنڈا کی طرف توجہ دلائی، اس کے جواب میں انہوں نے ازراہ شفقت ایک مفصل تحریر بھیجی جس کے اہم اقتباسات ذیل میں درج ہیں۔

"میں نے بعض ضروری مضامین کے بعد ملک کی حالت بیرونی ممالک اور غیر اقوام نیز اندرونِ ملک میں آزادی کی ضرورت کا تمہیدی مضمون شروع کیا تو کہا کہ "موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں دیکھو انگلستان کے بسنے والے، سب ایک قوم شمار کیے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں، نصرانی بھی، پروٹسٹنٹ بھی ہیں، کیتھولک بھی، یہی حال امریکہ، فرانس، جاپان وغیرہ کا ہے۔ الخ جو کہ جلسہ درہم برہم کرنے کے لیے آئے تھے اور موقع چاہ رہے تھے۔ انہوں نے شور مچانا شروع کیا۔ میں اس وقت یہ نہیں سمجھ سکا کہ وجہ شور کی کیا ہے جلسہ جاری رکھنے والے لوگ اور وہ چند آدمی جو کہ شور و غوغا چاہتے تھے سوال و جواب دیتے رہے اور چپ رہو وغیرہ کے الفاظ سنائی دیتے، اگلے روز "الامان"، وغیرہ میں چھپا کہ حسین احمد نے تقریر میں کہا ہے کہ قومیت وطن سے ہوتی ہے، مذہب سے نہیں ہوتی۔ اور اس پر شور و غوغا ہوا۔ اس کے بعد اس میں اور دیگر اخباروں میں سب و شتم چھاپا گیا۔ کلام کے ابتداء اور انتہا کو حذف کر دیا گیا، اور کوشش کی گئی تھی کہ عام مسلمانوں کو ورغلایا جائے۔ میں اس تحریف اور اتہام کو دیکھ کر چپکا ہو گیا، تقریر کا بڑا حصہ "انصاری اور تیج" میں چھپا۔ مگر اس کو کسی نے نہیں لیا۔ "الامان" اور "وحدت" سے "انقلاب"، "زمیندار"، نے لے لیا اور اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی، ۸ یا ۹ جنوری کے "انصاری"، اور "تیج"، کو ملاحظہ فرمایئے میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ مذہب و ملت کا دارومدار وطنیت پر ہے۔ یہ بالکل ہی افترا اور دجل ہے "احسان" مؤرخہ ۱۳ جنوری کے صفحہ ۳ پر بھی میرا قول یہ نہیں بتایا گیا، بلکہ یہ کہا گیا کہ "قوم یا قومیت"، کی اساس وطن پر ہوتی ہے اگرچہ یہ بھی غلط ہے مگر یہ ضرور تسلیم کیا گیا ہے کہ مذہب و ملت کا مدار وطنیت پر ہونا، میں نے نہیں کہا تھا، شملہ کی چوٹیوں اور نئی دہلی سے تعلق رکھنے والے ایسا افتراء اور اتہام کرتے ہی رہتے ہیں، اس قسم کی تحریفیں اور سب و شتم ان کے فرائضِ منصبیہ میں سے ہیں ہی۔ مگر سر اقبال جیسے مہذب اور متین شخص کا، انکی صف میں آجانا ضرور تعجب خیز امر ہے ان سے میری خط و کتابت نہیں، مجھ جیسے ادنیٰ ترین ہندوستانی کا انکی عالی بارگاہ تک پہنچنا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے اگر غیر مناسب نہ ہو تو ان کی عالی بارگاہ میں یہ شعر ضرور پہنچا دیجئے۔

هنيئاً مريئاً غير داء مخامر

لعزة من اعراضنا ما استحلت

افسوس کہ سمجھ دار اشخاص اور آپ جیسے عالی خیال تو یہ جانتے ہیں کہ مخالفت کی بناء پر اخبار ہر قسم کی ناجائز اور نا سزا کارروائیاں کرتے رہتے ہیں ان پر ہرگز اعتماد ایسے امور میں نہ کرنا چاہیے اور سر اقبال موصوف جیسے عالی خیال اور حوصلہ مند، مذہب میں ڈوبے ہوئے تجربہ کار شخص کو یہ خیال نہ آیا، تحقیق کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ آیت: "اِنْ

جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا الآیۃ گویا ان کی نظر سے
نہیں گزری۔
اگر میری تقریر کے سیاق و سباق کو حذف بھی کر دیا جائے
اور عبارت میں تحریف کر کے حسب اعلان جریدہ "احسان"
"قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے"، تب بھی میں نے
کب کہا کہ ملت یا دین کی اساس وطن پر ہے۔ اس کے علاوہ
تقریر میں تو اسلامی تعلیم اور نظریئے کا ذکر بھی نہیں تھا۔"

یہ مولانا کی تقریر کے وہ اقتباس ہیں جو میرے نزدیک ضروری تھے کہ آپ کی نظر سے گزر جائیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ مولانا کی پوزیشن صاف ہے اور آپ کی نظم کا اساس غلط پروپیگنڈے پر ہے آپ کے نزدیک بھی اگر مولانا بے تصور ہوں تو مہربانی فرما کر اپنی عالی ظرفی کی بنا پر اخبارات میں انکی پوزیشن صاف فرمایئے، بصورتِ دیگر مجھے اپنے خیالات سے مطلع فرمایئے تاکہ مولانا سے مزید تشفی کر لی جائے۔ ہمارے جیسے نیازمند جو دونوں حضرات کے عقیدت کیش ہیں، دوگونہ رنج و عذاب میں مبتلا ہیں۔ امید کہ باوجود عدیم الفرصتی کے ہمیں اس ورطہ حیرانی سے نکالنے میں آپ بہ رحمت ثابت ہوں گے۔

طالوت

علامہ اقبال کا خط جنابِ طالوت کے نام

١٦ر فروری ١٩٣٨ء

جنابِ من!

مولانا حسین احمد صاحب کے معتقدین اور احباب کے بہت سے خطوط میرے پاس آئے، ان میں سے بعض میں تو اصل معاملہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مگر بعض نے معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے اور مولوی صاحب کو بھی اس ضمن میں خطوط لکھے ہیں۔ چنانچہ آپ کے خط میں مولوی صاحب کے خط کے اقتباسات درج ہیں۔ اس واسطے میں نے آپ ہی کے خط کو جواب کے لیے انتخاب کیا ہے جواب انشاء اللہ اخبار "احسان" میں شائع ہوگا میں فرداً فرداً علالت کی وجہ سے خط لکھنے سے قاصر ہوں، فقط

مخلص
محمد اقبال

علامہ اقبال کا دوسرا خط جناب طالوت کے نام

١٨ر فروری ١٩٣٨ء

جناب من سلام مسنون! میں حسبِ وعدہ آپ کے خط کا جواب "احسان" میں لکھوانے کو تھا کہ میرے ذہن میں ایک بات آ گئی جس کا گوش گزار کرنا ضروری ہے۔ امید ہے کہ آپ مولوی صاحب کو خط لکھ کر اس بات کو صاف کر دیں گے جو اقتباسات آپ نے ان کے خط سے درج کیے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فرمایا کہ: "آجکل قومیں اوطان سے بنتی ہیں" اگر ان کا مقصود ان الفاظ سے صرف ایک امر واقعہ کو بیان کرنا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایشیا میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔ البتہ اگر ان کا یہ مقصد تھا کہ ہندی مسلمان بھی اس نظریئے کو قبول کر لیں تو پھر بحث کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے، کیونکہ کسی نظریئے کو اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا وہ اسلام کے مطابق ہے یا منافی؟ اس خیال سے کہ بحث تلخ اور طویل نہ ہونے پائے اس بات کا صاف ہو جانا ضروری ہے کہ مولانا کا مقصود ان الفاظ سے کیا تھا؟ مولوی صاحب کو میری طرف سے یقین دلا دیجئے کہ میں ان کے احترام میں کسی مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں ۔۔۔

مخلص محمد اقبال

علامہ اقبال کا تردیدی بیان

جو روزنامہ احسان لاہور مورخہ ٢٨ر مارچ ١٩٣٨ء میں شائع ہوا

"میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا" (حضرت مدنی کا بیان)
"مجھے اس اعتراف کے بعد ان پر اعتراض کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا"
(علامہ اقبال کا مکتوب)

قومیت و وطنیت کے مسئلہ پر ایک علمی بحث کا خوشگوار خاتمہ

جناب ایڈیٹر صاحب "احسان لاہور"، السلام علیکم

میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے اس میں میں نے اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ اگر مولانا کا یہ ارشاد کہ زمانہ حال میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں" محض بر سبیل تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اگر مولانا نے مسلمانانِ ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریۂ قومیت کا اختیار کر لیں تو دینی پہلو سے مجھے

اس پر اعتراض ہے۔ مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار "انصاری" میں شائع ہوا ہے مندرجہ ذیل الفاظ ہیں۔

"لہٰذا ضرورت ہے کہ تمام باشندگانِ ملک کو منظم کیا جائے اور ان کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر کے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے، ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لئے کوئی رشتہ اتحاد بجز قومیت اور کوئی رشتہ نہیں جس کی اساس محض بھی ہو سکتی ہے"۔

ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانانِ ہند کو مشورہ دیا ہے۔ اسی بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار "احسان" میں شائع ہوا ہے۔ لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طالوت صاحب کے نام آیا جس کی ایک نقل انہوں نے مجھ کو بھی ارسال کی ہے اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں:۔

"میرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیانِ واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں ہے اور اگر مشورہ مقصود ہے تو وہ خلاف دیانت ہے اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈالی جائے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے یہاں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیئے۔ یہ خبر ہے انشا نہیں ہے کسی ناقل نے مشورے کو ذکر بھی نہیں کیا۔ پھر اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلطی ہے۔"

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانانِ ہند کو جدید نظریۂ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا میں مولانا کے ان عقیدت مندوں کے جوشِ عقیدت کی قدر کرتا ہوں، جنھوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے صلے میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں۔ خدائے تعالےٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید فرمائے نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں، میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔" (محمد اقبال)

حرفِ آخر

الحمدللہ کہ میں نے اس زمانے کے عقیدت مندانِ اقبال کی آگاہی کے لیے اس صداقت کو دوبارہ واضح کر دیا کہ حقیقتِ حال سے آگاہ ہو جانے کے بعد علامہ اقبال نے اپنا اعتراض واپس لے لیا تھا اور وہ اشعار محض اس لیے "ارمغانِ حجاز" میں راہ پا گئے کہ اس اعتراف کے صرف تین ہفتوں کے بعد علامہ وفات پا گئے اور انہیں یہ ہدایت دینے کا موقع نہ مل سکا کہ ان اشعار کو "ارمغانِ حجاز" میں شامل نہ کیا جائے۔ اگر کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ "ارمغانِ حجاز" میں اس نظم کے ساتھ یہ صراحت کر دی جائے کہ حقیقتِ حال سے آگاہ ہونے کے بعد علامہ مرحوم نے ان اشعار کو کالعدم قرار دے دیا تھا تو بہت اچھا ہو۔ کیونکہ اس تصریح کی بدولت قارئین حضرتِ اقدسؒ کے خلاف سوءِظن سے محفوظ ہو جائیں گے۔

تبصرہ مرتب:

اقبال اور مولانا حسین احمد مدنیؒ قضیہ جنابِ طالوتؒ کی کوششوں سے اختتام پذیر ہوا۔ دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھا اور بالآخر حضرت علامہ نے فرمایا:۔

"میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔

... مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں" (انوارِ اقبال ص ۱۷۰)

لیکن نجانے ارمغانِ حجاز کے مرتبین نے پھر بھی کن مصلحتوں کے تحت وہ اشعار کتاب میں شامل کر لئے۔ حضرتِ علامہ کے بعض دوستوں اور ماہرینِ اقبالیات کی یہ رائے ہے کہ اگر یہ مجموعہ حضرت علامہ کی زندگی میں چھپتا تو یہ اشعار اس میں شامل نہ ہوتے۔ جناب خواجہ عبدالوحید لکھتے ہیں۔

"ارمغان حجاز اگر حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کی زندگی میں چھپتی تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی۔"

(اقبال ریویو جنوری ۱۹۶۹ء ص ۶۷)

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید "سرگزشت اقبال" میں تحریر کرتے ہیں۔

"اگر وہ ارمغانِ حجاز کی ترتیب اپنی زندگی میں کرتے تو شاید وہ تین اشعار درج نہ کرتے جن میں مولانا حسین احمد مدنیؒ پر چوٹ کی گئی تھی۔"

(سرگزشتِ اقبال ص ۴۷۵)

حاشیہ ص۳۸۲ پر

جس طرح حضرت علّامہ مولانا مدنی کی حمیتِ دینی کے احترام میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہ تھے، اسی طرح مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی ان کی خوبیوں کے معترف تھے وہ تحریر کرتے ہیں۔

"یہ امر یقینی اور نا قابلِ انکار ہے کہ جناب ڈاکٹر صاحب کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہ تھی اور ان کے کمالات بھی غیر معمولی تھے۔ وہ آسمانِ حکمت و فلسفہ، شعر و سخن، تحریر و تقریر، دل و دماغ اور دیگر کمالاتِ علمیہ و عملیہ کے درخشندہ آفتاب تھے۔

(متحدہ قومیت اور اسلام ص ۹)

اسی کتاب کے آخر میں علّامہ مرحوم کے لیے دُعا فرمائی ہے۔

"آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم کو اپنی مغفرت اور فضل سے نوازے" (ص ۷۹)

(مرتب)

بقیہ حاشیہ

پورا نام عبدالرشید نسیم، طالوت قلمی نام

یکم فروری ۱۹۰۹ء کو ڈیرہ غازی خان کے نواحی گاؤں چوٹی زیریں جمال خان میں پیدا ہوئے ان کے والد مولانا محمد بخش عربی اور فارسی کے عالم تھے بہت بڑے صوفی اور ولی اللہ تھے۔ اور خواجہ غلام فرید سے تعلق باطنی رکھتے تھے۔ جناب طالوت نے ابتدائی تعلیم ڈیرہ غازی خان میں حاصل کی اور تکمیل دارالعلوم دیوبند سے، زمیندار، معارف، خیام، عالمگیر، العزیز اور دیگر رسائل میں علمی و تحقیقی مضامین لکھتے رہے۔ انہوں نے دیوانِ فرید پر سو صفحات کا ایک مبسوط اور فاضلانہ مقدمہ تحریر کیا اور متعدد ابتدائی کافیوں کا ترجمہ بھی کیا لیکن ترجمہ مکمل نہ کر سکے۔ پشاور یونیورسٹی کی دعوت پر ایم، اے عربی کے نصاب کے لئے ایک کتاب لکھی لیکن پیغام موت آگیا اور یہ کتاب وہاں بھیجی نہ جا سکی، تاریخ ادب عربی بھی ان کی غیر مطبوعہ تصانیف میں شامل ہے وفات سے قبل وہ گورنمنٹ نارمل سکول ملتان میں السنہ شرقیہ کے استاد تھے ۳ مارچ ۶۳ء کو انہوں نے وفات پائی۔ (مرتب)

حضرت شیخ الاسلامؒ کی یاد میں عقیدت کے آنسو

(از حکیم عبدالمنتقم خاں دانشؔ "فاضل طب و جراحت" دہلی)

یہ میں نے کیا سُنا، اُف یہ خبر ہے کس قیامت کی
سراج العارفین حضرۃ حسین احمدؒ نے رحلت کی
وہ جس کو شیخ محمود الحسنؒ کا جانشیں کہئے
بزرگانِ سلف کی یادگارِ آخریں کہئے
وہ صلحائے سلف کی محفلوں کی شمع ربانی
وہ جس کی ذات سے تھی مسندِ ارشاد نورانی
وہ جس کو علم کا بحرِ سخا ابرِ کرم کہئے
زعیم الہند لکھئے، صاحب سیف و قلم کہئے
رسولِ پاکؐ کے گلشن کا جس کو باغباں کہئے
علوم و حکمتِ دینِ نبیؐ کا نکتہ داں کہئے
نگاہوں میں ہے اب تک صبغۃ اللّٰہی جمال اسکا
رسولؐ اللہ کی سنت تھی سیرت کا کمال اس کا
وہ کیا اٹھے کہ بزمِ علم پہ ہے مرگِ خاموشی
وفورِ رنج و غم سے چھا گئی ہے خود فراموشی

از جہود محمود حسن آرٹسٹ میرٹھ

۱۹۵۷

جج	تو شبلیٔ دیں ۷	جنیدِ دوراں ۵	اور رہبر ما ۳	حسین احمد ۱
عید	مہینِ محدث ۷	فقیہِ حق بیں ۵	برفت زینجا ۹	بسوئے ابقا ۱
جج	حسنِ عاکن ۷	بجودِ ایزد ۷	بہیں مورخ ۳	جلیل کُملاء
عید	امامِ ملت ۷	حسین احمد ۵	بہشت یابد ۹	بروزِ فردا ۱

نوٹ: اس کو بیس طرح پڑھ سکتے ہیں لیکن شمار مرف بیس دیا ہے

ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمۃ بڑے جوشیلے اور جذباتی آدمی تھے، جب کبھی اپنے نظریئے کے خلاف کسی میں کوئی بات دیکھ لیتے تو فوراً جوش میں آکر اس پر تنقید فرماتے، چونکہ وہ صرف جوشیلے اور جذباتی تھے ضدی نہ تھے، اس لیے پھر اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ میں غلطی پر ہوں یا یہ معلوم ہو جاتا کہ لوگ ان کی تنقید کو پسند نہیں کرتے تو فوراً اس سے رجوع فرماتے اور آئندہ اشاعت سے اس تنقید کو خارج کر دیتے، اس موقع پر مَیں چند تنقیدات و ترجیعات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) ڈاکٹر محمد اقبال کی پہلی تصنیف مثنوی اسرارِ خودی ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی تھی، میں نے جب اخبارات میں اس کا ذکر دیکھا تو فوراً اُسے منگوا لیا اور غور سے دیکھا، اُس میں دو تنقیدیں تھیں، ایک تو خواجۂ حافظِ شیراز پر، اور دوسری صوفیائے کرام پر، حافظِ شیراز پر بہت سخت تنقید تھی۔ پینتیس عدد اشعار اس بارے میں درج تھے۔ یہ تنقید مجھے سخت ناگوار گزری، فوراً ایک خط جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں لکھا کہ کتاب اچھی ہے لیکن خواجہ حافظ پر جو تنقید ہے وہ ٹھیک نہیں ہے صوفیائے کرام پر جو تنقید تھی اس کا جواب خواجہ حسن نظامیؒ نے اپنے ماہانہ رسالہ نظام المشائخ میں بہت بسط اور شرح کے ساتھ دیا پھر اس کا جواب ڈاکٹر صاحب نے اخبار وکیل امرتسر میں دیا۔ اسی طرح تین بار جواب خواجہ حسن نظامیؒ نے دیا اور تین بار ڈاکٹر صاحب نے جواب لکھا، یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ مجھے اپنے وطن سوات جانے کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ ماہ اگست ۱۹۱۷ء میں لاہور پہنچا اور جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے جو خط دربارۂ تنقیدی اشعار بابت خواجۂ حافظ شیراز لکھا تھا اس کا جواب نہیں آیا، آپ نے فرمایا کہ اس قسم کے متعدد خطوط ہند اور بیرونِ ہند سے آئے ہیں، ایک خط جو لندن سے مشیر حسین قدوائی نے انھیں لکھا تھا اور اُسی دن انھیں ملا تھا نکال کر سُنایا، انھوں نے لکھا تھا کہ مثنوی اسرارِ خودی کو میں نے پڑھا کتاب بہت بہتر ہے لیکن خواجۂ حافظِ شیراز پر جو تنقید ہے وہ درست نہیں ہے، پھر جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ جب لوگ پسند نہیں کرتے تو آئندہ ایڈیشن سے اُن اشعار کو خارج کر دوں گا۔ لوگوں کی خاطر مجھے ایسا کرنا پڑے گا ورنہ حافظ شیراز کے متعلق میرا نظریہ وہی ہے جس کا اظہار میں نے تنقیدی اشعار میں کیا ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ حافظ نے اپنی ہستی کا ستیاناس کر دیا معشوق کے سامنے اپنے آپ کو کُتا ثابت کر دیا ہے چنانچہ انھوں نے یہ شعر سُنا دیا ؎

شنیده ام که سگان را قلاده می بندی
چرا بگردنِ حافظ نمی نہی رسنے

میں نے کہا کہ یہ شعر مجاز نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ اے خدا میں نے سُنا ہے کہ تم فُساق و فجار کو اپنی آغوشِ رحمت میں لیتے ہو حافظ جو فاسق و فاجر ہے اُسے کیوں اپنی آغوشِ رحمت میں نہیں لیتے، یہ سُن کر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ تو خاص آدمی ہیں مگر معاملہ تو عوام سے ہے۔ میں نے کہا کہ دیوانِ حافظ بھی تو عوام کی چیز نہیں، بلکہ خواص کی ہے، آپ نے فرمایا کہ اطمینان رکھیے میں ضرور ان تنقیدی اشعار کو حذف کر دوں گا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا وہ تنقیدی اشعار یہی ہیں، غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

ہوشیار از حافظِ صہبا گسار
جامش از زہرِ اجل سرمایہ دار
رہنِ ساقی خرقۂ پرہیزِ او
مے علاجِ ہولِ رستاخیزِ او
نیست غیر از بادہ در بازارِ او
از دو جام آشفتہ شد دستارِ او
چوں خراب از بادۂ گلگوں شود
مایہ دارِ حشمتِ قاروں شود
مفتیِ اقلیم او مینا بدوش
محتسب ممنونِ پیرِ مے فروش
طوفِ ساغر گرد مثلِ رنگِ مے
خواست فتویٰ از رباب و چنگ و نے
در رموزِ عیش و مستی کاملے
از خُمے خوں در دلے پا در گلے
رختِ شغلِ ساغر و ساقی گذاشت
بزمِ رندان و مے باقی گذاشت
چوں جرس صد نالۂ رسوا کشید
عیش ہم در منزلِ جاناں شدید
در محبت پیروِ فرہاد بود
بر لبِ رو شعلۂ فریاد بود
تخمِ نخلِ آہ در کہسار کاشت
طاقتِ پیکار با خسرو نداشت
مسلم و ایمانِ او زنّار دار
رخنہ اندر دینش از مژگانِ یار
آں چناں مستِ شرابِ بندگی ست
خواجۂ محرومِ ذوقِ خواجگی ست
دعوی او نیست غیر از قال و قیل
دستِ او کوتاہ و خرما بر نخیل
آں فقیہِ ملّتِ مے خوارگاں
آں امامِ اُمّتِ بے چارگاں
گوسفند است و نوا آموخت است
عشوۂ و ناز و ادا آموخت است
دل ربائی ہائے او زہر ست و بس
چشمِ او غارتگرِ

ضعف را نامِ توانائی دہد
سازِ او اقوام را رسوا کند
از بُزِ یوناں زمیں زیرک تر است
پردۂ عودش حجابِ اکبر ست
نغمۂ چنگش دلیلِ انحطاط
ہاتفِ او جبرئیلِ انحطاط
بگذر از جامش کہ در مینائے خویش
چوں مُریدانِ حسنؒ دارد حشیش
از تخیّل جنّتے پیدا کند
مر ترا بر نیستی شیدا کند
ناوک اندازے کہ تاب از دل برد
ناوکِ او مرگ را شیریں کند
مار گلزارے کہ دارد زہرِ ناب
صید را اوّل ہمے آرد بخواب
عشق با بحرِ نگاہش خودکشی ست
کشتنش مشکل کہ مارِ خوانگی ست
حافظِ جادو بیاں شیرازی است
عرفیِ آتش بیاں شیرازی است
ایں سوی ملکِ خرد مرکب جہاند
آں کنارِ آبِ رکنا باد ماند
ایں قتیلِ ہمّتِ مردانہ
آں ز رمزِ زندگی بیگانہ
دست ایں گیرد ز آنچہ خوشہ
چشمِ آں از اشک دارد توشہ
روزِ محشر رحم اگر گوید بگیر
عرفیا فردوس و حور او حریر
غیرتِ او خندہ بر حورا زند
پشت پا بر جنت الما زند
بادہ زن با عُرفیِ ہنگامہ خیز
زندہ از صحبتِ حافظ گریز
ایں فسوں خواں زندگی از مار بود
جامِ او شانِ جمی از مار بود

حسن صباح

محفلِ او درخورِ ابرار نیست
ساغرِ او قابلِ احرار نیست
بے نیاز از محفلِ حافظ گذر
الحذر از گوسفنداں الحذر

دیکھا آپ نے کس قدر سخت تنقید ہے؟ جیسے میری طرح معتقدینِ حافظ برداشت نہیں کرسکتے۔ ڈاکٹر صاحب نے متذکرہ بالا تنقیدی اشعار کو مثنوی اسرارِ خودی " سے خارج تو کردیا مگر حافظ کے متعلق ان کا جو نظریہ ہے اُس میں کوئی فرق نہیں آیا، اگرچہ حافظ کو انھوں نے تنقیدی اشعار میں جادو بیاں کہا ہے لیکن دونوں کے نظریہ کے اختلاف کی وجہ سے ان کا دل حافظ کے متعلق صاف نہیں ہوا ہے۔ کئی بار انھوں نے حافظ کے اشعار پر تضمینیں کی ہیں۔ مگر حافظ کا نام نہیں لیا ہے "کلیات" میں "نصیحت" کے عنوان سے جو نظم ہے اس میں اخیر کا شعر حافظ کا ہے۔ ؎

عاقبت منزلِ ما وادیِ خاموشانست
حالیا غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز

"خطاب بہ نوجوانانِ اسلام" میں یہ مصرعہ حافظ کا ہے۔ ؏
بآب ورنگ و خال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

"قربِ سلطان" کی نظم میں یہ مصرعہ حافظ کا ہے۔ ؏
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اور یہ شعر بھی حافظ کا ہے۔ ؎
محلِ نورِ تجلّی ست رائے انورِ شاہ
چو قرب او طلبی در صفائے نیت کوش

ارتقار کے عنوان سے جو نظم ہے اس کا دوسرا مصرعہ بادنیٰ تصرف حافظ کا ہے۔ ؏
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

ایک خط کے جواب میں جو نظم ہے اُس میں اخیر کا شعر حافظ کا ہے:
؎ گرت ہواست کہ با خضر ہم نشیں باشی
نہاں زچشم سکندر چو آب حیواں باش

"اسیری" کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا آخری شعر حافظ کا ہے:
؎ شہپرِ زاغ وزغن زیبائے قید وصید نیست
کیں سعادت قسمتِ شہباز وشاہین کردہ اند

"طلوعِ اسلام" کے عنوان سے جو نظم ہے اس کا اخیر کا شعر حافظ کا ہے۔ ؎
بیا تا گل بیفشانیم ومے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم وطرحِ دیگر اندازیم

ظریفانہ نظم کے عنوان سے جو نظم ہے اس کا اخیر کا شعر حافظ کا ہے۔
؎ دلقِ حافظ بچہ ارزد بہ میش رنگین کُن
وانگہش مست وخراب از رہِ بازار بیار

میرے حافظہ میں جو نظمیں تھیں اور جن میں حافظ کے اشعار پر تضمینیں تھیں انھیں میں نے لکھا۔ ممکن ہے کہ اور تضمینیں بھی ہوں لیکن مجھے اُن کا علم نہیں ہے اور شعرار کے اشعار پر بھی ڈاکٹر اقبال نے تضمینیں لکھی ہیں اُن شعرار کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے مثلاً فرماتے ہیں:

تضمین بر شعرِ انیسی شاملو ؎
وفا آموختی از ما بکار دیگراں کردی
ربودی گوہرے از ما نثارِ دیگراں کردی

تضمین بر شعرِ صائب ؎
ہماں بہتر کہ لیلیٰ در بیاباں جلوہ گر باشد
ندارد تنگنائے شہر تابِ حُسنِ صحرائی

تضمین بر شعرِ مرزا بیدل ؎
باہر کمال اندکے آشفتگی خوش ست
ہر چند عقلِ کل شدۂ بے جنوں مباش

تضمین بر شعرِ ملک قمی ؎
رفتم کہ خار از پاکشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد

فردوس میں مکالمہ کے عنوان سے جو نظم ہے اس کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں شیخ سعدی شیرازی کا نام ہے اور دوسرا شعر تو سعدی ہی کا ہے۔ ؎
اے آنکہ زنورِ گہرِ نظم فلک تاب
در مَن بچراغ مہ واختر زدہ باز

اخیر کا شعر بھی سعدی شیرازی کا ہے ؎
خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم
دیبا نتواں یافت ازاں پشم کہ رشتیم

ڈاکٹر اقبال نے خواجہ حافظ شیراز کو کماحقہ، پہچانا نہیں ہے۔ اس لیے وہ ان کو شرابی کہتے ہیں حالانکہ کسی نے حافظ کو شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، نہ گھر کے لوگوں نے اُن کو شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے نہ باہر کے لوگوں نے۔ خواجہ حافظ لسان الغیب کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک دفعہ اورنگ زیب عالمگیر کی شاہی مہر گم ہو گئی تھی چونکہ وہ بہت قیمتی تھی جواہرات اس میں لگے ہوئے تھے، اس کے علاوہ ان کو سب سے بڑا خدشہ یہ تھا کہ اگر اس کو کوئی غلط طریقہ پر استعمال کرے تو حکومت کا بہت زبردست نقصان ہوگا اسی فکر میں غلطاں وپریشان تھے، چونکہ ان کو خواجہ صاحب سے کمال عقیدت

منڈی تھی، اس لیے فال دیکھنے کی غرض سے دیوانِ حافظ اٹھایا اور کنیز کو پکارا کہ چراغ لے کر آؤ، وہ چراغ لے کر آئی انھوں نے دیوان کھول کر دیکھا تو یہ شعر نکلا۔ ؎

بفروغِ چہرہ زُلفت ہمہ شب زند رہِ دل
چہ دلاور ست دُزدے کہ بکف چراغ دارد

انھوں نے فوراً کنیز کی تلاشی لی تو اُس کی کمر سے مہر برآمد ہُوئی۔

دُور کیوں جائیے، میری حالت سُنئے۔ ۱۹۳۸ء میں مَیں اپنے وطن سوات میں تھا، یہاں سے میں ۱۹۳۳ء میں گیا تھا، میرے چار بچے یہاں آمبور میں اپنے نانا محمد ہاشم صاحب کے پاس تھے اور میں سوات میں تھا۔ سوات کے خویش و اقارب نے مجھے مجبور کیا کہ میں واپس آمبور نہ جاؤں میں بڑی کش مکش میں مبتلا تھا کہ واپس جاؤں یا سوات میں رہوں، آخر دیوانِ حافظ کھول کر فال نکالا تو یہ شعر نکلا۔ ؎

من از دیارِ حبیبم نہ از دیارِ رقیب
مہیمنا بہ رفیقانِ خود رساں بازم

میرے بڑے لڑکے کا نام حبیب الرحمٰن ہے، یہ دیکھتے ہی جانے پر آمادہ ہوا لیکن ہاتھ میں رقم نہیں تھی۔ حیران نقطہ دار دائرۂ پرکار میں رہا۔ گھر سے جب باہر نکلا تو ایک شخص باہر کھڑا میرے انتظار میں تھا، اُس نے ایک سو روپیہ پیش کیا کہ دمہ کی دوا آپ نے جو دی تھی اُس سے بڑا فائدہ ہُوا، بیس (۲۰) سال کا دمہ اُس سے بالکل ٹھیک ہوگیا، یہ ایک سو روپیہ لے لو، اور وہ نسخہ لکھ کر دے دو، چنانچہ کھڑے کھڑے وہ نسخہ لکھ کر میں نے دے دیا اور دوسرے دن مدراس جانے لگا، اُس وقت سے اب تک یہاں آمبور میں ہوں، کوئی صورت اپنے ملک جانے کی نہیں نکلتی۔ اچھا اب دوسری تنقید اور ترجیع ملاحظہ فرمائیے :۔

(۲) دسمبر ۱۹۲۰ء کے اخیر ہفتہ میں انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس ناگپور میں زیرِ صدارت وجے رگھو اچاریہ منعقد ہوا تھا جس میں مہاتما گاندھی کا نان کوآپریشن والا ریزولیشن پاس ہوگیا تھا جس کی مخالفت قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کی، لوگوں نے اُن پر شیم شیم کی آوازیں کسی تھیں میں نے بھی زور زور سے شرم شرم کی آوازیں بلند کی تھیں، جناح صاحب اُسی وقت کانگریس سے نکل گئے۔ ہندوستان میں اب کوئی ادارہ اُن کے لیے نہیں رہا۔ مسلم لیگ تو مرچکی تھی، اس کی جگہ خلافت کانفرنس کام کر رہی تھی، مجبور ہو کر آپ لندن تشریف لے گئے، سات آٹھ مہینہ کے بعد لندن سے واپس آ کر اکتوبر ۱۹۲۱ء میں بمبئی میں اعلان کر دیا کہ لیگ کو پھر زندہ کر دینا چاہیئے، اس اعلان سے ڈاکٹر اقبال بہت برہم ہوئے اور فوراً تنقیدی قطعہ ارشاد فرمایا، جو صدائے لیگ کے عنوان سے روزنامہ زمیندار مورخہ ۹ر نومبر ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا، اُس وقت کے تمام اُردو اخبارات نے نہایت نمایاں طریقے سے شائع کیا اور بہت سے لوگوں کے وردِ زبان رہا، وہ قطعہ یہ ہے جو اس وقت میری نوکِ زبان ہے، صدائے لیگ (از ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال)

لندن کے چرخِ نادرہ فن سے پہاڑ پر
اُترے مسیح بن کے محمد علی جناح
نکلے گی تن سے تو کہ رہے گی بتا ہمیں
اے جان برلب آمدہ اب تیری کیا صلاح
دل سے خیالِ دشت و بیاباں نکال دے
مجنوں کے واسطے ہے یہی جادۂ فلاح
آغا امام اور محمد علی ہے باب
اس دین میں ہے ترکِ سوادِ حرم مباح
بشریٰ لکم کہ منتظرِ ما رسیدہ ہست
یعنی حجابِ غیرتِ کبریٰ دریدہ ہست

(روزنامہ زمیندار مورخہ ۹ر نومبر ۱۹۲۱ء)

میں نے علامہ اقبال کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ قطعہ تو بہت اچھا ہے لیکن جناح صاحب پر اس قدر سخت تنقید غیر مناسب ہے، تمام لوگ قطعہ کو بہت پسند کر رہے ہیں مگر میں اس بارے میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، میں بھی آپ کی طرح جناح صاحب کا مخالف ہوں ناگپور میں کانگریس کے اجلاس میں جب اُن پر شیم شیم کی آوازیں کسی گئیں تو میں نے بھی زور زور سے شرم شرم کی صدا بلند کی، میں پکا خلافتی اور کانگریسی ہوں اور وہ ان دونوں کے سخت خلاف ہیں لیکن انھوں نے ۱۹۱۸ء میں جو بہت اہم کام انجام دیا ہے اُس کا اثر میرے دل و دماغ پر بہت زیادہ ہے۔ ۱۹۱۸ء میں وزیرِ ہند لارڈ مانٹیگو جب ہندوستان آئے تھے اور پورے ملک کا دورہ کیا تو ایک رپورٹ لارڈ چیمسفورڈ اور مانٹیگو کے نام سے مُرتب کی گئی جس میں سفارش کی گئی تھی کہ ہندوستان میں کافی صلاحیت ہے اس لیے اُسے اصلاحات ملنے چاہئیں اس رپورٹ کی تائید تمام صوبہ جات کے گورنروں اور لیفٹیننٹ گورنروں نے کی۔ لیکن بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگٹن نے اس کی مخالفت کی کہ ہندوستان میں اصلاحات کی قابلیت نہیں ہے ولنگٹن کے اس رویّہ کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ صرف مسٹر محمد علی جناح ہی تھے جنھوں نے مشرح اور غیر مبہم الفاظ میں مخالفت کی اور لارڈ ولنگٹن کو دشمنِ ہند کہا کہ ایسے دشمنِ ہند گورنری کے لائق نہیں ہیں، حکومتِ برطانیہ کو چاہیئے کہ وہ انہیں واپس بلائے۔ جب لارڈ ولنگٹن کی میعادِ گورنری ختم ہوئی اور وہ لندن جانے لگے تو بمبئی کے کارپوریشن کی جانب سے لارڈ موصوف کے اعزاز میں جلسہ منعقد ہوا۔ اس موقع پر مسٹر محمد علی جناح اور ان کی بیوی نے کالی جھنڈیوں سے لارڈ ولنگٹن کا استقبال کیا، غیر قوم میں سے کسی کی یہ جرأت نہ ہوسکی، لہٰذا میں آپ کی خدمت میں باادب التماس کرتا ہوں کہ ازراہِ کرم اِس قطعہ کو اپنے مجموعۂ

اشعار سے خارج کر دیجئے گا۔

خط لکھ کر دو ہفتے کے بعد جناب ڈاکٹر اقبال کا نوازش نامہ موصول ہوا جس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ واقعی جوش میں آکر میں نے چند تنقیدی اشعار لکھ دیئے ہیں لیکن آپ کے خط نے میرے جوش کو فرو کر دیا، میں آپ کا شکرگذار ہوں کہ آپ نے بروقت مجھے متنبہ کر دیا، آپ کے سوا اور کسی نے مجھے نہ لکھا ہے اور نہ کسی نے زبانی ہی کچھ کہا ہے۔ اس بارے میں لکھنے والے آپ فردِ واحد ہیں، اطمینان رکھیے کہ میں نے اُن اشعار کو آپ ہی کے کہنے سے اپنے مجموعۂ اشعار سے خارج کر دیا ہے۔

۱۹۲۸ء میں جناب ڈاکٹر اقبال صاحب مدراس تشریف لائے تھے تو میں اُن سے ملنے کی غرض سے مدراس گیا اور جناب یعقوب حسن سیٹھ صاحب کی معیت میں اُن سے ملا، سیٹھ صاحب نے میرا تعارف ان سے کرانا چاہا، آپ نے فرمایا: "میں انھیں اچھی طرح جانتا ہوں، یہ اہلِ ایمان میں سے ہیں۔ ؎

جہاں میں اہلِ ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر نکلے اُدھر ڈوبے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

اور پھر فرمانے لگے، ۱۹۱۷ء میں آپ لاہور آکر مجھ سے ملے ہیں میں نے اسرارِ خودی میں جو تنقید خواجہ حافظ پر کی تھی اس بارے میں آپ نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اُن تنقیدی اشعار کو اسرارِ خودی سے خارج کر دوں چنانچہ ان کے کہنے سے میں نے ان اشعار کو خارج کر دیا پھر ۱۹۲۱ء میں مسٹر محمد علی جناح صاحب پر چند اشعار بطور تنقید کہے تھے جن کو تمام اخبارات نے شائع کیا تھا اس بارے میں آپ کا ایک خط آیا تھا کہ ان اشعار کو اپنے مجموعہ سے خارج کرو میں نے ان کے لکھنے سے اُن اشعار کو اپنے کلیات سے خارج کر دیا میں جانتا ہوں یہ افغان ہیں، جب کسی بات کے پیچھے لگ جاتے ہیں جب تک اُسے حاصل نہیں کر لیتے چین سے نہیں بیٹھتے"۔

اب ایک تیسری تنقید ملاحظہ فرمائیے:

(۳) ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے پل بنگش کے پاس رات کے وقت ایک جلسہ میں تقریر کی تھی جس میں فرمایا تھا کہ آج کل اقوام وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں۔ جلسہ میں اخبار "الامان" کا نامہ نگار بھی تھا، اُس نے پوری رپورٹ مولوی مظہر الدین شیرکوٹی کو سنائی، چونکہ مولوی مظہر الدین مولانا مدنیؒ کے سخت مخالف تھے۔ انھوں نے "الامان" میں یہ لکھا کہ جلسہ میں مولانا مدنیؒ نے کہا ہے کہ ملّتیں وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں، چوں کہ یہ بات ڈاکٹر اقبال کے نظریئے کے سخت خلاف تھی اس لیے جوش میں آکر مولانا مدنیؒ پر سخت تنقید کی جس کا اظہار اس قطعے میں کیا ہے۔

سرود بر سرِ منبر کہ ملّت از وطن ست
چہ بے خبر ز مقامِ محمدؐ عربی ست
بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

جب حضرت مولانا مدنیؒ کی نظر سے یہ قطعہ گذرا تو آپ نے اخبارات میں بیان شائع کروا دیا کہ میں نے ملّت کا لفظ نہیں استعمال کیا ہے۔ بلکہ قوم کا لفظ استعمال کیا ہے کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں نہ کہ مذہب سے، مولانا مدنی کا بیان جب اخبارات میں شائع ہوا تو جناب اقبال احمد صاحب سہیل نے جناب ڈاکٹر اقبال کے جواب میں ایک سخت نظم تحریر فرمائی اور ڈاکٹر صاحب پر تنقید کی، نظم سولہ اشعار پر مشتمل تھی، اُن میں سے دس شعر جو میری نوکِ زبان ہیں ملاحظہ ہوں: ؎

کسے کہ خردہ گرفتست بر حسین احمد
زبانِ او عجمی و کلام در عربی ست
کہ گفت بر سرِ منبر کہ ملت از وطن ست
دروغ گوئی و ایراد، ایں چہ بوالعجمی ست
درست گفت محدّث کہ قوم از وطن ست
کہ مستفاد ز فرمودۂ خدا و نبیؐ ست
زبانِ طعن کشودی و ایں ندانستی
کہ فرقِ ملّت و قوم از لطائف ادبی ست
تفاوتے ست فراواں میانِ ملّت و قوم
یکے ز کیش دگر کشوری ست یا نسبی ست
خدائے گفت بہ قرآں بِکُلِّ قَوۡمٍ هَاد
مگر بہ نکتہ کجا پے بَرد کسے کہ غبی ست
بقوم خویش خطاب پیمبراں بنگر
پُر از حکایتِ "یَا قَوۡمِ" مصحفِ عربی ست
رموزِ حکمت و ایماں ز فلسفی جستن
تلاشِ لذتِ عرفاں ز بادۂ عنبی ست
بہ دیوبند در آ گر نجات می طلبی
کہ دیوِ نفس سلحشور و دانش توصبی ست
بگیر راہِ حسین احمد ار خدا خواہی
کہ نائب ست نبیؐ را و ہم ز آلِ نبیؐ ست

حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اخبارات میں بیان اور اقبال احمد صاحب سہیل کی متذکرہ بالا نظم جب ڈاکٹر اقبال صاحب کی نظر سے گذری تو فوراً اخبار "مدینہ" بجنور مورخہ ۵ر مارچ ۱۹۳۸ء میں مضمون شائع کرا دیا کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے، مجھے غلط خبر پہنچی تھی جس کی وجہ سے میں نے برافروختہ

؎ عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد، ایں چہ بوالعجمی ست

ہو کر ان پر سخت تنقید کی، اب اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہوگئی ہے۔ اس لیے میں مولانا مدنیؒ سے خواستگارِ معافی ہوں۔ امید ہے کہ مولانا صاحب مجھے معاف فرمائیں گے۔

ڈاکٹر اقبال صاحب نے تو معافی مانگ لی لیکن لوگوں نے اُن کے کلیات سے قطعہ خارج نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا معافی نامہ ۵ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا تھا اور ان کا انتقال ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہوا۔ اگر زیادہ دن تک زندہ رہتے تو یقین ہے کہ وہ خود قطعہ کو کلیات سے خارج کر دیتے۔ !!!

بشکریہ: برہان" دہلی، اگست ۱۹۶۴ء

قطعۂ سالِ وفاتِ ولیٔ پاک شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

حیطۂ ہر مصرع مزین بتاریخ

حضرت حسین احمد ولی اللہ و میر
او محترم، بحر العلوم و کارساز

او پیکرِ حلم و صفا، شیخ الحدیث
او قوتِ دل، شیریں زباں، مہماں نواز

عیسیٰ صفت، فخرِ زمن، محبوبِ رب
شمس الہدیٰ، مردانہ دل، ہم سر فراز

او راہبر، او مقتدا، او گنجِ فضل
او مظہرِ الوانِ دیں، او دل گداز

اُف! کرد از دنیائے تیرہ دل سفر

رقمہا نسیمہ صدیقی تاریخ گو
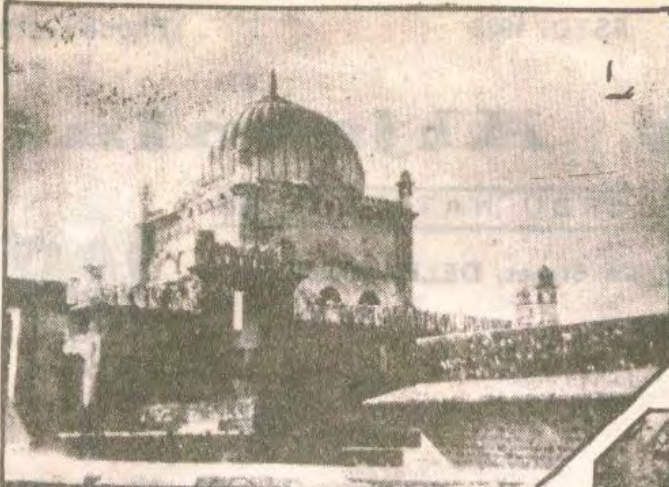
اَسیرِ مالٹا آغوشِ رحمت میں

حَضرت شیخ کی آخری آرامگاہ (دیوبند)

اپنے اسلاف حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح
اور
شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رح کے بیچ میں
حضرت شیخ آسودۂ رحمت ہیں

(۱) دارالعلوم دیوبند میں دارالحدیث کا بالائی منظر

(۲) نودرہ (دارالحدیث) حضرت شیخ رح کی درسگاہ

(۳) نظامت تعلیمات دارالعلوم میں حضرت کی مَسند

(۴) مَدنی منزل۔ دیوبند میں حضرت شیخ رح کا مہمان خانہ جہاں آپ اپنے محبوب ترجمان "اخبار الجمعیۃ" کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔

(۵) مکان کے اندر حضرت شیخ کا مخصوص کمرہ اور دارالمطالعہ

مولانا محمد ابراہیم صاحب افریقی اور سید مناظر رضا صاحب زیدی کے دلی تشکریہ کے ساتھ
"انیس الحسن"
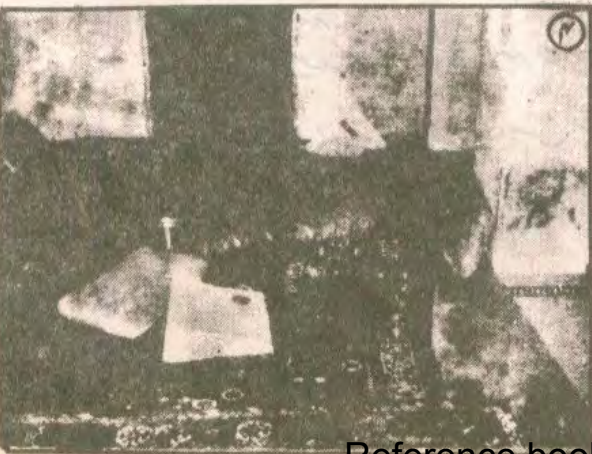
Grams : 'ALJAMIAT' DELHI | ESTD. 1925 | Phone : 231353

The Daily Aljamiat

INDIA'S LEADING URDU NATIONALIST

Jamiat Building, Qasimjan Street, DELHI-110006.

Ref. No.

Dated ۵ر جون ۱۹۸۳ء

محب مکرم — السلام علیکم

مزاج گرامی۔

معذرت خواہ ہوں کہ آپ کے خط کا جلد جواب نہ دے سکا اور اسکی وجہ یہ تھی کہ میں آپ کے خط کو حضرت مولانا اسعد مدنی کے علم میں لانا چاہتا تھا۔ بڑی مسرت ہوئی کہ آپ کا ادارہ شیخ الاسلام نمبر کو پاکستان میں شائع کر رہا ہے۔ الجمعیۃ کے اس خصوصی نمبر کی ترتیب اور تیاری کا بیشتر کام بہ حیثیت ریذیڈنٹ ایڈیٹر سنڈے ایڈیشن چونکہ راقم الحروف ہی کے سپرد تھا اسلئے پاکستان میں اس تاریخی نمبر کی اشاعت کی اور بھی مسرت ہے۔ یہ احساس بھی ہے کہ پاکستان میں اکابرین جمعیۃ جن میں امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور حضرت شیخ الاسلام اور دوسرے مقتدر حضرات شامل ہیں کی طرف خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ شیخ الاسلام نمبر چونکہ حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت کے ہمہ جہت پہلوؤں کے سلسلہ میں قیمتی معلومات کا ذخیرہ ہے اسلئے اسکی اشاعت سے پاکستان کے اور بھی لوگ استفادہ حاصل کر سکیں گے۔ ہندوستان میں یہ خصوصی نمبر بے حد مقبول ہوا تھا اور امید ہے پاکستان میں بھی اسے عوامی مقبولیت حاصل رہے گی اور اللہ تعالیٰ آپ کی اس خدمت کو قبول فرمائے گا۔ یقین ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

والسلام

[illegible]

منیجنگ ایڈیٹر الجمعیۃ سہ روزہ و ویکلی